قرآنک انسائیکلوپیڈیا

اردو ترجمہ

جلد دوم

مؤلف
پروفیسر اشفاق احمد خانؒ

حق اور مخالفت میں دلائل۔ تجارت/خرید وفروخت اور سود میں بنیادی فرق۔ سود اور امنِ عالم۔ کیا سود سے پاک اقتصادی نظام قابلِ عمل ہے؟ سودی مشاغل کا گناہِ کبیرہ۔ سود سے پاک اقتصادی نظام کیسے نافذ کیا جائے؟ بچت کے کھاتوں اور پراویڈنٹ فنڈ پر "نفع" کی شرعی حیثیت۔ جائز اور قانونی کاروبار/معاہدات۔ بین الاقوامی تجارت (درآمدات و برآمدات)۔ مبادلہ کی تجارت۔ مشارکت۔ اِجارہ (کرایہ داری Leasing)۔ رہن۔ مرہونہ اثاثہ کی قانونی حیثیت۔ مرہونہ اثاثہ سے فائدہ اُٹھانا۔ معاہدہ کفالہ۔ زَر کی تعریف اور اہمیت۔ کاغذی زر کی قانونی حیثیت۔ بیع مطلق۔ وکالۃ۔ دیوالیہ پن۔ تلافی اور عوضانہ۔ بیمہ کمپنی۔ نفع ونقصان۔ سرمایہ دار اور لیبر کے درمیان شراکت داری۔ رقم کی پیشگی ادائی۔ رقم کی مؤخر ادائی پر فروخت۔ زر اور دولت۔

(۱۹) تقویم (Calendaring) ــــ ــــ ــــ ــــ ۶۷۲

تعارف۔ تقویم سازی۔ چاند کے گھٹنے بڑھنے کے فوائد۔ ایک روح پرور نکتہ۔ تقویم کی اقسام۔ ضیاء اور نور۔ چاند کی منزلیں۔ لیپ کا سال۔ تقویم برائے سال 1860-2099ء۔

(۲۰) خطاطی (Calligraphy) ــــ ــــ ــــ ــــ ۶۷۸

تعارف واہمیت۔ قرآن مجید میں خوش نما خطاطی کی ترغیب وترویج۔ کتابت اور خطاطی۔ فنِ خطاطی کے اُصول۔ دَورِ اسلامی میں فنِ خطاطی کی مختصر تاریخ۔ نبیِ اکرم ﷺ کے مختلف شاہان وسردارانِ قبیلہ کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط۔ خطِ کوفی اور خطِ نسخ۔ خطِ کوفی کے نمایاں خدّ وخال۔ خوشنویسی کے مختلف نمونے (خطِ ثلث۔ ھلالی۔ بحار۔ گلزار۔ طاؤس۔ غبار۔ توقیع۔ محقق۔ زلفِ عروس۔ ریحان۔ خطِ شکستہ۔ خطِ تعلیق۔ خطِ لرزہ)

(۲۱) کیمیا (Chemistry) ــــ ــــ ــــ ــــ ۶۸۵

تعریف۔ حیاتِ انسانی میں علمِ کیمیا کی اہمیت۔ مادّے میں ہونے والی تبدیلیاں اور قرآنِ مجید۔ علمِ کیمیا اپنے علم کی وسعت میں قرآن مجید کا رہینِ منت۔ بے جان مادّوں کے کیمیائی ردِّ عمل سے ایک نئی جان کا وجود میں آنا۔ ارتقائی عمل کے ذریعے دھوئیں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق۔ قرآنی لفظ مَآء کے مختلف معانی۔ شہد کی کیمیائی کیفیت۔ کیمیائی تغیر وتبدّل اور اُن کی اَقسام۔ ایٹم۔ اٹامک تھیوری۔ قرآن مجید اور ایٹم۔ چند متعلقہ اصطلاحات قرآنِ حکیم کی روشنی میں۔ ہائیڈروجن اور آکسیجن کا ملاپ۔ احتراق (جلنا Combustion)۔ حرارت کا انجذابی عمل۔ اینڈوتھرمک اور اَیکسوتھرمک ری ایکشنز۔ خمیر اُٹھنا (Fermentation)۔ ہائیڈروجن بانڈ۔ جلنے کا عمل (Ignition) غیر نامی اور بے جان (Inorganic) اَشیاء۔ دھاتیں۔ دھات کاری (Metallurgy)۔ آمیزہ۔

''ہم ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے سو تم (بعثِ ثانی کی) تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ اچھا یہ بتاؤ کہ تم جو مادۂ منویہ ٹپکاتے ہو تو آدمی تم بناتے ہو یا (اُس کے) بنانے والے ہم ہیں؟'' (۵۶:۵۷۔۵۹)

پوچھا جارہا ہے کہ اسبابِ وجود کو فراہم کردینا ہمارے اختیار کی چیز ہے یا تمہارے؟ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب والد کا نطفہ والدہ کے بیضہ نطفہ کو بارآور کرتا ہے تو اُن دونوں کے جین' پیدا ہونے والے بچے کی جسمانی خصوصیات کے تعین کے لئے باہم اکٹھے ہوجاتے ہیں۔ ہزاروں مختلف قسم کے جینوں میں سے ہر ایک کا ایک مخصوص کام ہوتا ہے۔ یہ جین ہی ہیں جو بالوں اور آنکھوں کا رنگ' چہرے کی ساخت اور جسم میں لاتعداد تفصیلات' داخلی اعضاء، دماغ' رگوں اور اعصاب کا تعین کرتے ہیں۔''

''جب مرد کا نطفہ عورت کے بیضہ سے ملتا ہے تو ایک خلیہ ایک نئے انسان کی بنیاد رکھتا ہے اور اُس خلیے کے ساتھ ہی ڈی این اے سالمے کی پہلی کاپی بھی تیار ہوجاتی ہے جو خلیے کے اندر اُس انسان کے جنیاتی کوڈ کو تمام عمر ساتھ لئے پھرتی ہے۔''

(The Miracle of Creation in DNA --- Harun Yahya, p. 17)

<u>ڈی این اے اور قرآن حکیم</u> : موروثی خصوصیات کے حامل اور علم جینیات کی کلید' ڈی این اے سالمے کی دریافت ہے جو کیمیائی کوڈ کی تشکیل کرتا ہے اور تمام دنیا کے اُسرار میں سب سے زیادہ حیران کن چیز ہے۔ ہر شخص کا ڈی این اے سالمہ رمزی (Coded) حیاتیاتی معلومات کو شامل ہوتا ہے جو انسائیکلو پیڈیا بریٹینیکا کی سائز کے ایک لاکھ صفحات میں سما سکتا ہے (بحوالہ انسائیکلو پیڈیا بریٹینیکا' ج ۱۰' ص ۸۹۴)۔ لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر انسان کی تمام جینیاتی ہدایات اور معلومات اُس کی پیدائش سے لے کر موت تک مکمل حیاتیاتی تفصیل کے ساتھ ڈی این اے میں منضبط کردی ہیں۔ انسان کے جین سے متعلق کئی قرآنی آیات ہیں جو منضبط شدہ حیاتیاتی معلومات کی طرف تمثیلی اور رمزی طور پر اشارہ کرتی ہیں۔ رمزی قرآنی آیات جن میں ڈی این اے کی طرف بطور کتاب اشارہ کیا گیا ہے جس میں ہر انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک کی جینیاتی معلومات کو درج کردیا گیا ہے' حسبِ ذیل ہیں:۔

(۱) وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ (فاطر: ۱۱)

''اور نہ کسی کی عمر زیادہ کی جاتی ہے اور نہ کم مگر یہ سب لوحِ محفوظ میں ہے۔'' (۳۵:۱۱)

(۲) هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (اَلْجَاثِيَة: ۲۹)

''یہ ہمارا رجسٹر ہے جو تمہارے حق میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے' تم جو کچھ بھی کرتے تھے ہم سب لکھواتے جاتے تھے۔''

(۳) قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝ (قٓ: ۴)

''ہم تو اُن کے اجزاء تک کو جانتے ہیں جنہیں زمین (کی مٹی) کم کرتی ہے اور ہمارے پاس تو (پورا) رجسٹر ہی محفوظ ہے۔''

(۴) وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا (اَلنَّبَا: ۲۹)

''اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر منضبط کر دیا ہے۔'' (۷۸:۲۹)

<u>بیالوجی کی اہمیت</u> : انسانی فلاح و بہبود اور انسانی حیات کا حسن و جمال بہت حد تک علمِ حیاتیات و نباتات کا رہینِ منت

ہے جس نے زیادہ سے زیادہ خوراک پیدا کرنے اور متوازن غذا کی اہمیت کو سمجھنے میں انسان کی مدد کی ہے۔ علوم حیاتیات کی ترقی نے انسان کی روزمرّہ کی معاشی' معاشرتی اور صنعتی ترقی کو متاثر کیا ہے اور آئندہ بھی کرتی رہے گی۔ اِسی طرح علومِ حیاتیات نے اَمراض پر قابو پانے میں انسان کی مدد کی ہے جس کے نتیجے میں اموات میں کمی ہوئی ہے اور انسانی صحت میں بہتری آئی ہے۔ وبا پھیلانے والے حشرات پر قابو پانے اور علمِ جینیات نے پیداوار کو بہتر کر دیا ہے اور سبزیوں' فصلوں اور پھلوں کی بہترین قسموں سے اِسی علم نے ہمیں متعارف کرایا ہے۔ فصلوں کی پیداوار میں بہتات کے نتیجے کے طور پر قحط اور خشک سالی کے امکانات کم ہو گئے ہیں اور ہمارے اقتصادی حالات بہت حد تک رُوبہ اصلاح ہو چکے ہیں۔''

''طب اور صحت کے میدان میں ویکسین اور جراثیم کُش اَدویات (Antibiotics) کی دریافت اور بھی حوصلہ افزا ہے اور آج کا انسان ویکسین ٹیکنالوجی کی وجہ سے چیچک اور وبائی امراض سے نسبتاً محفوظ ہے۔''

''ماحولیاتی آلودگی صنعتی ترقی کی تیزی کے باعث انسانی اور حیوانی صحت کے لئے ایک مستقل اور دائمی خطرہ ہے۔ علمِ حیاتیات کی تحقیقات نے انسانی سماج کو صورتِ حال کے سمجھنے پر آمادہ کیا ہے اور اس سنجیدہ مسئلہ سے نمٹنے کے لئے محسوس کوششیں کی جا رہی ہیں۔''

<u>پاکستان کے حیوانات(Fauna)</u> : نباتات کی طرح ہمارے ملک کے جانوروں میں بھی خاصا تنوع (Variety) ہے اور نباتات اور انسان کے ساتھ اُنکے حیاتیاتی تعلق میں ایک اہم مقام ہے۔ کراچی کے ساحلوں اور ساحلوں سے دُور کے پانی سمندری خوراک سے مالا مال ہیں اور دنیا کے بہترین ماہی گیری کے میدان ہیں۔ مچھلیوں میں ٹراؤٹ' مہاسر' چپٹی مچھلی اور ڈاگ فِش عام ہیں جو اقتصادی قدر میں ایک وقیع گروپ بناتے ہیں۔''

''ہمارا ملک پرندوں کی طرح طرح کی اقسام میں بھی مالا مال ہے۔ (سارس کی نسل کا) لم ڈھنگ' دریائی مرغ' ہمالیہ کا برفانی مرغ اور شکرے عام پرندے ہیں۔ ممالیہ جانور ہماری گھریلو حیوانیاتی زندگی کا عظیم حصّہ ہیں۔ ممالیہ جانوروں میں بھیڑیا' برفانی چیتا اور سفید لنگور عام ہیں۔ ہمارے ہاں ہرنوں کی بھی کئی اقسام ہیں۔ یہ ہرن (Ibex) نامی ایک جنگلی بکری اور (Urital) نامی ایک جنگلی بھیڑ کے ساتھ مل کر شکاریوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ شترِ بے مہار اور آزاد شکار نے اِن جانوروں کی زندگی کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ غیر ملکی بازاروں میں بندر کی مانگ نے اِس جانور کی بقا کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔''

''ہمارے ملک کے حیوانات اور نباتات (Fauna and Flora) کو حیاتیاتی لحاظ سے ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اُن کا آپس میں تعلق ہی ایسا ہے اور ہماری فلاح و بہبود اور بقا پر اُن کا گہرا اثر ہے۔ حیوانات' نباتات اور انسان ایک قسم کی مثلث بناتے ہیں جن کے مابین قدرتی توازن ہے۔ اگر اُن کا یہ قدرتی اور فطری توازن درہم برہم ہو جائے تو اُن میں سے ہر ایک منفی طور پر متاثر ہو گا۔ اس مثلث میں ایک جزو جو اِس قدرتی توازن میں بگاڑ پیدا کر سکتا ہے یا اِسے توڑ سکتا ہے' وہ حضرتِ انسان (کا حیوانی رُوپ) ہے۔''

(۱۷) مذہب کی بے حُرمتی کی باتیں (BLASPHEMY)

"ٹھیک ٹھیک بات یہی ہے کہ برائی کی تشہیر' اُس صداقت کا جھٹلانا جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی نوع انسان کی طرف اپنے رسولوں کے ذریعے بھیجی' اور اُس کے کسی بھی نبی یا رسول یا دوسری مقدّس چیزوں کی گستاخی اور توہین کرنا' یہ سب باتیں مذہب کی بے حُرمتی کے ضمن میں آتی ہیں۔ اس کے لئے قرآنی اصطلاحات تَکْذِیب (جھٹلانا) اور اِفترا (اختراع' گھڑنا) (Blasphemy) کے قریب قریب ہیں۔"

"تَکْذِیب کے ذریعے مذہب کی توہین یہ ہے کہ وحیِ الٰہی اور اللہ کے رسولوں کی تنبیہات کے جھٹلانے کی طرح الہامی مذاہب کی صداقتوں کا سرے ہی سے انکار کر دیا جائے جن کا ذکر سورۃ الاعراف کی آیات ۵۹' ۶۵' ۷۳' ۷۴' ۸۰' ۸۱' ۸۵' ۸۶؛ سورہ ھود کی آیات ۲۵' ۲۶' ۲۸ تا ۳۱' ۵۰ تا ۵۲' ۶۱' ۷۸' ۸۴ تا ۸۶ وغیرہ میں ہوا' اور روزِ حساب اور خالقِ حقیقی سے ملنے کا اعلان سورۃ الانعام کی آیت ۳۱' سورہ یونس کی آیت ۴۵' سورۃ المؤمنون کی آیت ۳۳' سورۃ الفرقان کی آیت ۱۱ اور سورۃ الانفطار کی آیت ۹ میں ہوا۔ کائنات میں پھیلی ہوئی نشانیوں جو اُس کی وحدانیت اور قدرتِ مطلقہ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں اور (بروئے آیت ۶۹ سورۃ المؤمنون) اُس کے آخری رسول ﷺ کو جھٹلانا بھی مذہب کی توہین میں آتے ہیں۔ سورۃ المائدۃ کی آیت ۸۶' اور اسی قسم کی دوسری آیات بتاتی ہیں کہ اللہ کی نشانیوں کا جھٹلانا بے ایمانی سے متعلق ہے۔"

"اختراع اور کوئی چیز گھڑ کر مذہب کی طرف منسوب کر دینا اَفْتَرٰی عَلَی اللہِ کَذِبًا (یعنی اللہ کے خلاف جھوٹ اور بہتان باندھا) کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے (بحوالہ سورۃ الانعام' آیت ۲۱ و سورہ سَبَا' آیت ۸)۔ اِنہی معانی کے حامل الفاظ قَالَ عَلَی اللہِ الْکَذِب ("اُس نے اللہ کے خلاف جھوٹ بولا" بحوالہ سورہ آلِ عمران: آیات ۷۵'۷۸) اور کَذَبَ عَلَی اللہِ (سورہ الزُّمَر آیت ۳۲) ہیں۔ اِس قسم کی بے حُرمتی پر اللہ کی لعنت کی گئی ہے اور اسے اکبرالکبائر گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللہِ کَذِبًا أَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ اِنَّہٗ لَایُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ O (سورۃ الانعام : ۲۱)

"اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ بہتان لگائے اور اُس کی نشانیوں کو جھٹلائے' بے شک وہ ظالموں کو فلاح نہیں دیتا۔"

"اِس قسم کی توہین میں کبیرہ گناہ شرک یعنی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا یا دوسرے دیوتاؤں کی پوجا کرنا یا اُنہیں اللہ کے ہاں سفارشی ہونے کا عقیدہ رکھنا ہے (بحوالہ سورۃ الزُّمَر آیت ۳ اور سورۃ القلم کی آیت ۴۱) ہیں۔" (انسائیکلوپیڈیا آف دی قرآن' ج اوّل)

الٰہی رشد و ہدایت کے منبع اور معرفتِ الٰہی کے واحد اور بلا شرکتِ غیرے ماخذ یعنی خاتم الانبیاء ﷺ کی حُرمت و تقدّس سچے مؤمن کے ایمان کا انتہائی محبوب ترین سرمایہ ہے۔ چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ اِس حقیقت کا کھلا ثبوت ہے کہ مسلمانوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی عزت و حرمت کی قربان گاہ پر ہمیشہ اپنی جانیں نچھاور کی ہیں' اُسے اعلیٰ فخر کی بات سمجھتے ہوئے اور اپنی حیات کا منتہائے مقصد سمجھتے ہوئے۔ سورۃ الحُجُرات کے پہلے رکوع کے آدھے حصے سے بیشتر حصہ نبی علیہ السلام کے دربارِ عالی کے آداب و اَخلاق پر مشتمل ہے۔

اسلام اپنی حرمت و تقدس کے لحاظ سے ایک غیرت مند مذہب ہے اور اپنے پیروکاروں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ اللہ کے باغیوں سے کوئی راہ و رسم نہ رکھیں اور اسی لئے ہر مسلمان کو نمازِ عشاء کی وتر نماز میں اللہ سے یوں تجدیدِ پیمان کرنا سکھایا گیا ہے:

نَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ

''(اے اللہ!) جو تجھ سے بدعہدی کرے، ہم اُس سے قطع تعلق کر لیتے ہیں اور کنارہ کشی کر لیتے ہیں۔''

یہی سبق مسلمانوں کو مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنی میں دیا جا رہا ہے:۔

(۱) وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ (اَلنِّساء : ۱۴۰)

''اور وہ تم پر یہ (فرمان) نازل کر ہی چکا ہے کہ تم اللہ کی نشانیوں کے ساتھ کفر اور تمسخر ہوتا ہوا سنو تو اُن لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں کہ اُس حالت میں یقیناً تم بھی اُن جیسے ہو جاؤ گے۔''

(۲) وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْ آيٰتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ (الانعام:۶۸)

''اور جب تو اُن لوگوں کو دیکھے جو ہماری نشانیوں کو مشغلہ بناتے ہیں تو اُن سے کنارہ کش ہو جا یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں۔''

یہ بات ذہن نشین رہے کہ عبادات میں سستی اور پیغمبر علیہ السلام کی سنتِ مبارکہ کی پیروی میں غفلت سے انسان کافر نہیں بن جاتا بلکہ وہ فاسق (گنہگار) ہے۔ ایک چور مسلمان ہوتے ہوئے چوری کرتا ہے یا ایک مسلمان زنا کرتے ہوئے فاسق و فاجر ضرور ہیں، کافر نہیں۔ لیکن نبی مکرم ﷺ کی شانِ والا صفات میں ادنیٰ سی گستاخی، خواہ وہ بالوضاحت ہو یا اشارتاً، پکا کافر بنا دیتی ہے اور اُسے توبہ کرنے کی مہلت بھی نہیں دی جاتی اور چاروں فقہی مکاتبِ فکر کا یہی متفقہ فیصلہ ہے۔ دیکھئے عمر ہوں یا عکرمہ بن ابوجہل، خالد ہوں یا ابوسفیان، اپنے زمانے میں کافر ضرور تھے لیکن گستاخِ رسول نہیں تھے اس لئے توبہ کی توفیق مل گئی اور مقبولینِ الٰہی ٹھہرے۔ اس کے برعکس ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ولید اور اُمیہ بن خلف وغیرہ نہ صرف کافر اور مشرک تھے بلکہ گستاخانِ رسول بھی تھے۔ اسی گستاخی کی وجہ سے وہ توبہ کی توفیق سے محروم رہے اور بالآخر واصلِ جہنم ہوئے۔

''**توہینِ رسالت کا قانون قرآنِ حکیم کی روشنی میں**: وہ لوگ جو اس برگزیدہ، معصوم، منزہ عن الخطا اور محبوب کبریا ہستی کو ذہنی یا جسمانی کسی قسم کی بھی اذیت پہنچائیں، اُن کے بارے میں قرآنِ حکیم کا دوٹوک فیصلہ موجود ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ○ (الاحزاب:۵۷)

''جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں، اُن پر دنیا اور آخرت میں یقیناً اللہ کی طرف سے پھٹکار ہے اور اُس نے اُن کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

(۲) رسوا کن عذاب کی ایک جھلک سورۃ اللھب میں دکھلائی گئی ہے۔ پورے قرآن مجید میں یہ ایسی سورۃ ہے جس میں گستاخ رسول کو اُس کے نام سے پکارا گیا ہے اور پوری سورۃ غضبِ الٰہی کی نمود ہے۔ اس کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ ابولہب تھا تو رسولِ اکرم

ﷺ کا چچا لیکن وہ اور اُس کی بیوی اُمِ جمیل ایسے بد بخت اور مردود تھے کہ اُنہوں نے رسولِ اکرم ﷺ کی مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ ابولہب کو اپنے مال و دولت اور اولاد پر بڑا گھمنڈ اور غرور تھا۔ خاتم الانبیاء ﷺ کی آمد سے زراندوزی اور زر پرستی کا زور بھی ختم ہوتا جا رہا تھا جس سے ابولہب بوکھلا اُٹھا اور اسلام اور پیغمبرِ اسلام کا وہ دشمن بن گیا۔

بروایت ابن عباس رضی اللہ عنھما آنجناب ﷺ نے سورۃ الشعراء کی آیت ۲۱۴ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ کے نازل ہونے پر حکمِ الٰہی کی تعمیل میں اپنے اقرباء اور اہلِ قبیلہ کو خبردار کرنے کے لئے کوہِ صفا کی چوٹی سے انتباہ دے کر پکارا اور جب صوتِ ہادی علیہ السلام وادیوں میں گونجی اور تمام لوگ جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے اُن سے پوچھا: ''اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک فوج تم پر حملہ کرنے کو ہے تو کیا تم اس بات کا یقین کر لو گے؟'' سب نے بہ یک زبان کہا: یقیناً کیونکہ ہم نے آج تک کوئی جھوٹی بات آپ کے منہ سے نہیں سنی۔ جس پر آپ نے اُنہیں خبردار کیا کہ اگر اُن کے یہی لیل و نہار رہے تو اُن پر ایک عذابِ شدید آنے والا ہے۔ یہ سن کر ابولہب چیخ اُٹھا: تَبًّا لَّكَ أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا (تیرا بُرا ہو کیا تو نے ہمیں اِسی لئے جمع کیا تھا؟)

اپنے حبیب ﷺ کے بارے میں اس بد بخت کی یہ بات باری تعالیٰ کو اتنی ناگوار گزری کہ اس نامراد کا نام لے کر اس پر اپنی نفرت و غضب کا اظہار فرمایا: تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ --- الخ (سورہ لھب :۵۔۱)

''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ برباد ہو گیا۔ نہ اُس کا مال اُس کے کام آیا اور نہ ہی اُس کی کمائی۔ وہ ایک شعلہ زن (سخت) آگ میں پڑے گا' وہ بھی اور اُس کی بیوی بھی' لکڑیاں لاد کر لانے والی' اُس کی گردن میں خوب بٹی ہوئی ایک رسّی (پڑی) ہو گی۔''

اس سورت کے نزول کے وقت ابولہب اپنی قوت و اقتدار کے ساتھ ایک زندہ شخصیت تھا۔ واقعہ کے گزر جانے کے آج چودہ صدیاں بعد محض اُس کا ذکر کتاب میں پڑھ لینا اور بات ہے لیکن ایک معاصر رئیس اور سردار کے منہ پر اُس کے لئے یہ ہولناک پیشگوئی سنا دینا اس سے کتنے مختلف معنی رکھتی تھی اور اُس وقت کیسی کھلبلی مچ گئی ہو گی۔

عربی زبان میں فعل مضارع پر س داخل ہو تو مستقبل کا معنی دیتا ہے۔ سَيَصْلٰى کہہ کر رب تعالیٰ نے مستقبل کی بات ماضی کی زبان میں بیان کر دی۔ اللہ اکبر! قرآنِ حکیم کس جزم و قطعیت کے ساتھ مستقبل کی پیش گوئی کر رہا ہے۔ وہ شخص اچھا خاصا زندہ و سلامت اپنے اثر و اقتدار کے ساتھ موجود ہے اور ایک بیکس و بے یار شخص پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اُس کا یہ انجام ہو چکا! دنیا نے دیکھ لیا کہ ابولہب اور اُس کی بیوی اُمِ جمیل جس کی اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف مخالفت مبالغے کی حد تک پہنچی ہوئی تھی' کا انجام بڑا ہی عبرتناک ہوا اور اسی طرح ہوا جس کی قرآنِ حکیم نے پیش گوئی فرمائی تھی۔

''معرکہِ بدر میں مسلمانوں کی فتح یابی ابولہب کے لئے ناقابلِ برداشت صدمہ تھا اور بالآخر وہ طاعون جیسے موذی زہرناک اور سوزش والے مرض میں مبتلا ہو گیا اور تڑپ تڑپ کر واصلِ جہنم ہوا۔ بیماری کے دوران اور مرنے کے بعد بھی اُس کی اپنی اولاد اور عزیز و اقارب میں سے کوئی بھی اُس کے قریب تک نہیں پھٹکا۔ اس طرح نہ تو اُس کا مستقل سرمایہ

اور نہ ہی اُس سرمائے پر حاصل ہونے والا نفع اُس کے کام آسکا۔ مرنے کے بعد جب اُس کی لاش میں سخت بدبو اور تعفن پیدا ہوا تو لوگوں نے شور مچایا جس پر اُس کے بیٹوں نے حبشی مزدوروں سے اُس کی لاش اُٹھوا کر ایک گڑھے میں پھنکوا دی اور اوپر سے پتھر مٹی ڈال کر اُسے بند کر دیا۔''

''آخرت میں اُس کے اور اُس کی بیوی کے بارے میں مفسرین بتاتے ہیں کہ وادیِ جہنم میں جہاں ابولہب جل رہا ہوگا' وہاں اُس کی بیوی بھی لکڑیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر لانے کے بعد' اُنہیں اُس میں ڈال کر اپنے لئے اور اُس کے لئے آتشِ جہنم کو اور بھی بھڑکاتی رہے گی۔ یہ تھا ابولہب کے لئے وہ عبرتناک عذاب الیم جو آپ کا چچا ہونے کے باوجود گستاخِ رسول ہونے کی پاداش میں عذابِ الٰہی کی گرفت سے نہ بچ سکا اور نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں اپنے آپ کو اور اپنی بیوی کو بچا سکا۔''
(''ناموسِ رسول ﷺ اور قانونِ توہینِ رسالت''۔ محمد اسمٰعیل قریشی' سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ' ص ص ۹۱' ۹۲)

(۳) ابولہب کے بیٹے عتبہ نے بھی جب سورۃ النجم سن کر آپ ﷺ کا مذاق اُڑایا تھا تو اِسی دنیا میں ہی اُس لعین کو بھی اس گستاخی کی سزا ابولہب کی زندگی میں دے دی گئی۔ اس کا ذکر علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب ''الخصائص الکبریٰ'' میں سُورۃُ الحِجر کی آیت ۹۵ اِنَّا کَفَیۡنٰکَ الۡمُسۡتَهۡزِءِیۡنَ (ہم آپ کے لئے تمسخر کرنے والوں کے مقابلہ میں کافی ہیں) کی تفسیر میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

''ابولہب کے بیٹے عُتبہ نے ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ اقدس میں گستاخی کی جس پر حضور ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکل گئے: 'اے اللہ! اس پر اپنے کسی کتے کو مسلّط فرما دے۔' ابولہب اپنے اس بیٹے کو کپڑے کی تجارت کے سلسلہ میں ملکِ شام کو بھیجا کرتا تھا۔ جب اُس نے یہ بات سنی تو کہا کرتا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرے بیٹے کو محمد (ﷺ) کی بددعا نہ لگ جائے۔ علامہ سیوطی نے بیہقی ہی کے حوالہ سے ایک اور روایت میں بتایا ہے کہ عُتبہ بھی یہ سن کر بہت خوفزدہ رہنے لگا تھا۔ چنانچہ جب شام کے سفر پر روانہ ہوا تو رات میں دورانِ سفر جہاں آرام کے لئے قیام کرتا' تو اُس کے غلام اور مختارانِ کار اُسے درمیان میں سُلاتے' دیوار کے ساتھ لِٹاتے اور اُس پر کپڑے ڈال دیتے۔ مگر اِن تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود ایک رات ایک درندہ آیا جس نے اُسے ہلاک کر دیا۔ جب اُس کی موت کی خبر ابولہب کو پہنچی تو بولا کہ میں تم سے نہ کہتا تھا کہ میں اس کے بارے میں محمد (ﷺ) کی بددعا سے ڈرتا ہوں۔''

''اِسی آیت اِنَّا کَفَیۡنٰکَ الۡمُسۡتَهۡزِءِیۡنَ کی تفسیر میں ابنِ کثیر لکھتے ہیں کہ ایک دن جب حضور ﷺ راستے سے گزر رہے تھے تو مشرکین نے آپ کو شرارتاً چھیڑا تو اُسی وقت جنابِ جبریلِ امین نے وہاں پہنچ کر اُن مشرکین کو چوکا مارا جس سے اُن کے جسم ایسے ہو گئے جیسے نیزے سے زخم خوردہ ہوں اور اسی سے وہ مر گئے۔ یہ لوگ مشرکین کے بڑے بڑے رؤوساء میں سے تھے۔'' (تفسیر ابن کثیر ''تفسیر القرآن العظیم''' ج ۳' ص ۱۱۲' ۱۱۳ بحوالہ ''ناموسِ رسول ﷺ اور قانونِ توہینِ رسالت'' ص ص ۹۲' ۹۳)

''خدائے ذوالجلال والاکرام کی طرف سے یہ دردناک سزا اُس وقت کی ہے جب حکومتِ الٰہیہ قائم نہیں ہوئی تھی اور

تکمیلِ دین کا کام ہو رہا تھا۔ یہ مکی دَور تھا اس لئے یہ سورتیں بھی مکی دَور کی ہیں۔ جب خلافتِ الٰہیہ قائم ہوگئی تو تنقیص، تضحیک اور اہانتِ رسول کی سزا اسلامی حکومت میں بطورِ حد☆ سزائے موت قرار پائی اور تکمیلِ دین کے بعد ساری امت کی یہ ذمہ داری ٹھہری کہ وہ توہینِ رسالت کا سدِّ باب کرے اور اگر اسلامی حکومت موجود نہ ہو تو ہر فرد کو یہ حق ہے کہ وہ گستاخِ رسول کو سزائے موت دے۔" (''الجامع لاحکام القرآن'' لامام ابوعبداللہ القرطبی، ج ۱۰، ص ۴۱، ۴۲ بحوالہ ''ناموس رسول ﷺ'' ص ۹۳)

(۴) سورۃ الانفال میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کے لئے قِتال کا حکم صادر ہوا:

فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ٥ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ٥ (الانفال : ۱۲، ۱۳)

"سو تم (کافروں کی) گردنوں کے اوپر مارو اور اُن کے پور پور پر ضرب لگاؤ۔ یہ (حکمِ قتال) اس لئے ہے کہ اُنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کی اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو (اُسے) سزا دینے میں اللہ سخت ہے۔"

اِس سے بڑھ کر حکیمانہ ہدایت اور کیا ہو سکتی ہے کہ دشمن کے سپاہیوں کی انگلیوں پر وار کرو اور اُن کی جان لئے بغیر اُنہیں لڑائی کے ناقابل بنا دو۔

مفسرین کے ایک گروہ کی رائے میں وہ لوگ جو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کو اذیت پہنچانے کی سزا میں زندانِ لعنت میں گرفتار ہوں، وہ رحمتِ الٰہی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے شریعت کی رُو سے وہ مباح الدم یعنی واجب القتل قرار پائیں گے۔ سورۃ الاحزاب میں اُس گروہ کی نشان دہی فرمائی جو اللہ کے رسول کو ایذائیں دیتا اور آپ پر زبانِ طعن دراز کرتا، آپ ﷺ کے اور پیروانِ حق کے خلاف اسلامی ریاست مدینہ میں افواہیں پھیلایا کرتا تھا۔ اس کے بارے میں بتا دیا کہ اس کا انجام کار کیا ہوگا:

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا٥ مَّلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا٥ (الاحزاب : ۶۰، ۶۱)

"اگر منافقین اور وہ لوگ باز نہ آئے جن کے دلوں میں روگ ہے اور جو مدینہ میں افواہیں اُڑایا کرتے ہیں، تو ہم ضرور آپ کو اُن پر مسلط کر دیں گے، پھر یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بس قدرے قلیل رہنے پائیں گے (اور وہ بھی) پھٹکار پڑے ہوئے جہاں کہیں بھی مل جائیں پکڑ لئے جائیں اور اُن کے ٹکڑے اُڑا دئے جائیں۔"

(۵) سورۃ التوبۃ میں اللہ کے رسول کو آزار پہنچانے والوں کو دردناک عذاب سے بایں طور خبردار کیا گیا:۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ٥ (التوبۃ : ۶۱)

☆ اسلام کی مجوزہ سزاؤں میں ''حد'' اور ''تعزیر'' کی دو اِصطلاحات آتی ہیں۔ ''حد'' کا اصطلاحی معنی وہ سزا ہے جسے شریعتِ مطہرہ نے مقرر کر دیا ہے اور اس میں قاضی یا منصف کو ردوبدل کا اختیار بالکل نہیں ہوتا۔ حدود میں زنا کے لئے رجم (سنگسار کرنا)، چوری اور ڈکیتی کے لئے ہاتھ کاٹنا، شراب خوری اور بہتان طرازی (قذف) پر ایک سو یا اسّی کوڑے لگانا، اور قتلِ ناحق پر قتل کرنا شامل ہیں۔ اِن کے علاوہ دیگر سزائیں تعزیرات میں شامل ہیں اور وہ قاضی کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی ہیں کہ جرم کی نوعیت کے مطابق جیسے چاہے بہ نظرِ انصاف سزا دے۔

''اور اُن میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبی کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ہر بات کان دے کر سُن لیتے ہیں (یعنی کان کے کچے ہیں) آپ کہہ دیجئے کہ ہاں وہ بہت سُننے والا ہے مگر تمہاری بہتری کے لئے۔ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مؤمنین کی بات پر بھی یقین رکھتے ہیں اور اُن پر مہربانی کرتے ہیں جو تم میں سے ایمان والے ہیں اور جو لوگ اللہ کے رسول کو آزار پہنچانا چاہتے ہیں اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔''

''آیتِ بالا میں یہ نکتہ قابلِ توجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی مخالفت اور دشمنی میں آپ ﷺ کو کوئی جسمانی تکلیف یا اذیت نہیں پہنچائی جا رہی بلکہ صرف ''کانوں کا کچا'' کہہ کر جو لوگ آپ ﷺ کو قلبی اور ذہنی اذیت پہنچاتے ہیں، وہ بھی گستاخی اور توہینِ رسالت کا ارتکاب کرتے ہیں اور اُن کے لئے بھی دردناک عذاب کی وعید ہے۔''

(۶) مؤمنین و مسلمین پر تو حضور رسالت مآب ﷺ کا ادب و احترام فرض ہے ہی لیکن منکرینِ رسالت کو بھی حکم ہوا کہ وہ بھی دربارِ رسالت کے آداب کو ملحوظ رکھیں اور اُنہیں ایسے ذو معنی الفاظ کے استعمال سے بھی روک دیا گیا جس میں خیر کے علاوہ شر کا معنوی پہلو بھی پوشیدہ ہو۔ چنانچہ وہ بد بخت یہودی جو شرارتاً اور بدنیتی سے ذو معنی الفاظ استعمال کرتے تھے، اُن کے لئے یہ سخت وعید نازل ہوئی :۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ إِلَّا قَلِيْلًا ٥ (النّساء : ۴۶)

''وہ لوگ جو یہودی ہوئے اُن میں سے ایسے بھی ہیں جو کلام کو موقعوں سے پھیر دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا مگر ہم نے مانا نہیں اور (ہماری) سنو اور تمہیں سنوایا نہ جائے اور رَاعِنَا میں زبانوں کو توڑ موڑ کر دینِ حق میں طعن و تشنیع کرتے ہیں اور اگر یہ لوگ یہ کہہ دیتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے قبول کیا اور (ہماری) سنو اور اُنظُرنَا کے الفاظ کہتے تو اُن کے حق میں کہیں بہتر اور درست ہوتا لیکن اللہ نے اُن کے کفر کے سبب اُنہیں اپنی رحمت سے دُور کر دیا ہے، پس سوائے چند ایک کے وہ ایمان نہ لائیں گے۔''

عرب یہود کی مستقل خباثتوں اور شرارتوں میں سے یہ امر بھی تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے وقت وہ ایسے الفاظ قصداً بولتے جن میں مذمت کا پہلو بھی نکلتا تھا اور تحقیر یا بددعا کا بھی۔ یہود کی اِن گستاخیوں کا دارومدار چونکہ تلفظ اور الفاظ ہی کے غلط استعمال پر تھا، اس لئے ترجمہ سے اصل مفہوم پوری طرح ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اصل عربی الفاظ کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کا بہ ظاہر یہ مطلب تھا کہ ہم نے آپ کا ارشاد سن لیا اور آپ کے مخالف کا گمراہ کن قول نہیں مانا لیکن اصل مطلب یہ ہوتا تھا کہ ہم نے تمہاری بات تو سن لی لیکن اُسے قبول نہیں کیا۔ اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ کا ظاہری مطلب یہ تھا کہ کوئی مخالف اور رنج دِہ بات آپ کے کان میں نہ جائے لیکن اصل مطلب یہ ہوتا تھا کہ تمہیں کوئی اچھی بات سنائی ہی نہ دے۔ رَاعِنَا کا ظاہراً مطلب یہ تھا کہ ہماری رعایت سے دوبارہ فرمایئے لیکن تلفظ میں ع کو ذرا کھینچ کر پڑھنے سے بالکل گستاخانہ مفہوم پیدا ہو جاتا تھا۔ لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ یعنی بہ ظاہر لہجہ سے تعظیم و توقیر نظر آتی تھی لیکن زبانیں تقیہ سے کام لے رہی ہوتی تھیں اور دل کے بغض و عناد کو چھپائے رہتی تھیں۔ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ نے بتا دیا کہ عرب یہود کی یہ ساری حرکتیں بے خیالی سے خالی نہ تھیں اور نہ تفریحِ طبع کے طور پر تھیں بلکہ اللہ کے دین پر طعن کرنا اور اسے مجروح کرنا مقصودِ محض تھا۔

امام ابوبکر الجصاص الحنفی لفظ رَاعِنَا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :
''ہر وہ لفظ جس میں خیر وشر دونوں معنوں کا احتمال ہو' اُس کا استعمال اُس وقت تک درست نہیں جب تک اُس کے ساتھ کوئی ایسی قید یا حد نہ لگائی جائے جس سے خیر کا پہلو نمایاں ہو۔'' (''احکام القرآن'' ج ا' ص ٦٦)

(۷) علامہ شوکانی ''فتح القدیر'' کی جلد اوّل (ص ۱۲۴) میں رَاعِنَا کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔
''رَاعِنَا اور ایسے تمام الفاظ جن سے توہینِ رسالت کا احتمال ہو' اُن کا استعمال قطعی طور پر ممنوع قرار دیا گیا۔''
اس لئے اہلِ ایمان کو براہِ راست مخاطب کر کے یہ حکم دیا گیا کہ وہ ایسے ذومعنی الفاظ سے قطعاً احتراز کریں تا کہ شانِ رسالت مآب ﷺ میں کسی قسم کی پنہاں اور پوشیدہ گستاخی کا احتمال بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوا :۔
يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ٥ (اَلْبَقَرَة : ۱۰۴)
''اے ایمان والو! رَاعِنَا نہ کہا کرو بلکہ اُنظُرْنَا (ہماری طرف التفات کیجئے) کہا کرو۔ اور (رسول کی بات) توجہ سے سنا کرو۔ یہ کافر تو دردناک عذاب کے مستحق ہیں۔''

آیت کے آخری حصہ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں ادنیٰ سی گستاخی بھی کفر ہے اور کفر کا مقدر دردناک عذاب ہے۔ بعض صاحبانِ نظر نے اِس آیت کے اسلوبِ بیان سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا ہے کہ حق تعالیٰ کو یہودیوں کے اس فتنہ پرور گروہ کا یہ گستاخانہ اندازِ تخاطب اتنا ناگوار گزرا کہ اُس نے ایسے بدطینت یہودیوں سے خطاب کرنا بھی پسند نہیں فرمایا حالانکہ قرآنِ حکیم میں یہود و نصاریٰ سے جابجا براہِ راست خطاب کیا گیا ہے۔

(۸) سورۃ النساء کی آیت ٦۵ میں ایمان اور کفر کا فرق واضح کرتے ہوئے بتلایا کہ پیغمبرِ برحق کی ہر بات کے آگے سرِ تسلیم خم کر دینا ہی عین ایمان ہے اور اس کے خلاف اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی محسوس کرنا صریحاً کفر ہے۔ ارشاد ہوا :
فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ٥ (اَلنِّسَاء : ٦۵)
''(اے پیغمبر!) آپ کے رب کی قسم! یہ کبھی مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو اپنا فیصل نہ بنالیں' پھر آپ جو بھی فیصلہ کریں اُس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں (بلکہ اُسے بسروچشم تسلیم کرلیں)''

اِس آیتِ مبارکہ کے شانِ نزول کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک بظاہر مسلمان (جو دراصل منافق تھا) اور ایک یہودی کے درمیان کسی معاملے پر تنازعہ ہو گیا۔ اس سلسلہ میں دونوں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے فیصلہ یہودی کے حق میں صادر فرمایا جس سے دوسرا فریق راضی نہ ہوا اور اُس کے اِصرار پر یہ دونوں معاملے کو لے کر ازسرِنو فیصلہ کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے (جو اُن دنوں آنجناب ﷺ کے حکم سے تنازعات کا فیصلہ کیا کرتے تھے اور مرکز میں قضاۃ (جسٹس) کے عہدے پر مامور تھے)۔ جنابِ عمر نے اُن دونوں سے روئیدادِ مقدمہ سنی اور جب آپ کو معلوم ہوا کہ آنحضور ﷺ اس بارے میں یہودی کے حق میں فیصلہ صادر فرما چکے ہیں تو آپ

نے خود اُس منافق سے اُس کی تصدیق کر لی اور اس کے بعد اُسی وقت تلوار سے اُس منافق کا سر قلم کر دیا اور فرمایا: هٰكَذَا أَقْضِيْ لِمَنْ لَّمْ يَرْضَ بِقَضَاءِ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ (اور جو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے فیصلہ سے راضی نہ ہو' اُس کا یہی فیصلہ ہے جو میں نے کیا ہے)[روح المعانی لعلامہ آلوسی بغدادی' ج ۵' ص ص ۷۲'۷۳]

مقتول کے ورثاء کو جب یہ خبر پہنچی تو وہ حضور رسالت مآب ﷺ کی عدالت میں پہنچے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف قتلِ ناحق کا دعویٰ کر دیا جس پر سورۃ النساء کی مذکورہ آیت ۶۵ نازل ہوئی اور یہی وہ موقع تھا جب آنحضور ﷺ نے جناب عمر رضی اللہ عنہ کو ''فاروق'' کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔(''اَلصَّارِمُ الْمَسْلُوْل عَلیٰ شَاتِمِ الرَّسُوْل'' لامام ابن تیمیہ' ص ص ۳۷ تا ۴۰)

جناب عمر کے اس فیصلے اور آیتِ مبارکہ کے شانِ نزول کی روشنی میں صاف ظاہر ہو گیا کہ آپ ﷺ کے فیصلے کو تسلیم نہ کرنا بھی توہین اور گستاخی کا موجب ہے جس کی تصدیق سورۃ النساء کی آیتِ مبارکہ نے کر دی اور یہ بھی کہ اگر کوئی کافر یا منافق جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہوئے توہینِ رسالت کا ارتکاب کرے تو اُس کی سزا صرف سزائے موت ہے۔ اسلام تو وہ مذہب ہے جو یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ ایمان لانے کے بعد کوئی شخص کسی دوسرے کا مذاق اُڑائے' اُس کی تضحیک یا استہزاء کرے جو اُس کی دل آزاری کا باعث ہو (سورۃ الحجرات :۱۱) تو امام الانبیاء ﷺ کے بارے میں حق تعالیٰ کسی دل آزار بات کو کیسے برداشت کر سکتا ہے!!

(۹) وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ قُلْ اَبِاللهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ٥ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ٥ (اَلتَّوبة : ۶۵' ۶۶)

''اور اگر آپ اُن سے پوچھیں تو کہہ دیں گے کہ ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے۔ فرما دیجئے کہ اچھا تم تو اللہ' اُس کی آیتوں اور اُس کے رسول کے ساتھ ٹھٹھا مذاق کر رہے تھے۔ (اب) بہانے نہ بناؤ' اظہارِ ایمان کے بعد تم کافر ہو چکے ہو' اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں تو ایک گروہ کو تو سزا دیں گے ہی اس لئے کہ وہ مجرم ہیں۔''

اِن آیات کا شانِ نزول یہ بتایا جاتا ہے کہ حضور انور مع اپنے اصحاب کے غزوہ تبوک کو جا رہے تھے کہ بعض منافقین نے آپس میں کہا کہ محمد (ﷺ) ملکِ فارس و روم کے خواب دیکھ رہے ہیں کہ ہم وہ بھی فتح کر لیں گے۔ بھلا وہ ملک کہاں اور یہ کہاں! یہ کہنے والا ودیعہ ابن ثابت تھا اور باقی اُس کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ آنجناب ﷺ نے فرمایا کہ یہ جو آگے جا رہے ہیں' اُنہیں روکو اور ہمارے حضور حاضر کرو۔ وہ حاضر کئے گئے۔ آپ نے اُن سے پوچھا کیا تم نے یہ کہا تھا؟ وہ بولے کہ ہم یہ باتیں صرف راستہ طے کرنے کے لئے بطور شغل کر رہے تھے اور اس میں ہمارا عمد اور ارادہ نہیں تھا۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر خازن' کبیر' روح المعانی' روح البیان)

خلاصہ یہ کہ انہوں نے اسلام کا مذاق اُڑانا اور حضور ﷺ کی اہانت کو اپنا مشغل اور کھیل قرار دیا۔ اگر چہ اُن بدبختوں

آمیزہ اور مرکّب میں فرق ۔ نائٹروجنی چکر ۔ نامیاتی (Organic) مرکّب ۔ آکسیجن ۔ سورہ یٰسٓ کی آیت ۸۰ میں علمِ حیاتیات کا ایک بنیادی قانون ۔ آکسیجن کی موزونیت ۔ عملِ تنفّس (سانس لینے کا عمل) ۔ کاربن ڈائی آکسائڈ ۔ تمام مخلوقات کی تخلیق احسن مہارت سے ۔ انسان کی پیدائش سے متعلق دو مشہور نظریے ۔ علمِ کیمیا متعلق بہ حیات (مکمل غذا کے اجزائے ترکیبی) ۔ حیوانی دودھ اور قرآن ۔ علمِ کیمیا کی ترقی اور ترویج میں مسلمان سائنسدانوں کا حصّہ ۔ ٹائیلیں ۔ فنِ ظروف سازی ۔

تعریف ۔ شہریوں کے حقوق قرآنِ حکیم کی روشنی میں : شہری، معاشی، مذہبی اور سیاسی حقوق ۔ شہریوں کے فرائض قرآنِ حکیم کی روشنی میں ۔ اسلامی ریاست میں رہنے والی اقلیتوں کے حقوق و فرائض ۔ اسلام کی رواداری کے متعلق چند غیر مسلم مصنفین کی آراء ۔ اقتدارِ اعلیٰ ۔ اقتدارِ اعلیٰ کا اسلامی نظریہ ۔ اسلامی نظریہ اقتدارِ اعلیٰ کی نمایاں خصوصیات ۔ اسلامی تصوّرِ ملّت ۔ ملّتِ اسلامیہ کی نمایاں خصوصیات ۔ ریاست اور اُس کا اسلامی تصوّر ۔ اسلامی ریاست کے مقاصد ۔ دستور (آئین) ۔ اسلامی ریاست کا دستور (آئین Constitution) ۔ اسلام کا تصوّرِ قیادت ۔ حکمران کے بارے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ ۔ خلیفہ اور بادشاہ کے مابین فرق ۔ مطلق العنان بادشاہ کی ذہنیت ۔

تعریف وتعارف ۔ اسلامی تہذیب کا معنی ۔ اچھی تہذیب کی خصوصیات ۔ تصوّرِ حیات کی اہمیت ۔ تصوّرِ حیات دوسرے مذاہب میں ۔ اسلام کا تصوّرِ حیات ۔ حیاتِ انسانی کا مقصد ۔ بنیادی عقائد ۔ افراد کی تربیت کا طریقِ کار ۔ اسلام کا سماجی نظام ۔ اسلامی تہذیب کے عوامل وعناصر (عقائد) ارکانِ اسلام ۔ اسلامی تہذیب کی خصوصیات ۔ اسلامی رواداری کے متعلق چند مستشرقین کی آراء ۔

سرکاری ملازمین کے لئے ضابطہ اخلاق ۔ سرخ فیتہ (Red tapism) کی عملداری اور اسلام ۔ افسر، ماتحت کے مابین تعلقات اسلام کی روشنی میں ۔ ملازم کی تنخواہ رمزدوری اسلامی نقطہ نظر سے ۔ آجر کے حقوق (اجیر کے فرائض) ۔

تعارف ۔ کلوننگ کے عمل میں ڈی این اے کا کردار ۔ زندگی سے زندگی کیسے وجود میں آتی ہے؟ بھیڑ کی کلوننگ ۔ انسانی کلوننگ ۔ کلوننگ کے حق میں دلائل اور اُن کا جواب ۔ کلوننگ کی مخالفت

نے نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے فرمانِ عالی کا مذاق اُڑایا تھا' مگر چونکہ حضور علیہ السلام کی گستاخی آیاتِ قرآنیہ بلکہ رب تعالیٰ کی بھی گستاخی ہے' اس لیے یہاں ان تینوں کا ذکر ہوا۔ یہاں سوال اظہارِ غضب کے لئے ہے یعنی تمہیں دل بہلانے اور راستہ طے کرنے کے لئے اور کوئی تذکرہ نہ ملا۔ صرف یہی ملا کہ اللہ' اُس کے رسول اور اللہ کی آیات کا مذاق اُڑاؤ!!

علامہ قرطبی نے لکھا کہ اِنۡ نَّعۡفُ عَنۡ طَآئِفَةٍ مِّنۡكُمۡ (اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں) سے مراد تین آدمی ہیں۔ دو نے مذاق اُڑایا اور ایک اُن کی بات پر ہنسا تھا۔ ہنسنے والا صدقِ دل سے نادم اور تائب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اُسے معاف فرما دیا۔ یعنی معافی مشروط ہے سچی توبہ اور مخلص مؤمن بننے کے ساتھ۔ اُس نے دعا کی تھی کہ اللہ اُسے شہادت عطا فرمائے اور اُس کی قبر کا کسی کو پتہ نہ چلے۔ وہ جنابِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جنگِ یمامہ میں شہید ہو گیا۔ نُعَذِّبۡ طَآئِفَةً (ایک گروہ کو تو سزا دیں گے ہی) سے مراد حضور علیہ السلام کے گستاخ لوگ ہیں کہ آخر وقت تک اُنہیں توبہ کی توفیق نہیں ملی اور اس طرح وہ غضبِ الٰہی کے مستوردہوئے۔ (''الجامع لاحکام القرآن'' جزء ۸' ص ۱۲۴' مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

فقہائے کرام نے اِن آیات سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ کلمہ کفر خواہ ارادۂ سنجیدگی سے ادا کیا جائے یا لطیفہ وخوش طبعی کے طور پر' حکمِ شرعی کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں۔ اس لئے کہ قرآن نے اُن کے عذرِ لہو ولعب کو بالکل مسترد کر دیا اور کفران پر حکم باقی رکھا (تفسیر عبدالماجد دریا آبادی (اردو) صفحہ ۴۱۲ نوٹ: ۱۲۵) معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی گستاخی کفر ہے اگر چہ گستاخی کی نیت نہ ہو کہ اُن منافقین کی نیت گستاخی کی نہ تھی بلکہ راستے کی صعوبت کو آسان بنانے کے لئے اُنہوں نے بطور مشغلہ بات کی تھی۔

نوٹ ضروری : (۱) اللہ تعالیٰ ستار العیوب ہے' پردہ پوشی فرماتا بھی ہے اور پردہ پوشی کا حکم بھی دیتا ہے۔ دیکھئے ولید بن مغیرہ نے حضور علیہ السلام کے لئے ساحر (جادوگر) کا ایک لفظ ناحق تجویز کر کے آپ ﷺ کی دل آزاری کی تھی (سورۃ المدثر: آیت ۲۴) تو رب تعالیٰ نے حق وحقیقت پر مبنی اُس کے نو عیب سورۃ القلم: ۱۰ تا ۱۳ میں بیان فرما دئے حتّٰی کہ آخر میں فرمایا کہ وہ زَنِیۡم (ولد الحرام) ہے۔ یہاں قانون اور عادتِ الٰہیہ بدل گئے اس لئے کہ وہ اپنے محبوب کے ستانے والوں کی نہ تو پردہ پوشی کرتا ہے اور نہ ہی اُنہیں توبہ کی توفیق دیتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ ولید لعین کی تھوتھنی کو خُرطوم (سونڈ) سے تشبیہ دے کر اُس کے ہولناک انجام کی بھی پیش گوئی فرما دی۔ (۲) جسے جو بھی نعمت ملی' ادب واحترام سے ملی۔ بے ادب منافقین وکفار صحبتِ رسول میں رہ کر بھی محروم رہے اور حضرت اُویس قرنی رضی اللہ عنہ چونکہ با ادب تھے' اس لئے دُور رہ کر بھی مرحوم ہوئے۔

(۱۰) قرآنِ پاک نے رسولِ معظم ﷺ کی خداداد عظمت وشانِ اعلیٰ کے پیشِ نظر ذرا سی بھی وجہِ ناراضی سے منع فرمایا ہے اور سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۳ میں وَلَآ اَنۡ تَنۡكِحُوۡۤا اَزۡوَاجَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖۤ اَبَدًا کے الفاظ میں آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات سے نکاح کرنا مؤمنوں کے لئے ممنوع فرمایا تا کہ اہانتِ رسول کا ذریعہ نہ بن سکے۔

(۱۱) سورۃ الحُجُرات کی آیت (۲) لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَكُمۡ اور لَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ آلوسی بغدادی لکھتے ہیں :

''یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ آنحضور ﷺ کو کسی قول و فعل کے ذریعے تکلیف پہنچانا کفر ہے جس سے انسان کے تمام اعمال غارت ہو جاتے ہیں' لہٰذا ایسے اعمال سے بھی منع فرمایا گیا جن سے آپ ﷺ کو اذیت پہنچنے کا احتمال ہو اور اس پر تمام ائمہ کا اجماع ہے کہ جو شخص بھی ایذائے رسول کا مرتکب ہو وہ واجب القتل ہے اور اُس کی معافی اور توبہ قابلِ قبول نہیں۔'' (روح المعانی' ج ۱۸' ص ۱۳۶' ۱۳۷' طبع مصر ۱۳۰۱ھ)

اور علامہ قرطبی اِسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

''اس آیت میں جس بلند آواز سے منع کیا گیا ہے' وہ ایسی بلند آوازی نہیں جس کا مقصد آنحضور ﷺ کا استخفاف اور اہانت ہو کیونکہ ایسی بلند آوازی تو کفر ہے۔'' (''الجامع لاحکام القرآن'' ج ۱۶' طبع مصر ۱۹۶۷ء)

اِس سے اگلی آیت میں ایسے اہلِ ایمان کا ذکر ہے جو بارگاہِ رسالت میں بات کرتے ہوئے ادب و احترام کے پیشِ نظر اپنی آواز کو پست رکھتے ہیں۔ اُن کے بارے میں ارشاد ہوا کہ یہی وہ لوگ ہیں جو امتحان اور آزمائش کے دشوار مراحل سے گزر کر معیارِ تقویٰ پر پورے اترے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ نمازیوں' روزہ داروں یا زکوٰۃ و خیرات دینے والوں یا حج کرنے والوں کو تقویٰ کے لئے چُن لیا بلکہ فرمایا کہ رسول کی بارگاہ میں ادب کرنے والوں کو تقویٰ کے لئے چن لیا جس میں اشارہ یہی ہے کہ عبادت سے تقویٰ نہیں ملا کرتا بلکہ یہ عطائے خداوندی اُنہی کو ملتی ہے جو رسول کی بارگاہ میں ادب کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جو ادب و احترامِ رسول ﷺ کو شعوری یا غیر شعوری طور پر ملحوظ نہیں رکھتے' وہ متاعِ ایمان و تقویٰ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے وہ پھر کسی عزت و تکریم کے مستحق نہیں ہوتے بلکہ بارگاہِ ایزدی میں ذلیل اور رسوا ہوتے ہیں۔

گستاخِ رسول کے بارے میں دربارِ نبوّت کے فیصلے: آغازِ اسلام میں شاتمِ رسول ﷺ اہلِ کتاب اور مشرکین کو قتل نہیں کیا گیا تھا کیونکہ اُس وقت آپ ﷺ کو عفو و درگزر کرنے اور لڑائی نہ کرنے کا حکمِ الٰہی تھا اور اُس وقت آپ ﷺ گالی دینے والے کو معاف کرنے کے مجاز تھے۔ لیکن مدینہ منورہ پہنچ کر جب مسلمانوں کی مستقل حکومت قائم ہو گئی تو اس جرم کو برداشت کرنا خود اسلام اور امتِ مسلمہ کے اتحاد اور یک جہتی (Solidarity) میں رخنہ اندازی کرنے کے مترادف تھا اور اِسی متوقع خطرے کے دفعیے کے لئے شاتمینِ رسول کو نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حکم ہی سے قتل کی سزائیں دی گئیں۔ مثلاً:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک اندھے مسلمان کی لونڈی نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کی اور اُس مسلمان نے تکلے سے اُس کا پیٹ پھاڑ دیا۔ دوسرے دن جب اُس کے قتل کی خبر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ جس نے یہ کام کیا ہے' اُسے میں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ اٹھ کھڑا ہو۔ یہ سن کر وہ اندھا صحابی گرتا پڑتا آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ فعل میں نے کیا ہے۔ وہ میری لونڈی تھی' مجھ پر مہربان تھی مگر آپ کی شان میں بہت بدگوئی کرتی تھی۔ میں اُسے منع کرتا تو نہیں مانتی تھی' میں ڈانٹتا تو اُس پر کچھ اثر نہ ہوتا۔ کل رات اُس نے پھر آپ کو بُرا بھلا کہا۔ اس پر میں اٹھا اور تکلا چبھو کر اُس کا پیٹ پھاڑ دیا۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: ''سب لوگ گواہ رہیں کہ اس عورت کا خون رائیگاں گیا۔'' (''ناموسِ رسول ﷺ اور قانونِ توہینِ رسالت'' ۔ محمد اسمٰعیل قریشی سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ' ص ۱۵۰)

(۲) کعب بن اشرف کا قتل اور اُس کا جواز: کعب بن اشرف شاعر ہونے کے علاوہ بڑا مالدار یہودی تھا اور اطراف مدینہ میں ایک مضبوط اور شاندار قلعہ کا مالک تھا۔ اپنی دولتمندی اور خاندانی وجاہت پر گھمنڈ کے باعث وہ حضور ﷺ کے بارے میں نہایت جارحانہ بدزبانی کیا کرتا تھا۔ وہ آپ کی ہجو کر کے کفار قریش کو آپ کے خلاف بھڑکاتا تھا۔ ایک عرصہ تک آنجناب ﷺ نے اُسے ڈھیل دی اور تنبیہہ سے کام نکالنا چاہا لیکن جب اُس کی چیرہ دستیاں حد سے بڑھ گئیں تو آپ کے خصوصی حکم کے تحت ایک صحابی حضرت ابونائلہ رضی اللہ عنہ نے اپنے چند رفقاء کے ساتھ اُس کے قلعہ میں جا کر اُسے واصلِ جہنم کیا۔ (صحیح بخاری: کتاب المغازی؛ سنن ابی داؤد: قسطلانی شارح بخاری)

آج اِس نام نہاد ''نئی روشنی'' کے زمانہ میں ہم اِن واقعات پر مختلف زوایہ ہائے نگاہ سے سوچتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ قریشی شعراء کی خرافات کا جواب دینے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ ممکن ہے کہ ہم کعب بن اشرف کے قتل کو بھی جائز قرار نہ دیں۔ لیکن ہمیں کسی صحیح فیصلے پر پہنچنے کے لئے آج سے چودہ صدی قبل کے ماحول اور اس کے مقتضیات کو ضرور پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔ اُس زمانے میں شاعر کو جو حیثیت حاصل تھی' اُس کے مدِّ نظر شعراء کی شرانگیزی کو محض ''لغو'' اور ''بیہودہ'' کہہ کر ٹال دینا ممکن نہیں تھا۔ شاعر کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فلپ ہٹی رقم طراز ہے:۔

''معاشرتی منصب کی عظمت کے مدِّ نظر شاعر کی ذات مختلف الانواع ذمہ داریوں کی تکمیل کا مرکز بن چکی تھی۔ زمانۂ جنگ میں اُس کا کلام اور زبان اتنے ہی مؤثر سمجھے جاتے تھے جتنا کہ اُس کی قوم کی شجاعت' جبکہ امن کے دنوں میں وہ اپنی شعلہ بیانی کے ذریعے امنِ عامہ کو تہ و بالا کر سکتا تھا۔ اُس کی شاعری تخریب کاری کو ایسی ہی مہمیز لگا سکتی تھی جس طرح جدید سیاسی مہم میں کسی آتش نوا قائد کی آتش نوائی۔'' ("History of the Arabs")

چنانچہ قریش کے شعراء کی شعلہ فشاں نظمیں تمام عرب قبائل کو بھڑکا کر مدینہ کی اسلامی ریاست کے خلاف کھڑا کر سکتی تھیں۔ اُس دَور میں رائے عامہ کو متاثر کرنے کا سب سے بڑا ہتھیار شاعر ہی تھا جس کی زبان سے اشعار نکلتے ہی قبائل کے ایک ایک فرد کے نوکِ زباں ہو جاتے۔ قدرتی تقاضا تھا کہ دشمن کے اِس قوی ہتھیار کو کُند کرنے اور پروپیگنڈے کے اثر کو زائل کرنے کے لئے اُس کی خرافات کا مؤثر جواب دیا جائے۔ غرض اگر آج کی حکومتیں ایک شخص کو باغیانہ تقاریر کے جرم میں دھر سکتی ہیں تو اُس زمانہ کے ماحول میں تو یہ بات زیادہ قابلِ فہم نظر آتی ہے۔

(۳) حضرت علی کرّم اللہ وجہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اُس شخص کو قتل کر دو جو ایک نبی کو گالی دیتا ہے اور جو میرے صحابہ کو گالی دے اُسے دِرّے لگاؤ۔ (''الشفاء'' از قاضی عیاض' جلد دوم' صفحہ ۱۹۴)

(۴) قبیلہ بنی خطمہ کی ایک عورت رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہا کرتی تھی۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ اس بدزبان عورت سے کون انتقام لے گا؟ اُس عورت کے قبیلہ کے ایک شخص نے یہ ذمہ داری اٹھائی اور اُسے قتل کر دیا۔ اس پر آپ ﷺ نے بشارت دی: لَا یَنْتَطِحُ فِیْھَا عَنْزَانِ (اس قبیلہ میں دو بکریاں بھی نہیں لڑیں گی) یعنی لوگ اتحاد و یگانگت سے رہیں گے۔ (ایضاً' ص ۴۰۸)

(۵) ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور بولا: ''اے اللہ کے نبی! میرے باپ نے آپ ﷺ کو بُرا بھلا کہا' میں برداشت نہ کرسکا اور اُسے قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس کے اس عمل کی توثیق فرمائی۔ (ایضاً)

(۶) ایک شخص رسول اکرم ﷺ کو بُرا بھلا کہتا تھا۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا ''اس شخص کو کون ہلاک کرے گا؟'' خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اُسے قتل کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی اور اُنہوں نے اُسے قتل کر دیا۔ (مصنف عبدالرزاق حدیث نمبر ۹۷۰۵)

(۷) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ سے کسی نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ کی شان میں توہین کرنے والا ابن خطل کعبہ کے پردوں سے لپٹا ہوا ہے۔ آپ نے اُسے قتل کرنے کا حکم فرمایا۔ یہ عبداللہ بن خطل مرتد تھا۔ ارتداد کے بعد اُس نے کچھ ناحق قتل کئے اور رسول اللہ ﷺ کی شانِ اقدس میں ہجو یہ اشعار کہا کرتا تھا۔ اُس نے دو گانے والی لونڈیاں اس لئے رکھی ہوئی تھیں کہ وہ حضور کی ہجو میں اشعار گایا کریں۔ حضور علیہ السلام کے حکم قتل پر اُسے غلافِ کعبہ سے باہر نکال کر باندھا گیا اور مسجدِ حرام میں مقامِ ابراہیم اور زم زم کے درمیان اُس کی گردن ماری گئی۔ (فتح الباری شرح بخاری' ج ۸' ص ۱۳؛ عمدۃ القاری' ج ۸' ص ۳۴۷؛ ارشاد الساری' ج ۶' ص ۳۹۲)

یہ صحیح ہے کہ اُس دن ایک ساعت کے لئے حرمِ مکہ کو حضور ﷺ کی عظمتِ شان کو چار بالا کرنے کی خاطر حلال قرار دے دیا گیا تھا لیکن بالخصوص مسجد الحرام میں مقامِ ابراہیم اور زم زم کے درمیان اُس کا قتل کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ گستاخِ رسول باقی مرتدین سے بدر جہا بدتر و بدحال ہے۔ دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ نبی علیہ السلام کی دل آزاری کر کے اُن کے خالقِ لم یزل کے منانے کے لاکھ جتن کرو' ہرگز نہیں مانے گا خواہ خانہ کعبہ کے پردوں کو پکڑ کر دُہائیاں دو۔

(۸) حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر کی جلد چہارم کے صفحہ ۳۷۲ پر بیان کیا کہ جب آنجناب ﷺ غزوہ بنی مصطلق سے واپس آرہے تھے تو منافقوں کے سردار عبداللہ بن اُبی سلول اور اُس کے ساتھیوں نے آپس میں کہا تھا کہ مدینہ پہنچ کر غلبہ والا مغلوبوں کو نکال باہر کرے گا تو ابن اُبی کے بیٹے جو صحابی تھے' کو جب اس بات کا علم ہوا تو اپنے باپ کی گردن پر تلوار لے کر سوار ہوئے اور کہا کہ اگر تو نے یہ بات کہی ہے تو میں تجھے ابھی قتل کئے دیتا ہوں' ورنہ تو اس چیز سے توبہ کر اور قرار کر کہ تو خود ذلیل ہے' اللہ اور اُس کا رسول ﷺ عزت والا ہے۔ اس واقعہ سے واضح ہوا کہ اگر کوئی منافق تنہائی میں بھی آنحضرت ﷺ کے متعلق اتنی سی بات کرے جو ابن اُبی سلول اور اُس کے ساتھیوں نے آپس میں کی تھی' تو اُسے مستحقِ قتل قرار دیا جائے گا۔

(۹) عصما نامی ایک یہودی شاعرہ جو حضور ﷺ کی شانِ اقدس میں ہجو یہ شعر کہا کرتی تھی' ایک نابینا صحابی عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوئی جنہیں بعد میں حضور ﷺ نے بطور تحسین ''بصیر'' (بینا) کا خطاب دیا۔ ابو عفک نامی ایک اور شاعر جو حضور علیہ السلام کے بارے میں دریدہ دہنی سے کام لیتا تھا' آپ ﷺ ہی کے حکم سے ایک بدری سالم بن عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ (''ناموسِ رسول ﷺ اور قانونِ توہینِ رسالت'' ص ۱۷۳)

(۱۰) فتح مکہ کے موقع پر جب حضور ﷺ نے کفار و مشرکین کے لئے عام معافی کا اعلان فرمایا تو اُس کے ساتھ ہی چند اشخاص کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ عفوِ عام سے مستثنٰی ہیں (فَاقْتُلُوْهُمْ اَيْنَمَا ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَلَوْ كَانُوْا تَحْتَ اَسْتَارِ الْكَعْبَة) یعنی یہ جہاں کہیں بھی ملیں اُنہیں قتل کر دیا جائے خواہ وہ غلافِ کعبہ ہی سے لپٹے ہوئے کیوں نہ ہوں۔ اُن واجب القتل افراد میں ابن خطل (جس کا ذکر صفحہ سابق میں ہو چکا) اور اُس کی دو لونڈیاں ارتب اور امّ سعد نیز مشہور ہجو گو شاعر حارث بن طلال بھی تھا جسے نبی ﷺ کے حکم کے مطابق جناب علی کرّم اللہ وجہہٗ نے قتل کیا۔ (ایضاً ص ۱۷۴)

حضرت علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں اس شبے کو دور کرنا بھی ضروری ہے کہ اگر توہینِ رسول کی سزا حداً قتل کرنا ہے تو کئی منافقین نے حضور ﷺ کی صریح توہین کی۔ بعض اوقات صحابہ کرام نے اُس منافق کے قتل کرنے کی آپ سے اجازت چاہی لیکن اجازت نہیں ملی۔ ابن تیمیہ نے اَلصَّارِمُ الْمَسْلُوْل عَلٰى شَاتِمِ الرَّسُوْل کے صفحات ۲۲۲ تا ۲۳۳ پر اس کے متعدد جوابات لکھے ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) اُس وقت اُن لوگوں پر حد قائم کرنا فسادِ عظیم کا موجب تھا۔ اُن کے کلمات توہین پر صبر کر لینا اس فساد کی نسبت آسان تھا۔
(۲) منافقین علانیہ توہینِ رسالت نہ کرتے تھے بلکہ آپس میں چھپ کر حضور ﷺ کے حق میں توہین آمیز باتیں کیا کرتے تھے۔
(۳) منافقین کے ارتکابِ توہین کے موقع پر صحابہ کرام کا حضور علیہ السلام سے اُن کے قتل کی اجازت طلب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام جانتے تھے کہ گستاخِ رسول کی سزا قتل ہے۔
(۴) رسول اللہ ﷺ کے لئے جائز تھا کہ وہ اپنے گستاخ اور موذی کو اپنی حیات میں معاف فرما دیں لیکن امت کے لئے جائز نہیں کہ وہ حضور کے گستاخ کو معاف کرے۔ حضور علیہ السلام کا معاف کر دینے کا عمل سورۃ الاعراف کی آیت ۱۹۹ میں وارد حکم کی تعمیل میں تھا: خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (درگزر کیجئے اور نیک کام کا حکم دیتے رہئے اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جایا کیجئے)۔

علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں عرض کروں گا کہ گستاخِ رسول پر قتل کی حد جاری کرنا ایسی حد ہے جو رسول اللہ ﷺ کا اپنا حق ہے۔ اگرچہ آپ ﷺ کی توہین آپ کی امت کے لئے بھی سخت ترین اذیت کا موجب ہے اور اس طرح اِس حد کو پوری امت کا حق بھی کہا جا سکتا ہے لیکن بلا واسطہ نہیں بلکہ بواسطہ ذاتِ اقدس کے۔ حضور علیہ السلام کے بعد کسی کو یہ اختیار نہیں۔ (''گستاخِ رسول کی سزا قتل'' ص ۲۸، ۲۹)

اُسی رسالے کے آخر میں فرماتے ہیں کہ توہینِ رسالت کی حد اُسی پر جاری ہو سکے گی جس کا یہ جرم قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو جائے۔ اس کے بغیر کسی کو اس جرم کا مرتکب قرار دے کر قتل کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اگر کوئی شخص توہین کے کلمات صریحہ بول کر اس بات کا اعتراف کرے کہ یہ کلمات میں نے بولے یا میں نے لکھے ہیں تو وہ یقیناً واجب القتل ہے خواہ وہ کتنے ہی بہانے بنائے اور کہتا پھرے کہ میری نیت توہین کی نہ تھی یا اِن کلمات سے میری غرض یہ نہ تھی کہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچاؤں۔ بہر حال وہ مستحقِ قتل ہے۔

اسی طرح وہ لوگ جو نبی کریم ﷺ کی توہینِ صریح کی تاویل کر کے اُس کے مرتکب کو قتل سے بچانا چاہیں' بالکل اُسی طرح قتل کے مستحق ہیں جیسا کہ خود توہین کرنے والا مستوجب حد ہے۔ (ایضاً ص ۳۰)

خلفائے راشدین کا گستاخانِ رسول کے ساتھ رویّہ

عہدِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ: مہاجر بن امیہ جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں صوبائی عدلیہ کے سربراہ تھے' کی عدالت میں دو گانے والی عورتوں کا مقدمہ پیش ہوا۔ ایک کے خلاف سرکارِ رسالت مآب ﷺ کے خلاف توہین آمیز الفاظ استعمال کرنے کا الزام تھا۔ دوسری عورت پر اپنے گیتوں میں مسلمانوں کی ہجو اور توہین کا الزام تھا۔ دونوں کے خلاف شہادت سے جرم ثابت ہونے پر اُن دونوں کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے اور اُن کے دانت توڑ دیئے گئے کہ آئندہ وہ ایسی بد آموزی سے باز رہیں۔ اِن دونوں مقدمات کی روئیداد جناب صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوئی تو آپ نے اِن دونوں سزاؤں سے اختلاف کرتے ہوئے مہاجر بن اُمیّہ رضی اللہ عنہ کو تحریر فرمایا:۔

''اُس مغنّیہ کے خلاف جس نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہرزہ سرائی کی ہے' تم نے جو کارروائی کی' اُس کا مجھے علم ہوا۔ اگر تم یہ کارروائی نہ کر چکے ہوتے تو میں تمہیں حکم دیتا کہ اُسے سزائے موت دی جائے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے خلاف ارتکابِ جرم کی سزا عام جرائم کی سزا کے برابر نہیں ہوتی اور تم نے دوسری مغنّیہ کو جس نے مسلمانوں کی ہجو اور دشنام طرازی کی ہے' جو سزا دی ہے وہ بھی درست نہیں۔ چنانچہ آپ نے حاکمِ عدالت کو ہدایت کی کہ وہ اس بارے میں آئندہ محتاط رہے اور ایسی سنگین سزا کے اجراء سے اجتناب کرے۔''

توہینِ رسالت کے بارے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک اور واقعہ سے اُن کی ژرف نگاہی' حلم و تدبر اور صحیح قوتِ فیصلہ کا اندازہ ہوتا ہے جس میں اُن کی ذاتی دشمنی' اشتعال انگیزی اور غم و غصہ کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس واقعہ کے راوی حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

''ایک دن میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مجلس میں موجود تھا۔ ایک شخص نے آپ سے گستاخی کی جس پر آں جناب اُس سے ناراض ہوئے۔ خلیفۂ وقت کی شان میں گستاخی پر مجھے غصہ آگیا اور میں اُسی وقت مشتعل ہو گیا۔ میں نے کہا کہ اے خلیفۂ رسول! اگر آپ اجازت دیں تو میں اِس نامعقول گستاخ کی گردن اُڑا دوں۔ حضرت ابو بکر نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور اُٹھ کھڑے ہوئے اور خاموشی سے اندر کمرے میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد مجھے اندر بلا بھیجا اور پوچھا کہ تم نے ابھی مجھ سے کیا کہا تھا؟ میں نے کہا: یہی کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اِس کا سر اُڑا دوں۔ آپ نے فرمایا: اچھا! اگر میں تمہیں اجازت دیتا تو کیا واقعی تم اُسے مار ڈالتے؟ میں نے کہا: یقیناً میں اُسے زندہ نہ چھوڑتا۔ اس پر آپ نے فرمایا: ربّ ذوالجلال والاکرام کی قسم! یہ رتبہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی اور شخص کو حاصل نہیں کہ اُس سے گستاخی کرنے والے کو قتل کر دیا جائے خواہ وہ خلیفۂ وقت ہی کیوں نہ ہو۔'' (طبقات ابن سعد' ج اوّل' ص ص ۳۷۴' ۳۷۵)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مزاج شناسِ نبوّت تھے۔ اُنہوں نے اپنی ذات سے بلند ہو کر ہی اعلانِ حق کیا اور

عام حکمرانوں یا بادشاہوں کی طرح ذاتی اور شخصی حملہ پر مشتعل ہو کر اُس گستاخ اور زبان دراز کو قتل کرنے حکم نہیں دیا۔ اُمتِ مسلمہ کے خلاف طعن وتشنیع اور دشنام طرازی پر بھی وہ کسی سنگین سزا کا مطالبہ نہیں کرتے لیکن اللہ کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی اُن کے لئے نا قابلِ برداشت تھی اور اس سلسلہ میں وہ سزائے موت سے کمتر کسی سزا کو پسند نہیں فرماتے۔ جنابِ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلیفۃ الرسول منتخب ہونے کے بعد جو سب سے پہلا خطبہ ارشاد فرمایا تھا جس میں اسٹیٹ پالیسی کا اعلان کیا گیا کہ ''اگر میں احکامِ الٰہی اور سنتِ رسول سے انحراف کروں تو مجھے معزول کر دیا جائے۔'' اس کی روشنی میں یہ نتیجہ بہ آسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ شاتمِ رسول کے قتل کا حکم' احکامِ الٰہی اور سنتِ نبوی کی منشاء کے عین مطابق تھا اور اس بارے میں کسی صحابی نے اعتراض نہیں کیا۔ اس لئے علمائے اُمت اس کو ''اجماعِ سکوتی'' سے تعبیر کرتے ہیں۔'' (ناموسِ رسول ﷺ اور قانونِ توہینِ رسالت''۔ محمد اسمٰعیل قریشی' سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ' ص ص ۱۰۸' ۱۹۰)

''دَورِ فاروقی: حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسالت مآب ﷺ کے عہد بابرکت ہی میں گستاخ رسول کی سزائے موت دے کر بارگاہِ نبوت سے ''فاروق'' کے لقب سے سرفراز ہو چکے ہیں جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں دی جا چکی ہے۔

''ابنِ وہب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک راہب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں دشنام طرازی کی۔ جب حضرت عمر نے یہ بات سنی تو اُن لوگوں سے جنہوں نے یہ واقعہ سنایا' فرمایا: ''تم نے اُسے قتل کیوں نہیں کیا؟ اگر میں وہاں ہوتا تو اُسے زندہ نہ چھوڑتا۔'' (اَلصَّارِمُ المَسْلُول علیٰ شاتِمِ الرَّسول --- امام ابنِ تیمیہ ترجمہ: غلام احمد حریری' ص ۲۷۶ بحوالہ محمد اسمٰعیل قریشی' ص ۱۱۰)

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ ایک امام ہمیشہ نماز میں سورہ عَبَس کی تلاوت کرتا ہے۔ تو آپ نے ایک آدمی بھیجا جس نے تحقیق کرنے کے بعد اُس کا سر قلم کر دیا۔ چونکہ وہ حضور ﷺ کے مرتبہ عالی کی تنقیص کے ارادے سے اُس کی قرأت کرتا تھا تاکہ مقتدیوں کے دل میں بھی حضور علیہ السلام کی عظمت کم ہو جائے' اس لئے نگاہِ فاروق میں وہ مرتد تھا اور مرتد واجب القتل ہوا کرتا ہے۔ (روح البیان بحوالہ ضیاء القرآن' ج ۵' ص ۴۹۰)

طحاوی کے باب اِستِتابۃُ المُرتَد میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جو فقہ کے امام المنتہی ہیں اور جنابِ عمر فاروق کے زمانہ میں کوفہ کے چیف جسٹس تھے' ایک اہم فیصلہ درج ہے۔ اُن کی عدالت میں پیروانِ مسیلمہ کذّاب کو ارتداد کے جرم میں گرفتار کر کے پیش کیا گیا' جنہوں نے توبہ کرتے ہوئے معافی کی درخواست کی۔ اُن میں سے ایک شخص عبداللہ ابن النواحہ کو آپ نے توبہ کے باوجود سزائے موت دی۔ لوگ معترض ہوئے کہ ایک ہی جرم کی دو مختلف سزاؤں کا کیا جواز ہے؟ جس پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابن النواحہ وہ آدمی ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حجر و بن وثال کے ساتھ مُسیلمہ کا سفیر بن کر آیا تھا۔ حضور علیہ السلام نے پوچھا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اُن دونوں نے کہا: کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ مُسیلمہ اللہ کا رسول ہے جو صریحًا آپ ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی تھی۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ لَوْ کُنْتُ قَاتِلَ وَفْدًا لَقَتَلْتُکُمَا یعنی اگر سفارت کاروں کا قتل جائز ہوتا تو میں تم دونوں کو قتل کر دیتا۔ اب چونکہ ابن النواحہ گرفتار ہو کر آیا ہے' اس لئے میں نے اُسے یہ سزائے موت دی ہے۔'' (شرح معانی الآثار --- لامام ابوجعفر طحاوی' جلد دوم' باب اِستِتابۃُ المرتد' ص ۱۳۶ سعید اینڈ کمپنی' کراچی' صفر ۱۳۹۵ھ/فروری ۱۹۷۵ء)

دَورِ حیدری: حضرت علی المرتضٰی کرّم اللہ وجھہٗ پیغمبرِ اعظم ﷺ کے حکم کی تعمیل میں شاتمِ رسول کو سزائے موت دینے کے لئے اُس کی تلاش میں حضرت زُبیر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ روانہ ہوئے تھے اور اپنے عہدِ خلافت میں شاتمِ رسول کے لئے سزائے موت کا حکم دیا تھا۔ (ناموسِ رسول ﷺ اور قانونِ توہینِ رسالت"۔۔ محمد اسمٰعیل قریشی، ص ۱۱۰)

"**خاندانِ نبوّت اور گستاخانِ رسول:** حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک ہذیلی حضورِ اکرم ﷺ کو برا بھلا کہا کرتا تھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: "کون ہے جو اس کی خبر لے؟" اس پر انصار میں سے دو صحابی اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی خدمات پیش کیں۔ چنانچہ وہ دونوں اُس کی تلاش میں چل پڑے۔ جب وہ اُنہیں مل گیا تو اُنہوں نے پوری طرح اُس کی شناخت کرنے کے بعد اُسے قتل کر دیا۔"

"جناب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اپنے والد گرامی کے حوالہ سے روایت کی ہے کہ رسولِ مکرّم ﷺ نے فرمایا کہ اُن کی ذاتِ پاک پر سبّ و شتم کرنے والا واجب القتل ہے۔" (وسائل الشیعہ، ج ۱۸، ص ۴۶۰ بحوالہ "ناموسِ رسول ﷺ اور قانونِ توہینِ رسالت"۔۔ محمد اسمٰعیل قریشی، ص ص ۱۱۰، ۱۱۱)

"**دَورِ بنی اُمیّہ:** دَورِ ملوکیت میں عرب حکمرانوں کا طرزِ بود و باش اگرچہ سلاطینِ عجم کی طرح غیر اسلامی ہوتا جا رہا تھا لیکن ملک کا قانون شریعت ہی کے تابع تھا۔ اس ضمن میں ایک واقعہ "صاحب المصنف" ہی کے حوالہ سے نقل کیا جاتا ہے:۔

"ایوب بن یحیٰی (جو عبدالملک کے دَورِ حکومت میں حاکمِ عدن مقرر ہوئے تھے) جب عدن پہنچے تو اُن کے پاس ایک عیسائی کو لایا گیا جس نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی۔ ایوب نے اس کے بارے میں عبدالرحمٰن صنعانی سے مشورہ کیا جنہوں نے اس جرم کی پاداش میں اُس کے قتل کا فتویٰ دیا تو اُسے قتل کر دیا گیا۔ عبدالرحمٰن صنعانی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اکتسابِ علم کیا اور اُن کے تربیت یافتہ ہیں۔ پھر ایوب نے اس بارے میں عبدالملک کو اس کی اطلاع دی جس کے جواب میں اُس نے کہا کہ تم نے بالکل ٹھیک کیا ہے۔"

"امام ابنِ حزم نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف "المحلی" میں ابن عبدالملک سے متعلق شاتمِ رسول کے بارے میں ایک اور واقعہ کا ذکر علی بن المدینی کے حوالہ سے اس طرح کیا ہے:۔

"علی بن المدینی ایک مرتبہ خلیفہ ابنِ عبدالملک کے پاس آئے تو اُس نے اُن سے پوچھا: کیا تمہیں کوئی ایسی حدیث معلوم ہے جو شاتمِ رسول کے بارے میں مستند ہو؟" علی نے اِثبات میں جواب دیتے ہوئے عبدالرزاق "صاحب المصنف" کی وہ حدیث سنائی جس میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے حکم پر شاتمِ رسول کو قتل کیا تھا جس پر خلیفہ نے علی بن المدینی سے خوش ہو کر اُنہیں ایک ہزار دینار بطورِ انعام دئے۔" (جلد ۱۱، ص ۴۰۹)

"حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں خلافتِ راشدہ کی اسلامی اَقدار کی تجدید ہوئی اور قانون

شریعت پھر سے حکمران اور رعایا دونوں پر یکساں لاگو ہوگیا اور ساری اسلامی قلمرو میں یہ احکام جاری ہو گئے کہ عدل و انصاف قرآن وسنت کے مطابق کیا جائے اور کسی پر ظلم وزیادتی نہ ہونے پائے۔ چنانچہ کسی حاکم صوبہ کو یہ جرأت نہ تھی کہ وہ کوئی خلاف شریعت کام کرے۔ اس لئے کوفہ کے گورنر نے امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز کی خدمت میں مکتوب بھیج کر اُن سے دریافت کیا کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالی دی ہے' کیا وہ واجب القتل ہے؟ اس کے جواب میں حضرت عمر بن عبد العزیز نے لکھا کہ اس کی سزا موت نہیں کیونکہ صرف شاتمِ رسول ہی شریعت کی رُو سے واجب القتل ہے۔'' (ایضاً)

''عباسی دورِ حکومت: خلیفہ ہارون الرشید نے چند فقہائے عراق کے حوالہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ جو شخص سرکارِ رسالت مآب ﷺ کو گالی دے' اُسے کیا سزا دی جائے؟ اس پر امام غضب ناک ہوئے اور فرمایا کہ اس اُمت کا کیا ٹھکانہ جو نبی کریم ﷺ کی شان میں سبّ وشتم پر خاموش رہے۔ ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے اور جو صحابہ کرام کو گالی دے' اُسے کوڑے مارے جائیں۔'' (''الشفاء'' بعریف حقوق المصطفیٰ۔۔۔ ابوالفضل قاضی عیاض اندلسی' ج ۲' ص ۲۰۵)

گستاخِ رسول ائمہ فقہ کی نظر میں

''تمام ائمہ فقہ امام ابوحنیفہؒ' امام شافعیؒ' امام احمد بن حنبلؒ' امام مالکؒ' امام داؤدؒ' امام ابنِ حزمؒ' امام ابنِ تیمیہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) اور اُن کے سارے صاحبِ علم وفضل شاگرد اس بات پر متفق ہیں کہ شاتمِ رسول واجب القتل ہے اور یہ سزا اُسے بطورِ حدّ دی جائے گی۔

فقہ حنفی: ''فتاویٰ بزازیہ'' اور ''تنبیہ الولاۃ'' جو فقہ حنفی کی معروف کتابیں ہیں' اُن کی رُو سے شاتمِ رسول کو سزائے موت بطورِ حد دی جائے گی۔ اس کی سند میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ فرمان ہے جب آپ نے اپنے گستاخ کے قتل سے ابو برزہ رضی اللہ عنہ کو منع کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہ حق سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی اور کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ امام ابوحنیفہ اور اہلِ کوفہ کے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے اور یہی مذہب مشہور اور مذہب جمہور ہے۔ امام خیر الدین رملی (حنفی) فتاویٰ خیریہ میں شاتمِ رسول کو حدًّا واجب القتل قرار دیتے ہیں۔ صدر الشہید حنفی کا ''البحر الرائق'' میں یہی فتویٰ ہے کہ شاتمِ رسول کو حدًّا قتل کیا جائے گا۔''

فقہ حنفی کے ایک اور مستند امام ابن عابدین کا ردّ المحتار (حاشیہ دُرِّ مختار) میں حسب ذیل فتویٰ درج ہے:

''کافر کو سبّ وشتم النبی (ﷺ) کی وجہ سے بطورِ حد قتل کیا جائے گا اور اُس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ حد توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔'' (جلد ۳' ص ۲۹۹ بحوالہ ''ناموسِ رسول ﷺ اور قانونِ توہینِ رسالت'' ص ۱۱۳)

فقہ حنفی کی ایک اور مستند کتاب ''فتاویٰ قاضی خان'' جو امام الحسن بن المنصور الاوزجندی کی تالیف ہے' میں اُن باتوں کا صراحتاً ذکر ہے جن سے اہانتِ رسول ہوتی ہے۔

''ہندوستان کے درویش صفت' پابندِ شریعت اور غازی حکمران اورنگ زیب عالمگیر کے دَور میں جو فقہ مدوّن ہوئی تھی ''فتاویٰ عالمگیریہ'' کے نام سے آج بھی موجود ہے اور برٹش راج سے قبل برّصغیر ہند میں قانونِ ملکی کے طور پر نافذ رہی ہے۔ اس میں بھی وہ جزئیات تفصیلاً بیان کردی گئی ہیں جن سے توہینِ رسالت کا ارتکاب ہوتا ہے اور اُن کا مرتکب تکفیر کی زد میں آتا ہے۔'' (ایضاً ص ۱۱۵)

''پاکستان کی ایک معروف و مستند علمی اور دینی نابغہ روزگار ہستی پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے فیڈرل شریعت کورٹ میں صدر اور حکومتِ پاکستان کے خلاف توہینِ رسالت کی سزا کے بارے میں شریعت پٹیشن اور اُس میں اٹھائے گئے آئینی اور قانونی نکات کی نہ صرف مکمل تائید اور حمایت کی بلکہ اپنے منطقی زورِ استدلال سے عدالت کی معاونت بھی کی تھی۔'' (ایضاً ص ۱۶۵)

''دارالعلوم دیوبند کے ممتاز عالمِ دین مولانا حسین احمد مدنی (شاگرد شیخ الہند حضرت محمود الحسن) نے گستاخ رسول کے بارے میں قتل کا فتویٰ دیا ہے۔'' (''الشہاب الثاقب'' ۔۔ علامہ شبیر احمد عثمانی' ص ۵۰)

''حضرت شیخ محمد محدّث تھانوی کا فتویٰ ہے کہ ہر وہ شخص جو حضور ﷺ سے کوئی عیب منسوب کرے یا یہ کہے کہ میں رسولِ کریم ﷺ سے (معاذ اللہ) زیادہ جاننے والا ہوں یا کسی اور کو حضور ﷺ پر فضیلت دے' تو ایسا شخص تمام فقہاء کی نظر میں کافر ہے اور ایسے شخص کو قتل کیا جائے گا۔'' (فتاویٰ محدّث تھانوی)

''فقہ مالکی: ابن ابی اُویس اور ابومصعب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ ''جو شخص حضور ﷺ کو گالی دے یا بُرا بھلا کہے' آپ ﷺ پر عیب لگائے' یا آپ ﷺ میں کوئی شخص نقص نکالے' اُسے قتل کیا جائے گا۔ اگر وہ مسلمان ہو تو اُس کی توبہ یا کافر ہو تو اُس کی معذرت قبول نہیں کی جائے گی۔ قاضی عیاض کی اَلشِّفاء میں اصبغ کا یہ قول بھی درج ہے کہ شاتمِ رسول بہر صورت قتل کیا جائے گا' چاہے وہ علانیہ گالی دے یا خفیہ طور پر اور اُس کی توبہ قابلِ قبول نہیں کیونکہ اُس کی توبہ کا حال معلوم نہیں کہ وہ درست ہے یا صرف جان بچانے کی خاطر کی ہے۔''

''ابن سحنون مالکی کا فتویٰ یہ ہے: أَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ أَنَّ شَاتِمَهٗ كَافِرٌ وَحُكْمُهُ الْقَتْلُ وَمَنْ شَكَّ فِيْ عَذَابِهٖ وَكُفْرِهٖ فَقَدْ كَفَرَ (یعنی تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ شاتمِ رسول کافر ہے اور واجب القتل ہے اور جو شخص اُس کے کفر اور سزا کے بارے میں شک کرے' وہ بھی کافر ہے۔''

''ابراہیم بن حسین بن خالد الفقیہ اِسی بات کے قائل ہیں کہ شاتم الرسول کی سزا سزائے موت ہے اور اُن کی دلیل یہ ہے کہ یہ عمل صحابہ کرام سے بھی ثابت ہے چنانچہ اس بارے میں وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ اُنہوں نے مالک بن نویرہ کو اس لئے قتل کیا تھا کہ اُس نے خالد سے گفتگو کرتے ہوئے رسول کریم ﷺ کو ''تمہارے ساتھی'' کہا تھا۔ مالکی مسلک کے مقتدر فقیہ اور قرطبہ کی عدالتِ عالیہ کے نامور جج قاضی ابوالفضل عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب اَلشِّفاء میں توہینِ رسالت کے تمام پہلوؤں پر شرح و بسط سے گفتگو کرتے ہوئے شاتمِ رسول کے جرم کو ناقابلِ معافی قرار دیا ہے۔

''فقہ شافعی : شاتمِ رسول کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی وہی ہے جو امام مالک اور دوسرے ائمہ فقہ کا ہے۔ البتہ اختلاف صرف توبہ کے بارے میں ہے کہ کیا توبہ سے حدّ ساقط ہو جائے گی اور شاتمِ رسول کی سزا معاف ہو جائے گی کیونکہ کچھ فقہائے مذہب شافعی اور کچھ علمائے احناف کی رائے میں یہ توبہ قبل از گرفتاری ہے جو لائقِ معافی ہے لیکن سب کا اس پر اتفاق ہے کہ مقدمہ دائر ہونے کے بعد توبہ قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ حضور ﷺ کی عدالت میں جب سرقہ کا مقدمہ دائر ہوا تو آپ ﷺ نے حدّ شرعی کے مطابق فیصلہ صادر فرمایا تھا اور معافی کی درخواست پر اظہارِ ناراضی فرمایا تھا۔'' (فتاویٰ شامی' ج ۳' ص ۳۱۸)

''فقہ حنبلی : شاتمِ رسول کی توبہ کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا موقف بالکل واضح ہے کہ اُس کا قتل واجب ہو چکا اور اُس کی توبہ قابلِ قبول نہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی روایت ہے کہ حضور ﷺ کی شان میں گستاخی' زبان درازی اور تنقیص کرنے والے کو قتل کیا جائے گا کیونکہ اس پر حدّ واجب ہو جاتی ہے اور یہ حدّ کافر اور مسلمان ہر ایک پر لاگو ہو گی۔'' (''اَلصّارمُ المَسلُول علیٰ شاتمِ الرَّسول'' لامام ابنِ تیمیہ' ص ۳۲۰)

''شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ نے جن کے پایہ کا فقہ حنبلی میں کوئی مجتہد نہیں اور جو مجدد کے اعلیٰ مقام و مرتبہ پر فائز ہوئے' شاتمِ رسول کے بارے میں ایک نہایت اہم اور معرکتہ الآراء کتاب ''اَلصّارمُ المَسلُول علیٰ شاتمِ الرَّسول'' لکھی جو اس مسئلہ پر مستند ترین کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس میں امام موصوف نے قرآن و سنت' تعاملِ صحابہ و تابعین اور دلائل و براہین سے یہ ثابت کیا ہے کہ شاتمِ رسول کو حدًّا سزائے موت دی جائے گی اور اس سلسلہ میں گرفتاری سے قبل یا گرفتاری کے بعد اُس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ اُنہوں نے صرف اس فتویٰ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جب اُنہیں معلوم ہوا کہ ایک عیسائی نے رسول کریم ﷺ کی شان میں دشنام طرازی کی ہے' تو وہ اُسی وقت اپنی مجلسِ درس و تدریس سے اٹھے اور اپنے سینکڑوں پیروکاروں کے ساتھ حاکمِ دمشق کے پاس پہنچے اور جرم ثابت ہونے پر اُس کے قتل کا مطالبہ کیا۔ وہ مجرم عیسائی' عوام کے غیظ و غضب کے ڈر سے ایک بدوی کے گھر رُوپوش تھا۔ نائب السلطنت نے اُس عیسائی اور اُسے پناہ دینے والے بدوی کو اپنی عدالت میں طلب کیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو اُس نے وہاں موجود شہریوں کے ساتھ تلخ کلامی کی جس پر مجمع مشتعل ہو گیا اور اُنہوں نے وہیں سنگ باری شروع کر دی جس پر نقضِ امن کی بناء پر حاکمِ دمشق نے امام ابنِ تیمیہ اور اُن کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا اور اُن پر تشدد کیا جسے اُنہوں نے نہایت صبر و استقلال سے برداشت کیا۔ مقدمہ میں جب اُس عیسائی نے صفائی پیش کی اور بَری ہو گیا تو حضرت امام مالک اور ان کے ساتھیوں کو رہائی نصیب ہوئی۔ نائب السلطنت نے اپنے اس بے جا اور ناروا سلوک پر اُن سے معذرت طلب کی۔''

(''حیات شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ۔۔ ابو محمد زہرہ ۔ ترجمہ : رئیس احمد جعفری' بحوالہ محمد اسمٰعیل قریشی' ص ۱۱۸)

''عبدالرحمٰن الجزیری کی معروف کتاب ''کتاب الفقه علی مذاهب الاربعة' جو چاروں ائمہِ فقہ کے مذاہب کی روشنی میں مرتب کی گئی ہے' اس کے جز پنجم میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نبوّت ایک اکتسابی شے ہے اور ریاضت سے اُسے حاصل کیا جا سکتا ہے تو یہ کفر ہے کیونکہ اُس سے نبی کریم ختم المرسلین ﷺ کے بعد بھی کسی اور نبی کے آنے کا امکان ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ایسے نبی کو گالی دینا جس کی نبوّت پر تمام ملّتِ اسلامیہ کا اتفاق ہو تو یہ بھی کلمہِ کفر ہو گا۔ اسی طرح کسی نبی میں کسی قِسم کا نقص نکالنا خواہ وہ جسمانی عیب ہو' یا اُن کے علم کو ناقص بتلانا یا اُن کے اَخلاق پر طعنہ زنی کرنا سب کفر کی باتیں ہیں۔ کیونکہ ہر نبی ہر لحاظ سے سب انسانوں پر افضل ہوتا ہے اور تمام انبیاء کے سردار ﷺ ہر جسمانی عیب سے پاک اور علم و اَخلاق کے لحاظ سے سارے جہاں سے افضل' برتر و اعلیٰ ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ کی شان میں گستاخی صریحًا کفر و ارتداد ہے۔'' (ص ۸۰۵)

''گستاخ رسول اور اُس کی توبہ: جو لوگ حضور ﷺ کو برا کہنے والے مجرم کی توبہ کے قائل ہیں' وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ توبہ اور رجوع عن الاقرار کے سلسلے میں حقوق اللہ اور حقوق العباد میں فرق ہے۔ رجوع عن الاقرار کے سلسلے میں ھدایۃ کا یہ فقرہ قابلِ غور ہے: وَمَنْ أَقَرَّ بِالْقَذْفِ لَمْ يُقْبَلْ رُجُوعُه' (یعنی جو قذف کا اقرار کرلے اور اُس کے بعد اقرار سے پھر جائے تو اُس کا رجوع مقبول نہ ہوگا کیونکہ یہ حق العباد کا معاملہ ہے۔''

''یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں کیا ہوا گناہ توبہ سے معاف ہو جاتا ہے لیکن بندے کے حق میں کیا ہوا گناہ توبہ سے معاف نہیں ہوتا بلکہ اُسی شخص سے معاف کرانا پڑتا ہے جس کا گناہ کیا ہو۔ شہید کے سب گناہ جو حق اللہ سے متعلق ہیں' معاف ہو جاتے ہیں لیکن حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔ اس لئے قرضہ بھی معاف نہیں ہوتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بُرا کہنے والا تو اللہ کا بھی گنہگار ہے اور خود حضور علیہ السلام کا بھی گنہگار ہے بلکہ اُن تمام مسلمانوں کا بھی گنہگار ہے جو اُس وقت زندہ ہوں۔''

''اگر کوئی شخص مجھ پر یا کسی پر زنا' چوری' رشوت کا کوئی بھی الزام لگائے تو ہمیں اُس پر غصہ ضرور آئے گا لیکن یہ نہیں کہ ہم اُسے قتل کر دیں لیکن اگر حضور ﷺ کو کوئی بُرا کہے گا تو ہم اُس کے قتل پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اس بات کو ابنِ عابدین نے بھی یوں تسلیم کیا ہے :-

''مؤمن کے دل کی تشفی اُس وقت تک نہیں ہوتی جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بُرا کہنے والے لعین کو عذاب دینے کے بعد قتل نہیں کیا جائے گا۔ (پس ثابت ہوا کہ قتل ضروری ہے' عمر قید سے کام نہیں چلے گا۔)''

''اب ہم بندے کے گناہ سے توبہ کی نامقبولیت کی طرف آتے ہیں۔ بندے کا معاف کرنا ضروری ہوتا ہے۔ قذف کے جرم میں اللہ تعالیٰ کا حق بھی ہے اور اُس بندے کا بھی جس پر الزام لگایا جاتا ہے۔ قذف میں بندے کے حق کی وجہ سے رجوع عن الاقرار نامقبول ہے۔ زنا کے اقرار سے توبہ کے بعد خلاصی ہو سکتی ہے لیکن قذف کے جرم میں توبہ کر کے بھی حدّ سے چھٹکارا نہیں مل سکتا۔ اس سلسلہ میں واقعہ اِفک کی مثال لیجئے۔ قرآنِ حکیم نے حضرت عائشۃ صدّیقہ رضی اللہ عنھا کی برأت کر دی۔ تینوں صحابہ کرام بھی مجسم تائب ہو گئے لیکن قذف کی سزا دو اصحاب اور ایک عورت (حضرت زینب رضی اللہ عنھا کی بہن حمنہ بنتِ جحش) کو دی گئی جو سب کے سب سچے مسلمان اور صحابی تھے۔ مِسطح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے اور حضرت حسّان بن ثابت دربارِ نبوی ﷺ کے شاعر تھے اور کفار کے اشعار کا جواب حضور ﷺ کی طرف سے دیا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ معاملہ حقوق العباد کا تھا' اس لئے تینوں کو اسّی اسّی کوڑے مارے گئے اور خاتون بھی اس سزا سے نہ بچ سکیں۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ اگر کوئی یہ فقیہ یہ کہتا ہے کہ اگر کوئی عورت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بُرا کہے تو عورت ہونے کی وجہ سے اُسے موت کی سزا نہیں دی جا سکتی تو اُس کی رائے قابلِ قبول نہ ہوگی۔ اِفک کے واقعہ میں عورت کو بھی وہی سزا دی گئی جو باقی اصحاب کو دی گئی تھی۔ جنس کی بناء پر سزا میں تفریق نہیں کی جا سکتی۔'' (''ناموسِ رسول ﷺ اور قانونِ توہینِ رسالت''۔ محمد اسمٰعیل قریشی' ص ص ۱۷۵'۱۷۶)

توبہ کی عدم قبولیت کے دلائل: (۱) جناب محمد بن سحون فرماتے ہیں کہ اس نام نہاد ''مسلمان'' کی توبہ سزائے قتل کو باطل نہیں کرتی جس نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں گستاخی کی ہو جس کی دلیل یہ ہے کہ اُس شاتم نے ایک دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار نہیں کیا البتہ اُس نے وہ جرم کیا ہے جس کی سزا اسلامی معاشرے میں قتل ہے اور اس میں معافی کی گنجائش نہیں۔''

(۲) جو حدّ گستاخ وشاتم پر قائم کی جارہی ہے' وہ اُس کے ارتداد یا کفر کی وجہ سے نہیں بلکہ حدّ قائم کئے جانے کی وجہ سے ہے کہ اُس نے عظمت وحرمتِ نبوی کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے اور اسی وجہ سے توبہ اس حدّ کو ختم نہیں کرتی ۔''

(۳) شیخ ابوالحسن قابسی نے فرمایا کہ جب گستاخ شاتم اپنے جرم کا اعتراف کر کے اس سے رجوع کرے اور توبہ بھی ظاہر ہو جائے تب بھی ارتکابِ جرم کی وجہ سے اُسے قتل کی سزا دی جائے گی کیونکہ اس جرم کی سزا قتل ہی ہے ۔ البتہ ابو محمد بن زید نے فرمایا کہ سزا کے بارے میں تو شک وشبہ کی بات نہیں ہے' البتہ اُس کی توبہ وانابت کا معاملہ چونکہ اللہ اور اُس کے درمیان ہے' اس لئے اُس کی توبہ (آخرت کے لئے) نفع بخش ہو جائے گی۔'' (''ناموسِ رسول ﷺ --- الخ ص ۱۲۶' ۱۲۷)

(۴) خاتم المرسلین والانبیاء ﷺ کائنات کے ذرّے ذرّے کے رسول ہیں ۔ کوئی اُن کی رسالت کو مانے یا نہ مانے' اُن کی رسالت سے باہر نہیں (بحوالہ اُمّتِ اجابت واُمّتِ دعوت) ۔ آپ اپنے خالقِ لم یزل کے محبوب' مکرّم ومعظّم ہیں' تمام اوصافِ حمیدہ اور شمائلِ طیّبہ کے مجسّم وپیکر ہیں ۔ سارا قرآنِ حکیم رُشد وہدایت کی خوشبوئے جانفزا بکھیرنے کے ساتھ ساتھ انتہائی خوشنما گلدستہ نعتِ رسولِ مقبول ﷺ بھی ہے ۔ ربِّ ذوالجلال والاکرام اُن کا مدح سرا ہے اور وہ شانِ صمدیّت کا مالک اُن کی حیاتِ طیّبہ اور اُن مقامات کی قسم کھاتا ہے جنہیں محبوبِ معظّم کے نعلینِ پاک نے اپنے قدمینِ مبارک کے نیچے روندنے کا شرف بخشا ہے ۔ لہٰذا خالقِ کائنات کو زمین پر ایسے شخص کا وجود گوارا ہی نہیں جو وجہِ ظہور بزمِ کائنات اور محبوبِ ربّ العلا ﷺ کی شانِ اقدس میں معمولی سے گستاخی کا بھی مرتکب ہوتا ہے ۔ اُس نے ایسے لوگوں پر لعنت کی بوچھاڑ کی ہے اور عذابِ الیم اُن کا مقدر ہے ۔

(۵) جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بالوضاحت بیان ہو چکا' خود نبی مکرّم ﷺ نے اپنے شاتمین اور بُرا بھلا کہنے والوں کے قتل کا حکم صادر فرمایا اور رسولِ معظّم ﷺ جس بات کا حکم فرمائیں تو اُس کی تعمیل وتکمیل فرض ہو جاتی ہے ۔ اُسے قتل نہ کرنے سے اللہ اور رسول ﷺ کی نصرت کا ترک لازم آتا ہے جو صحیح مؤمن ومسلم کے لئے کسی طرح قابلِ قبول نہیں ۔ تمام صحابہ کرام' تابعین' تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین وغیرہ کا عمل حکمِ رسول کی تعمیل میں رہا ۔

(۶) روئے زمین کو دشنامِ رسول کے اظہار سے پاک کرنا بقدرِ امکان واجب ہے' اس لئے کہ یہ بات غلبہ دین کی تکمیل' اعلائے کلمۃ الحق اور دین کے اللہ کے لئے خالص ہونے کا لازمی عنصر ہے ۔ اگر شاتمِ رسول سے انتقام نہ لیا جائے تو دین کا غلبہ باقی نہ رہے گا اور اللہ کا کلمہ بلند نہ ہوگا ۔

(۷) دلی اعتقاد ایک بیج ہے جو محبت کے بغیر بار آور نہیں ہوتا اور محبت کے لئے احترام وتعظیم ناگزیر ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں آپ ﷺ کی تعظیم وتکریم پر بایں الفاظ زور دیا گیا وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (سورۃ الفتح: ۹) یعنی اُن ﷺ کی تعظیم کرو اور اُن ﷺ کا احترام کرو ۔ ایمان تو ازسرتا' پا محبت ہے اور وہ ایمان' ایمان نہیں جو محبت سے خالی ہو ۔ اگر محبوبِ کبریاء ﷺ کی محبت کسی دل میں نہیں تو اُن کا اتباع کیسے کیا جائے گا ۔ القصہ لوگ جس شے کو ایمان کی اقلیم کہتے ہیں میں تو اُسے اُس وجودِ محبوب ومطلوب کے ایک ذرہ محبت کے اندر دیکھتا ہوں ۔'' (محمد اسمٰعیل قریشی' ص ص ۱۴۷' ۱۴۹) تو شاتمِ رسول کو سزا ملے بغیر مجھے چین کیسے آئے گا !!

''شاتمِ رسول کی سزائے قتل سے انکار کا فتنہ : شاتمِ رسول کے لئے سزائے قتل کی مخالفت اور اہانتِ رسول پر احتجاج کو خلافِ اسلام قرار دینا دراصل مزاجِ اسلام سے ناواقفیت کی دلیل اور اجماعِ امت کی مخالفت ہے۔ گزشتہ چودہ صدیوں میں یہ مسئلہ متفق علیہ رہا ہے اور کسی نے بھی شاتمِ رسول کی سزائے قتل کا انکار نہیں کیا۔ علامہ ابن تیمیہ نے اِس موضوع پر ایک مکمل کتاب اَلصَّارمُ المَسْلول علیٰ شاتِمِ الرَّسول کے نام سے لکھ دی ہے۔ حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ اب شاتمِ رسول کی سزائے قتل سے انکار کی آواز اٹھی ہے۔ اس فکر کے داعیوں کو اس بات پر بڑا اِضطراب ہے کہ ساری دنیا کے مسلمان سَلمان رُشدی کی کتاب (Satanic Verses) کے خلاف احتجاج کا جھنڈا اُٹھائے ہوئے ہیں اور اُس کے قتل کا فتویٰ بھی صادر کر چکے ہیں۔ نہ صرف ایک سَلمان رُشدی بلکہ تاریخ کے تمام شاتمینِ رسول کو قتل سے بچانے کے لئے اُنہوں نے وکیلانہ منطق اور غیر موزوں وغلط استدلال کی صلاحیتیں وقف کر رکھی ہیں۔ اس بارے میں اُن کا موقف اُن کے الفاظ میں یہ ہے:۔

''موجودہ زمانے میں مسلمانوں کا عام خیال یہ ہو گیا ہے کہ پیغمبر کے ساتھ گستاخی یا اُس کا استہزاء ایک ایسا جرم ہے جو علی الاطلاق طور پر مجرم کو واجب القتل بنا دیتا ہے۔ اس قسم کا مطلق نظریہ شرعی اعتبار سے بے بنیاد ہے۔ اسلام میں اس کے لئے کوئی حقیقی دلیل موجود نہیں ہے۔ امتحان کی اِس دنیا میں جہاں ہر ایک کو آزادی ہے' آپ کسی کو اس پر مجبور نہیں کر سکتے کہ وہی الفاظ بولے جو آپ چاہتے ہیں کہ بولے جائیں۔۔۔۔ موجودہ زمانے میں آزادیِ فکر خیرِ اعلیٰ کی حیثیت رکھتی ہے۔''

''رُشدی کے خلاف مسلمانوں نے قتل کا فتویٰ دے کر جو ہنگامہ برپا کیا' اُس نے اسلام کے معاندین کو اس بات کا سنہری موقع دیا کہ وہ اس کو لے کر اسلام کو بدنام کریں۔ وہ تمام دنیا کو یہ تاثر دیں کہ اسلام ایک خونخوار مذہب ہے اور قتل وخون کا دین ہے۔ سلمان رُشدی کے خلاف مسلمانوں کے مجنونانہ ایجی ٹیشن کا فائدہ کچھ نہیں ہوا۔''

اِن سب جاہلانہ' بے بنیاد اور شیطانیت سے پُر اعتراضات کے جوابات گزشتہ صفحات میں از روئے قرآنِ حکیم' سنتِ رسول ﷺ اور اجماعِ امت' زیبِ قرطاس کر دیے گئے ہیں۔ یہ بھی بیان ہوا کہ علامہ ابنِ تیمیہ کے زمانے میں ایک بدبخت عیسائی توہینِ رسالت کا مجرم ہوا اور امام ابنِ تیمیہ نے مسلمانوں کو لے کر اُس کے گھر کا محاصرہ کیا۔ علامہ ابنِ تیمیہ کے اس عمل کو دَورِ جدید کی اصطلاح میں (Agitation) کہتے ہیں۔ اب شاتمِ رسول کے لئے سزائے قتل کے مخالف لوگ کہتے ہیں کہ سلمان رُشدی کے خلاف مسلمانوں کو کوئی ایجی ٹیشن نہیں کرنا چاہئے تھا اور (معاذ اللہ) یہ سراسر مجنونانہ حرکت ہے۔

''اسلام عبادت بھی ہے اور ریاست بھی۔ دنیا میں کوئی ریاست اپنے باغیوں کو معاف نہیں کرتی۔ پھر اسلامی ریاست سے یہ توقع کیوں کر لی جائے کہ وہ اس دینی و دُنیوی سربراہ اور اللہ کے رسول کے خلاف سب وشتم کو معاف کر دے جن کی اطاعت ہی دنیا اور آخرت میں کامیابی و کامرانی کی یقینی اور حتمی ضمانت ہے۔ جن کی ذاتِ گرامی مخلوقات میں اتنی ارفع ہے کہ جہاں ایک شخص اس دنیا میں کسی کا خون بہا کر قابلِ قصاص ہوتا ہے' وہاں آپ ﷺ کی شان میں بے ادبی اور توہین سے ہی قابلِ قصاص بن جاتا ہے۔'' (''ناموسِ رسول ﷺ اور قانونِ توہینِ رسالت'' ۔ محمد اسمٰعیل قریشی' ص ص ۱۷۹' ۱۸۰)

''کتاب ''دشتمِ رسول کا مسئلہ''۔۔۔مصنف کا تنقیدی محاکمہ: بھارت کے ایک خودرَو مولانا وحیدالدین خان نے ''دشتمِ رسول کا مسئلہ'' کے عنوان سے مضامین لکھے جو سال ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئے اور جن میں ''رواداری'' ''آزادی'' ''آزادیِ اظہارِ خیال'' اور ''آزادیِ فکر'' کی فریب کارانہ اصطلاحات کا سہارا لے کر گستاخِ رسول اور شیطان رُشدی کی بھرپور وکالت کی گئی ہے۔ مضامین کا مقصد وحید یہ بتلانا ہے کہ توہینِ رسالت سرے سے کوئی جرم ہی نہیں اور اہانتِ رسول پر احتجاج اور ایجی ٹیشن اُن کے اپنے الفاظ میں ''احمقانہ مہم'' ہے۔ اس کتاب کے باب ''دَورِ آزادی'' میں موصوف نے لکھا ہے: ''قدیم زمانہ میں ''اظہارِ خیال کی آزادی'' کا حق تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ جدید انقلاب تمام تر اسی تصوّرِ آزادی کی دین ہے جس کا ذکر ایک برطانوی صحافی ایڈورڈ ٹیمر نے اپنے مضمون رُشدی کے بارے میں کیا ہے۔'' رُشدی کے خلاف احتجاج کی مذمت کرتے ہوئے صحافی مذکور لکھتا ہے:

''یہ احتجاج ہمارے مذہب پر حملہ ہے۔ مذہب سے مراد ایسا مذہب نہیں جو ایران کا ہے۔ برطانیہ اور آزاد دنیا کا مذہب اپنے وسیع تر معنی میں ''آزادی'' ہے جس کی بنیاد لوک' والٹیئر' برک اور امریکن دستور کے مصنفین وغیرہ نے کی ہے۔''

''اس مضمون جس کا اقتباس ہم نے قوسَین میں دیا ہے' کا حوالہ دے کر خان مذکور لکھتے ہیں:۔

''اِس آزادی نے تاریخ میں پہلی بار ہر ایک کے لئے اپنے فکر وخیال کے اظہار کے تمام دروازے کھول دئے ہیں۔ آزادیِ فکر آج ایسا مسلّمہ حق بن چکا ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔''

''فکر وخیال کی اِسی آزادی کے حق کو رُشدی نے اپنی کتاب ''شیطانی آیات'' میں استعمال کیا ہے۔ شیطان ہر دَور میں ایسی جِت نئی تراکیب اور اصطلاحات وضع کرتا رہتا ہے جو بظاہر نہایت پُرکشش اور دلفریب نظر آتی ہیں لیکن یہ انسان کی ہلاکت اور تباہی کے لئے مہلک ترین حربے ثابت ہوئے ہیں۔ اٹھارویں صدی میں شیطان نے ''آرٹ برائے آرٹ'' کے نام سے عُریانی اور فحاشی کے لئے جواز فراہم کیا۔ جب یہ اصطلاح پرانی اور فرسودہ ہونے لگی تو ذرا سی تبدیلی کے ساتھ اسی کا نام ''آرٹ'' رکھ دیا اور اس کی سرپرستی میں ہر قسم کی بے راہ روی اور عُریانی کی نمائش ہوتی رہی۔ اس سے بھی جب شیطان کے عزائم اور مقاصد پورے ہوتے نظر نہیں آئے تو اس نے ایک اور لفظ ''آزادیِ افکار'' ایجاد کیا جس نے انسان کے خیالات واَفکار کو بے لگام کر کے اُسے تمام اَخلاقی شعور سے بیگانہ کر دیا۔ اقبال کی ایمانی بصیرت نے شروع ہی میں دیکھ لیا تھا کہ یہ فتنہ کہاں سے سر اٹھا رہا ہے۔ اس لئے اُس نے ایشیا والوں کو خبردار کیا تھا: ''آزادیِ افکار ہے ابلیس کی ایجاد۔'' یہ آزادیِ افکار' دین و مذہب اور اَخلاق و شرافت کے خلاف شیطان کی کھلی جنگ ہے جس کے لئے ابلیس اپنے سورماؤں کو تازہ دم کمک بھیجتا رہتا ہے۔ اُس کے ہراول دستہ سے رُشدی نے اپنی تمام تر خباثتوں کے ساتھ مسلمانوں کے مرکزِ قلب ورُوح حضورِ اکرم ﷺ کی جناب میں گستاخی کی جسارت کی ہے۔ اس کی حمایت صرف ایک خودساختہ مولوی وحیدالدین خان نے کی ہے۔ مداہنت اور چاپلوسی کو اُنہوں نے ''رواداری'' اور ذہنی غلامی کو ''آزادی'' کا نام دے رکھا ہے۔ برطانوی صحافی کا ٹائمز آف انڈیا میں مذکورالصدر مضمون دیکھنے کے بعد لوک' روسو اور دانشورانِ مغرب کو موصوف اپنا پیشوا سمجھنے لگے ہیں کیونکہ اُن کے خیال میں وہی آزادی کے اوّلیں علمبردار ہیں۔ مگر ان حضرات کے کرم خوردہ ذہن کی رسائی حقیقتِ کبریٰ

کی اُن بلندیوں تک نہیں ہو سکی جہاں سے آزادی کے اوّلیں چارٹر کا اعلان حضور ختمی مترتبت ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں کرتے ہوئے رنگ و نسل، زبان اور ملک و نسب کے سارے امتیازات مٹا دئے تھے اور توحید کے کلمہ گیتی نورد سے عالم انسان کی وحدت کو استوار کیا تھا۔ اس طرح انسان کو ہمیشہ کے لئے ہر قسم کی غلامی سے آزاد کر دیا۔ سوئس نژاد فرانسیسی مفکر روسو جسے انقلابِ فرانس کا بانی سمجھا جاتا ہے، کے بارے میں تاریخی شواہد موجود ہیں کہ اُس نے اسلامی تعلیمات کے مطالعہ کے بعد عیسائی مذہب کے عقائد، رسوم اور توہمات جنہوں نے انسان کو ناروا پابندیوں کی زنجیر میں جکڑ رکھا تھا، کے خلاف بغاوت کر دی تھی جس کی پاداش میں اُسے مرتد قرار دے کر فرانس بدر کر دیا گیا تھا۔ اُس کی کتاب (Social Contract) ('معاہدہ عمرانی') کو انقلابِ فرانس کی انجیل کہا جاتا ہے۔ اس میں اسلامی عقائد اور افکار کی گہری چھاپ نظر آتی ہے، خاص طور پر اس کا وہ مقبولِ عام جملہ ''انسان تو آزاد پیدا ہوا تھا مگر ہر جگہ وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے'' اسلام ہی سے مستعار لیا ہوا ہے۔''

''روسو اٹھارہویں صدی عیسوی میں انسان کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھ رہا ہے لیکن اس سے بارہ سو سال قبل اللہ کے پیغمبر اوّلیں و آخریں ﷺ نے انسان کو غلامی کی ساری جکڑ بندیوں سے آزاد کر دیا تھا جس پر قرآنِ حکیم شاہد ہے:
وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف: ۱۵۷) یعنی ہمارا یہ پیغمبر اُن پر سے (ناروا) بوجھ جو اُن پر لدے ہوئے تھے اور اُن زنجیروں سے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے، آزاد کرتا ہے۔''

''آزادی کے لئے یہ پیغمبرانہ طریق کار کسی خاص گروہ، نسل یا قوم کے لئے نہیں بلکہ سارے انسانوں کے لئے برپا کیا گیا تھا۔ آزادی کا یہ دریائے بے کراں وہ دریا ہے جس کی تند و تیز لہریں صحرائے عرب سے اُٹھ کر افریقہ اور یورپ تک پہنچیں۔ قرآن کے اسی اعلان کی روشنی میں خلیفہ وقت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے گورنر مصر عمرو بن العاص کو سرزنش کرتے ہوئے کہا تھا: ''عمرو! تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنا لیا ہے جبکہ اُن کی ماؤں نے اُنہیں آزاد جنا تھا۔''

''اسلامی ریاست میں یہی وہ آزادی تھی جس نے افریقہ کے ایک قبطی اور مصر کے عربی گورنر کے بیٹے میں کوئی فرق روا نہیں رکھا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی وہ جملہ تھا جو یورپ نے روسو کی زبان سے اُٹھارہویں صدی میں سنا۔ پھر بھی وہ اس معنویت کو ادا نہ کر سکا جو فرمانِ پیغمبر ﷺ اور قولِ عمر کے اندر پائی جاتی ہے۔۔۔۔ کلیسا اور شہنشاہیت کی ظالمانہ جکڑ بندیوں کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکانے کے لئے روسو اور اُس کے ہم عصر سیاستدانوں نے مطلق اور بے قید آزادی کا نعرہ لگایا جو عوام تک پہنچ کر آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا۔ اُس وقت وہ اس کے خطرناک نتائج اور انجام سے بے خبر تھے جو اَب انسانیت کے لئے وبالِ جان بن گیا ہے۔ (حقیقت تو یہ ہے کہ) جب تک افکار و عمل کی آزادی پر اسلام کی اخلاقی پابندیاں عائد نہیں ہوتیں، اُس وقت تک انسانیت بغیر کسی اخلاقی نصب العین کے ہلاکت اور تباہی کی مہیب وادیوں میں بھٹکتی پھرے گی اور انسانی ارتقاء کا عمل نامکمل رہے گا۔ وحید الدین خان دو صدی قبل کے مغربی مفکرین کے رومانی تصوّر کو آزادی کی ''نیلم پری'' سمجھ بیٹھے ہیں، جس کی حقیقت کی دنیا میں کوئی وجود نہیں۔ یورپ میں خونی انقلاب کی شورشیں ختم ہونے کے بعد وہاں بھی آزادی کے غیر منطقی اور منفی تصوّر میں کافی مثبت تبدیلیاں آچکی ہیں کیونکہ دنیا کو بالآخر پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد مصطفی ﷺ کے اسی فرمان اور اسی قول سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے رجوع کرنا پڑا جس نے آزادی کی حدود کو متعین کر کے

اُسے اخلاقی شعور سے سرفراز کیا تھا جس کے بغیر انسان کی آزادی کی تکمیل ممکن نہ تھی اور نہ ہی اُسے ضمیر کی آزادی نصیب ہوتی۔ اِس مسلّمہ حقیقت کو خان موصوف یکسر فراموش کر چکے ہیں کہ یہ اَخلاق ہی کی قوت ہے جو انسان کو حیوانیت کی پست سطح سے اُٹھا کر انسانیت کے بلند مقام تک پہنچا دیتی ہے۔۔۔۔ہم یہاں علی وجہ البصیرت بلا خوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کا کوئی بھی آئین یا دستور خواہ وہ تحریری ہو یا غیر تحریری' ایسا نہیں جس کی اساس اُنہی اسلامی اصولوں پر استوار نہ ہوئی ہو جو آزادی کی حدود و قیود متعین کرتے ہیں اور جس میں اخلاقی پابندی کو شامل نہ کیا گیا ہو۔'' (''ناموسِ رسول ﷺ اور قانونِ توہینِ رسالت'' ۔۔محمد اسمٰعیل قریشی' ص ص ۱۹۰۔۱۸۷۔۔دساتیر کی تفصیل کے لئے اسی کتاب کے صفحات ۱۹۰ تا ۱۹۲)

''<u>فرزندِ اقبال کی مسندِ ارشاد</u>: اقبال کے نامور فرزند سینیٹر ڈاکٹر جاوید اقبال سے راقم الحروف کے اُس وقت سے نیاز مندانہ تعلقات چلے آ رہے ہیں جبکہ وہ ابھی ہائی کورٹ کے جج بھی نہیں بنے تھے اور پیشہِ قانون ہی سے وابستہ تھے۔ مجھے اُن کے افکار و خیالات سے اکثر اختلاف رہا ہے کیونکہ وہ آزادیِ افکار (Liberalism) کے قائل ہیں جسے علامہ اقبال نے ''ابلیس کی ایجاد'' کہا ہے۔

'' قانون توہینِ رسالت کے بارے میں اُن کا ارشاد ہے کہ غیر مسلموں پر اس قانون کا اطلاق نہیں ہوتا اور اس کے لئے وہ ''فتاویٰ عالمگیری'' کا حوالہ ڈھونڈ لائے ہیں اور اب ایک ماڈرن مفسرِ قرآن جسٹس ایم بی احمد کی کتاب ''بھارت میں انصاف کی عملداری'' کا حوالہ بھی دیا ہے جس میں آیتِ قرآنی لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ کی تفسیرِ دل پذیر بیان کی گئی ہے۔☆ مزید برآں اُن کا یہ بھی ارشاد ہے کہ مغل دَور اور اُس سے قبل کے مسلمان حکمرانوں نے لبرل اسلامی ریاستیں یعنی سیکولر ریاستیں قائم کی تھیں اور ایسی ہی ریاست کا قیام علامہ اقبال اور قائدِ اعظم کے پیشِ نظر تھا۔ اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے اُنہوں نے فرمایا کہ ان اسلامی ریاستوں میں سوروں کی فروخت کھلے عام ہوتی تھی اور اُن کا گوشت کھانے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اُن کا یہ بیان پڑھ کر سخت حیرت اس لئے ہوئی کہ ڈاکٹر صاحب نے جو تاریخ کے طالب علم ہیں' پوری تحقیق اور تصدیق کے بغیر ایسی باتیں کہی ہیں جو اصل واقعہ کی غلط تعبیر اور تاریخی صداقت کے یکسر خلاف ہیں۔ کیا ڈاکٹر صاحب ''انکار'' اور ''دشنام'' کے واضح فرق سے بھی ناواقف ہیں! غیر مسلم تو پیغمبرِ اسلام کی نبوت سے انکار کی وجہ سے غیر مسلم کہلاتے ہیں' اس لئے اسلامی ریاست میں معاہد کی حیثیت سے رہنے کے حق سے کسی نے اُنہیں محروم نہیں کیا۔ لیکن حضور رسالت مآب ﷺ کی شان میں گستاخی کے <u>مرتکب کو چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم' کبھی کسی اسلامی حکومت نے معاف نہیں کیا اور جہاں اسلامی یا مسلمانوں کی حکومت نہ</u>

☆ اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارا موقف توحیدِ الٰہی کا انکار ہے اور میرا موقف اخلاص کے ساتھ اس کی توحید کا ماننا ہے۔ اگر آیت کا یہ معنی لیا جائے کہ مشرکین کو شرک کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے تو اس کا جواب یہ ہے (۱) کہ رسول مکرم ﷺ کی بعثت تو ہوئی ہی شرک کی بیخ کنی کے لئے ہے۔ بلکہ آیت سے مراد شرک کی بیخ کنی اور زجر و توبیخ ہے جیسے حٰم السجدۃ کی اس آیت ۴۰ میں اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ میں (''تم جو چاہے کرتے رہو' بے شک وہ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے'') اِعْمَلُوْا اگرچہ امر کا صیغہ ہے لیکن اس سے مقصود عذاب سے ڈرانا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ تمہیں شرک اور کفر کی اجازت دے دی گئی ہے۔ اسی طرح سورۃ الکافرون کی آیت ۵ مذکور ہے۔ (۲) گویا آپ نے فرمایا: اگر تم میری دعوتِ توحید کو قبول نہیں کرتے تو مجھے چھوڑ دو اور بت پرستی پر مجھے مجبور نہ کرو' کیونکہ حق و باطل میں آمیزش کا میں قائل نہیں۔ مجھے ایسے اتحاد کی بھی ضرورت نہیں جو باطل کے ساتھ مصالحت پر موقوف ہو۔ بے شک تم اپنے کفر پر ڈٹے رہو لیکن تم اُس کفر میں توحید کا پیوند نہ لگاؤ کہ ان دونوں میں کوئی جوڑ اور مناسبت نہیں۔ اس طرح میں تمہارے فریب میں آکر توحید کو ہرگز مکدّر نہیں کروں گا۔ حق کا نور پھیلانے کے لئے مجھے بھیجا گیا ہے۔ اگر میں تمہاری بات مان لوں تو حق' باطل بن جائے گا۔ (۳) دین کا ایک معنی 'عادت' کا بھی ہے یعنی تمہاری وہ عادت ہے جو تمہیں شیاطین سے ملی ہے اور مجھے میری عادت وحیِ الٰہی سے ملی ہے۔ لہٰذا تم اتباعِ شیاطین کی وجہ سے دوزخ میں جاؤ گے اور میں اتباعِ وحی کی وجہ سے جنت میں جاؤں گا۔

رہی ہو وہاں مسلمان سرفروشوں نے شاتمِ رسول کو کیفرِ کردار تک پہنچا کر خود دار ورسَن کو چوم لیا ہے۔ برِّ صغیر پاک و ہند میں اس کی سینکڑوں تابندہ مثالیں موجود ہیں۔ زندہ دلوں کے اسی شہر لاہور میں غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جب گستاخِ رسول راج پال کو ہلاک کر دیا تھا' تو اس کی طرف سے محمد علی جناح نے اسی لاہور ہائی کورٹ میں مقدمہ کی پیروی کی تھی اور اُس کی پھانسی کی سزا پر ڈاکٹر صاحب کے والدِ گرامی علامہ اقبال نے فرمایا تھا: ''تر کھاناں دا مُنڈا اساڈے کولوں بازی لے گیا'' غازی شہید کے والد نے اپنے لختِ جگر کی نمازِ جنازہ کی امامت کا حق بھی علامہ کو تفویض کیا تھا جو جنازہ گاہ میں بہ چشمِ تر موجود تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ علامہ اقبال جن کی فقہِ اسلامی پر گہری نظر تھی' غیر مسلم شاتمِ رسول کو بھی اسلامی قانون کی رُو سے واجب القتل سمجھتے تھے اور غازی علم الدین کے اِس اقدام کو اُنہوں نے خراجِ تحسین پیش کیا تھا۔''

''رسالت مآب کے دَورِ مبارک کے علاوہ نہ صرف عہدِ خلفائے راشدین میں' اور بنو اُمیّہ اور بنو عباس کے ادوار میں بلکہ اسپین اور جہاں جہاں بھی مسلمان حکومتیں موجود تھیں' وہاں توہینِ رسالت کی یہی سزا برقرار رہی۔ اس سلسلہ میں یہاں صرف دو تاریخی واقعات کا حوالہ دینے پر اکتفا کروں گا۔ ایک واقعہ تو مغل شہنشاہ اکبر کے دَورِ حکومت کا ہے جو کہ ڈاکٹر صاحب کا پسندیدہ سیکولر دَورِ حکومت ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر ''منتخب التواریخ'' میں مُلّا عبدالقادر بدایونی کی زبانی موجود ہے جو اکبر کے نَو رتنوں میں شمار ہوتا تھا اور خود اس واقعہ کا چشم دید گواہ بھی ہے۔ یہ واقعہ اُس دَور کا ہے جب اکبر مکمل طور پر ہندو مہارانیوں کے زیرِ اثر تھا اور سارا کاروبارِ حکومت ''دینِ الٰہی'' کے نام سے لادینی خطوط پر چل رہا تھا۔ مُلّا بدایونی کی شہادت درج ذیل ہے:۔

''عبدالرحیم قاضی متھرا نے شیخ (قاضی القضاۃ شیخ عبدالغنی جن کا امام ابوحنیفہ کے خانوادے سے تعلق تھا) کے پاس ایک استغاثہ بھیجا جس میں بیان کیا گیا تھا کہ وہاں مسلمان ایک مسجد کی تعمیر کا ارادہ کئے ہوئے تھے لیکن ایک سرکش برہمن نے سارا عمارتی ساز وسامان اُٹھوا لیا اور اُس سے ایک صنم کدے کی تعمیر شروع کرا دی۔ میں نے جب اس کے خلاف تادیبی کاروائی کا ارادہ کیا تو اُس نے گواہوں کی موجودگی میں حضورِ اکرم ﷺ کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا اور مسلمانوں کی بھی اُس نے توہین کی۔ شیخ موصوف نے اُسے طلب کیا لیکن اُس نے پیش ہونے سے انکار کر دیا جس پر بادشاہ نے بیربل اور شیخ ابوالفضل کو بھجوایا کہ وہ اُسے لے آئیں۔ شیخ ابوالفضل نے جو کچھ گواہوں سے سنا تھا' آ کر بیان کر دیا اور کہا کہ اس بات کی تحقیق ہو گئی ہے کہ اُس نے گالیاں بکی ہیں۔ اُس کی سزا کے خلاف علماء کے دو گروہ ہو گئے: ایک نے اُسے واجب القتل قرار دے کر سزائے موت کا مطالبہ کیا اور دوسرا اس کے خلاف تعزیری سزا اور جرمانے پر زور دے رہا تھا۔ اس معاملے پر بحث طول پکڑ گئی۔ شیخ نے بادشاہ سے اس کے قتل پر اِصرار کیا۔ بادشاہ نے صراحتًا اس کی اجازت نہ دی اور گول مول کہہ دیا کہ شرعی سزا کا تعلق تم سے ہے' ہم سے کیا پوچھتے ہو۔ وہ برہمن مدّتوں اس جھگڑے میں قید میں پڑا رہا۔ شاہی محلات کی بیگمات اس کی رہائی کے لئے سفارشیں کرتی رہیں لیکن بادشاہ شیخ کا بہت لحاظ کرتا تھا' اس لئے اس کی رہائی کا حکم بھی نہیں دیا۔ شیخ نے جب اُس کے قتل کا زیادہ اِصرار کیا تو بادشاہ نے پھر وہی جواب دیا کہ ہم پہلے ہی تم سے کہہ چکے ہیں کہ تم جو مناسب سمجھو' وہ کرو جس کے بعد شیخ نے فوراً ہی اُس برہمن کے قتل کا حکم دیا اور اس کی گردن اُڑا دی گئی۔'' (''منتخب التواریخ'' مؤلف: مُلّا عبدالقادر بدایونی ص ص ۶۰۷۔۶۰۶' مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز)

''دوسرا اہم مقدمہ مغل حکمرانوں کے آخری دَورِ حکومت کا ہے جو اسی لاہور سے متعلق ہے جبکہ زکریا خان

(۱۷۰۷تا۱۷۵۹) گورنر پنجاب تھا۔ حقیقت رائے باگھ مل پوری سیالکوٹ کے کھتری کا پندرہ سالہ لڑکا تھا جس کی شادی بٹالہ کے کشن نامی سکھ کی لڑکی سے ہوئی تھی‘ حقیقت رائے کو ایک سکول میں داخل کیا گیا جہاں ایک مسلمان ٹیچر نے ہندو دیوتاؤں کے بارے میں کچھ توہین آمیز باتیں کیں۔ حقیقت رائے نے بھی انتقاماً پیغمبرِ اسلام ﷺ اور بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کئے جس پر حقیقت رائے کو گرفتار کر کے لاہور عدالتی کارروائی کے لئے بھیجا گیا۔ کچھ ہندو افسر زکریا خان گورنر پنجاب کے پاس سفارش کے لئے پہنچے کہ حقیقت رائے کو معاف کر دیا جائے لیکن زکریا خان نے کوئی سفارش نہیں سنی اور کارروائی مقدمہ کے بعد اُسے سزائے موت دی گئی۔“

”اس کے بعد اسپین میں جب وہاں اسلامی حکومت قائم تھی‘ گستاخِ رسول کو وہاں کی عدالتوں سے یہی سزا دی جاتی رہی ہے جن کا ذکر قاضی ابوالفضل عیاض نے اپنی کتاب ”الشفاء“ میں کیا ہے اور یورپین مؤرخین لین پول وغیرہ نے ان فیصلوں کا ہندو مؤرخ ڈاکٹر نجار کی طرح متعصبانہ انداز میں ذکر کیا ہے۔ جزیرۃ العرب‘ ہندوستان کے علاوہ ترکی‘ سمرقند اور بخارا‘ افغانستان اور تمام اسلامی ملکوں میں اِس قانون کا ذکر علامہ آلوسی اور ابواللیث سمرقندی کے ذریعہ ہم تک پہنچا۔ تمام ائمہ فقہ گستاخِ رسول کو مستحقِ سزائے موت قرار دیتے ہیں‘ چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر۔ فقہِ جعفریہ کی رُو سے تو گستاخِ رسول موقع واردات پر ہی واجب القتل ہے اور یورپ کے قانون توہینِ مسیح سے ڈاکٹر صاحب تو خود واقف ہوں گے جس کے تحت بھی گستاخِ مسیح کو سزائے موت دی جاتی رہی ہے اور اب بھی انگلستان‘ آئر لینڈ اور امریکہ کی ریاستوں میں اس کی سزا عمر قید موجود ہے۔ اس پر اجماعِ اُمت ہے کہ گستاخِ رسول کی سزا بطورِ حد سزائے موت ہے جس پر فیڈرل شریعت کورٹ کا تاریخی فیصلہ محمد اسماعیل قریشی بنام حکومتِ پاکستان پی ایل ڈی ۱۹۹۱ء میں رپورٹ ہوا ہے جس کے خلاف حکومت کی اپیل بھی سپریم کورٹ سے ۱۹۹۲ء میں بوجہ دستبرداری خارج ہو چکی ہے اور اب سال ۲۰۰۵ء میں فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے کو تمام عدالتوں پر لاگو قرار دیا گیا ہے جس کے بعد یہ فیصلہ حتمی اور آخری فیصلہ ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب اسی فیصلے کو ملاحظہ کر لیتے تو شاید اُنہیں یہ اِشکال پیش نہ آتا۔ تمام فقہائے اسلام نے توہینِ رسول کو ناقابلِ معافی جرم قرار دیا ہے۔ غالباً فقیہہ اسلام ابنِ سحون اور امام ابنِ تیمیہ کے فتاویٰ ڈاکٹر صاحب کی نظر سے نہیں گزرے جو صفحات ۶۰۵ تا ۶۰۷ پر بیان کئے جا چکے ہیں۔“

”مجھے معلوم نہیں کہ ڈاکٹر صاحب کا ”رواداری“ سے کیا مطلب ہے؟ حضور رسالت مآب ﷺ کی شانِ رفعت اور علوِّ مرتبت (کی حقیقت تو افضل البشر بعد الانبیاء یعنی جناب صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی نہ پا سکے تو آپ اور ہم کس قطار میں ہیں؟) اگر کوئی ہمارے محبوب رہنماؤں قائدِ اعظم اور علامہ اقبال کو گالی دے تو ہم اُسے برداشت نہیں کر سکتے۔ کیا ڈاکٹر صاحب کی اِن غیر منطقی مُوشگافیوں سے غیر مسلموں کو حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں گالیاں دینے کا کھلا لائسنس نہیں مل جائے گا؟“

”میری محترم ڈاکٹر صاحب سے مخلصانہ گزارش ہے کہ وہ ایسے انتہائی نازک اور حساس مسائل پر بغیر تحقیق گفتگو سے احتراز فرمائیں تو ملتِ اسلامیہ پر احسان ہوگا۔ خود اُن کے بقول علامہ اقبال نے اُن کی بے احتیاطی پر خواب میں آ کر اُنہیں ٹوکا بھی تھا اور اُن سے ناراض بھی ہوئے ہیں جس کا ذکر اُنہوں نے اپنی تصنیف ”زندہ رود“ میں کیا ہے۔“ (”ناموسِ رسول ﷺ اور قانونِ توہینِ رسالت“ ۔ محمد اسمٰعیل قریشی‘ ص ص ۲۰۷ تا ۲۱۱)

قانون توہینِ رسالت ۔۔۔ عالمی اور ملکی تناظر میں

یورپ اور قانونِ توہینِ انبیاء : قانونِ توہینِ انبیاء علیہم السلام دنیا کے تقریباً تمام ملکوں میں تھوڑی بہت معمولی تبدیلیوں کے ساتھ نافذ رہا ہے۔ نیو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق اکثر مشرقی اور یورپی ملکوں میں (Blasphemy Law) کسی نہ کسی صورت میں قابلِ مؤاخذہ جرم رہا ہے' آسمانی صحائف کو ماننے والی اقوام جہاں بھی حکمران رہی ہیں' وہاں توہینِ رسالت کی سزا' سزائے موت پر عمل درآمد ہوتا رہا ہے۔" (The New Encyclopaedia Britannica, Vol. 2, p. 74)

"**تالمودی قانون** : یہودیوں کے تالمودی قانون کی رُو سے صرف پیغمبرانِ بنی اسرائیل اور تورات کی بے حرمتی کی سزا موت ہے۔ عہد نامہ عتیق (Old Testment) میں رسول کے نائبین کی اہانت کی سزا بھی سزائے موت مقرر ہے۔"
(استثنا' باب ۱۸: ۱۲' صفحہ ۱۸۳)

"پاپائے روم یا چرچ کے اقتدار میں آنے سے قبل یورپ میں رومن لا کی عملداری تھی۔ چونکہ انجیل میں کوئی قانونی احکام موجود نہ تھے لیکن کلیسا نے سٹیٹ پر غلبہ واقتدار حاصل کر لیا تو پوپ کے منہ سے نکلے ہوئے حکم کو قانون پر بالا دستی حاصل ہو گئی۔ تورات کے برعکس انجیل صرف پند ونصائح کا مجموعہ ہے اس لئے یورپ اور ایشیا میں جہاں جہاں عیسائی حکومتیں قائم ہوئیں' وہاں کاروبارِ حکومت چلانے کے لئے اہلِ کلیسا کو رومی قانون اور یہودیوں کے تالمودی قانون ہی پر انحصار کرنا پڑا۔ اس لئے چرچ نے توہینِ مسیح کے لئے اسی سزا کا حکم دیا جو بنی اسرائیل کے پیغمبر کی اہانت کے لئے مقرر تھی۔"

"**رومن لا** : رومن امپائر کے شہنشاہ جسٹینین (Justinian) کا دورِ حکومت طلوعِ اسلام سے چند سال قبل ۵۲۸ تا ۵۶۵ صدی عیسوی پر محیط ہے۔ رومن لا کی تدوین کا سہرا بھی اسی کے سر ہے اور اس کو عدل وانصاف کا مظہر بھی سمجھا جاتا ہے۔ اُس نے جب دینِ مسیحی قبول کر لیا تو قانونِ موسوی کو منسوخ کر کے انبیائے بنی اسرائیل کی بجائے صرف یسوع مسیح کی توہین اور انجیل کی تعلیمات سے انحراف کی سزا' سزائے موت مقرر کی۔ اُس کے دور سے قانون توہینِ مسیح سارے یورپ کی سلطنتوں کا قانون بن گیا۔ روس اور اسکاٹ لینڈ میں بھی اٹھارہویں صدی تک اس جرم کی سزا' سزائے موت ہی دی جاتی رہی ہے۔" (ایضاً' صفحہ 75)

"روس میں بالشویک انقلاب کے بعد جب کیمونسٹ حکومت برسرِ اقتدار آئی تو سب سے پہلے اس نے دین ومذہب کو سیاست اور ریاست سے کلیتاً خارج کر دیا۔ اس کے بعد یہاں سزائے موت برقرار رہی لیکن اہانتِ مسیح کے جرم کی پاداش میں نہیں بلکہ مسیح کی جگہ اشتراکی امپیریلزم کے بانی سربراہ نے لے لی۔ اسٹالن جو روسی امپائر کا سربراہ بن بیٹھا تھا' اُس کی اہانت تو بڑی بات تھی' اُس سے اختلافِ رائے رکھنا بھی ممالکِ محروسہ روس کا سنگین جرم بن گیا۔ ایسے سرپھرے لوگوں کے یا تو سر کچل دیے جاتے تھے جس کی مثال لینن کے ساتھی ٹراٹسکی کی خونچکاں موت کی صورت میں موجود ہے جو اپنی جان بچانے کی خاطر روس سے بھاگ کر امریکہ میں پناہ گزیں ہوا تھا یا پھر ایسے مجرموں کو سائبیریا کے بیگار کیمپوں میں موت کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ ایسی اذیت ناک سزاؤں نے زارِ روس کے سیاہ دور کے عقوبت خانوں کو بھی بھلا دیا۔" ("ناموسِ رسالت ﷺ ۔۔۔" ص ص ۲۱۸' ۲۱۹)

ality)۔ سات آسمان اور سات زمینیں ۔ اضافی افلاک کی کہکشائی دنیا -Cosmic Extra) (Galactic World)۔ ایک سائنسی مغالطہ۔ کائنات کے صفحات۔
اجرام فلکی کی بابت کچھ نادر قرآنی حقائق : شمس و قمر کی گردش۔ فضا میں بجلی' آسمانی بجلی کا کوندنا' برف والے۔ مکبّر سائے۔ تمام اجرام فلکی کا کششِ ثقل کے بغیر بلند ہونا۔ آسمانوں میں راس مینڈل (منطقۃ البروج)۔ آسمانوں کا ناقابلِ آلودگی ہونا۔ نچلے آسمان کا روشنیوں سے مزیّن ہونا۔ شمس و قمر باضابطہ حکم کے مطابق پابندِ وقت ہیں۔ شمس و قمر تقویم کا ذریعہ۔ تمام اجرامِ فلکی کی تخلیق انسان کی خدمت کے لئے۔ ساتوں آسمان تہ در تہ ہیں۔ سات آسمان ہونے میں حکمتیں۔ ستارے ملاحوں اور جہاز رانوں کے لئے راہنما ہیں۔ از روئے قرآن انسان کی کائنات میں حیثیت۔ انسان کا بارِ امانت کو اٹھانا اور اُس کا مفہوم۔

(۲۹) موت اور فنا (Death) --- --- --- ۸۹۲

موت کا معنی اور مفہوم۔ موت بطور تخلیقی کیفیت۔ موت کی سختیاں۔ موت کی سختیاں مؤمن کے لئے بھی ہیں لیکن کم شدّت کی۔ نزعِ روح کے وقت رسول اللہ ﷺ کی تکلیف کی توجیہات۔ وقتِ نزاع میں بے پناہ ذلت کی سختیاں صرف اللہ کے باغیوں کے لئے ہیں۔ غیر مسلم اقوام موت سے ڈرتی ہیں۔ موت اللہ کے وفادار بندوں کے لئے حقیقی مسرت اور الٰہی شفقت و محبت کا پیش خیمہ ہے۔ عذابِ قبر۔ قبر سے مراد۔ عذابِ قبر کے منکرین کے جواب میں۔ عالمِ برزخ اور عالمِ خواب۔ صالحین کا عالمِ برزخ۔ ایک شبہ کا ازالہ۔ موت کی بابت چند لطیف نکات۔ عذابِ قبر کی وجہ۔ موت کو بکثرت یاد کیا کرو۔ چند بزرگوں کے واقعات کا ذکر جنہوں نے موت کو ہمیشہ یاد رکھا۔

(۳۰) منطقی مناظرہ (Dialectics) --- --- --- ۹۱۶

تعریف۔ ابلاغ (Communication) اور تبلیغ (Preaching) کے درمیان فرق۔ رسول اللہ ﷺ نے فریضۂ تبلیغ پورا پورا ادا فرما دیا۔ مبلّغین کے لئے منطقی استدلال کے اصول و ضوابط۔ حق و صداقت کی تبلیغ کے لئے نفسیاتی طریقہ۔ متازعہ فیہ مسائل کے حل کے لئے منطقی مناظرہ کے قرآنی اشارات۔ آیتِ مباہلہ کا منطقی طرزِ استدلال۔ مباحثہ سے متعلق قرآنی اصطلاحات۔ حجت بازی (جدل) کی اَقسام۔ مسلمان اور عقیدۂ مسیح علیہ السلام۔ حضرات نوح اور ابراہیم علیہما السلام کے اپنی قوم سے طریقہ جدل۔ روزِ حشر سے متعلق قرآنی مناظروں کی مثالیں۔

(۳۱) طلاق (Divorce) -- --- --- --- ۹۲۸

تعارف۔ اللہ کے نزدیک طلاق جائز چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ فعل ہے۔ طلاق دینے کی کب اجازت ہے؟ طلاق کی تنظیم اور باقاعدگی کے لئے اسلامی حدود و قیود۔ اسلام کا قانون طلاق

''**قانون توہینِ رسالت کے خلاف امریکن ہیومن رائٹس رپورٹ کا تنقیدی جائزہ** : توہینِ رسالت کے متعلق امریکن ہیومن رائٹس رپورٹ میں اسلامی ملکوں اور خاص طور پر پاکستان کے خلاف امریکہ کے سٹیٹ ڈپارٹمنٹ نے ڈیموکریسی اور ہیومن رائٹس (حقوقِ انسانی) بیورو کے حوالہ سے سال ۲۰۰۳ء میں ایک رپورٹ تیار کی جس میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں توہینِ رسالت کے قانون اور حدود آرڈیننس کی وجہ سے یہاں کی اقلیتیں غیر محفوظ ہو گئی ہیں اور حقوقِ انسانی کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ اب ایسی سرپھری حکومتوں کا کیا علاج جو خود تو طاقت کے نشہ میں بدمست ہو کر انسانی حقوق بلکہ ساری انسانیت کو اپنے رُسوائے زمانہ بے لگام فوجیوں کے ذریعے کچلتی ہوئی چلی جا رہی ہے' جن کے خلاف خود اُن کے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں امن پسند شہریوں نے غم وغصہ کا اظہار کیا ہے اور جس کی ان نام نہاد جمہوریت نواز حکومتوں کو ذرّہ بھر بھی پروا نہیں۔ لیکن اُنہیں پاکستان کے قانون توہینِ رسالت اور حدود آرڈی نینس کی وجہ سے بڑی فکر لاحق ہو گئی ہے حالانکہ قانون توہینِ رسالت کو پاکستان کی منتخب قومی اسمبلی اور سینیٹ نے منظور کر لیا ہے مگر پاکستان کے لئے وہ ایسا کوئی جمہوری حق دینے کے لئے تیار نہیں جو اُن کی مرضی کے خلاف ہو۔ پھر طُرفہ تماشا یہ کہ ان کی سیکولر گورنمنٹس میں (Blasphemy Law) صرف توہینِ مسیح کی حد تک محدود اور موجود ہے اور ان کی اعلیٰ عدالتوں نے پیروانِ مسیح کی اکثریت کی بنیاد پر اسے آئینی اور قانونی طور پر جائز قرار دیا ہے۔ برطانیہ کی اعلیٰ ترین عدالت نے اپنے ایک فیصلہ میں یہاں تک کہہ دیا ہے کہ مسیح اور مذہب مسیح کے علاوہ کسی دوسرے مذہب' جیسا کہ اسلام ہے' پر حملہ یا اُس کی اہانت بلاس فیمی کی تعریف میں نہیں آتے اور نہ ہی یہ کوئی جرم ہے۔ حالانکہ برطانیہ میں پیروانِ مسیح کے بعد وہاں مسلمان شہریوں کی اکثریت ہے۔ کیا اُن کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے پر کوئی گرفت نہیں؟ سلمان رُشدی جیسے دریدہ دہن کو اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کی اہانت کی کھلی آزادی ہے' امریکہ کی ہیومن رائٹس بیورو کی نظر میں حقوقِ انسانی کی یہ کوئی خلاف ورزی نہیں؟ کیا امریکی حکومت اسلامی قانون توہینِ رسالت کو منسوخ کروا کر قانون اور عدالت کے دروازے بند کرنا چاہتی ہے اور مجرموں کو یہ آزادی دلانا چاہتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے پیغمبر ﷺ کی شان میں علانیہ گستاخی کرتے پھریں اور مسلمان خاموش تماشائی کی طرح یہ شیطانی کھیل دیکھتے رہیں' ایسا کبھی نہ ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ یہ قانون تو ہر بے گناہ شخص یا ملزم کے بھی جان و مال کی تحفظ کی ضمانت دیتا ہے اور آدمی کو احترامِ آدمیت سکھاتا ہے جو حقوقِ انسانی کی بنیاد ہیں۔ اس لئے اگر امریکی یا یورپ کی حکومتیں اگر اپنے آپ کو حقوقِ انسانی کا پابند نہیں سمجھتیں تو اس کا خمیازہ وہ آپ بھگت لیں گی لیکن پاکستان یا دوسرے اسلامی ملکوں کو اپنی قہرمانی قوت کے زور پر مجبور نہ کریں کہ وہ قرآن وسنت سے جسے وہ سپریم لا سمجھتے ہیں' دستبردار ہو جائیں۔ اس کے عواقب و نتائج انتہائی خطرناک ہوں گے' اس سے نفرتوں کا جو طوفان اٹھے گا' اس پر وہ قابو نہیں پا سکیں گے بلکہ امریکہ اور یورپ کا یہ طرزِ فکر وعمل ساری دنیا کی امن وسلامتی کی تباہی کا باعث ہو گا۔'' (''ناموسِ رسالت ﷺ'' --- ص ص ۲۲۵ تا ۲۲۷)

''**سلمان رُشدی کا فتنہ** : پاکستان میں انفرادی اور اجتماعی کوششوں کی بدولت جب توہینِ رسالت کے جرم کی سزائے موت کا قانون قومی اسمبلی نے منظور کر لیا تو اس پر یورپ' امریکہ' بھارت اور خود پاکستان کا سیکولر ذہن تلملا اٹھا۔ یہودی لیڈروں کے یہ عزائم (Jewish Chronicle) کے ذریعے کھل کر سامنے آ گئے تھے جس میں انہوں نے ببانگِ دہل اعلان کیا تھا ''ہم پاکستان میں اسلامی نظام کبھی قائم نہیں ہونے دیں گے۔'' اس کے علاوہ یورپ اور امریکہ میں اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے بھی وہ خوفزدہ ہو گئے تھے اور اُنہیں ڈر تھا کہ اسلام پھر ایک زندہ قوت بن کر دنیا پر نہ چھا جائے۔ اُن کے خیال میں جب تک مسلمانوں کے دل ودماغ سے ذاتِ مصطفوی ﷺ کا رشتہ محبت وعقیدت اور جذبہ احترام وتکریم ختم نہ کیا جائے' وہ اس

اُٹھتے ہوئے طوفان کو روک نہیں سکتے۔ اس کے لئے اُنہوں نے ایک نہایت گھٹیا اسکیم تیار کی۔ اُنہوں نے ایک ضمیر فروش اور رسوائے زمانہ شیطان صفت ملعون رُشدی کی خدمات حاصل کیں اور اس خبیث سے ''شیطانی آیات'' نامی ایک کتاب لکھوائی جو عفونت میں سنڈاس سے بدتر تھی۔ اس کتاب کو ناول کی شکل دے کر اس میں ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ التحیۃ والسلام، ختم الرسل وامام الانبیا ﷺ، اہلِ بیت، ازواجِ مطہرات اور اصحابِ رسول علیہ السلام کی شانِ اقدس میں جو زبان استعمال کی گئی ہے، وہ شیطان کا ایجنٹ ہی استعمال کر سکتا ہے۔ پہلے تو شیطانی خرافات سمجھ کر مسلمانوں نے اس کا نوٹس نہیں لیا کیونکہ اس مجہول النسب نے اس سے پہلے اپنی کتاب (Midnight Children) میں اپنے حسب نسب، اپنی مادرزاد اولاد اور حاشیہ نشینوں کو نشانۂ تضحیک بنایا اور ایک دوسری کتاب (Shame) میں جس پرلے درجے کی بے حیائی اور بے شرمی کا مظاہرہ کیا تھا، اس پر اردو کے مقبول شاعر اور انگریزی ادب کے معروف نقاد فیض احمد فیض نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ مغرب کی اس سے بڑھ کر بدنصیبی اور کیا ہوگی کہ رُشدی جیسے شخص کو برطانیہ کے ناول نگاروں میں شامل کیا گیا ہے۔ ''شیطانی آیات'' میں اس نے اہلِ یورپ کو بے حد ننگی اور انتہائی فحش گالیاں دی ہیں جسے وہ شیرِ مادر سمجھ کر بڑی آسانی سے ہضم کر گئے ہیں۔ ان کے آبرو باختہ معاشرے میں اخلاق، تہذیب، شرافت، شائستگی، نفاست اور پاکیزگی نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ شاید اس لئے غلیظ اور گندی گالیاں کھا کر وہاں کی اکثریت کو نفسیاتی طور پر لذت اور یک گونہ خوشی محسوس ہوتی ہے۔۔۔ برطانیہ اور امریکہ کو اپنے اس ناول نگار دااماد پر فخر ہے جس نے اُن کے عصمت فروش معاشرے کو برسرِ عام ننگا کر کے دنیا کو دکھلا دیا ہے۔ اس پر طرفہ تماشا یہ کہ اپنے گھٹیا، بازاری ناول میں اُس نے برطانیہ کی وزیرِ اعظم مسز تھیچر کو ''شہوت برانگیختہ کُتیا'' (Heated Bitch) کہہ کر پکارا ہے اور اس کی ہوس ناکی سگِ مختون کی طرح رال ٹپکاتے شاہی محل کے اندر کوئین الزبتھ کا پیچھا کرتی ہے۔ بہرحال انگریزوں اور امریکیوں کا حوصلہ قابلِ داد ہے کہ اپنے اور اپنے لیڈروں کے بارے میں ایسی ننگی، شرمناک اور فحش گالیاں سن کر بھی وہ مشتعل نہیں ہوئے بلکہ اس فحش نگاری (Pornography) کو ادبِ عالیہ سمجھ کر اس کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہ سب کچھ کیوں ہوا، ہر صاحب ہوش وخرد بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اپنے آپ کو اور اپنے قائدین کو گالیاں دلوائیں اور پھر اس نام نہاد ''صبر وانضباط'' کی آڑ میں کل کائنات کے رسولِ صد محترم ﷺ، اُن کی آلِ پاک، ازواجِ مطہرات اور صحابہ کرام کی شانِ ذی مرتبت میں گھٹیا جملے استعمال کرائے۔ مسلمان تو یہودیوں اور عیسائیوں کے پیغمبروں کی بھی توہین برداشت نہیں کر سکتے چہ جائیکہ اپنے پیغمبر کی ادنیٰ سی توہین برداشت کر لیں، ناممکن اور محال بالذات ہے۔ شاعر نے ایک حدیثِ پاک کی کیا خوب ترجمانی کی ہے۔

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ بطحا کی حُرمت پر ... خدا شاہد ہے مرا ایماں کامل ہو نہیں سکتا

برِّصغیر پاک وہند کے شہیدانِ ناموسِ رسالت: ''نام وناموسِ مصطفٰی ﷺ پر نذرانۂ دل وجاں پیش کرنے والے گمنام شہیدوں کی تعداد ساری دنیا میں یوں تو ستاروں کی مانند بے حد وبے حساب ہے۔ اُن کے خون کے چھینٹوں سے دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں۔ چند ایک کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

(۱) غازی علم الدین شہید جنہیں ہندو راجپال کو جہنم واصل کرنے پر ۳۱ نومبر ۱۹۲۹ء کو عازمِ خلدِ بریں کیا گیا۔

(۲) غازی عبدالقیوم شہید جو ہندو نتھو رام کو جہنم واصل کرنے پر ۱۹۳۴ء میں شہادت کے منصب سے سرفراز ہوئے۔

(۳) ایک مسلمان خانساماں جس نے ایک انگریز میجر کی بیوی کو شتمِ رسول کی بنا پر واصلِ جہنم کیا اور خود شہادت کو قبول کیا۔

(۱۸) تجارت اور بدرجۂ اعلیٰ خرید وفروخت (Business & Commerce)

اسلام محض مسجد کا ہی مذہب نہیں ہے جس میں انسان اپنے' اپنے رشتہ داروں اور لواحقین کے حقوق کو فراموش کرتے ہوئے ہر وقت اپنے خالق و مالک' اللہ کی عبادت میں مشغول رہے۔ اسلام کی تعلیمات ہمہ جہتی ہیں اور مادہ اور رُوح دونوں کو محیط ہیں۔ مادّی ترقی اُس وقت تک رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ نہیں بن سکتی جب تک روحانی ترقی کا ساتھ نہ ہو' اسی طرح محض روحانی ترقی اُس وقت تک کافی نہ ہوگی جب تک دنیاوی مشاغل کو صحیح رویہ اور انصاف کے ساتھ ادا نہ کیا جائے۔ مختصر یہ کہ ہم بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کی تعلیمات دین و دنیا (یعنی روحانیت اور مادیّت) کا ایک متوازن اور حسین امتزاج ہیں اور انسانی فطرت کے عین موافق ہیں جیسا کہ قرآنِ پاک نے فرمایا:۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَاتَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَايَعْلَمُوْنَ ۝ (اَلرُّوم : ۳۰)

"تو تم یکسو ہو کر دین (حق) کی طرف اپنا رخ رکھو' اللہ کی (بنائی ہوئی اُس) فطرت کا اتباع کرو جس پر اُس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی گئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے' یہی ہے سیدھا دین لیکن اکثر لوگ (اِس) حقیقت کا علم بھی نہیں رکھتے۔"

شروع آیت میں فَأَقِمْ صیغہ واحد اِسی مناسبت سے ہے کہ خطاب مخاطبین کے ایک ایک فرد سے ہے۔ فطرت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک نے ہر شخص میں خلقۃً یہ استعداد رکھی ہے کہ اگر حق کو سنے اور سمجھنا چاہے تو وہ سمجھ میں آجاتا ہے اور اُس کے اتباع کا مطلب یہ ہے کہ اس استعداد اور قابلیت سے کام لے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرے جو ادراکِ حق ہے۔ یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ یہ دین تو عین فطرتِ انسانی کے مطابق ہے اور فطرتِ بشری میں کوئی تبدیلی نہیں' اس لئے اس دین میں بھی کسی قسم کی ترمیم کی خواہش کرنا سراسر بے عقلی اور نادانی ہے۔

اسلام انسان سے انسان کے ساتھ رسم و راہ پیدا کرنے اور قائم رکھنے کا مطالبہ کرتا ہے تا کہ وہ مل کر برائیوں کے خلاف معیارِ صداقت کو قائم رکھیں۔ وسیع پیمانے پر تجرّد (ازدواجی زندگی سے انحراف) کا مطلب فطرت کے مقصدِ اصلی کو ناکام بنانا ہے۔ اسی وجہ سے اپنے بنی نوعِ انسان سے لاتعلقی' رہبانیت اور ترکِ دُنیا کے رویّے اختیار کرنے کی اسلام میں حوصلہ شکنی کی گئی ہے کیونکہ وہ انسانی فطرت سے متصادم ہونے کی وجہ سے مشیتِ الٰہی کے بھی خلاف ہیں اور جس حقیقت کا اعلان اللہ نے اپنے آخری کلام میں بایں الفاظ کر دیا ہے :

وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (اَلْحَدِيْد : ۲۷)

"اور رہبانیت کو اُنہوں نے خود ہی ایجاد کر لیا تھا' ہم نے اُن پر واجب نہیں کیا تھا بلکہ اُنہوں نے اللہ کی رضامندی کی خاطر (اُسے اختیار کر لیا تھا) سو اُنہوں نے اس کی رعایت پوری نہ کی۔"

اِبْتَدَعُوْهَا کے لفظ نے صاف کر دیا کہ ترکِ دنیا کا مسلک تعلیم ربانی کے مطابق و ماتحت نہ تھا بلکہ تمام تر ایک

انسانی اختراع تھی، تاہم اِس بدعت سے اُن کی نیت خیر کی تھی اور رضائے الٰہی کا حصول تھی لیکن ہوا یہ کہ اپنی لگائی ہوئی قیود و شرائط خود ہی نہ نباہ سکے اور پھسل پھسل گئے۔

خود مسیحیوں کے قلم سے لکھی ہوئی رہبانیت کی ساری تاریخ بڑی حد تک فسق و فجور ہی کی تاریخ ہے اور فطرتِ انسانی سے انحراف کا نتیجہ بد خود اُنہی کے گھر کے اَفراد سے سنئے:۔

''دو صدیاں گزرنے کے بعد سینٹ پال نے جنس سے متعلق ترکِ دنیا کا اپنا فارمولہ وضع کیا۔ اُس نے خصی، بے جنس مرد اور جنس سے بے حس عورت کی تحسین و تعظیم کی۔ اُس نے عیسائیت کے لئے استعاراتی جھنڈا لہرایا جس کا نسبی نشان اور تقدس کا پہلو تمام جنسی خواہشات کو دبانا تھا۔ ترکِ دنیا کے اسی نظریے نے اُس وقت سے لے کر اَب تک کی جنس سے متعلق مغربی تہذیب کے نقطۂ نظر پر قبضہ کر رکھا ہے۔ سینٹ پال اور اُس کے ہمنواؤں کی وضع کردہ حدود و قیود، اخلاقیات اور تعصبات نے صدیوں سے عیسائی دنیا میں راہ پائی ہے اور کامیابی کے ساتھ ہمکنار ہوئے ہیں۔'' ("Sex Life of Man & Woman" .... Scott, p. 62)

''کنیساؤں میں رہنے والی راہبات ''نیک اور مقدّس'' لوگوں کو اُچٹتی نظر ہی میں اُن کی جنسی تسکین کا سامان فراہم کیا کرتی تھیں۔'' ("History of Prostitution" .... Scott, p. 112)

''اِن کنیساؤں کے نمایاں پہلو یہ تھے کہ اُنہوں نے اُن زمینوں کو ہتھیا لیا تھا جو اگر نجی مالکان کے قبضہ میں ہوتیں تو زیادہ مفید ہوتیں، اِن کنیساؤں نے لوگوں کو سرگرمیِ عمل سے روکا ہوا تھا اور بیشتر طور پر اُنہیں کاہل اور نکما کر دیا تھا۔'' ("Universal History of the World" ...Hammerton, Vol. 14, p.2627)

بہرحال ترکِ دنیا اور رہبانیت کی زندگی اسلامی تعلیمات سے زبردست طور پر متصادم ہے۔ سورۃُ النُّور کی ذیل کی آیت دین اور دنیا کے خوش آئند اور حسین امتزاج کو آشکار کرتی ہے:۔

رِجَالٌ ''لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ'' وَّلَا بَيْعٌ ''عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْأَبْصَارُo (النُّور:۳۷)

''وہ ایسے لوگ ہیں جنہیں نہ تو تجارت اللہ کی یاد سے، نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے غفلت میں ڈالتی ہے اور نہ ہی خرید و فروخت، وہ ایسے دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔''

آیت مذکور کو اُس کے آخری حصہ سے ملا کر پڑھنے سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ مؤمن کی توجّہ جہاں حصولِ دنیا اور کسبِ معاش کی طرف ہوتی ہے، وہاں باوجود پابندیِ احکام کے اُسے زیادہ فکر روزِ جزا اور اپنے محاسبے کی ہوتی ہے۔

موضوع کی طوالت کے خوف کے مدِّ نظر ہم اصلِ مضمون کی طرف ایک بار پھر اس حقیقت پر زور دیتے ہوئے آتے ہیں کہ اسلام میں دنیا اور عاقبت دونوں دست بہ دست' ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اس لئے قرآنِ حکیم اور احادیثِ مبارکہ میں بار بار دنیاوی مشاغل کو اپنانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ مثلاً قرآن مجید فرماتا ہے:۔

(۱) يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَاتُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآأَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَاتَعْتَدُوْا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ٥ (المائدۃ: ۸۷)

''اے اہلِ ایمان! اپنے اوپر اُن پاکیزہ چیزوں کو حرام نہ کرو جو اللہ نے تمہارے لئے جائز کی ہیں اور حدود سے آگے نہ نکلو' بے شک اللہ حدود سے آگے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

''اِن پاکیزہ اور جائز چیزوں میں غذا' لباس' اِزدواج وغیرہ ہر قسم کی لذّتیں آگئیں اور طیّبٰت کے تحت میں ہر وہ جائز لذت شامل ہے جس کی طرف قلب اور طبیعت کو میلان ہوتا ہے۔ اِعتِداء یا حدود سے نکل جانا یہی ہے کہ شریعت کی احتیاطوں اور قیود کو ناکافی سمجھ کر اُن پر اپنی رائے اور تجویز سے اضافہ کر دیا جائے یا اس کے برعکس اُنہیں زیادہ سمجھ کر اُن میں سے کچھ چیزوں کو گھٹا دیا جائے۔ جو حکمت یا صنعت ہر لحاظ سے اکمل اور ہر اعتبار سے اجمل ہو' اُس میں ایک ذرّہ کا اضافہ کر دینا بھی اُس کے کمالِ حُسن کے غارت کر دینے کے لئے ایسا ہی کافی ہے جیسا اُس میں سے گھٹا دینا یا نکال دینا۔'' (ماجدی)

(۲) قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ أَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ (الاعراف: ۳۲)

''فرما دیجئے کہ اللہ کی زینت کو جو اُس نے اپنے بندوں کے لئے بنائی' اور کھانے کی پاکیزہ چیزوں کو کس نے حرام کر دیا؟ فرما دیجئے کہ یہ اشیاء ایمان والوں کے لئے دنیا کی زندگی میں ہیں اور روزِ قیامت تو خالص (اُنہی کے لئے)۔''

یعنی اللہ کی جائز کردہ نعمتوں کو حرام کر دینے کا حق کسی بھی مخلوق کو حاصل نہیں۔ زینتِ خداداد سے لباسِ فاخرہ کا مراد ہونا تو سب کے نزدیک مسلّم ہے لیکن امام المفسّرین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے مزید دقّتِ نظر سے کام لے کر اس کے اندر سواری' زیور وغیرہ سارے مرغوبات داخل کئے ہیں' بجز اُن کے جو کسی نَص سے حرام قرار پا چکے ہیں۔ فقہاء و مفسّرین نے اٰیت سے عید اور دعوت وغیرہ کے موقعوں پر خوش لباسی کے استحباب پر استدلال کیا ہے۔ محققین نے اس آیت سے یہ بھی نکتہ نکالا ہے کہ ذائقہ دار کھانے بجائے خود قابلِ ترک نہیں چنانچہ رسولِ معظّم ﷺ نے محض لذّت کی بنا پر کسی بھی لذیذ غذا سے نہیں روکا' البتہ اُن کے شوق کی زیادتی اور لت کو جو فکرِ آخرت سے روک دینے والی ہوتی ہے' منع فرمایا ہے۔ آیت کے آخری حصہ هِيَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ کا مطلب یہ ہے کہ ساری نعمتیں اہلِ ایمان کا حصّہ دنیا میں بھی ہیں اور آخرت میں تو خاص الخاص اُنہی کے لئے ہوں گی بغیر کسی غیر مؤمن کی شرکت کے۔

(۳) فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (اَلْجُمُعَة: ۱۰)

''پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین پر چلو پھر و اور اللہ کی روزی تلاش کرو۔''

معلوم ہوا کہ دنیوی کاروبار میں مصروفیت خدا فراموشی کے ہم معنی نہیں کیونکہ احکام الٰہی کی پاسداری مؤمن کے کاروبار میں بھی پوری طرح رہتی ہے اور وہ اپنی تجارت اور لین دین میں دیانت' امانت' تقویٰ جیسی صفاتِ حمیدہ سے مزیّن اور اپنے محاسبے کے خوف سے لرزاں رہتا ہے۔

کسبِ معاش اور دنیاوی مشاغل کی ترغیب دیتے ہوئے نبی معظم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے :

(۱) ''نمازِ فجر سے فراغت کے بعد سونہ جایا کرو بلکہ اپنے کسبِ معاش کی فکر کیا کرو۔''

(۲) ''حلال روزی کا کمانا فرض عین ہے اور اس کی اہمیت فرضیتِ نماز سے دوسرے نمبر پر ہے۔''

لہٰذا اسلام اُن تمام جائز اور قانونی اقتصادی سرگرمیوں کو تسلیم کرتا ہے جو اسلام کی رُوح کے موافق و مطابق ہیں۔ تجارت' سوداگری' امدادِ باہمی کی انجمنیں' تجارتی شراکت اور جائنٹ سٹاک کمپنیاں سب کے سب جائز اور قانونی سرگرمیاں ہیں جیسا کہ قرآن نے فرمایا:

وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰو (البقرة : ۲۷۵) یعنی اللہ نے خرید و فروخت کو حلال اور سود کو حرام کیا۔

تاہم اسلام نے تجارتی سرگرمیوں کے لئے کچھ اصول و ضوابط مقرر کئے ہیں اِس تاکید کے ساتھ کہ اپنے ابنائے جنس کے فائدہ کی خاطر اُن پر دیانتدارانہ اور مخلصانہ طور پر عمل پیرا ہوا جائے۔ تجارت کے معاملے میں اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے کہ انسان دھوکا دہی' غاصبانہ عزائم اور بدنیتی کے ذریعے نہ تو اقتصادی طور پر اور نہ ہی روحانی لحاظ سے خوشحال اور کامیاب ہو سکتا ہے۔ اُس کی خوشحالی صرف اور صرف دیانتدارانہ اور مبنی برانصاف لین دین میں ہے۔

مارکیٹنگ: نام ہے اُن سرگرمیوں کی ادائی کا جو سامانِ حیات کے بہاؤ اور روانی اور اس ضمن صنعت کار کی طرف سے صارف اور استعمال کرنے والے تک اُس بہاؤ کو صارف کی تسلی اور اطمینان کے ساتھ لے جانا کہ جس میں کمپنی کے تجارتی مقاصد کی بھی تکمیل ہوتی رہے۔'' ("Basic Marketing" ... E. Jerome McCarthy, p. 19)

معاملات کی درستی کے لئے قرآنی قواعد و ضوابط

(۱) ناپ تول اور وزن میں بے رُو رعایت برتاؤ : کاروبار کی صحیح روانی' اُسے صحیح خطوط پر چلانے' گاہک کی ساکھ کے حصول اور معاشرے میں فلاح و بہبود اور اقتصادی نظم و تناسب (Harmony) لانے کے لئے صحیح ناپ تول اور منصفانہ وزن کامیاب تجارت کے لئے ناگزیر ضروریات ہیں۔ صدیوں قبل قرآنِ حکیم نے اِس نکتے پر بہ ایں الفاظ خاصا زور دے دیا تھا :۔

(i) فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَآءَهُمْ (الاعراف : ۸۵)

''ناپ اور تول پوری کیا کرو اور لوگوں کا نقصان اُن کی چیزوں میں مت کیا کرو۔''

(ii) أَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَ هُمْ وَلَاتَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ٥(هُود:۸۵)
'ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کا اُن کی چیزوں میں نقصان نہ کیا کرو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔'

یہاں قرآنِ حکیم نے اقتصادی شانتی اور معاشرتی امن وسکون کی ایک اہم بنیاد فراہم کر دی ہے اور صاف صاف بتا دیا ہے کہ تجارتی خیانتوں اور مالی معاملات میں بد دیانتی کا نتیجہ معاشرہ کی درہمی برہمی اور ملک وقوم کے حق میں عدم توازن کی صورت میں نکلتا ہے اور اس سب کے لئے قرآن مجید کی ایک جامع اصطلاح فساد فی الارض کی ہے۔ قرآنِ حکیم نے اس بد دیانتی کے عمل کو فساد فی الارض اس لئے کہا ہے کہ ہوسِ زر کے اس رُجحانِ بد کو اگر نہ روکا جائے تو یہ محروم القسمت لوگوں کے دلوں میں لاوا کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور کسی بھی وقت بے قابو ہو کر پھٹ سکتا ہے' جس کے نتیجے میں تمام معاشرتی نظام دھڑام سے نیچے آگرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بد دیانت اور خائن لوگ ناجائز منافع کے عزائم لئے اپنی ہی تیز دھار چھری سے خود اپنا گلا کاٹتے ہیں اور اس طرح زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ سورہ اَلْمُطَفِّفِيْن کی مندرجہ ذیل آیات (۱ تا ۳) بھی تجارتی اخلاق کی بنیادی اور کلیدی آیات ہیں :۔

(iii) وَيْلٌ" لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ٥ الَّذِيْنَ إِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ٥ وَإِذَا كَالُوْهُمْ أَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ
"(ناپ تول میں) کمی کرنے والوں کے لئے بڑی ہلاکت ہے کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا پورا لے لیں اور جب اُنہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا دیں۔"

بعض محققین نے تَطْفِيف کو عام اور وسیع معنوں میں لیا ہے یعنی کمی اور کوتاہی کو صرف وزن وپیائش کی چیزوں تک محدود نہیں رکھا بلکہ طاعت وعبادت کی ہر چیز کو اس میں داخل کیا ہے جیسا کہ چوری صرف مال ہی میں نہیں' ہر شے میں ممکن ہے۔ ایک حدیثِ مبارکہ میں رکوع اور سجدے کو صحیح طور پر ادا نہ کرنے والے کو رکوع اور سجدے کا چور کہا گیا ہے۔

اس طرح اسلامی معاشرے میں تمام معاملات پاکیزہ اور مبنی بر انصاف ہوتے ہیں اور اُن میں کسی قسم کی تعدی' فریب کاری' دھوکہ دہی یا نقص ہرگز نہیں ہوتے۔ فریب کاری اور دھوکہ دہی کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً:

(۱) ناپ تول میں کمی جسے قرآنی اصطلاح میں تَطْفِيف کہا گیا ہے۔
(۲) نیلامی میں کسی چیز کی بولی بڑھ چڑھ کر دینا کہ اس سے اُس شخص کو نقصان ہو جو اُس چیز کی خرید میں دلچسپی رکھتا ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں اس عمل کو نَجَش کہا گیا ہے۔
(۳) جانور کا بہت دیر تک دودھ نہ دوہنا تا کہ خریدار کو غلط طور پر اُس کا بہت زیادہ دودھ دکھایا جائے۔ احادیثِ مبارکہ میں اس غیر پسندیدہ فعل کو تَسْرِيَة کہا گیا ہے۔
(۴) دیہاتیوں کے بازار پہنچنے سے پہلے شہر کے مضافات ہی میں اُن سے کم قیمت پر سامان خرید کر لینا جسے

احادیث میں تَلَقِّی الرُّکبان کہا گیا ہے اور اس عمل سے روکا گیا ہے۔
(۵) اشیائے فروخت میں نقص کو چھپانا اور جھوٹی قسمیں کھانا بھی بددیانتی اور بدعنوانی کے تحت آتے ہیں۔
(۶) ایک تجارت میں دو تجارتیں یعنی دوہرا سودا کرنا بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔
(۷) ایک چیز ادھار پر بیچ کر پھر مشتری سے نقدی میں کم قیمت پر خرید کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے جسے بیعُ العینہ کہا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنجناب ﷺ بازار میں گندم کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے۔ آپ نے اپنی انگلیاں اُس ڈھیر میں داخل کیں تو وہ بھیگ گئیں۔ آپ نے اناج کے بیچنے والے سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ آدمی نے جواب دیا کہ بارش میں گندم بھیگ گئی تھی۔ پیغمبر علیہ السلام نے یہ کہتے ہوئے اُسے ڈانٹا کہ ''تم نے بھیگے ہوئے حصّے کو ڈھیر کے بالائی حصّے پر کیوں نہیں رکھا تا کہ وہ خریدار کے علم میں ہو؟ یاد رکھو کہ جو شخص فریب کاری کرتا ہے، اُس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' (صحیح مسلم : کتاب الایمان، جلد اوّل، حدیث نمبر ۱۰۲)

مسلمان تاجر کو دیانتداری کی اعلیٰ اخلاقی قدر کو قائم کرنے کی ترغیب وترہیب دلاتے ہوئے آپ نے فرمایا:
اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصَّالِحِیْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (سنن ابن ماجہ حدیث : ۲۱۳۹) یعنی راستباز، دیانتدار تاجر روزِ قیامت انبیاء، مخلصین، شہداء اور نیکوکاروں کی ہمراہی میں ہوگا۔

ہر کہ ومہ جانتا ہے کہ ہماری مخالف اور دشمن قوتوں نے اپنی روزمرّہ زندگی کے کاروباری معاملات میں ہماری آخری الٰہی کتاب (قرآنِ حکیم) ہی سے دیانتداری، اخلاقی بلندی اور ایمانداری کے سنہرے اصول وضوابط اخذ کئے جس کی وجہ سے اقوامِ عالم میں وہ آج کامیاب تاجر ہیں اور اُنہیں کاروباری ساکھ حاصل ہے۔

(۲) دروغ گوئی، جھوٹی اور بے کار قسموں کی مذمت : کاروباری معاملات میں جھوٹی قسمیں اور دروغ گوئی، کاروبار میں خدائی برکت سے محروم کر دیتے ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :
''قسم کھانے سے مال تو فوری طور پر بک جاتا ہے لیکن برکت اُٹھ جاتی ہے۔'' (صحیح بخاری، حدیث: ۲۰۸۷)

اسی طرح ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا:
''اللہ اُس شخص سے نہ تو کلام کرے گا، نہ ہی اُس کی طرف دیکھے گا اور نہ ہی اُسے گناہوں کی آلائش سے پاک کرے گا جو اپنے مال کو جھوٹی قسمیں کھا کر بیچتا ہے۔'' (صحیح مسلم)

پیغمبر ﷺ نے تجارتی لین دین میں کثیر الوقوع قسموں سے دو وجوہ سے منع فرمایا : ایک تو وہ دھوکہ دہی کے

لئے کھائی جاتی ہیں اور دوئم یہ کہ اللہ کے نام کے تقدس کو وہ مجروح کرتی ہیں۔

قسموں کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے سورۃ المائدۃ کی آیت ۸۹ میں مسلمانوں کو وَاحْفَظُوٓا اَیْمَانَکُمْ کے الفاظ میں ہدایت کی گئی کہ وہ اپنی قسموں کی حفاظت کیا کریں تا کہ اُن کے توڑنے اور پھر اُس کے بعد کفارہ دینے کی نوبت ہی نہ آئے۔

(۳) کاروباری ساکھ : تجارتی معاملات میں کاروباری ساکھ کا قائم رکھنا ہر زمانے اور ہر دَور میں بالخصوص دَورِ جدید میں بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ تجارت میں خوش آئند تعلقات کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ تمام معاہدے اور شرائط و ضوابط بغیر کسی اِبہام کے وضاحت کے ساتھ تحریری شکل میں لائے جائیں۔ اس ضمن میں قرآنِ حکیم یوں ہدایات دیتا ہے:۔

لَا تَسْئَمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَاللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا

"اس (معاملت) کو خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی' اُس کی میعاد تک لکھنے سے اُکتا نہ جایا کرو۔ یہ کتابت اللہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ قرینِ عدل ہے' شہادت کو درست رکھنے والی ہے اور شک سے تمہیں بچانے کا آسان طریقہ ہے۔" (اَلْبَقَرَة : ۲۸۲)

مزید احتیاطی تدبیر کے طور پر قرآنِ حکیم ہدایت کرتا ہے کہ شرائطِ معاہدہ وہ شخص لکھوائے گا جو معاملت کا ذمہ دار ہے اور اگر وہ شخص جس کی جانب سے ذمہ داری لی جارہی ہے' نابالغ یا غیر پختہ ذہن کا ہے تو اُس کے سرپرست یا اُس کارکن کو جو اُس کے مفادات کی نمائندگی کر رہا ہے' چاہئے کہ وہ شرائطِ معاہدہ لکھوائے۔ چنانچہ فرمایا:

وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْلَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ (اَلْبَقَرَة : ۲۸۲)

"اور چاہئے کہ وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ حق واجب ہے اور چاہئے کہ وہ اپنے پروردگار اللہ سے ڈرتا رہے اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرے۔ پھر اگر وہ جس کے ذمہ حق واجب ہے' عقل کا کوتاہ ہو یا کمزور ہو اور خود لکھوانے کے قابل نہ ہو تو لازم ہے کہ اُس کا کارکن ٹھیک ٹھیک لکھوا دے۔"

مقصد یہ ہے کہ جب کوئی بھی ایسی صورت پیش آجائے کہ صاحبِ معاملہ کا اقرار اور بیان معتبر نہ رہے تو اُس کے کارکن کے بیان و اقرار کا اعتبار کیا جائے۔

اپنے وسیع تر مفہوم میں یہ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ خریداروں اور گاہکوں سے خوش اخلاقی اور حُسنِ سلوک کا رویّہ کاروباری ساکھ قائم رکھنے کے ضمن میں آتا ہے۔ ایک عام شخص کے روزمرّہ معاملات میں بھی اُس کا احساسِ برتری اور مغرور رویّہ اُس کی عزت و شہرت کو داغدار کر دیتا ہے' چہ جائیکہ ایک کاروباری جس کا اپنے بھائی بندوں سے وسیع تر واسطہ ہوتا ہے۔ بدخلقی اور بدسلوکی کی اس برائی کو روکنے کے لئے قرآن اور صاحبِ قرآن ﷺ کی تعلیمات واضح ہیں۔ سورہ لقمان میں ارشادِ گرامی ہوا :۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ؇ (لُقمٰن : ۱۸)
''اور لوگوں سے اپنا رُخ مت پھیر اور زمین پر اکڑ کر مت چل' بے شک اللہ کسی متکبر' شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا۔''

اور خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:
لَا تَحْتَقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَّلَوْ أَنْ تَلْقٰى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ
''نیکی کی کسی بھی چیز کو ہرگز حقیر نہ سمجھو' خواہ وہ اتنی ہی (معمولی) ہو کہ تم اپنے بھائی سے خندہ جبینی سے ملو۔''

(۴) آزادانہ انتخاب اور مکمل باہمی رضامندی: تمام لین دین کے معاملات میں ہر فریق معاملہ کو عدمِ اکراہ وتشدد' آزادانہ انتخاب اور مکمل باہمی رضامندی کی ضمانت ہونی چاہئے۔ قرآنِ حکیم اس پر یوں ہدایت دیتا ہے:
يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْٓا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّآ أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (اَلنِّساء:۲۹)
''ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ' ہاں البتہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے ہو۔''

یعنی صرف جائز طریقوں کے اندر رہ کر ایک دوسرے کی رضامندی سے تصرّف کیا جاسکتا ہے مثلاً مشترک سرمایہ سے تجارت کہ یہ عین باعثِ برکت بھی ہے۔ کسی باطل طریقہ سے ایک دوسرے کے مال میں تصرّف کی اجازت نہیں۔

نبی معظم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس ضمن میں ارشاد فرمایا:
إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِيْ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَاءَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ (ابن ماجہ' بیہقی' مجمع الزوائد لھیثمی)
''بے شک اللہ نے میری خاطر میری اُمّت سے خطا کو' بھول جانے کو اور اُن چیزوں سے درگزر فرمایا ہے جو زبردستی کرائی جائیں۔''

نوٹ: خطا اور نسیان (بھول) سے حقوق اللہ کے بارے میں گرفت نہ ہونے کا وعدہ ہے لیکن بندوں کا جانی یا مالی نقصان کر دیا ہو' تو اُس کی تلافی لازم ہے۔

ایک اور حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:
''خرید وفروخت کا معاہدہ باہمی رضامندی ہی سے جائز ہے۔''

حضرت علی کرّم اللہ وجھہ' فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کسی ضرورت مند سے زبردستی کوئی چیز خریدنے سے منع فرمایا
(سنن ابی داؤد' حدیث نمبر:۳۳۸۲)

(۵) نفع کا استحقاق نقصان کا مکلف ہونے کے ساتھ مشروط: مسلم معاشرہ کے تمام معاملات میں جاری وساری

یہ ایک اور اصول ہے۔ ایک تاجر اپنے کاروبار میں نفع اُٹھانے کا حقدار اس لئے ہوتا ہے کہ وہ نقصان اٹھانے کے لئے بھی تیار ہوتا ہے۔ مالک مکان یا مالک دکان کے لئے کرایہ لینے کا حق بھی اسی اصول کے تحت ہے کہ وہ مکان یا دکان میں ہونے والے نقصان کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ یہ اصول مندرجہ ذیل حدیثِ نبوی میں متعیّن کیا گیا ہے:۔

" کسی چیز سے فائدہ اٹھانے کا حق مکلّف ہونے ہی سے تفویض ہوتا ہے۔"

مکلّف ہونے کا یہ اصول (Principle of Liability) تمام مشارکتی معاہدوں میں کارفرما ہوتا ہے۔

(۵) اصولِ جواز (Permissibility Principle) : اس کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی ممانعت قرآن وحدیث میں نہیں کی گئی' وہ چیز جائز اور روا ہے۔ کچھ قرآنی آیات اور احادیثِ نبوی میں ہم اس اصول کو پاتے ہیں۔ مثلاً قرآنِ حکیم نے فرمایا :۔

(i) قُلْ لَّا أَجِدُ فِيْ مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗ إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً أَوْدَمًا مَّسْفُوْحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَإِنَّهٗ رِجْسٌ أَوْفِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ٥ (الانعام : ۱۴۵)

"(پیغمبر!) فرما دیجئے مجھ پر جو وحی آتی ہے' اس میں تو میں کسی کھانے والے کے لئے (اور) کچھ حرام نہیں پاتا جو اُسے کھائے سوا اس کے کہ وہ مردار ہو' یا بہتا ہوا خون یا سُور کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل گندا ہے یا جو غیر اللہ کے لئے نامزد کیا گیا فسق کا ذریعہ ہو۔ لیکن جو بے قرار ہو جائے' طالبِ لذّت نہ ہو' نہ حد سے تجاوز کرے تو بے شک آپ کا پالنہار بڑی ہی مغفرت والا ہے۔"

حرام اشیاء کے ذکر کے بعد اوپر کی خط کشیدہ عبارت میں اصولِ جواز ملتا ہے اور ذیل کی آیت میں تو یہ اصول اور بھی واضح طور پر موجود ہے:۔

(ii) قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ أَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ (الاعراف : ۳۲)

"فرما دیجئے کہ اللہ کی زینت کو جو اُس نے اپنے بندوں کے لئے بنائی' اور کھانے کی پاکیزہ چیزوں کو کس نے حرام کر دیا؟ فرما دیجئے کہ یہ اشیاء ایمان والوں کے لئے دنیا کی زندگی میں ہیں اور روزِ قیامت تو خالص (اُنہی کے لئے)۔"

اِسی طرح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِس اصولِ جواز کو ذیل کی عبارت میں بیان فرمایا ہے جو اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ ہر قسم کا لین دین' معاہدہ یا سمجھوتہ اصولی طور پر جائز ہے جب تک کہ وہ قرآن یا سنّتِ نبوی کی نصِ صریح کے خلاف نہ ہو۔ چنانچہ فرمایا:

''مؤمنوں پر معاہدے کی پابندی لازم ہے' سوائے اُن معاہدوں کے جو ناجائز کو جائز اور جائز کو ناجائز بنا دیں۔'' (مجمع الزوائد ھیثمی' جلد چہارم' ص ۲۰۵)

(۶) حرام اور ناجائز اشیاء کی خرید و فروخت کی ممانعت : بتوں، خنزیروں، شراب اور مُردار کی تجارت اسلام میں بالکل ممنوع ہے۔ اِسی طرح ایک اوزار کا اُس شخص کو بیچنا جو اُس اوزار کے ذریعے کسی بے گناہ کو قتل کرنا چاہتا ہے، بھی ناجائز ہے، اگر فروخت کرنے والے کو اس بات کا علم ہے۔ اس طرح تمام معاہدے اور لین دین کے معاملات جو بداَخلاقی کو ترویج دیں، یا جو عوامی حکمتِ عملی (policy) کے خلاف ہوں، یا کسی شخص یا جائیداد کے لئے نقصان دِہ ہوں، یا جن کی قانونی طور پر ممانعت ہو، سب کے سب قانونی حمایت نہ ہونے کے سبب غیر مؤثر ہیں۔ اسی لئے عدالتیں کسی مجرمانہ عمل میں کئے گئے معاہدے کے مقدمے/دعویٰ کی سماعت نہیں کرتیں۔'' (''بزنس لاء'' صفحہ ۳۷، کیونڈش پبلشنگ کمپنی، لندن۔

''اگر معاہد مسلمان ہوں تو آلاتِ موسیقی بھی اسلام کی منع کردہ چیزوں میں شامل ہیں۔ تاہم اسلامی ریاست میں رہنے والے غیر مسلم باشندوں کو شراب، خنزیر اور آلاتِ موسیقی کی خرید و فروخت اور اُن کی تجارت کے معاہدے کرنے کی اجازت ہے۔'' (''بدائع الصنائع''۔۔۔کاسانی، جلد پنجم، صفحہ ۱۴۴)

''نجی لین دین میں عوامی پراپرٹی کی خرید و فروخت بھی ممنوعات میں آتی ہے۔ اسی لئے مسجد کو لین دین کی چیز نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ اسے کسی بھی شخص کے ذاتی تصرّف میں نہیں دیا جاسکتا۔'' (''المِلکیة و نظرية العَقد'' لابی زہرہ، صفحہ ۲۵۵)

''عورت کے دودھ اور انسانی بالوں کی فروخت کے معاملے میں فقہائے اسلام مختلف الرائے ہیں۔ کچھ فقہاء نے اسے جائز قرار دیا ہے کیونکہ اُن کے کہنے کے مطابق دودھ اور بال دونوں پاک اور فائدہ مند ہوتے ہیں۔۔۔۔ آج کے دَور میں بہ غرض منتقلی اور عطیہ، انسانی خون اور آنکھوں کی فروخت کا جواز ''اصولِ ضرورت'' کے تحت لایا جاسکتا ہے۔'' ("Islamic Law of Contracts & Business Transactions" --- Dr. Muhammad Tahir Mansuri, p. 36)

اسلامی قانون میں یہ وضاحت موجود ہے کہ مُردہ یا ذبح شدہ جانور کی کھال کو استعمال میں لایا جائے اور اسے یونہی (بے کار سمجھ کر) پھینک نہ دیا جائے (صحیح بخاری ۔۔ ۲۴:۶۶)۔ بہ ظاہر اس کی عام تجارت یا مبادلہ کی تجارت (Barter Trade) کی ممانعت نہیں ہے اور یہی اُصول دوسری ممنوع اشیائے خورونوش کی حُرمت میں کارفرما ہے جیسے مردہ جانور کی چربی اور ہڈیاں (کہ اُن کا استعمال ناجائز ہے)۔

(۷) جوئے اور قسمت پر مبنی تمام کھیلوں (مَیْسِر) کی ممانعت : اسلامی معاشرے میں ہونے والے تمام معاہدات اور سمجھوتوں میں کارفرما یہ ایک اور اصول ہے۔ قرآنی لفظ مَیسِر کا مصدر یُسر (بمعنی آسانی) ہے اور مَیسِر کا معنی کسی چیز کو بہ آسانی حاصل کر لینا یا اس میں محنت کئے بغیر نفع اٹھا لینا ہے۔ قرآنِ حکیم نے اس عام پھیلے ہوئے مرض کی بالتدریج دو مراحل میں بیخ کنی کی۔ پہلے مرحلے میں ذہنوں میں جوئے کے خلاف نفرت کا بیج بویا گیا

(بحوالہ سورۃ البقرۃ: ۲۹۱) اور جب نفرت کا وہ بیج اچھی طرح پک گیا تو جوئے اور شراب کی اس پکی ہوئی فصل کو سورۃ المائدۃ کی آیات ۹۰، ۹۱ میں وارد حکم کے ذریعے جڑ سے کاٹ کر پھینک دیا گیا۔

پرائز بانڈز پر ملنے والے انعام کی شرعی حیثیت: ''پرائز بانڈز کی جمع شدہ رقم لاٹری کے ذریعے پرائز بانڈز کے تمام خریداروں کی بجائے ایک خریدار کو ادا کی جاتی ہے۔ بطورِ انعام دی جانے والی یہ رقم یقینی طور پر سود کے ضمن میں آتی ہے اور اس لئے حرام ہے۔ تاہم اصحابِ علم و فضل سے مشاورت کے بعد موجودہ نظام میں سود سے پاک مناسب تبدیلیاں لائی جاسکتی ہیں۔'' ("Our Socio-Economic Order" ... Mufti Muhammad Taqi Usmani, pp. 91, 92)

قرعہ اندازی بمقابل قسمت پر مبنی کھیل: قرعہ اندازی اور قسمت پر کھیلے جانے والی کھیلوں کے مابین ٹھوس اور نمایاں فرق ہے۔ اوّل الذکر (قرعہ اندازی) کا جواز قرآنِ حکیم اور سنتِ نبوی میں موجود ہے جبکہ مؤخر الذکر غیر قانونی اور حرام ہے کہ یہ قرآنی اصطلاح میں لفظ مَیسِر کے ضمن میں آتا ہے۔

قرعہ اندازی کے جواز پر قرآنِ حکیم کی یہ آیات شاہد ہیں:۔
(۱) وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ (آلِ عمران: ۴۴)
"(اے پیغمبر!) آپ تو اُس وقت اُن لوگوں کے پاس نہیں تھے جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ اُن میں سے کون مریم کی سرپرستی کرے۔"

یتیم بچی جناب مریم کے والدِ گرامی حضرت عمران بن ماثان اپنے زمانہ میں بیت اللحم کے خدّام کے سردار تھے۔ اُن کی وفات پر سوال پیدا ہوا کہ اب مریم کا سرپرست کون ہو۔ ان سب خادموں میں سب سے قریب رشتہ حضرت زکریا علیہ السلام کا تھا کہ آپ مریم کے خالو تھے۔ طے یہ پایا کہ سوال کا حل فال کے ذریعہ سے کیا جائے۔ فال اشارہِ غیبی کی قائم مقام تھی۔ فال کا طریقہ یہ رائج تھا کہ توریت کے لئے لکھنے کے قلموں پر توریت شریف کے کچھ کلمات لکھ کر اُنہیں دریائے اُردن میں ڈال دیا جاتا تھا اور قلم عموماً دریا ہی کے رُخ بہنے لگتے لیکن بعض قلم مخالف رُخ کو بہتے اور یہی مخالف بہاؤ کامیابی کی علامت سمجھی جاتی تھی اور جیت ایسے ہی قلم کے مالک کی سمجھی جاتی گویا غیب سے ڈگری اُس کے حق میں ہوگئی۔ یہی صورت یہاں ہوئی اور قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا۔ آیت میں خطاب نبی علیہ السلام سے ہے کہ جب مریم کی کفالت و سرپرستی کا معاملہ طے ہو رہا تھا تو آپ خود تو وہاں موجود نہ تھے اور نہ کوئی معتبر چشم دید شہادت ہی آپ تک پہنچی۔ پھر جو آپ اتنی صحیح اور سچی خبریں دے رہے ہیں، اُن کا ذریعہ وحیِ الٰہی کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے؟ بہ الفاظِ دیگر اِس انداز میں جہاں ایک طرف آپ ﷺ کی رسالتِ حقّہ کو ثابت کرنا مقصود ہے تو دوسری طرف قرعہ اندازی کے جواز کا بھی ثبوت مل گیا۔

إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ۝ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۱۴۰-۱۴۱)

(اس وقت کا تصور کیجئے) جب یونس بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے پھر وہ شریک قرعہ ہوئے تو وہ مغلوب ہونے والوں میں سے ہو گئے

حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کی مسلسل ہٹ دھرمی اور نافرمانی سے دل برداشتہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے اذن سے پہلے ہی وہاں سے چلے گئے اور ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ اس وقت کا عقیدہ یہ تھا کہ کوئی بھگوڑا غلام یا کوئی مجرم اگر کشتی میں سوار ہو جائے تو کشتی خطرے میں آ جاتی ہے اور اس کا علاج یہی ہے کہ اس شخص کو اتار دیا جائے۔ جناب یونس علیہ السلام کی کشتی کو بھی طغیانی اور موجوں کا سامنا ہوا۔ ملاحوں نے مجرم کی تعیین کے لئے قرعہ اندازی پر اتفاق کیا اور قرعہ میں نام جناب یونس علیہ السلام کا نکلا لہٰذا ملاحوں نے آپ کو سمندر میں ڈال دیا۔ تو اس واقعہ سے بھی قرعہ اندازی کے جواز کا ثبوت ملتا ہے۔

خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت مبارکہ سے بھی قرعہ اندازی کے جواز کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی کرتے اور جس بیوی کے نام قرعہ نکلتا اسے اپنی ہم سفری کا شرف بخشتے۔ (صحیح مسلم، ابوداؤد)۔ نبی ﷺ کی اس عادت مبارکہ کے پیچھے یہ زبردست حکمت پوشیدہ تھی اور وہ یہ کہ اگر آپ کسی بیوی کو سفر میں ساتھ لے چلنے میں خالصتاً اپنی مرضی اور صوابدید کو استعمال کرتے تو اس سے دوسری ازواج کی یقیناً دل شکنی ہوتی۔

لہٰذا خاص حالات میں قرعہ اندازی کی اجازت ہے۔ اوپر بیان شدہ قرآن حکیم کے دونوں واقعات اور سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی برابر کا حق رکھتے ہوئے یہ سمجھتا ہے کہ صرف ایک ہی آدمی اس حق سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور وہ دوسروں کی خاطر اپنا حق چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اس کے برعکس قسمت کے کھیلوں (مثلاً جوا اور قمار بازی) میں شریک لوگوں کا برابر کا حق تسلیم نہیں کیا جاتا اور اسی لئے اسے حرام قرار دیا گیا۔

(۸) معاہدہ شرعی مقاصد سے ہم آہنگ ہونا چاہئے: یہ جدید قانون کے تقاضوں کی طرح ہے کہ کسی معاہدے کو عوامی مفادات کے خلاف نہیں ہونا چاہئے۔ ''تمام شرعی احکامات اُن پانچ مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں جنہیں ''مقاصدِ شریعت'' کہا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں:۔

(i) تحفظِ مذہب (ii) تحفظِ حیات (iii) تحفظِ اولاد (iv) تحفظِ فکر و خیال (v) تحفظِ جائداد

کوئی بھی معاہدہ یا لین دین کا معاملہ جو اِن مقاصد میں سے کسی ایک مقصد کی بھی تکمیل نہیں کرتا' شریعت کی رُو سے غیر معتبر اور غیر قانونی ہے۔ اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں نبی ﷺ نے اس نکتے پر زور دیا تھا:

"اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ہر شخص کی زندگی' جائداد اور عزت کو دوسروں کے لئے اسی طرح محترم بنایا ہے جس طرح یہ دن' یہ مہینہ اور یہ علاقہ (محترم ہیں)۔" (صحیح بخاری۔۔حدیث نمبر ۷۴۴۷)

Abridged : ("Islamic Law of Contracts & Business Transactions" --- Dr. Muhammad Tahir Mansuri, pp. 11-13)

کچھ اور غیر قانونی کاروبار

(1) سٹہ بازی (Speculative Business) : کسی چیز کو ایک وقت میں سستے داموں خرید کر اُسی چیز کو دوسرے وقت میں مہنگے داموں فروخت کرنا "سٹہ بازی" کہلاتا ہے۔ اسلام اس قسم کے کاروبار کی بھی مذمت کرتا ہے کیونکہ سٹہ باز لوگ اپنے معاشرے کے وسیع تر مفادات کو نظر انداز کر کے اپنے ذاتی مفادات میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ بہت سے سٹہ باز لوگ اشیائے ضرورت کی مصنوعی قلت پیدا کر کے ملک کی اقتصادیات پر افراطِ زر کا بوجھ ڈالتے ہیں اور اس کا خمیازہ محروم القسمت لوگوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے اس ضمن میں فرمایا :

(۱) جو شخص اناج کی قلت کے زمانہ میں نفع اندوزی کی خاطر اسے ذخیرہ کرتا ہے' بڑا گنہگار ہے (مسلم' مشکوٰۃ)

(۲) جو شخص باہر سے اناج درآمد کر کے اُسے بازار کے نرخ پر فروخت کر دیتا ہے' اُس کی روزی میں برکت ہوتی ہے۔ لیکن جو شخص آئندہ کی متوقع مہنگائی کے مدِّنظر اناج کو فروخت کرنے سے روک لیتا ہے' وہ اللہ کی رضا سے دُور ہو جاتا ہے۔

(2) ذخیرہ اندوزی: فرد کی آزادی اور منڈی میں قدرتی مقابلہ بازی کی اسلام نے ضمانت دی ہے۔ تاہم اسلام اُن لوگوں کی پُرزور مذمت کرتا ہے جو حرص اور لالچ کے ہاتھوں دوسروں کو نقصان پہنچا کر دولت اکٹھی کرتے ہیں اور اشیائے غذا و ضرورت کی قیمتوں میں اپنی منشا کے مطابق اضافہ کر کے امیر بن جاتے ہیں۔ اسی لئے پیغمبر علیہ السلام نے پُرزور الفاظ میں ذخیرہ اندوزی کو رد کیا اور فرمایا :

(۱) "اگر کوئی شخص اناج کو چالیس دن تک قیمت بڑھنے کی نیت سے روکے رکھتا ہے' اللہ اُسے اپنی رحمت سے دُور کر دے گا۔" (احمد' حاکم' ابن ابی شیبہ' مسند البزار)

(۲) "جو شخص اشیائے ضرورت کو قیمت چڑھنے کے وقت تک روکے رکھتا ہے' بڑا گنہگار ہے۔" (صحیح مسلم)

یہاں "گنہگار" کی اصطلاح کو ہلکے انداز میں نہیں لینا چاہئے بلکہ یہ وہی اصطلاح ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تاریخ کے بڑے جابر و ظالم لوگوں کے لئے استعمال کیا ہے۔ مثلاً فرعون' اور ہامان وغیرہ کو خطا کار (گنہگار) کا لقب دیا :

إِنَّ فِرۡعَوۡنَ وَ هَامَانَ وَجُنُوۡدَهُمَا كَانُوۡا خَاطِئِيۡنَ (القصص : ۸)
"بے شک فرعون' ہامان اور اُن کے پیرو کار (بڑے) خطا کار تھے۔"

پیغمبر ﷺ نے ذخیرہ اندوزوں کی خودغرض اور حریص ذہنیت کو یوں ظاہر کرتے ہوئے فرمایا ہے :

(۱) "جو شخص اشیائے ضرورت کو ذخیرہ کرتا ہے' بُرا ہے۔ اگر قیمتیں گر جائیں تو اُسے دکھ ہوتا ہے اور اگر قیمتیں بڑھ جائیں' تو خوش ہوتا ہے۔" ("جامعہ"---الرازی)

(۲) "جو شخص اشیائے ضرورت کو منڈی میں لاتا ہے' اُسے برکت سے نوازا جاتا ہے لیکن جو اُنہیں روک لیتا ہے' وہ اللہ کی رحمت سے دُور ہو جاتا ہے۔" (ابنِ ماجہ' الحاکم)

کاروبار میں نفع کمانے کے دو طریقے ہیں : (۱) اشیائے ضرورت کو منڈی جانے سے روک لینا تاکہ اُن کی قلت ہو جائے اور ضرورتمندوں کو وہ مہیا نہ ہو سکیں۔ پھر ضرورت کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ ذخیرہ اندوز کے پاس آئیں اور اُسے اُس کی مطلوبہ رقم ادا کریں اگرچہ وہ غیر معقول حد تک کتنی ہی اونچی کیوں نہ ہو۔ (۲) اشیائے ضرورت کو منڈی میں لے آنا' اُسے معقول نفع پر فروخت کرنا' پھر اُس حاصل شدہ رقم سے مزید اشیائے ضرورت خریدنا اور اُسی طرح اُنہیں فروخت کر دینا وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ چونکہ یہ مؤخر الذکر صورت عوامی مفادات میں ہے' اس لئے وہ تاجر جو اس صورت کو عمل میں لاتا ہے' اللہ تعالیٰ کی برکتیں حاصل کرتا ہے اور اُس کے رزق میں خوب کشائش ہوتی ہے۔ اس کے برعکس شخص کا انجام ذیل کی حدیث میں فرمادیا گیا:

"وہ شخص جو مسلمانوں کی اشیائے ضرورت کی قیمتوں میں اضافہ کی غرض سے مداخلت کرتا ہے' اس بات کا مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے روزِ محشر جہنم کی آگ میں ڈال دے۔" (احمد' طبرانی)

"اِن مذکورہ بالا احادیث کے متن اور مضمون کی بنیاد پر علمائے اسلام نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ ذخیرہ اندوزی کی دو شرائط کے تحت ممانعت ہے : اوّل یہ کہ ذخیرہ اندوزی اُس علاقہ کے لوگوں کے لئے وقتِ معلوم پر نقصان دہ ہو اور دوئم یہ کہ ذخیرہ اندوز کا مقصد قیمت کی بڑھوتری کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کا ہو۔"
("الحلال والحرام فی الاسلام"---یوسف القرضاوی' صفحات ۲۵۷' ۲۵۸)

(3) آزاد منڈی میں مداخلت: ذخیرہ اندوزی سے متعلق ایک اور پریکٹس جس سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا' یہ تھی کہ ایک شہری دیہاتی کی جانب سے خریداری کر لیتا یعنی ایک ناواقف شخص اشیائے ضرورت کو شہر کی منڈی میں منڈی ہی کے بھاؤ پر فروخت کرنے لاتا۔ شہری اُس سے کہتا کہ ان اشیاء کو کچھ دیر کے لئے میرے پاس رہنے دو' جب قیمت اچھی ہو جائے گی تو میں انہیں تمہارے لئے بیچ دوں گا۔ اگر تو وہ ناواقف' مال کو خود بیچتا تو وہ لوگوں کو فائدہ پہنچا کر اُسے کم قیمت پر بیچتا اور اُسے بھی معقول منافع مل جاتا۔ اسلام کی آمد پر عربوں کے ہاں اس قسم

کی پریکٹس عام تھی۔ حضرت اُنس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ '' دیہاتی کی جانب سے شہری آدمی کو فروخت کے عمل سے ہمیں روک دیا گیا اگرچہ وہ خون شریک بھائی ہی کیوں نہ ہو۔'' (صحیح بخاری' صحیح مسلم) اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمان عوامی مفاد کو ذاتی تعلقات پر فائق رکھتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

'' ایک شہری کو دیہاتی کی جانب سے فروخت کا کام نہیں کرنا چاہئے۔ اگر لوگوں کو (یونہی) اکیلا' بے سہارا چھوڑ دیا جائے تو بھی اللہ تعالیٰ اُنہیں ایک دوسرے کے ذریعہ سے رزق دے گا۔''

پیغمبر علیہ السلام کا فرمان '' اگر لوگوں کو اکیلا چھوڑ دیا جائے۔۔۔۔۔'' تجارت کے میدان میں ایک بنیادی اصول قائم کرتا ہے اور وہ یہ کہ منڈی' اُس کی قیمتوں اور فروخت کے عمل کو آزادانہ چھوڑ دیا جائے تاکہ یہ عمل اندرونی اقتصادی قوتوں پر اثر انداز ہو اور بغیر من مانی قیمتوں کے قدرتی مسابقت جاری و ساری رہے۔ جب ابنِ عباس رضی اللہ عنھما سے شہری کا دیہاتی کی جانب سے فروخت کی ممانعت کے بارے میں پوچھا گیا تو اُنہوں نے جواب دیا کہ شہری کو دیہاتی کا دلال نہیں ہونا چاہئے۔ اس سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دیہاتی کو قیمتوں کی اطلاع دیتا ہے اور کمیشن کا مطالبہ کئے بغیر اُسے فائدہ پہنچانے اور اچھا مشورہ دینے کی خاطر منڈی کی تازہ ترین قیمتوں سے اُسے آگاہ کرتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اچھا مشورہ دینا مذہب اسلام کا ایک حصہ ہے۔ ایک حدیث کے مطابق: اَلدِّیْنُ اَلنَّصِیْحَۃُ یعنی '' دین نام ہے خلوص اور اچھا مشورہ دینے کا۔''

تاہم دلال کے متعلق اغلب گمان یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں ممکن ہے کہ وہ اپنے نفع کی خاطر عوامی مفاد کو نظر انداز کر دے۔'' ('' الحلال والحرام فی الاسلام''۔۔ یوسف القرضاوی' صفحات ۲۵۸' ۲۵۹)

(4) غیر معیّن اور مبہم کاروبار : نبی اکرم ﷺ نے ہر اُس کاروبار سے منع فرمایا جو کسی غیر یقینی جزئیہ کی وجہ سے جھگڑے یا مقدمہ بازی کا باعث بنے یا جس میں غیر مخصوص مقدار ہو جو شریک کاروبار کو دی جائے گی۔ اس قسم کی پریکٹس میں ہر وہ کاروبار شامل ہے جس میں اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی کہ آیا فروخت کرنے والا اُن اشیاء کو فراہم کر بھی سکتا ہے جن کی وہ قیمت وصول کر رہا ہے۔ اس کی مثالیں درج ذیل ہیں:۔

(۱) اُس بچھڑے کی فروخت جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوا۔
(۲) جنین یعنی اُس بچے کی فروخت جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوا۔
(۳) بیل کے تخم (مادہ منویہ) کی فروخت۔
(۴) مچھلی کی فروخت جو ابھی پانی میں ہے یا فضا میں اُن پرندوں کی فروخت جو ابھی پکڑے ہی نہیں گئے۔
(۵) اُن پھلوں کی فروخت جو موسم کی ابتدا میں درختوں پر لگے ہیں جبکہ اُن کی مقدار اور خصوصیت معلوم ہی نہیں
(۶) جانور کے تھنوں میں موجود دودھ کی فروخت۔
(۷) کھڑی فصلوں کی فروخت جو ابھی کاٹی نہیں گئیں۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا کہ لوگ اُن کچے پھلوں کو فروخت کر دیتے ہیں جو ابھی درختوں پر اور باغوں میں ہیں۔ اگر فصل کسی نامعلوم قوت یا قدرتی آفت سے تباہ و برباد ہو جائے تو بائع اور مشتری اس بات پر جھگڑیں گے کہ نقصان کس کو برداشت کرنا چاہیے۔ اِسی وجہ سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس وقت تک پھل کی فروخت سے منع فرمایا جب تک وہ پک کر اچھی حالت میں سامنے نہ آ جائے (صحیح بخاری، صحیح مسلم)۔ اسی طرح آپ نے اناج کی اُن بالیوں کی فروخت سے بھی منع فرمایا جب تک وہ سفید ہو کر قدرتی آفت سے محفوظ ہونے کے قابل نہ ہو جائیں۔ چنانچہ فرمایا:

''ذرا مجھے بتائیں تو سہی، اگر اللہ تعالیٰ پھل کو پیدا ہونے سے روک دے، تو کیا تم اپنے بھائی کی جائداد پر ہاتھ صاف کرنے لگو گے!

اسلام غیر معیّن اور مبہم کاروبار کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا جس کا مطلب یہی ہے کہ مستقبل کی اشیائے ضرورت زمانہ حال میں قابلِ فروخت نہیں اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایات اس ضمن میں واضح ہیں۔ فرمایا:

(۱) ''جو شخص خوردنی اناج یا غلّہ خریدے تو وہ اُن پر قابض ہونے سے پہلے اُنہیں فروخت نہ کرے۔'' (صحیح بخاری ۴۳:۵۴)

(۲) ''اُس چیز کا سودا مت کرو جس کے تم مالک اور قابض نہیں ہو۔'' (ابوداؤد: ۳۵۰۳)

فقہائے اسلام کا اس مسئلے پر واضح اور غیر مبہم نقطہ نظر ہے۔ وہبہ زُہیلی فقہی نکات کو یوں بیان کرتے ہیں:

''ایک غیر موجود چیز کا معاہدہ کرنا نامعتبر ہے مثلاً فصل کی پیداوار ظاہر ہونے سے پہلے اُسے فروخت کر دینا، اِس خطرے کے مدِّ نظر کہ شاید فصل ظاہر ہی نہ ہو، جسے اصطلاح میں ''خطر العدم'' کہتے ہیں۔ اسی طرح جنین یعنی کچے بچے کا سودا کر لینا جو ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں ہے اور پیدا ہی نہیں ہوا، اس ڈر کے مارے کہ کہیں پیدا ہونے کے بعد وہ مر نہ جائے (''بدائع الصنائع''۔۔کاسانی، جلد پنجم، صفحہ ۱۸۷؛ ''مغنی المحتاج''۔۔۔ شربینی، جلد دوم، صفحہ ۲۰) چنانچہ ہر معدوم اور غیر موجود چیز کا سودا کرنا غیر معتبر ہے خواہ معاملہ بیع (خرید و فروخت) کا ہو یا ہبہ کا، یا رہن کا۔ اس موقف کی بنیاد نبی علیہ السلام کی وہ حدیثِ مبارکہ ہے جس میں آپ نے جانور کے جنین (کچے بچے) کی خرید وفروخت (بیع حبل الحبلة) سے منع فرمایا (''نَیل الاوطار''۔۔شوکانی جلد پنجم، صفحہ ۱۵۶) اور اِسی طرح جانور کے مادہ منویہ کی خرید وفروخت سے بھی منع فرمایا (''مجمع الزوائد''۔۔ ہیثمی، جلد چہارم، صفحہ ۱۰۴)۔ آپ نے لوگوں کو اُس چیز کے کاروبار سے بھی منع فرمایا جس کے وہ مالک اور قابض نہیں ہیں۔'' (''الفِقهُ الاسلامی واَدِلّتُه''، جلد چہارم، صفحات ۱۷۳، ۱۷۴ بحوالہ ڈاکٹر طاہر منصوری صفحات ۳۷، ۳۸)

تاہم ہر نامعلوم اور غیر یقینی چیز کی خرید وفروخت کی ممانعت نہیں ہے۔ مثلاً کوئی شخص مکان خریدتا ہے اور

اُسے یہ معلوم نہیں کہ اُس کی بنیادوں کی حالت کیا ہے یا دیواروں کے اندر کیا ہے۔ دراصل ممانعت اُس چیز کی فروخت میں ہے جس میں غیر یقینی کا عنصر ظاہر ہو اور جو بعد ازاں جھگڑے کا باعث ہو اور خریدار کی رقم کا غیر منصفانہ طور پر ہتھیایا جانا ہو۔ اگر غیر یقینی کا خطرہ عام تجربے اور رسم و رواج کی رُو سے معمولی ہے' تو اس کی فروخت کی ممانعت نہیں ہے مثلاً گاجر' پیاز' مولیوں' کھیروں اور تربوزوں جیسی Root Vegetables کی فروخت جبکہ وہ ابھی زمین ہی میں ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں ایسی تمام اشیائے ضرورت کی خرید و فروخت جس میں نقصان کے خطرے کی متوقع حد (margin of risk) قابلِ برداشت ہو' جائز ہے۔'' [''الحلال والحرام فی الاسلام'' (انگریزی ترجمہ)۔۔ یوسف القرضاوی' صفحات ۲۵۴' ۲۵۵]

گاجر' پیاز اور لہسن کی طرح زمین میں چھپی ہوئی پیداوار کی فروخت کی فقہائے اسلام نے اجازت دی ہے بشرطیکہ خریدار اُنہیں زمین سے نکالتے وقت اپنا حقِ معائنہ استعمال کرے۔ لیکن جب تک وہ زمین کے اندر ہیں' اُن کی فروخت جائز نہیں ہے۔

فقہائے اسلام نے صراحت کی ہے کہ تمام غیر قانونی اور ناجائز معاہدے مذکورہ بالا غیر معیّن اور معدوم اشیاء کے کاروبار کے ضمن میں آتے ہیں جن میں سے کچھ کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے:۔

(۱) بیعُ المُخاضرة (مشکوک کاروباری معاملہ Dubious Transaction): مثلاً اُن کچے پھلوں کی فروخت جو ابھی درختوں پر ہیں اور اُن کے شگوفے بھی نہیں کھلے۔ مشکوک ہونے کی وجہ سے ایسی فروخت اسلام میں جائز نہیں ہے۔ ایسے کاروبار میں فریقین میں سے کوئی ایک فریق غیر دیدنی اور ناقابلِ پیش گوئی نقصان کا متحمل ہونا پڑتا ہے۔ اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

''اگر اللہ تبارک وتعالیٰ پھلوں کو خراب کر دے تو کسی کو اپنے بھائی کی رقم لینے کا کیا اختیار ہے؟''
(صحیح مسلم: کتاب البیوع ؛ صحیح بخاری ؛ ''نیل الاوطار'' لامام شوکانی بحوالہ ڈاکٹر طاہر منصوری)

درختوں کو اُن کے پھل پکنے سے پہلے فروخت کی بابت انور اقبال قریشی اپنے تاثرات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''بدقسمتی سے ہمارے ہاں یہ رواج پڑ گیا ہے کہ درختوں کو اُن پر شگوفے آنے سے پہلے ہی فروخت کر دیا جاتا ہے جسے ''بہاری فروخت'' کہتے ہیں۔ اس بہاری فروخت کا قدرتی نتیجہ فریقین میں سے کسی ایک فریق معاملہ کا یقینی نقصان ہوتا ہے۔ ایسے سودوں میں عموماً لوگ پیداواری پھل میں عام سا قیاس کر لیتے ہیں لیکن کسی کو بھی اس غیر معلوم کیفیت کا احساس نہیں ہوتا کہ یہ جوئے کی ایک قسم ہے۔''
("Islam and Theory of Interest", p. 90 .. Lahore, 1991.)

(۲) بَیعُ المُنابذۃ (Throw Sale): عربی لفظ نَبَذَ کا معنی پھینکنے کا ہوتا ہے جیسا کہ یہ لفظ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۰۱' اور سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۸۷ میں استعمال ہوا۔ فقہِ اسلامی کی اصطلاح میں اس کا معنی ایسی فروخت ہے جسے فروخت کار' خریدار پر کپڑا پھینک کر (یعنی حقیقت سے بے خبر رکھ کر) کرتا ہے اور اُسے اس بات کا موقع ہی نہیں دیا جاتا کہ وہ شے مطلوبہ کا اچھی طرح معائنہ کر لے۔

(۳) بَیعُ المُلامِسۃ: مُلامِسۃ کا لفظ لَمس سے ہے بمعنی چھونا۔ فقہی اصطلاح میں اس کا معنی وہ سودا ہے جس میں چیز کا بہ نفسِ نفیس معائنہ کئے بغیر اُس چیز کو محض چھو کر ہی معاملہ طے کر لیا جائے۔

زمانہ قبل از اسلام میں بَیعُ المُنابذۃ اور بَیعُ المُلامِسۃ دو قسم کے کاروبار رائج تھے جن میں خریدار کو چیز کا معائنہ کرنے کی اجازت نہیں تھی' اسلام نے اِن دونوں طریقوں کی ممانعت کر دی (صحیح بخاری ۳۴:۶۲) اور ہدایت کی کہ منڈی کی حالت یا رائج الوقت قیمتوں سے خریدار کی ناواقفیت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھایا جائے' اشیائے فروخت کھلی منڈی میں پہنچنی چاہئیں اور فروخت کار یا اس کے نمائندوں کو منڈی کی حالت کا علم ہونا چاہئے۔

(۴) بَیعُ المُحاقلۃ: لفظ مُحاقلۃ حَقل سے ہے بمعنی کھیت اور چراگاہ۔ فقہی اصطلاح میں اس سے مراد اناج کا تبادلہ بالی میں پڑے ہوئے اناج کے ساتھ ہے جس کی مقدار کا اندازہ محض قیاس آرائی سے کیا جاتا ہے۔ یہ بھی منع ہے۔

(۵) بَیعُ المُزابنۃ: یہ تازہ پھلوں کی خشک میووں کے بدلے میں فروخت ہے اس طرح کہ خشک میوے کی مقدار پرکھ لی جاتی ہے جبکہ تازہ پھلوں کی مقدار غیر یقینی ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا (۲ تا ۵) اقسام غیر قانونی ہیں اور ان کا ذکر صحیح بخاری کی جلد پنجم میں ہے۔

(۶) بَیعُ المُعاوَمَۃ: یہ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کی فروخت کا دو تین سال تک کے لئے سودا کرنا ہے۔ (نیل الاوطار)

(۷) بَیعُ الجزف: یہ اُن اشیائے ضرورت کی فروخت ہے جن کی مقدار متعین نہیں ہے۔

(۸) عَصَبُ الفَحل: یہ نر جانور کو مادہ کے ساتھ جفتی کرنے کے لئے کرائے پر دینا ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے ایسے معاہدے سے منع فرمایا اور ایسی خدمت پر رقم یا قیمت لینے سے روک دیا۔ (نیل الاوطار)

(۹) پانی ہی میں مچھلی کی فروخت: زمانہ قبل از اسلام عربوں کی اس عام پریکٹس کی ممانعت ہو گئی۔

(۱۰) بَیع حَبلُ الحَبَلۃ: اس کی تفصیل صفحہ ۴۵۷ پر دی جا چکی ہے۔

کچھ مؤلّف کے بارے میں

خالقِ کون و مکاں نے اِس رنگ رنگیلی کائنات کے دولھا حضرتِ انسان کو دیگر نعمتوں کے علاوہ سوجھ بوجھ، عقل و فہم، دانش و فراست اور بصیرت بھی عطا کیں اور اِس عطا میں اپنی ایک خاص حکمت کو برقرار رکھا یعنی کسی پر کم اور کسی پر زیادہ فیضانِ نظر ہوا۔

اکثریت ہم جیسے عام لوگوں کی ہے لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کے کچھ نیک بندے ایسے بھی ہیں جن پر اللہ کی عنایتِ خاص کی وجہ سے اُن کی ظاہری آنکھوں کے علاوہ اُن کی قلبی آنکھیں بھی کھلی ہوتی ہیں جن کی بدولت وہ روحانیت کے میدان میں دوسروں سے سبقت لے جاتے ہیں۔ ربِّ ذوالجلال والاکرام لوگوں کے قلوب واذہان کو بھی کم یا زیادہ قلبی بصیرت عطا فرماتا ہے جس سے اُن کے عرفانِ حق میں اضافہ ہوتا ہے، یہاں تک کہ ہر چھوٹی بڑی بُرائی سے نفرت اور ہر چھوٹی بڑی نیکی سے والہانہ محبت اُن کی نہاد میں رس بس جاتی ہے۔ یہ لوگ اپنی وجدانی سپرٹ (Intuitive Spirit) اور بہترین فراست کی بدولت اپنے اَبنائے جنس کی راہ نمائی کے لئے ہراول دستے کا کام کرتے ہیں۔ عام عقل و فہم رکھنے والے لوگوں کی ہمدردیاں اور دعائیں بھی اِن خداداد صلاحیتوں کے حامل ہستیوں کے شاملِ حال رہتی ہیں۔ میری مراد ''قرآنک انسائیکلوپیڈیا'' کے مؤلّف جناب پروفیسر حافظ اشفاق احمد خان کی ذات سے ہے۔

گوشۂ خمولت (گم نامی) میں پُرسکون و پُراطمینان، شاداں و فرحاں، سادگی پسند، خوش اَخلاق و خوش طبع، خوش گفتار، خوش شکل و خوش سیرت، منکسرالمزاج، اعلیٰ خاندانی شرافت و نجابت کے حامل جناب پروفیسر اشفاق احمد خان (مؤلّف انسائیکلوپیڈیا) سے میرے ذاتی مراسم تقریباً گیارہ سال قبل اُس وقت شروع ہوئے جب میں اُن سے استفادہ کے لئے گاہے گاہے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ذکر کی مجلسوں، جمعہ کے خطابات اور نمازِ تراویح کے بعد درسِ قرآن کی رُوح پرور محافل میں حاضر ہوتا اور اپنی جھولی کو ایمان وایقان کی طراوت و تازگی سے بھر کر اُٹھتا۔

پروفیسر موصوف 1939ء کے اوائل میں ملتان کے ایک معزز و نجیب بلوچ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ خوش بختی یہ کہ ساڑھے آٹھ برس کی عمر میں اُنہوں نے قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اور نو برس کی عمر میں اپنے ہونے والے سسر اور ماموں جناب حافظ محمد اسلم خان مرحوم جو ملتان کے جانے پہچانے، چوٹی کے وکلاء میں سے تھے، کی راہ نمائی میں پہلا مصلّٰی سنایا۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے فضل و کرم سے اُس وقت سے لے کر تا حال (بہتر رحمتر

(۱۱) جانور کے تھنوں ہی میں دودھ کی فروخت: ایسے کاروبار کی بھی ممانعت ہے اِلّا یہ کہ دودھ دوہنے کے بعد اس کا وزن کرلیا جائے۔ (ایضاً ص ۱۵۸)

(۱۲) بَیع الحَمَل: مادہ جانور کے پیٹ میں جس قسم کا بچہ ہے اُس کی فروخت بَیع الحَمَل کہلاتی ہے۔

(۱۳) زرِ بیعانہ پر فروخت(Earnest Money Sale): یہ وہ فروخت ہے جس میں ایک شخص کوئی چیز خریدنے پر فروخت کار کو کچھ رقم پیشگی اس شرط پر ادا کرتا ہے کہ اگر معاہدہ انجام پا گیا تو یہ پیشگی رقم ہم آہنگ (Adjust) کرلی جائے گی اور اگر معاہدہ منسوخ ہوگیا تو فروخت کار رقم واپس نہیں کرے گا۔

فقہائے اسلام کی اکثریت نے ایسی فروخت کو غیر معتبر کہا ہے کیونکہ اوّل تو اس میں معاہدے کی تکمیل غیر یقینی ہوتی ہے' دوئم یہ کہ یہ دوسرے کی رقم کو بغیر کسی تلافی کے ہتھیا لینا ہے۔ سوئم یہ کہ اگر معاہدہ فروخت کار کی کوتاہی کی وجہ سے انجام نہیں پاتا تو اُصولی طور پر زرِ بیعانہ ضبط نہیں ہوسکتا۔'' (ملخّص: ''اسلامک لا آف کنٹریکٹس اینڈ بزنس ٹرانزیکشنز''۔۔۔ڈاکٹر محمد طاہر منصوری' صفحات: ۱۹۱ تا ۱۹۳)

دھوکہ دہی (FRAUD) پر مبنی کاروباری معاملات

دھوکہ دہی بھی معاہدے کی تنسیخ کا سبب بن جاتی ہے۔ دھوکہ دہی کا یوں تعارف کرایا گیا ہے:

''معاہدہ کے وقت یا اُس سے پہلے ایک فریق کا غلط بیانی سے کام لینا اور حقیقت کو چھپانا جس سے فریقِ ثانی کو معاہدہ میں شامل ہونے کی رغبت ہو۔'' (اَلْمَدخَلُ الفِقهِ العامّ''۔۔۔ مصطفٰی احمد زَرقا' جلد پنجم' صفحہ ۳۷۴)

دھوکہ دہی کے عمل میں جو بے خطا فریق کو تنسیخِ معاہدہ کا حق دیتا ہے' مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:
(۱) ایک ٹھوس حقیقت کی غلط تعبیر سامنے آنی چاہیے۔
(۲) دھوکہ دہی کی نیت بھی ہو۔
(۳) بے خطا فریق کو غلط تعبیر پر اعتماد ہونا چاہیے۔
(۴) بے خطا فریق کو کچھ نہ کچھ نقصان اٹھانا چاہیے۔ اس طرح محض دھوکہ دہی معاہدے کی تنسیخ کا سبب نہیں بنتی۔

اسلام ہر قسم کی فریب کاری اور دھوکہ دہی سے روکتا ہے خواہ وہ خرید وفروخت میں ہو یا لوگوں کے درمیان

دیگر معاملات میں ہو۔ مسلمان کو ہر حالت میں ایماندار اور راست رَو ہونا چاہئے اور اپنے ایمان کو ہر دنیاوی نفع سے بڑھ کر عزیز تر اور محبوب تر رکھنا چاہئے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۱) ''کاروبار میں شامل فریقین میں سے ہر فریق کو تنسیخِ معاہدہ کا حق اُس وقت تک حاصل ہے جب تک کہ وہ کاروبار سے علیحدہ نہیں ہو جاتے۔ اگر وہ سچ اور غیر مبہم بات کرنے سے کام لیں تو اُن کے کاروبار میں برکت ہو گی لیکن اگر وہ جھوٹ بولیں اور کسی نقص کو چھپائیں تو برکت اُٹھ جائے گی۔'' (بخاری)

(۲) ''کسی شے صَرف کو اس کی ہر ہر چیز واضح کئے بغیر بیچنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی اُس شخص کے لئے جو اُس کے نقائص جانتا ہے، یہ جائز ہے کہ وہ اُنہیں بیان کرنے سے کترائے۔'' (الحاکم، البیہقی)

ایک مرتبہ اناج کے تاجر کے پاس سے گزرتے ہوئے نبی مکرّم ﷺ کا تجسس بڑھا تو آپ نے اپنا دستِ مبارک اناج کے اندر ڈالا تو وہ بھیگ گیا۔ آپ نے تاجر سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ یہ بارش کی وجہ سے ہے۔ آپ نے اُسے تنبیہہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے اِسے بالائی حصّے پر کیوں نہیں رکھا تا کہ وہ لوگوں کی نظروں میں ہو؟ (یاد رکھو کہ) جو شخص ہم سے دھوکہ دہی کرتا ہے، اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (صحیح مسلم)

ایک اور روایت کے مطابق آپ ﷺ اناج کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے جسے تاجر نے حسن المنظر بنا رکھا تھا۔ آپ نے اپنا دستِ مبارک اُس ڈھیر میں داخل کیا تو اناج کو ناقص پایا۔ آپ نے تاجر کو ہدایت کی کہ ''اچھے اور ناقص اناج کو علیحدہ علیحدہ فروخت کرو۔ جو شخص ہم سے فریب کاری کرتا ہے، اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔''

فقہائے اسلام نے اسلامی فقہی ادب میں دھوکہ دہی کی مختلف روایتی صورتوں پر بحث کی ہے جن میں سے کچھ یہ ہیں:

(۱) تَسْرِیَة: یہ اونٹنی یا بھیڑ کے تھنوں کو اس طرح باندھ دینا ہے کہ جانور کا دودھ اس کے تھنوں میں جمع ہو جائے تا کہ خریدار کو یہ غلط تاثر ملے کہ جانور بہت دودھیل ہے۔ نبی علیہ السلام نے اس پریکٹس سے یوں منع فرمایا:

''اونٹنی اور بھیڑ کے تھنوں کو نہ باندھا کرو۔ اگر تم میں سے کوئی شخص ایسی اونٹنی یا بھیڑ خریدے جس کے تھن بندھے ہوئے ہوں تو اُسے دودھ دوہنے کے بعد تنسیخِ خرید کا اختیار ہے کہ وہ اس جانور کو اپنے پاس رکھے یا کھجوروں کی کچھ مقدار کے ساتھ جانور واپس کر دے (کہ اُس نے دودھ سے فائدہ بھی تو اٹھایا ہے)''
(''سُبُل السلام''۔۔۔ صَنعانی، جلد ۳، ص ۲۶)

فقہائے احناف تنسیخِ خرید کے حق میں نہیں۔ وہ دھوکہ زدہ فریق کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ فروخت کار سے ناجائز لی ہوئی رقم کی وصولی کا مطالبہ کرے۔

(۲) تَنَاجُش (False Bidding to raise Price): نیلامی میں دوسرے کو نقصان پہنچانے کی خاطر زیادہ بولی لگانا تَناجُش کہلاتا ہے اگرچہ زیادہ بولی لگانے والے کی نیت خرید کی نہیں ہوتی۔ چونکہ یہ معاہدے کو فاسد کرنے والا عامل ہے' اس لئے اس کی بھی ممانعت کر دی گئی اور اس ضمن میں نبی برحق ﷺ نے بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا:

"لوگو! اگر کوئی شخص دوسرے سے بھاؤ تاؤ کر رہا ہو تو تم بولی بڑھا کر اس میں مداخلت مت کیا کرو۔"
("سُبُل السلام"--- صَنعانی' جلد۳' ص ۱۸)

اکثر فقہاء کے نزدیک تناجُش معاہدے کو غیر معتبر اور غیر قانونی بنا دیتا ہے۔

(۳) غَبنِ فاحش: حقیقت کو چھپانے' غلط نمائندگی کرنے' دھوکہ دہی اور فریب کاری کے نتیجے میں جو نقصان ایک فریق کو پہنچتا ہے' اُسے غَبنِ فاحش کہتے ہیں۔ مثلاً الف 5,000 روپے میں خریدا ہوا کمپیوٹر 10,000 روپے میں ب کے پاس بیچتا ہے اور اُسے کہتا ہے کہ اس کمپیوٹر کی بازار کی قیمت 12,000 روپے ہے۔ ب نے الف کی بات پر اعتماد کرتے ہوئے 10,000 روپے میں اسے خرید لیا۔ اس طرح ب کو غَبنِ فاحش کی وجہ سے نقصان ہوا۔ غَبنِ فاحش 'ب' کو تنسیخِ خرید کا حق دیتا ہے۔

(۴) تَلَقّی الرُّکبان: یہ وہ کاروبار ہے جس میں کوئی چالاک و ہوشیار شہری باشندہ شہر سے باہر جا کر دیہاتی تاجر سے سستے داموں اُس کا سامان خرید کر لیتا ہے اور دیہاتی کو وہ شہر آ کر منڈی کے تازہ ترین نرخ معلوم کرنے کے موقع سے محروم کر دیتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایسے سودے سے منع فرمایا ہے اور دیہاتی تاجر کو اختیار دیتے ہوئے اُس کے منڈی پہنچنے پر تنسیخ خرید کا حق عطا کیا ہے۔

(۵) دھوکہ دہی بھی اور سامانِ فروخت میں نقص بھی (تدلیس بالعَیب): جانتے بوجھتے ہوئے کسی ناقص مال کی فروخت جائز نہیں ہے۔ خرید شدہ مال میں نقص معلوم کرنے کے بعد خریدار کو مال واپس کرنے کا پورا اختیار حاصل ہے اگرچہ اُسے اس نقص کا پہلے علم نہ تھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حینِ حیات کا ایک مشہور واقعہ کتب حدیث میں محفوظ ہے اور وہ یہ کہ جب آپ ﷺ جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اونٹوں کی فروخت کے لئے ملکِ شام کو تشریف لے جا رہے تھے تو جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کا غلام مَیسرہ آپ کے ہمراہ تھا کہ تجارتی معاملات میں آپ کا ہاتھ بٹائے۔ مَیسرہ نے ایک ایسا اونٹ جو ایک ٹانگ سے قدرے لنگڑا تھا' بیچ دیا۔ نبی مکرّم کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے مَیسرہ سے پوچھا کہ کیا تم نے خریدار کو اونٹ کے لنگڑے پن کے متعلق کچھ بتایا؟ میسرہ نے نفی میں جواب دیا۔ اس پر نبی ﷺ خریدار کے پیچھے گئے' اُسے اونٹ کا نقص بتایا اور اُسے اختیار دیا کہ وہ چاہے تو ادا شدہ رقم کی واپسی سمیت اونٹ کو واپس کر دے اور چاہے تو ادا شدہ قیمت میں کمی کرا کے اونٹ اپنے پاس رکھ لے۔ بہر حال خریدار کی تلافی کر دی گئی۔

(۶) فروخت بالاکراہ (Sale by Coercion) : اس کاروبار میں تشدّد اور اِکراہ و جبر کارفرما ہوتا ہے کہ خریدار کی مرضی کے خلاف سودے کو اُس کے سر تھونپ دیا جاتا ہے۔ اکراہ (تشدّد) کی دو صورتیں ہیں:

(i) اِکراہِ تام : اس میں زندگی یا کسی عضوِ جسمانی کا ضیاع ہوتا ہے۔ جبر و اِکراہ کے تحت کیے گئے کسی عمل کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوتی۔

(ii) اکراہِ ناقص : یہ رنج و الم کا سبب بنتا ہے جو مُکّہ بازی' تھپڑ یا بے جا قید وغیرہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اکراہِ ناقص بھی خریدار کی مرضی کو باطل کر دیتا ہے البتہ وہ فریق جس پر تشدّد اور اِکراہ ہوا' اُسے اپنی آزادانہ رضامندی کے استعمال کا اختیار اب بھی حاصل ہے۔

(۷) ناپ تول اور وزن میں کمی : اس بُرائی اور اس پر وارد قرآنی وعید کی تفصیل صفحات ۵۶۲ تا ۵۶۴ پر دی جا چکی ہے۔

بالخصوص تاجر برادری کے لئے یہاں دو باتیں لائقِ توجہ ہیں : (۱) ناپ تول اور وزن میں کمی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی ناپسندیدہ اور مکروہ بُرائی ہے کہ اُس کی بیخ کُنی کے لئے اُس نے نبی جیسی برگزیدہ ہستی (یعنی شعیب علیہ السلام) کو بھیجا۔ (۲) اسلام نے اپنے ماننے والوں کے لئے اُن کے روزمرّہ معاملات میں دوہرا معیار مقرر نہیں کیا کہ ایک اپنے مفاد کے لئے اور دوسرا اپنے بھائی بندوں (کو نقصان پہنچانے) کے لئے ہو۔

''دلاّلی اور کمیشن کا جواز : چونکہ دلاّل بائع اور مشتری کے درمیان سودا کرانے میں ایک واسطہ اور ذریعہ ہوتا ہے' اس لئے اُس کی دلاّلی اور کمیشن قانونی طور پر جائز ہیں۔ یہ دلاّلی اکثر اوقات فریقین میں سے دونوں یا کم از کم ایک فریق کے لئے نفع بخش ثابت ہوتی ہے۔''

''تجارت اور سوداگری کی پیچیدگیوں کی وجہ سے دَورِ جدید میں واسطے کے اِن آدمیوں (یعنی دلاّلوں) کی زمانۂ ماضی کی نسبت زیادہ ضرورت ہے۔ درآمدات' برآمدات اور تھوک و پرچون خرید و فروخت میں یہ دلاّل تجارتی پہیے کو صحیح ڈگر پر چلانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس لئے دلاّل کا اپنی خدمات کے عوض کمیشن وصول کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ کمیشن کی رقم متعیّن بھی کی جا سکتی ہے یا اشیائے فروخت کی مقدار کے تناسب سے یا جس طرح فریق معاملہ چاہیں' کمیشن کا تعیّن کیا جا سکتا ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے:

''حضرات ابن سیرین' عطا' ابراہیم اور حسن رحمۃ اللہ علیہم دلاّل کی کمیشن میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنھما نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی سے یہ کہے کہ اس لبادے کو فروخت کر دو اور اگر تم اسے اس قیمت سے زیادہ پر بیچو تو زائد رقم اپنے پاس رکھ لو' تو ایسا کہنے میں کوئی بُرائی نہیں۔'' (''الحلال والحرام فی الاسلام'' (انگریزی ترجمہ) ۔۔ یوسف القرضاوی ص ص ۲۵۹' ۲۶۰)

(۸) اجارہ داری کا کاروبار (احتکار Monopoly Business): چونکہ اجارہ داری کا مطلب سامانِ رسد پر کنٹرول ہے' اس لئے قیمتوں پر کنٹرول بھی اجارہ داری کے ضمن میں آتا ہے۔اسی وجہ سے استحصال (یعنی ناواجب طور پر دوسرے کو نقصان پہنچا کر اپنا فائدہ کرنا) کا اجارہ داری کے ساتھ قریبی تعلق ہے۔سورہ ھُود کی آیت ۸۵ نے (جس کا ذکر صفحہ ۵۶۳ کے آغاز میں ہوا) غالباً اجارہ داری ہی کو جڑ سے کاٹا ہے۔اسلامی اقتصادیات کا اوّل و آخر مقصد زیادہ سے زیادہ سماجی فلاح و بہبود کا حصول ہے۔چونکہ اُس اقتصادی نظام میں جس پر اجارہ داری کا قبضہ ہو' سماجی فلاح و بہبود کے اصول کی نفی ہے' اس لئے اسے اسلامی نہیں کہا جا سکتا۔غالباً قرآنِ حکیم قوم عاد کے اسی اجارہ دارانہ نظام کی طرف اشارہ کر رہا ہے جب اُن کے ہم عصر پیغمبر ھُود علیہ السلام نے اُنہیں اُن کی بدعملیوں کے سبب عذابِ الٰہی سے ڈراتے ہوئے فرمایا:

وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ٥ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ٥ وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ٥ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ٥ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ٥ إِنِّيْٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ٥ (الشّعراء: ۱۳۵-۱۳۰)

"جب تم کسی پر گرفت کرتے ہو تو بڑے ظالم اور بے درد بن کر کرتے ہو' سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔اور اُس سے ڈرو جس نے تمہاری مدد اُن چیزوں سے کی جنہیں تم جانتے ہو۔اُس نے تمہاری مدد مویشیوں' بیٹوں' باغوں اور چشموں سے کی۔ مجھے تمہارے بارے میں بڑے سخت دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔"

ذرا غور تو کیجئے اُس اجارہ دارانہ ذہنیت کی طرف جس کا نقشہ ان سے اگلی آیات ۱۳۶ تا ۱۳۹ میں کھینچا گیا ہے اور جو ہر اصلاحی تحریک کے خلاف دَورِ جدید کی نفرت سے مشابہ ہے۔تحکمانہ انداز میں اُنہوں نے اِصلاحِ نفس کے تمام دروازے اپنے اوپر خود ہی بند کر لئے جیسا کہ ہر دَور میں باطل کا شیوہ رہا ہے۔اُن کی اِس سینہ زوری کے جواب میں قدرت کا فیصلہ بھی دیکھتے جایئے:۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوَاعِظِيْنَ ٥ إِنْ هٰذَآ إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِيْنَ ٥ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ٥ فَكَذَّبُوْهُ فَأَهْلَكْنٰهُمْ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ٥ (الشّعراء)

"کہنے لگے خواہ تم نصیحت کرو یا ناصح نہ بنو ہمارے لئے برابر ہے۔یہ تو بس اگلے لوگوں کی ایک رسم ہے اور ہمیں ہرگز عذاب ہونے کا نہیں۔غرض اُنہوں نے ہود کو جھٹلایا جس کے نتیجہ میں ہم نے اُنہیں ہلاک کر دیا۔بے شک اس میں (بڑا) نشان ہے لیکن اُن میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے۔"

اشیائے ضرورت کی قیمتوں پر کنٹرول: جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی اس مسئلہ پر یوں رقم طراز ہیں:

"علماء کی طرف سے قیمتوں پر کنٹرول سے متعلق تجاویز کا مقصد ہنگامی صورتِ حال سے وقتی طور پر نمٹنا ہے۔اس حقیقت سے انکار نہیں کہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ اصولِ رسد اور طلب کی رُو سے قیمتیں اپنی قدرتی نہج پر رہیں جس کی تائید حضرات ابو ہریرہ اور انس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔امام ابو حنیفہ قیمتوں کے کنٹرول کے حق میں نہیں۔آج کی مشکل یہ ہے کہ اجارہ داریوں کا توڑنا اور انہیں آزاد مسابقت میں بدلنے کا کام راتوں رات تو ہو نہیں سکتا۔"

''اس میں کوئی شک نہیں کہ درآمدات و برآمدات پر موجودہ پابندیوں کا دولت کی غیر متوازن تقسیم میں ہاتھ ہے لیکن اگر غیر ملکی تجارت سے پابندیاں اٹھالی جائیں اور اُسے بالکل آزاد کر دیا جائے تو غیر ملکی زرِ مبادلہ آئے گا کہاں سے؟ لہٰذا غیر ملکی تجارت کو پابندیوں سے آزاد کرنے سے پہلے آزاد تجارت کی مشکلات پر قابو پانا ہوگا اور یہ وقت طلب بات ہے۔ پرائس کنٹرول کو اُس وقت تک برداشت کرنا ہوگا جب تک اجارہ داری کا مکمل طور پر خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ امام ابوحنیفہ اگرچہ پرائس کنٹرول کے حق میں نہیں ہیں، تاہم اُن کا بیان ہے:

فَإِنْ كَانَ أَرْبَابُ الطَّعَامِ يَتَحَكَّمُونَ وَيَتَعَدَّوْنَ عَنِ الْقِيمَةِ تَعَدِّيًا فَاحِشًا وَعَجزَ الْقَاضِي عَنْ صِيَانَةِ حُقُوقِ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا بَالتَّسْعِيرِ فَحِينَئِذٍ لَابَأْسَ بِهِ بِمَشْوَرَةٍ مِنْ أَهْلِ الرَّاءِ وَالْبَصِيرَةِ

''اگر گندم کے مالکان اجارہ دار بن جائیں اور حدودِ اخلاق سے تجاوز کر جائیں اور قاضی بھی مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرنے سے قاصر رہے الّا یہ کہ وہ پرائس کنٹرول سے کام لے، تو وہ اصحابِ رائے اور بصیرت سے مشورہ کرنے کے بعد ایسا کر سکتا ہے۔''

"اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ پرائس کنٹرول کا جواز حالات کی مجبوری کے تحت ہے۔ لیکن جب اجارہ داریاں ختم ہو جائیں اور قومی اقتصادیات اپنی قدرتی نہج پر آجائے تو پرائس کنٹرول ناموافق ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ آزاد تجارت کے حالات پیدا کرے تاکہ قیمتوں کے نرخ اپنی قدرتی نہج پر جاری و ساری ہوں اور اُن کے کنٹرول کی ضرورت پیش نہ آئے۔''
("Our Socio-Economic Order" --- Justice Mufti Muhammad Taqi Usmani, pp. 51, 52) Lahore, 2001.

(۹) DUMPING (ملک کے اندر ناقابلِ فروخت مال سستے داموں بیرونی منڈی میں لے آنا تاکہ اندرونِ ملک قیمت کم نہ ہو)

اس کا اصل مقصد ایسے اقتصادی نظام کا حصول ہے جس پر اجارہ داری غالب ہو اور اس مقصد کو مقامی اور غیر ملکی صنعت کاروں کو قومی اور بین الاقوامی میدانوں سے نکال باہر کرنے کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے اور اس طرح وسیع حد تک لوگوں کا استحصال کیا جاتا ہے۔ یہ بات فلاحِ عامّہ کے خلاف ہے اور اس قسم کے عمل میں ملوّث لوگ اپنے ابنائے جنس کی مشکلات اور مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ محض زبردست نفع کمانے کی خاطر وہ قیمتوں کو گرنے نہیں دیتے اور اسی لئے اس قسم کی تجارت روحِ اسلامی کے منافی ہے۔

ڈمپنگ کا انتہائی غیر انسانی پہلو اشیائے ضرورت کو پیدا کرنے کے بعد اُن کا تلف کرنا ہے۔ John Gunther برازیل کافی کی کہانی کو یوں بیان کرتے ہیں:۔

''سب سے بڑی مشکل جس کا سامنا برازیل نے کیا، یہ تھی کہ وہ ۱۹۱۴ء میں تیار کردہ کافی کی اُن چالیس لاکھ زائد تھیلیوں کو کیسے تلف کرے جس کا مقصد قیمتوں کو نیچے گرنے سے روکنا تھا۔''
("Inside Latin America" --- John Gunther, p. 315)

''اسی طرح سال ۱۹۳۴ء میں لیور پول کے ساحل سمندر میں دس لاکھ مالٹے رسد کو روکنے اور قیمتوں کو گرنے سے روکنے کے لئے ڈمپ کئے گئے۔ بھارت' سری لنکا اور ڈچ انڈیا میں ۱۲۱ ملین پاؤنڈ چائے کی بندش کے احکامات جاری کئے جاتے ہیں۔'' ("Introduction to Socialism" --- H. M. Mukerjee, p. 16)

(۱۰) مالِ مسروق کی خرید : جرم کا مقابلہ کرنے اور مجرموں کو ایک انتہائی دائرۂ عمل میں محدود کرنے کے لئے اسلام نے مسلمان کو ہر اُس چیز کے خریدنے سے روک دیا ہے جس کا اُسے علم ہے کہ وہ غصب شدہ' چوری شدہ ہے یا اُس کے مالک سے ناجائز طور پر ہتھیائی گئی ہے اور جو شخص جان بوجھ کر اسے خریدتا ہے تو وہ غاصب یا چور کی معاونت کرتا ہے۔ پیغمبرِ اسلام ﷺ نے فرمایا:۔

''جو شخص مالِ مسروق کو یہ جانتے ہوئے کہ وہ چوری کا ہے' خریدتا ہے وہ گناہ اور چوری کی بے شرمی میں (برابر کا) شریک ہے۔'' (البیہقی)

''وقت کا گزر جانا کسی چوری شدہ یا غبن شدہ شے کو جائز نہیں کر دیتا کیونکہ اسلام میں محض وقت کا گزر جانا کسی حرام شے کو نہ تو حلال کرتا ہے اور نہ ہی اصل مالک کو اس کے حق سے محروم کرتا ہے۔'' (یوسف القرضاوی ص ۲۶۴)

(۱۱) سُودی کاروبار : قرآنِ حکیم میں سود کے لئے ربٰو کا لفظ آیا ہے۔ ربٰو کا مصدر انتہا' بڑھوتری' شمولیت اور اضافہ سب کو محیط ہے۔ لہٰذا ربٰو کے معنی بڑھنا' پھلنا پھولنا اور اضافہ پذیر ہونے کے ہیں۔ قرآنِ حکیم میں جہاں کہیں بھی اس مصدر سے یہ لفظ آیا ہے' اُنہی معنی مذکور میں آیا ہے۔ مثلاً

(۱) يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ (البقرة : ۲۷۶)

''اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔''

(۲) فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا (الرّعد : ۱۳)

''پھر اُس سیلاب نے جھاگ کو اوپر اُٹھالیا۔''

(۳) فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ○ (الحجّ : ۵)

''پھر جب ہم اُس پر پانی برساتے ہیں تو وہ اُبھرتی ہے' پھلتی پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اگاتی ہے۔''

(۴) وَآوَيْنٰهُمَا إِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ○ (المؤمنون : ۵۰)

''پھر ہم نے اُن دونوں (عیسٰی علیہ السلام اور اُن کی والدہ) کو بلند زمین پر پناہ دی جو ٹھہرنے کے قابل اور شاداب تھی۔''

(۵) وَمَا آتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ (الرُّوم : ۳۹)

''اور تم جو چیز اِس غرض سے دو گے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جائے تو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتی۔''

اصطلاح میں لفظ ربٰو کا معنی دولت اور اصل زر میں اضافہ کا ہے۔ جیسا کہ امام راغب نے ''مفردات القرآن''

میں فرمایا: اَلرِّبٰو ھُوَ الزِّیَادَۃُ عَلٰی رَأْسِ الْمَالِ۔ قرآن مجید نے ایک اور مقام پر یہ لفظ (بمعنی سود) استعمال کیا ہے:
وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ٥ (البقرۃ: ۲۷۸)
''اگر تم ایمان والے ہو تو جو کچھ سود کا بقایا ہے' اُسے چھوڑ دو۔''

آیاتِ بالا سے معلوم ہوا کہ اصل زر میں بڑھوتری اور اضافہ رِبٰو کہلاتا ہے۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر قسم کے اضافے کو یقیناً ناجائز نہیں کہہ سکتے کیونکہ اضافہِ زر کاروبار میں بھی ہوتا ہے جسے اسلام نے حلال کیا ہے۔ لہٰذا قرآنِ حکیم نے جس اضافے کو ناجائز کہا ہے' وہ ایک مخصوص قسم کا ہے جسے رِبٰو کا نام دیا گیا ہے۔

''سود وہ رقم ہے جو مقررہ وقت پر مقررہ اور متعیّن شرح کے مطابق اُدھار دینے والے کو ادا کی جاتی ہے۔''
(''احکام القرآن'' لابی بکر جصاص' جلد اوّل' صفحہ ۴۶۳)

<u>رِبٰو کی لغوی تعریف</u>: ''ہر وہ اُدھار جس کے ذریعے اضافی رقم وصول کی جائے' رِبٰو ہے۔
(''تاج العروس'' لزجاج: ''لسان العرب'' لابن منظور افریقی)

اسلام میں تجارت کے ذریعے مال میں اضافہ سود میں حاصل شدہ اضافے سے مختلف ہے۔ اوّل الذکر جائز اور حلال ہے جبکہ مؤخر الذکر ناجائز اور حرام ہے جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:
ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرۃ: ۲۷۵)
''یہ سزا اس لئے ہوگی کہ سود خور کہتے ہیں کہ خرید وفروخت بھی تو سُود ہی کی طرح ہے۔ حالانکہ اللہ نے خرید وفروخت کو حلال کیا ہے اور سُود کو حرام کیا ہے۔''

آج کل کے ''روشن خیالوں'' کی طرح اُس زمانہ کے کوتاہ عقلوں کا بھی کہنا یہ تھا کہ مالی نفع آخر تجارت میں بھی ہوتا ہے' تو جب تجارت حرام نہیں تو سُود کیوں حرام ہو؟ اُن نافہموں نے اس حقیقت کو بالکل فراموش کر دیا تھا کہ دونوں کی ایک جیسی سطح نہ اَخلاقی حیثیت سے ہے اور نہ معاشی حیثیت سے۔ سُود کی تو ایک متعیّن رقم بے کھٹکے ہر حال میں مہاجن کو ملتی رہتی ہے برخلاف اس کے تجارت میں نفع ونقصان دونوں کے احتمالات ہر وقت لگے رہتے ہیں اور تاجر کو نقصان سے بچنے کے لئے وقت' محنت' ذہانت سب کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ پھر تجارتی معاملت تو ہر وقت ختم ہو جاتی ہے برخلاف اس کے مُدّت اور مہلت کے ساتھ سود خور کے مطالبات کی میزان بھی بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اکثر اوقات قرضدار کی نوبت بالکل تباہ حالی اور بربادی کو پہنچ جاتی ہے۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے تفسیر کبیر میں حُرمتِ سود کے جو عقلی دلائل لکھے ہیں وہ طرزِ ادا و تعبیر کی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ آج بھی پوری طرح پڑھنے کے قابل ہیں۔ اُنہوں نے نمبر اوّل پر یہ بالکل صحیح لکھا ہے کہ سود کی رقم آخر کس چیز کا معاوضہ ہوتی ہے؟ بجز مفت خوری کی بدترین شکل کے اور یہ ہے کیا؟ (ماجدی)

امام رازی کی تحقیق کے مطابق زمانہ جاہلیت کے لوگوں کا یہ دستور تھا کہ وہ ایک شخص کو کچھ رقم ایک مقررہ وقت تک کے لئے اُدھار دیتے اور پھر اُس سے ہر ماہ ایک طے شدہ رقم بطور سود لے لیتے۔ وقتِ مقررہ کی میعاد کے اختتام پر قرضخواہ اپنے اصل زر کی واپسی کا مطالبہ کرتا۔ اگر مقروض اُسے ادا نہ کرسکتا تو اُسے ایک اور عرصہ مہلت دیا جاتا اور اِس طرح سود کی رقم بڑھتی رہتی۔'' (تفسیر کبیر' جلد دوم' صفحہ ۳۵۱ بحوالہ "Economic System of Islam" ... Sayyid Maudoodi, pp. 161, 162)

قرآنِ حکیم اور پیغمبرِ اسلام ﷺ نے سود اور سود خواروں کے خلاف اعلانِ جنگ فرمایا۔ سُود کے معاشرتی نقصانات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''جب کسی معاشرے میں سود اور زِنا ظاہر ہو جائیں تو اُس معاشرے کے لوگ اپنے آپ کو عذابِ الٰہی کا مستحق بنا لیتے ہیں۔'' (مستدرک للحاکم)

<u>سود کی ممانعت میں حکمت</u> : اسلام میں سود کی سخت ممانعت ہے جو انسان کی اَخلاقی' معاشی اور اقتصادی فلاح و بہبود میں اسلام کی گہری دلچسپی کا نتیجہ ہے۔ علمائے اسلام نے اس کی ممانعت میں حکمت کے ٹھوس دلائل دیے ہیں اور جدید تحقیقات نے کچھ مزید اضافوں اور توسیعات کے ساتھ اُن کی آراء کی توثیق کر دی ہے۔ ہم اپنے بیان کو امام رازی کی ''تفسیر کبیر'' تک ہی محدود رکھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں :

(۱) سود لینے کا مطلب دوسرے کے مال کو ہتھیانا ہے بغیر اس کے کہ اُسے کوئی چیز بطورِ متبادل دی جائے۔ کیونکہ جو شخص ایک درہم دو درہموں کے بدلے میں ادھار دیتا ہے' تو وہ ایک درہم خواہ مخواہ زائد لیتا ہے۔ ایک آدمی کا مال اور اُس کا اثاثہ اُس کی ضروریات کی تکمیل کے لئے ہوتے ہیں اور بروئے حدیث تقدس کا درجہ رکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کا مال اتنا ہی محترم ہے جتنا کہ اس کا خون۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس اثاثے کو بغیر کسی متبادل چیز کے اُس سے لینا حرام ہے۔

(۲) سود پر انحصار لوگوں کو کام کاج سے کاہل بنا دیتا ہے کیونکہ مالدار آدمی اپنے مال کو سود پر دے کر مفت میں مزید مال کماتا ہے خواہ یہ کمائی پیشگی ہو یا بعد میں ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک محنت اور کام کاج کی قدر و منزلت کم ہو جاتی ہے اور وہ اپنے سرمائے کو تجارت یا صنعت میں لگانے کا خطرہ مول نہیں لیتا۔ یہ رجحان لوگوں کو مفاداتِ مختلفہ سے محروم کر دیتا ہے۔ کاروبارِ دنیا صنعتوں' تجارت' سوداگری اور تعمیراتی منصوبوں کے بغیر چل نہیں سکتا اور یہ سب منصوبے مال کو خطرے میں لگانے کے متقاضی ہیں (اقتصادی نقطہ نظر سے یہ دلیل غیر متنازعہ طور پر باوزن ہے)

(۳) اسلامی تقاضے کے برعکس سود لوگوں کی ایک دوسرے سے نیکی اور حسنِ سلوک کرنے کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔

اگر کسی معاشرے سے سود کو ختم کر دیا جائے تو لوگ ضرور تمندوں کو خوش دلی سے ادھار دیں گے اور اُس دئے ہوئے ادھار پر کسی بڑھوتری کی توقع بھی نہیں رکھیں گے۔ اس کے برعکس سودی معاشرے میں مقروض کو ادھار پر لی گئی رقم پر سود کی شکل میں اضافی رقم دینا پڑتی ہے جس سے قرضخواہ کے بارے میں اُس کے خوش دلی اور بھائی بندی کے جذبات کو ٹھیس لگتی ہے (اور یہ سود کی ممانعت کا اخلاقی پہلو ہے۔)

(۴) قرض خواہ زیادہ سے زیادہ امیر اور مقروض زیادہ سے زیادہ غریب ہوتا چلا جاتا ہے۔ سود کے جواز کی صورت میں امیر آدمی غریب شخص کا استحصال کرتا ہے اور یہ چیز رحم اور خیر کی رُوح سے متصادم ہے۔ (یہ سود کی ممانعت کا سماجی پہلو ہے۔)

''پس جس معاشرے میں سود قانونی طور پر جائز ہو وہاں طاقتور لوگ کمزور آدمی کی ابتلا اور تنگ دستی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ امیر' امیر سے امیر تر اور غریب' غریب سے غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے جس سے معاشی ناہمواریاں جنم لے کر مسلسل بڑھتی ہی چلی جاتی ہیں۔ قدرتی بات ہے کہ یہ ناہمواری غریب کو امیر سے متنفر کر دیتی ہے اور امیر کو غریب کے بارے میں سنگدل اور بے رحم بنا دیتی ہے۔ جھگڑے اور آویزشیں سر اُٹھاتی ہیں' سماجی اقتصادی ڈھانچہ ٹوٹ کے رہ جاتا ہے' انقلاب جنم لیتے ہیں اور معاشرتی نظم وضبط کو دھچکا لگتا ہے۔ جدید تاریخ اُن قوموں کے سکون واستحکام کو درپیش خطرات کو اجاگر کرتی ہے جہاں کی اقتصادیات کی بنیاد سود پر ہے۔'' (یوسف القرضاوی ص ص ۲۶۵' ۲۶۶)

''اسلام سود کے گناہ کو صرف قرض خواہ پر ہی لاگو نہیں کرتا بلکہ اسلام کی نظر میں مقروض جو اُسے سود ادا کرتا ہے' سودی دستاویز کا لکھنے والا اور اس پر گواہ سب کے سب مجرم ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا :

''اللہ تعالیٰ نے سود لینے والے کو' سود دینے والے کو' سودی معاہدہ لکھنے والے کو اور اس معاہدہ کے گواہ کو اپنی رحمت سے دُور کر دیا ہے۔'' (احمد' ابوداوٗد' النسائی' ابن ماجہ' ترمذی)

''تاہم اگر کوئی اضطراری حالات کے تحت کسی مجبوری میں سود پر رقم لینے پر مجبور ہو جائے تو گناہ صرف قرض خواہ پر ہوگا۔ اب اس اضطراری ضرورت کو ثابت کرنے کے لئے کچھ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے جو یہ ہیں:

(۱) ضرورت شریعت کی نظر میں حقیقی ہو نہ کہ فضول خرچی اور تعیش پر مبنی۔ روٹی' کپڑا اور طبی علاج جیسی بنیادی ضرورتوں پر مبنی ہو کہ جن کے بغیر زندگی ممکن ہی نہیں۔

(۲) یہ رعایت بغیر کسی اضافے کے ٹھیک ٹھیک رقم کے ساتھ مختص ہے مثلاً اگر نو ڈالر ادھار سے کام چل سکتا ہے تو دس ڈالر ادھار لینا جائز نہ ہوگا۔

(۳) مقروض کو اس مشکل وقت سے نکلنے کے لئے جہدِ مسلسل کرتے رہنا چاہئے اور اس کے مسلمان بھائیوں

برس کی عمر تک) بلا ناغہ وہ محض رضائے الٰہی کی خاطر تراویح پڑھاتے چلے آرہے ہیں اور عرصہ سترہ سال سے سنائی گئی منزل کا ترجمہ اور تفسیر بھی کرتے چلے آرہے ہیں۔ اِس تمام کارِ خیر میں کوئی مالی طمع یا مادّی منفعت نام کو نہیں ہوتے جو ایک ایسی صفت ہے جو آج کے مادّی دَور میں ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ اُن کے والدِ محترم اور نانا جانِ مکرّم ۔۔ رحمت اللہ خان ۔۔ جو ہم نام تھے' دونوں ملتان کے سربرآوردہ مشیرانِ قانون تھے۔

میٹرک سے لے کر ایم اے تک پروفیسر موصوف کا تعلیمی ریکارڈ قابلِ رشک رہا اور بورڈ ریونیورسٹی کے ہر امتحان میں وہ اعلیٰ فرسٹ ڈویژن نمایاں امتیاز کے ساتھ حاصل کرتے رہے۔ 1962ء میں یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور سے ایم اے عربی نمایاں امتیاز میں پاس کرنے کے بعد اُنہوں نے اڑھائی برس تک ولایت حسین اسلامیہ ڈگری کالج' ملتان میں بطور لیکچرار (عربی وعلوم اسلامیہ) تدریسی خدمات انجام دیں اور مئی 1966ء میں پبلک سروس کمیشن کی طرف سے سرکاری ملازمت ملنے پر گورنمنٹ ڈگری کالج ڈیرہ اسمٰعیل خان (صوبہ سرحد) میں بطور لیکچرار اِن عربک تعینات ہوئے۔ انہوں نے دوسرا ایم اے علوم اسلامیہ میں پنجاب یونیورسٹی سے پرائیویٹ طور پر 1966ء میں فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ گورنمنٹ کالج علی پور اور گورنمنٹ کالج مظفر گڑھ دونوں کالجوں میں ڈیڑھ ڈیڑھ سال بطور عربی لیکچرار خدمات انجام دیں۔ 1969ء میں اُن کا مظفر گڑھ سے گورنمنٹ ایمرسن کالج ملتان میں تبادلہ ہوا جہاں اُن کا عرصہ قیام ساڑھے ستائیس برس کا ہے۔ اُسی کالج سے اُنہوں نے مئی 1997ء میں بطور ایسوسی ایٹ پروفیسر گریڈ 20 میں ڈیڑھ سال قبل از وقت (Pre-mature) ریٹائرمنٹ لی۔

لسانِ عربی پروفیسر موصوف کا شروع ہی سے انتہائی پسندیدہ اور دلچسپی کا مضمون رہا ہے۔ اپنے طالب علمی کے زمانہ ہی سے اُن کی دلی آرزو تھی کہ اَحْکَمُ الْحَاکِمِین کے آخری نسخہِ بے بہا ۔۔ قرآنِ مبین ۔۔ کے نوادرات وعجائبات کو طشت از بام کیا جائے اور بھولی بھٹکی انسانیت کو ایک نئی جہت سے مشعلِ راہ دکھائی جائے۔ ملازمت کے دوران کچھ گھریلو ذمہ داریوں اور دیگر مسائل نے اُن کی اِس آرزو کو شرمندۂ تعبیر ہونے کا موقع نہ دیا لیکن بندے میں جذبہ صادق اور پُر خلوص لگن ہو تو دستِ غیب خود مدد فرماتا ہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد قدرت نے موقع دیا اور اُس وقت (1997ء) سے لے کر اب تک وہ اسی کام کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں۔ بحمدہٖ تعالیٰ حصہ انگریزی کی پانچ جلدیں چھپ کر منصۂ شہود پر آچکی ہیں اور اُس کی آخری جلد (ششم) نظرِ ثانی کے مراحل میں ہے جو انشاء اللہ چند ماہ تک قارئین کے ہاتھوں میں ہوگی۔ موجودہ حصہ اردو جو حصہ انگریزی کا ترجمہ ہے' بھی اُسی کاوش کا ایک حصہ ہے۔

جناب پروفیسر موصوف کی تحریر وتقریر دونوں میں جو خاص بات راقم الحروف نے معلوم کی' وہ یہ کہ ہر دو میدانوں میں وہ کوئی بات بغیر دلیلِ قطعی (Cogent Argument) کے نہیں کرتے۔ اُنہوں نے قرآن مجید کی

کو اس بارے میں اس کی مدد کرنی چاہئے۔ اگر اسے اُس مشکل سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ملتی تو اُسے سود کراہتاً لینا چاہئے نہ کہ پسندیدگی کی نظر سے اور یہ بھی کہ وہ حدود سے تجاوز نہیں کرے گا اور رب تعالیٰ سے معافی کا خواستگار اور امیدوار رہے گا کیونکہ گناہوں کا معاف کرنے والا صرف اور صرف وہی ہے۔ سود کے خلاف اس کی نفرت مسلسل ہونی چاہئے یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لئے کوئی سبیل پیدا فرمادے گا۔'' (القرضاوی: ۲۶۷)

اعتدال کی زندگی قرض سے تحفظ کی ضمانت : اسلام مسلمان کو اپنے طریقِ حیات میں معتدل رہنے اور اپنے مالی معاملات میں کفایت شعاری کا حکم دیتا ہے (حوالہ سورۃ الانعام: ۱۴۱؛ سورۃ الاعراف: ۳۱؛ سورۃ الاسراء: ۲۶، ۲۷؛ سورۃ الفرقان: ۶۷)۔ قرآنِ حکیم نے مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں بھی سارے کا سارا مال خرچ کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ اُس مال کے کچھ اور جزوی حصہ کے خرچ کرنے کا کہا (اس لئے کہ مِنْ کا لفظ اُس کی بعضیت اور جُزوئیت کی طرف اشارہ کر رہا ہے)۔ اگر کوئی شخص اپنی کمائی کا جزوی حصہ خرچ کرے تو وہ کبھی بھی تنگ دست نہ ہوگا۔ اس طرح مسلمان اپنی زندگی میں معتدل طرزِ زندگی اور اپنے اخراجات کو کنٹرول کرنے کی وجہ سے قرض لینے پر مجبور نہ ہوگا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمان کے مقروض ہونے کو ناپسند فرمایا ہے کیونکہ قرض رات کو پریشانی اور دن میں شرمندگی کا موجب بنتا ہے۔ آپ ﷺ ہمیشہ قرض سے یوں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرتے تھے:

''اے اللہ! میں قرض کے بوجھ اور لوگوں کی خفگی سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔''

''اشاریہ سازی (Indexation) اور سُود : افراطِ زر اور اُس کے نتیجے میں قوتِ خرید پر مرتّب ہونے والے اثرات کا مسئلہ دَورِ حاضر کا ایک اہم مسئلہ ہے جس سے فقہائے اسلام دوچار ہیں۔ افراطِ زر لازمی طور پر قرضخواہ کے مفادات کو دھچکا لگاتا ہے کیونکہ وہ قوتِ خرید کے حوالے سے رقم کی وصولی کے وقت اُس رقم سے کم وصول کرتا ہے جو اُس نے قرض میں دی تھی۔ فرض کریں کہ ایک شخص ایک سال کے لئے کسی سے ایک ہزار روپے قرض لیتا ہے۔ سال بعد روپے کی قیمت دس فیصد کم ہو جاتی ہے۔ اب اگر مقروض بروئے معاہدہ قرضخواہ کو ایک ہزار روپے ادا کرتا ہے تو دراصل وہ اُسے صرف نوسو روپے ادا کر رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ رقم کی قوتِ خرید کے حوالے سے وہ اُسے قرض لی گئی رقم سے کم ادا کر رہا ہے۔''

''اِس مسئلہ کے حل کے لئے کچھ فقہائے کرام کی تجویز ہے کہ مقروض (افراطِ زر کی وجہ سے) کم دی جانے والی رقم کی تلافی کے لئے کچھ مناسب رقم اپنے قرضخواہ کو زائد دے تاکہ اُسے نقصان نہ ہو۔ اس مقصد کے لئے فقہاء نے تجویز کیا ہے کہ افراطِ زر کی شرح سے قرضوں کی اشاریہ سازی (Indexation) کی جائے۔

''علمائے اسلام قرضوں کی اشاریہ سازی کے جواز کی بابت باہم مختلف الآراء ہیں۔ علماء کی ایک جماعت اشاریہ سازی کی حمایت میں ہے اور وہ اس میں کوئی خلافِ شریعت بات نہیں پاتے۔ اس کے برعکس کچھ علماء کا کہنا ہے کہ اشاریہ سازی کا نظریہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اسلامک آئیڈیالوجی آف پاکستان کی مجلس نے بھی اس کی مخالفت کی ہے اور یہی نظریہ فیڈرل شریعت کورٹ آف پاکستان کا ہے۔''

''اشاریہ سازی (Indexation) کے حق میں دلائل

''(۱) اشاریہ سازی منصفانہ اور حق وصداقت پر مبنی عمل ہے: باہمی معاملات میں حق وانصاف اسلام کے اقتصادی نظام کا سنگِ بنیاد ہے۔ قرآن مؤمنوں کو بار بار یہ حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے معاملات میں انصاف اور راست روی سے کام لیں (بحوالہ سورۃ البقرۃ: ۲۷۹ ؛ سورۃ المائدۃ: ۸ ؛ سورۃ النحل: ۹۰)۔ یہ بات بلا شک وشبہ سچ ہے کہ افراطِ زر قرضخواہ سے بے انصافی اور عدمِ حق کا باعث بنتی ہے جبکہ اشاریہ سازی اُس کے نقصان کی تلافی کر دیتی ہے۔''

''(۲) دفعِ ضرر کا اصول: اسلامی شریعت کا یہ مسلمہ اُصول ہے کہ افراد نہ تو کسی کو نقصان پہنچائیں اور نہ ہی اُنہیں نقصان پہنچایا جائے۔ اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: لَاضَرَرَ وَلَاضِرَار (ابن ماجہ، دارقطنی، مؤطا امام مالک)۔ افراطِ زر مالیاتی وصولیاں میں نقصان کا موجب بنتی ہے جبکہ اشاریہ سازی ایسے نقصان سے تحفظ کا باعث بنتی ہے۔''

''(۳) ناپ تول اور وزن کا پورا پورا ہونا: اسلام نے ناپ تول میں کمی سے سخت منع کیا ہے کہ اس سے دوسروں کا حق غصب ہوتا ہے (بحوالہ سورۃ الانعام: ۱۵۲)۔ ناپ تول اور وزن کو پورا کرنے کی قرآنی ہدایات روایتی ناپ تول تک محدود نہیں ہیں بلکہ یہ تمام اقدارِ پیائش و وزن کو حاوی ہیں۔ جدید معاشیات میں زر (رقم) قدر کو ماپنے کا بڑا ذریعہ ہے۔ اب افراطِ زر کے دَور میں رقم حاصل کرنے والے کو وہ رقم نہیں ملتی جس کا وہ حقدار ہے۔ اشاریہ سازی صورتِ حال کو درست کر دیتی ہے۔'' -- ("Inflation, Indexation and Role of Money" Munawar Iqbal -- quoted by Dr. Mansuri)

''اشاریہ سازی (Indexation) کی مخالفت میں دلائل

اشاریہ سازی کے مخالفین کا بڑا اعتراض یہ ہے کہ اشاریہ سازی میں قرضوں پر ایک (غیر حقیقی) مفروضے کی بنیاد پر زائد رقم دی جاتی ہے لہٰذا یہ ربو (سُود) کی ایک شکل ہے۔ افراطِ زر کے نتیجے میں قرضخواہ جو نقصان اٹھاتا ہے، اُس کی تلافی کئے جانے کو وہ تسلیم نہیں کرتے۔ اسلامی نقطہ نظر سے وہ اشاریہ سازی میں مندرجہ ذیل نقائص اور کمزوریاں پاتے ہیں:۔

(۱) غیر یقینی کیفیت (غَرار) اور حقائق سے لاعلمی (جَھل): شریعتِ اسلامی کا تقاضا یہ ہے کہ تمام عقودُ المعاوضات (Exchange Contracts) میں ہر دو اقدار (دینا اور لینا) کو واضح طور پر مقرر ہونا چاہئے۔ فقہائے اسلام اس نکتے پر متفق ہیں کہ مؤخر ادائیگی کی فروخت میں اگر خرید کی قیمت مقرر نہیں کی گئی تو یہ معاہدے کو نامعتبر کر دے گی۔''

ابنِ عابدین لکھتے ہیں:

''فروخت کے معاہدے کے قانونی اور معتبر ہونے کے لئے قیمت کا تعین ضروری ہے۔ اگر قیمت کا تعین نہیں کیا گیا یا منڈی کی رائج قیمت کو چیز کی قیمت قرار دیا گیا ہے، تو بھی معاہدہ غیر معتبر ہوگا۔'' (ردُّ المحتار ج ۵، ص ۶۰)

''اس سے معلوم ہوا کہ مؤخر ادائیگی کے معاہدے میں معاہدہ کرتے وقت خریدار کی ذمّہ داری کا تعین کر دیا جائے۔ تاہم اشاریہ سازی کی صورت میں مقروض کی ذمّہ داری اُس تاریخ کو معلوم ہوگی جب قرض واجب الادا ہو۔''

''(۲) بے انصافی اور دھاندلی: یہ کہ بے انصافی اور دھاندلی کا عنصر اشاریہ سازی میں بنیادی طور پر موجود ہے' اس حقیقت سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کے قانونِ تلافی کے مطابق جو شخص کسی کو نقصان پہنچاتا ہے' تو وہ اُس نقصان کی تلافی کرنے کا ذمّہ دار ہے۔ افراطِ زر اور اس کے نتیجے میں قرضخواہ کی رقم میں ہونے والے نقصان کا عمل مقروض کا عمل نہیں ہے اور نہ ہی وہ اُس کا ذمّہ دار ہے۔ اگر قرضخواہ نے رقم قرض پر نہ دی ہوتی تو بھی یہ نقصان ہونا یقینی تھا۔ لہٰذا مقروض کو نقصان کی تلافی کا ذمّہ دار کیوں ٹھہرایا جائے اور اسے تلافی کرنے کا کیوں کہا جائے؟ ایسی سکیم مقروض کو نقصان پہنچانے کا سبب بنتی ہے۔''

''(۳) ربٰو الفضل کا عنصر: اشاریہ سازی میں ربٰو الفضل کا عنصر بھی ہے اور اُس حدیث کے بھی خلاف ہے جس میں کہا گیا ہے کہ سودا شدہ مال کا تبادلہ اُس جیسی شے ہی سے ہو سکتا ہے اور ایسے معاہدہ میں اچھے یا بُرے معیار کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ فقہائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حدیث میں بیان کردہ ''ایک جیسی چیز'' سے مراد قسم اور مقدار میں ایک جیسا ہونا ہے نہ کہ اُس کی قیمت میں۔''

''مندرجہ بالا بیان سے واضح ہو گیا کہ شریعتِ اسلامیہ کسی بھی حالت میں اصل زر سے بڑھوتری کی اجازت نہیں دیتی۔ اشاریہ سازی کے ذریعے قرضخواہ جو اضافی رقم لیتا ہے' اُس حدیث کے دائرہ میں آتی ہے جس میں فرمایا گیا کہ ہر وہ قرض جس میں مالی منفعت شامل ہو' سود ہے۔ دراصل اشاریہ سازی بنک کے سود کو جائز بنانے کی ایک کوشش ہے۔ بنک یہ کہہ سکتا ہے کہ کھاتہ دار کو اضافی رقم کی ادائیگی اُس عرصہ کے نقصان کی تلافی ہے جتنا عرصہ وہ رقم بنک کی تحویل میں رہی اور یہ سُود نہیں ہے۔ اس طرح یہ حیلہ سود کے جواز کے لئے پُشتی دروازہ کھول دیتا ہے۔''

''کوئی شک نہیں کہ قیمتوں میں مسلسل اضافہ اکثریتی لوگوں کو بہت نقصان پہنچاتا ہے۔ افراطِ زر سماجی بُرائی ہے جو سماج کے تمام افراد کو بری طرح متاثر کرتی ہے۔ اس طرح یہ کوئی محض ایک فرد کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ بات غیر منصفانہ اور غیر معقول ہوگی اگر فریقِ معاہدہ (یعنی مقروض) کو ذمّہ دار ٹھہرایا جائے اور اُسے تلافی کرنے کا کہا جائے۔ ایسا رویّہ بے انصافی کے دائرے کو کم کرنے کی بجائے مزید بڑھائے گا۔ یہ حکومت کی ذمّہ داری ہے کہ وہ قیمتوں پر کنٹرول کرے اور ایسے ذرائع اختیار کرے جن سے افراطِ زر کی سطح کم ہو۔'' (ڈاکٹر طاہر منصوری' صفحات ۱۳۴ تا ۱۴۰)

''تجارت/خرید وفروخت اور سود میں بنیادی فرق: سودی کاروباری کے حامی لوگ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۷۵ (مذکور بر صفحہ ۵۸۴) کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر تجارت جائز اور حلال ہے تو سودی معاملات کی

ممانعت کیوں ہے اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ سود بھی تو سرمائے میں کاروبار کرنے کا نام ہے۔اُن کا کہنا ہے کہ تجارت میں سرمایہ لگانا نفع کی شکل میں اضافی رقم لاتا ہے اور اگر اُسے بنک میں لگا دیا جائے تو یہ سود لاتا ہے۔آخر ایک اضافہ کو جائز جبکہ دوسرے اضافہ کو ناجائز کیوں کہا گیا؟ لہٰذا دونوں کے درمیان فرق کیئے جانے کا سوال قدرتی طور پر اُبھرتا ہے۔اقتصادی نقطہ نظر سے اس کے کچھ دلائل مندرجہ ذیل ہیں :۔

''(الف) خطرہ مول لینا عام کاروبار کی بنیاد ہے جس کی اسلام نے اجازت دی ہے جبکہ سُود متعیّن ہوتا ہے اور نفع کی طرح تغیر پذیر نہیں ہوتا۔''

''(ب) کاروبار میں لگایا ہوا سرمایہ جو نفع دیتا ہے وہ پیش قدمی' مہم جوئی اور حُسنِ کارکردگی ولیاقت کا نتیجہ ہوتا ہے۔یہ بات سُود کے معاملہ میں صحیح نہیں ہے کیونکہ قرضخواہ قرض دینے کے معاوضہ میں ایک مقررہ رقم لیتا ہے قطع نظر اس کے کہ مقروض کو یا سرمایہ لگانے والے کو نفع ہو یا نقصان۔''

''(ج) کاروبار میں جونہی ایک شے اپنی قیمت کے عوضانے میں دی جاتی ہے تو معاملہ انجام پذیر ہو جاتا ہے۔اُس کے بعد خریدار فروخت کار کو کچھ نہیں دیتا۔لیکن سُودی معاملات میں قرضخواہ اپنے سود کے مطالبہ سے اُس وقت تک دست بردار نہیں ہوتا جب تک کہ اُسے اصل زر واپس نہ کر دیا جائے۔اس لئے نفع میں ایک حد ہے جس کا ایک تاجر تجارت میں اُمید وار ہے لیکن سُود میں ایسی کوئی حد نہیں ہے۔''

''(د) چونکہ تجارت ایک پیداواری عمل ہے اور ایک شخص سخت محنت ومشقت اور مہارت سے گزرنے کے بعد کچھ نفع حاصل کرتا ہے' اس لئے تجارت مکمل روزگار اور اقتصادی ترقی کے حالات پیدا کرتی ہے۔دراصل سود مشکلاتی بحران کو شدید بنا دیتا ہے جبکہ تجارت میں یہ بات نہیں۔''

''(ر) تعاون اور نظریات کے باہمی تبادلے کے ذریعے تہذیب کی تعمیر کے عمل میں تجارت کا نمایاں کردار ہے۔لیکن سُود آدمی میں بخل' خود غرضی اور بے رحمی جیسی ناپسندیدہ کمزوریاں پیدا کرتا ہے۔اس طرح معاشی اور اَخلاقی نقطہ نظر سے سُود انسانیت اور امدادِ باہمی کی بنیاد ہی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے اور روزگار اور اقتصادی ترقی کی راہ میں سنگِ گراں بن جاتا ہے۔اس کے برعکس اسلامی معاشرے میں تجارت نعمتِ خداوندی ہے۔'' ("Islamic Economics"... M.A. Mannan, pp. 201, 202)

''سُود اور امنِ عالم : بنیادی طور پر قرضوں کی ضرورت محروم لوگوں کی ضروریات سے پیدا ہوتی ہے۔صرف خوشحال لوگ ہی محروم لوگوں کو قرض فراہم کر سکتے ہیں۔اس لئے قرضوں پر کسی بھی شکل میں سُود لینا بھائی چارے

اور امدادِ باہمی کے عالمگیر اصول کے منافی ہے اور بھائیوں کی ضروریات کا یہ کھلا استحصال ہے۔سُود انسانیت' امدادِ باہمی اور ہمدردی کی بنیاد ہی کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکتا ہے اور آدمی میں خود غرضی کو جنم دیتا ہے۔آج ہم دیکھتے ہیں کہ ایک قرضخواہ قوم نے مقروض قوم کو سودی قرضوں کے ذریعے کس طرح غلامی کی جکڑ بندیوں میں جکڑ رکھا ہے۔اس قسم کا استحصال خواہ وہ ملکی سطح پر ہو یا بین الاقوامی سطح پر' لازمی طور پر استحصالیوں کے غلبے کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور امنِ عامہ کے لئے ایک مستقل اور طاقتور خطرہ بن جاتا ہے۔'' (ایضاً ص ۱۷۴)

''کیا سود سے پاک اقتصادی نظام قابلِ عمل ہے؟ درجِ ذیل وجوہ کے باعث اس سوال کا جواب مثبت میں ہے:

(۱) خالقِ کائنات کے احکامات کی صداقت پر مکمل اور غیر متزلزل ایمان کہ وہ احکامات بنی نوعِ انسان کے عین مفادات میں ہیں' مسئلے کو بہ آسانی سلجھا دے گا۔صداقتِ ابدی کے ساتھ اپنی وفاداریوں اور اطاعت گزاریوں کو منسلک کرنا اور غیر اسلامی معاندانہ قوتوں کے خلاف سینہ سپر ہو جانا مسئلے کے حل کے لئے شرطِ اوّل ہے۔

(۲) قبل از اسلام تمام دنیا میں کاروباری معاملات سود کی بنیاد پر ہوتے تھے اور اُس زمانے کے حالات ہمارے دَورِ جدید کے حالات سے کچھ مختلف نہ تھے۔اسلام نے اُس نظام کی بیخ کَنی کی اور اسے اپنے نظام سے بدلا جو صدیوں تک کامیابی سے نافذ العمل رہا ہے۔یہ ایسی ناقابلِ تردید تاریخی حقیقت ہے جس سے کوئی ہوشمند انکار نہیں کر سکتا۔

کیا ہم نے کبھی یہ سوچا کہ ''کیا سود سے پاک اقتصادی نظام قابلِ عمل ہے؟'' کا سوال کرنے میں کیا ہم اپنے خالق و مالک کے ناقابلِ تنسیخ فیصلہ کے خلاف ''عدمِ اعتماد'' کا ووٹ تو نہیں پاس کر رہے' وہ خالق و مالک جو اپنی مخلوق پر والدین کی اپنی اولاد پر شفقت و محبت سے بھی زیادہ کریم و شفیق ہے۔براہِ راست طور پر اس سوال کا منطقی مطلب تو یہ ہے کہ الٰہی قوانین وضوابط (معاذ اللہ) اس قدر غیر فطری اور سیدھی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں کہ اُن میں غلط عنصر کار آمد اور اچھا عنصر عملی طور پر بیکار ہے۔اور میں اپنے قارئین سے یہ سوال کرنے پر مجبور ہوں کہ ''کیا آپ کا ایمان' علم' تجربہ اور اپنے اردگرد قدرت کی پھیلی ہوئی اَن گنت نشانیوں کا مشاہدہ اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ آپ دینِ فطرت کے عطا کردہ فطری قوانین جو یقیناً ہماری فلاح و بہبود کے لئے ہیں' کے خلاف ''عدمِ اعتماد'' کا ووٹ پاس کریں اور غلط تصوّر رکھیں؟ یقیناً اِس سوال کا جواب ایک بھاری بھرکم اور جسیم ''نہیں'' میں ہوگا۔دراصل انسانی فطرت میں ہر اُس چیز کے قبول کرنے اور اُس کا تتبع کرنے کا رُجحان ہے جو ہر دلعزیز ہو جائے اور سماج میں رواج پا جائے۔فطرتِ انسانی اُسے کسی اور نظام سے بدلنے میں مشکل محسوس کرتی ہے خواہ وہ نظام کتنا ہی درست اور صحیح کیوں نہ ہو۔اس تمام کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ سود سے پاک معیشت اور اس کا نفاذ آج کے ناموافق حالات میں بھی ممکن اور قابلِ عمل ہے جبکہ غیر اسلامی قوتیں ہماری اقتصادیات کو اپنی پوری گرفت میں لینے پر تلی ہوئی ہیں اور ہمیں اُس صراطِ مستقیم سے ہٹانا چاہتی ہیں جو ہمیں ہماری کتابِ مقدّس نے دکھایا ہے' بعض اوقات یہ غلط فہمی پیدا کرتے ہوئے کہ اسلام محض

مذہب ہے اور (العیاذ باللہ) چودہ صدیاں پرانی کتاب آج کے بدلتے ہوئے حالات کے شانہ بہ شانہ نہیں چل سکتی، علیٰ ہٰذا القیاس کچھ دیگر عجیب وغریب اور کج نہاد طریقوں سے اسلام کے خلاف بدظنیاں پیدا کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ دراصل اسلام مذہب نہیں بلکہ قرآنی اصطلاح میں ''دین'' ہے بہ ایں معنی کہ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، ایک سماجی اور اقتصادی نظام ہے، ایک ثقافت اور ایک تہذیب ہے کہ مذہب جس کا ایک جزو ہے۔

سُودی مشاغل کا گناہِ کبیرہ : قرآنِ حکیم میں سود لینے اور دینے والے دونوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کی اِن الفاظ میں سخت وعید سنائی گئی ہے:۔

فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ (البقرة : ۲۷۹)

''اگر تم سود سے باز نہ آئے تو اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔''

قرآنِ حکیم دوسرے کئی ممانعتی احکامات سے پُر ہے لیکن کسی بھی دوسرے حکم میں ایسے شدید رویّے کو نہیں اپنایا گیا جیسے سود کے معاملے میں۔ سُود کی بُرائی کو ختم کرنے میں نبیِ مکرم ﷺ کی مساعیِ جمیلہ اظہر من الشمس ہیں۔ نجران کے عیسائی وفد کے ساتھ کئے گئے معاہدے کی شقوں میں سے ایک نمایاں شق یہ بھی تھی کہ اگر اُنہوں نے سودی مشاغل اختیار کئے تو معاہدہ خود بخود منسوخ ہو جائے گا۔ اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں آپ نے اعلان فرمایا کہ زمانہ جاہلیت کے تمام سودی معاہدات منسوخ کئے جاتے ہیں اور اس برائی کے خاتمے کی ابتدا اپنے چچا جناب عباس رضی اللہ عنہ کے سود کی تنسیخ کرنے سے فرمائی۔

''یہ کہ پیغمبر (علیہ السلام) نے بے انصافی اور تشدد کے خاتمے کے لئے جو کوششیں کیں، کوئی بھی اُن سے انکار نہیں کرسکتا اور قرضخواہوں سے بجا طور پر آپ کا نمٹنا اس ضمن ایک اور ثبوت ہے۔'' ("Social Laws of the Qoran" --- Roberts, p. 101)

سودی کاروبار کے گناہِ کبیرہ ہونے میں چند ایک احادیث درج ذیل ہیں:

(۱) ''سود کے لینے والے، دینے والے، اس کی تحریر لکھنے والے اور سود کی گواہی دینے والے سب پر اللہ کی لعنت ہے۔''

(۲) ''سُود کا گناہ اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرنے سے ستر گنا زیادہ ہے۔'' (ابن ماجہ، بیہقی)

سود سے پاک اقتصادی نظام کیسے نافذ کیا جائے؟ سود کے گناہِ کبیرہ ہونے کے مدِّنظر یہ ہمارا اوّلیں فرضِ عین بنتا ہے کہ اپنے خالق و مالک کے غصہ اور عذاب سے بچنے کے لئے ایسے ذرائع اور وسائل تلاش کریں جن سے ہماری معیشت غیر فطری شیطانی گرفت سے بچ جائے اگرچہ سودی کاروبار میں کتنی ہی جاذبیت اور کشش ہو۔ اس کے لئے کچھ تجاویز حسب ذیل ہیں:

(۱) سرمایہ دار رقم مقروض کو سود پر دیتا ہے تو اُس کا اُس رقم کے نفع یا نقصان سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ اُسے تو اپنی مقرر شدہ سُود کی رقم لینے میں دلچسپی ہوتی ہے (جسے سرمایہ دار مسلمان ہوتے ہوئے اپنے ضمیر کی آواز کو دبا کر ''نفع'' کا نام دیتا ہے)۔ دراصل ایک بوتل جس میں شراب یا کوئی نشہ آور چیز ہو اس کی اندرونی حقیقت تو جوں کی توں وہی رہے گی جو کچھ اس میں ہے اگرچہ باہر لیبل دودھ کا لگا دیا جائے۔ چنانچہ قرض پر دئے ہوئے سرمائے پر سود کی مقررہ رقم کا مطالبہ جائز نہ ہوگا۔ قرآنِ حکیم کا معاشی منصوبہ ایسے خود غرضانہ' انسانیت سوز اور زر پرستانہ عزائم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ اسلام سرمایہ دار کو خطرہ مول لینے کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ اپنے سرمائے کو شراکتی بنیاد پر کاروبار میں لگائے تاکہ وہ اس سے پیدا ہونے والے نفع نقصان میں برابر کا شریک ہو۔ اب اس صورت میں سرمایہ دار' قرضخواہ نہیں رہے گا بلکہ وہ کاروبار میں شریک بن جائے گا جس میں اُس نے اپنا سرمایہ لگایا ہے۔ اسلام سرمایہ دار کو اپنے اُس سرمائے کا حق دیتا ہے جو اُس نے کاروبار میں لگایا ہے' اس سے زیادہ نہیں۔

(۲) سودی کاروبار کے حمایتی حقائق کی بجائے فلسفہ سود بیان کرتے ہیں کہ سود سے پاک معاشی نظام قابلِ عمل نہیں ہے کیونکہ ایک مسلمان ریاست اپنے مذہبی احکام غیر مسلم ریاستوں پر عائد نہیں کر سکتی۔ سود کو اقتصادی نظام سے خارج کرنا دنیائے اسلام کو باقی ماندہ دنیا سے تنہا اور اکیلا بنا دے گا جس سے بین الاقوامی تجارت کو سخت دھچکا لگے گا۔

اس نام نہاد ''پہیلی'' کا حل چنداں مشکل نہیں ہے۔ پچاس سے اوپر مسلمان ممالک کا بلاک ایک عظیم دیو پیکر بلاک ہے اور اگر وہ باہم متحد ہوں تو دنیا کی سپر پاورز کے دلوں میں رُعب اور ہیبت بٹھانے کے لئے کافی ہیں۔ خالقِ کائنات نے اس بلاک کو بڑی فیاضی سے وسائلِ تموّل کی فراوانی سے اِس حد تک مالا مال کیا ہے کہ وہ اپنی ضروریات میں خود کفیل ہیں۔ یہ خود کفیلی مسلم ممالک کے بلاک کی امدادِ باہمی میں کافی اور وافی عامل ہے اور مسلمان ہونے کے ناطے سے وہ اپنے ضرورتمند مسلمان برادر ملکوں کو سود سے پاک قرضے فراہم کریں' وہ اپنی ایک خود مختار دولتِ مشترکہ قائم کریں اور مسلم عالمی بنک کا قیام آج کی ضرورت ہے۔ اس بنک کا بڑا مقصد پیداواری مقاصد کے لئے سرمایہ کاری کو آسان بنا کر اور قرضہ جاتی عمل میں تکنیکی مشورے دے کر مسلم ممالک کی ترقی میں مدد کرنا ہے۔

اگر ہم اپنے مالیاتی منصوبوں کو زیادہ مستحکم' مضبوط اور بین الاقوامی سطح پر بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں اس مقصد کے لئے غیر ملکی سرمایہ حاصل کرنا ہوگا جو حصہ داری اور شراکتی بنیاد پر لیا جائے گا۔ یہ چیز جہاں ایک طرف ہمیں سود مرکب کی ادائی کے ناروا بوجھ سے نجات دلائے گی تو دوسری طرف اللہ قادرِ مطلق کی بے پایاں نعمتوں اور اس کی خوشنودی کا دروازہ بھی کھول دے گی۔ ایم اے منان لکھتے ہیں:۔

''اسلامی بنکنگ کے اصول بین الاقوامی بنکنگ کے اصولوں کے عین مطابق ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ جدید دنیا' شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر اسلامی بنکنگ کے اقتصادی فلسفہ کی طرف آہستہ آہستہ کھچی چلی آ رہی ہے۔

عالمی مالیاتی امداد میں اس رُجحان کو بین الاقوامی ترقیاتی مجلس (.I.D.A) کے قیام کے ذریعے ۲۴ ستمبر ۱۹۶۰ء کو تسلیم کیا جا چکا ہے جو عالمی بنک یا بین الاقوامی بنک برائے تعمیر و ترقی (.I.B.R.D) سے الحاق شدہ ہے۔ اس کی حکمتِ عملی اور مالیاتی وسائل (.I.B.R.D) سے مختلف ہیں لیکن اس کا تمام تر کام آئی بی آر ڈی انجام دیتا ہے۔ (.I.D.A) استثنائی صورتوں میں بلا سود قرضے فراہم کرے گا اور قرضہ حاصل کرنے والے ہر ملک کے سیاسی اور اقتصادی عوامل کو پیشِ نظر رکھے گا۔'' ("Islamic Economics", p. 235)

(۳) حکومت کی آئے دن کی بڑھتی ہوئی ضروریات کی تکمیل کے لئے بیت المال کا قیام وقت کی سخت ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لئے زکوٰۃ کے موجودہ نظام کی خالص اسلامی خطوط پر از سرِ نو تجدید کرنا ہوگی۔ پاکستان میں موجودہ نظامِ زکوٰۃ اسلامی احکامات کے مطابق نہیں ہے۔ یہ صحیح خطوط پر تبدیلی کا متقاضی ہے تاکہ مستحق طبقہ محروم نہ رہے، سماجی بہبود کے منصوبوں کی تکمیل ہوتی رہے اور اسلام کے وضع کردہ نظامِ زکوٰۃ کے صحیح نفاذ کے ذریعے غربت دُور ہو جس کی مثال ہم خلفائے راشدین اور مابعد کے زمانوں میں دیکھتے ہیں۔

(۴) ہمارے ملک میں سود کی حوصلہ افزائی کی بڑی وجہ اُس کی قانونی سرپرستی ہے۔ اس ضمن میں سید مودودی لکھتے ہیں:

''بہ ظاہر جب سود لینے کا دروازہ کھلتا ہے تو ایک آدمی اپنے ہمسایوں کو خیراتی قرض کیوں دے اور وہ کیوں ایک کاروباری کے ساتھ نفع و نقصان کی بنیاد پر شراکت دار ہو؟ کیوں نہ وہ قومی منصوبوں کی تکمیل میں بے غرض حصہ دار بنے اور وہ کیوں نہ اپنا تمام تر سرمایہ متعین منافع کی امید میں بینکر کے سپرد کر دے اور اس طرح ہر قسم کے ضیاع کے خطرے سے محفوظ ہو جائے۔ انسانی فطرت کے منفی رُجحانات کو آزاد لگام دے کر آپ اس بات کی توقع نہیں کر سکتے کہ تبلیغ، مشاورت اور اخلاقی عرضداشتیں اُن رجحانات کو ختم کرنے اور اُن نقصانات کے رد کرنے میں کامیاب ہوں گی۔ پھر ایک منفی رُجحان کو آزاد لگام دے کر معاملہ وہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ قانون اس رُجحان کی سرپرستی کرتا ہے اور خود حکومت اِس بدی کو جدید مالیاتی نظام کے ذریعے پروان چڑھا رہی ہے۔ اس صورتِ حال کے تحت جزوی تبدیلیوں یا محدود اصلاح کے ذریعے اس بدی کا رد کیسے ممکن ہے۔ سود کی بُرائیوں کے خاتمہ کے لئے ضروری ہے کہ خود سود کو نکال باہر کیا جائے۔''

("Economic System of Islam"... S. Maudoodi, pp. 197, 198)

زیرِ نظر موضوع کا خلاصہ محمد عمر چاپرا کے الفاظ میں دیکھئے:

''اسلام اخلاقی اقدار کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے اور یہ کہ اس کا اقتصادی نظام مضبوط اخلاقی بنیاد پر قائم ہے۔ اپنی اُخروی نجات کے لئے ایک مسلمان کو حصولِ دولت میں اعلیٰ اخلاقی اسلامی اَقدار کو پیشِ نظر رکھنا

چاہیے۔ حاصل شدہ دولت کو غیر مستعمل نہیں رہنا چاہیے بلکہ اپنے' اپنے بھائی بندوں کے مفاد میں اور سرمایہ کاری میں استعمال ہونا چاہیے تاکہ مسلم معاشرہ کے اقتصادی مقاصد کو پروان چڑھایا جاسکے۔ اخلاقی شعور سے مالا مال' بھائی بندی اور امداد باہمی کے جذبات لئے ایسے سماج کے لئے ضروری ہے کہ اُن کے ہاں ایسا تعلیمی نظام ہو جو اِن اقدار کو نوجوان نسل کے ذہنوں میں بٹھائے۔ لہٰذا ایسے تعلیمی نظام کا قائم کرنا مسلمان معاشرے کا اخلاقی فرض اور اسلامی ریاست کا ناگزیر عمل ہے۔'' ("The Economic System of Islam" ... M. 'Umar Chapra, p. 51) Karachi, 1994.

''بچت کے کھاتوں اور پراویڈنٹ فنڈ پر ''نفع'' کی شرعی حیثیت'': صفحہ ۵۸۴ پر دی گئی ربٰو کی تعریف اور ذیل کی احادیث کے مدنظر بچت کے کھاتوں پر اداشدہ منافع سود کے ضمن میں آتا ہے' چاہے اسے جو بھی نام دیا جائے شرعاً غیر قانونی ہے۔ حضرت حارث بن ابی اُسامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ربٰو کی یوں تعریف فرمائی:

''ہر وہ قرض جو نفع لائے' سود ہے۔'' (''جامع الصغیر'' ---جلال الدین السیوطی' حدیث:۶۳۳۶)

اگر قرض کی واپسی عمدہ قسم کے سِکّوں کی شرط کے ساتھ ہو جسے معاہدہ میں پہلے ہی سے مقرر کر دیا گیا ہو' تو یہ خالصتاً سود ہو گا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''ایک معیّن وقت کے لئے رقم قرض دینے میں کوئی مضائقہ نہیں اگرچہ مقروض قرض واپس کرتے وقت عمدہ قسم کے سِکّوں کے ساتھ واپس کرے بشرطیکہ اس کا ذکر قرض کے معاہدے میں نہ ہو۔'' (صحیح بخاری)

نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

''ایک وقت آئے گا جب کوئی شخص بھی ایسا نہ ہو گا جو سُود کو صَرف میں نہ لایا ہو اور جو شخص اسے صَرف میں نہ لایا' تو اس کی دُھول تو لازماً اُس تک پہنچ کر رہے گی۔'' (ابنِ ماجہ' ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''مجھے عبداللہ بن سلام نے مشورہ دیا کہ تم ایک ایسے علاقے میں رہ رہے ہو جہاں سود عام ہے۔ سو اگر کوئی شخص تمہیں لیا ہوا قرض لوٹائے اور وہ اس کے ساتھ تمہیں (جانور کا) چارہ اور جَو کا وزن بطور عطیہ دے تو اسے قبول نہ کرنا کیونکہ یہ سُود ہو گا۔''

پراویڈنٹ فنڈ پر نفع کے بارے میں مفتی محمد تقی عثمانی رقم طراز ہیں :۔

"جہاں تک پراویڈنٹ فنڈ کا تعلق ہے' تو سُود کی وُصول سے بچنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سرمائے کو مضاربت یا شراکت داری کے ذریعے کاروبار میں لگایا جائے اور منافع کو ہر شراکت دار کے حصّہ کے تناسب سے تقسیم کیا جائے۔ تاہم موجودہ نظام میں پراویڈنٹ فنڈ کی رقم پر جو ایک مقررہ شرح سے نفع ملتا ہے تو وہ سُود کی مد میں نہیں آتا جس کی وجہ یہ ہے کہ اجیر کی تنخواہ کا جزوی حصّہ جو آجر اپنے پاس رکھ لیتا ہے' وہ اجیر کا نہیں ہوتا کیونکہ وہ اس کے قبضہ میں ابھی آیا ہی نہیں بلکہ وہ آجر کی ملکیت میں ہے۔ اب وہ زائد رقم جو آجر یا حکومت یا کوئی بھی تنظیم پراویڈنٹ فنڈ کے ساتھ ملاتی ہے تو وہ اجیر کی رقم کے ساتھ نہیں ملاتی (کیونکہ اجیر اُس کا مالک ابھی نہیں بنا)۔ اگر آجر اپنے اجیر کو کچھ زائد دیتا ہے تو یہ اُس کا انعام ہے اور اجیر کے لئے انعام قبول کرنا بالکل جائز ہے۔" ("Our Socio-Economic System" pp.90,91)

کچھ مزید قانونی اور جائز کاروبار / معاہدات

"(الف) بیع سلم: یہ ایک قسم کا معاہدہ ہے جس کی رُو سے کسی چیز کی فروخت پر فروخت کار کو پیشگی رقم ادا کی جاتی ہے اور اشیاء کی رسد مؤخر ہوتی ہے۔ اس قسم کی تجارت مختلف نام کے ساتھ قبل از اسلام عرب میں بھی رائج تھی۔ نبی اکرم ﷺ کی ہجرتِ مدینہ کے موقع پر کاروبار کی یہ صورت آپ سے رہنمائی کے حصول کے لئے آپ کے علم میں لائی گئی۔ آپ نے اسے "سلم" (بمعنی پیشگی) کا نام دیا اور کچھ شرائط کے تحت اس کی اجازت مرحمت فرمائی۔

"جیسا کہ قبل ازیں بیان ہوا کہ اُس چیز کی فروخت جو فروخت کار کے قبضہ میں ہی نہیں' اُصولی طور پر جائز نہیں لیکن بیع سلم کا جواز ایک استثنائی صورت ہے۔ کچھ فقہاء نے اس کا جواز مندرجہ ذیل آیتِ قرآنی سے نکالا ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ (اَلْبَقَرَة : ۲۸۲)

"ایمان والو! جب کسی مدتِ معیّن تک اُدھار کا معاملہ کرنے لگو تو اُسے لکھ لیا کرو۔"

یہ بات کہ نبی اکرم ﷺ نے کچھ شرائط کے تحت اس کی اجازت مرحمت فرمائی' اُس ضرورت کے تحت تھی جو کسانوں اور تاجروں کو درپیش تھی۔ فقہائے اسلام نے اُن تمام اشیائے ضرورت کو بیع سلم کی فہرست میں شمار کیا ہے جن پر مقدار اور معیار کا اطلاق ہوتا ہے۔ (ڈاکٹر محمد طاہر منصوری' صفحات ۲۰۰' ۲۰۱)

بیع سلم کی خصوصیات: (۱) سامان کی تفویض کی مدت کا تعین ضروری ہے۔ (۲) چیز کا فروخت کار کے قبضہ میں نہ ہونے کے باوجود اُس کی فروخت جائز ہے۔ (۳) بیع سلم ایک جیسی چیزوں میں جائز نہیں ہے مثلاً انگور کے بدلے میں انگور یا اناج کے بدلے میں اناج۔ (۴) صرف اُن اشیاء کی فروخت جائز ہے جن پر معیار اور مقدار کا اطلاق ہوتا ہے۔ (۵) معاہدہ طے پانے کے وقت رقم کی ادائی ضروری ہے۔

حقانیت اور عظمتِ رسول ﷺ کو جس مدلل انداز میں منوایا ہے' وہ کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں ۔ اپنے موقف کے ثبوت میں قرآنِ مبین اور احادیثِ مبارکہ کے حوالہ جات اُنہیں نوکِ زباں اور مستحضر ہوتے ہیں ۔ قارئینِ کرام زیرِ نظر انسائیکلوپیڈیا میں بھی اُن کا یہی رنگ ڈھنگ جابجا دیکھیں گے ۔

فاضل پروفیسر موصوف کو اپنا مخلصانہ خراجِ تحسین پیش کرنے میں میرا ریشِ قلم کانپتا ہے اور خوشی و شادمانی سے صفحہِ قرطاس جھوم جھوم اٹھتا ہے کیونکہ وہ درویش منش بندۂ خدا ''عشقِ رسول'' اور ''عشقِ قرآن'' کی مستی میں سرشار' دنیا کی ہوا و ہوس سے کوسوں دُور اور نام و نمود اور شہرت سے نفور و بیزار ہے۔ اپنے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے راقم الحروف پروفیسر موصوف کی صحت' ایمان کی سلامتی' طول العمری' اُن کے خانہ اور اہلِ خانہ کی خیر و برکت کے لئے دعاگو ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت اُن کی اس کاوش کو اپنی بارگاہِ عالیہ میں شرفِ قبول بخشے اور اِسے اُن کے اور اُن کے والدین کے لئے سرمایہ نجات بنائے !! آمین بہ طفیل سیّد المرسلین ﷺ ۔

محمد رمضان چوہدری

محمد رمضان چوہدری (انجینیر)

۱۲ جمادی الاوّل ۱۴۳۳ھ
۵ اپریل 2012ء

(ب) بیع معجّل (Credit Sale) : ایک حدیث کی رُو سے بیع معجّل کے جواز پر تمام علماء متفق ہیں اور وہ یہ کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ ایک یہودی سے مؤخر ادائی کی شرط پر کچھ اناج خریدا اور اُس کے پاس اپنی زرہ بطور ضمانت رکھی۔ دراصل اس قسم کی فروخت اُس خریدار کو سہولت فراہم کرنا ہے جو فوری ادائی نہیں کر سکتا۔ لیکن مؤخر ادائی کی صورت میں اونچی قیمت وصول کرنا سُود کے ضمن میں آتا ہے۔ اس قسم کی پریکٹس سودی ذہنیت کو پروان چڑھاتی ہے اور اُس خریدار کے لئے پشتی دروازہ کھولتی ہے جس کے پاس اتنے وسائل نہیں کہ وہ فوری ادائی کر سکے۔ سنّتِ نبوی بیع معجّل کی اجازت دیتی ہے لیکن سنت میں اس بات کا ثبوت کہیں نہیں کہ منڈی کے نرخ سے زائد وصول کرنا جائز ہے۔

(ج) بین الاقوامی تجارت (درآمدات اور برآمدات) : اسلام اپنے ماننے والوں کو بین الاقوامی تجارت کی نہ صرف ترغیب دیتا ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے (بحوالہ سورۃ البقرۃ:۱۶۴ ؛ سورہ یونس:۲۲ ؛ سورہ ابراہیم : ۳۲ ؛ سورۃ النحل:۱۴ ؛ سورۃ الاسراء :۶۶ ؛ سورۃ المؤمنون:۲۲ ؛ سورۃ النمل: ۶۳ ؛ سورۃ العنکبوت: ۶۵ ؛ سورۃ الرّوم : ۴۶ ؛ سورہ لقمان:۳۱ ؛ سورہ فاطر:۱۲ ؛ سورہ یٰس :۴۱ ؛سورہ غافر:۸۰)۔ قانونِ تجارت کی تاریخ اس بات کی مؤید ہے کہ مسلمان تاجروں کی تجارت بھارت اور چین کے ساحلوں سے لے کر افریقہ اور مڈغاسکر کے دُور دراز علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ آٹھویں صدی کے وسط میں جب یورپ ظلمت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا' ابو القاسم زہراوی جیسے ہسپانوی مسلمان علماء وفضلاء قوانینِ تجارت اور ان کی شرح پر خامہ فرسائی کر رہے تھے۔ اسلام نے بین الاقوامی تجارت کی حوصلہ افزائی نہ صرف اقتصادی تعاون کی خاطر کی ہے بلکہ نظریات اور علم کے باہمی تبادلے کے ذریعے عالمی برادری کے قائم کرنے کے لئے بھی کی ہے۔

آزاد بین الاقوامی تجارت پر نہ تو قرآنِ حکیم نے' نہ ہی صاحب قرآن ﷺ نے اور نہ ہی خلفائے راشدین نے کوئی پابندی لگائی ہے۔ قرآنِ حکیم کی مندرجہ ذیل تینوں آیات سے مسئلے کے معتبر ہونے کا ثبوت نکالنا چنداں مشکل نہیں ہے :۔

(۱) أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيهَا (اَلنِّساء : ۹۷)
"کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اُس میں ہجرت کر جاتے؟"

(۲) وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ" أَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ (اَلنِّساء : ۱۰۱)
"اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر اس باب میں کوئی گناہ نہیں کہ نماز میں کمی کر دیا کرو۔"

(۳) يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِنَّ أَرْضِيْ وَاسِعَةٌ" (اَلعنکبوت : ۵۶)
"اے میرے ایماندار بندو! میری زمین تو بہت وسیع ہے۔"

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا :

(۱) أُطْلُبُوا الرِّزْقَ فِيْ خَبَايَا الْأَرْضِ (بیہقی' دارقطنی' طبرانی' مسند ابو یعلی)
"زمین کے کونے کونے میں رزق کی تلاش کرو۔"

(۴) مَنْ تَعَذَّرَتْ عَلَيْهِ فَعَلَيْهِ بِعُمَانَ یعنی "جس کے لئے تجارت کرنا مشکل ہوتو وہ عمان چلا جائے۔"
کنز العمال کی حدیث ۴۲۱۷۴ میں عمان کی بجائے مصر کا لفظ ہے۔ یہ تجارتی سفر درآمد وبرآمد دونوں مقاصد کے لئے ہے۔

(د) مبادلہ کاری کی تجارت۔۔مُقایضہ (Barter Trade) : یہ اشیاء کے بدلے اشیاء کی فروخت ہے۔

جدید اقتصادیات کے تعارف کے بعد اگرچہ مبادلہ کاری کی تجارت بہت حد تک کم ہوگئی ہے لیکن آج کے دور میں بھی اس کی اہمیت کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اگر مبادلہ کاری کی تجارت اسلام کے وضع کردہ اخلاقی ضوابط کے مطابق کی جائے تو اسلام اس کی اجازت دیتا ہے۔ قرآنِ حکیم تاجروں کو عمدہ چیزوں کے بدلے میں ناقص اور بیکار چیزیں دینے سے بہ ایں الفاظ منع کرتا ہے : وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ (اَلنِّساء : ۲)

اور سالارِ انبیاء ﷺ نے فرمایا کہ
"اگر فروخت ہونے والی چیز ناقص ہے تو یہ بات لازمی طور پر خریدار کے علم میں لانی چاہئے۔" (صحیح بخاری)

"ہم جنس اشیاء کے تبادلے میں اشیاء کے معیار (کوالٹی) کو مدِّ نظر رکھا جائے گا کہ ایک روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے اُس معاہدے کو منسوخ کر دیا تھا جس میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے گھٹیا درجے کی دوہرے وزن کی کھجوروں کا تبادلہ عمدہ قسم کی اکہرے وزن کی کھجوروں کے ساتھ کیا تھا۔" (ڈاکٹر طاہر منصوری' ص ۱۹۶)

(ر) مشارکت (حصہ داری) : حصہ داری یعنی مشارکت کی تعریف فقہ حنفی کی مستند کتاب "ردُّالمحتار" میں یوں کی گئی ہے :
"مشارکت دو یا دو سے زیادہ آدمیوں کے درمیان سرمایہ کاری اور اس کے نفع ونقصان میں شریک ہونے کا معاہدہ ہے۔" (ردُّ المُحتار علی دُرِّ المُختار۔۔۔ابن عابدین' جلد سوئم' ص ۳۶۴)

مشارکت کا کاروبار نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری سے پہلے ملکِ عرب میں رائج تھا اور آپ ﷺ نے اپنے اعلانِ نبوّت سے پہلے خود شراکتی کاروبار کیا۔ لہٰذا آپ نے اِس عمل سے اِس کاروبار کی توثیق فرمائی۔"

مشارکت کی مشروعیت کتاب وسنت اور فقہائے اسلام کے اِجماع سے ثابت ہے (ایضاً)۔ قرآنِ حکیم حضرت داؤد علیہ السلام کے سیاق میں فرماتا ہے :۔
وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ (ص : ۲۴)
"اور اکثر شرکاء (یونہی) ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے ہیں مگر ہاں وہ لوگ نہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور ایسے لوگ نہایت ہی کم ہیں۔"

شراکتی کاروبار کا جواز احادیثِ نبوی ﷺ سے بھی ملتا ہے۔ مثلاً نبی مکرّم ﷺ نے فرمایا:۔

(۱) ''اللہ تبارک وتعالیٰ کی معاونت مسلسل دو شراکتیوں کے ساتھ رہتی ہے جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے دھوکہ دہی نہ کریں۔'' (''المغنی'' ۔۔۔ ابنِ قدامہ' جلد پنجم' صفحہ۳)

(۲) ''(اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ) میں دو شراکتیوں میں تیسرا ہوتا ہوں جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے دھوکہ دہی نہ کریں۔ لیکن جب اُن میں سے کوئی فریب کاری کرتا ہے' تو میں اُنہیں چھوڑ دیتا ہوں۔'' (یعنی اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں اُن سے اٹھالی جاتی ہیں) [سنن ابی داؤد: کتاب البیوع' باب الشرکۃ)

(ز) مضاربت: یہ عربی لفظ "ضرب فی الارض" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ''سفر کرنا'' ہے۔ تجارت کی اصطلاح میں اسے یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کہ تاجر سفر میں صعوبت جھیلنے کی طرح اس میں محنت و مشقت کرتا ہے۔ مضاربت کی تعریف یوں بیان کی جاتی ہے:

''یہ تجارتی نفع میں شراکت کا معاہدہ ہے جس میں ایک فریق سرمایہ لگاتا ہے تو دوسرا اپنی محنت (لیبر)۔''
(''الشرکۃ فی الفقہ الاسلامی'' ۔۔۔ علی الخفیف' ص۶۵) قاہرہ ۱۹۴۱ء

مضاربت کا جواز متنِ قرآن' سنتِ نبوی اور فقہائے اسلام کے اجماع سے ثابت ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے

وَآخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللهِ (اَلْمُدَّثِّر : ۲۰)
''اور اللہ کی روزی کی تلاش میں کچھ لوگ ملک میں سفر کریں گے۔''

ابوبکر جصاص نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ لوگ تجارت کے ذریعے اللہ کی رحمت (یعنی رزق) کے متلاشی ہوتے ہیں۔ (''الاحکام القرآن'' جلد سوئم' صفحہ۴۵)

نبی معظم ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی سے قبل اُن کی جانب سے مضارب کے طور پر کام کیا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا:

''تین چیزوں میں بڑی برکت ہے: بیع مؤجل' مضاربت اور گھریلو استعمال کے لئے (نہ کہ کاروبار کے لئے) اناج کو جَو کے ساتھ ملانا۔'' (ڈاکٹر طاہر منصوری' صفحہ۲۷۷)

یہ بھی روایت ہے کہ خلیفہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ یتیم کے مال کو مضاربت کے طور پر کاروبار میں لگاتے تھے (ایضاً)

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عوامی رقم بیت المال میں جمع کرانے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دولڑکوں عبداللہ اور عبیداللہ رضی اللہ عنہما کو دی۔ اُنہوں نے اس رقم سے تجارت کی۔ خلیفۃ المسلمین کی مجلسِ مشاورت نے جو نبی ﷺ

کے متعدد صحابہ پر مشتمل تھی' اسے گزشتہ مدت سے متعلق مضاربت کے طور پر لیا اور عوامی رقم کے علاوہ اُن منافع کا نصف لیا جو وہ دو بھائی کاروبار سے لائے تھے۔" ("نیل الاوطار" ۔ شوکانی' جلد پنجم' صفحہ ۲۳۶ ؛ "بدائع الصنائع" ۔ کاسانی' جلد ششم' ص ۷۹ ؛ مؤطا امام مالک' جلد دوئم' ص ۶۸۷ بحوالہ ڈاکٹر طاہر منصوری)

(س) اجارہ (کرایہ داری) [LEASING]: لفظ اجارہ کا لفظی معنی کسی چیز کو کرائے پر دینا ہے۔ حنفی فقہ میں اس کی تعریف یوں ہے: "یہ ثمری تصرّف کا معاہدہ ہے جو کسی معلوم عمل کے لئے کیا جاتا ہے۔" ("مُغنی المُحتاج" ۔ شبرینی' جلد دوم' صفحہ ۳۳۲)
نوٹ: ثمری تصرّف (Usufruct) کسی دوسرے کی ملکیت سے فائدہ اٹھانا بشرطیکہ اُس جائداد کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے۔

اِجارہ کا جواز اور معتبر ہونا قرآنِ حکیم' احادیثِ نبویہ اور فقہائے اسلام کے اجماع سے ثابت ہے۔ قرآنِ حکیم نے فرمایا:
(۱) قَالَتۡ إِحۡدَٰهُمَا يَٰٓأَبَتِ ٱسۡتَـٔۡجِرۡهُۖ إِنَّ خَيۡرَ مَنِ ٱسۡتَـٔۡجَرۡتَ ٱلۡقَوِيُّ ٱلۡأَمِينُ ○ (اَلقَصَص : ۲۶)
"اُن دو میں سے ایک بولی: اے ابا! اُنہیں کرائے پر (نوکر) رکھ لیجئے کیونکہ اچھا نوکر وہی ہے جو قوت دار' امانت والا ہو۔"
(۲) فَإِنۡ أَرۡضَعۡنَ لَكُمۡ فَـَٔاتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ (الطَّلاق : ۶)
"اگر وہ (مائیں) تمہارے لئے رضاعت کریں تو اُنہیں اُن کی اُجرت دو۔"

اس بارے میں کچھ احادیثِ نبویہ کا حوالہ ذیل میں دیا جاتا ہے:۔
(۱) "حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی مکرّم ﷺ کے زمانہ مبارک میں زمین کے مالکان اپنی زمینوں کو کرائے پر دیا کرتے تھے۔" (سنن نسائی' ج ۳' ص ۶۰)
(۲) "نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مزدور کو اُس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اُس کی مزدوری ادا کر دیا کرو۔"
(۳) "اگر کوئی شخص کسی سے مزدوری لیتا ہے تو مزدور کو بتا دینا چاہئے کہ وہ اُسے کتنی مزدوری دے گا۔"

نبی معظم ﷺ نے اجارہ کے عمل کی توثیق فرمائی ("المبسوط" ۔ سرخسی' جلد ۱۵' صفحہ ۷۴)
اجارہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) اجارۃ العین: چیزوں کو کرائے پر دینا جیسے مکان' دکان' زمین اور مویشی۔
(۲) اجارۃ الذمہ: کسی کی خدمات مزدوری پر لینا مثلاً پینٹر کا مکان کو پینٹ کرنا۔

(ش) معاہدہ رہن (Pledge): "رہن وہ ضمانت ہے جسے قرض کے معاملے میں قرضخواہ کی تسلی کے لئے قانونی طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔" (مجلّہ آرٹیکل ۷۰۱)

"رہن اُس حقیقی جائداد کا رائج الوقت قانون کے مطابق بطور ضمانت گروی رکھنا ہے جس کی کوئی مادّی قدر ہو اور یہ ضمانت قرض یا کسی مالی ذمہ داری کے بارے نمٹنے کے لئے دی جاتی ہے۔" ("An Arabic English Lexicon"... Edward William Lane, part 3, p. 1172)

رہن کی قانونی حیثیت سورۃ البقرۃ میں بہ ایں الفاظ بیان کی گئی ہے:
وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ" (اَلْبَقَرَة: ۲۸۳)
"اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی کاتب نہ پاؤ تو رہن رکھنے کی چیزیں با قبضہ دے دیا کرو۔"

قرآنی الفاظ صرف سفر کے دوران (نہ کہ حضر میں) رہن کا جواز ظاہر کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی صورتِ حال عموماً سفر کے دوران ہی پیش آتی ہے' اس لئے اسے سفر کے سیاق میں بیان کیا گیا ہے جس میں معاہدہ کو ضبطِ تحریر میں لانے کے لئے کوئی کاتب نہ ملے۔ ورنہ رہن کی اجازت سفر و حضر دونوں صورتوں میں ہے۔ رہن کا اطلاق اُس صورت میں بھی ہوگا جہاں قرضخواہ مقروض پر اعتماد نہ کرے۔

احادیثِ نبویہ سے بھی رہن کے جائز ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً:
(۱) سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی یہودی سے کچھ کھانا ایک مقررہ وقت تک کے لئے اُدھار پر خریدا جس کے لئے آپ نے اپنی زرہ اس کے پاس رہن رکھی۔" (بخاری' ج ۳' ص ۵۴)
(۲) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زِرہ مدینہ میں ایک یہودی کے پاس گروی رکھی تھی۔" (ایضاً)

"مرہونہ اثاثہ کی قانونی حیثیت: اُس شخص کے لئے جس کی تحویل میں اثاثہ بطور رہن رکھا گیا' رہن اعتماد اور تسلی کی ایک صورت ہوتا ہے۔ فقہائے احناف کا یہ نظریہ ہے کہ جس کے پاس اثاثہ بطورِ رہن رکھا گیا ہے' اُس اثاثے کو اپنی تحویل میں لینے کے بعد اس کی حفاظت کا وہ ذمہ دار ہو جاتا ہے کہ کہیں اُس اثاثے کو نقصان نہ پہنچے۔ رہن رکھنے والے کی ذمہ داری کی وسعت قرض کی اُس رقم تک بھی ہے جو اُس نے مقروض کو دی ہے۔" (طاہر منصوری ص ۳۱۶)

"مرہونہ اثاثہ سے فائدہ اٹھانا:
(الف) جس کے پاس رہن رکھا گیا ہے' اُس کا اثاثہ مرہونہ سے فائدہ اٹھانا: فقہائے احناف کے نزدیک مرہونہ اثاثہ سے فائدہ اٹھانا اُس چیز کے مالک کی اجازت کے ساتھ مشروط ہے۔ فقہائے شوافع کے نزدیک مرہونہ اثاثہ سے فائدہ اٹھانا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اثاثہ کی قدر و قیمت میں کمی نہ ہو۔ فقہائے مالکیہ کے نزدیک رہن رکھنے والے کو قطعاً اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں' چاہے اثاثے کا مالک اس کی اجازت کیوں نہ دے۔

(ب) اثاثہ مرہونہ کے مالک کا فائدہ اٹھانا: اکثر مسلم فقہاء کے نزدیک اثاثے کا مالک مرہونہ شے کو استعمال میں نہیں لاسکتا۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ رہن کا بنیادی مقصد قرض کے تحفظ کے لئے ہوتا ہے نہ کہ اس سے فائدہ اٹھانے یا اُسے کاروبار میں لگانے کا۔ اُس حدیث کی رُو سے مرہونہ اثاثہ سے ہر قابلِ نفع عمل کو اسلامی قانون میں سُود سمجھا جاتا ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''ہر وہ قرض جو کچھ نہ کچھ نفع لائے' سود کی ایک قسم ہے۔'' (''سُبُل السلام'' صنعانی' ج ۳' ص ۵۳)

جس حدیثِ مبارکہ میں جانور کا دودھ دوہنے یا اس پر سوار ہونے کی اجازت دی گئی ہے' یہ اجازت اُس صورت میں ہے جب جانور کا مالک اُس جانور کا چارہ اور خوراک مہیا کرنے سے انکار کردے:

''مرہون جانور پر اُس وقت تک سواری کی جاسکتی ہے جب تک اسے کھلایا پلایا جاتا ہے اور دودھیل جانور کا دوودھ بھی اُس خرچ کے مطابق استعمال کیا جاسکتا ہے جو اُس پر ہوتا ہے۔ جو شخص جس جانور پر سوار ہوتا ہے یا اس کا دودھ استعمال میں لاتا ہے' خرچ کا مہیا کرنا اُس کی ذمہ داری ہے۔'' (ملخص: طاہر منصوری ص ۳۲۰)

(ص) معاہدہ کفالہ (ضمانت) : کفالہ کا جواز قرآن مجید' سنتِ نبوی اور اجماع سے ثابت ہے۔ مثلاً قرآن مجید کہتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اُس شخص کو ایک بارِ شتر (غلّہ) دینے کی ضمانت دی جو گم شدہ شاہی پیانے کو لا موجود کرے (بمطابق سورہ یوسف: ۷۲)

حدیثِ پاک میں آیا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کی نمازِ جنازہ پڑھانے سے انکار کردیا تھا کیونکہ اس کے ذمہ کچھ قرض واجب الادا تھا۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے اُس متوفّی کا قرض چکایا' تب رسول اللہ ﷺ نے اُن کی ضمانت کو قبول فرماتے ہوئے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ (صحیح بخاری ؛ نیل الاوطار' ج ۵' ص ۲۵۱)

تمام فقہائے اسلام میں اس بات پر اجماع ہے کہ کفالہ جائز معاہدہ ہے کیونکہ یہ قرضخواہ کے حق کا تحفظ کرتا ہے اور مقروض سے ہر قسم کے نقصان کو دُور کرتا ہے۔

(ض) معاہدہ صَرف : یہ زر کے بدلے میں زر کی فروخت یا زر کی تبدیلی کا نام ہے۔

''زر'' کی تعریف : ''زر وہ چیز ہے جسے تبادلے یا ادائی کے ذریعہ کے طور پر ہر جگہ قبول کیا جاتا ہے۔''
("Economics" ... Paul A. Samuelson and William Nordhaus, p.226) 1993.

"اہمیتِ زر : سورۃ النساء کی پانچویں آیت میں زر اور مال کو قِیام کے لفظ میں مایہ زندگی اور حیات کا سہارا کہا گیا ہے۔ ایک حدیث کی رُو سے زر' تبادلے کا ایک منصفانہ اور مساویانہ ذریعہ ہے۔ حدیث یوں ہے کہ حضور علیہ السلام نے جناب بلال رضی اللہ عنہ کو ہدایت کی کہ وہ کمتر درجے کی دوہرے وزن کی کھجور کا تبادلہ زر سے کریں اور پھر اُس زر سے عمدہ قسم کی کھجوریں خریدیں۔ (صحیح بخاری ؛ نیل الاوطار ج ۵' ص ۲۰۷)

اس ہدایت کا مقصد سُود سے بچانا تھا۔

''حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سونے کے بدلے میں سونا' چاندی کے بدلے میں چاندی' اناج کے بدلے میں اناج' جَو کے بدلے میں جَو' نمک کے بدلے میں نمک' اور اسی طرح ہر ''ایک جیسی' جنس برابر کے وزن میں دست بہ دست ہو۔ اگر اجناس مختلف ہوں تو اُن کی فروخت تمہاری صوابدید پر ہے بشرطیکہ وہ دست بہ دست ہو۔'' (نَیلُ الاوطار۔۔۔شوکانی' ج ۵' ص ۲۰۱)

کاغذی زر (PAPER MONEY) کی قانونی حیثیت : تمام عملی مقاصد کے لئے کاغذی زر حقیقی زر ہے اور دھات کے قدیم زر اور ہمارے آج کے کاغذی زر میں کوئی اہم فرق نہیں ہے کیونکہ دونوں اشیائے صَرف کی قدر کو متعین کرنے کا ذریعہ ہیں۔ بہت سے نامور مسلم علماء و فضلاء کی تحریروں نے اس حقیقت پر زور دیا ہے۔ یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:

''ہم اشیائے ضرورت کی قیمت ادا کرتے ہیں' مزدوروں کو اُن کی مزدوری دیتے ہیں' بیویوں کو اُن کا مہر دیتے ہیں اور اسی کاغذی زر ہی کی صورت میں قتلِ خطا کی دیت ادا کرتے ہیں۔ اگر کوئی اس کاغذی زر کو چُرا لے تو اُسے تمام فوجداری قانون کے ضابطے کے مطابق چوری کی سزا دی جاتی ہے۔ اِن حقائق کے پیشِ نظر ہم اس کے قانونی زر ہونے کے مقام سے کیوں انکار کریں؟'' (''ربٰو اور بینک کا سود'' جو یوسف القرضاوی کی کتاب ''فوائد البنوک ھی الربٰو المحرّم'' کا ترجمہ ہے' صفحات ۴۰' ۴۱)

''مکّہ مکرّمہ کی فقہی اکادمی نے اپنے اجلاس منعقدہ اکتوبر ۱۹۸۶ء میں اس بات پر زور دیا کہ کاغذی زر میں سونے' چاندی کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔ شرعی نقطہ نظر سے یہ ''ثمن'' ہے لہٰذا کاغذی زر پر سود' زکوٰۃ' سلَم کے کاروبار سے متعلق اور اُن تمام معاہدات پر جن میں سونا' چاندی کام میں لائے جاتے ہیں' شرعی قوانین کا اطلاق ہوگا۔''
(ڈاکٹر طاہر منصوری' صفحات ۱۹۹' ۲۰۰)

(ط) بیعِ مُطلَق : یہ اشیائے صَرف کی فروخت بذریعہ زر ہے۔ اگرچہ کچھ حالات میں مبادلہ کاری کے کاروبار (Barter Trade) کی اجازت ہے لیکن اسلام میں نقد کاروبار قابلِ ترجیح ہے اور اس کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے' زر کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے جو منصفانہ اور مساویانہ بنیاد پر تبادلے کا ایک ذریعہ ہے۔

(ظ) وَکـــالَۃ (تفویض شدہ اختیار): اس میں کسی شخص کو اپنی جانب سے تصرّف وغیرہ کے اختیارات دے کر اُسے اپنا نمائندہ (وکیل) بنانا ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل قرآنی آیت حج کے دوران نیابت کے جواز میں ہے:
فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰی یَبْلُغَ الْهَدْیُ مَحِلَّهٗ' (اَلْبَقَرَة : ۱۹۶)
''پھر اگر گھِر جاؤ تو جو بھی قربانی کا جانور میسّر ہو (اُسے پیش کرو) اور جب تک قربانی اپنے مقام پر پہنچ نہ جائے' اپنے سر نہ منڈاؤ''

وَکـــــالۃ کا دوسرا ثبوت حج کے دوران خواتین حاجنوں کا اپنے محرم مردوں (خاوند' بھائی' بیٹا' چچا وغیرہ) کو رمی جمار (شیطان کو کنکریاں مارنے) کا اختیار دے کر جمرات کی طرف بھیجنا ہے اور یہ عمل سنتِ نبوی سے ثابت ہے۔ مندرجہ ذیل احادیث بھی وَکالۃ کے جواز کے ثبوت میں ہیں :۔

(۱) عقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے اُنہیں کچھ بھیڑیں صحابہ میں تقسیم کرنے کے لئے عطا فرمائیں اور اُن کی تقسیم کے بعد ایک بھیڑ بچ گئی۔ نبی علیہ السلام کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اسے میری طرف سے قربان کردو۔ (صحیح بخاری: کتاب الوکالۃ؛ کتاب الضحایا)

(۲) عُروہ البارقی بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے اُنہیں ایک دینار دیا کہ وہ اس سے اُن کی جانب سے بھیڑ خریدیں۔ عُروہ نے اُس دینار سے دو بھیڑیں خریدیں جن میں سے ایک کو اُنہوں نے ایک دینار میں راستے ہی میں بیچ دیا۔ جب وہ ایک دینار اور ایک بھیڑ لے کر بارگاہِ نبوی میں آئے تو آپ ﷺ نے اُنہیں دُعا دی کہ اللہ تمہارے کئے ہوئے سودے میں برکت عطا فرمائے۔'' (سنن ابی داؤد : ۳۸۵۴)

(۳) کہا جاتا ہے کہ حضرت علی کرّم اللہ وجھہ' نے حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کو اپنے مقدمات کی پیروی کے لئے وکیل مقرر کیا اور جب عقیل بوڑھے ہو گئے تو اُن کی جگہ حضرت عبداللہ بن جعفر کو مقرر فرمایا۔''
(تلخیص: "Islamic Law of Contracts and Business Transactions"... Dr. Muhammad Tahir Mansuri)

قرآنِ حکیم کی روشنی میں کچھ متعلقہ اصطلاحات

(۱) تشہیر (Advertising): تشہیر کے بارے میں قرآنِ حکیم کا وضع کردہ ضابطہ انتہائی احتیاط پر مبنی ہے جو پاک بازی' خدا خوفی اور اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہی کی ذمہ داری کے احساس کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ فرمایا:

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْٓا إِنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌ" بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْٓا أَنْ تُصِيْبُوْا
قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ٥ (اَلْحُجُرات : ۶)

"ایمان والو! اگر کوئی معصیت پیشہ آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ کہیں تم نادانی سے کسی قوم کو نقصان پہنچاؤ اور پھر اپنے کئے پر پچھتاؤ۔''

چنانچہ مصنوعات اور اشیائے صَرف کی فروخت کے بارے میں یہ تشہیر صداقت' ایمانداری' دیانتداری اور اسلام کے قائم کردہ نظامِ اخلاق وتجارت کی بنیاد پر ہوگی جس میں دروغ گوئی اور فریب کاری نام کو نہیں ہوں گے۔

(۲) دیوالیہ پن (تفلیس Bankruptcy) : جب آدمی کے قرض اُس کے اثاثوں سے بڑھ جائیں تو

اُسے دیوالیہ تصور کیا جاتا ہے اور اُس کے قرضخواہوں کے مطالبے پر عدالت حکمِ امتناعی جاری کرتی ہے جس کی رُو سے لوگ اس سے ہر قسم کے لین دین سے باز رہتے ہیں۔ عدالت قرضخواہوں کی تلافی کے لئے اس کی جائداد کی فروخت کرتی ہے۔ جائداد کی فروخت کے بارے میں اِس حکمِ امتناعی (جسے اصطلاح میں الحجر کہا جاتا ہے) کا مقصد اُس کے قرضخواہوں کے مفاد کا تحفظ اور اُسے مزید کاروباری معاملگی سے روکنا ہے۔ ایسے ضابطے کی مثال نبی علیہ السلام نے قائم فرمادی تھی جو حسب ذیل ہے:۔

''کہا جاتا ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ایک سخی شخص تھے اور ہمیشہ اپنے اثاثے غرباء میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ ہمیشہ مقروض رہتے تھے اور اُن کے قرض اُن کے اثاثوں سے تجاوز کر گئے تھے۔ وہ ایک مرتبہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کی کہ وہ اُن کے قرضخواہوں سے کہیں کہ وہ اپنے دئے ہوئے قرضوں سے دست کش ہو جائیں لیکن قرضخواہ نہ مانے۔ تو بعد میں نبی علیہ السلام نے معاذ کے قرض اتارنے کے لئے اُن کی جائداد فروخت کر دی یہاں تک کہ معاذ کے پاس کچھ بھی باقی نہ بچا۔'' (طاہر منصوری ص ۵۸)

(۳) سرمایہ کاری (Investment): تمام وہ قرآنی آیات جن میں راہِ خدا میں خرچ کرنے کو کہا گیا ہے' بلا شک وشبہ اُس تجارت میں سرمایہ کاری کرنے کی ترغیب میں ہیں جس میں کبھی نقصان نہ ہوگا' نہ وہ کساد بازاری اور مندے کا شکار ہوگی اور اُس کا کھاتہ دار یومِ آخرت میں فائدے میں رہے گا۔

(۴) تلافی اور عوضانہ (Indemnity): اسلام کے وضع کردہ قانونِ تلافی کے مطابق ہر وہ شخص جو کسی کو نقصان پہنچائے' اس نقصان کی تلافی کرنے کا ذمہ دار ہے۔ رحمٰن ورحیم اللہ جس پر کسی جہت سے کسی قسم کی کوئی پابندی یا ذمہ داری عائد نہیں ہے' اپنی مخلوقات کو زندگی عطا فرماتا ہے۔ عطیہ حیات مخلوقات کے پاس امانتِ الٰہی ہے بایں معنی کہ وہ اپنے کلمہ حق کی بلندی کی خاطر جس وقت چاہے' اس امانت کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے اور مخلص مؤمنین اس کی خوشنودی کے حصول کے لئے اس امانت کو قربان کرنے سے ذرہ بھر تامل نہیں کرتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس قربانی کی تلافی کرنے کا وعدہ فرماتا ہے اگرچہ متاعِ حیات خالصتاً اُسی کی مِلک ہے اور اسے اس کے مطالبے کا جب بھی چاہے' پورا حق حاصل ہے۔ تلافی کرنے کا یہ عمل اُس کی خاص الخاص رحمت وکریمی کا نتیجہ ہے جو وہ اپنے اُن مخلص بندوں پر نچھاور کرتا ہے جنھیں قرآنِ حکیم نے حیاتِ جاوداں اور ابدی نجات کا اس طرح مژدہ سنایا ہے:۔

(۱) إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (اَلتَّوبة : ۱۱۱)

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں سے اُن کی جانوں اور اُن کے مالوں کو جنت کے عوضانے میں خرید لیا ہے۔''

(۲) إِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ○ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ (فاطر : ۲۹ '۳۰)

''بے شک وہ لوگ جو کتاب اللہ کی تلاوت کرتے رہتے ہیں' نماز کی پابندی کرتے ہیں' اور جو کچھ ہم نے

اُنہیں دیا ہے' اُس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے رہتے ہیں' وہ ایسی تجارت کی آس لگائے ہوئے ہیں جو کبھی ماند نہ پڑے گی تا کہ اُنہیں اُن کے (اعمال کے) صلے اللہ پورے دے اور اپنے فضل سے (اُن میں کچھ) بڑھا بھی دے۔"

"قرآن مجید میں کثرت کے ساتھ تجارتی اور کاروباری اصطلاحات کے آنے سے ایک طرف تو اس پر روشنی پڑتی ہے کہ اُس وقت کے عربوں کے قومی مزاج پر تجارتی ذوق کا اچھا خاصا غلبہ تھا اور دوسری طرف اس پر بھی کہ قرآن کو اسی ذوق کا اُمتِ مسلمہ میں پھیلا رہنا مقصود بھی تھا۔" (ماجدی۔۔اردو حاشیہ ص ۸۷۸)

(۵) بیمہ کمپنی: رب تعالیٰ کی قائم کردہ بیمہ کمپنی ایسی ہے جو اپنے کھاتہ داروں کو کئی گنا زیادہ بونس اور نفع دیتی ہے جو حلال بھی ہے' انعامِ خداوندی بھی ہے اور اُس کی رضا کا پروانہ بھی۔ متعدد مقامات پر اس نفع بخش کاروبار کی ترغیب دی گئی ہے مثلاً:

(i) مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً (اَلْبَقَرَۃ: ۲۴۵)

"کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے' جس کے نتیجہ میں اللہ اُسے بڑھا کر اُس کے لئے کئی گنا کر دے۔"

(ii) اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَھُمْ وَلَھُمْ اَجْرٌ کَرِیْمٌ o (اَلْحَدِید: ۱۸)

"بلاشبہ صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں جو اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دیں تو وہ صدقہ اُن کے لئے بڑھایا جائے گا اور اُن کے لئے اجرِ کریمانہ ہے۔"

نوٹ: اصطلاحِ شریعت میں قرضِ حسنہ ایسے مال کو کہتے ہیں جو حلال کمائی سے خوشدلی اور خلوصِ نیت کے ساتھ ضرورتمند کو رب کی رضا کی خاطر دیا جائے۔

نکتہ یہاں سمجھانے کا یہ ہے کہ مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی کمائی کا کچھ حصہ راہِ خدا میں خرچ کرے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی بیمہ کمپنی کا کھاتہ دار بن جائے۔ اس دنیا کی بیمہ کمپنیوں کے برعکس اللہ کی بیمہ کمپنی میں کسی نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں۔ اس میں کھاتہ داروں کے اثاثے چوری چکاری' غبن' خرد برد' حادثات اور آفات سے بالکل محفوظ ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ بیمہ کمپنی اپنے کھاتہ داروں کو مقدار میں اضافے کے ساتھ ساتھ معیار میں بھی اُقلیدسی افزائش (Geometrical Progression) کے ساتھ عطا کرتی ہے' نہ کہ حسابی افزائش (Arithmetical Progression) کے ساتھ

نوٹ: جیومیٹریکل پروگریشن کی مثال: 2x2 = 4 ; 4x4 = 16 16x16 = 256 وعلیٰ ہٰذا القیاس

اِرتھ میٹیکل پروگریشن کی مثال: 2+2=4 ; 4+4=8 ; 8+8=16 وعلیٰ ہٰذا القیاس

تاثرات

علوم القرآن بہت وسیع اور لامتناہی ہیں۔ قرآنِ حکیم کُل عالمِ انسانیت کے لئے پیغامِ رحمت اور شِفا ہے۔ چنانچہ جدید تعلیم یافتہ نسل کو حلقہ قرآن کے فہم میں لانا ایک ناگزیر فریضہ ہے جس کی بہ طریقِ احسن تکمیل پروفیسر اشفاق احمد خان نے کی ہے اور مجھے یہ سعادت حاصل ہے کہ اُنہوں نے آج سے بیس سال پہلے رمضان المبارک میں تراویح اور پھر تراویح میں سنائی گئی منزل کا ترجمہ و مدلل تفسیر کا سلسلہ راقم الحروف کی رہائش گاہ پر شروع کیا اور دو سال پہلے تک غیر منقطع طور پر جاری رکھا۔ اٹھارہ سال کے اس طویل دورانیے میں ہر سال شبِ قدر بھی نصیب ہوتی رہیں اور قبولیتِ دعا و التجا کی وہ ساعتیں بھی جن میں پروفیسر موصوف حاضرین سمیت خالقِ لم یزل کے حضور اپنا سرِ نیاز رکھ کر انتہائی عاجزی کے ساتھ اور نہ تھمنے والے آنسوؤں کی جھڑی کے ساتھ اُس کے فضل و کرم اور مغفرت کی بھیک مانگتے رہے۔ اللہ شاہد ہے کہ یہی گھڑیاں ہماری زندگی کا حاصل تھیں۔

علومِ قرآن کی تحصیل و تعلیم اور اس کی نشر و اشاعت ایک ایسی سعادت ہے جو فرشتوں کی محبت کا ذریعہ ہے۔ صاحب لولاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قرآنی علوم حاصل کرنے والوں کو فرشتے گھیر لیتے ہیں' اُن سے محبت کرتے ہیں اور رب تعالیٰ سے اُن کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ (مُسند امام احمد' طبرانی)

ایک اور حدیثِ مبارکہ کے مطابق قرآنِ حکیم کی تلاوت اور درس و تدریس میں مشغول اَفراد پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکون کی ایک خاص کیفیت نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان ماہرینِ قرآن کا ذکر مجلسِ ملائکہ میں کرتے ہیں۔

اِن احادیث کی تائید پارہ تیس کی سورہ عَبَس کی آیات ۱۱ تا ۱۶ سے ہوتی ہے جن میں فرمایا گیا:

''قرآن پاک اللہ کے ہاں ایسے مقدس صحیفوں میں درج ہے جو بلند مرتبہ اور پاکیزہ ہیں اور یہ قرآنی صحیفے ایسے کاتبوں کے ہاتھوں سے لکھے گئے ہیں جو بہت باعزت اور نیک ہیں۔''

عصرِ حاضر میں جدید انگریزی اُسلوب اور لب و لہجہ میں علومِ قرآن کی اشاعت اس لئے بھی ضروری ہے تاکہ مستشرقین کے قرآن پر ہونے والے اعتراضات کا انہی کی زبان میں جواب دیا جائے۔ کچھ عرصہ قبل امریکہ اور اسرائیل کے مستشرقین نے مل کر پروفیسر Anes Shoorush کی رہنمائی میں صرف 77 سورتوں پر مشتمل قرآنِ حکیم کا ایک نسخہ The True Furqan کے نام سے شائع کیا اور اس کے عربی اور انگریزی نسخے تمام دنیا میں پھیلا دئے۔

(۶) نفع ونقصان : نفع ونقصان کا قرآنی تصور حسب ذیل ہے :۔

(i) مَا عِندَكُمْ يَنفَدُ وَمَا عِندَ اللهِ بَاقٍ (اَلنَّحل : ۹۶)

"جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے باقی رہنے والا ہے۔"

(ii) وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْبُدُ اللهَ عَلَىٰ حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ۝ (اَلْحَجّ : ۱۱)

"اور انسانوں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ کی پرستش کنارہ پر (کھڑا ہو کر) کرتا ہے پھر اگر اُسے کوئی نفع پہنچ گیا (تو) وہ اُس پر جما رہا اور اگر (کہیں) اُس پر کوئی آزمائش پڑی تو وہ منہ اٹھا کر واپس چل دیا (یعنی) دنیا اور آخرت کو کھو بیٹھا، یہی انتہائی محرومی ہے۔"

نفع کے محرّک کو اسلام نے تسلیم کیا ہے کیونکہ نفع ہی تو ہر اُس نظام کی کامیابی کے لئے لازمی ہے جو آزاد تجارتی مہم کی تشکیل کرے۔ عبدالرحمٰن الجزیری نے اپنی مشہور کتاب "کتاب الفقہ" میں لکھا ہے:۔

"شریعتِ اسلامی میں خرید و فروخت کی اجازت اس لئے ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے فائدہ اٹھائیں۔ غبن (منفعت کوشی) کی جڑ یہی ہے کیونکہ فروخت کنندہ اور خریدار دونوں ہی زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ شارع علیہ السلام نے بیع و شراء میں نفع کمانے سے منع نہیں فرمایا اور نہ منافع کی کوئی حد متعیّن فرمائی ہے البتہ غلط بیانی اور فریب کاری سے منع فرمایا ہے اور ایسے سَودوں کی تعریف فرمائی ہے جس میں یہ برائی نہ ہو کہ مال کے عیب کو چھپا کر سودا کیا جائے۔" (جلد دوئم، صفحہ ۵۷۰، اُردو ترجمہ)

(۷) کاروباری مشاغل ذکرِ الٰہی اور تعمیلِ احکام میں رکاوٹ نہ بنیں : قرآن مجید نے اِس عمل کو بہ نظرِ تحسین دیکھا ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللهِ وَإِقَامِ الصَّلَوٰةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَوٰةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۝ (اَلنُّور : ۳۷)

"ایسے لوگ جنہیں نہ تو تجارت اور نہ ہی خرید و فروخت اللہ کی یاد سے، نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے غفلت میں ڈالتی ہے، وہ ایسے دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں اُلٹ جائیں گی۔"

(۸) "سرمایہ دار اور لیبر کے درمیان شراکت داری : اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انسانوں میں صلاحیتوں اور دولت کو ایک دانشمندانہ منصوبہ کے مطابق تقسیم کیا ہے۔ ہم کئی ایسے باصلاحیت اور تجربہ کار افراد کو دیکھتے ہیں جن کے پاس دولت ہوتی ہی نہیں یا ہوتی ہے تو قوتِ لایموت جبکہ کچھ نالائق اور صلاحیتوں سے عاری، دولت میں کھیل رہے ہوتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں مالدار لوگوں کو چاہئے کہ وہ باصلاحیت لوگوں کو اپنی دولت کا کچھ حصہ نفع بخش تجارت میں لگانے کے لئے دیں تاکہ دونوں ایک دوسرے سے فائدہ اٹھائیں اور کسی متفق علیہ فارمولہ کے مطابق نفع میں شریک بنیں۔"

بالخصوص بڑے پیانے پر تجارتی مہمات کئی حصہ داروں کے تعاون کی متقاضی ہوتی ہیں۔ملکی آبادی میں ہم ایسے لوگوں کی کثیر تعداد پاتے ہیں جن کے پاس ضرورت سے زائد سرمایہ ہے لیکن اُن کے پاس سرمایہ کاری کا وقت اور اہلیت نہیں ہے اس صورتِ حال میں اُس رقم کو کیوں نہ ایک جگہ اکٹھا کر کے اہل اور باصلاحیت لوگوں کی تحویل میں دیا جائے جس کی وہ اہم اور اعلیٰ پیانوں کے منصوبوں میں سرمایہ کاری کریں؟''

''ہم یہ کہتے ہیں کہ شریعتِ اسلامی نے سرمایہ کار اور انتظامیہ کو' یا سرمایہ کار اور لیبر کو باہمی تعاون سے نہیں روکا۔ بلکہ شریعت نے ایسے تعاون کے لئے ایک مضبوط اور منصفانہ بنیاد قائم کی ہے کہ اگر سرمایہ دار لیبر کے ساتھ حصّہ داری کرنا چاہے تو اُسے اس شراکت کے نتائج میں حصّہ دار بننے پر بھی متفق ہونا چاہئے۔شریعتِ اسلامی یہ شرط عائد کرتی ہے کہ ایسی حصّہ داری میں جسے ''مضاربت'' کہا جاتا ہے' فریقین کو اس بات پر متفق ہونا چاہئے کہ نفع ونقصان دونوں میں اُس تناسب سے شریک ہوں گے جس کا فیصلہ پہلے ہی سے کر لیا جائے۔اس طرح سرمایہ دار اور لیبر کے درمیان شراکت فریقین کی اجتماعی ذمہّ داری ہے جس میں سے ہر ایک کو نفع یا نقصان (کم ہو یا زیادہ) ملے گا۔اگر میزان میں نقصان نفع سے تجاوز کر جائیں تو فرق کو سرمایہ سے پورا کرنا ہوگا۔یہ اہتمام حیران کن نہیں ہے کیونکہ جہاں سرمایہ کار کو اپنی دولت میں نقصان ہوا ہے' وہاں کام کرنے والے شراکتی کا وقت اور محنت بھی تو ضائع ہوئی ہے۔''

''شراکتی معاہدوں کے متعلق یہ اسلام کا قانون ہے۔اس کے برعکس اگر سرمایہ دار کو اس کے سرمائے پر قطع نظر نفع یا نقصان کی مقدار کے' متعین نفع کی ضمانت دی جائے تو یہ صریحاً انصاف کا گلا گھونٹنا ہوگا۔ایک ایسے شخص کو نفع کی ضمانت دینا جس نے کوئی محنت نہیں کی یا خطرہ مول نہیں لیا' سُود کی انتہائی بدترین شکل ہے۔''

''نبی اکرم ﷺ نے قابلِ کاشت زمین میں جسے 'المزارعۃ'' کہا جاتا تھا' ایسی شراکت داری سے منع فرمایا جس میں از روئے معاہدہ ایک حصّہ دار کو پیداوار کا مخصوص حصّہ دیا جائے۔آپ نے اس سے اس لئے منع فرمایا کہ ایسا سودا سُود یا جوئے کے مشابہ ہے کیونکہ اگر پیداوار مقدارِ مخصوص سے کم ہوئی یا بالکل نہ ہوئی تو ایک حصّہ دار تو بروئے معاہدہ اپنا حصّہ لے جائے گا جبکہ دوسرا فریق سراسر نقصان میں رہے گا جو انصاف کے خلاف ہے۔''

''بہرحال میری نظر میں فقہاء کے اِجماع کی بنیاد ہی یہ ہے کہ کوئی شراکتی کاروبار جائز اور معتبر نہیں ہوگا جس میں ایک حصّہ دار کے لئے ہر حال میں متعیّن نفع رکھ دیا گیا ہو قطع نظر اس کے کہ سرمایہ کاری نفع بخش ہے یا نہیں۔''

(''الحلال والحرام فی الاسلام''۔۔انگریزی ترجمہ'یوسف القرضاوی' ص ص ۲۷۱' ۲۷۲)

''رقم کی پیشگی ادائی: مسلمان کو ایک مخصوص قیمت کے لئے سامانِ تجارت کی مقدارِ مخصوص پر پیشگی ادائی کی اجازت ہے' وہ سامانِ تجارت آئندہ کسی وقتِ مقرّرہ پر خریدار کو پہنچایا جائے گا۔اس قسم کی سودے بازی مدینہ منورہ میں

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہاں تشریف آوری پر رائج تھی۔ آپ نے اس قسم کے سُودوں کو شریعتِ اسلامی سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اُن میں کچھ تبدیلیاں کیں اور شرائط عائد کیں۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ پھلوں کے لئے ایک سال یا دو سالوں کی رقم پیشگی ادا کرتے تھے۔ اس پر آپ نے فرمایا:

''وہ لوگ جو کسی چیز کے لئے پیشگی ادائی کرتے ہیں، مخصوص مقدار اور وزن کے تعین کے ساتھ اور مخصوص وقت کے تعین کے ساتھ ایسا کرلیا کریں۔''

''مقدار، وزن اور وقت کی یہ حد بندی غیر یقینی کیفیت اور غلط فہمی کو دُور کرنے کے لئے ہے۔ اس سے ملتی جلتی کیفیت کھجور کے درختوں پر پیشگی ادائی کی تھی جسے نبی اکرم ﷺ نے کسی ناگہانی آفت یا نادیدہ نقصان کے امکان کی وجہ سے منع فرمایا۔ لہٰذا پیشگی ادائی کا متبادل طریقہ یہی ہے کہ وزن کی مقدار کو مخصوص کرلیا جائے بجائے اس کے کہ کچھ درختوں کے پھلوں یا کسی کھیت کی پیداوار کو فروخت کردیا جائے۔ تاہم ایسا سودا حرام ہے جس میں درختوں یا کھیت کے مالک کا صریحاً استحصال کیا جارہا ہو اس وجہ سے کہ اُسے رقم کی ضرورت ہے۔'' (یوسف القرضاوی، ص ۲۷۰)

''<u>رقم کی مؤخر ادائی پر فروخت</u>: بہتر تو یہی ہے کہ چیز نقد قیمت پر خرید کی جائے لیکن باہمی رضامندی کی شرط پر چیز کو قرض پر بھی خرید کیا جاسکتا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ اور ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے ایک یہودی سے کچھ چنے خریدے جن کی قیمت کی ادائی بروئے معاہدہ وقتِ مخصوص پر ہونا طے پائی اور آپ نے اپنی زرہ اُس کے پاس بطور ضمانت رکھی۔''

''فقہاء کے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ اگر فروخت کار، خریدار کے مؤخر ادائی کے کہنے پر اپنی قیمت بڑھادیتا ہے جیسا کہ قسط وار ادائیگیوں کی خریداری میں عام ہے، تو تاخیرِ وقت کی وجہ سے قیمت کا یہ فرق سُود کے مشابہ ہے اور اس وجہ سے وہ ایسی فروخت کو حرام قرار دیتے ہیں۔ تاہم فقہاء کی اکثریت اس کے جواز کی قائل ہے کیونکہ ایسے سودے کی ممانعت میں کوئی صریح متن موجود نہیں ہے۔ مزید برآں یہ کہ مجموعی طور پر ایسا سودا سُود کے مشابہ نہیں ہے کیونکہ فروخت کار قیمت بڑھانے میں آزاد ہے جب تک کہ خریدار کا صریح طور پر استحصال نہ ہو رہا ہو، ورنہ استحصالی صورت میں یہ سودا حرام ہوگا۔ الشوکانی کہتے ہیں:

''قانونی وجوہ کی بنا پر شافعی اور حنفی مکتبِ فکر کے لوگ زید بن علی، المؤید باللہ اور علماء کی اکثریت اسے جائز سمجھتی ہے۔'' (''نیل الاوطار'' جلد پنجم، صفحہ ۱۵۳ بحوالہ یوسف القرضاوی صفحات ۲۶۹، ۲۷۰)

''<u>تمام تجارتوں میں بہترین تجارت</u>: سورۃ الصّف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنۡجِيۡكُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِيۡمٍ ۝ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَ تُجَاهِدُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝ يَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ وَيُدۡخِلۡكُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِىۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ۝ وَاُخۡرٰى تُحِبُّوۡنَهَا نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتۡحٌ قَرِيۡبٌ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝ (الصّفّ: ١٣-١٠)

”ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی سوداگری بتا دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچا دے؟ (وہ یہی ہے کہ) تم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعے جہاد کرو، تمہارے حق میں یہی بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کرے گا اور تمہیں باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور عمدہ مکانوں میں داخل کرے گا جو ہمیشہ رہنے والے باغوں میں ہوں گے یہی بڑی کامیابی ہے، اور ایک اور (ثمرہ بھی) کہ وہ تمہیں محبوب ہے (یعنی) اللہ کی طرف سے مدد اور جلد فتحیابی اور (اے پیغمبر!) آپ ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔“ (61:10-13)

قرآنِ حکیم کے اوّل مخاطبین قریش عرب ایک زبردست تجارت پیشہ قوم اور بڑے کاروباری لوگ تھے۔ قرآن مجید کا اُن سے مخاطبت میں تجارتی، معاشی، کاروباری اصطلاحیں: بیع و شراء، مال، رِبح، خسران، اشتراء، ثمن، قرض، قرضِ حَسن، دَین، ربٰو وغیرہ لانا اُن مخاطبین کی خاص رعایت رکھنا ہے۔

جو قومیں آخرت پر یقین رکھنے کا دعویٰ کرتی ہیں وہ اسے خوب سمجھے رہیں کہ انسان کی اصلی کامیابی یہی عالمِ آخرت کی مستقل، پائیدار کامیابی ہے اور لازوال مسرّت، بے پایاں راحت اور غم واَلم سے نجات ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے تجارت کرنے والا تاجر صرف روزِ قیامت ہی اس کے فوائد سے بہرہ ور نہ ہوگا بلکہ اس دنیا میں بھی اس کا فائدہ اُسے ملے گا اور وہ فائدہ یہ ہے کہ وہ جس میدان میں قدم رکھے گا، تنہا نہیں ہوگا، نصرتِ خداوندی اس کے شاملِ حال ہوگی اور فتح وکامرانی اس کے قدم چومے گی۔ جہاں بھی وہ جائے گا ہر چیز اُس کے آگے دست بستہ حاضر ہوگی، پہاڑ اُس کی ٹھوکر سے اور سمندر اُس کی ضرب سے راستہ چھوڑ دیں گے اور وہ تجارت یہ ہے کہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور اپنے اموال اور اپنی جانیں اپنے منعمِ حقیقی کی راہ میں قربان کر دو۔ بتایا کہ مال کو بچا بچا کر رکھنے میں تمہارا نفع نہیں بلکہ اپنے خالق کی رضا اور خوشنود کے لئے گھر بار لُٹا دینا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ جان کو بہ حفاظت رکھنے میں تمہاری سلامتی نہیں بلکہ سلامتی اس میں ہے کہ اس کے نام کو بلند کرنے کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دو اور اپنا سر قربان کر دو۔ سورۃ الحج کی آخری آیت ۷۸ وَجَاهِدُوۡا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ کے بموجب اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرنے کے لئے خون کے دریا بہتے ہیں تو اُنہیں خوب بہنے دو، اگر کشتوں کے پشتے لگ رہے ہیں تو ذرا پروانہ کرو، رنگ رنگیلی جوانیاں قربان ہو رہی ہیں، دلہنوں کے سہاگ لُٹ رہے ہیں، بچے یتیم ہو رہے ہیں یہ سب کچھ بلا تامّل ہونے دو۔ جب تک تمہاری جان میں جان ہے اسلام کا پرچم سرنگوں نہ ہونے پائے۔ حضرت جعفرؓ کی طرح اگر ایک ہاتھ کٹ گیا ہے تو جھٹ دوسرے ہاتھ میں جھنڈا تھام لو اور اگر دوسرا بازو بھی کٹ گیا ہے تو اپنے دانتوں سے پکڑ لو۔ تمہارا جسم اگر تیر وسناں

کے چرکوں سے چھلنی ہو گیا ہے تو کیا ہوا۔ اسلام کی عظمت و ناموس کو اگر تم نے اپنی جان دے کر بچا لیا تو تم سے زیادہ خوش نصیب اور سعادت مند اور کون ہو گا! اس سب سعیِ جمیلہ کو بہ نظرِ تحسین دیکھتے ہوئے اور اس کی قدر کرتے ہوئے اس کے عوض میں ہم تمہیں حیاتِ جاوداں بخش دیں گے اور موت تمہارا دامن چھو تک نہ سکے گی۔ اقبال علیہ الرحمۃ نے سچ کہا:

برتر از اندیشۂ سُود وزیاں ہے زندگی ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی

"وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا یعنی اس اُخروی ثمرہ کے علاوہ ایک اور ثمرۂ ایمان واطاعت جو تمہیں طبعاً محبوب بھی ہے ---ثمراتِ آخرت کیسے ہی بیش بہا، گراں قدر، بے مثال ہوں بہر حال انتظار طلب ہیں۔ انسان طبعی وخِلقی طور پر اس بڑے اور انتہائی ثمرہ کے علاوہ، ثمراتِ عاجل کا بھی طلبگار رہتا ہے اور قرآن سے بڑھ کر بشری جذبات کی رعایت کرنے والا اور کون ہو گا؟ نَصْرٌ "مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ" قَرِيبٌ" مسلمانوں کی عظیم الشان اور حیران کن فتحمندیوں کی پیشگوئی کا ظہور ووقوع جس شاندار طریقے پر سارے حجاز کے ایک ایک غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں اور پھر خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں ایران، رومہ، شام، مصر اور عراق کی سرزمینوں پر ہو کر رہا، اس کی گواہ ساری دنیا کی تاریخ ہے۔"

(ماجدی: اردو صفحہ ۱۱۰۵)

__دَولت (Wealth)__ =افادیت + قلت + قابلِ انتقال ہونے کی صلاحیت + اُدلا بدلی ہونے کی صلاحیت

جہاں تک افادیت کا تعلق ہے، تو قطبِ شمالی کی بنجر چٹانیں اور برف، دولت یا اقتصادی اشیائے ضرورت نہیں ہیں کیونکہ وہ کسی کے کام کی نہیں ہیں۔ چونکہ وہ ہر قسم کے انتفاع اور افادہ سے خالی ہیں اس لئے وہ "دولت" کی تعریف میں نہیں آتیں۔

"آزاد اشیائے ضرورت مثلاً سورج کی روشنی، ہوا اور پانی میں اگرچہ بلا شک وشبہ انتفاع اور افادہ کی خصوصیت ہے لیکن وہ اقتصادی اشیائے ضرورت یا دولت نہیں ہیں کیونکہ وہ کمیاب نہیں اور غیر محدود مقادیر میں پائی جاتی ہیں۔ یہ آزاد اشیائے ضرورت دولت اُس وقت بنتی ہیں جب وہ آزادانہ طور پر نہ ملیں۔ مثلاً شہر میں پانی نہ ملے یا تھیٹر میں روشنی نہ ہو۔ لہٰذا اقتصادی دولت کی تعریف میں افادہ کے ساتھ ساتھ اُس کی قلت اور کمیابی بھی شامل ہے۔"

("Economics and Islam" -- Dr. Muhammad Musleh-ud-Din, pp. 35, 36)

"__زر اور دولت (Money & Wealth)__: زر اور دولت کے معانی کو باہم گڈمڈ نہ کر دیا جائے، کیونکہ زر اور دولت دو مختلف چیزیں ہیں۔ زر (Money) قوتِ خرید کا عالمی ذریعہ ہے۔ زر کے ذریعے ہی دولت کمائی جاتی ہے۔ اقتصادی دولت کا مالی معیار یہی ہے کہ کسی چیز کو زر کے عوض (نہ کہ دولت کے عوض) فروخت کیا جاتا ہے۔" (ایضاً ص ۳۶)

(۱۹) تقویم (CALENDARING)

''تقویم' وقت کے نقشِ پا کو قائم رکھنے کا نظام ہے۔ پورے سال کے لئے یہ ایک قسم کا کلاک ہے۔ ایک کلاک جبکہ سیکنڈوں' منٹوں اور گھنٹوں کا مقیاس اور پیانہ ہے تو کیلنڈر (تقویم) دنوں' ہفتوں اور مہینوں کا پیانہ ہے۔''

''زمانہِ قدیم ہی سے وقت گزرنے کو ریکارڈ کرنے کے لئے کیلنڈر استعمال کئے جاتے رہے ہیں۔ ریکارڈ کرنے کے ساتھ ساتھ اُنہیں مستقبل میں باقاعدہ ہونے والے واقعات کی پیش گوئی میں بھی استعمال کیا جاتا رہا ہے' جیسے موسمِ بہار کی آمد۔ جن لوگوں نے ابتدائی تقویم پر کیا' اُنہوں نے کیلنڈرز کی بنیاد دو یا تین وقت کی پیمائشوں پر رکھی یعنی موسم' چاند کی جہتیں اور شمسی دن۔ اس طرح کیلنڈر ہماری روزمرّہ زندگی میں بہت مفید ہیں۔ وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ آج ہفتے کا کون سا دن ہے' کونسی تاریخ ہے اور کونسا مہینہ ہے۔ کیلنڈر پورے سال کی آئندہ تاریخوں سے ہمیں آگاہی بخشتے ہیں۔ مثلاً اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہیں کہ ہفتے کے کون سے دن میں آپ کا یومِ پیدائش ہے' تو آپ اسے پیشگی طور پر کیلنڈر میں دیکھ سکتے ہیں۔ دیواری کیلنڈر' ڈیسک کیلنڈر' جیبی کیلنڈر اور تاریخ معلوم کرنے کی کتابیں ہمارے منصوبے بنانے' ہمیں اپنی مصروفیات یاد دلانے اور دیگر منصوبہ شدہ واقعات میں مفید ہیں۔ مثلاً اگر آپ کو یہ بتا دیا جائے کہ ۱۵ مارچ کو آپ کا سکول ٹیسٹ ہوگا یا ڈاکٹر کو ملنا ہے' تو آپ کیلنڈر باکس میں اُس دن کی مصروفیت کو درج کریں گے اور جب بھی آپ کی نگاہ کیلنڈر کی اُس تاریخ پر پڑے گی تو آپ کو وہ مصروفیت یاد آجائے گی۔ علاوہ ازیں کیلنڈرز اکثر اوقات تعطیلات کے بارے میں بھی آگہی بخشتے ہیں۔ کچھ کیلنڈر تو یہاں تک بتاتے ہیں کہ سورج کس وقت طلوع اور غروب ہوگا' کس وقت سمندر میں مدّ و جزر آئے گا اور کس وقت پسپا ہوگا اور کس تاریخ کو چاند مکمل چاند (مہِ کامل) بنے گا۔''

("The New Book of Knowledge" Vol. 3, p. 9) 1986 USA.

''تقویم سازی: سورۃ البقرۃ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ (البقرۃ: ۱۸۹)

''(اے پیغمبر!) لوگ آپ سے نئے چاندوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں' فرما دیجئے کہ وہ لوگوں کے لئے اور حج کے لئے شناختِ اوقات کا آلہ ہیں۔''

ہِلال یعنی نیا چاند تو ایک وقت میں ایک ہی ہوتا ہے لیکن سوال یہاں أَهِلّة (بہ صیغہ جمع) سے متعلق ہے تو عَنِ الأَهِلّة کے معنی ہی ہوئے چاند کے مہینوں کی بابت دریافت کرنا یعنی پہلے چاند کا طلوع ہونا' پھر اُس کا تاریخ وار بڑھنا اور پھر تاریخ وار اُس کا گھٹنا' یہاں تک کہ اُس کا غائب ہونا (تفسیر قرطبی)۔

سوال کے جواب میں یہ بات پوشیدہ ہے کہ یہ چاند لوگوں کے کاروبار اور خصوصاً حج کے اوقات کی علامتیں اور

اُن کے معلوم کرنے کا ذریعہ ہیں کہ اس سے قرض کی مدت' عورتوں کی عدّت' سالوں کے شمار' لوگوں کی عمریں' ماہِ رمضان اور عید بقرعید کا پتہ لگتا ہے اور اسی سے حج اور اُس کی تاریخیں معلوم ہوتی ہیں اور اسی کے ذریعے ارکانِ حج ادا کئے جاتے ہیں۔ اس جواب سے اِس امر پر متنبہ کیا کہ چاند کے گھٹنے' بڑھنے سے تمہارے دینی اور دنیاوی کاموں کی جو غرض متعلق ہوتی ہے' تمہیں صرف اس سے سروکار رکھنا چاہئے۔ باقی رہا چاند کا کبھی آدھا اور کبھی پورا نظر آنا' تو اس کا تعلق علمِ ہیئت' علمِ نجوم اور علم الافلاک سے ہے جن کی رُو سے چاند پر تحقیقات بعد کے زمانوں میں ہوتی رہیں گی۔ نبی کا منصبِ اصلی احکامِ شرعیہ بیان کرنا ہے' علمِ توقیت کے احکام بیان کرنا اُس کا منصب نہیں ہوا کرتا۔

آیت مذکورہ کے مطابق ہلال لوگوں کے باہمی معاملات اور حج کی تاریخ اور وقت کے تعیّن کی ایک نشانی ہے۔ بہ الفاظِ دیگر چاند کو کیلنڈر (تقویم) کی تشکیل کی بنیاد سمجھنا چاہئے۔ کیلنڈر کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ اس سے زمانہ حال' ماضی اور مستقبل کے ہر لحہ کی نشان دہی ہوتی ہے۔

''قمری تقویم (کیلنڈر) کے بارے میں بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس میں موسم کی تعیین نہیں ہوتی۔ رمضان کا قمری مہینہ سال کے تمام موسموں میں آتا ہے اور مسلمان کو اس طرح تمام موسموں میں روزہ رکھنا پڑتا ہے۔ موسموں کی یہ تبدیلی دراصل رحمتِ الٰہی کی عکاس ہے۔ قمری سال کی اوسط طوالت شمسی سال سے گیارہ دن کم ہوتی ہے۔ اس لئے موسم تقریباً ۳۳ سال کے عرصہ میں قمری مہینوں سے منطبق ہوتے ہیں۔ قمری کیلنڈر جدید زندگی کی ضروریات کے لئے موزوں نظر نہیں آتا لیکن مذہبی مقاصد کے لئے بڑے تسلی بخش طور پر رُو بہ عمل ہے۔ ہم میں سے ہر ایک موسموں کے گردشِ عمل کی مہک اور خوشبو کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔'' ("Divine Philosophy and Modern Science" ... Dr. A. Rashid Seyal, pp. 119-120)

چاند کے گھٹنے بڑھنے (Waxing and Waning) کے فوائد: (۱) اس سے تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔ (۲) یہ سارے دینی اور دنیاوی کاروبار چلنے کا ذریعہ ہے۔ اگر سورج کی طرح یہ بھی ہمیشہ یکساں رہتا تو لوگوں کے کاروبار اور معاملات فیل ہو جاتے۔ (۳) اس کے گھٹنے بڑھنے میں انسان کے کمال و زوال کی علامت ہے کہ انسان بھی اسی طرح کبھی عروج اور کبھی زوال میں ہوگا کہ پہلے معدوم' پھر موجود مگر کمزور یعنی بچہ پھر قوی یعنی جوان' پھر بوڑھا ہو کر کمزور' پھر پہلے کی طرح فنا۔ (۴) اس سے ستارہ پرست قوموں کو تنبیہ ہے کہ وہ چیزیں پرستش کے قابل نہیں۔ جن کی ترقی و تنزل دوسرے کے قبضہ میں ہو' وہ تمہاری مدد کیا کریں گی!

ایک روح پرور نکتہ : خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کی امت بڑی شان اور عزت والی ہے کہ اس کے سوالات کی ربِّ ذوالجلال والاکرام قدر و منزلت فرماتا ہے کہ اُن کے سوالات کا ذکر بھی فرماتا ہے اور خود جواب بھی دیتا ہے تاکہ تا قیامت اُن کا ذکرِ خیر رہے۔ پہلی کتابوں کا یہ معاملہ نہیں تھا۔

تقویم (کیلنڈر) کی اقسام: (۱) قمری کیلنڈر (۲) قمری شمسی کیلنڈار (۳) شمسی کیلنڈر

شمسی کیلنڈر میں بارہ مہینے ہوتے ہیں اور اس میں قمری کیلنڈر کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ یہ کیلنڈر موسموں کی مطابقت کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور یہی کیلنڈر اکثر لوگوں کے استعمال میں ہے۔" ("The New Book of Knowledge", Vol. 3, pp. 193-194)

قرآنِ حکیم شمس و قمر کی گردش کے نتیجہ میں بنی نوعِ انسان کے لئے کیلنڈر (تقویم) کے متعدد فوائد کو بڑے ہی فصیح و بلیغ انداز میں مندرجہ ذیل آیات میں بیان فرماتا ہے:

(۱) فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ٥ (الانعام: ۹۶)

"(پردۂ شب سے) صبح کا برآمد کرنے والا ہے اور اُسی نے رات راحت کی چیز بنائی اور سورج اور چاند کو حساب سے رکھا ہے۔ یہ بڑے ہی غلبے والے کا' بڑے ہی علم والے کا ٹھہرایا ہوا (نظام) ہے۔"

یعنی رات کی سکونی کیفیت' سورج اور چاند کی نپی تلی گردش' اُن کی شرح رفتار اور مقدار یہ سب اُسی قادرِ مطلق وحکیمِ برحق کے دستِ قدرت میں ہیں جو ہر ہر شعبہ موجودات کا اکیلا حاکم و ناظم ہے۔ اُس کے حضور میں کسی سورج دیوتا اور کسی چندرماں اور کسی رات کی دیوی کا وجود فرض کرنا خرافات کی انتہا اور پرلے درجے کی حماقت ہے۔ حُسْبَانًا کے لفظ میں بتا دیا کہ یہ نظام مصالحِ خلق کے بالکل موافق ہے اور ایسے حساب کے مطابق ہے جس میں کمی بیشی کا کوئی احتمال نہیں۔ ذٰلِكَ کے لفظ میں اجرامِ سماوی کی جکڑ بندی اور اُن کی تسخیر کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) هُوَالَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ٥ (یونس: ۵)

"وہ (اللہ) ہی ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا اور چاند کو روشن بنایا اور اُس کے لئے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور حساب جان لیا کرو۔ اللہ نے یہ چیزیں بے مقصد پیدا نہیں کیں۔ وہ علم رکھنے والوں کے لئے نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے۔"

"ضِيَآء وہ روشنی ہے جو اپنی ذاتی' مستقل حیثیت رکھتی ہو اور نُور وہ روشنی ہے جو ذاتی نہ ہو بلکہ کسی دوسری چیز (مراد سورج) سے مستعار ہو۔ قرآنِ حکیم نے چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کے عرب کے ایک اُمّی ﷺ کے لائے ہوئے قرآن نے دو لفظ الگ الگ لاکر جدید سائنس کے اس بیان پر مُہرِ تصدیق ثبت کر دی کہ چاند بذاتِ خود بے نور ہے اور اس میں جو کچھ بھی چمک دمک ہے' وہ سورج کے عکس سے ہے۔ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ کو قَدَّرَهٗ' سے متعلق رکھنے سے منشائے خداوندی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وقت و زمانہ کا حساب تقویم قمری ہی کے مطابق رکھا جائے۔ اِلَّا بِالْحَقِّ کل مقاصد و مصالح تو اللہ جانے کتنے ہوں گے۔ سب سے بڑا اور کھلا ہوا مقصد یہ ہے کہ انسان ان کے قوانین کی یک رنگی اور اُن کے ضوابط کا نظام دیکھ کر توحیدِ باری تعالیٰ اور ردِّ شرک پر استدلال کرے۔" (تفسیر ماجدی' ص ۴۳۲)

آفتاب کو ضیـــــاء کہنے میں دوسرے سائنسی رموز کے ساتھ ساتھ یہ بھی سائنسی حقیقت ہے کہ (۱) سورج ہائیڈروجن کو ہیلیم میں تبدیل کرتا ہے اور یہ ردِّ عمل اس کی توانائی کا منبع ہے۔ (۲) سورج کی تمام نور افگنی (Radiation) زندگی کی بقاء کے لئے ناگزیر ہے اور اس کا سب سے بڑا فائدہ حیاتین د (Vitamin D) کا اخراج ہے جو ہڈیوں کی تشکیل اور نمو کے لئے ضروری ہے اور اس کے بغیر ہڈیاں نرم اور بدشکل رہ جاتی ہیں اور رِکٹس نامی مرض کا شکار ہو جاتی ہیں جو اُن لوگوں کو لاحق ہوتی ہے جو طویل عرصہ تک سورج کی روشنی سے محروم رہتے ہیں۔

علمائے فلکیات نے چاند کے لئے ۲۸ منزلیں مقرر کی ہیں اور ہر منزل کو اس کے ستارے یا ستاروں کے مجموعہ سے موسوم کیا ہے جہاں وہ ہر رات پہنچ جاتا ہے۔ آیت میں منزلیں متعیّن کرنے کی حکمت بیان کی جا رہی ہے کہ تم سالوں کی گنتی کر سکو۔ اپنی کھیتی باڑی' کاروبار کے لئے مہینے اور دن مقرر کر سکو۔ دن رات کا تعین سورج کی یومی گردش سے ہوتا ہے اور مہینے اور سال کی پہچان چاند سے ہوتی ہے۔ اسلام نے اپنے بیشتر احکام کی بنیاد قمری سال پر رکھی ہے کیونکہ اس کا جاننا ہر ایک کے لئے یکساں طور پر آسان ہے۔ ہلال طلوع ہوتا ہے تو سب کو معلوم ہو جاتا ہے کہ نیا مہینہ شروع ہو گیا ہے

<u>لیپ کا سال (Leap Year)</u>: ''سال (Year) اُس وقت کا نام ہے جس میں زمین سورج کے گرد اپنی گردش مکمل کرتی ہے۔ ماہرینِ فلکیات نے معلوم کیا ہے کہ زمین کا یہ سفر ۳۶۵ دن' ۵ گھنٹے' ۴۸ منٹ اور ۴۶ سیکنڈ میں طے ہوتا ہے۔ لیکن کیلنڈر (تقویم) درست کیسے ہو؟ اگر سال میں ۳۶۵ دن ہوں تو اضافی وقت کو کس حساب میں رکھا جائے گا؟ اس کا جواب لیپ کا سال ہے۔ اضافی وقت کو کھپانے کے لئے ہر چار سال بعد سال میں ایک دن کا اضافہ کیا جاتا ہے اور وہ فروری کا ۲۹ واں دن ہوتا ہے۔ اس طرح لیپ کا سال ۳۶۶ دنوں کا ہوتا ہے۔ لیپ کا سال اُن سالوں میں ہوتا ہے جو چار کے عدد پر پورے پورے تقسیم ہوں (مثلاً ۱۹۸۴' ۱۹۸۸' ۱۹۹۲ وغیرہ)۔ اس اصول سے مستثنٰی ''صدی کے سال'' (Century years) ہیں (جیسے ۱۸۰۰' ۱۹۰۰ وغیرہ) <u>''صدی کا سال'' لیپ کا سال اُس وقت ہو گا جب وہ ۴۰۰ کے عدد پر پورا پورا تقسیم ہو جائے جیسے</u> ۲۰۰۰' ۲۴۰۰' ۲۸۰۰ وغیرہ۔

''لیپ کے سال میں ایک دن کا اضافہ کچھ مضحکہ خیز سوال اٹھا سکتا ہے۔ اگر کسی لیپ کے سال میں ۲۹ فروری کو کسی کی پیدائش ہوئی ہو تو کیا اُس کا یومِ پیدائش چار سال میں صرف ایک دن آئے گا؟ ایسا بالکل نہیں کیونکہ وہ ہر سال عمر گزارنے کے ساتھ بڑھاپے کی طرف تو بہرحال جا ہی رہا ہے۔ ۲۹ فروری کو پیدا ہونے والے لوگ نان لیپ سال (Non Leap-year) میں اپنا یومِ پیدائش عموماً کسی قریبی تاریخ یعنی ۲۸ فروری یا یکم مارچ کو مناتے ہیں۔''

مغربی تقویم کے مہینوں کے دنوں کو اس طرح بھی یاد رکھا جا سکتا ہے:۔

''اپریل' جون' ستمبر اور نومبر کے تیس دن
باقی سب کے اکتیس دن
سوائے فروری کے جس کے ۲۸ دن اور لیپ سال میں ۲۹ دن۔''

تقویم برائے سال
1860-2099

1860 اور 2099 کے درمیان کسی بھی سال کے کیلنڈر کو آپ اس کیلنڈر کے ذریعے معلوم کر سکتے ہیں مطلوبہ سال کو نیچے (Index) میں دیکھئے۔ ہر سال کے سامنے کا عدد مطلوبہ کیلنڈر کا عدد ہے۔

1

Month	S	M	T	W	T	F	S
JANUARY	1	2	3	4	5	6	7
	8	9	10	11	12	13	14
	15	16	17	18	19	20	21
	22	23	24	25	26	27	28
	29	30	31				
FEBRUARY				1	2	3	4
	5	6	7	8	9	10	11
	12	13	14	15	16	17	18
	19	20	21	22	23	24	25
	26	27	28				
MARCH				1	2	3	4
	5	6	7	8	9	10	11
	12	13	14	15	16	17	18
	19	20	21	22	23	24	25
	26	27	28	29	30	31	
APRIL							1
	2	3	4	5	6	7	8
	9	10	11	12	13	14	15
	16	17	18	19	20	21	22
	23	24	25	26	27	28	29
	30						
MAY		1	2	3	4	5	6
	7	8	9	10	11	12	13
	14	15	16	17	18	19	20
	21	22	23	24	25	26	27
	28	29	30	31			
JUNE					1	2	3
	4	5	6	7	8	9	10
	11	12	13	14	15	16	17
	18	19	20	21	22	23	24
	25	26	27	28	29	30	
JULY							1
	2	3	4	5	6	7	8
	9	10	11	12	13	14	15
	16	17	18	19	20	21	22
	23	24	25	26	27	28	29
	30	31					
AUGUST			1	2	3	4	5
	6	7	8	9	10	11	12
	13	14	15	16	17	18	19
	20	21	22	23	24	25	26
	27	28	29	30	31		
SEPTEMBER						1	2
	3	4	5	6	7	8	9
	10	11	12	13	14	15	16
	17	18	19	20	21	22	23
	24	25	26	27	28	29	30
OCTOBER	1	2	3	4	5	6	7
	8	9	10	11	12	13	14
	15	16	17	18	19	20	21
	22	23	24	25	26	27	28
	29	30	31				
NOVEMBER				1	2	3	4
	5	6	7	8	9	10	11
	12	13	14	15	16	17	18
	19	20	21	22	23	24	25
	26	27	28	29	30		
DECEMBER						1	2
	3	4	5	6	7	8	9
	10	11	12	13	14	15	16
	17	18	19	20	21	22	23
	24	25	26	27	28	29	30
	31						

2

Month	S	M	T	W	T	F	S
JANUARY		1	2	3	4	5	6
	7	8	9	10	11	12	13
	14	15	16	17	18	19	20
	21	22	23	24	25	26	27
	28	29	30	31			
FEBRUARY					1	2	3
	4	5	6	7	8	9	10
	11	12	13	14	15	16	17
	18	19	20	21	22	23	24
	25	26	27	28			
MARCH					1	2	3
	4	5	6	7	8	9	10
	11	12	13	14	15	16	17
	18	19	20	21	22	23	24
	25	26	27	28	29	30	31
APRIL	1	2	3	4	5	6	7
	8	9	10	11	12	13	14
	15	16	17	18	19	20	21
	22	23	24	25	26	27	28
	29	30					
MAY			1	2	3	4	5
	6	7	8	9	10	11	12
	13	14	15	16	17	18	19
	20	21	22	23	24	25	26
	27	28	29	30	31		
JUNE						1	2
	3	4	5	6	7	8	9
	10	11	12	13	14	15	16
	17	18	19	20	21	22	23
	24	25	26	27	28	29	30
JULY	1	2	3	4	5	6	7
	8	9	10	11	12	13	14
	15	16	17	18	19	20	21
	22	23	24	25	26	27	28
	29	30	31				
AUGUST				1	2	3	4
	5	6	7	8	9	10	11
	12	13	14	15	16	17	18
	19	20	21	22	23	24	25
	26	27	28	29	30	31	
SEPTEMBER							1
	2	3	4	5	6	7	8
	9	10	11	12	13	14	15
	16	17	18	19	20	21	22
	23	24	25	26	27	28	29
	30						
OCTOBER		1	2	3	4	5	6
	7	8	9	10	11	12	13
	14	15	16	17	18	19	20
	21	22	23	24	25	26	27
	28	29	30	31			
NOVEMBER					1	2	3
	4	5	6	7	8	9	10
	11	12	13	14	15	16	17
	18	19	20	21	22	23	24
	25	26	27	28	29	30	
DECEMBER							1
	2	3	4	5	6	7	8
	9	10	11	12	13	14	15
	16	17	18	19	20	21	22
	23	24	25	26	27	28	29
	30	31					

3

Month	S	M	T	W	T	F	S
JANUARY			1	2	3	4	5
	6	7	8	9	10	11	12
	13	14	15	16	17	18	19
	20	21	22	23	24	25	26
	27	28	29	30	31		
FEBRUARY						1	2
	3	4	5	6	7	8	9
	10	11	12	13	14	15	16
	17	18	19	20	21	22	23
	24	25	26	27	28		
MARCH						1	2
	3	4	5	6	7	8	9
	10	11	12	13	14	15	16
	17	18	19	20	21	22	23
	24	25	26	27	28	29	30
	31						
APRIL		1	2	3	4	5	6
	7	8	9	10	11	12	13
	14	15	16	17	18	19	20
	21	22	23	24	25	26	27
	28	29	30				
MAY				1	2	3	4
	5	6	7	8	9	10	11
	12	13	14	15	16	17	18
	19	20	21	22	23	24	25
	26	27	28	29	30	31	
JUNE							1
	2	3	4	5	6	7	8
	9	10	11	12	13	14	15
	16	17	18	19	20	21	22
	23	24	25	26	27	28	29
	30						
JULY		1	2	3	4	5	6
	7	8	9	10	11	12	13
	14	15	16	17	18	19	20
	21	22	23	24	25	26	27
	28	29	30	31			
AUGUST					1	2	3
	4	5	6	7	8	9	10
	11	12	13	14	15	16	17
	18	19	20	21	22	23	24
	25	26	27	28	29	30	31
SEPTEMBER	1	2	3	4	5	6	7
	8	9	10	11	12	13	14
	15	16	17	18	19	20	21
	22	23	24	25	26	27	28
	29	30					
OCTOBER			1	2	3	4	5
	6	7	8	9	10	11	12
	13	14	15	16	17	18	19
	20	21	22	23	24	25	26
	27	28	29	30	31		
NOVEMBER						1	2
	3	4	5	6	7	8	9
	10	11	12	13	14	15	16
	17	18	19	20	21	22	23
	24	25	26	27	28	29	30
DECEMBER	1	2	3	4	5	6	7
	8	9	10	11	12	13	14
	15	16	17	18	19	20	21
	22	23	24	25	26	27	28
	29	30	31				

4

Month	S	M	T	W	T	F	S
JANUARY				1	2	3	4
	5	6	7	8	9	10	11
	12	13	14	15	16	17	18
	19	20	21	22	23	24	25
	26	27	28	29	30	31	
FEBRUARY							1
	2	3	4	5	6	7	8
	9	10	11	12	13	14	15
	16	17	18	19	20	21	22
	23	24	25	26	27	28	
MARCH							1
	2	3	4	5	6	7	8
	9	10	11	12	13	14	15
	16	17	18	19	20	21	22
	23	24	25	26	27	28	29
	30	31					
APRIL			1	2	3	4	5
	6	7	8	9	10	11	12
	13	14	15	16	17	18	19
	20	21	22	23	24	25	26
	27	28	29	30			
MAY					1	2	3
	4	5	6	7	8	9	10
	11	12	13	14	15	16	17
	18	19	20	21	22	23	24
	25	26	27	28	29	30	31
JUNE	1	2	3	4	5	6	7
	8	9	10	11	12	13	14
	15	16	17	18	19	20	21
	22	23	24	25	26	27	28
	29	30					
JULY			1	2	3	4	5
	6	7	8	9	10	11	12
	13	14	15	16	17	18	19
	20	21	22	23	24	25	26
	27	28	29	30	31		
AUGUST						1	2
	3	4	5	6	7	8	9
	10	11	12	13	14	15	16
	17	18	19	20	21	22	23
	24	25	26	27	28	29	30
	31						
SEPTEMBER		1	2	3	4	5	6
	7	8	9	10	11	12	13
	14	15	16	17	18	19	20
	21	22	23	24	25	26	27
	28	29	30				
OCTOBER				1	2	3	4
	5	6	7	8	9	10	11
	12	13	14	15	16	17	18
	19	20	21	22	23	24	25
	26	27	28	29	30	31	
NOVEMBER							1
	2	3	4	5	6	7	8
	9	10	11	12	13	14	15
	16	17	18	19	20	21	22
	23	24	25	26	27	28	29
	30						
DECEMBER		1	2	3	4	5	6
	7	8	9	10	11	12	13
	14	15	16	17	18	19	20
	21	22	23	24	25	26	27
	28	29	30	31			

5

Month	S	M	T	W	T	F	S
JANUARY					1	2	3
	4	5	6	7	8	9	10
	11	12	13	14	15	16	17
	18	19	20	21	22	23	24
	25	26	27	28	29	30	31
FEBRUARY	1	2	3	4	5	6	7
	8	9	10	11	12	13	14
	15	16	17	18	19	20	21
	22	23	24	25	26	27	28
MARCH	1	2	3	4	5	6	7
	8	9	10	11	12	13	14
	15	16	17	18	19	20	21
	22	23	24	25	26	27	28
	29	30	31				
APRIL				1	2	3	4
	5	6	7	8	9	10	11
	12	13	14	15	16	17	18
	19	20	21	22	23	24	25
	26	27	28	29	30		
MAY						1	2
	3	4	5	6	7	8	9
	10	11	12	13	14	15	16
	17	18	19	20	21	22	23
	24	25	26	27	28	29	30
	31						
JUNE		1	2	3	4	5	6
	7	8	9	10	11	12	13
	14	15	16	17	18	19	20
	21	22	23	24	25	26	27
	28	29	30				
JULY				1	2	3	4
	5	6	7	8	9	10	11
	12	13	14	15	16	17	18
	19	20	21	22	23	24	25
	26	27	28	29	30	31	
AUGUST							1
	2	3	4	5	6	7	8
	9	10	11	12	13	14	15
	16	17	18	19	20	21	22
	23	24	25	26	27	28	29
	30	31					
SEPTEMBER			1	2	3	4	5
	6	7	8	9	10	11	12
	13	14	15	16	17	18	19
	20	21	22	23	24	25	26
	27	28	29	30			
OCTOBER					1	2	3
	4	5	6	7	8	9	10
	11	12	13	14	15	16	17
	18	19	20	21	22	23	24
	25	26	27	28	29	30	31
NOVEMBER	1	2	3	4	5	6	7
	8	9	10	11	12	13	14
	15	16	17	18	19	20	21
	22	23	24	25	26	27	28
	29	30					
DECEMBER			1	2	3	4	5
	6	7	8	9	10	11	12
	13	14	15	16	17	18	19
	20	21	22	23	24	25	26
	27	28	29	30	31		

INDEX

Year	No.	Year	No.	Year	No.	Year	No.	Year	No.	Year	No.	Year	No.	Year	No.	Year	No.	Year	No.
1860	8	1884	10	1908	11	1932	13	1956	8	1980	10	2004	12	2028	14	2052	9	2076	11
1861	3	1885	5	1909	6	1933	1	1957	3	1981	5	2005	7	2029	2	2053	4	2077	6
1862	4	1886	6	1910	7	1934	2	1958	4	1982	6	2006	1	2030	3	2054	5	2078	7
1863	5	1887	7	1911	1	1935	3	1959	5	1983	7	2007	2	2031	4	2055	6	2079	1
1864	13	1888	8	1912	9	1936	11	1960	13	1984	8	2008	10	2032	12	2056	14	2080	9
1865	1	1889	3	1913	4	1937	6	1961	1	1985	3	2009	5	2033	7	2057	2	2081	4
1866	2	1890	4	1914	5	1938	7	1962	2	1986	4	2010	6	2034	1	2058	3	2082	5
1867	3	1891	5	1915	6	1939	1	1963	3	1987	5	2011	7	2035	2	2059	4	2083	6
1868	11	1892	13	1916	14	1940	9	1964	11	1988	13	2012	8	2036	10	2060	12	2084	14
1869	6	1893	1	1917	2	1941	4	1965	6	1989	1	2013	3	2037	5	2061	7	2085	2
1870	7	1894	2	1918	3	1942	5	1966	7	1990	2	2014	4	2038	6	2062	1	2086	3
1871	1	1895	3	1919	4	1943	6	1967	1	1991	3	2015	5	2039	7	2063	2	2087	4
1872	9	1896	11	1920	12	1944	14	1968	9	1992	11	2016	13	2040	8	2064	10	2088	12
1873	4	1897	6	1921	7	1945	2	1969	4	1993	6	2017	1	2041	3	2065	5	2089	7
1874	5	1898	7	1922	1	1946	3	1970	5	1994	7	2018	2	2042	4	2066	6	2090	1
1875	6	1899	1	1923	2	1947	4	1971	6	1995	1	2019	3	2043	5	2067	7	2091	2
1876	14	1900	2	1924	10	1948	12	1972	14	1996	9	2020	11	2044	13	2068	8	2092	10
1877	2	1901	3	1925	5	1949	7	1973	2	1997	4	2021	6	2045	1	2069	3	2093	5
1878	3	1902	4	1926	6	1950	1	1974	3	1998	5	2022	7	2046	2	2070	4	2094	6
1879	4	1903	5	1927	7	1951	2	1975	4	1999	6	2023	1	2047	3	2071	5	2095	7
1880	12	1904	13	1928	8	1952	10	1976	12	2000	14	2024	9	2048	11	2072	13	2096	8
1881	7	1905	1	1929	3	1953	5	1977	7	2001	2	2025	4	2049	6	2073	1	2097	3
1882	1	1906	2	1930	4	1954	6	1978	1	2002	3	2026	5	2050	7	2074	2	2098	4
1883	2	1907	3	1931	5	1955	7	1979	2	2003	4	2027	6	2051	1	2075	3	2099	6

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہمیشہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو احادیث نبوی سنا کر صحیح مشورہ دیتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہم میں عبداللہ بن عباس جیسے لوگ موجود ہیں جو ہمیں نبی پاک ﷺ کی احادیث سناتے ہیں اور ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔

ہم بھی اس اُسوۂ فاروقی کی روشنی میں پروفیسر اشفاق احمد خان کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے درمیان ان جیسے ماہرِ قرآن موجود ہیں جو عام مذہبی ڈگر سے ہٹ کر جدید تحقیقی اصولوں میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔

قائینِ کرام! اَلْحَمْدُ لله ''قرآنک انسائیکلوپیڈیا'' (حصہ اردو مترجم) کی دوسری جلد آپ کے مطالعہ کے لئے پیشِ خدمت ہے جبکہ حصہ انگریزی کی پانچ جلدیں قبل ازیں زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر آچکی ہیں اور اس کی چھٹی اور آخری جلد نظرِ ثانی کے مراحل میں ہے۔ میرا وجدان کہتا ہے کہ پروفیسر صاحب کی قرآن اور صاحبِ قرآن ﷺ سے عشق و محبت اور والہانہ لگاؤ اس عظیم کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا سبب بنا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیبِ پاک ﷺ کے صدقے میں پروفیسر موصوف کے ہاتھوں قرآنِ پاک کا وہ انمول کام کرایا جس کی انفرادیت اپنی مثال آپ ہے۔ اس انسائیکلوپیڈیا میں عصرِ قدیم کے علوم کے پہلو بہ پہلو عصرِ جدید کے علوم کا بھی آپ نے تفصیلاً احاطہ کیا ہے۔ طغرائے امتیاز یہ کہ اپنے آرام کے اوقات کو کم کر کے کم و بیش روزانہ سولہ سترہ گھنٹے کی محنت سے بغیر کسی کی مدد کے (Single-handed) سب کچھ خود ہی ترتیب دیا۔ اس کا دیدہ زیب ٹائٹل' دلآویز طباعت اور اعلیٰ کاغذ کا استعمال اُن کا آخری الٰہی کتاب سے والہانہ محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پیرانہ سالی میں اُن کی اِس مخلصانہ کوشش اور محبت کو اپنی بارگاہِ عالیہ میں شرفِ قبول عطا فرمائے' اسے اُن کی آخرت کا سرمایہ نجات بنائے اور دنیا و آخرت کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین

محمد تسلیم قریشی

ڈاکٹر محمد تسلیم قریشی

میڈیکل سپرنٹنڈنٹ۔ ریلوے ہسپتال ملتان

23 مارچ 2012ء

6

JANUARY

S	M	T	W	T	F	S
					1	2
3	4	5	6	7	8	9
10	11	12	13	14	15	16
17	18	19	20	21	22	23
24	25	26	27	28	29	30
31						

MAY

S	M	T	W	T	F	S
						1
2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15
16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	29
30	31					

SEPTEMBER

S	M	T	W	T	F	S
			1	2	3	4
5	6	7	8	9	10	11
12	13	14	15	16	17	18
19	20	21	22	23	24	25
26	27	28	29	30		

FEBRUARY

S	M	T	W	T	F	S
	1	2	3	4	5	6
7	8	9	10	11	12	13
14	15	16	17	18	19	20
21	22	23	24	25	26	27
28						

JUNE

S	M	T	W	T	F	S
		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28	29	30			

OCTOBER

S	M	T	W	T	F	S
					1	2
3	4	5	6	7	8	9
10	11	12	13	14	15	16
17	18	19	20	21	22	23
24	25	26	27	28	29	30
31						

MARCH

S	M	T	W	T	F	S
	1	2	3	4	5	6
7	8	9	10	11	12	13
14	15	16	17	18	19	20
21	22	23	24	25	26	27
28	29	30	31			

JULY

S	M	T	W	T	F	S
				1	2	3
4	5	6	7	8	9	10
11	12	13	14	15	16	17
18	19	20	21	22	23	24
25	26	27	28	29	30	31

NOVEMBER

S	M	T	W	T	F	S
	1	2	3	4	5	6
7	8	9	10	11	12	13
14	15	16	17	18	19	20
21	22	23	24	25	26	27
28	29	30				

APRIL

S	M	T	W	T	F	S
				1	2	3
4	5	6	7	8	9	10
11	12	13	14	15	16	17
18	19	20	21	22	23	24
25	26	27	28	29	30	

AUGUST

S	M	T	W	T	F	S
1	2	3	4	5	6	7
8	9	10	11	12	13	14
15	16	17	18	19	20	21
22	23	24	25	26	27	28
29	30	31				

DECEMBER

S	M	T	W	T	F	S
			1	2	3	4
5	6	7	8	9	10	11
12	13	14	15	16	17	18
19	20	21	22	23	24	25
26	27	28	29	30	31	

7

JANUARY

S	M	T	W	T	F	S
						1
2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15
16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	29
30	31					

MAY

S	M	T	W	T	F	S
1	2	3	4	5	6	7
8	9	10	11	12	13	14
15	16	17	18	19	20	21
22	23	24	25	26	27	28
29	30	31				

SEPTEMBER

S	M	T	W	T	F	S
				1	2	3
4	5	6	7	8	9	10
11	12	13	14	15	16	17
18	19	20	21	22	23	24
25	26	27	28	29	30	

FEBRUARY

S	M	T	W	T	F	S
		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28					

JUNE

S	M	T	W	T	F	S
			1	2	3	4
5	6	7	8	9	10	11
12	13	14	15	16	17	18
19	20	21	22	23	24	25
26	27	28	29	30		

OCTOBER

S	M	T	W	T	F	S
						1
2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15
16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	29
30	31					

MARCH

S	M	T	W	T	F	S
		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28	29	30	31		

JULY

S	M	T	W	T	F	S
					1	2
3	4	5	6	7	8	9
10	11	12	13	14	15	16
17	18	19	20	21	22	23
24	25	26	27	28	29	30
31						

NOVEMBER

S	M	T	W	T	F	S
		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28	29	30			

APRIL

S	M	T	W	T	F	S
					1	2
3	4	5	6	7	8	9
10	11	12	13	14	15	16
17	18	19	20	21	22	23
24	25	26	27	28	29	30

AUGUST

S	M	T	W	T	F	S
	1	2	3	4	5	6
7	8	9	10	11	12	13
14	15	16	17	18	19	20
21	22	23	24	25	26	27
28	29	30	31			

DECEMBER

S	M	T	W	T	F	S
				1	2	3
4	5	6	7	8	9	10
11	12	13	14	15	16	17
18	19	20	21	22	23	24
25	26	27	28	29	30	31

8

JANUARY

S	M	T	W	T	F	S
1	2	3	4	5	6	7
8	9	10	11	12	13	14
15	16	17	18	19	20	21
22	23	24	25	26	27	28
29	30	31				

MAY

S	M	T	W	T	F	S
		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28	29	30	31		

SEPTEMBER

S	M	T	W	T	F	S
						1
2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15
16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	29
30						

FEBRUARY

S	M	T	W	T	F	S
			1	2	3	4
5	6	7	8	9	10	11
12	13	14	15	16	17	18
19	20	21	22	23	24	25
26	27	28	29			

JUNE

S	M	T	W	T	F	S
					1	2
3	4	5	6	7	8	9
10	11	12	13	14	15	16
17	18	19	20	21	22	23
24	25	26	27	28	29	30

OCTOBER

S	M	T	W	T	F	S
	1	2	3	4	5	6
7	8	9	10	11	12	13
14	15	16	17	18	19	20
21	22	23	24	25	26	27
28	29	30	31			

MARCH

S	M	T	W	T	F	S
				1	2	3
4	5	6	7	8	9	10
11	12	13	14	15	16	17
18	19	20	21	22	23	24
25	26	27	28	29	30	31

JULY

S	M	T	W	T	F	S
1	2	3	4	5	6	7
8	9	10	11	12	13	14
15	16	17	18	19	20	21
22	23	24	25	26	27	28
29	30	31				

NOVEMBER

S	M	T	W	T	F	S
				1	2	3
4	5	6	7	8	9	10
11	12	13	14	15	16	17
18	19	20	21	22	23	24
25	26	27	28	29	30	

APRIL

S	M	T	W	T	F	S
1	2	3	4	5	6	7
8	9	10	11	12	13	14
15	16	17	18	19	20	21
22	23	24	25	26	27	28
29	30					

AUGUST

S	M	T	W	T	F	S
			1	2	3	4
5	6	7	8	9	10	11
12	13	14	15	16	17	18
19	20	21	22	23	24	25
26	27	28	29	30	31	

DECEMBER

S	M	T	W	T	F	S
						1
2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15
16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	29
30	31					

9

JANUARY

S	M	T	W	T	F	S
	1	2	3	4	5	6
7	8	9	10	11	12	13
14	15	16	17	18	19	20
21	22	23	24	25	26	27
28	29	30	31			

MAY

S	M	T	W	T	F	S
			1	2	3	4
5	6	7	8	9	10	11
12	13	14	15	16	17	18
19	20	21	22	23	24	25
26	27	28	29	30	31	

SEPTEMBER

S	M	T	W	T	F	S
1	2	3	4	5	6	7
8	9	10	11	12	13	14
15	16	17	18	19	20	21
22	23	24	25	26	27	28
29	30					

FEBRUARY

S	M	T	W	T	F	S
				1	2	3
4	5	6	7	8	9	10
11	12	13	14	15	16	17
18	19	20	21	22	23	24
25	26	27	28	29		

JUNE

S	M	T	W	T	F	S
						1
2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15
16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	29
30						

OCTOBER

S	M	T	W	T	F	S
		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28	29	30	31		

MARCH

S	M	T	W	T	F	S
					1	2
3	4	5	6	7	8	9
10	11	12	13	14	15	16
17	18	19	20	21	22	23
24	25	26	27	28	29	30
31						

JULY

S	M	T	W	T	F	S
	1	2	3	4	5	6
7	8	9	10	11	12	13
14	15	16	17	18	19	20
21	22	23	24	25	26	27
28	29	30	31			

NOVEMBER

S	M	T	W	T	F	S
					1	2
3	4	5	6	7	8	9
10	11	12	13	14	15	16
17	18	19	20	21	22	23
24	25	26	27	28	29	30

APRIL

S	M	T	W	T	F	S
	1	2	3	4	5	6
7	8	9	10	11	12	13
14	15	16	17	18	19	20
21	22	23	24	25	26	27
28	29	30				

AUGUST

S	M	T	W	T	F	S
				1	2	3
4	5	6	7	8	9	10
11	12	13	14	15	16	17
18	19	20	21	22	23	24
25	26	27	28	29	30	31

DECEMBER

S	M	T	W	T	F	S
1	2	3	4	5	6	7
8	9	10	11	12	13	14
15	16	17	18	19	20	21
22	23	24	25	26	27	28
29	30	31				

10

JANUARY

S	M	T	W	T	F	S
		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28	29	30	31		

MAY

S	M	T	W	T	F	S
				1	2	3
4	5	6	7	8	9	10
11	12	13	14	15	16	17
18	19	20	21	22	23	24
25	26	27	28	29	30	31

SEPTEMBER

S	M	T	W	T	F	S
	1	2	3	4	5	6
7	8	9	10	11	12	13
14	15	16	17	18	19	20
21	22	23	24	25	26	27
28	29	30				

FEBRUARY

S	M	T	W	T	F	S
					1	2
3	4	5	6	7	8	9
10	11	12	13	14	15	16
17	18	19	20	21	22	23
24	25	26	27	28	29	

JUNE

S	M	T	W	T	F	S
1	2	3	4	5	6	7
8	9	10	11	12	13	14
15	16	17	18	19	20	21
22	23	24	25	26	27	28
29	30					

OCTOBER

S	M	T	W	T	F	S
			1	2	3	4
5	6	7	8	9	10	11
12	13	14	15	16	17	18
19	20	21	22	23	24	25
26	27	28	29	30	31	

MARCH

S	M	T	W	T	F	S
						1
2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15
16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	29
30	31					

JULY

S	M	T	W	T	F	S
		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28	29	30	31		

NOVEMBER

S	M	T	W	T	F	S
						1
2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15
16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	29
30						

APRIL

S	M	T	W	T	F	S
		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28	29	30			

AUGUST

S	M	T	W	T	F	S
					1	2
3	4	5	6	7	8	9
10	11	12	13	14	15	16
17	18	19	20	21	22	23
24	25	26	27	28	29	30
31						

DECEMBER

S	M	T	W	T	F	S
	1	2	3	4	5	6
7	8	9	10	11	12	13
14	15	16	17	18	19	20
21	22	23	24	25	26	27
28	29	30	31			

11

JANUARY

S	M	T	W	T	F	S
			1	2	3	4
5	6	7	8	9	10	11
12	13	14	15	16	17	18
19	20	21	22	23	24	25
26	27	28	29	30	31	

MAY

S	M	T	W	T	F	S
					1	2
3	4	5	6	7	8	9
10	11	12	13	14	15	16
17	18	19	20	21	22	23
24	25	26	27	28	29	30
31						

SEPTEMBER

S	M	T	W	T	F	S
		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28	29	30			

FEBRUARY

S	M	T	W	T	F	S
						1
2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15
16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	29

JUNE

S	M	T	W	T	F	S
	1	2	3	4	5	6
7	8	9	10	11	12	13
14	15	16	17	18	19	20
21	22	23	24	25	26	27
28	29	30				

OCTOBER

S	M	T	W	T	F	S
				1	2	3
4	5	6	7	8	9	10
11	12	13	14	15	16	17
18	19	20	21	22	23	24
25	26	27	28	29	30	31

MARCH

S	M	T	W	T	F	S
1	2	3	4	5	6	7
8	9	10	11	12	13	14
15	16	17	18	19	20	21
22	23	24	25	26	27	28
29	30	31				

JULY

S	M	T	W	T	F	S
			1	2	3	4
5	6	7	8	9	10	11
12	13	14	15	16	17	18
19	20	21	22	23	24	25
26	27	28	29	30	31	

NOVEMBER

S	M	T	W	T	F	S
1	2	3	4	5	6	7
8	9	10	11	12	13	14
15	16	17	18	19	20	21
22	23	24	25	26	27	28
29	30					

APRIL

S	M	T	W	T	F	S
			1	2	3	4
5	6	7	8	9	10	11
12	13	14	15	16	17	18
19	20	21	22	23	24	25
26	27	28	29	30		

AUGUST

S	M	T	W	T	F	S
						1
2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15
16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	29
30	31					

DECEMBER

S	M	T	W	T	F	S
		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28	29	30	31		

12

JANUARY

S	M	T	W	T	F	S
				1	2	3
4	5	6	7	8	9	10
11	12	13	14	15	16	17
18	19	20	21	22	23	24
25	26	27	28	29	30	31

MAY

S	M	T	W	T	F	S
						1
2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15
16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	29
30	31					

SEPTEMBER

S	M	T	W	T	F	S
			1	2	3	4
5	6	7	8	9	10	11
12	13	14	15	16	17	18
19	20	21	22	23	24	25
26	27	28	29	30		

FEBRUARY

S	M	T	W	T	F	S
1	2	3	4	5	6	7
8	9	10	11	12	13	14
15	16	17	18	19	20	21
22	23	24	25	26	27	28
29						

JUNE

S	M	T	W	T	F	S
		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28	29	30			

OCTOBER

S	M	T	W	T	F	S
					1	2
3	4	5	6	7	8	9
10	11	12	13	14	15	16
17	18	19	20	21	22	23
24	25	26	27	28	29	30
31						

MARCH

S	M	T	W	T	F	S
	1	2	3	4	5	6
7	8	9	10	11	12	13
14	15	16	17	18	19	20
21	22	23	24	25	26	27
28	29	30	31			

JULY

S	M	T	W	T	F	S
				1	2	3
4	5	6	7	8	9	10
11	12	13	14	15	16	17
18	19	20	21	22	23	24
25	26	27	28	29	30	31

NOVEMBER

S	M	T	W	T	F	S
	1	2	3	4	5	6
7	8	9	10	11	12	13
14	15	16	17	18	19	20
21	22	23	24	25	26	27
28	29	30				

APRIL

S	M	T	W	T	F	S
				1	2	3
4	5	6	7	8	9	10
11	12	13	14	15	16	17
18	19	20	21	22	23	24
25	26	27	28	29	30	

AUGUST

S	M	T	W	T	F	S
1	2	3	4	5	6	7
8	9	10	11	12	13	14
15	16	17	18	19	20	21
22	23	24	25	26	27	28
29	30	31				

DECEMBER

S	M	T	W	T	F	S
			1	2	3	4
5	6	7	8	9	10	11
12	13	14	15	16	17	18
19	20	21	22	23	24	25
26	27	28	29	30	31	

13

JANUARY

S	M	T	W	T	F	S
					1	2
3	4	5	6	7	8	9
10	11	12	13	14	15	16
17	18	19	20	21	22	23
24	25	26	27	28	29	30
31						

MAY

S	M	T	W	T	F	S
1	2	3	4	5	6	7
8	9	10	11	12	13	14
15	16	17	18	19	20	21
22	23	24	25	26	27	28
29	30	31				

SEPTEMBER

S	M	T	W	T	F	S
				1	2	3
4	5	6	7	8	9	10
11	12	13	14	15	16	17
18	19	20	21	22	23	24
25	26	27	28	29	30	

FEBRUARY

S	M	T	W	T	F	S
	1	2	3	4	5	6
7	8	9	10	11	12	13
14	15	16	17	18	19	20
21	22	23	24	25	26	27
28	29					

JUNE

S	M	T	W	T	F	S
			1	2	3	4
5	6	7	8	9	10	11
12	13	14	15	16	17	18
19	20	21	22	23	24	25
26	27	28	29	30		

OCTOBER

S	M	T	W	T	F	S
						1
2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15
16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	29
30	31					

MARCH

S	M	T	W	T	F	S
		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28	29	30	31		

JULY

S	M	T	W	T	F	S
					1	2
3	4	5	6	7	8	9
10	11	12	13	14	15	16
17	18	19	20	21	22	23
24	25	26	27	28	29	30
31						

NOVEMBER

S	M	T	W	T	F	S
		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28	29	30			

APRIL

S	M	T	W	T	F	S
					1	2
3	4	5	6	7	8	9
10	11	12	13	14	15	16
17	18	19	20	21	22	23
24	25	26	27	28	29	30

AUGUST

S	M	T	W	T	F	S
	1	2	3	4	5	6
7	8	9	10	11	12	13
14	15	16	17	18	19	20
21	22	23	24	25	26	27
28	29	30	31			

DECEMBER

S	M	T	W	T	F	S
				1	2	3
4	5	6	7	8	9	10
11	12	13	14	15	16	17
18	19	20	21	22	23	24
25	26	27	28	29	30	31

14

JANUARY

S	M	T	W	T	F	S
						1
2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15
16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	29
30	31					

MAY

S	M	T	W	T	F	S
	1	2	3	4	5	6
7	8	9	10	11	12	13
14	15	16	17	18	19	20
21	22	23	24	25	26	27
28	29	30	31			

SEPTEMBER

S	M	T	W	T	F	S
					1	2
3	4	5	6	7	8	9
10	11	12	13	14	15	16
17	18	19	20	21	22	23
24	25	26	27	28	29	30

FEBRUARY

S	M	T	W	T	F	S
		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28	29				

JUNE

S	M	T	W	T	F	S
				1	2	3
4	5	6	7	8	9	10
11	12	13	14	15	16	17
18	19	20	21	22	23	24
25	26	27	28	29	30	

OCTOBER

S	M	T	W	T	F	S
1	2	3	4	5	6	7
8	9	10	11	12	13	14
15	16	17	18	19	20	21
22	23	24	25	26	27	28
29	30	31				

MARCH

S	M	T	W	T	F	S
			1	2	3	4
5	6	7	8	9	10	11
12	13	14	15	16	17	18
19	20	21	22	23	24	25
26	27	28	29	30	31	

JULY

S	M	T	W	T	F	S
						1
2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15
16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	29
30	31					

NOVEMBER

S	M	T	W	T	F	S
			1	2	3	4
5	6	7	8	9	10	11
12	13	14	15	16	17	18
19	20	21	22	23	24	25
26	27	28	29	30		

APRIL

S	M	T	W	T	F	S
						1
2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15
16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	29
30						

AUGUST

S	M	T	W	T	F	S
		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28	29	30	31		

DECEMBER

S	M	T	W	T	F	S
					1	2
3	4	5	6	7	8	9
10	11	12	13	14	15	16
17	18	19	20	21	22	23
24	25	26	27	28	29	30
31						

("The New Book of Knowledge", Vol. 4, pp. 48-49) Danbury.

(۲۰) خطّاطی (CALLIGRAPHY)

جبلِ نور پر واقع غارِ حرا میں جو پہلی وحی حضور ﷺ پر نازل ہوئی' وہ یہ تھی :

اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ (اَلْعَلَق : ۴)

"وہ وہی ہے جس نے قلم کے ذریعے سے (انسان کو) تعلیم دی ہے۔"

یعنی تعلیم کا واسطہ قلم کو بنایا گیا۔ علم کی نشر و اشاعت میں قلم کا جو حصّہ ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ قدیم زمانہ کے علماء و فضلاء کے علوم کو اگر قلم کے ذریعہ صفحۂ قرطاس پر تحریر نہ کر دیا جاتا تو صدہا سال بعد آج ہم ان سے کیونکر استفادہ کر سکتے۔ اگر قلم کا واسطہ نہ ہوتا تو آج زمین کے دُور دراز گوشوں میں بسنے والے فضلاء کی تحقیقات اور نگارشات سے دُور بسنے والے کیونکر مستفید ہو سکتے۔ یہ قلم ہی کی برکت ہے کہ علم کا کارواں آج ان رفعتوں پر خیمہ زن ہے اور مزید بلندیوں کو مسخر کرنے کا عزم کئے ہوئے ہے اور جب تک قلم کا فیض جاری رہے گا' علوم و فنون میں ترقی اور اضافہ ہوتا رہے گا۔

علوم و فنون' نظریات و افکار کی تعلیم و اشاعت میں بے شک زبان کی قوتِ بیانیہ کا بڑا حصّہ ہے لیکن اس کی افادیت زمان و مکان کی حدبندیوں میں محصور ہے۔ قلم ایک ایسا آلہ ہے جو زمان و مکان کی مسافتوں کو تسلیم نہیں کرتا۔ وہ گزشتہ صدیوں کے علوم و فنون سے حال و مستقبل کو روشن کرتا ہے اور دُور دراز علاقوں میں پیدا ہونے والے اولوالعزم حکماء و فضلاء کے افکار و نظریات کو دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچاتا ہے۔

قرآنِ حکیم جو علم و حکمت کی برتری کا علمبردار ہے جس نے آدمِ خاکی کی عظمت کا راز اس بات کو قرار دیا ہے کہ اس کا سینہ علوم و فنون کا گنجینہ تھا۔ کوئی مخلوق حتیٰ کہ نوری فرشتے بھی اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ اس لئے قرآنِ کریم نے قلم کو جو علم کی نشر و اشاعت کا مؤثر اور بے مثال ذریعہ ہے' اس کی جلالتِ شان کو ظاہر کرنے کے لئے سورۃ القلم کی اوّل آیت میں اُس کی قسم کھائی تاکہ قرآنِ کریم کے ماننے والے قیامت تک حکمت و دانش کے کارواں کی قیادت کرتے رہیں' اس کے حصول کے پیہم جدّ و جہد سے اُکتا نہ جائیں اور دنیا کے گوشہ گوشہ کو اس کی روشنی سے منوّر کرنے کے لئے اپنی ہر امکانی کوشش کریں۔ صرف قلم کی قسم کھا کر اُس کی عزت افزائی نہیں کی گئی بلکہ وَمَا یَسْطُرُوْن فرما کر اُن جواہر پاروں کی بھی قسم کھائی گئی ہے جو نوکِ قلم سے صفحۂ قرطاس کی زینت بنتے ہیں۔ اس طرح اُن کی شان کو بھی دوبالا کر دیا۔

ان آیات نے مسلمانوں میں عربی رسم الخط کو خوشنما خطاطی میں ترویج دینے اور فنِ خطاطی کو ترقی دینے میں بڑی تحریک و ترغیب دی۔

کتابت اور خطاطی: ''کتابت ایک عام کاروباری عمل ہے اور خطاطی اُس کی خاص جمالیاتی نوع ہے جس میں مسلمانوں نے کمال حاصل کیا اور اسے ایک برتر فن کے درجے تک لے گئے۔ یہ فن اس لحاظ سے مقدس بھی ہے کہ خطاطی (خط کی مصوری) کا سب سے زیادہ حسین استعمال قرآن مجید کی کتابت میں ہوا جس میں مسلمان خوش نویسوں نے اپنی بھرپور صلاحیتیں صَرف کیں اور جب اس کے ساتھ تذہیب اور گل کاری' نقاشی اور رنگ کاری بھی شامل ہو گئی تو اس سے لکھے ہوئے الفاظ و صفحات پیکرِ جمال بن کر سامنے آئے۔ یہی وجہ ہے کہ اس فن پر بحث کرنے والوں نے اس کے بیان میں حسن و محبوبی اور فنِ تصویر کے استعارے اکثر استعمال کئے ہیں۔''

''یہاں یہ امر محتاجِ تفصیل نہیں کہ بعض دیگر اقوام کی طرح مسلمانوں کے ہاں بھی جمالیاتی فن بالعموم دینی جذبوں اور عقیدتوں کے زیرِ اثر ظہور پاتا رہا ہے اور اس کا سب سے بڑا مرکزِ توجہ متنِ قرآن مجید رہا ہے جس کی خوش نویسی و خوش نمائی اور آرائش و زیبائش کے لئے گوناگوں طریقے اختیار کئے گئے۔''

''قرآن مجید سے اس خصوصی تعلق کے علاوہ یہ فن کتابوں کی کتابت میں بھی بروئے کار آیا۔ شعر و ادب کی کتابوں میں بھی اور افسانہ و حکایت میں بھی۔ ایسی کتابوں میں بعض اوقات حُسنِ خط اور تصویر دونوں جمع بھی ہو جاتے تھے اور صفحے کی شکل' الفاظ کا جلی یا باریک ہونا اور سطروں کی ترتیب و ترکیب اور تزئین و آرائش (مثلاً تذہیب) بھی اس کے ساتھ شامل ہو جاتی تھی۔ خطاطی کا استعمال مسجدوں اور قلعوں کی پیشانی پر اور بعض اوقات اندر بھی' روضوں اور مرقدوں کی دیواروں پر' قالینوں میں نیز فرامین میں ہوتا رہا ہے۔''

خوش نویسی کی اہمیت: ''خوش خطی سے متعلم میں تناسب' موزونیت اور ہم آہنگی کا احساس بیدار ہوتا ہے۔ گزشتہ دور کی ابتدائی تعلیم میں اس کے ذریعے جو ذوقِ حُسن اور شوقِ ہم آہنگی پیدا ہوتا تھا' وہ آگے چل کر فنِ تعمیر' فنِ شعر و ادب اور فنِ نقش و تصویر کے جمالیاتی ادراک میں بھی مد ثابت ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے بیسویں صدی کے ربع اوّل تک مسلم ممالک میں خوش نویسی پر بے حد زور دیا جاتا رہا ہے (اور ابتدائی درجوں میں اسے ایک مضمون کی حیثیت حاصل تھی) مگر اب پرنٹنگ پریس کے فروغ کے بعد اور بعض دوسرے عملی وجوہ کی بنا پر خوش خطی کی اہمیت میں زوال آ گیا ہے۔''

''حُسنِ کتابت (خوش خطی) کے موضوع پر لکھنے والوں نے حُسنِ خط کی تعریف میں بہت کچھ لکھا ہے۔ چنانچہ عربی و فارسی کی کئی کتابوں میں حُسنِ خط کے متعلق بڑی کثرت سے کلماتِ مدح ملتے ہیں۔ عربی میں طیّبی کا ایک رسالہ جامع محاسن الکتابہ ہے جس میں حُسنِ خط کے سلسلے میں متعدد تعریفی کلمات آئے ہیں۔ فارسی کے رسالہ خط و سواد کے دیباچے میں بھی کئی اقوال نقل کئے گئے ہیں' مثلاً: اَلْخَطُّ نِصْفُ الْعِلْم ۔ أَكْرِمُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالْكِتَابَةِ۔ عَلَيْكُمْ بِحُسْنِ الْخَطِّ فَإِنَّهُ' مِنْ مَفَاتِيحِ الرِّزْقِ۔ اَلْعِلْمُ صَيْد'' وَالْكِتَابَةُ قَيْد'' وَمَنْ كَتَبَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ بِحُسْنِ الْخَطِّ دَخَلَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ''

''خطاطی آغازِ اسلام ہی سے اسلامی روح کی آئینہ دار رہی ہے۔ اس کی اصل وجہ قلم اور تحریر کی وہ اہمیت ہے جس کا ذکر صفحہ ۶۱۸ پر کیا جاچکا ہے۔ پس لکھنے کی خداداد بنیادہمیں قرآن مجید سے میسر آئی۔ چنانچہ یہ فطری بات تھی کہ مسلمانوں نے اسلام کے ابتدائی زمانے ہی میں قرآن مجید کی کتابت ایسے انداز میں شروع کردی جو اس کے جاودانی حسن کے شایانِ شان تھی۔ یہی وجہ ہے کہ کتابت میں تقدس اور عقیدت کو خصوصی عنصر کی حیثیت حاصل رہی ہے۔''

''<u>فنِ خطاطی کے اصول</u> : فنِ خطاطی ایک اُصولی فن ہے جس کی اساس ہندسی و اُقلیدسی ہے۔ اس عظیم فن کے اصول وقواعد کی تدوین وترتیب میں غیر معمولی توجہ صَرف کی گئی ہے اور یہ مسلمانوں کے تشکیلی (تصویری) فنون میں مرکزی اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں علم عدد (نسبتیں)' علمِ ہندسہ (خط وقوس ودَور وصعود ونزول) اور فنِ تصویر (کیونکہ اکثر خطاطوں نے اسے مصوّری کے انداز پرسوچا اور ترقی دی) شامل ہے۔ اس کے علاوہ رنگ کاری' طلاکاری (تذہیب)' روشنائی سازی اور کاغذسازی جیسے فنونِ متعلقہ نے بھی خطاطی کے ضمن میں فروغ پایا۔''

''شاہ طہماسپ صفوی کے مشہور خطاط اور مصوّر بابا شاہ اصفہانی کی تصنیف ''رسالہ آداب المشق'' کی چھ فصلیں ہیں جن میں مصنف نے فنِ خطاطی کے آداب واصول بیان کئے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے رسالے کی فصلِ اوّل میں لکھا ہے کہ کمالِ فن کے لئے فن کار کی ذاتی پاکیزگی اور شخصی طہارتِ نفس لازمی ہے۔ بابا شاہ کا یہ رسالہ اصولِ خطاطی وقواعدِ کتابت پر ایک عمدہ ومکمل دستور العمل کا درجہ رکھتا ہے۔ مشہور خوش نویس سلطان علی مشہدی نے بھی اس موضوع پر لکھتے ہوئے پاکیزگی نفس پر زور دیا ہے۔''

''بابا شاہ اصفہانی کے رسالے میں قلم تراشی کے طریقوں پر بھی ایک فصل ہے اور اس کے چھ اجزاء بنائے گئے ہیں: فتح' مشق' انسی' وحشی' مغز' قط۔ قلم تراشی کی یہ صورتیں حسابی نسبتوں پر قائم ہیں۔ باقی اصطلاحات مثلاً حرف' جزم اور ان کی مختلف حالتوں کا بیان بھی رسالے میں ملتا ہے۔ مرکّب (سیاہی) بنانے کے اصول بھی دیئے ہیں اور ترکیبیں بتائی ہیں۔ اس کے بعد مناسبِ حال کاغذوں کا ذکر آیا ہے اور کاغذ کی قسموں (عادل شاہی اور دولت آبادی یا سلطانی) کا تذکرہ ہے اور لکھا ہے کہ بہترین رنگ خطائی ہے اور اس کے مسالے میں حنا' مدادا اور زعفران کا استعمال ہونا بیان کیا ہے۔ پھر آھار اور مہرے کا ذکر ہے (آھار اُس مادّے کو کہتے ہیں جسے کاغذ کی مضبوطی کے واسطے کتابوں پر چڑھاتے ہیں)۔''

<u>دَورِ اسلامی میں فنِ خطاطی کی مختصر تاریخ</u> : ''عربی خط کی جس شکل نے سب سے پہلے ترقی کی' اُسے عرفِ عام میں کوفی کہتے ہیں۔ زمانے کے اعتبار سے کوفی قدیم اور کوفی جدید دو قسمیں ہیں۔ عہدِ بنی اُمیّہ میں عبدالحمید الکاتب (وزیر) نے دفتری ضرورتوں کے لئے اس میں مناسب ترمیمات کیں۔ جدید کوفی کی ایجاد ہارون الرشید کے زمانے کے نامور فاضل خلیل بن احمد عروضی (نحوی بصری) سے منسوب کی جاتی ہے۔''

''بنو عباس کے زمانے میں اسحٰق بن حماد (م ۱۵۴ھ) نے اسے زیادہ سے زیادہ عملی' کاروباری اور سہل الاستعمال بنانے کے لئے اس کی کچھ شکلیں پیدا کیں مثلاً خطِ طومار (مساجد و عمارات کی پیشانی کے لئے)؛ سجلات (دفتری دستاویزات کے لئے' درہم و پیچیدہ تاکہ ان میں تصرف نہ کیا جا سکے) اور عہدہ (فرامین و احکام کے لئے)۔''

''خطاطی مسلمانوں کا اہم تہذیبی ورثہ ہے جو ہمیں قرآن مجید کے خطِ کوفی کی بدولت ملا ہے۔ اکثر محققین کا بیان ہے کہ ظہورِ اسلام کے وقت عرب میں خطِ کوفی رائج تھا جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ۷ ہجری میں جو تبلیغی مراسلے مختلف ممالک کے حکمرانوں کو ارسال فرمائے' وہ خطِ کوفی میں تھے' جیسا کہ ذیل کے مکتوب سے ظاہر ہے:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ اِلَى الْمُقَوْقِسِ عَظِيْمِ الْقِبْطِ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى. اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ اَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ اِثْمُ الْقِبْطِ. يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ.

نامۂ مبارک کے بعض الفاظ اس سے کچھ مختلف ہیں جو کتب سیر میں درج ہیں۔ ... مقرر ... الفاظ میں یسیر تغیر ہو جانا مستبعد نہیں۔

فرمان والاشان حضرت سید المرسلین صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم،

بنام سلطان مقوقس (مصر)؛

کوفی قدیم (۷ھ)

(''اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ'': دانش گاہِ پنجاب لاہور' جلد ۱۵' صفحات ۹۵۶ تا ۹۶۱' ۹۶۸' ۹۹۶ وغیرہ)

''خطِ نسخ کی ابتدا ابن مقلہ نے کی جسے ابن البواب نے تکمیل تک پہنچا کر اسے ایک ریاضیاتی فن بنا دیا۔ اسے نسخ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ خطِ کوفی کا ناسخ ثابت ہوا۔ کوفی اور نسخ کے بعد خط کی بنیادی اور نمایاں اقسام یہ ہیں: تعلیق' نستعلیق' دیوانی' شکستہ' شکستہ آمیز' شفیعہ۔ خطوط کی اہم قسمیں یہی ہیں لیکن یہ یاد رہے کہ ہر قسم کے اندر درجنوں چھوٹی قسمیں بھی ہیں جنہیں قلم کہا جاتا تھا۔ ان میں قدیم ترین قلموں کا بیان قدیم ترین کتابوں میں سے ابن الندیم کی کتاب ''الفہرست'' میں آیا ہے۔ خطِ کوفی کم وبیش پانچ سو سال تک قرآن مجید کی کتابت کے لئے مستعمل رہا۔ خطِ کوفی سے مشابہت رکھنے والا خط محقق ہے۔''

''خطِ کوفی کے نمایاں خدّ وخال : خطِ کوفی کے حروف جلی اور مدوّر شکل کے ہیں۔ خاص طور سے م' و کے سرے نسبتاً زیادہ جلی ہیں اور عمودی خطوط نسبتاً چھوٹے مگر متوازی اور اُفقی خطوط نسبتاً لمبے ہیں۔ حروف کے جوڑ زاویہ دار ہیں۔ کافی عرصے تک زیر' زبر' پیش اور تنوین کے لئے نقطوں ہی کا استعمال ہوتا رہا یعنی زبر کے لئے اوپر' زیر کے لئے نیچے' پیش کے لئے بازو یا کنارے پر' اور تنوین کے لئے دو نقطے لگائے جاتے تھے۔ اس سے صحیح تلفظ کرنے میں بڑی حد تک آسانی ہوگئی۔''

''بعد میں خلیفہ عبدالملک بن مروان (۶۵ھ تا ۸۶ھ/۶۸۵ء تا ۷۰۵ء) کے آغازِ خلافت میں حجاج بن یوسف نے رسم الخط کی اصلاح کی کوشش کی اور اِعراب واعجام وزیادات کا اضافہ ہوا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ خلافتِ اسلام میں بہت توسیع ہو چکی تھی۔ مختلف ممالک کے لوگ جن کی مادری زبان عربی نہ تھی' اسلام اختیار کر رہے تھے اور کچھ دوسری قوموں کے ساتھ لسانی روابط قائم ہو رہے تھے' اس لئے قرآن مجید کی صحیح قراءت اور مفہوم واضح کرنے کے لئے ضروری ہوا کہ صحیفہِ مقدس میں نقاط اور اعراب وزیادات شامل کئے جائیں۔ عرب میں فنِ کتابت کی ترویج سے صحابہ کرام' تابعین اور تبع تابعین قرآن مجید کی کتابت میں حُسن اور جدّت پیدا کرنے کے قابل ہو گئے' چنانچہ صحیفہِ مقدس سے اُن کی عقیدت وشیفتگی کی وجہ سے رعنائی اور پختگی پیدا ہوتی گئی اور جذبہِ مسابقت نے رسم الخط کو حسین سے حسین تر بنا دیا۔''

''خطِ نسخ: پانچویں صدی ہجری/گیارھویں صدی عیسوی سے قرآن مجید کی کتابت کے لئے خطِ کوفی کم ہوتا گیا اور اس کی جگہ خطِ نسخ نے لے لی۔ خطِ نسخ کا موجد ایک عدیم النظیر خطاط ابن مقلہ (م ۳۲۸ھ) ہے جو الراضی باللہ (۳۲۲ھ تا ۳۲۹ھ/۹۳۴ء تا ۹۴۰ء) کا وزیر تھا۔ ابنِ مقلہ اس خط کو ہندسی عمل میں لایا اور اس نے املا کی صحت' ہندسی باقاعدگی اور حسن ورعنائی کا رُجحان پیدا کرنے کے لئے خط میں اہم تبدیلیاں کیں۔ اس خط میں پہلی مرتبہ خطاطی کے اصول وقواعد کے لئے ناپ مقرر کئے گئے تاکہ موزونیت' یکسانیت اور تناسب قائم رہے۔ اس میں ہندسی ہیئت پیدا کرنے کے لئے نقطوں کی پیمائش سے کام لے کر نسبتیں مقرر کی گئیں۔ غرض یہ بااصول خط تھا اور اصول یہ پیشِ نظر رہا کہ ہر حرف خواہ کھڑا ہو یا سیدھا' دراز ہو یا گول' قوسی ہو یا شوشہ دار' دراصل نقطوں کا ایک سلسلہ ہوتا ہے جن کے تسلسل اور مختلف ترکیب وترتیب سے ایک حرف بن جاتا ہے۔ چنانچہ اس امر پر غور کیا گیا کہ ہر حرف' پورا یا عبارت کے اندر کٹا ہوا' کتنے نقطوں کے برابر ہونا چاہئے۔ اس کے لئے بارہ قاعدے بنائے گئے تاکہ کتابت اصول سے ہو سکے۔''

خطِ ثلث

خطِ رقاع

خطِ بحار (بہار؟)

خطِ گلزار (نسخ و نستعلیق)

خطِ طاؤس

خطِ غبار

خطِ طغرا

(۲۱) کیمیا (CHEMISTRY)

''سائنس کی وہ برانچ جس میں مادّی اشیاء کی ساخت' ہیئت ترکیبی اور مادّہ میں ہونے والی تبدیلیوں کا مشاہدہ کیا جاتا ہے' کیمیا کہلاتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ وہ اصول اور قوانین جن کے تحت مادہ میں تبدیلیاں آتی ہیں' اُن کا مطالعہ بھی کیمیا میں کیا جاتا ہے۔'' (McGraw Hill Encyclopedia of Chemistry, p. 169)USA 1983.

حیات انسانی میں علم کیمیا کی اہمیت: علمِ کیمیا نے انسان کے لئے اَن گنت سہولتیں پیدا کی ہیں۔ انسانی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر گوشہ کیمیا کی خدمات کا آئینہ دار ہے:۔

(۱) انسان کی خوراک' متوازن غذا کے لئے کیمیا کے علم پر مبنی غذا کی پروسسنگ کرنے والے کارخانے دن رات انسان کے لئے طرح طرح کی خوراک بنانے میں مصروف ہیں۔

(۲) انسان کے علاج معالجے کے لئے علمِ کیمیا نے ادویات سازی میں بہت زیادہ خدمات انجام دی ہیں۔

(۳) کیمیا کے علم نے انسان کے لئے تفریحی سہولتیں اور آسائشیں مہیا کی ہیں۔جسم کو لگائی جانے والی خوشبویات' پاؤڈر' کریمیں انسانی حُسن کو دوبالا کرنے والی اشیاء' مختلف قسم کے صابن ڈی ٹرجنٹ' مصنوعی ربڑ کے جوتے' بارش سے بچاؤ کے لئے واٹر پروف کوٹ' چمچ' چھری کانٹے سب علمِ کیمیا کی بدولت ہیں۔

(۴) کیمیائی کھادوں نے اجناس کی پیداوار میں بے پناہ اضافہ کیا ہے جس سے انسانی معاشرے سے بھوک اور افلاس مٹانے میں مدد ملی ہے۔

(۵) کیمیا کے علم سے طرح طرح کی کیڑے مار ادویات تیار کر کے فصلوں کو موذی کیڑے مکوڑوں سے بچا کر فصلوں کی پیداوار میں اضافہ کیا جاتا ہے۔

(۶) کیمیا کے علم کی بدولت مصنوعی ریشے تیار کئے جاتے ہیں جس سے انسانی لباس میں نفاست اور لطافت سے دیدہ زیب اضافہ ہوُا ہے۔

(۷) کیمیا کے علم ہی سے سیمنٹ' سریا' بجری' اینٹ گارا کے استعمال سے انسانی رہائشی سہولتوں میں اضافہ ہوا ہے۔

(۸) کیمیا کے علم کی بدولت رنگ اور پینٹس استعمال کر کے گھروں کو خوبصورت بنایا جاتا ہے۔

(۹) کیمیا کے علم کی بدولت پولی ایسٹر فائبر' فائبر گلاس' مختلف قسم کے پلاسٹکس' رنگا رنگ شیشے کے برتن' سرامکس اور ٹائیلیں بنائی جاتی ہیں۔

(۱۰) کیمیا کے علم کی بدولت سٹین لیس سٹیل اور مختلف اقسام کی دھاتوں (میٹلز) کے بھرت بنائے جاتے ہیں۔

(۱۱) پٹرولیم کی کسری کشید سے معدنی تیل اور اس کی ہزاروں مصنوعات نے انسان کے لئے بے شمار سہولتیں مہیا کی ہیں۔

ہر مادی شے کی اپنی امتیازی خصوصیات ہوتی ہیں' مثلاً آکسیجن ایک بے رنگ گیس ہے اور سکروز ایک شیریں' بلور کی طرح صاف وشفاف ٹھوس چیز ہے۔ اپنی روزمرہ زندگی میں ہم مادی اشیاء میں تبدیلیاں ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں جیسے لکڑی کا جلنا' لوہے کو زنگ لگنا' غذا کا ہضم ہونا' پانی کا برف میں تبدیل ہونا' دودھ کا دہی میں تبدیل ہونا' دودھ کا پھٹ جانا اور گوندھے ہوئے آٹے کا خمیر میں بدل جانا۔ ایک کیمیا دان کی بڑی دلچسپی مادے کی ساخت' اُس کی خصوصیات اور اُن قواعد وضوابط میں ہوتی ہے جو مادے میں واقع ہونے والی تبدیلیوں پر کنٹرول رکھتے ہیں۔ قرآن مجید مادے میں اِن واقع ہونے والی تبدیلیوں کے متعلق فرماتا ہے:۔

(۱) آتُونِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ حَتّٰی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا حَتّٰی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا قَالَ آتُوْنِیْ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا○ (اَلْکَهف : ۹۶)

"تم میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ یہاں تک کہ جب ان دونوں پہاڑوں کے درمیان کو اُس (ذوالقرنین) نے برابر کر دیا تو کہا کہ دھونکو یہاں تک کہ جب اُسے آگ بنا دیا تو کہا کہ (اب) میرے پاس پگھلتا ہوا تانبا لاؤ تو میں (مزید مضبوطی کے لئے) اس پر ڈال دوں۔"

(۲) وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ○ (سَبا : ۱۰)

"اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کے لئے لوہے کو نرم کر دیا۔"

تاکہ آپ اس سخت دھات کو جنگی سامان وغیرہ کی تیاری کے لئے استعمال کریں۔

(۳) وَأَسَلْنَا لَهٗ عَیْنَ الْقِطْرِ (سَبا : ۱۲)

"اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا۔"

یعنی تانبے کو اُس کے معدن میں رقیق سیال کر دیا تاکہ اس سے مصنوعات کے بنانے میں سہولت ہو۔ پھر وہ منجمد ہو جاتا۔

اعترافات (منجانبِ مؤلّف انسائیکلوپیڈیا)

سب سے پہلے راقم الحروف اپنے والدین مرحومین کا نہاں خانۂ دل سے ممنونِ احسان ہے جنہوں نے مجھ ناچیز کو قرآن کی نعمتِ غیر مترقبہ سے مالا مال کیا۔ بندے کا رُواں اور رُواں اور ہر ہر سانس اُن کی مغفرت اور جنات الفردوس میں مقامِ ارفع واعلیٰ کے لئے ربِّ ذوالجلال کے حضور فریاد کناں رہتا ہے۔

اپنے رُوحانی استادِ مکرّم جناب حافظ گل محمد صاحب مرحوم اور بالخصوص مولانا منظور احمد خان پٹیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت اور ترقی درجات کے لئے بھی دعا گو ہوں جنہوں نے قرآن مجید صحیح مخارج حفظ کرانے کے ساتھ ساتھ بندۂ پُرخطا میں حُبُّ اللہ و حُبُّ الرّسول کی لو سلگائی اور وقتاً فوقتاً اُس لو کو تیز سے تیز تر کرتے رہے۔

استادِ محترم جناب احمد نواز خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی مغفرت اور بلندیِ درجات کے لئے ربُّ العالمین کے حضور دست بہ دعا رہتا ہوں جنہوں نے اپنی بے لوث اور بے غرض محنت سے بندے میں حصولِ علم کی لگن اور تڑپ پیدا کی جس کی بدولت میں اپنے خالقِ رحیم وکریم کا اَبدی پیغام انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں اُس کے بندوں تک پہنچانے کے قابل ہوا ہوں۔

یوں تو راقم الحروف کو تعلیمی دُنیا میں ایک سے ایک بڑھ کر قابل ترین اساتذہ ملتے رہے لیکن اُن میں سے کچھ ایسے ہیں جن کے طرزِ حیات نے اُس کے دل ودماغ پر اَن مٹ، مثبت نقوش چھوڑے ہیں۔ اس طول طویل تفصیل میں سرِ فہرست میرے سکول کے عربی ٹیچر جناب عبدالمجید مرحوم، کالج کے عربی پروفیسر جناب منظور احمد مرحوم اور یونیورسٹی لائف میں جناب ڈاکٹر پروفیسر صوفی ضیاء الحق صاحب مرحوم ومغفور ہیں۔ اللہ ربُّ العزت میرے سب اساتذہ کرام اور والدین کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے! آمین بجاہ خاتم النبیین ﷺ

انتہائی ناقدرشناسی ہوگی اگر اس موقع پر اپنے سابق رفیقِ کار اور تلمیذ پروفیسر شیخ محمد منیر زید مجدہ، کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے کمال فیاضی سے اپنی لائبریری میں سے بڑی نادر کتب میرے ہاں استفادہ کے لئے چھوڑیں۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں اس کا اجرِ جزیل عطا فرمائے! آمین

جناب نوروز خان صاحب (ہیڈ لائبریرین، اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اسلام آباد) کا بھی ممنونِ احسان ہوں کہ انہوں نے ہر بار بکمال فراخدلی سے میری علمی راہ نمائی فرمائی اور اپنی وسیع وعریض لائبریری سے استفادہ کرنے کا بھرپور موقع عطا کیا۔

آخر میں اپنے اُن سب کرم فرماؤں اور اَحباب (بالخصوص چوہدری محمد رمضان صاحب انجینئر) کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے انسائیکلوپیڈیا کے انگریزی حصّے کو اردو میں لانے کا شوق دلایا اور اس ضمن قدمے، سخنے بندے کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔

۸ اَپریل ۲۰۱۲ء

خاک پائے صالحین
اشفاق

اِن تبدیلیوں سے متعلق سورہ یٰسٓ میں بھی اشارہ ہے :۔

وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَّأَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ۝ لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهٖ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ (یٰسٓ : ۳۵)

"اور ہم نے اس (زمین) میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگائے اور اس میں میٹھے چشمے جاری کر دیے تا کہ لوگ اس (باغ) کے پھلوں میں سے کھائیں اور اس (سارے انتظام) کو اُن کے ہاتھوں نے نہیں پیدا کیا۔"

اوپر کے خط کشیدہ حصے کی توضیح دو طرح کی جا سکتی ہے: اوّل تو یہ کہ مَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِم میں مَا کو نافیہ (نہیں کے معنی میں) مانا جائے جیسا کہ ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔ اس صورت میں رب تعالیٰ کی قدرتِ مطلقہ کا اظہار ہے۔ دوسری ترکیب یہ بھی جائز ہے کہ مَا کو موصولہ قرار دیا جائے۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ اپنے پکے پکائے ماکولات از قسم مکھن، دہی، گھی، تیل، آملیٹ، ملک شیک، اچار، مربّے، چٹنیاں اور مشروبات وغیرہ کو دیکھو کہ ان کے بنانے کا طریقہ اور استعداد تمہیں کس نے عطا کی، غرض اس میں بھی حق تعالیٰ ہی کی ربوبیت کی جھلک پاؤ گے۔

اس طرح علمِ کیمیا اپنے علم کی وسعت میں قرآن مجید کا رہینِ منّت ہے جس نے کیمیا دانوں کو آگے بڑھنے اور اپنے میدان میں تحقیق کرنے کی حوصلہ افزائی کی۔ ہم اور ہمارا تمام ماحول ترکیبی عمل کے ذریعے خدائی قوانین کے مطابق مختلف عناصر اور مادّوں سے تشکیل شدہ ہے۔ آسمانوں اور زمین کی چھ مراحل میں تخلیق اور پانی سے کائنات کی تخلیق بھی خدائی قانون کے ترکیبی اور تغیراتی عمل کو شامل ہے۔ سورۃ البقرۃ کی مندرجہ ذیل آیت نے جو خدائی پتسمہ کی لامتناہی قوت کی غمّاز ہے، کچھ عناصر کو باہم ایک مناسب تناسب میں ملانے سے کیمیائی پتسمہ کے متعلق کیمیا دانوں کو ضرور اشارہ کیا ہوگا:۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (البقرۃ : ۱۳۸)

"(ہمارے اوپر) اللہ کا رنگ ہے اور اللہ سے بہتر کون رنگ دینے والا ہے؟"

"مٹی میں موجود مختلف موادوں میں جو کیمیائی تغیر و تبدل ہوتا ہے، اُس کے تحت انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ مندرجہ ذیل قرآنی آیات انسان کے تخلیقی عمل پر توجہ دینے کی دعوت دے رہی ہیں :۔

(۱) هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّنْ طِينٍ ثُمَّ قَضٰى أَجَلًا (الانعام : ۲)

"وہ وہی (اللہ) ہی تو ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر (تمہارے لئے) ایک وقت مقرر کیا۔"

(۲) وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ۝ (الحجر : ۲۶)

"اور بالیقین ہم نے انسان کو کس دار گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔"

(۳) وَاللّٰهُ خَلَقَكُم مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا (فاطر : ۱۱)

"اور اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے (پیدا کیا) پھر اُسی نے تمہیں جوڑے جوڑے بنایا۔"

''بے جان مادّوں کے کیمیائی ردّعمل سے ایک نئی جان یعنی انسان کیسے وجود میں آ گیا؟ مٹی کے وہ کون سے اجزائے ترکیبی تھے جن سے انسان بنا؟ اور اُن مادّوں کے وہ کون سے تغیرات تھے جن سے یہ عجیب و نادر مخلوق پیدا ہوئی؟ یہ اور اس قسم کے دیگر سوالات نے ماہرینِ علم البشر اور کیمیا دانوں کو پریشان کیا ہوگا اور اُنہیں ان کا جواب ڈھونڈنے کی طرف راغب کیا ہوگا کہ دو یا دو سے زائد مادّوں کے آمیزے سے زندگی کیسے پیدا ہوگئی۔ مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنی نے اُنہیں تجربات کرنے میں تحریک دی ہوگی :۔

(۱) إِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ (الانعام : ۹۵)

''بے شک اللہ (ہی) دانہ اور گٹھلیوں کا پھاڑنے والا ہے' وہی جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان کو جاندار سے نکالنے والا ہے۔''

(۲) قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ (یونس : ۳۱)

''آپ فرما دیجئے کون تمہیں آسمان وزمین سے رزق پہنچاتا ہے یا کون کان اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے؟ اور کون جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان کو جاندار سے نکالتا ہے اور کون ہر کام کا انتظام کرتا ہے۔''

''اِس قسم کی قرآنی آیات مختلف اجزائے ترکیبی کے ذریعے زندگی کی مزید شکلوں کے معلوم کرنے کی تحریک دیتی ہیں۔ لہٰذا یہ آیات لازمی طور پر انسانی کوشش اور تحقیق کو اِس سمت ابھارنے میں محرک کا کام کرتی ہیں۔''

''علاوہ ازیں آئے دن کے مشاہدات جن کا حوالہ سورۃ البقرۃ اور سورہ آلِ عمران کی مندرجہ ذیل آیات میں ہے' انسانی تجسس کو عناصر اور مختلف مادّوں کی کیمیا کے مطالعہ کرنے کی طرف تحریک دیتے ہیں :۔

(۱) وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ (البقرۃ:۷۴)

''اور پتھر تو کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اُس سے دریا پھوٹ نکلتے ہیں اور کوئی اُن میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ پھٹ جاتا ہے اور اس میں سے پانی نکلتا ہے۔''

(۲) وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا (الاعراف:۵۸)

''اور ستھری بستی میں پیداوار اُس کے پروردگار کے حکم سے (خوب) نکلتی ہے اور جو (بستی) خراب ہے اُس کی پیداوار نکلتی بھی ہے تو بہت کم۔''

آسمانوں اور زمین کی تخلیق کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے:۔

ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا (حٰمٓ السجدۃ : ۱۱' ۱۲)

''پھر اُس نے آسمان کی طرف توجہ کی اس حال میں کہ وہ دھواں تھا' پھر اُس سے اور زمین سے کہا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی' دونوں بولے: ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ پھر دو مراحل میں سات آسمان بنا دئے اور ہر آسمان میں اُس کے (مناسب) حکم بھیج دیا۔''

''ارتقائی عمل کے ذریعے دھوئیں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق ہماری توجہ کو علمِ کیمیا کی طرف لے جاتی ہے۔ نیز پانی سے تمام زندگی کی تخلیق کا ذکر سورۃ الانبیاء کی اِس آیت میں کیا گیا ہے :۔

اَوَلَمۡ یَرَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ کَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰهُمَا وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ (الانبیاء : ۳۰)

''کیا کافروں کو معلوم نہیں کہ آسمان اور زمین بند تھے' (یعنی نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی اور نہ زمین سے پیداوار) پھر ہم نے دونوں کو کھول دیا اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا ہے۔'' (۳۰ : ۲۱)

''پانی سے مراد یہاں اگر بارش ہے تو بارش کے پانی سے براہِ راست یا بالواسطہ ہر جاندار کا مستفید ہونا ظاہر ہی ہے (تفسیر کشاف) اور اگر مراد نطفۂ حیوانی لیا جائے تو اس سے بھی ہر جاندار کا وجود میں آنا مشاہد ہے۔ جدید ماہرینِ علم الحیات کی تحقیق ہے کہ ہر جاندار کی ترکیب میں عنصرِ اصلی پروٹو پلازم (تخم مایہ) کا ہوتا ہے۔ اگر اسی کو مانا جائے تو اس جوہر میں بھی حصۂ غالب پانی ہی کا ہوتا ہے۔ لفظ کُـــــلّ محاورہ میں تقریباً کل یا بہت بڑی اکثریت کے مرادف مستعمل ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے صفحات ۴۸۳' ۴۸۴ جلد اوّل)۔ اس لئے اگر کسی جاندار کی پیدائش کا استثناء اِس قاعدہ سے ثابت ہو جائے تو یہ عموم قانون کے منافی نہیں۔'' (تفسیر ماجدی اُردو' صفحہ ۶۶۲' نوٹ : ۴۱)

''شہد کی کیمیائی کیفیت میں سائنسدانوں کے لئے خالقِ کائنات کی حیران کن کاریگری کا دائمی پیغام ہے کہ وہ چیزوں کی ہیئت اور اُن کی خصوصیات میں تغیر و تبدّل کر کے کیسے اپنی قدرتِ کاملہ کو جتلاتا ہے :۔

وَاَوۡحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ ۝ ثُمَّ کُلِیۡ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسۡلُکِیۡ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخۡرُجُ مِنۡ بُطُوۡنِهَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ فِیۡهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ۝ (النحل : ۶۸' ۶۹)

''اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کو اِلقا کیا کہ پہاڑوں پر' درختوں پر اور اُن اونچی عمارتوں پر جو لوگ بناتے ہیں' گھر بنا۔ پھر ہر قسم کے پھلوں میں سے کھا اور اپنے پالنہار کے صاف راستوں پر چلی چل۔ اُس کے بطن سے وہ پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے رنگ مختلف ہیں جس میں لوگوں کے لئے شِفا ہے۔ بے شک اس میں غور کرنے والوں کے لئے بڑی نشانی ہے۔''

''مذکورہ بالا آیات میں کیمیادانوں کے لئے ایک بڑا سبق یہ ہے کہ مادّوں کا آمیزہ ایک نئے مادّے کو پیدا کر سکتا ہے جس کا اپنے اصلی عناصر کے ساتھ اُن کی فطرت' خصوصیات یا اثرات میں کوئی تعلق نہیں ہے۔'' (انسائیکلو پیڈیا آف سیرۃ' جلد اوّل' صفحات ۴۷۳' ۴۷۴)

''<u>کیمیائی تغیر و تبدّل</u>: کیمیائی تغیر و تبدّل اُس وقت واقع ہوتا ہے جب عناصر اور مرکبات مختلف مرکبات کی تخلیق میں باہم ردّعمل کرتے ہیں۔ مثلاً غذا کی ہیئت اپنے پکنے اور کھائے جانے میں بدل جاتی ہے۔''

'' کیمیائی تغیرات کی چار قسمیں ہیں :۔

(۱) اتصال اور یکجائی (Combination): یہ اُس وقت واقع ہوتا ہے جب دو یا دو سے زیادہ عناصر یا مرکبات ایک نیا مرکب بنانے کے لئے باہم مل جائیں جیسے ہائیڈروجن (H) اور آکسیجن (O) جب آپس میں ملتے ہیں تو پانی بنتا ہے۔ ہائیڈروجن کی آکسیجن کے لئے کشش بہت زیادہ ہے لہٰذا پانی بننے میں وہ بہ آسانی آپس میں مل جاتے ہیں۔'' (Funk & Wagnalls New Encyclopedia of Science, Vol. 4, p. 294)

قرآن مجید اس اتصال اور یکجائی کے نتیجے میں بننے والے پانی کا ذکر اکثر مقامات پر کرتا ہے مثلاً سورۃ الواقعۃ کی آیات ۶۸، ۶۹ میں اور سورۃ المُلک کی آخری آیت ۳۰ میں۔

(۲) تحلیل (Decomposition): اس کا مطلب ہے ایک مرکب کا دو یا دو سے زائد مرکبات یا عناصر میں تبدیل ہونا۔ مثلاً اگر مرکیورک آکسائڈ کو گرمایا جائے تو وہ تحلیل ہو کر پارے اور آکسیجن میں بدل جاتا ہے۔ (ایضاً ص ۲۹۴) قرآن مجید میں تحلیل کی مثال یہ آیات ہیں:۔

وَقَالُوْا ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا٥ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْحَدِيْدًا٥ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِىْ صُدُوْرِكُمْ (الاسراء : ۴۹ تا ۵۱)

''اور وہ کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو کیا ہم از سرِ نو پیدا اور جمع کیے جائیں گے۔ فرما دیجئے کہ تم پتھر یا لوہا ہو جاؤ یا کوئی اور چیز جو تمہارے خیال میں بہت ہی بعید ہو (پھر بھی ایسا ہو کر رہے گا)''

(۳) استبدال اور عوض (Substitution or Replacement): یہ اُس وقت واقع ہوتا ہے جب کسی مرکّب میں کچھ عناصر ضائع ہو کر دوسرے عناصر اس کی جگہ لے لیتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس کی مثال یہ آیت ہے:۔

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ (اَلنِّساء : ۵۶)

''جب کبھی اُن کی جلدیں پک جائیں گی' ہم اُن کی جلدوں کو بدل کر دوسری کر دیا کریں گے تا کہ وہ برابر (تازہ) عذاب چکھتے رہیں۔''

یعنی یہ نہ سمجھنا کہ کھال جب جل جائے گی تو اُس میں مزید درد کا اِدراک ہی کہاں باقی رہے گا۔ نہیں بلکہ درد کا احساس ہر دَم تازہ ہوتا رہے گا اور جلد کبھی بھی بے حِس نہ ہونے پائے گی۔۔۔ آخرت میں خواص اشیاء کو دُنیا کے خواصِ طبعی پر قیاس کرنا یوں بھی کمال بے دانشی ہے!!

(۴) ''تغیر و تبدّل کی چوتھی قِسم دوہری تحلیل (Double Decomposition) کہلاتی ہے اور یہ اُس وقت واقع ہوتی ہے جب دو مرکّبات ایٹموں یا ایٹموں کے گروپ کو اَدلا بدلی کرتے ہیں۔'' (ایضاً ص ۲۹۴)

''ایٹم : کسی کیمیائی عنصر کا نہایت ہی قلیل ذرّہ جو عام طور پر اپنا وجود برقرار رکھ سکتا ہے' ایٹم کہلاتا ہے۔''
(McGraw Hill Encyclopedia of Science, p. 73)

''اٹامک تھیوری: سال ۱۸۰۵ء میں ایک انگریز کیمیا دان جان ڈالٹن نے یہ نظریہ پیش کیا کہ تمام مادّہ چھوٹے چھوٹے نا قابلِ تقسیم ذرّات پر مشتمل ہے جنہیں اُس نے ''ایٹمز'' کا نام دیا۔''

''ایٹمز انتہائی باریک ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ دس کروڑ ایٹمز کو اگر ایک ساتھ رکھا جائے تو وہ ایک انچ لمبی سطر بنائیں گے۔ اِن لاتعداد ذرّات میں سے پروٹان' نیوٹران اور الیکٹران تین ایٹم ایسے ہیں جن کی اہمیت کو دھاتوں کے کیمیائی خواص کی توضیح میں تسلیم کیا گیا ہے۔'' ("Principles of Geology"...James Gilluly, p. 16)

انسانی اعمال کے حوالے سے قرآن مجید نے ایٹمز بلکہ ان سے بھی کم وبیش مادّے کا حوالہ یوں دیا ہے:۔

(۱) إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (اَلنِّساء : ۴۰)

(۲) وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ أَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ أَكْبَرَ إِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ٥ (یونس : ۶۱)

(۳) يٰبُنَيَّ إِنَّهَآ إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمٰوٰتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللّٰهُ (لُقمٰن : ۱۶)

(۴) لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ (سَبا : ۲۲)

(۵) فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَه٥ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَه٥ (اَلزِّلزال : ۷' ۸)

(۱) ''بے شک اللہ تعالیٰ ذرّہ برابر بھی ظلم نہیں کرے گا۔'' (۴:۴۰)

(۲) ''اور آپ کے پروردگار سے ذرّہ برابر (بھی کوئی چیز) غائب نہیں' نہ زمین میں نہ آسمان میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر یہ کہ سب کتابِ مبین میں ہیں۔'' (۶۱ : ۱۰)

(۳) ''اے بیٹا! اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو' پھر کسی پتھر کے اندر ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین کے اندر ہو' اللہ اُسے لے ہی آئے گا۔'' (۱۶ : ۳۱)

(۴) ''وہ (بُت) ذرّہ بھر بھی اختیار نہیں رکھتے' نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔'' (۲۲ : ۳۴)

(۵) ''سو جو کوئی ذرّہ بھر بھی نیکی کرے گا' اُسے دیکھ لے گا اور جس کسی نے ذرّہ بھر بھی بدی کی ہو گی' اُسے بھی دیکھ لے گا۔'' (۷' ۸ : ۹۹)

''حدیثِ نبوی میں ان دو آیتوں کے لئے اَلْجَامِعَةُ الْفَاذَّة کی ترکیب آئی ہے یعنی جو اصل ان میں بیان کر دی گئی ہے' وہ جامع اور منفرد ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ آیتیں قانونِ مجازات کی تصویر کشی نہایت خوبی و خوش اُسلوبی و جامعیت کے ساتھ کر رہی ہیں۔'' (تفسیر ماجدی اردو' ص ۱۲۰۶)

نوٹ : قرآنی لفظ ذرّہ کو سائنسی اصطلاح میں ''ایٹم'' کہا جاتا ہے۔

چند متعلقہ اصطلاحات قرآنِ حکیم کی روشنی میں : دیگر سائنسز کی طرح علم کیمیا میں بھی کچھ اصطلاحات ہیں۔ قرآنِ حکیم کی روشنی میں اُن کا مطالعہ جہاں مضمون کو سمجھنے میں مدد دے گا' وہاں اِس عظیم کتاب کی شانِ ارفع اور عظمت کو بھی اجاگر کرے گا:۔

(۱) **تانبا:** (ایک دھات کا نام) اس کا ذکر سورہ الرحمٰن میں آیا ہے:۔
يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ ○ (اَلرَّحْمٰن : ۳۵)
''تم دونوں پر آگ کا دُھواں اور شعلہ چھوڑا جائے گا سو تم ہٹا نہ سکو گے۔'' (۵۵:۳۵)

مجرموں کا اپنے جرائم کی ناگزیر پاداش سے قبل از وقت مطلع و خبردار ہو جانا بھی ایک بڑی نعمت ہے کہ توبہ و کفارہ کا موقع ابھی باقی ہے اور اسی لئے قرآن مجید نے اس اطلاع و اعلام کا شمار بھی نعمتوں ہی میں کیا ہے۔

(۲) **چسپیدگی' باہم جماؤ (Cohesion)** : مسلمانوں کی باہمی محبت واُلفت کی بابت قرآن مجید نے فرمایا:
وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْاَنْفَقْتَ مَافِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ (الانفال : ۶۳)
''اور اُس نے اُن کے دلوں میں الفت ڈال دی' اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کر ڈالتے جب بھی اُن کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے لیکن اللہ نے اُن کے دلوں میں الفت ڈال دی۔'' (۸:۶۳)

''اسلامی معاشرے میں یہ مذہبی نظریہ اتنا زبردست ہے کہ نومسلم سے بھی مہربانی اور تلطف سے پیش آیا جاتا ہے' اور قطع نظر اُس کے رنگ و نسل یا پیش رفتہ واقعات کے اُسے مسلمانوں کی برادری میں خوش آمدید کہا جاتا ہے اور اُس کا اُن میں برابری کا مقام ہوتا ہے۔'' ("Preaching of Islam" ... T.W. Arnold, p. 416)

(۳) **احتراق' جلنا (Combustion)** : (روشنی اور حرارت جو کسی کیمیائی مرکب کے آکسیجن کے ساتھ ملنے سے پیدا ہو)
خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ○ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ○ (الحآقّة : ۳۰' ۳۱)
''(کہا جائے گا کہ) اسے پکڑو اور اُسے طوق پہناؤ' پھر اُسے دوزخ میں جھونک دو۔'' (۶۹:۳۰'۳۱)

(۴) **مرکّب (Compound)** : (معیّن تناسب سے ملائے ہوئے دو یا دو سے زائد مادّوں کا آمیزہ)

مرکبات کا معیّن تناسب ہوتا ہے۔ جب دو یا دو سے زائد عناصر کیمیائی طور پر تغیر پذیر ہوتے ہیں تو وہ اپنی ذاتی

خصوصیات کھو بیٹھتے ہیں اور ایک نیا مرکب بناتے ہیں مثلاً ہائیڈروجن اور آکسیجن دونوں گیسیں ہیں لیکن پانی ایک مرکب ہے جو ہائیڈروجن اور آکسیجن کے اتصال سے بنتا ہے۔ پانی کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔

ہائیڈروجن اور آکسیجن کے ملاپ سے بننے والا یعنی پانی قدرتِ خداوندی کا انمول تحفہ ہے کہ یہ :

آسمان کی طرف اُٹھے تو ''بھاپ'' کہلاتا ہے۔ آسمان سے نیچے اترے تو نام ''بارش'' کا پاتا ہے۔
جم کر گرے تو ''اولے'' کہلایا۔ گر کر جمے تو ''برف'' کہلائے۔
پھولوں کی پتی پر ہو تو ''شبنم'' بنے۔ پتی سے نکلے تو ''عرق'' بنے۔
جمع ہو جائے تو ''جھیل''۔ بہہ پڑے تو ''ندی'' بن جائے۔
آنکھ سے نکلے تو ''آنسو'' نام پائے۔ جسم سے نکلے تو ''پسینہ'' کہلائے۔
جناب ایوب علیہ السلام کے قدم مبارک کی ٹھوکر سے نکلے تو ''چشمہِ شفا'' کہلائے۔
حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے قدمِ پاک سے نکلے تو ''زم زم'' کا نام پائے اور
ہمارے نبی معظم ﷺ کے دستِ مبارک سے پینے کو ملے تو ''آبِ کوثر'' کہلائے۔

(۵) تحلیل (Dissolution) : (کسی مائع کے جامد اور ٹھوس حصے کا غائب ہو جانا)

قُلْ اَرَاَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآءُ کُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْکُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍo (اَلْمُلْك : ۳۰)

''فرما دیجئے کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر تمہارا پانی نیچے کو غائب ہو جائے تو کون ہے جو تمہیں میٹھا' صاف پانی لا دے؟''

(۶) عنصر (Element): مادے کی سادہ ترین شکل جسے عام کیمیائی تبدیلیوں سے توڑا نہیں جا سکتا' عنصر کہلاتی ہے یا عنصر کی تعریف یوں بھی کی جا سکتی ہے: مادے کی ایسی خالص شے جس میں موجود تمام ایٹمز کے اٹامک نمبرز ایک جیسے ہوتے ہیں' عنصر کہلاتی ہے' جیسے لوہا' چاندی' سونا' تانبا' سلفر' آکسیجن' ہائیڈروجن وغیرہ۔ قرآنی مثالیں یہ آیات ہیں:۔

(i) وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍo (اَلتَّوبة ۳۴)

'جو لوگ سونا' چاندی جمع کر کر کے رکھتے ہیں اور اُسے راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے' اُنہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے''

(ii) سَرَابِیْلُھُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰی وُجُوْھَھُمُ النَّارُo (ابراھیم : ۵۰)

''اُن کے کرتے پگھلے ہوئے تانبے کے ہوں گے اور آگ اُن کے چہروں پر چھائی ہوئی ہو گی۔''

(iii) یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ'' مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ''فَلَا تَنْتَصِرَانِo (اَلرَّحْمٰن : ۳۵)

''تم دونوں پر آگ کا دُھواں اور شعلہ چھوڑا جائے گا سو تم ہٹا نہ سکو گے۔'' (۵۵:۳۵)

(۷) حرارت کے انجذابی عمل سے واقع ہونے والے تغیرات (Endothermic Reactions) اور حرارت زائی کے اثر سے واقع ہونے والے تغیرات (Exothermic Reactions): اوّل الذکر تغیر کیمیائی تغیر ہے جس کے ذریعے مرکبات اپنے ماحول کی وجہ سے سرد پڑ جاتے ہیں۔ غذا کے ٹھنڈا کرنے میں یہ تغیرات اہم

ہیں۔اِس قسم کے تغیر کی مثال ہمیں قرآن مجید میں دوزخ کے عذاب کی شکل میں ملتی ہے:

وَنَادٰٓی اَصۡحٰبُ النَّارِ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّۃِ اَنۡ اَفِیۡضُوۡا عَلَیۡنَا مِنَ الۡمَآءِ اَوۡ مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ (الاعراف: ۵۰)

''اور دوزخ والے جنّت والوں کو پکاریں گے کہ ہمارے اوپر کچھ پانی ہی اُنڈیل دو یا اُس میں سے جو تمہیں اللہ نے کھانے کو دے رکھا ہے۔''

وہ کیمیائی تغیر جس میں حرارت نمودار ہو' Exothermic Reaction کہلاتی ہے۔(Exo بمعنی بیرونی اور Thermo بمعنی حرارت)۔جونہی تغیر واقع ہوتا ہے' تو زائد توانائی بطور حرارت کے خارج ہوتی ہے۔اس تغیر کی عام مثال قدرتی گیس جیسے ایندھن کا جلنا ہے۔قرآنِ حکیم جنابِ موسیٰ علیہ السلام کی زبانی اس تغیر کو یوں بیان کرتا ہے:۔

اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِاَہۡلِہٖۤ اِنِّیۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیۡکُمۡ مِّنۡہَا بِخَبَرٍ اَوۡ اٰتِیۡکُمۡ بِشِہَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّکُمۡ* تَصۡطَلُوۡنَ ○ (اَلنَّمل: ۷)

''(وہ وقت یاد کیجئے) جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا میں نے آگ دیکھی ہے' میں ابھی وہاں سے کوئی خبر لے کر آتا ہوں یا تمہارے پاس (اُس آگ سے) کوئی شعلہ سُلگا کر' تا کہ تم اُسے تاپو۔''

قرآن مجید میں Exothermic Reaction کی دیگر مثالیں یہ ہیں: سورہ ابراھیم: ۵۰ ؛ سورۃ الکھف: ۲۹ کا آخر ؛ سورۃ الحج: ۱۹ ؛ سورۃ الدُّخان: ۴۳۔۴۶

(۸) توازن اور اعتدال (Equilibrium): جس کی بابت قرآن حکیم فرماتا ہے :

(i) شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۙ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ اُولُوا الۡعِلۡمِ قَآئِمًۢا بِالۡقِسۡطِ (آلِ عمران: ۱۸)

''اللہ کی گواہی ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں اور اہلِ علم کی (بھی) گواہی یہی ہے اِس حال میں کہ وہ توازن وعدل سے انتظام رکھنے والا معبود ہے۔''

(ii) لَا الشَّمۡسُ یَنۡۢبَغِیۡ لَہَاۤ اَنۡ تُدۡرِکَ الۡقَمَرَ وَ لَا الَّیۡلُ سَابِقُ النَّہَارِ (یٰسٓ: ۴۰)

''نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے۔''

(۹) خمیر اُٹھنا (Fermentation): یہ تغیر نباتاتی اور حیوانی مادے میں واقع ہوتا ہے جب خامرہ (Enzymes) نامی کیمیکلز اُس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔خمیر کا عمل مادے میں کیمیاوی اجزاء کو تبدیل کرنے کے علاوہ اُن کی ہیئت' ذائقے اور بُو کو بھی بدل دیتا ہے۔: پنیر کا پک جانا اور دودھ کا پھٹ جانا اس کی مثالیں ہیں۔

* آیت مذکورہ میں کُمۡ اور تَصۡطَلُوۡن جمع کے صیغے ہیں جن سے مقصود اظہارِ عزت وتکریم ہے۔لیکن اغلب یہ ہے کہ زوجہ محترمہ کے علاوہ کوئی چھوٹا سا قافلہ ساتھ ہو جیسا کہ ابن حبان وغیرہ کی رائے ہے اور صیغہ جمع کا اطلاق حقیقت پر ہو۔توراۃ کی روایت سے بھی اِسی خیال کی تائید ہوتی ہے کہ جب آپ چلے ہیں تو آپ کے ساتھ بکریوں کا گلہ بھی تھا تو کچھ گلہ بان بھی ضرور ہمراہ ہوں گے (خروج ۲:۱ بحوالہ ماجدی)

مائعات میں الکوحل اور شراب خوب جانے پہچانے خمیر اٹھائے ہوئے ہیں۔ روٹی کے پیڑے کے خمیر زدہ ہو جانے میں بھی فرمینٹیشن کا عمل ہے۔ خمیر میں موجود خامرہ (Enzyme) آٹے میں موجود نشاستے کو شوگر میں بدل دیتا ہے۔ فرمینٹیشن کھانا ہضم کرنے میں بھی معاون ہے۔''

''اگنے والے پودوں کی افزائش سوکھے پودوں اور مردہ جانوروں کی فرمنٹیشن سے ہوتی ہے۔ خامرے کیمیادی مرکبات میں توڑ پھوڑ کرتے ہیں اور اس عمل میں عناصر زمین کے بالائی پرت کی طرف لوٹتے ہیں جو پودوں کے استعمال میں بار بار آتے ہیں۔ مُردہ مواد کی شکست وریخت بعض اوقات بدبو اور عفونت خارج کرتی ہے جس سے پیداوار زہر آلود ہو سکتی ہے۔ اس قسم کی فرمنٹیشن کو Putrefaction کہا جاتا ہے۔'' (Funk & Wagnalls New Encyclopedia of Science, Vol. 7, pp. 602-03)

قرآن مجید میں فرمنٹیشن کی مثالیں (۱) آدم علیہ السلام کی مٹی سے کی گئی تخلیق اور (۲) سورہ یٰس کی آیت ۳۵ کے الفاظ وَمَا عَمِلَتۡهُ أَيۡدِيهِمۡ (جو کچھ اُن کے ہاتھ بناتے ہیں) اگر مَا کو موصولہ مانا جائے۔

(۱۰) کلیہ (Formula): (کسی مادے کے ذرّات کی نمائندگی علامات کے ذریعے کرنا)

قرآن مجید میں عذابِ الٰہی اور نجات کو بطور فارمولا اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔
بَلَىٰ مَنۡ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتۡ بِهِۦ خَطِيٓـَٔتُهُۥ فَأُوْلَـٰٓئِكَ أَصۡحَـٰبُ ٱلنَّارِ هُمۡ فِيهَا خَـٰلِدُونَ٥ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّـٰلِحَـٰتِ أُوْلَـٰٓئِكَ أَصۡحَـٰبُ ٱلۡجَنَّةِ هُمۡ فِيهَا خَـٰلِدُونَ٥ (البقرة: ۸۱،۸۲)
''(نہیں) بلکہ اصل یہ ہے کہ جو کوئی بھی بدی اختیار کرے گا اور اُس کا گناہ اُسے گھیر لے گا سو یہی لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو یہی لوگ اہلِ جنت ہیں، وہ اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔''

قرآنی اصول کی رُو سے انسان کا کوئی بھی عمل خواہ وہ ذرّہ برابر ہی کیوں نہ ہو، سزا پائے بغیر یا اجر و ثواب لئے بغیر نہیں رہے گا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اگر ایٹموں (ذرّات) کو اکٹھا کیا جائے تو وہ مالیکیول بنتے ہیں۔ لہٰذا مذکورہ بالا آیت ۸۱ میں بدیاں اور اُن پر سزا اور آیت ۸۲ میں مذکور نیکیاں اور اُن پر اجر و ثواب مالیکیولز کے قائم مقام ہیں اور اُس کلیہ (Formula) کی نمائندگی کرتے ہیں جس کے تحت بدکاروں کو سزا اور نیکوکاروں کو اجر و ثواب ملے گا۔

(۱۱) ہائیڈروجن بانڈ (Hydrogen Bond): یہ ایک مخصوص کیمیائی بانڈ ہے جو مالیکیولز کے اندر کے ہائیڈروجن ایٹموں کو دیگر ایٹموں سے جوڑتا ہے۔ ہائیڈروجن بانڈ کی مثالیں پانی کے مالیکیولز میں ملتی ہیں۔ پانی کے ہر

مالیکیول میں دو ہائیڈروجن ایٹم اور ایک آکسیجن ایٹم ہوتا ہے۔ ہر مالیکیول کے ہائیڈروجن ایٹم میں مثبت برقی چارج ہوتا ہے۔ آکسیجن ایٹم میں منفی برقی چارج ہوتا ہے۔''

''ایک دوسرے کے نقیض اور متضاد برقی چارج ایک دوسرے کی طرف کشش رکھتے ہیں۔ لہٰذا مثبت طور پر چارج کئے ہوئے ہائیڈروجن ایٹمز کو واٹر مالیکیولز کے آکسیجن ایٹمز کی طرف کشش ہوتی ہے۔ پانی کے مالیکیول ہائیڈروجن بانڈز سے جُڑے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پانی عام درجہ حرارت پر بھی مائع (سیال) ہی رہتا ہے۔ اگر ہائیڈروجن بانڈز کا وجود نہ ہوتا تو پانی کے مالیکیول جدا ہو جاتے۔ پانی کے مالیکیول آبی بخارات بن کر اُڑ جاتے ہیں۔ جب پانی کو گرم کیا جاتا ہے تو اس کے مالیکیولز بڑی تیزی اور قوت سے حرکت کرتے ہیں۔ ہائیڈروجن بانڈز ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں اور پانی سیال شکل سے بخارات کی شکل میں بدل جاتا ہے۔'' (Funk & Wagnalls New Encyclopedia of Science, Vol. 10, pp. 823-24)

قرآن حکیم ہائیڈروجن بانڈ (ہائیڈروجنی گرفت) کی بابت یوں کہتا ہے:۔

وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ○ (اَلزُّخْرُف : ۱۱)

''اور (وہ وہی تو ہے) جس نے آسمان سے پانی ایک خاص انداز سے برسایا' پھر ہم نے اُس سے خشک زمین کو زندہ کیا' تم (بھی) اسی طرح (قبروں سے) نکالے جاؤ گے۔'' (۴۳ : ۱۱)

(۱۲) جلنے کا عمل (Ignition): قرآن فرماتا ہے :

(i) تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِیْهَا كٰلِحُوْنَ ○ (المؤمنون : ۱۰۴)

''اُن کے چہروں کو آگ جھلساتی ہوگی اور اُس میں اُن کے چہرے بگڑے ہوں گے۔'' (۲۳:۱۰۴)

(ii) اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ○ (یٰسٓ : ۸۰)

''اور (وہ وہی تو ہے) جس نے تمہارے لئے ہرے درخت سے آگ پیدا کی پھر تم اُس سے (اور) آگ سلگا لیتے ہو۔'' (۳۶:۸۰)

پانی اور آگ میں طبعی تضاد ہے۔ آگ کا بس چلے تو پانی کو بخارات بنا کر اُڑا دیتی ہے اور اگر دہکتی ہوئی آگ پر ایک چلّو پانی ڈال دیا جائے تو وہ بجھ جاتی ہے۔ اس طبعی تضاد کے باوجود اس کے سرسبز درختوں میں آگ اور پانی کو اُس قادرِ مطلق نے یکجا کر دیا ہے۔ یہی گیلی لکڑی جب کاٹ کر اُس سے آگ جلائی جاتی ہے تو اُس سے آگ کے شعلے بھڑکنے لگتے ہیں۔ تو فرمایا یہ جا رہا ہے کہ جو رطوبت سے آگ پیدا کرتا ہے' اُس کے لئے جمادات میں حیات پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟

(۱۳) غیر نامی اور بے جان اشیاء (Inorganic): یہ فطری افزائش اور نمو سے عاری ہوتی ہیں۔

تعارف (جلد دوم)

قرآنک انسائیکلوپیڈیا کے سلسلہ جات کا مقصدِ اوّلیں قرآن مجید اور جدید سائنس کے درمیان موجود ہم آہنگی کو ظاہر کرنا ہے۔ اور دوسرا مقصد مذہب سے دُور اور مادیّت گزیدہ ذہنوں کی اُلٹ سوچ میں تعمیراتی فکر اور مثبت تبدیلی لانا ہے۔

قرآن مجید اور جدید سائنس کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ برّصغیر پاک و ہند میں شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال ایسے نابغہ روزگار مفکرِ اسلام اور دانشور تھے جنہوں نے سائنس اور قرآنِ حکیم کے باہمی تعلق کو تسلیم کیا تھا اور اُنہوں نے اپنے تاریخی خطبات جو انگریزی زبان میں ہیں اور جن کا مستند ترجمہ سید نذیر نیازی (مرحوم) نے کیا ہے، کے دیباچے میں لکھا ہے:

''وہ دن دُور نہیں کہ مذہب اور سائنس میں ایسی ایسی ہم آہنگیوں کا انکشاف ہوگا جو سرِدست ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔ بایں ہمہ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ فلسفیانہ غور و فکر میں قطعیت کوئی چیز نہیں۔ جیسے جیسے جہانِ علم میں ہمارا قدم آگے بڑھتا ہے اور فکر کے لئے نئے راستے کھلتے جاتے ہیں، کتنے ہی اور، شاید ان نظریوں سے جو اِن خطبات میں پیش کئے گئے ہیں، زیادہ بہتر نظریے ہمارے سامنے آتے جائیں گے۔ بہرحال ہمارا فرض یہ ہے کہ فکرِ انسانی کی نشو و نما پر بہ احتیاط نظر رکھیں اور اس باب میں آزادی کے ساتھ نقد و تنقید سے کام لیتے رہیں۔'' (Reconstruction of Religious Thought in Islam) طبع چہارم، نومبر ۱۹۹۴

''علامہ اقبال کو یقینِ کامل تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سائنس اور مذہب کے مابین ایسی ایسی ہم آہنگیوں کا انکشاف ہوتا جائے گا جس سے اسلام کی حقانیت دنیا پر منکشف ہوتی جائے گی یعنی جوں جوں سائنسی تحقیق میں ہمارا قدم آگے بڑھے گا اور مثبت ''فکر'' کے لئے نئے راستے کھلتے جائیں گے، زیادہ سے زیادہ بہتر نظریات سامنے آتے جائیں گے جو قرآنی حقائق کی تائید و تصدیق کریں گے۔''

''مفکرِ اسلام نے جس ''فکرِ انسانی'' کا ذکر کیا ہے، اگر کسی مسلمان دانشور نے ماضی میں اُسے آگے بڑھانے کی کاوش کی تو وہ زیادہ تر فلسفی تھے اور سائنس سے واقفیت نہ رکھتے تھے، تاہم اُنہوں نے اپنی فکر و دانش کے مطابق عقلی دلائل کے ذریعے قرآنی آیات کی تاویل کرنے کی سعی ضرور کی اور اُن کی یہ کاوشیں قابلِ ستائش ہیں۔ مجھے یہاں اعتراف کرنا چاہئے کہ قرآنِ حکیم کی جو خدمت جس جس انداز میں ہمارے علمائے کرام و محققین نے گزشتہ چودہ سو سال سے اپنے مخصوص نہج فکر اور اپنے اپنے زمانہ کے مخصوص احوال و ظروف کے دائروں میں انجام دی ہے، اُس سے انکار کرنا چاند پر خاک ڈالنا ہے مگر وہ علامہ اقبال کی پیشگوئی کے مطابق قرآنِ حکیم اور سائنس میں

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ٥ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا (الانبیاء : ۳۰، ۳۱)

''اور ہم نے زمین میں پہاڑ اس لئے رکھ دئے کہ وہ لوگوں کو لے کر ہلنے نہ لگیں اور ہم نے اس میں کشادہ راستے بنادئے تاکہ لوگ راستہ پاتے رہیں۔ اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنادیا۔'' (۲۱:۳۲،۳۱)

یہ پہاڑ اس لئے قائم کئے گئے ہیں کہ زمین ڈانواں ڈول نہ ہونے پائے۔ گویا وہ زمین کا لنگر بٹھانے کے لئے اور اُس کا توازن درست اور برابر کرنے کے لئے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ زمین ایک طرف کو جھک جائے۔ یہاں زمین کی مطلق حرکت کی نفی نہیں بلکہ اُس کی اضطرابی حرکت کی ہے۔ ''آسمان بطور محفوظ چھت'' کی تفصیل جلد ہذا (اوّل) کے صفحات ۴۱۵، ۴۱۶ پر دی جا چکی ہے۔

نوٹ: غیر نامی اشیاء (Inorganic Substances) میں اور بھی بے شمار اشیاء ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں جگہ جگہ آیا ہے جیسے زمین، آسمان، ستارے، سیارے، سورج، چاند وغیرہ۔

(۱۴) <u>طول (Length)</u>: دو نقاط کے درمیان کا فاصلہ طول (لمبائی) کہلاتا ہے۔ نبی مکرّم ﷺ کے واقعہِ معراج کے حوالے سے مسجد حرام اور مسجدِ اقصیٰ کے درمیان کا فاصلہ طول ہے خواہ وہ جتنے کلومیٹر ہو۔

(۱۵) <u>حجم (Mass)</u>: (کسی جسم میں مادے کی مقدار اُس کا حجم کہلاتی ہے)۔ قرآنِ پاک فرماتا ہے:

فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا (الانعام : ۹۹)

''پھر ہم نے اُس (بارش) کے ذریعہ سے ہر قسم کی روئیدگی کو نکالا، پھر ہم نے اُس سے سبز شاخ نکالی کہ ہم اُس سے <u>اوپر نیچے چڑھے ہوئے (گتھے ہوئے)</u> دانے نکالتے ہیں۔'' (۶:۹۹)

(۱۶) <u>مادہ (Matter)</u>: (حجم والی اور جگہ گھیرنے والی شئے مادہ کہلاتی ہے۔)

سونا اور چاندی (جن کا ذکر سورۃ التوبۃ کی آیت ۳۴ میں ہوا)، نمک (سورہ فاطر: ۱۲)، لوہا (سورۃ الحدید : ۲۵) سب مادہ کی مثالیں ہیں۔

(۱۷) <u>دھاتیں (Metals)</u>: وہ اشیاء جن کی اوپر والی سطح چمکدار رہتی ہے اور عام درجہ حرارت پر بجلی اور حرارت کی اچھی موصل ہوتی ہیں۔ دھاتیں عام طور پر ٹھوس ہوتی ہیں لیکن پارہ (مرکری) اور گیلیئم مائع حالت میں ہوتی ہیں۔ قرآن مجید میں اُن کا ذکر اس طرح ہے: (الف) سونا اور چاندی بطور (i) قیمتی دھاتیں (آلِ عمران: ۱۴ ؛ التوبۃ: ۳۴) (ii) تعیش کی علامت (الزخرف: ۳۳، ۳۴) (iii) جنت میں رب کی عنایتِ بے پایاں کی علامت (الکھف: ۳۱؛ الحج: ۲۳) (iv) صرف چاندی جنت میں رب کی عنایتِ خاص کی علامت (الدّھر: ۱۵، ۲۱) (ب) لوہا بطور (i) سخت ترین دھات (الاسراء: ۵۰) (ii) سرخ، گرم مادہ جسے تعمیراتی مقاصد کے لئے

استعمال کیا جاتا ہے (الکھف:۹۶) (iii) دوزخ میں سزا کا آلہ (الحج:۲۱) (iv) زرہیں اور دیگر اشیاء کی تیاری (سبا:۱۱)) (v) ایک نفع بخش دھات (الحدید : ۲۵) (ج) سکہ اور تانبا جو تعمیرات میں بطور امدادی دھاتیں استعمال ہوتی ہیں (الکھف:۹۶؛ الصف:۴) (د) کولتار جس کا ذکر سورہ ابراھیم کی آیت ۵۰ میں ہے۔

(۱۸) دھات کاری--فلزیات (Metallurgy):

آتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ حَتّٰی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا حَتّٰی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا قَالَ آتُوْنِیْٓ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ۝ (اَلْکَھْف : ۹۶)

"تم میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ یہاں تک کہ جب ان دونوں پہاڑوں کے درمیان کو اُس (ذوالقرنین) نے برابر کر دیا تو کہا کہ دھونکو یہاں تک کہ جب اُسے آگ بنا دیا تو کہا کہ (اب) میرے پاس پگھلتا ہوا تانبا لاؤ تو میں (مزید مضبوطی کے لئے) اس پر ڈال دوں۔" (۱۸:۹۶)

(۱۹) آمیزہ (Mixture): وہ شے جو دو یا دو سے زیادہ اشیاء (عناصر یا مرکبات) کے کسی بھی نسبت سے ملنے سے بنے (طبعی طریقے کے ملنے سے بنے) آمیزہ کہلاتی ہے۔ اس میں موجود اشیاء (عناصر یا مرکبات) اپنی اپنی انفرادی خصوصیات برقرار رکھتے ہیں۔ آمیزہ کی مثالوں میں آکسیجن، نائٹروجن، کاربن ڈائی آکسائڈ ہیں جو مختلف گیسوں کا آمیزہ ہیں۔

مرکب اور آمیزہ میں فرق:

آمیزہ	مرکب
۱۔ آمیزہ دو یا دو سے زیادہ عناصر یا مرکبات کے کسی بھی نسبت سے ملنے سے بنتا ہے۔	۱۔ مرکب دو یا دو سے زیادہ اشیاء کے ماس کے لحاظ سے ایک خاص نسبت سے کیمیائی طور پر ملاپ سے بنتا ہے
۲۔ آمیزہ میں موجود عناصر یا مرکبات کے نقطہ پگھلاؤ اور نقطہ کھولاؤ ان کی خاص حالتوں کے میلٹنگ پوائنٹس سے مختلف ہوتے ہیں۔	۲۔ مرکبات کے میلٹنگ پوائنٹس اور بوائلنگ پوائنٹس مخصوص ہوتے ہیں۔
۳۔ آمیزہ کے خواص اُس آمیزہ کو بنانے والے عناصر یا مرکبات کے خواص کے بین بین یعنی اجزاء کے تقریباً اپنے خواص ہوتے ہیں۔	۳۔ مرکب کے خواص اس مرکب کو بنانے والے عناصر کے خواص سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔
۴۔ خاص ٹمپریچر اور پریشر پر بننے والی گیسوں کے آمیزہ کے حجم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔	۴۔ کسی خاص ٹمپریچر اور پریشر پر گیسوں کے ملاپ سے بننے والے مرکب کا حجم اُس مرکب کو بنانے والی گیسوں سے مختلف ہوتا ہے۔
۵۔ آمیزہ میں موجود عناصر یا مرکبات کو آسانی سے طبعی یا میکانکی طریقوں سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔	۵۔ مرکب میں موجود عناصر یا مرکبات کو بہ آسانی طبعی یا میکانکی طریقوں سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔

(۲۰) نائٹروجنی چکر(Nitrogen Cycle):''فضا یا ہوائی کرّہ میں چند گیسیں ایسی ہیں جو کاروانِ حیات کے لئے ضروری ہیں اور جن کے بغیر زندگی کا تصوّر ممکن نہیں۔ اِن گیسوں میں نائٹروجن ۹۷ فیصد' آکسیجن ۲۰.۹ فیصد اور کاربن ڈائی آکسائیڈ ۰.۰۳ فیصد کے قریب ہیں اور آبی بخارات کی مقدار بدلتی رہتی ہے۔ فضا میں نائٹروجن کا تناسب بہت زیادہ ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ نائٹروجن بھی جانداروں کے لئے اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ۔ ہر جاندار میں پروٹین کی موجودگی لازمی ہے جبکہ نائٹروجن پروٹین کا اہم جزو ہے' پودوں کی خوراک کا بھی لازمی حصّہ ہے جو کہ پودوں کو کھاد کی صورت میں مہیا کی جاتی ہے' اس لئے فضا کی نائٹروجن بھی بہت اہم ہے کیونکہ اس کی عدم موجودگی میں جاندار اپنی پروٹین نہیں بنا سکتے۔ انسان براہِ راست تو فضا سے نائٹروجن حاصل نہیں کرسکتا' البتہ وہ پودوں سے (خوراک کے ذریعے) اور جانوروں سے حاصل کرتا ہے اور سانس لینے میں بھی اس کا عمل دخل اس طرح ہے کہ یہ آکسیجن کو پتلا رکھتی ہے جو سانس لینے کے لئے اشد ضروری ہے۔ نائٹروجن فضا میں نمی (humidity) کا تناسب بھی برقرار رکھتی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ یہ فضا میں نمی کا توازن برقرار رکھتی ہے۔ نمی کے تناسب ہی سے عملِ تبخیر اور اخراجِ بخارات (سریان بخارات) کی رفتار کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ اگر فضا میں خشکی زیادہ ہو یعنی بخارات کی مقدار بہت کم ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسے علاقے میں عملِ تبخیر اور سریان بخارات کی رفتار بھی تیز ہو جائے گی کیونکہ فضا میں آبی بخارات کو سمو لینے کی گنجائش زیادہ ہے۔ اس کے برعکس اگر فضا مرطوب ہو یعنی نمی کا تناسب بہت زیادہ ہو تو پھر یہ دونوں عمل بھی سست پڑ جاتے ہیں۔ اگر کسی علاقے میں تبخیر اور سریان بخارات کے ذریعے خارج ہونے والے پانی کی مقدار بارش کے ذریعے حاصل ہونے والے پانی سے بڑھ جائے تو ایسے علاقے کو خشک علاقہ کہا جائے گا اور اُس کا موسم بھی خشک موسم کہلائے گا۔''

''نائٹروجن تمام جانداروں اور پودوں کا اہم جزو ہے اور اسی لئے یہ اُن کی نشو و نما کے لئے بہت ضروری ہے۔ جانور ہوا سے نائٹروجن کو براہِ راست حاصل نہیں کرسکتے اس لئے وہ نائٹروجن کو پودوں سے' جو اُن کی خوراک ہے' حاصل کرتے ہیں۔ پودے زمین کے نائٹریٹس (nitrates) سے نائٹروجن کو حاصل کرتے ہیں۔ پودے جو اپنی نشو و نما کے لئے نائٹروجن مرکبات استعمال کرتے ہیں' وہ سورج کی موجودگی میں پروٹین (proteins) میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح پودے' جانور اور معدنی ذخائر کے درمیان ایک واسطہ بن جاتے ہیں۔'' (''قرآن کے جدید سائنسی انکشافات'' ۔۔۔ پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم' ص ص ۸۱ تا ۸۳)

''مرنے پر انسان کا جسم گل سڑ جاتا ہے۔ اس کی شکل و ہیئت بھی بدل جاتی ہے' اس کی سالمیت بھی ختم ہو جاتی ہے اور انحطاط پذیر ہو جاتا ہے اور کچھ دیر بعد وہ زمین کے عنصری اجزاء کو اپنی پہلی حالت پر واپس چلا جاتا ہے (یعنی مٹی سے آیا تھا اور مٹی ہی میں واپس چلا گیا۔) خدائی روح جو غیر فانی ہے' جسم سے جدا ہو گئی اور خدائی حکم کے تحت مابعد الطبعیاتی دنیا میں اپنے اصلی غیر فانی عنصر کی طرف لوٹ گئی۔ جن زمینی اجزاء سے انسانی جسم تشکیل پاتا ہے وہ (۱) کاربن (۲) ہائیڈروجن (۳) نائٹروجن (۴) آکسیجن (۵) گندھک (سلفر) اور (۶) فاسفورس ہیں اور یہ سب

کے سب زمین کو لوٹ جاتے ہیں جو اُن کا اصل مقام ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ روح کے جسم سے جدا ہونے کے بعد جسم کو انحطاط پذیر ہونے اور گلنے سڑنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہ مادّی دنیا میں مادّی اور کیمیائی قوانین کے عمل کے تابع ہو جاتا ہے۔قرآنِ حکیم ''نائٹروجنی چکر'' کے بارے میں فرماتا ہے ☆ :۔

(۱) وَقَالُوْٓا ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْحَدِيْدًا ۝ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِىْ صُدُوْرِكُمْ (الاسراء : ۴۹ تا ۵۱)

''اور وہ کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو کیا ہم از سرِ نو پیدا اور جمع کئے جائیں گے۔فرما دیجئے کہ تم پتھر یا لوہا ہو جاؤ یا کوئی اور چیز جو تمہارے خیال میں بہت ہی بعید ہو (پھر بھی ایسا ہو کر رہے گا)''

(۲) وَقَالُوْٓا ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ (الاسراء :۹۸' ۹۹)

''اور وہ کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو بھلا کیا اُس وقت ہم از سرِ نو پیدا کئے جائیں گے۔کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کر رکھا ہے وہ اس پر (بھی) قادر ہے کہ ایسوں کو (پھر) پیدا کرے۔'' (۹۸'۹۹:۱۷)

(۳) وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِىَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْىِ الْعِظَامَ وَهِىَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِىْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ (یٰسٓ : ۷۸' ۷۹)

''اور ہماری شان میں عجیب گستاخانہ مضمون بیان کیا اور اپنی خِلقت کو بھول گیا۔کہنے لگا ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جبکہ وہ بوسیدہ ہو گئی ہوں۔فرما دیجئے اُنہیں وہی زندہ کرے گا جس نے اُنہیں اوّل بار پیدا کیا''

انسان بے کار متوازی نقشے کھینچتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اللہ کی قدرت اُس کی مخلوقات کی طاقت و قدرت جیسی ہے جبکہ یہ اُس کی خام خیالی ہے۔قرآنِ حکیم اُس کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرتا ہے کہ عدمِ محض (Zero Volume) سے پہلی تخلیق کا تصوّر کافی مشکل تھا بہ نسبت دوسری یا اس سے بعد کی تخلیقات کے۔قادرِ مطلق کی قدرتیں لا متناہی' بے حد و بے حساب' آفاقی اور ناقابلِ تصوّر ہیں۔چنانچہ قرآن پاک فرماتا ہے:۔

(۴) ءَ اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ۝ (اَلصّٰفّٰت:۱۶ تا ۱۸)

''بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا پھر سے اُٹھائے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟ فرما دیجئے: ہاں (ضرور) اور تم ذلیل بھی ہو گے۔''

☆ ایک حدیثِ مبارکہ کی رُو سے انبیائے کرام' صالحین اور حفّاظ کرام کے جسم اُن کی وفات کے بعد نہ تو گلتے سڑتے ہیں اور نہ ہی انحطاط پذیر ہوتے ہیں اور زمین کے لئے اُنہیں کسی قسم کا گزند پہنچانا یا اُن کے جسموں کو کھانا حرام ہے۔چنانچہ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ (صحیح بخاری)۔لہٰذا اس حدیث کی رُو سے اُن کے اجسام نائٹروجن کے چکر سے محفوظ ہیں۔سورہ سبا کی آیت ۱۴ بھی اسی موقف کی تائید کرتی ہے۔

(۵) ءَ اِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ ۝ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝ (ق: ۳، ۴)

''بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے (تو کیا دوبارہ زندہ ہوں گے؟) یہ لَوٹنا تو بہت ہی بعید ہے۔ (لیکن) ہم تو اُن کے اُن اجزاء تک کو جانتے ہیں جنہیں زمین (کی مٹی) کم کرتی ہے۔''

مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ یعنی اُن کے جسم کے وہ اجزاء جنہیں مٹی کھا جاتی ہے۔ كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ایسا رجسٹر جس میں جسم کے ہر ہر جزو کی وضع' مقدار اور کیفیت سب کچھ درج ہے۔

(۲۱) غیر دھاتیں (Non Metals): یہ چمکدار نہیں ہوتیں اور نہ ہی بجلی اور حرارت کی اچھی موصل ہوتی ہیں۔ غیر دھاتیں ٹھوس' مائع اور گیس تینوں حالتوں میں پائی جاتی ہیں۔

(۲۲) نامیاتی مرکب (Organic): ان میں فطری افزائش اور نمو ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں نامیاتی اشیاء کی مثالیں نباتات' نخلستان' پھل' پھول (سورۃ الانعام: ۹۹) اور تمام قسم کے حیوانات (سورۃ النور: ۴۵) ہیں۔

(۲۳) زمان (Time): (دو وقوعوں کا درمیانی وقفہ زمان کہلاتا ہے)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے روزِ ازل کو انبیاء علیہم السلام سے وعدہ (میثاق) لیا تھا کہ وہ نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اُن کی بھرپور مدد بھی کریں گے (بحوالہ سورہ آلِ عمران: ۸۱)۔ تو اُس میثاق اور نبی آخر الزماں ﷺ کی تشریف آوری کے مابین کا عرصہ ''زمان'' (Time) ہے۔

(۲۴) ''آکسیجن (Oxygen): جانداروں کے عملِ تنفس (سانس لینے کا عمل) اور جلنے کے عمل میں یہ انتہائی اہم عنصر ہے۔ قشرِ ارض میں یہ کثیر مقدار میں پائی جاتی ہے۔ حجم کے حوالے سے فضا کا تقریباً پانچواں حصہ آکسیجن ہے۔'' (McGraw Hill Encyclopedia of Chemistry, p. 729) قرآن فرماتا ہے:۔

جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝ (یٰسٓ: ۸۰)

''وہ ہرے درخت سے تمہارے لئے آگ پیدا کرتا ہے۔ پھر تم اُس سے اور آگ سُلگا لیتے ہو۔''

دیا سلائی وغیرہ کے دَور سے بہت پہلے آگ عموماً چقماق سے پیدا کی جاتی تھی اور عرب میں وہ مخصوص درختوں کی رگڑ سے پیدا کی جاتی تھی۔ جلنے کے عمل میں بڑا مواد' ہرے درختوں سے پیدا ہوتا ہے۔ آکسیجن کے بغیر جلنے کا عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ سورہ یٰسٓ کی مذکورہ بالا آیت (۸۰) میں کافی گہری سائنسی صداقتیں پوشیدہ ہیں جنہیں ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:۔

"(۱) اِس آیت میں علمِ حیاتیات کے ایک بنیادی قانون کی پردہ کشائی کی جا رہی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ رطوبت والے پودوں سے آگ پیدا کرتا ہے جسے ہم جلاتے ہیں۔ رطوبت (یعنی پانی) اور آگ میں طبعی تضاد ہے۔ آگ کا بس چلے تو پانی کو بخارات بنا کر اُڑا دیتی ہے اور اگر دہکتی ہوئی آگ پر ایک چلّو پانی ڈال دیا جائے تو وہ بجھ جاتی ہے۔ اس طبعی تضاد کے باوجود اس کے سرسبز درختوں میں آگ اور پانی کو اُس قادرِ مطلق نے یکجا کر دیا ہے۔ یہی گیلی لکڑی جب کاٹ کر اُس سے آگ جلائی جاتی ہے تو اُس سے آگ کے شعلے بھڑکنے لگتے ہیں۔ تو فرمایا یہ جا رہا ہے کہ جو رطوبت سے آگ پیدا کرتا ہے' اُس کے لئے جمادات میں حیات پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ بہ الفاظِ دیگر یوں کہیے کہ اُن ریزہ ریزہ ہڈیوں کی طرف مت دیکھو بلکہ اُس قادرِ مطلق کی قدرتِ تامّہ کی طرف نگاہ کرو جو اُن ریزہ ریزہ شدہ ہڈیوں میں جان ڈال دے گا۔"

"(۲) ہرے درختوں کی مثال دینے میں ایک اور باریک نکتہ یہ اعلان ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ جب درخت سوکھ جاتا ہے تو وہ گلی سڑی ہڈیوں سے مختلف نہیں ہوتا؟ اور جب موسمِ بہار میں میں اُس خزاں رسیدہ درخت کو زندگی بخشتا ہوں تو وہ آکسیجن پیدا کرنے کے قابل ہو جاتا ہے جسے تم جلاتے ہو؟"

"دراصل سوکھی زمین کو زندگی بخشنے میں قیامت کے دن مُردوں کے جی اُٹھانے کا بڑا ثبوت ہے۔ جانداری اور حیات بعد الموت ایک راز ہے جو قادرِ مطلق زمین میں ظاہر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت گلی سڑی' ریزہ ریزہ ہڈیاں بھی بے عیب زندگی پا جائیں گی۔"

"(۳) کافروں کے ہڈیوں سے متعلق سوال کا جواب درختوں کے ساتھ دینے میں ایک باریک نکتہ یہ ہے کہ ہڈی اور درخت دونوں میں جانداری کے بنیادی راز ہیں۔ ہڈی اور اس کے اندر کے گودے میں خون کے خلیے پیدا کرنے اور زندگی کا پہیہ رواں دواں رکھنے کے راز ہیں۔ ہرے درخت آگ (یعنی آکسیجن) پیدا کرتے ہیں جو زمینی زندگی کے لئے بنیادی ضرورت ہے۔"

"جیسا کہ سورہ قٓ کی تیسری آیت سے معلوم ہوا کہ دہریوں کی نمایاں خصلتوں میں سے ایک خصلت یومِ آخرت پر اُن کا عدمِ ایمان ہے۔ یومِ آخرت پر عدمِ ایمان موت کی غلط تاویل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ سورہ یٰسٓ کی زیرِ نظر آیت (۸۰) موت کی حقیقی صداقت کو یا حیاتیاتی تبدیلی کو ہرے درختوں سے آگ پیدا کرنے کی مثال کے ذریعے بیان کرتی ہے۔ حیاتیاتی اصطلاح میں موت اُن کیمیائی مواد کے ردوبدل کا نام ہے جو نامیاتی اشیاء کی بنیاد ہیں۔"

"جلنے کے عمل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ نامی شے مکمل طور پر تباہ ہو گئی۔ اس کے دھوئیں سے خارج شدہ کاربن ڈائی آکسائڈ پتے میں حیاتِ نَو کی علامت بن جاتی ہے۔ اس بصیرت کو ظاہر کرنے کے لئے جو علمِ حیاتیات کا نازک ترین راز ہے' زیرِ نظر آیت (۸۰) ہرے درخت سے پیدا شدہ آکسیجن (آگ) کو بطور مثال پیش کرتی ہے۔"

گویا قرآن مجید یوں کہہ رہا ہے: ''اے بنی آدم! تم ہرے درخت کو تازگی کی علامت سمجھتے ہو حالانکہ یہ تو آگ کی فیکٹری ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ آکسیجن (آگ) پیدا کرتا ہے جو قوّتِ حیات کے لئے بنیادی ضرورت ہے۔''

''اب ہمیں معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کو اُس کی زندگی کے آخری لمحات میں سورہ یٰسین کیوں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ اگلی دنیا کو سدھارنے والا آدمی بہت سی صداقتوں کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔ ان جدائی کے لمحات میں جب ہم اُسے سورہ یٰسین کا مژدہ جانفزا سنائیں گے تو وہ اگلی دنیا کو اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے داخل ہوگا۔ اپنے آخری سانسوں میں اُس شخص کے لئے یہ کتنی حسین اور فرقت کے رنج والم کو اطمینان دینے والی معاونت ہے! ہرے درخت سے خارج ہونے والی حیات بخش آکسیجن کی اُسے یاددہانی کرائی جاتی ہے اور اُسے اگلی دنیا کو ایسی خوشی لئے بھیجا جاتا ہے جو صرف ایمان والوں کو نصیب ہوتی ہے۔'' ("The Holy Qur'an and the Facts of Science"
... Dr. Haluk Nurbaki, pp. 132-136)

آکسیجن کی موزونیت: ''حیوانات آکسیجن کو مسلسل بطور سانس لیتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائڈ خارج کرتے ہیں جو اُن کے سانس لینے کے قابل نہیں ہوتی۔ درخت اس کے برعکس کرتے ہیں یعنی وہ کاربن ڈائی آکسائڈ بطور سانس لیتے ہیں جو اُن کی زندگی کے لئے ناگزیر ہے اور آکسیجن خارج کرتے ہیں۔ پودے ہر روز فضا میں لاکھوں ٹن آکسیجن خارج کرتے ہیں جو جانداروں کے سانس لینے کے لئے ناگزیر ہے اور اس طرح بحمدہٖ تعالیٰ کاروانِ حیات صحیح طور پر بہ احسن طریق رواں دواں رہتا ہے!''

''جانداروں اور پودوں دونوں کے توازن اور تعاون کے بغیر زمین پر زندگی ناممکن ہو جاتی۔ مثلاً اگر جاندار کاربن ڈائی آکسائڈ بطور سانس لیتے اور آکسیجن خارج کرتے تو زمینی فضا جلنے کے عمل میں موجودہ صورت حال کی نسبت زیادہ آسانی سے مدد ہوتی اور ایک معمولی سی چنگاری بھی آگ کے مہیب شعلے بھڑکا دیتی۔ اسی طرح اگر جاندار اور پودے دونوں ہی آکسیجن کو بطور سانس لیتے اور (دونوں ہی) کاربن ڈائی آکسائڈ خارج کرتے تو تمام کی تمام آکسیجن کے ختم ہونے کے نتیجے میں زندگی موت کے کنارے لگ جاتی۔ پس معلوم ہوا کہ فضا مکمل طور پر توازن میں ہے جیسا کہ جیمز لولاک (Lovelock) نے کہا تھا کہ ''خطرہ اور مفاد دونوں کو عمدہ طریق سے متوازن کردیا گیا ہے۔'' ("The Creation of the Universe" ... Harun Yahya)

''عملِ تنفس---سانس لینے کا عمل (Respiration): قادرِ مطلق اور حکیمِ بے مثل و بے مثال نے ہمارے جسمانی نظام کو ایسے مکمل طور پر اور بے خطا بنایا ہے کہ ہم جس حالت میں بھی ہوں' ہمیں جتنی آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے' ہمیں مل جاتی ہے۔ یہ کتاب جو ہمارے زیرِ مطالعہ ہے' اُن لاکھوں خلیوں کی وجہ سے ہے جو ہماری آنکھ کے شبکہ (Retina) میں ہیں اور جنہیں آکسیجن سے اخذ شدہ قوّت مسلسل بہم کی جا رہی ہے۔ اگر ہمارے دورانِ خون میں

آکسیجن کی سطح گر جائے تو نتیجہ بیہوشی ہوگا اور اگر آکسیجن کی فراہمی چند منٹ کے لئے رک جائے تو نتیجہ موت ہوگا۔''

''جب ہم سانس لیتے ہیں تو آکسیجن ہمارے پھیپھڑوں میں واقع تقریباً ۳۰۰ ملین چھوٹے چھوٹے خانوں میں داخل ہوتی ہے۔ اِن خانوں سے متصل شریانوں کی رگیں پل جھپکتے ہی آکسیجن کو اپنے اندر سمو لیتی ہیں اور سب سے پہلے اُسے دل کو اور پھر جسم کے دوسرے حصّوں کو منتقل کر دیتی ہیں۔ ہمارے جسم کے خلیے اِس آکسیجن کو استعمال کرتے ہیں اور اُس سے پیدا شدہ کاربن ڈائی آکسائڈ خون میں چلی جاتی ہے جہاں سے وہ واپس پھیپھڑوں میں چلی جاتی ہے جہاں سے وہ خارج ہو جاتی ہے۔ یہ تمام عمل آدھے سیکنڈ میں ہو جاتا ہے۔ صاف ستھری آکسیجن جسم میں داخل ہوتی ہے اور گندی کاربن ڈائی آکسائڈ باہر نکل جاتی ہے۔''

''جب ہم سانس لیتے ہیں تو ہمارے پھیپھڑوں کو Airway Resistance نامی ایک قوّت پر غالب آنے کے لئے قوّت استعمال کرنا پڑتی ہے۔ یہ رکاوٹ (Resistance) اتنی کمزور ہوتی ہے کہ ہمارے پھیپھڑوں کو آکسیجن لینے اور اُسے خارج کرنے میں کم سے کم قوّت استعمال کرنا پڑتی ہے۔ اگر یہ Air Resistance بلند ہو تو ہمارے پھیپھڑوں کو سانس لینے میں سخت محنت کرنا پڑے۔ اگر کثافت (ٹھوس پن)، اندرونی مزاحمت (Viscosity) اور ہوا کا دباؤ بلند ہو تو سانس لینا اتنا ہی مشکل ہو جائے جتنا کہ شہد کو سوئی کے ناکے میں ڈالنا۔'' (ایضاً)

یہ نظامِ تنفّس خالقِ کائنات نے انتہائی عمدہ طور پر بہترین انداز میں منظّم کیا ہے جس کے متعلق وہ فرماتا ہے:
فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ o وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ o وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ o فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ o تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ o (الواقعة : ۸۳ تا ۸۷)
''سو جس وقت رُوح حلق تک آ پہنچتی ہے اور تم اُس وقت (بیکسی اور حسرت کی تصویر بنے) تکا کرتے ہو اور ہم تم سے بھی اُس شخص کے زیادہ قریب ہوتے ہیں البتہ تم نہیں سمجھتے ہو۔ تو اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں تو پھر تم اُس رُوح کو کیوں نہیں لوٹا لاتے اگر تم سچے ہو۔'' (۸۳ تا ۸۷:۵۶)

کافروں سے کہا جا رہا ہے کہ اے کافرو! اگر تم ہماری وحی اور روزِ حساب کو جھٹلاتے ہو اور ہم سے بے نیاز ہو کر شترِ بے مہار ہونے کا دعویٰ کرتے ہو تو کیا تم مرنے والے شخص کی روح (عملِ تنفّس) کو اُس کے جسم میں لوٹا سکتے ہو جبکہ اُس کے تمام لواحقین اور رشتہ دار حسرت و یاس کی تصویر بنے اُس کے بسترِ مرگ کے گرد جمع ہوتے ہیں؟ روزِ حشر سے بچنے کی نسبت یہ بات تمہارے لئے زیادہ آسان ہوگی (اگر تم میں اتنی استطاعت ہے)۔ ظاہر ہے کہ تم بیچارے اور کمزور ہو تو اُس زبردست قوّتوں والے اللہ کو جسموں میں دوبارہ روح ڈالنے سے کیسے روک سکتے ہو؟''

''اتنے عمدہ طور پر ہم آہنگ تمام جسمانی توازن جہاں اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ ہماری فضا ایسی دانشمندی

سے منظم کی گئی ہے جو اس خاکدان گیتی پر زندگی گزارنے کے بالکل موافق ہے' وہاں یہ بھی کہ کائنات کسی حادثاتی یا اتفاقی واقعہ کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ اُس خالق کا امر ہے جو مادے کو جیسے وہ چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور جو کہکشاؤں' ستاروں اور سیاروں پر بلاشرکتِ غیرے شہنشاہیت کر رہا ہے۔متعدد قرآنی آیات اس بات کو بیان کرتی ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین کو انسانی زندگی کے لئے پیدا فرمایا جیسے سورہ غافر کی آیت ۶۴' اور سورۃ المُلک کی آیت ۱۵ میں ہے۔لہٰذا زمین انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے نہ کہ انسان زمین کے لئے۔ چنانچہ یہ سادہ اُصول Earth Goddess اور Mother Goddess کے تصوّر کو منہدم کر دیتا ہے۔"

<u>کاربن ڈائی آکسائڈ:</u> سطح سمندر سے کافی اونچائی پر سانس لینا خاصا دشوار ہوتا ہے اور آدمی آکسیجن کی کمی اور کاربن ڈائی آکسائڈ کی کثرت کی وجہ سے بے آرامی اور اضطراب محسوس کرتا ہے۔قرآنِ پاک اس حقیقت کو استعارتاً سورۃ الانعام کو یوں بیان فرماتا ہے:۔

وَمَنۡ يُرِدۡ أَنۡ يُضِلَّهٗ يَجۡعَلۡ صَدۡرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ (الانعام : ۱۲۵)

"اور جس کے لئے اللہ چاہتا ہے کہ اُسے گمراہ رکھے' اُس کے سینہ کو وہ تنگ اور بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے اُسے آسمان پر چڑھنا پڑ رہا ہو۔" *(۶:۱۲۵)

<u>تمام مخلوقات کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انتہائی عمدہ مہارت سے بنایا</u> :اِس حقیقت کے متعلق قرآن فرماتا ہے

(۱) قَالَ رَبُّنَا الَّذِيٓ أَعۡطٰى كُلَّ شَيۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (طٰہٰ : ۵۰)

"(موسیٰ علیہ السلام نے) کہا کہ ہمارا پالنہار تو وہ ہے جس نے ہر چیز کو اُس کی بناوٹ عطا کی پھر (اُس کی) رہنمائی کی۔" (۲۰:۵۰)

'أَعۡطٰى كُلَّ شَيۡءٍ خَلۡقَهٗ سے مراد ہے کہ ہر ہستی کی ساخت وخِلقت موزون ومناسب رکھی اور ھَدٰی سے مراد ہے کہ جس مقصد اور غرض کے لئے اُس ہستی کو پیدا فرمایا' اُسی طرف اُسے لگا بھی دیا۔موسیٰ علیہ السلام نے اس فقرے میں گویا کوزے میں دریا کو بند کر دیا۔اس گلشنِ ہستی کے گلِ سرسبد اور بزمِ حیات کے صدر نشین حضرتِ انسان کی ظاہری ساخت اور باطنی صلاحیتوں پر نگاہ ڈالئے تو موسیٰ کلیم اللہ کے ارشادِ پاک کی عظمت اجاگر ہو جائے گی۔

(۲) اَلَّذِيٓ أَحۡسَنَ كُلَّ شَيۡءٍ خَلَقَهٗ (السّجدۃ : ۷)

"وہی ہے جس نے جو چیز بھی بنائی' خوب ہی بنائی۔" (۳۲:۷)

* جاہلیت کے اُس دور میں جہاں بقول بلاذری پورے ملکِ عرب میں صرف تیرہ آدمی معمولی پڑھے لکھے تھے' نبیِ اُمّی کو کس نے بتایا کہ آسمان کی بلندیوں پر انسان کا دم آکسیجن کی کمی اور کاربن ڈائی آکسائڈ کی بہتات کی وجہ سے گھٹتا جاتا ہے۔ ماننا پڑے گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی اپنے رسولِ اُمّی کو بتانے والا ہے اور جب اللہ اُنہیں بتانے والا ہے تو قرآنِ پاک کی حقانیت اور نبی علیہ السلام کے برحق رسول ہونے میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے۔لہٰذا یہ آیت جہاں ایک سائنسی حقیقت کو بے نقاب کر رہی ہے وہاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمتِ شان کو بھی اجاگر کر رہی ہے۔

یعنی اُس نے جس چیز کو پیدا کیا' اس کے مقصدِ تخلیق کے نقطہ نظر سے از حد حسین وجمیل اور کامل و مکمل پیدا کیا۔ نباتات' حیوانات بلکہ جمادات تک جس چیز کو جس شکل وصورت' وضع قطع اور حجم میں پیدا فرمایا' اس سے عمدہ شکل وصورت کا تصوّر تک نہیں کیا جا سکتا۔

''انسان کی پیدائش کے متعلق دو مشہور نظریئے: ایک وہ جس کا ذکر قرآنِ کریم نے کیا اور سابقہ آسمانی صحائف سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانِ اوّل (آدم علیہ السلام) کو براہِ راست پیدا فرمایا اور اُسے ایسی نادر قوتوں کی جلوہ گاہ بنایا جس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ سارا نظامِ ہستی اُس کی خدمت اور چاکری کے لئے سرگرم عمل ہے۔ دوسرا نظریہ ڈارون کا نظریہ ارتقاء ہے کہ زندگی رینگتی رینگتی ہزاروں صدیوں میں مختلف ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی بندر اور بندر سے انسانی شکل میں نمودار ہوئی۔ ڈارون نے جب اِس نظریئے کا اعلان کیا' اُس وقت یورپ مذہب دشمنی کی رَو میں بہتا چلا جا رہا تھا۔ لوگ مسیحیت کی خلاف عقل' ناقابلِ فہم تعلیمات سے اُکتا گئے تھے۔ عقل وفہم کے صبر کی انتہا ہو گئی تھی۔ اب وہ بغاوت پر آمادہ تھے۔ مسیحیت کے علمبرداروں کی انسانیت سوز حرکات کے خلاف اُس وقت ایک طوفان اُمڈا ہوا تھا۔ ہر وہ بات جو مسیحی تعلیمات سے متصادم ہوتی' لوگ اُسے دیوانہ وار قبول کر لیتے۔ مذہب سے بیزاری کا جو عام رُجحان پیدا ہو گیا تھا' اُس کے باعث ڈارون نے جب یہ نظریہ پیش کیا تو لوگوں نے آنکھیں بند کر کے اُسے خوش آمدید کہا۔ اب اِس نظریہ کو معرضِ وجود میں آئے ہوئے تقریباً ڈیڑھ صدی کا طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ اس کے پرستاروں نے عمریں صَرف کر دیں کہ اس نظریہ کے لئے کوئی ٹھوس بنیاد فراہم کی جائے اور ایسے دلائل مہیا کئے جائیں جن کے باعث اس نظریہ کی صداقت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہو جائے لیکن انہیں اس میں بری طرح ناکامی ہوئی۔ روزِ اوّل کی طرح آج بھی اُن کے پاس ظن وتخمین کے بغیر اور کوئی سہارا نہیں۔ کہتے ہیں کہ فلاں غار سے ایک انسانی ڈھانچہ ملا ہے جو دس لاکھ سال پرانا ہے۔ اس کے سر کی ساخت فلاں قِسم کے بندر کی ساخت سے کچھ کچھ مشابہت رکھتی ہے۔ اس لئے انسان بندر کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ پھر فرماتے ہیں مختلف جانوروں میں نسل کشی کے ذریعے مختلف قسم کی تبدیلیاں بروئے کار لائی جا سکتی ہیں۔ اس لئے انسان میں اگر تبدیلی رُونما ہو گئی ہو تو کیا بعید ہے۔ کبھی ارشاد ہوتا ہے کہ تشریح الابدان کے ماہرین نے ثابت کیا ہے کہ انسانی جسم میں چند ایسے اعصاب ہیں جن کا اب کوئی مصرف نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ پہلے یہ جن اعضاء کو مصروف کار رکھتے تھے' وہ مختلف ارتقائی مدارج میں ناپید ہو گئے اور یہ اعصاب باقی رہ گئے۔ معلوم ہوا کہ کسی زمانہ میں انسان کی دُم بھی تھی جو آہستہ آہستہ گھستی چلی گئی۔ کبھی فرماتے ہیں کہ ہم آج بھی جغرافیائی اثرات اور آب وہوا کے اختلافات کے باعث ایک برِّ اعظم کے انسان کو دوسرے برِّ اعظم کے انسان سے کسی نہ کسی صورت میں مختلف دیکھتے ہیں۔ جب یہ اختلاف موجود ہے تو انسان میں تدریجی اختلاف کا پایا جانا بھی بعید از امکان نہیں۔ یہ اور اسی قسم کے دوسرے دلائل بلکہ قیاسات فاسدہ ہیں جن پر یہ نظریہ قائم ہے۔ آپ خود فیصلہ کیجئے کہ کیا اس قسم کے تخمینوں اور اندازوں سے حتمی طور پر کوئی چیز ثابت ہو سکتی ہے؟ نظریہ ارتقاء کے ثبوت میں اُنہوں نے ڈیڑھ سو سال میں جتنے ثبوت پیش کئے ہیں' وہ فکر ونظر کے کسی معیار پر پورے نہیں اترتے۔ کیا ایسے نظریہ کو سائنٹفک کہا جا سکتا ہے جس کی اساس محض ظنون وتخمینات ہوں اور جس کی ہر دلیل سے عقل کو وحشت ہوتی ہو۔ ایک پیچیدگی کو دُور کرنے کے لئے انسان جو قدم اٹھائے وہ ہزاروں پیچیدگیوں سے دوچار کر دے۔''

کوئی ہم آہنگی قائم کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔

یہ علم و حکمت کی مہرہ بازی یہ بحث و تکرار کی نمائش
نہیں ہے دنیا کو اَب گوارا پرانے افکار کی نمائش (ضربِ کلیم : اقبالؔ)

''قرآنِ حکیم ابدی اور عالمگیر ضابطہ حیات اور سرچشمہ علوم و فنون ہے اور علم کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے بنیادی تصوّرات کی طرف قرآنِ حکیم میں اشارات موجود نہ ہوں۔ کائنات کی ہر شے ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کی آیت اور نشانی ہے۔ کتابِ ہدایت ہونے کی حیثیت سے قرآنی اشارات پوری کائنات پر محیط ہیں۔ قرآنِ حکیم اگرچہ سائنس اور فلسفے کی کتاب نہیں ہے لیکن مطالعہ یا دورانِ بحث کچھ ایسے حقائق سامنے آجاتے ہیں جن کی صداقت عصرِ حاضر کے جدید سائنسی مطالعات و انکشافات کی روشنی میں جانی جاسکتی ہے۔ اس ضمن میں اوّلیں مسئلہ ''حیات'' اور اُس کی ابتدا کا ہے۔ اس سلسلے میں قبل از اسلام کے سارے مفکرین درماندہ و حیران رہے ہیں مگر قرآنِ حکیم نے واضح الفاظ میں بتادیا کہ حیات کا منبع کیا ہے اور اب بیسویں صدی کے آخر میں جینز (Genes) پر نئی تحقیق نے کتابِ حیات کے نئے اَسرار کو آشکارا کردیا ہے جس کا قرآنِ حکیم میں بھی بلیغ اشارہ موجود ہے۔''

''اگر سائنس ہی کی روشنی میں اپنی ذات پر غور کریں اور صرف یہ دیکھیں کہ نظامِ تغذیہ' نظامِ تنفس' نظامِ تناسل' نظامِ عصبی جیسے جسمِ انسانی کے اندر جو متعدد نظامات ہیں اور ہر نظام کے تحت بے شمار قاعدے اور ضابطے ہیں' ان سارے نظام ہائے اعظم کی تکوین و قیام پر کس کی قدرت' کس کی مشیّت اور کس کی حکومت کارفرما ہے؟ تو اسی قسم کے سینکڑوں' ہزاروں اور بھی سوالات ہیں جو خود بخود انسان کے ذہن میں اُبھریں گے اور توحید اور توحیدی حکمتوں کا نقش ہمارے دلوں (قلوب) پر اور زیادہ گہرا ہوتا چلا جائے گا۔ چونکہ انکشافاتِ توحید کے بغیر حیاتِ انسانی اپنے مرکزی نقطہ سے محروم رہتی ہے' سائنسی علوم کا مطالعہ اگر اس نقطہ نظر سے شروع کردیا جائے تو الحاد کی بجائے ایقان کی راہیں روشن ہوتی جائیں گی۔''

''قرآنِ حکیم میں حقائق ابدی اور عالمگیر ہیں جبکہ سائنس کے نظریات (Theories) کائناتی بصیرت کا حرفِ آخر نہیں ہیں۔ ایک سائنسی نظریہ جو آج پیش ہوتا ہے اور دماغوں پر چھا جاتا ہے' کچھ عرصہ تک فضا میں اُس کی گونج سنائی دیتی ہے لیکن پھر ایک دوسرا نظریہ یا خیال اُسی کو باطل کردیتا ہے اور پرانے نظریات کا نام لینا بھی دقیانوسی ہونے کا الزام سر لینے کے مترادف ہے۔ تاہم سائنس کی پیش رفت کا یہ سفر ڈھائی ہزار سال سے جاری ہے مگر قرآنِ حکیم کے اَسرار و عجائبات کی کوئی انتہا نہیں ہے جن میں جتنا زیادہ غور و فکر کیا جائے' اُتنی ہی شدّت کے ساتھ اس کے حقائق و معارف اُجاگر ہوتے ہیں اور وہ ہر دَور کے لئے پروردگار کی طرف سے انسانوں کے لئے نامہ

''سیدھی سی بات ہے کہ ہر نوع کی تخلیق براہِ راست ہوئی اور اُس کے بعد ہر نوع میں ایسی خصوصیات رکھ دی گئیں اور ایسے خودکار انتظامات کر دیئے گئے کہ آگے اس نوع کی افزائشِ نسل خود بخود ہوتی جائے۔ اگر انسان مذہب دشمنی کی وبا میں اس طرح مبتلا نہ ہو کہ اس کی عقل و فکر کی قوتیں ہی اپاہج ہو گئی ہوں تو اُسے ماننا پڑے گا کہ تخلیقِ انسان کے متعلق جو نظریہ قرآنِ کریم نے پیش کیا ہے' وہ ہی برحق ہے۔'' (ضیاء القرآن ۔۔ کرم شاہ الازہری' ج ۳' ص ۶۲۸ ۔ ۲۹)

''القصہ کائنات میں جاری تمام قوانین اور اصول و ضوابط ایسی عمدگی سے وضع کئے گئے ہیں جو انسانی زندگی کے لئے بالکل موافق و مطابق ہیں۔ زمینی ماحول کو ایسے حسین و جمیل سامان سے سنوارا گیا ہے جو انسان کے سانس لینے' کام کرنے' زندگی گزارنے' محبت و شفقت کرنے اور عبادت کرنے کے لئے ضروری تھا۔ اس عظیم و وسیع کائنات کی لاتعداد چیزوں میں کوئی بھی چیز ننھی سی چیونٹی سے لے کر عظیم الجثہ ہاتھی تک فضول' بیکار اور غیر موزوں نہیں۔ ہر چیز جس مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہے' بہترین اور موزوں شکل و ہیئت کے ساتھ اور انتہائی موزوں خصوصیات کے ساتھ اپنی جگہ درست ہے۔ جن مقاصد کے لئے ہوا اور پانی پیدا کئے گئے' وہ دونوں اُنہی مقاصد کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ ہوا میں نائٹروجن اور آکسیجن ۱:۴ کی نسبت سے موجود ہیں جو کہ انتہائی موزوں تناسب ہے۔ اگر اس تناسب کو زیادہ یا کم کر دیا جائے تو ہوا میں اُس کی خصوصیات ناپید ہو جائیں گی۔ مثلاً اگر ہوا میں نائٹروجن کا تناسب بڑھ جائے' تو کوئی بھی چیز جل نہیں پائے گی بلکہ جلتی ہوئی چیزیں بھی فی الفور بجھ جائیں گی۔ اگر ہوا میں آکسیجن بڑھ جائے تو چیزیں اتنی شدت سے جل کر راکھ ہو جائیں گی کہ بجھنے میں نہیں آئیں گی۔ اس صورت میں تمام وہ غذا جو ہمارے جسموں نے لی ہوتی ہے' فوراً جل جائے اور خون میں حرارت پکڑنے کے باعث ہمارے جسم اپنے عمومی درجہ حرارت کو برقرار نہیں رکھ سکیں گے۔ ایسے تناسبی نظام میں حیات کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ہوا میں ہائیڈروجن' نائٹروجن کی جگہ لے لے تو آگ پر کسی چیز کا پکانا ناممکن ہو جائے' کیونکہ ہائیڈروجن بذاتِ خود جلنے والی اور بھڑک اٹھنے والی گیس ہے۔''

''اسی طرح پانی ہائیڈروجن اور آکسیجن دو گیسوں کا مرکب ہے اور ان دونوں کا باہمی تناسب زمینی زندگی کے موافق ہے۔ ۲:۱ کے تناسب میں کمی بیشی پانی کو پینے اور دیگر استعمال کے لئے غیر موزوں کر دے گی۔ مثلاً اگر ہائیڈروجن اور آکسیجن کا یہ تناسب ۲:۱ کی بجائے ۲:۲ ہوتا تو نتیجہ میں پیدا ہونے والا مرکب پانی کی بجائے ہائیڈروجن پر آکسائیڈ میں تبدیل ہو جاتا۔ اگر نائٹروجن' ہائیڈروجن کی جگہ لے لے' تو مرکب نائٹرس آکسائیڈ بن جائے جو کہ ایک گیس ہے' مائع نہیں۔ نائٹرس آکسائیڈ کو سونگھنے سے انسان خود بخود (بے اختیاری طور پر) ہنسنے لگتا ہے اور اسی وجہ سے نائٹرس گیس کو Laughing Gas کہا جاتا ہے جسے بہت زیادہ سونگھنے سے انسان بیہوش بھی ہو جاتا ہے۔ اگر کلورین ہائیڈروجن کی جگہ لے لے تو مرکب کلورین ڈائی آکسائیڈ بن جائے جو ایک زہریلی گیس ہے۔''

''مندرجہ بالا سائنسی بحث سے ہم اِس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کس قطعی صحت کے ساتھ عقلِ کُل نے اپنی تمام مخلوقات کو بنایا ہے اور سائنس نے کس طرح قرآنی اعلان کی حقیقت و صداقت کو ثابت کیا ہے۔ پانی میں وہی خصوصیات ہیں جو زمین پر زندگی گزارنے کی موافقت میں اُس میں ہونی چاہئیں۔ اس طرح اب یہ بات واضح ہو گئی

کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا ایک خاص مقصد اور ایک واضح غرض کے لئے پیدا کی ہے۔ نجات کے حصول کے لئے یہ آدمی کی تربیت گاہ ہے جسے عبث اور بیکار نہیں پیدا کیا گیا اور نہ ہی دنیا لہو و لعب کی جگہ ہے۔ انسان کو ایک خاص کام دے کر بھیجا گیا ہے جسے اُسے بہر حال انجام دینا ہے۔ اِس صداقت کے متعلق قرآنِ پاک یوں فرماتا ہے:۔

(۱) رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِo (آل عمران : ۱۹۱)

اے ہمارے پالنہار! تو نے یہ (سب) لایعنی پیدا نہیں کیا، تو پاک ہے سو ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

(۲) وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلاً ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (صٓ : ۲۷)

"اور ہم نے آسمان اور زمین میں اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، بے حکمت پیدا نہیں کیا، یہ تو اُن لوگوں کا خیال ہے جو کافر ہیں۔" (۲۷ : ۳۸)

"کیمیا متعلق بہ حیات (Chemistry of Life): تمام جاندار غذا لیتے ہیں اور لاحاصل اور فضول مواد خارج کرتے ہیں۔ غذا کیمیائی تعامل کا مجموعہ ہے جس کا بقائے حیات کے عمل میں حصہ وافر ہے۔ مکمل غذا کے لازمی اجزائے ترکیبی مندرجہ ذیل تقویت بخش غذائیت ہے:۔

(۱) چکناہٹ اور چربی (Fats) (۲) کاربوہائیڈریٹس (۳) لحمیات (پروٹین)
(۴) منرلز (Minerals) (۵) حیاتین (وٹامنز) (۶) پانی

"کسی بھی مواد کو اُس وقت تک غذا نہیں کہا جا سکتا جب تک اُس میں کم از کم ایک تقویت بخش جزو موجود نہ ہو۔ مثلاً گلوکوز کو تقویت بخش غذائے واحد کہا جا سکتا ہے جبکہ دودھ کثیر القوت غذا ہونے کے لحاظ سے کثیر المنفعتی بھی ہے۔ علاوہ ازیں کسی ایک تقویت بخش غذائیت کی کم سے کم مقدار کی کمی سوئے تغذیہ (ناقص یا ناکافی غذا سے پیدا ہونے والی خرابی) کا باعث بنتی ہے جبکہ غذائیت کے تمام اجزاء کی کمی غذا کی معدومیت (Undernutrition) کا باعث بنتی ہے۔"

"ہر جزوِ غذا کا جسم میں مخصوص کردار ہے مثلاً چربی، کاربوہائیڈریٹس اور پروٹینز قوتِ جسمانی کا منبع ہونے کے علاوہ اعصاب کے ریشوں کی تعمیر کا بھی ذریعہ ہیں جبکہ معدنی اجزاء (Minerals)، حیاتین (Vitamins) اور پانی کا جسمانی اعمال کو باقاعدہ رکھنے میں کردار ہے۔"

"قرآنِ حکیم مختلف مقامات پر ہماری توجہ اُس خوراک کی طرف نظر کرنے اور غور و فکر کرنے کی طرف مبذول کرتا ہے جو ہم کھاتے ہیں کہ غیر مرئی (نظر نہ آنے والے) ہاتھ نے ہماری غذا میں اُس کے خوش ذائقہ اور پُر لذت ہونے کے علاوہ کیا کیا مخفی قوتیں اور فائدہ مند چیزیں چھپا رکھی ہیں۔ اِس ضمن میں ارشاداتِ قرآنی ملاحظہ ہوں:۔

(۱) وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَo (اَلنَّحل : ۶۶)

"تمہارے لئے مویشیوں میں یقیناً بڑا سبق ہے، اُن کے پیٹ میں گوبر اور خون (کی قسم سے) جو کچھ

ہوتا ہے، اُس کے درمیان سے صاف اور پینے والوں کے لئے خوشگوار دودھ ہم تمہیں پینے کو دیتے ہیں۔'' (۱۶:۶۶)

جہاں سے گوبر اور خون وغیرہ گندی چیزیں اور فُضلے پیدا ہوتے ہیں، وہیں سے دودھ جیسی نفیس، خوش ذائقہ اور پاکیزہ نعمت انسان کے لئے تیار کر دینا جس کے آگے بڑے سے بڑے کیمیادان اور کیمیا ساز مع اپنی ساری تجربی کارگاہوں کے دنگ رہ جائیں، اگر ایک صناعِ اعظم کے وجود پر ایک کھُلی ہوئی دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟ (ماجدی)

دودھ کا یہ حصول چارہ کا طبعی خاصہ نہیں ہے ورنہ نر جانور بھی یہی چارہ کھاتے ہیں اور اُن سے دودھ کا قطرہ تک حاصل نہیں ہوتا اور نہ یہ مادہ جانور ہی کی طبعی خصوصیت ہے ورنہ ایامِ حمل میں یا اُس سے پہلے بھی وہ دودھ دیتی رہے۔ نہ ہی یہ بچہ کی خصوصیت ہے کیونکہ بچہ کے مرجانے کے بعد بھی وہ ایک مدّتِ معیّنہ تک دودھ دیتی رہتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جانوروں سے دودھ کے حصول کے نظام میں چارہ، جانور اور بچہ کوئی بھی چیز مرکزی کردار ادا نہیں کرتی بلکہ اس تمام مربوط نظام میں جو دودھ کے حصول کا سبب ہے، وہ ایک ذات کارفرما ہے جو عالم کے ذرّہ ذرّہ میں اپنا تصرف فرما رہی ہے۔

(۲) فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَى طَعَامِهِ ○ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ○ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ○ فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ○ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ○ وَّزَيْتُونًا وَّنَخْلًا ○ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ○ وَّفَاكِهَةً وَّأَبًّا ○ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ○ (عَبَس : ۲۴ تا ۳۲)

''سو انسان ذرا اپنے کھانے کی طرف تو دیکھے، ہم نے خوب پانی برسایا، پھر ہم نے زمین کو خوب پھاڑا، پھر ہم نے اُس میں غلّہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارے اُگائے، تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدہ کے لئے۔'' (۲۴ تا ۳۲ : ۸۰)

ایجاد و تخلیق کے ذکر کے بعد اِن آیات میں انسان کو اُس کے سامانِ پرورش و بقاء اور احوالِ معاش کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے کہ اُن میں کیسے اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور اَن گنت نوازشات کے جلوے دمک رہے ہیں۔ انسان اپنے دسترخوان پر لگائے گئے قِسما قِسم کے کھانوں کو ہڑپ کر جاتا ہے اور یہ سوچتا تک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے اُنہیں پیدا کیا ہے۔ بارش برستی ہے، بیج زمین کا سینہ شق کرتے ہوئے نازک نازک بالیوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، پھر وہ اُگتے ہیں، نشوونما پاتے ہیں۔ کسی کھیت میں انسان کے لئے اناج کے ذخیرے تیار کئے جارہے ہیں تو کہیں انگوروں کی بیلیں زمین پر بل کھاتی نشوونما پارہی ہیں۔ کہیں اُس کے جانوروں کے لئے چارہ اُگ رہا ہے تو کہیں زیتون اور کھجور کے درخت بہار دکھا رہے ہیں۔ کہیں شاداب اور گھنے باغات ہیں جن کے درختوں کی ٹہنیاں رنگارنگ پھولوں اور پھلوں سے لدی ہیں، کہیں گھاس اُگ رہی ہے جو اُس کے جانوروں کے کام آتی ہے۔ اس طرح ربِّ ذوالجلال والاکرام نے اپنی رحمت وقدرت سے حضرتِ انسان کے لئے اور اُس کے مویشیوں کے لئے سامانِ زیست فراہم کر دیا ہے۔ گویا نباتیات کا یہ سارا نظام انسان بلکہ اُس کے خادم چوپایوں ہی کی خدمت اور ضرورت کے لئے ہے۔ ربوبیت اور رزّاقیت کی اتنی زبردست مشینری کے مشاہدہ کے بعد بھی اِعراض اور ادائے شکر سے انکار کیسی شدید ناشکری ہے!!

۱۰۔ (کیمیا۔۔۔CHEMISTRY)

علمِ کیمیا کی ترقی اور ترویج میں مسلمان سائنس دانوں کا حصّہ

جابر بن حیّان بن عبداللہ الکوفی المعروف بہ الصّوفی (۱۲۰ھ/۷۳۷ء تا ۱۹۸ھ/۸۱۳ء) جو طوس اور بقولِ دیگراں خراسان میں پیدا ہوا' اوّلیں دَور کے عربی علم الکیمیا کے ممتاز نمائندوں میں سے تھا۔ وہ پہلا مسلمان کیمیا دان ہے جس نے ارسطو کے عناصرِ اربعہ (ہوا' پانی' مٹی اور آگ) میں ترمیم اور اصلاح کی اور دھاتوں کے نام نہاد سلفر مرکری کے نظریے کو پیش کیا۔ اس نظریہ کے مطابق دھاتیں لازمی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں کیونکہ اُن میں سلفر اور مرکری (پارہ) کے تناسب مختلف ہوتے ہیں۔''

''اپنے یونانی پیشروؤں کے برعکس اُس نے محض غور و فکر اور تدبّر پر اکتفا نہیں کیا بلکہ کچھ حتمی نتائج تک پہنچنے کے لئے اُس نے تجربات بھی کئے۔ اُس نے علمِ کیمیا میں تجربہ کی اہمیت کو تسلیم کیا۔ اُس نے یونانیوں کے نظریاتی علم اور دستکار کے عملی علم کو باہم جوڑ دیا اور خود اُس نے علمِ کیمیا کے نظریئے اور اس کی عملی شکل دونوں میں قابلِ ذکر ترقی کی۔''

("Islam & Evolution of Science" .... Muhammad Saud, p. 53)

''جابر کا علمِ کیمیا میں حصّہ بہت زیادہ اور عظیم ہے۔ عربی کیمیا گری نے جابر کی تحریروں سے خاصا اثر قبول کیا۔ سب کے سب متاخرین اُن کا حوالہ دیتے ہیں اور اُن میں سے کئی نے اُن کی شرحیں بھی لکھیں۔ جابر کے مجموعہ تصانیف کی کتابوں کا ترجمہ لاطینی میں بھی کیا گیا۔'' (اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ' دانش گاہ پنجاب لاہور' جلد ۷' صفحات ۹'۸)

''جابر نے علمِ کیمیا کے دو بڑے طریق ہائے کار کی سائنسی توضیح کی: اُن میں سے ایک تیز حرارت کے ذریعے حجم کا سکھانا اور گھٹانا (Calcination) ہے جسے دھاتوں کو اُن کی کچ دھاتوں سے نکالنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ دوسرا طریق تخفیف اور تقلیل (Reduction) کا ہے جسے کئی کیمیائی طریقوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اُنہوں نے تبخیر' پگھلاؤ' تقطیر (Distillation)' تطہیر (Sublimation) اور تقلیم (Crystallization) کے طریقوں کی اصلاح کی۔ کیمیائی مادوں کے تزکیہ کے لئے یہ بنیادی طریقے ہیں جن سے ایک کیمیا دان کو اُن کی خاصیت اور استعمال معلوم کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ نباتاتی مواد کے لینے میں تقطیر کا طریقہ بالخصوص استعمال کیا جاتا ہے۔''

''جابر کی رائے میں محض سونے کی تزئین اور آرائش اور اُس کی پرداخت ایک کیمیا دان کا مقصدِ وحید نہیں ہوتا۔ نئے کیمیائی موادوں کی تیاری بھی اُس کے بڑے مقاصد میں شامل ہوتی ہے۔ جابر نے فولاد کی تیاری اور دھاتوں کی نفاست میں اہم کام کیا۔ شیشے کی تیاری میں وہ مینگانیز ڈائی آکسائیڈ کو استعمال میں لے آیا۔ نم روک (Waterproof) کپڑے کے لئے وارنش استعمال کی اور لوہے کو زنگ سے بچانے کے طریقے دریافت کئے۔''

''جابر کی ایک انتہائی اہم دریافت سلفیورک ایسڈ کی تیاری ہے۔ اِس دریافت کی اہمیت اس حقیقت سے معلوم

کی جا سکتی ہے کہ دَورِ جدید میں کسی ملک کی صنعتی ترقی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ اُس ملک میں سلفیورک ایسڈ کتنی مقدار تک استعمال ہوئی ہے۔ ایک اور اہم تُرشہ (ایسڈ) جو جابر نے تیار کیا وہ نائٹرک ایسڈ ہے جسے اُس نے یمنی پھٹکری اور کاپر سلفیٹ کے آمیزے کی عرق کشی سے حاصل کیا۔ پھر اس تُرشے میں امونیم کلورائیڈ کو حل کرنے سے اُس نے Aqua Regia نامی ایک محلول تیار کیا جس میں دوسرے تُرشوں (Acids) کے برعکس سونا حل ہو جاتا ہے۔''

''جابر نے کیمیائی مادوں کی درجہ بندی کچھ امتیازی خصوصیات کی بنیاد پر کی (جیسے سونا' چاندی کو الگ اور پارہ' سلفر کو علیحدہ زمرے میں رکھا) تا کہ اُن کی خصوصیات کا مطالعہ بہ آسانی کیا جا سکے۔'' (محمد سعود۔۔ص ۵۴)

''جابر بن حیّان علمِ کیمیا کی متعدد کتابوں اور ایک کتاب اُصطرلاب* (کے موضوع پر) کا مصنف ہے۔ تقریباً ایک سو کیمیائی کام اُس کی طرف منسوب ہیں جو دستیاب ہیں۔ اُن کی شہرت کی بڑی وجہ کیمیا کے موضوع پر اُن کی وہ کتب ہیں جو عربی زبان میں محفوظ ہیں۔'' ... ("Introduction to the History of Science"
George Sarton, Vol. 1, p. 532) Washington, 1950.

''جابر بن حیّان نے کیمیا پر تجربہ کرنے کی اہمیت کو تسلیم کیا اور اپنے سے پہلے کیمیا دانوں کی نسبت زیادہ واضح طور پر اسے بیان کیا۔ کیمیائی تحقیق کے طریقوں پر اُنہوں نے نمایاں طور پر ٹھوس نظریہ پیش کیا۔ اُن کی کیمیائی خدمات سے متعلق صحیح نتیجے تک پہنچنا ممکن ہی نہیں جب تک اُن سے منسوب عربی تحریروں کو باقاعدہ طور پر تالیف نہ کر لیا گیا ہو اور اُن کا مطالعہ نہ کر لیا گیا ہو۔ لیکن ہمارے جدید علم کی رُو سے جابر بن حیّان ایک عظیم سائنسدان معلوم ہوتے ہیں جن کا علمی اثر مسلم اور یورپی کیمیا کی تاریخی ترقی کے تمام ادوار میں معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اِن حقائق کی روشنی میں جابر کو کیمیا کا ''باوا آدم'' کہنا بے جا نہ ہوگا۔''

''کیمیا کے موضوع سے متعلق جابر کی طرف منسوب کتابوں کا ترجمہ لاطینی زبان میں کیا گیا۔ اُن میں سے ایک کتاب کِتَابُ السَّبْعِین ہے جو علم الکیمیا میں جابر کی تعلیمات کا مرتب و منظم بیان ہے اور جس کا ترجمہ بارھویں صدی میں کریمونا کے Gerard نامی شخص نے کیا۔ اُن کی ایک کتاب کا ترجمہ Berthelot نامی شخص نے فرانسیسی زبان میں کیا۔ جابر کی دیگر کتابیں یہ ہیں: (۱) کُتُبِ المِائَةِ وَالاِثنَا عَشَر جو فنِ کیمیا گری میں جابر کے غیر مربوط مضامین پر مشتمل ہیں اور جن میں قدیم کیمیا گری کے کئی حوالے ہیں۔ (۲) کُتُبِ المِائَةِ وَالاَرْبَعَةِ وَالاَرْبَعُون یا کُتُبُ المَوازِین جن میں کیمیا گری اور جملہ علومِ باطنی کی نظری اور بالخصوص فلسفیانہ اساس کا بیان ہے۔ (۳) کُتُبُ الخَمْسَمِائَة جو کُتُبُ المَوازِین کے بعض مسائل کی مزید تحقیق میں متفرق مسائل پر مشتمل ہیں۔ (اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ' دانش گاہ پنجاب لاہور' جلد ۷' صفحہ ۵)

*ایک قدیم آلہ جس کے ذریعے اجرامِ فلکی کی بلندی معلوم کی جاتی تھی اور جہاز رانی میں بھی کام آتا تھا۔

''جابر کی عربی تحریروں سے کئی تکنیکی اصطلاحات لاطینی زبان سے ہوتے ہوئے یورپی زبانوں میں منتقل ہوئیں۔'' (''طبّ العرب'' از حکیم نیّر واسطی صفحہ ۲۶' لاہور ۱۹۵۴ جو ایڈورڈ جی براؤن کی کتاب ''عربین میڈیسن'' کا اُردو ترجمہ ہے۔)

''جابر بن حیّان سے پہلے ایک اموی شہزادے خالد بن یزید نے جو فلسفی' شاعر اور کیمیا دان تھا' مصر میں یونانی فلسفیوں کی اس بات میں حوصلہ افزائی کی کہ وہ یونانی سائنسی تصنیفات کا ترجمہ عربی زبان میں کریں اور دوسری زبانوں سے عربی زبان میں یہ تراجم ابتدائی تراجم تھے۔ خالد کو خود علم طب' علم نجوم اور علمِ کیمیا سے بڑی دلچسپی تھی اور کئی کیمیائی تصنیفات اُس سے منسوب ہیں جن میں سے ایک ''فردوسُ الحِکمة فی علم الکِیمیا'' ہے۔ یہ منظوم شکل میں ہے اور ۲۳۱۵' بیتوں (Couplets) پر مشتمل ہے۔ (''کشف الظنون'' لحاجی خلیفہ' ج ا' ص ۱۲۵۴۔ استنبول ۱۹۴۳ ؛ ''الاَعلام'' لخیرالدین الزرکلی' ج ۲' ص ۳۴۲)

''ایک دائرۃ المعارفی (Encyclopaedic) سائنسدان اور فلسفی ابو یوسف یعقوب الکندی ایک دھات کو دوسری دھات میں بدلنے کو فریب دہی سمجھتا تھا۔ کئی سائنسوں سے متعلق اُس کی متعدّد تصنیفات میں سے چند ایک دستیاب ہیں۔ اُس کی ایک کتاب دواسازی پر ہے جو عملی کیمیا (Applied Chemistry) کی ایک شاخ ہے۔''
("Introduction to the History of Science" ... George Sarton, Vol. 1, p. 559)

"اُسی صدی میں جابر بن حیّان کے کیمیائی کام کو الرّازی نے آگے بڑھایا جنھوں نے کئی کیمیائی مخطوطے لکھے اور کچھ سائنسی آلات کو بیان کیا۔ اُن کا ایک مخطوطہ کیمیائی آلات کے پچیس اجزاء پر مشتمل ہے۔ اُنہوں نے کششِ ثقل پر تحقیق کی۔ اُن کے کاموں میں سے ایک اہم کام کم تر دھاتوں کو عمدہ تر دھاتوں میں بدلنے کے فن پر ہے۔ وہ اپنے کیمیائی علم کو طبی مقاصد کے لئے بروئے کار لائے اور اس طرح اُنہوں نے Latrochemistry کی بنیاد رکھی۔''
(ایضاً صفحہ ۶۰۹)

''اِس صدی کے دوسرے اہم کیمیا دان ذوالنون اور الجاحظ تھے۔ اوّل الذکر دھاتوں کے بدلنے کے فن سے متعلق تھے (ایضاً' ص ۵۹۲) اور مؤخر الذکر (الجاحظ) خشک تقطیر کے ذریعے ذبح شدہ جانوروں کی آنتوں سے امونیا تیار کرتے تھے۔'' (ایضاً ص ۵۹۷)

''دسویں صدی میں ابنِ وَحشیہ نے علمِ کیمیا پر لکھا۔ اُن کا کام کیمیائی علامتیت اور رمزیت کو سمجھنے میں مدد دے سکتا ہے۔ اِسی صدی کے ماہر علم الافلاک' ریاضی دان اور معالج چشم مَسلمہ بن احمد نے کیمیا پر دو کتابیں تصنیف کیں جو ''رتبة الحکیم'' اور ''غایت الحکیم'' کے نام سے ہیں۔ ''غایت الحکیم'' لاطینی زبان میں ۱۲۵۲ء میں الفنسو (Alfonso) نامی بادشاہ کے حکم سے ترجمہ کی گئی تھی اور جانی پہچانی کتاب ہے۔'' (ایضاً ص ۶۲۰' ۶۲۸)

''فارس کے علم الادویہ کے ماہر ابو منصور موفّق ابنِ علی الہراوی جنہوں نے دسویں صدی میں ہرات میں خوب نام پایا' غالباً پہلے آدمی تھے جنہیں مفردات (Meteria Medica) پر فارسی زبان میں کچھ لکھنے کا خیال آیا۔ ضروری معلومات حاصل کرنے کے لئے اُنہوں نے فارس اور ہندوستان کے ممالک کے خوب سفر کئے۔ سال ۹۶۸ اور ۹۷۷ کے مابین انہوں نے ایک کتاب ''کتابُ الانبٰاءِ الحقائقِ الادْوِیۃ'' کے عنوان سے لکھی ۔ یہ ۵۸۵ علاجوں سے متعلق ہے جن میں سے ۴۶۶ پودوں سے ۷۵ معدنیات سے اور ۴۴ حیوانات سے اخذ کئے گئے ہیں۔ اُنہوں نے اُن کے اثر وعمل کے لحاظ سے اُن کی چار حصّوں میں درجہ بندی کی ہے اور علم الادویہ کے عمومی نظریہ کا اشاریہ بھی دیا ہے۔ ابو منصور نے سوڈیم کاربونیٹ اور پوٹاشیم کاربونیٹ میں فرق قائم کیا ہے۔'' (ایضاً ص ۶۷۸)

''عظیم مسلمان جراح خلف بن عباس الزہراوی (م۱۰۱۳) نے ''التّصریف'' کے نام سے ۳۰ حصوں میں علم طب سے متعلق ایک عظیم دائرۃ المعارف (Encyclopaedia) لکھا جو ترفّع اور تقطیر کے ذریعے ادویہ سازی کے دلچسپ طریقوں پر مشتمل ہے لیکن اس کا انتہائی اہم حصّہ عملِ جراحی سے متعلق ہے۔'' (ایضاً ص ۶۸۱)

''ابو ریحان البیرونی (۱۰۴۸۔۹۷۳) نے اٹھارہ قیمتی پتھروں اور دھاتوں کی مخصوص کششِ ثقل کو متعین کرنے میں خاصی دلچسپی لی۔ البیرونی کا ایک ضخیم حجری مخطوطہ نادر مسودے کی شکل میں ایسکوریل لائبریری میں موجود ہے جو قدرتی' تجارتی اور طبی نقطہ نظر سے متعدد پتھروں اور دھاتوں کے بیان پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں اس نے صیدلہ (ڈسپنسری) پر بھی لکھا۔ بھارتی اور چینی پتھروں اور ادویہ پر اس کی غیر تالیف شدہ تصنیفات سے اہم معلومات مل سکتی ہیں۔'' (ایضاً ص ۷۰۷)

''ابن سینا نے دھاتوں پر ایک مخطوطہ لکھا جو بہت اہم ہے اور علمِ ارضیات پر معلومات کا بڑا ذریعہ ہے اور مغربی یورپ میں احیائے علوم کے وقت تک کیمیا پر معلومات کا ایک ذریعہ رہا ہے۔''

''گیارہویں صدی کے بعد علم کیمیا پر لکھی گئی کتب کا بڑا فائدہ ہوا اور چالیس عربی اور فارسی کیمیا دانوں کی کتب متعارف ہوئیں۔ ابنِ خلدون (م ۱۴۰۶ء) جو تاریخ کا باصلاحیت عرب فلسفی ہے اور اپنی صدی میں غیر معمولی ذہانت کا مالک ہے' کیمیائی طریقوں سے دھاتوں کو تبدیل کرنے کا سخت مخالف تھا۔'' (مقدمہ ابن خلدون' ج ۳' ص ۲۶۷' انگریزی ترجمہ از روزنتھال، لندن ۱۹۵۷)

''بارہویں اور تیرہویں صدی میں دھاتوں کی تبدیلی کے متعلق علم میں بہت کم اضافہ ہوا لیکن مختلف میدانوں میں تحقیق جاری رہی۔ اِس دَور کا کیمیا پر لکھنے والا عظیم لکھاری ابوالقاسم محمد العراقی تھا جس نے تیرہویں صدی کے دوسرے نصف میں بڑا نام پایا۔ چودھویں صدی علم کی روشنی کا دَور تھا جب ذہین لکھاریوں کے ایک گروپ نے کیمیائی طریقوں سے دھاتوں کے بدلنے کے تصور کو مسترد کر دیا۔ ایسے لوگوں میں سے ایک رشید الدین تھا جس نے ایسے کیمیا دانوں کے خلاف بے اعتمادی کا اظہار کیا۔ نوبخت الدہر الدمشقی کے دائرۃ المعارفی کام کے دوسرے حصّہ میں دھاتوں' اُن کی خصوصیات اور اثرات پر کافی معلومات ہیں۔ اس صدی کا اہم کیمیا دان عزالدین علی ابن الجلد کی تھا۔'' (جارج سارٹن بحوالہ محمد سعود' صفحہ ۶۲)

کیمیائی صنعتوں کی ترویج وترقی میں مسلمان کیمیادانوں کا کردار

''کاغذ کی صنعت : کاغذ کو چینیوں نے ایجاد کیا جو اُسے ریشم کے کیڑے کے خول (Cocoon) سے تیار کرتے تھے۔ چینی کاغذ کے کچھ نمونوں کی تاریخ دوسری صدی عیسوی میں ملتی ہے۔ چین سے باہر کاغذ کی پہلی صنعت سمرقند میں ۷۵۷ء میں قائم ہوئی۔ جب سمرقند پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا تو کاغذ کی صنعت بہ شمول مغرب (تیونس، مراکو، الجیریا) تمام عالمِ اسلام میں پھیل گئی۔''

''بارہویں صدی عیسوی کے اختتام تک صرف فاس کے علاقے میں کاغذ کے ۴۰۰ کارخانے تھے۔ سپین میں کاغذ کی صنعت کا بڑا مرکز شاطبہ تھا جو مسلمانوں کے قبضہ میں ۱۲۳۹ء تک رہا۔ سپین میں قرطبہ کاغذ کی تجارت کا مرکز تھا۔''

''مسلمانوں نے اس فن کو ترقی دی۔ وہ نہ صرف ریشم سے کاغذ بناتے تھے بلکہ روئی، چیتھڑوں اور لکڑی سے بھی کاغذ تیار کرتے تھے۔ دسویں صدی عیسوی کے وسط میں کاغذ کی صنعت کو سپین میں متعارف کرایا گیا۔ خراسان میں کاغذ کورے لٹھے سے بنایا جاتا تھا۔''

''کاغذ سازی سے متعلق ایک قدیم مخطوطہ ''عُمدۃُ الکُتّاب وَ عُدّۃُ ذَوِی الاَلبَاب'' کے نام سے ملا ہے جو تیونس میں زیری خاندان کے فرمانروا (۱۰۱۵ تا ۱۰۶۱ء) امیر المعز ابن بدلیس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اِس مخطوطے کے گیارہویں باب کو جو کاغذ سے متعلق ہے، کاغذ کی عرب صنعت کے ایک طالبعلم جوزف کیرابک (Joseph Karabacek) نے تالیف کر کے اُس کا ترجمہ کیا اور اُس پر سیر حاصل بحث کی۔ یہ کام کاغذ بنانے کی لگدی (ماوا) اور پارچہ تیار کرنے، اُنہیں دھونے اور صاف کرنے، اُنہیں رنگدار یا پالش کرنے، جوڑنے اور اُنہیں خوش نما شکل دینے کے طریقوں کی وضاحت کرتا ہے۔ اُس قدیم زمانے میں کسی دیگر زبان میں اس طریقے سے انسان متعارف نہیں تھا۔''

''کاغذ کی لگدی (ماوا) تیار کرنے میں بہت سے پیچیدہ کیمیائی طریق ہائے عمل شریک ہیں اور یہ بات اُس وقت مسلمانوں کی کیمیائی علم میں ترقی کو ظاہر کرتی ہے۔''

''سپین میں لکھنے کے کاغذ کی صنعت کا تعارف مسلمانوں کا یورپ پر انتہائی فائدہ مند احسان ہے۔ کاغذ کے بغیر یورپ کی تعلیم میں ترقی ممکن ہی نہ تھی۔ یورپ میں ریشم کی پیداوار کی نایابی کی وجہ سے وہاں ریشم سے کاغذ بنانا ناممکن تھا۔ روئی سے کاغذ بنانے کا مسلمانوں کا طریقہ اہلِ یورپ کے لئے فائدہ مند ہوسکتا تھا۔ سپین کے بعد کاغذ سازی کا فن اٹلی میں ۱۲۶۸ تا ۱۲۷۶ء کے دوران قائم ہوا۔ فرانس اپنا پہلا کاغذ کا کارخانہ لگانے میں مسلم سپین کا رہینِ منت ہے۔ اِن ممالک سے ترقی کرتے کرتے یہ صنعت (بالآخر) تمام یورپ میں پھیل گئی۔''

''عربی زبان میں ایک لفظ رِزْمۃ ہے بمعنی تجارتی سامان کا بنڈل اور یہ لفظ ہر مغربی زبان میں معمولی سی تبدیلیوں کے ساتھ کاغذ کے بنڈل (Ream) کے معنوں میں اختیار کیا گیا۔ یہ حقیقت بھی اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ مغرب میں کاغذ کے کاروبار کی اصل عرب ہی ہیں۔'' (جارج سارٹن' ج ۳' ص ۳۲)

''ٹائیلیں (TILES): ٹائیل سازی کی صنعت کو جو بہت سے پیچیدہ تکنیکی اور کیمیائی طریق ہائے عمل کو شامل ہے' مسلمانوں نے بہت ترقی دی۔ چینی کے منقش ظروف (Fiance) سے متعلق قدیم علمی فارسی مقالہ عالمی ادب میں سولھویں صدی عیسوی تک بے مثل رہا ہے۔ اس کے مصنف تیرھویں صدی عیسوی کے ماہر ظروف عبداللہ بن علی کاشانی تھے۔ ''جواھر العَرائِس و عَجائِبُ النَّفائِس'' نامی کتاب قیمتی پتھروں پر اور خوشبویات کے ساتھ لکھی گئی۔ یہ چینی کے منقش ظروف کی صنعت اور اُن ظروف کے اجزاء [مثلاً مٹی' سہاگہ' پوٹاش' کوبالٹ (ایک سفید و رُوپہلی مقناطیسی دھات)' Lapis Lazuli' سیسہ' مینگنیز آکسائڈ' ٹین وغیرہ]' اُن کے آمیزوں' بھٹے کے طریق عمل' متعلقہ آلات' چمکانے اور سنوارنے کے طریقوں کی وضاحت کرتی ہے۔ یہ علمی مقالہ قیمتی پتھروں پر عربی اور فارسی میں لکھے گئے دوسرے مقالوں کی طرح ہے۔ کتاب کا آخری باب مینا کاری شدہ ظروف سازی سے متعلق ہے۔''

''فنِ ظروف سازی (Ceramics): مسلمانوں کی فنِ ظروف سازی کی تاریخ تا حال احاطۂ تحریر میں نہیں لائی گئی۔ حالیہ سالوں میں کئی دلچسپ نمونے دریافت ہوئے ہیں جو مسلم دنیا میں اس صنعت کی ترقی پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اس صنعت کے مراکز فارس' میسوپوٹامیا' شام' مصر اور ویلنسیا میں واقع تھے جہاں سے ظروف سازی کی متعدد اقسام بہ سرعتِ تمام اسلامی ممالک میں پھیل گئیں۔''

''مسلمانوں کے زیرِ اثر اِن مراکز میں کوزہ گروں نے قدیم تکنیکی طریقوں کو زندہ کیا' جدید طریقوں کو ترقی دی اور آرائشی اور تزئینی منصوبوں کے ذریعے تجربے کرنے شروع کر دیے۔ مسلمان کوزہ گروں نے ترقی پذیر خیالات کو فی الفور اپنا لیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ جدت طرازی کو بھی برقرار رکھا۔ ظروف سازی کی دو قسمیں بالعموم مستعمل تھیں: منقش اور تابناک (چمکدار)۔ منقش ظروف سازی میں مسلمان ابتدا ہی سے ماہر تھے۔ چمکدار ظروف سازی میں بھی اُنھوں نے کافی ترقی کی۔ جواھر العَرائِس و عَجائِبُ النَّفائِس کے فارسی متن کے آخری باب میں مصنف چمکدار بنانے کی تکنیک کو دو قسم کی آگوں سے بیان کرتا ہے۔ 'ھفت رنگ'' ایک فارسی اصطلاح ہے جس میں سیارگان کے سات رنگوں کا حوالہ ہے۔

''پندرھویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کے فنِ ظروف سازی کو اطالوی کوزہ گروں نے اپنایا جنھوں نے پختہ تکنیکی علم کا معتد بہ حصّہ مسلمان ذرائع سے حاصل کیا۔ اِحیائے علوم کے دَور میں یہ تکنیکی علم' فنِ ظروف سازی کے اِحیاء میں ممد ثابت ہوا۔'' (جارج سارٹن)

(۲۲) علم شہریت (CIVICS)

"شہریت' فرد اور ریاست کے مابین تعلق کا نام ہے جس کی رُو سے فرد کی ریاست میں مکمل سیاسی رکنیت اور اُس کی ریاست کے ساتھ مستقل وفاداری شامل ہوتی ہے۔ دوسرے لوگ ریاست کی مختار کاری (authority) کے تابع ہو سکتے ہیں اور اس سے وفادار بھی ہو سکتے ہیں لیکن شہری کے کچھ حقوق و فرائض اور استحقاق ہوتے ہیں جن میں ایک غیر شہری کم سے کم دخیل ہوتا ہے یا دخیل ہوتا ہی نہیں۔ ریاست اور شہری میں جو تعلق استوار ہوتا ہے' اُسے قانونی تحفظ مل جاتا ہے۔ اگر کوئی فرد کسی دوسری ریاست کا شہری بنے تو (Expatriation) کی وجہ سے اُس کی آبائی ریاست کی شہریت سلب ہو سکتی ہے۔"

''ریاست کے ساتھ مستقل وفاداری شہریت کا اہم عنصر ہے۔ اگرچہ وہ اپنے ملک کو کچھ عرصہ کے لئے چھوڑ دے تب بھی اُس کا تعلق اپنے ملک کی وفاداری سے اُس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ اُس کی شہریت سلب نہ ہو جائے۔ اس کے پہلو بہ پہلو ریاست پر بھی اپنے شہریوں کی کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جو مستقل نوعیت کی ہیں اور جن کی تکمیل پر ایک شہری کو بالعموم اعتماد ہوتا ہے۔''

''بین الاقوامی تعلقات کے مقاصد کے لئے شہری کے لئے قومی (National) کے لفظ کو ترجیح دی جاتی ہے اگرچہ بہت سے حالات میں قومیت اور شہریت ایک ہی معنی میں آتے ہیں۔'' (Encyclopedia Americana, Volume VI, p. 742) 1983 US Edition.

''شہری قانونی طور پر قائم کی گئی ریاست کا رکن ہوتا ہے۔ جس کے کچھ حقوق ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ فرائض بھی ہوتے ہیں۔'' (Academic American Encyclopedia, Vol. IV, p. 446) 1981 USA.

شہریوں کے حقوق (قرآن حکیم کی روشنی میں)

(الف) شہری (Civil) حقوق: ''یہ وہ بنیادی حقوق ہیں جن کا تحفظ قانونی یا دستوری لحاظ سے کیا جانا چاہئے یا کیا جاتا ہے اور جو ہر شخص کو قطع نظر اُس کے اقتصادی یا معاشرتی مقام کے ملنے چاہئیں۔'' ("The Penguin Dictionary of Politics"... David Robertson, p. 42)

(۱) تحفظ حیات: یہ ہر شہری کا بنیادی حق ہوتا ہے۔ کسی شخص کو دوسرے شخص کی خونریزی یا اُسے قتل کرنے

ہدایت ہیں ۔قرآنِ حکیم میں یہ صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے کہ وہ عصری تقاضوں کے مطابق انسان کی راہنمائی کرتا ہے خواہ زمانہ کتنی ہی سائنسی ترقی کیوں نہ کر جائے ۔ یہ بات قرآنِ حکیم کو وحیِ الٰہی ثابت کرنے کے لئے ہی کافی ہے ۔ظاہر ہے کہ کوئی انسان سینکڑوں ہزاروں سال قبل کوئی ایسا جامع کلام کیسے وضع کرسکتا ہے جو آنے والے تمام ادوار کے انسانوں کے لئے مکمل طور پر راہنمائی کرنے والا ہو ۔ چنانچہ قرآنِ حکیم یقیناً کلام الٰہی ہے جو قیامت تک ہر دَور کے لئے نازل ہوا ہے خواہ زمانہ ترقی کرتا ہوا اَوجِ ثریا پر ہی پہنچ جائے' قرآنِ حکیم میں پہلے سے ایسی ترقی کے بارے میں پیش گوئی موجود ہوگی ۔''

''سائنس یہ تو بتاتی ہے کہ انسان کن کن مراحل سے گزر کر پیدا ہوا مگر یہ نہیں بتاتی کہ کیوں پیدا ہوا؟ سائنس جسم کے بارے میں تو بتاتی ہے مگر روح کے بارے میں خاموش ہے ۔اسی طرح کے اور بھی بے شمار معمے ہیں جن کے بارے میں سائنس خاموش ہے ۔قرآنِ حکیم جسم اور روح کا رشتہ برقرار رکھنے میں اور ہماری تہذیب کی ترقی کے لئے بھی ہماری رہنمائی کرتا ہے ۔''

''سائنس کیا ہے؟ عام فہم زبان میں سائنس غور وفکر اور اِدراک وتعقّل کے ایک خاص رُجحان کا نام ہے ۔ اکیسویں صدی کی ابتداء میں سائنس کے کردار پر ایک حالیہ تحقیقی وتجزیاتی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ سائنس بے شمار ایجادات اور اکتشافات کے باوجود ابھی تک اپنے حقیقی ٹارگٹ کی تلاش میں ابتدائی کام ہی مکمل کرسکی ہے ۔رپورٹ میں یہ نظریہ قائم کیا گیا ہے کہ سائنسی ایجادات کی انتہا دراصل سائنس کا اِحیاء ہے ۔۔۔۔بیسویں صدی کے دوران تیز ترین سائنسی ایجادات گزشتہ کئی صدیوں کے مشاہدات' تجربات اور نظریات کا نچوڑ ہیں مثلاً خلا اور وقت کے بارے میں دانشوروں کی صدیوں کی سوچوں کو 1905ء میں آئن سٹائن (1879 تا 1955ء) کے نظریہ اضافیت سے درست سمت دکھانے کی کامیاب کوشش کی گئی ۔آئن سٹائن نے بعض پرانے نظریات کو اس انکشاف کے بعد جھنجھوڑ کر رکھ دیا کہ کمیت (Mass) کو توانائی (Energy) اور توانائی کو کمیت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے ۔بعد ازاں 1915ء میں آئن سٹائن نے نظریہ کششِ ثقل سے کائنات اور مختلف اجرام فلکی کے وجود کی وضاحت کے لئے فریم ورک مہیا کر دیا ۔1926ء میں کوانٹم تھیوری نے اشیاء اور اُن کی بناوٹ کے ذمہ دار ایٹموں کے طرزِ عمل کے بارے میں نئے قوانین ماضی کی تحقیق اور جستجو سے اخذ کئے ۔ 1926ء میں ایڈون ہبل نے انکشاف کیا کہ کائنات پھیل رہی ہے ۔ 1930ء کی دہائی کے دوران سائنسدانوں نے جانوروں اور پودوں میں موروثیت کے بارے میں کئی صدیوں کے مبہم مشاہدات کو کئی ٹھوس اصول وضوابط دیئے ۔انسانی ساخت کا قضیہ 1953ء میں اُس وقت حل ہوا جب وراثت میں ڈی این اے کے کردار اور انسانی خلیوں کی زندگی کو باضابطہ بنانے میں مخصوص کیمیائی بندوبست کا انکشاف ہوا ۔ 1969ء میں انسان نے چاند پر پہنچ کر کائنات کو مسخر کرنے کے بارے میں صدیوں سے پنپنے والی انسانی سوچوں کو عملی رنگ دے دیا جبکہ 1971ء میں ایک حیاتیاتی نظام کی جینز کو دوسرے نظام کے جینز میں کاشت کرنے میں بائیوٹیکنالوجی ایک حقیقت بن کر اُبھری ۔تاہم معلومات کے سیلاب کے باوجود آج بھی وہی سوالات معمہ بنے

کی اجازت نہیں ہے۔ تحفظِ حیات کے اِسی تقدس کی وجہ سے اسلام کی نظر میں خودکشی انسانیت کی توہین ہے اور ممنوع ہے' جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے:۔

وَلَا تَقْتُلُوٓا أَنفُسَكُمْ إِنَّهُ' كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ٥ (اَلنساء : ۲۹)

''اور اپنی جانوں کو قتل مت کرو' بے شک اللہ تمہارے حق میں بڑا مہربان ہے۔'' (۴:۲۹)

أَنفُسَكُمْ کے معنی عموماً إِخْوَانَكُمْ یا مِنْ جِنسِكُمْ کئے گئے ہیں اور مراد یہ لی گئی ہے کہ ایک دوسرے کو قتل نہ کرو (تفسیر کبیر و ابن جریر و معالم التنزیل و مدارک) دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ خودکشی نہ کرو (تفسیر مدارک)

سورۃ المائدۃ میں قرآن مجید کسی کو قتل کرنے اور کسی کی جان بچانے کا فلسفہ ہمیں سمجھاتا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا (المائدۃ : ۳۲)

''جو کوئی کسی کو کسی جان کے (عوض) یا زمین پر فساد (کے عوض) کے بغیر مار ڈالے تو گویا اُس نے سارے آدمیوں کو مار ڈالا اور جس نے ایک کو بچا لیا تو گویا اُس نے سارے آدمیوں کو بچا لیا۔''

نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ یعنی وہ قتل بہ طور قصاص یا کسی قتل کے عوض میں ہو۔ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ یعنی وہ قتل کسی ایسے جرم کی پاداش میں ہو جس سے ملک میں بدامنی اور فساد کی بنیا پڑ رہی ہو اور نظامِ عالم پر اُس سے ضرب لگ رہی ہو مثلاً جرمِ رہزنی' جرمِ ارتداد' جرمِ حرامکاری وغیرہ (تفسیر ماجدی اردو' ص ۲۲۹)

''آیت پر یہ جو اِشکال پیدا ہوتا ہے کہ ایک فرد کا قاتل اور ساری نوع کا قاتل برابر کیسے ہو سکتے ہیں تو یہ لفظ فَكَأَنَّمَا پر غور کرنے سے جاتا رہتا ہے۔ یہ ارشاد ہرگز نہیں ہو رہا ہے کہ ایک کا قاتل اور سب کا قاتل قانون کی نظر میں یکساں ہو گا۔ قانون' عدالت' ضابطہ کی نظر میں دونوں کی مساوات کا یہاں مطلق ذکر نہیں۔ مقصود قاتل کی فطرت پر روشنی ڈالنا ہے۔ جو ظالم و فاجر ایک شخص کی بھی جان بلاوجہ اور بےقصور لے ڈالنے میں نہیں ہچکچاتا' اُس کی جسارت اور خبثِ نفس سے کیا بعید ہے کہ جو وہ پائے تو سارے انسانوں کو تہ تیغ کر کے رکھ دے۔۔ اصل شے تو اُس کی نظر میں قانونِ شریعت کی بے وقری اور اُس کی خلاف ورزی پر اُس کی دلیری ہے۔'' (تفسیر بیضاوی بحوالہ ماجدی) حدیثِ نبوی میں بھی یہ مضمون ایک جگہ آیا ہے کہ روئے زمین پر جو بھی قتلِ ناحق ہوتا ہے' اُس کے وبال کا ایک حصہ قابیل کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے کہ اِس جور و ستم کا بانیِ اوّل تو وہی ہے (صحیح بخاری : کتاب الانبیاء) ایک صحیح حدیث میں بھی یہ مضمون ایک عام قاعدہ و ضابطہ کی صورت میں آیا ہے: مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَعَمِلَ بِهَا كَانَ لَهُ' أَجْرُهَا وَمِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يُنْقَصُ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعَمِلَ بِهَا كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يُنْقَصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئًا (''جو کسی نیک کام کی بنیاد ڈالے اور اُس پر عمل بھی کرے' اُسے

اپنا اجر بھی ملتا ہے اور اُس کے بعد اُس پر تمام عمل کرنے والوں کا بھی' بغیر اس کے کہ اُن لوگوں کے اجر سے کچھ کم کیا جائے اور جو کوئی کسی رسمِ بد کی بنیاد ڈالے اور اُس پر عمل بھی کرے اُس پر اپنے کیئے کا بھی گناہ ہوتا ہے اور اُس کے بعد اُس پر دوسرے عمل کرنے والوں کا بھی' بغیر اس کے کہ اُن لوگوں کا گناہ کچھ ہلکا ہو۔'')

(۲) حقِ رہائش (Right of Housing): ہر شہری کو یہ حق مکمل طور پر حاصل ہے کہ وہ اپنے ملک کی کسی بھی حسبِ پسند جگہ میں رہائش رکھے اور کوئی اُسے اس حق سے محروم نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ حکومت بھی اپنے کسی شہری کو بغاوت یا حکومت سے غداری کے جرم کے سوا جلاوطن نہیں کر سکتی۔ کسی بھی جگہ شہری کے حقِ رہائش کی بابت قرآن فرماتا ہے:

وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ بُیُوْتِکُمْ سَکَنًا وَّ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُیُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا یَوْمَ ظَعْنِکُمْ وَیَوْمَ اِقَامَتِکُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَا اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰی حِیْنٍo (النّحل:۸۰)

''اور اللہ ہی نے تمہارے گھر وجہ سکون بنائے اور تمہارے لئے جانوروں کے کھال کے گھر بنائے جنہیں تم اپنے کوچ کے دن اور اپنے مقام کے دن ہلکا پاتے ہو اور اُن کی اون اور اُن کی رُوؤں اور اُن کے بالوں سے (تمہارے) گھر کا سامان اور ایک مُدت تک چلنے والی فائدے کی چیزیں بنائیں۔'' (۱۶:۸۰)

(۳) ذاتی ملکیت اور جائداد کا حق (اسلام بمقابلہ کیمونزم): سوشلزم (کیمونزم) کے برعکس اسلام اپنے تمام باشندوں کے لئے ذاتی جائداد رکھنے اور اُس پر ملکیت کے حق کو تسلیم کرتا ہے جیسا کہ جلد اوّل کے صفحہ نمبر ۱۴۴ پر دی گئی قرآنی آیات سے ثابت ہے۔

(۴) معاہدے اور سمجھوتے کی آزادی: کسی سے معاہدہ کرنے کا حق ذاتی ملکیت کو تسلیم کرنے کا قدرتی نتیجہ ہے۔ اگر کسی ملک کا رائج الوقت قانون اپنے شہریوں کے ذاتی ملکیت کے حق کو تسلیم کرتا ہے تو وہ اُنہیں خرید و فروخت اور جائداد کے تبادلے کا حق بھی دیتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ایسے معاملات معاہدے اور سمجھوتے کے بغیر قانوناً درست نہیں سمجھے جاتے۔ ایسے معاہدے متعلقہ فریقوں کی باہمی رضامندی سے منسوخ بھی ہو سکتے ہیں لیکن اگر کوئی فریق معاہدے کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو تو فریقِ ثانی کو نالش کرنے کا حق حاصل ہے۔ معاہدہ پختہ ہو جانے پر قرآن مجید اُس کی تکمیل کی ضرورت پر زور دیتا ہے۔ مثلاً فرمایا:

(i) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدۃ : ۱)

''اے ایمان والو! (اپنے) عہدوں کو پورا کیا کرو۔'' (۱ : ۵)

عبادات کے علاوہ جتنے عہد سیاسیات' تجارت' معاشرت' اخلاقیات' معاملات سے متعلق ہو سکتے ہیں سب اس میں آ گئے۔

(ii) اَلَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰہِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَo (الرّعد : ۲۰)

''جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے رہتے ہیں اور (اُس) پیمان کو نہیں توڑتے۔'' (۱۳:۲۰)

(iii) وَأَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ○ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُوْنَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُوْنَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبٰى مِنْ أُمَّةٍ (اَلنَّحل : ۹۱، ۹۲)

''اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب تم عہد کر چکے ہو اور قسموں کو بعد اُن کے استحکام کے مت توڑو جبکہ تم اللہ کو اُس پر گواہ بنا چکے ہو' بے شک اللہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے۔ اور تم اُس (عورت) کی طرح نہ ہو جانا جس نے اپنا سوت خوب مضبوطی سے بٹ چکنے کے بعد اُسے ریزہ ریزہ کر ڈالا کہ تم بھی اپنی قسموں کو باہمی فساد کا ذریعہ بنانے لگو اِس غرض سے کہ ایک دوسرے سے گروہ بڑھ جائے۔'' (۱۶: ۹۲ '۹۱)

''یعنی مثلاً کافروں کے دو گروہوں میں باہم مخالفت ہوئی اور تمہاری ایک فریق سے صلح ہے لیکن تم نے پلا دوسری طرف جھکتا ہوا دیکھا تو تمہیں بھی خیال آیا کہ اُس پہلے گروہ سے ٹوٹ کر اسی دوسرے کے ساتھ ہو لیا جائے۔ یہ صورت شریعت کی نظر میں سخت ناپسندیدہ اور ممنوع ہے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ کسی عہد یا عبادت کو اپنے اوپر لازم کرنے کے بعد اُسے پورا نہ کرنا سوت کات چکنے کے بعد اُسے تار تار کر دینا ہی ہے۔ فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ نفلی عبادت بھی شروع کر چکنے کے بعد اُسے مکمل کرنا واجب ہو جاتا ہے۔'' (ماجدی' ص ۵۶۸)

(iv) وَأَوْفُوْا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ○ (الاسراء : ۳۴)

''اور عہد کی پابندی رکھو' بے شک عہد کی باز پرس ہو گی۔'' (۱۷:۳۴)

اسلام نے ہر شعبہ حیات میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کو قائم رکھا ہے' یہاں تک کہ اگر مسلمانوں نے اپنے ذاتی یا سیاسی معاملات میں اپنے دشمنوں سے معاہدہ کیا ہے' تو اسلام نے اُنہیں عہد شکنی کی اور کسی بھی حالت میں دھوکہ دہی کی اجازت نہیں دی۔ ملاحظہ ہو قرآنی فرمودات:

(i) وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا وَإِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ (الانفال : ۷۲)

''اور جو لوگ ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی تو تمہارا اُن سے کوئی تعلق میراث کا نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ تم سے دین کے معاملہ میں مدد چاہیں تو تم پر مدد کرنا واجب ہے بجز اس کے کہ اُس قوم کے مقابلہ میں ہو جس کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو۔'' (۸:۷۲)

(ii) فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ (اَلتَّوبة : ۷)

''سو جب تک وہ لوگ تم سے سیدھے رہیں تم بھی اُن سے سیدھے رہو۔'' (۹:۷)

(۵) نکاح اور شادی کا حق: اسلام پاکیزگی کردار کا مذہب ہے اور اس میں زنا' ناجائز اور غیر قانونی تعلقات اور جنس مخالف کی باہم خفیہ ملاقاتوں کی کوئی گنجائش نہیں۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے:۔

فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ أَخْدَانٍ (اَلنِّسَاء : ۲۵)

"سواُنؑ کے مالکوں کی اجازت سے اُن سے نکاح کرلیا کرو اور اُن کے مہر بھلے طریق سے اُنہیں دے دیا کرو' اِس طرح کہ وہ قیدِ نکاح میں لائی جائیں نہ کہ مستی نکالنے والیاں ہوں اور نہ چوری چھپے آشنائی کرنے والیاں۔" (۴: ۲۵)

جنسی تسکین کے لئے اسلام نے کچھ جائز' معزز اور شریفانہ طریقے مقرر کئے ہیں۔ اُس نے اپنے ماننے والوں کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنی پسند کی کسی بھی عورت رمرد کو بطور رفیقۂ حیات ررفیقِ حیات ایسے طریقہ سے چُن لیں جو اسلامی ضابطۂ اخلاق کے مطابق ہو اور پھر بعد از اِزدواج اُن کے باہمی تعلقات کی بنیاد کامل وفاداری' باہمی تعاون اور ایک دوسرے کے ساتھ والہانہ وابستگی پر ہو۔ تعدّدِ ازواج (Polygamy) کی اجازت کچھ حالات کے تحت مشروط ہے اور مسلم معاشرے کے عائلی نظام میں محض ایک تحفظاتی دریچہ (Safety-valve) ہے جس کا مقصدِ وحید مسلمانوں کے اخلاقی کردار کو (شیطانی ترغیبات سے) محفوظ رکھنا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا :۔

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ((اَلنِّسَاء :۳)

"تو جو عورتیں تمہیں پسند ہوں اُن سے نکاح کرلو' دو دو سے یا تین تین سے یا چار چار سے۔" (۴:۳)

(۶) <u>کسبِ معاش کا حق</u> : ہر شہری اسلامی اقتصادیات کے ڈھانچے کے اندر رہتے ہوئے کوئی بھی پسندیدہ پیشہ اختیار کرنے یا کاروبار کرنے میں آزاد ہے۔ ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہوتے ہوئے الف اور ب کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں اور استعداد ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ اُن کا ذہانتی حاصل قسمت (Intelligent Quotient:I.Q.) ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے اور اسی وجہ سے قدرتی طور پر اُنہیں اپنی صلاحیت کے مطابق جو بھی پیشہ پسند ہو' اختیار کرنا چاہیے۔ قرآن مجید حکم دیتا ہے:۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ (اَلْجُمُعَة : ۱۰)

"پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور اللہ کی روزی تلاش کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔" (۶۲: ۱۰)

"اللہ کو بکثرت یاد کرنے" کا مطلب بیشتر وقت نمازیں پڑھنے میں گزارنے کا نہیں بلکہ اس کا مطلب اسلامی تعلیمات کے مطابق اخلاقی طور پر ذمہ دارزندگی گزارنے کا ہے جس میں جائز ذرائع سے کسبِ معاش ہو اور مال و دولت کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھا جائے جس کے صحیح خرچ کرنے کی اللہ کے حضور جواب طلبی ہونی ہے جیسا کہ اُس نے فرمایا: وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ (الحدید:۷) یعنی "جس مال میں اُس نے تمہیں دوسروں کا جانشین بنایا ہے' اُس میں سے خرچ کرو۔" (۵۷:۷) اس آیت میں صاف اشارہ ہے کہ یہ مال تم سے پہلے کسی اور کا

تھا اور تمہارے بعد کسی اور کا ہو جائے گا۔ تو یہ کون سی ایسی چیز ہے جس کا تم اتنا غم کر رہے ہو کہ اُسے اللہ کے حکم سے مال دینے والے کی راہ میں خرچ کرنے میں بخل کر رہے ہو۔ مالی جہاد کی ترغیب کا یہ طریقہ کتنا حکیمانہ و مصلحانہ ہے!

(۷) تعلیم کا حق: اسلامی ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی مملکت کے ہر فرد کے لئے مفت تعلیم مہیا کرے۔ نبیِ اکرم ﷺ پر نازل شدہ پہلی وحی نے تعلیم کی اہمیت اور قلم کے ذریعے تحصیلِ علم پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ (اَلْعَلَق : ۳ تا ۵)

''پڑھیے اور آپ کا پالنہار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی، جس نے انسان کو اُن چیزوں کی تعلیم دی جنہیں وہ نہیں جانتا تھا۔'' (۳ تا ۵ : ۹۶)

ایک جاہل اور ناخواندہ آدمی ممتاز وارفع (تعلیم یافتہ) کے معیار تک نہیں پہنچ پاتا۔ جس جاہل کا نقشہ قرآن مجید نے بہ ایں الفاظ کھینچا ہے:-

(i) أُولٰٓئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (الاعراف : ۱۷۹)

''یہ (جاہل) لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ اُن سے بھی بڑھ کر بے راہ ہیں۔'' (۱۷۹ : ۷)

(ii) اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (الانفال : ۲۲)

''اللہ کے نزدیک بدترین حیوانات وہ بہرے، گونگے ہیں جو عقل سے (ذرا) کام نہیں لیتے۔'' (۲۲ : ۸)

(iii) قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (اَلزُّمَر : ۹)

''(اے نبی!) فرما دیجئے کہ کیا علم والے اور بے علم کہیں برابر بھی ہوتے ہیں؟''

علاوہ ازیں کوئی بھی ملک وقت کے بدلتے ہوئے رُجحانات کے دوش بدوش اُس وقت تک نہیں چل سکتا جب تک اُس کے باشندے وقت کے تکنیکی علوم کی ضروری تعلیم سے آراستہ نہ ہوں۔

(۸) نقل و حرکت کی آزادی: کوئی بھی ریاست اپنے باشندوں کی نقل و حرکت پر پابندیاں لگانے کی مجاز نہیں اور نہ ہی اُسے کسی باشندے کو کسی جرم کے ارتکاب کے ٹھوس ثبوت کے بغیر گرفتار کرنے کا حق ہے۔ قرآنِ حکیم کے مطابق نبیِ اکرم ﷺ کے منصبی کام کا اوّلیں مقصد ''انسانیت پر سے وہ بوجھ اور قیود اُتارنا ہے جو اُن پر (اب تک) تھیں'' (سورۃ الاعراف: ۱۵۷)۔

نقل و حرکت کی مکمل آزادی کی بابت قرآنِ حکیم نے سُوْرَةُ الْمُلْك میں یوں بیان کیا:

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا (اَلْمُلْك : ۱۵)

''وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا، سو تم اُس کے راستوں میں چلو پھرو۔'' (۶۷:۱۵)

آزادی کا یہ منشور اِس حقیقت کے عین مطابق ہے کہ چونکہ انسان کو اللہ نے پیدا کیا ہے جو اُس کا رازق' محافظ اور منعمِ حقیقی ہے' لہٰذا انسان اپنے خالق کا تابع فرمان ہے' کسی اور کا نہیں ۔ یہ حقیقت قرآن میں یوں بیان ہوئی :

(i) وَأُمِرۡنَا لِنُسۡلِمَ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ (الانعام : ۷۱)

''اور ہمیں حکم ہوا ہے کہ (سارے) جہانوں کے پالنہار کے (پورے) مطیع ہو جائیں ۔'' (۶:۷۱)

(ii) قُلۡ أَغَيۡرَ اللّٰهِ أَبۡغِيۡ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيۡءٍ (الانعام : ۱۶۴)

''(اے نبی !) فرما دیجئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو بطور پروردگار تلاش کروں جبکہ ہر چیز کا وہی پروردگار ہے ۔'' (۶:۱۶۴) یعنی کوئی شعبہِ موجودات اُس کی ربوبیت سے خارج نہیں ۔

(iii) قُلۡ اِنَّمَا أُمِرۡتُ أَنۡ أَعۡبُدَ اللّٰهَ وَلَآ أُشۡرِكَ بِهٖ (اَلرَّعۡد : ۳۶)

"(اے نبی !) فرما دیجئے کہ مجھے تو بس اس کا حکم ملا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اُس کا شریک کسی کو نہ کروں ۔'' (۱۳:۳۶)

لوگوں کی آزادی کے اِسی قدرتی حق نے ہی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ اعلان کرایا تھا کہ :
''تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنا لیا ہے جبکہ اُن کی ماؤں نے اُنہیں آزاد جنا ہے؟''

تمام فقہائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ ایک بالغ' ذی ہوش اور آزاد شخص پر نقل و حرکت کی پابندی نہیں لگائی جا سکتی ۔ امام ابو حنیفہؒ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ایک بالغ' آزاد اور ذی ہوش شخص پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی اگر چہ وہ اپنے مال و دولت کو بے مقصد اور بغیر کسی فائدہ کے خرچ کر کے اپنے ہی مفاد کو مجروح کرے ۔ اس کی وجہ وہ یہ دیتے ہیں کہ اُسے نقل و حرکت اور آزادانہ انتخاب کے حق سے محروم کرنا انسانیت کی توہین اور اُس کے ساتھ جانور جیسا سلوک کرنے کے برابر ہے ۔ اس طرح کا اُسے زخم لگانا اُس زخم سے کہیں زیادہ ہو گا جو اُسے فضول خرچی کے جرم میں لگایا جائے ۔ چھوٹے نقصان سے بچنے کے لئے بڑا نقصان کیوں کیا جائے !'' (کتاب الفقہ ۔۔ عبدالرحمٰن الجزیری)

(۹) <u>سماجی انصاف (قانونی مساوات) کا حق</u>: مہذّب سماج میں باشندوں کا یہ بنیادی حق ہوتا ہے جو منصفانہ' حق و صداقت پر مبنی اور نفیس رویّے کو شامل ہے ۔ سماجی طور پر ریاست کے تمام باشندے قانون کی نظر میں قطع نظر اُن کے پیشہ' زبان' یا رنگ و نسل کے مساوی حیثیت کے حامل ہیں ۔ قرآنِ حکیم حاکم اور محکوم' بالا اور پست اور گورے اور کالے کے درمیان کوئی حدّ فاصل قائم نہیں کرتا ۔ قانون کی رَتھ کے پہیے خوش حال اور محروم القسمت کو جانتے تک نہیں ۔ ایک ملزم کو منصفانہ عدالتی کارروائی کا پورا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی حاصل ہے کہ اُسے غیر منصفانہ یا انسانیت سوز سزا یا پولیس کی بربریت سے تحفظ حاصل ہو ۔ اِس ضمن میں قرآنِ حکیم کے احکام ملاحظہ ہوں :

(i) يٰٓأَيُّهَا الَّذِيۡنَ آمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوۡ عَلٰٓى أَنۡفُسِكُمۡ أَوِ الۡوَالِدَيۡنِ وَالۡأَقۡرَبِيۡنَ اِنۡ يَّكُنۡ غَنِيًّا أَوۡ فَقِيۡرًا فَاللّٰهُ أَوۡلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الۡهَوٰٓى أَنۡ تَعۡدِلُوۡا وَاِنۡ تَلۡوٗٓا أَوۡ تُعۡرِضُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ۝ (اَلنِّسَاء : ۱۳۵)

''مؤمنو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو چاہے وہ تمہارے یا (تمہارے) والدین اور عزیزوں کے خلاف ہی ہو' وہ امیر ہو یا مفلس اللہ (بہرحال) دونوں سے زیادہ حق دار ہے' تو خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرنا کہ (حق سے) ہٹ جاؤ اور اگر تم ٹیڑھ پن کرو گے یا پہلوتہی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔'' (۴:۱۳۵)

(ii) يَأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى أَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ (اَلْمَائِدَة : ۸)

''مؤمنو! اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے (اور) عدل کے ساتھ شہادت دینے والے رہو اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم اُس کے ساتھ انصاف ہی نہ کرو' انصاف کرتے رہو کہ وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔''

(iii) وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ (اَلشُّوْرٰى : ۱۵)

''اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ (اپنے اور) تمہارے درمیان انصاف کروں۔'' (۴۲:۱۵)

سماجی مساوات کو جو سماجی انصاف کا تتمہ ہے' قرآن مجید اور سنتِ نبوی نے واضح طور پر قائم رکھا ہے۔ اسی سماجی نظام کی رُو سے عدل و انصاف' مساوات کے ہم معنی ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی اسلامی نظریہ انصاف کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''انصاف جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن اور تناسب ہے نہ کہ مساوات۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ حالات میں عدل و انصاف معاشرے کے تمام افراد کے درمیان مساوات کا مقتضی ہوتا ہے جیسا کہ شہریت کے حقوق میں مساوات۔ لیکن کچھ دیگر حالات میں مساوات انصاف کے بالکل الٹ ہو جاتی ہے مثلاً والدین اور اُن کی اولاد کے درمیان اخلاقی اور سماجی مساوات اور اونچے عُہدوں پر کام کرنے والوں اور اُن سے کمتر کام کرنے والوں کے معاوضوں میں مساوات۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حقوق میں مساوات کا حکم نہیں دیا بلکہ اُن میں تناسب و توازن قائم رکھنے کا حکم دیا ہے اور ایسا نظام اس بات کا مقتضی ہے کہ ہر شخص کو اُس کے اخلاقی' معاشرتی' اقتصادی' قانونی' سیاسی اور شہری حقوق دیانتداری سے ملنے چاہئیں۔'' (تفہیم القرآن' جلد دوئم' صفحہ ۵۶۵) ۱۹۶۵ء

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک فرد یا قوم کی روزمرہ زندگی میں عدمِ مساوات اور حقوق میں فرق کرنے کے مہیب نتائج کے بارے میں تنبیہ فرمائی ہے اور اسی طرح عدالتی فیصلوں کے بارے میں بھی تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

''تم سے پہلے قومیں گمراہ ہوئیں کیونکہ اُن کے اونچے درجے کے افراد جب چوری کے مرتکب ہوتے تو وہ سزا پانے میں آزاد کر دیئے جاتے لیکن جب کوئی کمتر آدمی چوری کرتا تو اُسے قانون کے حوالے کر دیا جاتا۔ بخدا! اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کی مرتکب ہو تو میں یقیناً اُس کے ہاتھ کاٹ دوں۔'' (صحیح بخاری' ج ۸)

(۱۰) سماجی تحفظ کا حق : چونکہ اسلامی ریاست بنیادی طور پر ایک فلاحی جمہوری ریاست ہوتی ہے' لہٰذا ضرورتمندوں' بیچاروں' بوڑھوں' اپاہجوں' یتیموں اور بیواؤں کی ضروریات پوری کرنا اس کا فرض ہوتا ہے۔ مناسب غذا' رہائش' لباس' علاج معالجہ اور تعلیم ہر شخص کی بنیادی ضروریات ہیں۔ ممکن ہے کہ وسائل کی کمی کے باعث اسلامی ریاست ہر کہ ومہ کی اِن ضروریات کو پورا نہ کر سکے۔ لہٰذا اِن حالات کے تحت ریاست کو ترجیحات کا ایک لائحہ عمل بنانا چاہیئے اور اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں نبی ﷺ کے کچھ فرمودات ہدیہ قارئین ہیں:۔

(i) ''مرحوم کے پسماندگان کی ضروریات پوری کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔'' (ابوداؤد' ج ۲' ص ۱۲۴)

(ii) ''حاکم وقت بیچارگان کا مددگار رہتا ہے۔'' (ایضاً' ج ۱' ص ۴۸۱)

(iii) ''وہ شخص جسے مسلمانوں کے معاملات کا منتظم بنایا گیا ہے لیکن وہ اُن کی ضروریات پوری کرنے میں مستعد نہیں ہے' تو اللہ تعالیٰ اُس کی بھی ضروریات پوری نہیں کرے گا۔'' (ترمذی' ج ۳' ص ۶۱۹)

اِنہی احکامات کی ترغیب وترہیب سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ وہ نہیں چاہتے کہ کسی ضرورتمند کی بنیادی ضروریات تشنۂ تکمیل رہیں۔

(۱۱) ظلم وتعدّی کے خلاف احتجاج کا حق: قانون کی نظر میں تمام لوگ برابر ہیں اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسروں کے حقوق کا استحصال کرے یا اُنہیں سلب کرے۔ قرآن مجید سماج کے تمام لوگوں کے درمیان خواہ وہ حاکم ہو یا محکوم' عدل وانصاف اور مساوات قائم کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس کی ہدایات بالکل واضح اور غیر مبہم ہیں:۔

(i) وَمَالَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّاوَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا٥ (أَلنِّسآء : ۷۵)

''اور تمہیں کیا (عذر) ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اُن لوگوں کے لئے جنگ نہیں کرتے جو مَردوں اور عورتوں اور لڑکوں میں سے کمزور ہیں جو یہ کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے باہر نکال جس کے باشندے سخت ظالم ہیں اور اپنی قدرت سے ہمارے لئے کوئی دوست پیدا کردے اور اپنی قدرت سے ہمارے لئے کوئی حمایتی کھڑا کردے۔'' (۴ : ۷۵)

(ii) لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (أَلنِّسآء : ۱۴۸)

''اللہ تعالیٰ منہ پھوڑ بُرائی کرنے کو (کسی کے لئے بھی) پسند نہیں کرتا سوائے مظلوم کے۔'' (۴:۱۴۸)

اسلام کے خلیفہِ اوّل نے منصبِ خلافت سنبھالنے پر جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا وہ سماجی انصاف قائم کرنے کی صحیح تصویر ہے کہ کسی شخص پر کسی قسم کا ظلم وتشدد اور جبر نہ کیا جائے۔ آپ نے فرمایا:

''اگر میں نبی اکرم ﷺ کے نقشِ قدم پر چلوں تو تم پر میری پیروی کرنا فرض ہوگا اور اگر میں صراطِ مستقیم سے ہٹ جاؤں تو تم پر میرا سیدھا کرنا لازمی ہوگا۔ تم میں سے کمزور ترین میرے نزدیک طاقتور ترین ہے جب تک میں اُسے اُس کے حقوق نہ دلا دوں۔ تم میں سے طاقتور ترین میرے نزدیک کمزور ترین ہے جب تک میں اُس سے غصب شدہ حقوق لے کر مظلوم تک نہ پہنچا دوں اور اس طرح اُسے سیدھا نہ کر دوں۔''

(۱۲) انجمن سازی اور اجتماعات کا حق : سماجی اجتماعات اور انجمنیں کسی ریاست کے باشندوں کی آزادی کی شرطِ اوّل ہیں۔ قرآن مجید ایسے اجتماعات پر ناجائز پابندیاں لگانے کے حق میں نہیں ہے بلکہ وہ تو اُن کی حوصلہ افزائی کرتا ہے تاکہ اُن میں مثبت نصب العین پروان چڑھیں جو ایک فلاحی سماج کے حصول میں معاون اور سازگار ہوتے ہیں۔ روزانہ پنجگانہ نمازیں اور نمازِ جمعہ و عیدین کے اجتماعات' اور مکہ مکرّمہ میں سالانہ حج کا اجتماع اِس حقیقت کی روشن مثالیں ہیں۔ ذیل کی قرآنی آیت میں اجتماعات کا اشارہ ہے جس میں قرآن مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْٓا إِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ وَإِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا (اَلْمُجَادلة: ۱۱)

''اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کھول دو تو جگہ کھول دیا کرو' اللہ تمہیں کھلی جگہ دے گا اور جب کہا جائے کہ اُٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ کھڑے ہوا کرو۔'' (۵۸:۱۱)

نبی مکرّم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا:

''مسلمان جب بھی اور جس جگہ بھی اللہ کی یاد کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں تو رحمت کے فرشتے اُنہیں ڈھانپ لیتے ہیں۔''

(۱۳) عزت اور نیک نامی کا حق : اسلام میں کسی کو بدکرداری کا الزام دینا جائز نہیں ہے۔ الزام تراشی کے لئے ''قذف'' کی اصطلاح مستعمل ہے جس کا لفظی معنی کسی چیز کو پھینکنا ہے۔ عام طور پر اس لفظ کو کسی شخص پر پتھر پھینکنے کے مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ''حدود آرڈیننس کے نفاذ'' میں بیان کیا گیا ہے کہ :

''جو کوئی الفاظ کے ذریعے خواہ وہ بولے گئے ہوں یا پڑھے جانے کے مقصد سے ہوں یا اشاروں سے ہوں یا واضح نمائندگی کرتے ہوں' کسی پر زنا کا بہتان لگاتا ہے یا اسے مشتہر کرتا ہے اور اُس کا مقصد اُس شخص کو نقصان پہنچانا ہوتا ہے یا اُسے معلوم ہے کہ ایسا بہتان اُس کی نیک نامی کو نقصان پہنچائے گا یا اُس کے جذبات کو مجروح کرے گا' تو ایسا شخص الزام تراشی (قذف) کا مرتکب ہوا ہے۔''

قرآن مجید نے ایسے شخص کے لئے سورۃ النور کی آیت ۴ میں اَسّی کوڑوں کی سزا مقرر کی ہے۔

قرآن مجید سورۃ النور کی آیت ۲۳ میں الزام تراشوں کو دونوں جہانوں میں شدید عذاب کی وعید سناتا ہے۔

(۱۳) ثقافت کا حق: نبی مکرم ﷺ کی سنتِ مبارکہ جسے عام طور پر "اُسوہ حسنہ" (سورۃ الاحزاب: ۲۱) کہا جاتا ہے' کی بنیاد پر اسلام نے ہمیں ایک مخصوص ثقافت عطا کی ہے جو دوسری قوموں اور مذاہب کی ثقافتوں سے بالکل جداگانہ ہے۔ اُمتِ مسلمہ کو اُس اُسوہ حسنہ کو نہ صرف اختیار کرنے اور محفوظ کرنے کا مکلف بنایا گیا ہے بلکہ بنی نوعِ انسان میں اس کی وسیع تشہیر کرنے کا بھی مکلف ٹھہرایا گیا ہے تاکہ جہاں ایک طرف نبی آخرالزماں ﷺ کی عظمتِ شان ثابت ہو تو دوسری طرف ابنائے آدم کو اُس مثالی کردار کی طرف لایا جائے جس پر انسانیت بجاطور پر نازاں و مفتخر ہے۔ مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے قرآن حکیم معاملے کی اہمیت کو یوں بیان کرتا ہے:۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (آل عمران : ۱۰۱)

"اور تم کیونکر کفر کر سکتے ہو درآنحالیکہ تمہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تمہارے درمیان اُس کا رسول موجود ہے اور جو کوئی اللہ کو مضبوط پکڑتا ہے تو وہ ضرور سیدھی راہ کی طرف ہدایت کیا جاتا ہے۔"

اور یہ صراطِ مستقیم بلا شک وشبہ پیغمبر کریم ﷺ کا راستہ ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ میں یہ حقیقت مستحکم ہو جاتی ہے:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ (الانعام : ۱۵۳)

"اور (یہ بھی فرما دیجئے) کہ یہی میری سیدھی شاہراہ ہے سو اِسی پر چلو اور (دوسری) راہوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں (اللہ کی) راہ سے جدا کر دیں گی۔"* (۶:۱۵۳)

اِس حقیقت کے باوجود کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے حبیب علیہ السلام کی (خداداد) ثقافت وتہذیب پسند ہے' ہر قوم وملت کو اپنی اپنی ثقافت کے اپنانے کی مکمل آزادی دی گئی ہے اور کسی قسم کے جبر یا تشدد کو روا نہیں رکھا گیا۔

(۱۴) خط وکتابت کا حق: رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ خط وکتابت ہر مسلم وغیر مسلم باشندے کا فطری حق ہے۔ مسلمان کو غیر مسلم کے ساتھ بھی خط وکتابت کی اجازت ہے تاکہ اُسے اسلام کی طرف مائل کیا جا سکے۔ اس کا ثبوت حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملکِ سبا کی مشرکہ ملکہ کو خط بھیجنے میں ہے جس میں آپ نے اُسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کے لئے ہُدہُد پرندے کے ذریعے لکھا تھا:۔

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِىْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ۝ (اَلنَّمل : ۲۸)

* "وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ میں اس مغالطہ پر وَر خیال کا رد ہو گیا کہ ہر مذہب اپنی اپنی جگہ سچا ہے اور اسلام بھی اُنہی مذہبوں جیسا ہے۔ یہ غلط' بے محل اور غیر فطری رواداری مشرکوں ہی کو مبارک رہے۔ اسلام ایسی خطرناک' فساد انگیز مصالحت پسندی سے بیزار ہے۔" (تفسیر ماجدی اردو' صفحہ ۳۲۰)

ہوئے ہیں جو قدیم یونانی فلسفی ارسطو (384 تا 322 ق م) نے تقریباً 2500 سال پہلے کئے تھے' مثلاً یہ سوال کہ آیا کائنات ایک بڑی اور منظم قسم کی مشین ہے جو کسی خاص نظام کے تحت چل رہی ہے یا محض ایک حادثے کی پیداوار ہے اور وہ حقیقی وجود بھی رکھتی ہے یا وہ محض کسی کا وہم ہے؟'' (''قرآن کے جدید سائنسی انکشافات''۔ ڈاکٹر فضل کریم' ص ص ۲۵۔۱۸)

''بیالوجی سے متعلق ماہرین کی طرف سے یہ سوال بھی سامنے آیا کہ بے جان اور جاندار مادّے میں آخر کیا فرق ہے؟ حدِّ فاصل کہاں کھینچی جاسکتی ہے؟ غیر نامیاتی مادہ (Inorganic Matter) کس لمحے ایک نامیاتی عنصر (Organic element) میں تبدیل ہو کر خود مختار شکل اختیار کر لیتا ہے اور گردوپیش کے ماحول پر اثر انداز ہو کر اُس کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے؟ جاندار اور بے جان مادّے کے فرق پر کئی سوالات منظرِ عام پر آئے ہیں لیکن زور اس بات پر دیا گیا ہے کہ کیا جاندار اور بے جان مادّے کے فرق کو ریاضی کے فارمولوں میں پیش کیا جاسکتا ہے مثلاً انسان جانتا ہے کہ سولہ کا جذر چار ہے لیکن بندر یہ نہیں جانتا اور نہ ہی جان سکتا ہے جبکہ دونوں کے دماغ کی ساخت میں صرف فرق یہ ہے کہ انسانی دماغ کے اگلے حصّے میں چند اونس مادہ زیادہ ہوتا ہے تو کیا یہی چند اونس انسان کو انسان بنا دیتے ہیں اور اُس میں جمع' تفریق' ضرب اور تقسیم کی حسابی صلاحیت پیدا کر دیتے ہیں جو بندر میں نہیں۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ آج کے بڑے بڑے سائنسدانوں کے ذہن میں یہی بنیادی سوالات گردش کر رہے ہیں مگر ابھی ان سوالات کا جواب نہیں دیا جاسکا۔'' (ایضاً ص ص ۲۵'۲۶)

''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ہم سائنسی حقائق کو اپنے مذہب اسلام کی تصدیق و توضیح کے لئے کیوں بیان کرتے ہیں؟ ماضی خصوصاً بیسویں صدی میں بھی اس کی ضرورت محسوس کرتے تھے اور اب اکیسویں صدی میں بھی محسوس کر رہے ہیں۔ قرآنِ حکیم کا دفاع جدید سائنس سے کیوں کرتے ہیں؟ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مذہب سے بیزار اور مادّہ پرست لوگوں نے شاید مصمم ارادہ کر رکھا ہے کہ وہ ماسوائے سائنسی حقائق کے اور کسی چیز کو قبول نہیں کریں گے۔ لوگوں کو مذہب سے دُور کرنے کے لئے سائنس کو ایک مؤثر ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے اور وہ اپنی ''فکر'' کے پرچار کے لئے سائنس کو باوقار سمجھتے ہیں۔ ایسے نام نہاد ''ترقی پسند'' منکرینِ الٰہی نے سائنس کو ذریعہ بنا کر ایک بڑی تعداد میں لوگوں کے ذہنوں اور بالخصوص آج کے نوجوان ذہنوں کو مذہب کے خلاف کجی پیدا کرنے کے علاوہ اُن کے ذہنوں کو پراگندہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ لہٰذا انہی لوگوں کا سائنسی ہتھیار یعنی دلائل اور مواد کو استعمال کرتے ہوئے ہمیں دکھانا ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی مذہب کے راستے میں کبھی حائل نہیں ہوئی۔''

''دنیا کے مشہور مادہ پرستوں نے مادّہ کو ہی حقیقت سمجھ لیا اور گمراہ ہو گئے۔ ہمیں ان خیالات کا جائزہ لے کر لوگوں کو راہِ مستقیم کی طرف گامزن کرنا اور جدید سائنس کا ہتھیار استعمال کرتے ہوئے مادّہ پرست لوگوں اور الحادی قوتوں کے خلاف جہاد کرنا ہے۔ ایک امریکی مادہ پرست پروفیسر آف سائیکالوجی نے مذہب کے بارے میں جو کچھ کہا ہے' وہ اُس کے الحادی ذہن کی عکاسی کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

''تو میرا یہ خط لے جا اور اسے اُس (ملکہ) کے پاس ڈال دینا پھر اُن کے پاس سے ذرا ہٹ جانا پھر دیکھنا آپس میں وہ کیا سوال جواب کرتے ہیں۔'' (۲۸ : ۲۷)

''پھر پرے کو ہٹ جانے کا جو حکم دیا گیا اُس میں تہذیب اور ادبِ مجلسِ ملوک کی تعلیم ہے۔ لیکن یہ مقصود بھی ہو سکتا ہے کہ غیر ملک کے سفیر کے بالکل سامنے وہ لوگ آزادی سے بات چیت نہ کر سکیں گے۔'' (تفسیر ماجدی اردو' ص ۷۶۷)

(۱۵) <u>حقوقِ نسواں</u>: اسلام سے بیگانہ ہر دَور میں جنسِ لطیف اپنی جسمانی اور دماغی کمزوریوں کی وجہ سے محروم القسمت اور جبر و تشدد کا نشانہ بنی رہی ہے جبکہ اسلام خواتین کو عزت و وقار دیتا ہے اور اُنہیں ہر طرح کا تحفظ فراہم کرتا ہے۔ خواتین کی عزت و آبرو کی حفاظت کرنا اسلامی ریاست کا اہم فرض ہے۔ اسلام نے وراثت میں عورت کا حصّہ مقرر کر کے اسے معاشی و معاشرتی طور پر اونچے مقام پر پہنچا دیا ہے اور اس طرح اُس کے حقوق کو تحفظ فراہم کر دیا ہے۔

نبیِ مکرّم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطبہ حجۃ الوداع میں عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے بارے میں جو کچھ فرمایا' وہ اُن لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے جو عورت کے حقوق کا استحصال کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

''اپنی عورتوں کے حقوق کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ اُن کے تم پر اُسی طرح کے حقوق ہیں جس طرح کہ تمہارے حقوق اُن پر ہیں۔ اُنہیں اُسی طرح کا کھلاؤ جس طرح کا تم خود کھاتے ہو اور اُنہیں اُسی طرح کا پہناؤ جس طرح کا تم خود پہنتے ہو۔ <u>تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے اہل کے ساتھ اچھا ہے</u> اور میں تم سب سے بڑھ کر اپنے اہل کے ساتھ اچھا ہوں۔''

اوپر کا خط کشیدہ جملہ دراصل قرآنِ حکیم کے اُس فرمودہ کا صحیح آئینہ دار ہے جس میں حکم دیا گیا:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (اَلنِّساء : ۱۹)

''اور بیویوں کے ساتھ خوش اُسلوبی سے گزر بسر کیا کرو۔'' (۴:۱۹)

حُسنِ معاشرت کا یہ بنیادی' مرکزی اور کلیدی حکم سہاگنوں' بیواؤں' طلاقنوں سب کے معاملہ میں واجب العمل ہے اور یہ ہدایت اُس مذہب کی ہے جو کتنے ہی کور چشم مسیحیوں' آریوں وغیرہ کے نزدیک عورت کے حق میں (العیاذ باللہ) ظالمانہ ہے۔

شریعتِ اسلامی میں مرد و عورت دونوں کے برابر کے حقوق و فرائض ہیں جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲۸ میں ارشاد ہوا۔ اِسی سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۸۷ میں خاوند اور بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کہہ کر کوزے میں دریا کو بند کر دیا گیا ہے۔ ذرا تفصیل اس اِجمال کی ملاحظہ ہو:۔

(i) میاں بیوی کا باہمی قرب واتصال ایسا ہی ہے جیسے جسم اور لباس کا۔

(ii) دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے جیسے لباس اور جسم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

(iii) دونوں ایک دوسرے کے اسی طرح محتاج ہیں جیسے انسان لباس کا محتاج ہے۔

(iv) دونوں ایک دوسرے کے لئے ایسے ہی موجب تسکین ہیں جیسے لباس انسان کے لئے ہے۔

(v) لباس جسم کے حسن وخوبی کو ابھارتا ہے۔ میاں بیوی کو بھی ایک دوسرے کی زینت کو بڑھانے والا ہونا چاہئے۔

(vi) بوقتِ جماع دونوں ایک دوسرے سے یوں ملتے ہیں جیسے جسم سے لباس ملتا ہے۔

(vii) نکاح کی وجہ سے میاں بیوی لوگوں کے طعنوں اور الزام تراشیوں سے ایسے محفوظ ہو گئے جیسے لباس کی وجہ سے جسم موسمی اثرات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

(viii) انسان کے حق میں لباس کا ایک وصفِ امتیازی اُس کی پردہ پوشی ہے جس طرح لباس جسم کے عیوب کو چھپاتا ہے۔ تشبیہ سے خاص اشارہ اِسی وصف کی جانب معلوم ہوتا ہے۔ گویا ہر اسلامی خاندان میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کا پردہ پوش ہونا چاہئے۔ میاں بیوی کے درمیان جو انتہائی گہرا رشتہ ہوتا ہے' اُس کی بنا پر ظاہر ہے کہ جتنا موقع ایک کو دوسرے کے جسمانی' اَخلاقی' روحانی عیبوں اور کمزوریوں پر مطلع ہونے کا ملتا ہے اُتنا نہ کسی دوست کو مل سکتا ہے نہ کسی عزیز کو اور نہ ایک کا کوئی راز دوسرے سے چھپا رہ سکتا ہے۔ اس صورت میں عورت کے اخلاق کا کمال یہی ہے کہ شوہر کی ہر کمزوری کو چھپائے' اُس پر صبر کرے اور اُسے بہتر سے بہتر صورت میں ظاہر کرے۔ اسی طرح مرد کے کمالِ اخلاق کی یہی معراج ہے! ۔۔۔۔ دونوں کی اخلاقی تکمیل کا یہ مؤثر ترین نسخہ اسلام نے باتوں باتوں میں بغیر کسی شدید اور پُر تعب مجاہدہ میں ڈالے ہوئے روزمرّہ کے لطیف وآسان مجاہدات کے ذریعے بتا دیا۔ یہ اُس مذہب کی تعلیم ہے جو فرنگی محققین کی نظر میں پست اس لئے ہے کہ اُس میں عورت کی تحقیر کی گئی! ع کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہوگیا۔ اس سے بڑھ کر کونسا سخت جھوٹ ہوگا اور اس سے بڑھ کر صریح کونسا اتہام ہوگا؟ منوسمرتی والے ہندو مذہب کا ذکر نہیں' عہدِ عتیق وجدید والے یہودی ونصرانی مذہبوں سے سوال ہے کہ اُن کے سارے دفترِ کتب واسفار میں زن وشو کے باہمی تعلق' محبت واعتماد کے باب میں کون سی تعلیم اس درجہ کی ہے؟'' (تفسیر ماجدی اردو' ص ۷۱)

(ب) معاشی حقوق : قرآنِ حکیم نے ہر شہری کے معاشی حقوق بھی متعین کر دیئے ہیں۔ مثلاً :

کام پر مناسب اُجرت کا حق : قرآن مجید مزدور کو پورا حق دیتا ہے کہ وہ آجر سے اپنی خدمت کے عوضانے میں اپنی مزدوری وصول کرے۔ جہاں مزدور کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ اپنا تفویض شدہ کام پوری مستعدی' سرگرمی اور دیانتداری سے کرے' وہاں آجر کو بھی نصیحت کی گئی ہے کہ وہ مزدور پر ناجائز بوجھ نہ ڈالے اور مزدور کا حق پورا پورا ادا کر دے۔ اس کی عملی مثال ہم حضرات شعیب اور موسیٰ علیہما السلام کے مابین اُس باہمی مکالمے میں پاتے ہیں جس میں حضرت شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے اُنہیں اجرت پر رکھنے کے موقع پر فرمایا تھا:

وَمَا أُرِيْدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ (اَلْقَصَص : ۲۷) یعنی ''میں تم پر کوئی سختی کرنا نہیں چاہتا۔'' (۲۸:۲۷)

آیت مذکورہ وسیع المعنی ہے کہ (۱) اس سے محنت کش کے اوقاتِ کار کا بھی پتہ چلتا ہے کہ کسی محنت کش کو اوقات کے بعد کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ یہ اُس پر سختی کرنا ہوگا جس کی آیت نے نفی کی ہے۔ (۲) محنت کش کی مناسب اجرت بھی اسی سے مستفاد ہوتی ہے کہ جس سے کوئی مالی پریشانی جھیلے بغیر وہ باعزت اور پُرسکون زندگی گزار سکے۔

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''مزدور کو اُس کی مزدوری اُس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دیا کرو۔''

(ج) مذہبی حقوق : قرآنِ حکیم کے مندرجہ ذیل فرمودہ کی تعمیل میں اسلامی ریاست کے اندر رہتے ہوئے غیر مسلموں کو بھی مسلمانوں کی طرح اپنے عقیدہ و مذہب اور پرستش کی مکمل آزادی حاصل ہوتی ہے۔
(تفصیل کے لئے دیکھئے تھامس آرنلڈ کی کتاب "The Preaching of Islam") قرآن فرماتا ہے:

(i) لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرة : ۲۵۶) ''دین میں کوئی زبردستی نہیں۔'' **

(ii) إِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ إِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ''o (حٰمٓ السَّجدة : ۴۰)
''جو جی چاہے کرلو وہ تمہارا کیا ہوا سب کچھ دیکھ رہا ہے۔'' (۴۰ : ۴۱)

قرآن مجید نے مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ وہ کفار کے جھوٹے خداؤں کو بُرا نہ کہیں۔ مبادا وہ خدائے برحق کی شان میں کوئی گستاخی کر بیٹھیں (سورۃ الانعام : ۱۰۸) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے غیر مسلموں کی عبادت گاہ میں نماز کی ادائیگی سے اسی لئے گریز کیا کہ اس طرح بعد میں آنے والے اَدوار میں مسلمان اُن کی عبادت گاہوں کو اپنے تصرّف میں ہی نہ لے آئیں۔ ("The Preaching of Islam" ... T.W. Arnold)

تاہم اگر کوئی مسلم ارتداد جیسے جرم کا مرتکب ہوتا ہے اور اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب اختیار کرتا ہے' تو اسلام اُسے اُس کی زندگی کے حق سے محروم کر دیتا ہے کیونکہ اُس کا مرتد ہونا لوگوں میں اسلام کے خلاف بدظنی پھیلا سکتا ہے۔ [''کتاب الفقہ'' (اردو ترجمہ)۔۔۔عبدالرحمٰن الجزیری، جلد پنجم' صفحہ ۸۰۶]

(د) سیاسی حقوق : جمہوری رُوح اور شہریوں میں ملکی معاملات میں حصہ داری کے احساس کو برقرار رکھنے کے لئے شہریوں کو سیاسی حقوق کا ملنا ناگزیر ہے تاکہ حکومت صحیح نہج پر چل سکے۔ سیاسی حقوق پر ریاست کے باشندوں کا جائز اور قانونی حق بنتا ہے جبکہ شہری حقوق غیر ملکیوں کو بھی دئے جاتے ہیں۔ وہ سیاسی حقوق یہ ہیں:۔

(۱) رائے اور تنقید کی آزادی: عوام کی رائے کو اسلام میں بڑا احترام دیا گیا ہے۔ اگر قلم اور گفتار پر پابندیاں عائد کردی جائیں تو اُس ریاست کے باشندے ریاستی معاملات میں بتدریج ابتری کا شکار ہوجاتے ہیں اور

** کم فہموں نے جزیہ کو اسلام میں جبر کی اصل سمجھا ہے حالانکہ اگر غور کریں تو معلوم ہو کہ جزیہ کی مشروعیت خود اس کی دلیل ہے کہ مقصودِ اصلی قانونِ اسلام اور حکومتِ اسلام کو غالب رکھنا ہے نہ کہ فرداً فرداً ہر کافر کو جبراً مسلمان بنانا (ایضاً صفحہ ۱۰۷)

اُن کی فکری صلاحیتیں بے حس ہو جاتی ہیں ۔ بندگانِ خدا کی متعدد خصوصیات کو گنواتے ہوئے قرآن مجید اُن کی باہمی مشاورت کا بالخصوص ذکر کرتا ہے:

وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ (اَلشُّوریٰ : ۳۸)

''اور اُن کے معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں ۔'' (۴۲:۳۸)

باہمی مشورہ کی اہمیت اِسی سے ظاہر ہے کہ اس کا ذکر نماز و زکٰوۃ کے ساتھ کیا گیا ہے ۔ اجتماعی صورت میں اس حکم کی تعمیل کی صورت یہ ہے کہ حکومت' حکومتِ شوریٰ ہو ۔ لیکن یہ یاد رہے کہ مشورہ صرف اُنہی امور میں پسندیدہ ہے جو بجائے خود قابلِ مشورہ ہوں بھی اور جو چیزیں احکامِ قطعی میں داخل ہیں مثلاً نماز پنجگانہ' رمضان کے روزے وغیرہ تو اُن میں مشورہ نہیں ۔ اسلام میں بیعت کا تصوّر ووٹ دینے کے مساوی ہے ۔

اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام معاملات اور مہمات میں اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت حاصل تھی تاہم اُنہیں بھی مختلف معاملات میں اپنے صحابہ سے مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا ۔ شارحین اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کا یہ عمل (۱) صحابہ کی حوصلہ افزائی کے لئے تھا (۲) اس عمل کو دنیا کے لئے بالعموم اور مسلم اُمّہ کے لئے بالخصوص اپنی سنت اور مثال بنانا تھا ۔ لیکن رائے اور تنقید کی اس آزادی کا اطلاق اللہ اور اُس کے رسول کے فیصلوں پر نہیں ہوگا اور ہمیں اُن فیصلوں کو بہ دل و جان تسلیم کرنا ہوگا ۔ اس ضمن میں قرآنی حکم بالکل واضح اور عیاں ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤۡمِنٍ وَّلَا مُؤۡمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗۤ اَمۡرًا اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهُمُ الۡخِيَرَةُ مِنۡ اَمۡرِهِمۡ (الاحزاب : ۳۶)

''اور کسی مؤمن یا مؤمنہ کے لئے یہ درست نہیں کہ جب اللہ اور اُس کا رسول کسی امر کا حکم دیں تو پھر اُنہیں اپنے (اُس) امر میں کوئی اختیار باقی رہ جائے ۔'' (۳۳ : ۳۶)

خلفائے راشدین اور اُن کے جانشینوں کی طرف سے کئے گئے فیصلوں پر تنقید کی کئی مثالیں موجود ہیں لیکن اُن خلفاء نے نقادوں کے خلاف کوئی کینہ اور عداوت نہ رکھی اور نقاد کو سزا دینے کے متعلق سوچا تک نہیں ۔ بلکہ اُنہوں نے اُس مثبت تنقید کی روشنی میں اپنی اصلاح کر لی ۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کے مہر کو کسی حد تک کم کرنا چاہا ۔ ایک عورت نے اس پر یہ کہتے ہوئے اعتراض کیا: ''عمر! تم مہر کو کم کیسے کر سکتے ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے اُسے ہم عورتوں کو فیاضانہ طور پر دیا ہے'' (بحوالہ سورۃ النساء : ۲۰) ۔ خلیفہء وقت نے فوراً اپنی غلطی کا احساس کیا اور اُس عورت کا شکریہ ادا کیا کہ اُس نے اُسے صحیح راہ پر لگا دیا ہے ۔

(۲) رائے دہی (ووٹنگ) اور نمائندگی کا حق : اسلام کی روح جمہوریت کے زیادہ قریب ہے اور کسی اور طرزِ حکومت کے قریب نہیں ۔ لہٰذا اسلامی حکومت اپنے شہریوں کو رائے دہی اور نمائندگی کا حق دیتی ہے ۔

باہمی مشاورت جمہوریت کی ہڈی کا مغز ہے۔ملی مسائل میں شہریوں کو حقِ رائے زنی میں شامل کرنا' اُن سے ووٹ کا حق سلب نہ کرنا اور شورائی نظام کا مکمل نفاذ اسلامی نظامِ جمہوریت کا طغرائے امتیاز ہے۔چنانچہ نبی اکرم ﷺ کو اپنے صحابہ سے مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا :

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (آلِ عمران : ۱۵۹)

''اور معاملات میں اُن سے مشورہ لیتے رہئے۔''(۳:۱۵۹)

رائے عامہ (Public Opinion) کی اہمیت : (۱) رائے عامہ حکومت کو من مانی نہیں کرنے دیتی کیونکہ حکمران طبقہ عوام کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے۔(۲) رائے عامہ کی حکمرانی' مضبوط اور مستحکم حکومت کی ضامن ہوتی ہے۔(۳) رائے عامہ سے بنائے گئے قوانین کو عوام بہ خوشی تسلیم کرتے ہوئے اُن کی اطاعت کرتے ہیں۔(۴) رائے عامہ کی بالادستی عوام کی فلاح و بہبود اور خوشحالی کی ضمانت ہے۔(۵) بین الاقوامی طور پر ایسی حکومت کو بہ نظرِ تحسین وعزت دیکھا جاتا ہے جہاں رائے عامہ کی بالادستی ہو۔

(۳) سرکاری عہدوں اور مناصب پر تقرری کا حق : سرکاری عہدوں اور منصبوں پر معاشرہ کے کسی گروہ کی کوئی اجارہ داری نہیں ہوتی۔قرآنِ حکیم کی نظر میں یہ عہدے اور منصب قومی امانت ہیں جو میرٹ کی بنیاد پر اہل اور مستحق باشندوں کو تفویض کئے جانے چاہئیں۔چنانچہ سورۃ النساء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (اَلنساء : ۵۸)

''اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اُن کے اہل کو ادا کرو۔''(۴:۵۸)

اِس ضمن میں نبی آخر الزماں ﷺ نے فرمایا کہ'' قربِ قیامت کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ حکومتی عہدے اور منصب نااہل اور غیر مستحق افراد کو تفویض کئے جائیں گے۔''

(۴) عدالتی کارروائی کا حق : اگر کوئی شہری ظلم وتعدی اور جبر وتشدد کا شکار ہو تو اسلام اُسے اس بات کا حق دیتا ہے کہ وہ قانون کا دروازہ کھٹکھٹائے اور بااختیار عدالت کے ذریعے اپنی شکایت کا مداوا کرے۔عدالت کو کسی ٹھوس وجہ کے بغیر اس کی اپیل کو التوا میں ڈالنے یا پسِ پشت ڈالنے کا کوئی اختیار نہیں۔عدالت اُس کی اپیل کی مکمل سماعت کرے گی۔درخواست دہندہ سے انصاف کیا جائے گا اور بے ضابطگی کا مرتکب سزا سے بچ نہیں سکے گا۔چنانچہ قرآنِ حکیم نے مظلوم کے ساتھ منصفانہ رویے کو بہ ایں الفاظ بیان کیا :

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ (اَلشُّورٰی : ۳۹)

''اور وہ ایسے ہیں کہ جب اُن پر ظلم کیا جاتا ہے تو وہ (برابر کا) بدلہ لے لیتے ہیں۔''(۴۲:۳۹)

(۵) سیاسی پناہ (Asylum) لینے کا حق: ارشادِ باری تعالیٰ ہوا :

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ (التوبۃ:٦)

''اور اگر مشرکین میں سے کوئی آپ سے پناہ کا طالب ہو تو اُسے پناہ دیجئے تا کہ وہ کلامِ الٰہی سن سکے پھر اُسے اُس کی امن کی جگہ پہنچا دیجئے۔'' (۹ : ۶)

علامہ ابو عبداللہ قرطبی (م ۶۶۸ھ) لکھتے ہیں: ''جس مشرک نے دین کو سمجھنے کے لئے مسلمانوں کے ملک میں داخل ہونے کی اجازت اور امان طلب کی ہو' اُس کے جواز میں سب کا اتفاق ہے لیکن جن مشرک نے تجارت یا کسی اور دنیاوی غرض سے مسلمانوں کے ملک میں داخلے کی اجازت طلب کی ہو تو اگر مسلمان حکمران یہ سمجھے کہ اس میں مسلمانوں کی مصلحت اور منفعت ہے تو یہ جائز ہے۔'' (الجامع لاحکام القرآن' ج ۸' ص ۱۵' بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام محمد بن حسن الشیبانی (م ۱۸۹ھ) لکھتے ہیں: ''قاعدہ یہ ہے کہ جب تک ہمارے ملک میں امان حاصل کرنے والے کافر رہیں' مسلمانوں کے امیر پر اُن کی نصرت کرنا واجب ہے اور اُس پر واجب ہے کہ اگر کوئی شخص اُن پر ظلم کرے تو اُسے انصاف مہیا کرے جس طرح مسلمانوں پر اہلِ ذمہ کے حق میں یہ واجب ہے۔''

(۶) سیاسی جماعت بنانے کا حق : جیسا کہ بیان ہوا اسلام کے نظامِ سیاست کی بنیاد باہمی مشاورت ہے اور مجلسِ شوریٰ اُس نظام کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ سربراہِ مملکت مادر پدر آزاد اور شترِ بے مہار کی طرح نہیں ہوتا کہ جو چاہے کر گزرے۔ وہ اپنی کارگزاریوں کے لئے اپنی رعایا اور مجلسِ شوریٰ کے آگے جوابدہ ہوتا ہے جس کے افراد کو عوام نے منتخب کر کے آگے بھیجا ہوتا ہے۔ ہر سیاسی اور ہنگامی معاملہ کو مجلسِ شوریٰ کے افراد سے مشاورت کے بعد عملی جامہ پہنایا جائے گا۔ اِس مشاورت میں افرادِ مجلس کے درمیان اختلافِ رائے بھی ہو سکتا ہے جس کا لازمی نتیجہ سیاسی جماعتوں کی تشکیل ہوگا۔ چونکہ اسلام کسی بھی سیاسی معاملہ میں اختلافِ رائے کو تسلیم کرتا ہے' لہٰذا اُس نے مثبت تنقید کے ڈھانچے کے اندر رہتے ہوئے سیاسی جماعتوں کے بنانے کی اجازت دی ہے۔

شہریوں کے فرائض (قرآنِ حکیم کی روشنی میں)

''حقوق کا کوئی فائدہ نہیں جب تک اُن میں فرائض کا ساتھ نہ ہو۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ حقوق و فرائض کا گاؤدم (Dovetailed) جوڑ ہے اور ایک مہذب' منضبط اور ترقی یافتہ معاشرے میں وہ ایک دوسرے سے ناقابلِ جدا ہیں۔ قرآن مجید اسلامی ریاست کے باشندوں پر کچھ فرائض عائد کرتا ہے جو درجِ ذیل ہیں:۔

(۱) ریاست سے وفاداری : ہر ملک اپنے باشندوں سے اپنی ریاست سے وفادار رہنے کی توقع کرتا ہے

جس کی سر پرستی میں وہ رہ رہے ہیں۔ بین الاقوامی ضابطہ اخلاقیات کی رُو سے بھی ریاست کے خلاف غداری' سازش اور بغاوت کی سزا موت ہے۔ ریاست سے وفاداری کی بابت قرآنی فرمودات حسب ذیل ہیں :۔

(۱) يَآيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَاتَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ (الانفال : ۲۷)

''مؤمنو! اللہ اور اُس کے رسول سے خیانت نہ کرو۔'' (۸:۲۷)

(۲) وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقٰتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ٥ اَلَاتُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (اَلتَّوبة : ۱۲'۱۳)

''اور اگر وہ لوگ اپنے کیئے ہوئے عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر طعن کریں تو تم اُن پیشوایانِ کفر سے قتال کرو کہ (اس صورت میں) اُن کی قسمیں باقی نہیں رہیں تاکہ وہ (عقائدِ کفریہ سے) باز آ جائیں۔تم ایسے لوگوں سے قتال کیوں نہیں کرتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کے جلاوطن کرنے کی ٹھان لی اور اُنہوں نے تمہارے مقابلہ میں خود ہی پہلے پہل ابتداء کی۔'' (۹:۱۲'۱۳)

''سرداروں کے قتل کا حکم عوام کے قتل کی نفی نہیں ہے۔سرداروں کی تصریح اہتمام وخصوصیت اور تاکید کے لئے ہے۔اُن کے قتل سے عوام خود بخود یا تو منتشر اور یا مطیع ہونے لگیں گے۔'' (بحرالمحیط بحوالہ ماجدی' ص ۳۹۶)

(۲) دوسروں کے حقوق کا احترام : ''آپ کا حق وہاں ختم ہو جاتا ہے جہاں سے میری ناک شروع ہوتی ہے'' ایک جانا پہچانا پُرمغز جملہ ہے۔ایک مہذب سماج ایسے افراد پر مشتمل ہوتا ہے جنہیں دوسرون کے حقوق کا پاس واحترام ہوتا ہے اور وہ اُن سے ایسا ہی برتاوا کرتے ہیں جیسے وہ اپنے بارے میں امید کرتے ہیں۔قرآن مجید نے اِسی انسانی نفسیاتی نکتے کو مہمیز لگاتے ہوئے احترام حقوق کا درس دیا ہے۔چنانچہ فرمایا:

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْتَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا٥ (اَلنّساء : ۹)

''اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہئے کہ اگر وہ اپنے پیچھے چھوٹے بچے چھوڑ جائیں تو اُن کی اُنہیں (کیسی) فکر رہے' پس چاہئے کہ اللہ سے ڈریں اور پکی اور سچی بات کہیں۔'' (۴:۹)

اقوام متحدہ کا ''انسانی حقوق کا منشور'' بھی (جسے دسمبر ۱۹۴۸ء میں جاری کیا گیا) انسانی حقوق کے احترام کو تسلیم کرتا ہے کیونکہ یہ امنِ عالم کے برقرار رکھنے کے لئے ایک بنیادی ضرورت ہے۔

(۳) محصولات (ٹیکسوں) کی بروقت ادائیگی: حکومت اپنی رعایا سے انفرادی طور پر ٹیکس وصول

کرتی ہے اوران سے حاصل ہونے والی آمدن حکومت اجتماعی فلاح و بہبود کے کاموں میں خرچ کرتی ہے مثلاً سڑکوں' ریلوے' پلوں' شاہراہوں' ہوائی اڈوں' ہسپتالوں' سکولوں اور کالجوں کی تعمیر' ملکی دفاع کے لئے افواج کی تنظیم وغیرہ۔ یہ سارے منصوبے رقم کے سوا مکمل نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا لازم ہے کہ شہری اپنے حصّے کا ٹیکس دیں تاکہ قومی سطح پر عظیم رفاہی کام ہوسکیں۔ اس ضمن میں قرآنی حکم ملاحظہ ہو:

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (الانعام : ۱۴۱)

''اُس کے پھلوں میں سے کھاؤ جب وہ نکل آئیں اوراُس کے کاٹنے کے دن اُس کا حق (شرعی) ادا کردیا کرو۔'' (۶:۱۴۱)

علاوہ ازیں معاشرہ کے خوش حال افراد اپنی زکوٰۃ سرکاری بیت المال میں جمع کرائیں گے اور حکومت اسے قرآن کے بیان کردہ مصارفِ ثمانیہ یعنی آٹھ مصارف (سورۃ التوبۃ : ۶۰) پر خرچ کرنے کی ذمہ دار ہوگی۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اِس آیت میں فصل کی کٹائی کے حق سے مراد عُشر یا نصف عُشر ہے اور یہ حق زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو باغ یا کھیت بارش سے یا چشموں سے یا بارش کے جمع شدہ پانی سے سیراب کیا گیا ہو' اس میں عُشر ہے اور جن کو کنویں سے پانی حاصل کرکے سیراب کیا گیا ہو' اُس میں نصف عُشر ہے۔ (صحیح بخاری' ج ۱' حدیث نمبر ۱۹۷ : صحیح مسلم باب الزکوٰۃ؛ سنن الترمذی ج ۲' حدیث نمبر ۶۴۰؛ سنن ابی داؤد' ج ۲' حدیث نمبر ۱۵۹۷ ؛ سنن النسائی' ج ۵' حدیث نمبر ۲۴۸۹)

(۴) قانون کا احترام واطاعت: معاشرے میں امن وسکون' توازن اور جمالیاتی نظم وتناسب برقرار رکھنے کے لئے قوانین بنائے جاتے ہیں جو عوام کی زندگی' جائداد اور عزت وآبرو کی حفاظت کے ضامن ہوتے ہیں۔ قانون سے آزاد سماج خودسر' ہنگامہ خیز اور منتشر افراد کا مجموعہ ہوتا ہے۔ قرآنِ حکیم ہر شہری سے قانون کی پابندی کی توقع کرتا ہے اور بے ضابطگی کے مرتکب افراد کے لئے شدید وعید (وارننگ) سناتا ہے :۔

(i) وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (المائدۃ : ۴۴)

''اور جو کوئی اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو یہی لوگ تو کافر ہیں۔'' (۵:۴۴)

(ii) وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (المائدۃ : ۴۵)

''اور جو کوئی اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو یہی لوگ تو ظالم ہیں۔'' (۵:۴۵)

(iii) وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (المائدۃ : ۴۷)

''اور جو کوئی اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو یہی لوگ تو نافرمان ہیں۔'' (۵:۴۷)

(۵) قانون نافذ کرنے والے اداروں (انتظامیہ) سے تعاون : قانون نافذ کرنے والے ادارے

عوام کی فلاح و بہبود کی خاطر بنائے جاتے ہیں۔ یہ ادارے جب مجرموں کو ٹھکانے لگانے میں مصروف ہوں تو اُن سے پورا پورا تعاون کرنا شہریوں کا فرض ہے۔ انتظامیہ اور شہریوں میں رابطے اور تعاون کے بغیر مجرموں سے نہیں نپٹا جاسکتا۔ جرائم پیشہ افراد کی خبر انتظامیہ کو دی جائے تو اُن کی کامیابی کے امکان قوی ہو جاتے ہیں۔ اس اہم ضرورت کا احساس کرتے ہوئے قرآن حکیم اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے:

(i) يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْعَلٰٓى أَنْفُسِكُمْ أَوِالْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ إِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا أَوْفَقِيْرًا فَاللّٰهُ أَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى أَنْ تَعْدِلُوْا وَإِنْ تَلْوٗٓا أَوْتُعْرِضُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًاo (اَلنِّسَاء : ۱۳۵)

''مؤمنو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو چاہے وہ تمہارے یا (تمہارے) والدین اور عزیزوں کے خلاف ہی ہو' وہ امیر ہو یا مفلس اللہ (بہرحال) دونوں سے زیادہ حق دار ہے' تو خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرنا کہ (حق سے) ہٹ جاؤ اور اگر تم ٹیڑھ پن کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔'' (۴:۱۳۵)

(ii) يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى أَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ (اَلْمَائدة : ۸)

''مؤمنو! اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے (اور) عدل کے ساتھ شہادت دینے والے رہو اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم اُس کے ساتھ انصاف ہی نہ کرو' انصاف کرتے رہو کہ وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔'' (۸ : ۵)

(iii) يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْo (محمّد : ۷)

''مؤمنو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط رکھے گا۔''

(۶) <u>ضبطِ نفس اور معقول رویّہ</u>: شہری کو اپنے روزمرّہ معمولات میں جذباتی اور جلد جوش میں آنے والا نہیں ہونا چاہئے۔ اُس کا معقول رویّہ ہی ماحولیاتی مسائل کو حل کرے گا۔ اُسے حقیقت پسند اور متجسس و محقق ہونا چاہئے اور مناسب نہیں کہ وہ اُن بے بنیاد افواہوں سے ڈگمگا جائے جو اکثر ہنگامہ خیز گھٹیا' درجے کے لوگ اُڑا دیتے ہیں۔ جذباتی طور پر اُٹھایا گیا قدم ایسے شخص کی اپنی قسمت اور اس کے ساتھ ساتھ قوم کی قسمت کو بھی بگاڑ سکتا ہے۔ اس ضمن میں قرآنی تعلیمات بالکل واضح اور غیر مبہم ہیں:

(i) يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْا أَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَo (اَلْحُجُرات : ۶)

''اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق آدمی کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ کہیں تم نادانی سے کسی قوم کو نقصان پہنچا دو (اور) پھر اپنے کئے پر پچھتاتے پھرو۔'' (۶ :۴۹)

فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ اِس اجمالی تحقیق کے اندر چند تفصیلات ہیں: (۱) <u>تحقیق واجب</u>: مثلاً خلیفہ جب

یہ سنے کہ فلاں شخص مرتد ہو رہا ہے یا قتل و غارت کا اِقدام کر رہا ہے وغیرہ۔ ایسے موقع پر اگر تحقیق نہ کی جائے تو واجب کا چھوڑنا لازم آتا ہے۔ (۲) تحقیق جائز: مثلاً کسی نے یہ سنا کہ فلاں شخص مجھے مالی یا جسمانی نقصان پہنچانا چاہتا ہے تو نقصان سے بچنے کے لئے یہ تحقیق بالکل جائز ہے۔ (۳) تحقیق حرام: مثلاً کسی کے لئے یہ سنا کہ وہ خفیہ شراب پیتا ہے' ایسے موقع پر تحقیق نہ کرنے سے اپنا کوئی نقصان نہیں اور تحقیق کرنے سے اُس شخص کی رسوائی ہوگی۔ (ماجدی)

(ii) وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ٥ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى ٥ (النّزعٰت: ۴۰'۴۱)

''اور جو کوئی اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور نفس کو خواہش سے روک دیا' تو ایسے کا ٹھکانا جنّت ہی ہے۔'' (۷۹: ۴۱'۴۰)

(۷) فرقہ واریت سے پرہیز: فرقہ واریت ایک ایسی برائی ہے جو سماجی یک جہتی کو جڑوں سے کُتر کے رکھ دیتی ہے اور امن و امان کے لاتعداد مسائل کھڑے کر دیتی ہے۔ تاریخ کے لائحہ عمل سے یہ ثابت ہے کہ فرقہ واریت نے قوم اور ریاست دونوں کے لئے ہمیشہ اَن گنت کلفتوں اور مصیبتوں کو جنم دیا ہے اور اس طرح سماج کے عمومی امن و سکون اور فلاح و بہبود کو ناقابلِ تصوّر حد تک نقصان پہنچایا ہے۔ قرآن مجید نے کچھ مقامات پر اپنے ماننے والوں کو فرقہ واریت میں پڑنے سے روکا ہے جس سے اُن کی وہ قوّت ماند پڑ جائے گی جو بصورتِ دیگر اپنے دشمنوں کے خلاف استعمال ہونی چاہئے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:۔

(i) وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آلِ عمران: ۱۰۳)

''اور سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور باہم نااتفاقی (تفرقہ بازی) نہ کرو۔''

اِس تعلیم کے عملی پہلو کا اعتراف ایک غیر مسلم کی زبان سے ملاحظہ ہو:

''پیغمبرِ اسلام اپنے وقت کے منتشر سماج میں قومی اتحاد کے جذبے اور ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کا شعور متعارف کرانے میں کامیاب ہوئے جس کا احساس عربوں نے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ اس طرح اسلام نے اُن قبیلوں کو باہم متحد کر دیا جو اُس وقت تک برابر ایک دوسرے سے مصروفِ پیکار رہتے تھے۔''

("Preaching of Islam"... Arnold, p. 21)

(ii) اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (اَلشُّورٰى: ۱۳)

''کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔'' (۴۲:۱۳)

آیت میں ایک بڑے مسئلہ وحدتِ دین کا بیان ہے۔ یعنی دین اصلاً شروع سے بالکل ایک رہا ہے۔ تفصیلات

''سائنس نے مذہب کو تاریخ کا ظالم ترین اور بدطینت (مکارترین) دھوکا ظاہر کیا ہے۔''
("Science and Christian Belief" --- C. A. Coulson, p. 4)

''ذرا غور فرمایئے! اس پروفیسر نے مذہب کے بارے میں سائنس کا سہارا لے کر کس قدر زہرافشانی کی ہے۔ ایسے بے شمار دانشور ہوں گے جو مذہب کے بارے میں ایسی انتہائی منفی سوچ رکھتے ہوں گے۔ اگر یہ اِلحاد کے پجاری اپنے ان خیالات کی انٹرنیٹ کے ذریعے تشہیر کرتے ہیں تو دنیا میں کتنے لوگوں اور بالخصوص نوجوان ذہنوں کو پراگندہ کریں گے اور مذہب کے خلاف نفرت پیدا کریں گے۔ لہٰذا مسلمان دانشوروں کو چاہئے کہ سائنس کے جدید نظریات کو قرآنِ حکیم کی روشنی میں پیش کر کے ملحدانہ دعووں کو نیست و نابود اور اِلحاد کی دیواروں کو زمیں بوس کر دیں۔ تحقیق اور علم کے ذریعے ایک ایسا انقلاب لایا جائے جو مغرب کے مادّہ پرست مستشرقین کی بھی آنکھیں کھول دے۔ قرآنی آیات ہم میں یہ تحریک پیدا کرتی ہیں کہ ہم تخلیق پر غور وفکر کریں' کائنات کا مطالعہ و مشاہدہ کریں' ستاروں' کہکشاؤں' کوہساروں' بارانِ رحمت' اور گرجتے چمکتے بادلوں کو دیکھیں' ہواؤں کا مطالعہ کریں' سمندروں کی کھوج لگائیں اور زمین کو دیکھیں کہ کیسے بچھائی گئی ہے۔ اقبال فرماتے ہیں :

کھول آنکھ' زمین دیکھ' فلک دیکھ' فضا دیکھ　　مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
عروجِ آدمِ خاکی کے منتظر ہیں تمام　　یہ کہکشاں' یہ ستارے' یہ نیلگوں افلاک

''یہ درست نہیں ہے کہ ہم بعض نقطہ نگاہ سے سائنسی حقائق کو مذہب کے مقابلے میں اعلیٰ اور افضل خیال کریں۔ یہ رویّہ غلط ہے کہ ہم مذہب کو سائنسی حقائق کے ذریعے درست قرار دیں کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم خود اسلام کی حقانیت اور سچائی کے بارے میں شک وشبہ میں ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ اسلام کو حق بجانب قرار دینے کے لئے سائنس کا سہارا لیتے ہیں۔ سائنسی حقائق تو ثانوی ہیں اور اُن کی قدر و قیمت صرف اتنی ہے کہ یہ بعض دماغوں کو بیدار کرنے کے لئے ایک آلہ کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں اور یہ سچائی کے راستے کی طرف ایک دروازہ کھول دیتے ہیں جو ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں کے علم میں نہ ہو کہ ایسے دروازے کا بھی کوئی وجود ہے۔ سائنس کو ایک طرح کا برش تصوّر کرنا چاہئے جسے سچائیوں سے گرد وغبار دُور کرنے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مزید یہ کہ سائنس حرفِ مطلق نہیں بلکہ قرآنِ حکیم اور حدیث ہی حرفِ مطلق ہیں اور سائنسی حقائق اس صورت میں سچ ہیں اگر وہ قرآن اور حدیث کے مطابق ہوں۔''

''یہ بھی یاد رکھئے کہ آج جو تسلیم شدہ سائنسی حقائق یا نظریات ہیں' وہ ایسے ستون نہیں جو ایمان کی سچائیوں کو برقرار رکھیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات ہے جو ایمان کو ہمارے شعور میں داخل کرتی ہے اور یہ کہنا کہ ایمان سائنس کے ذریعے ہمارے اندر پیدا ہوگا' غلط ہے۔ ایمان ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی اور ہدایت کے ذریعے آتا ہے اور یہ ہدایت ہمیں قرآنِ حکیم سے حاصل ہوگی۔ ایک مؤمن اُس ایمان کی وجہ سے مؤمن ہے جو اُس

شریعت (یعنی احکام واعمال) ہر دَور کی مناسبت سے بدلتی رہتی ہیں لیکن نفسِ دین (یعنی عقیدہِ اساسی) شروع ہی سے دینِ توحید رہا ہے۔

ایک اور مقام پر قرآن مجید نے اُن لوگوں کے خلاف بیزاری کا اظہار کیا ہے جو فرقہ واریت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ آیت کے الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وحدتِ کلمہ کے قائم و برقرار رکھنے کی اسلام میں کس قدر تاکید ہے۔ اپنے رسول ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے حکیمِ مطلق فرماتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَا اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ٥ (الانعام : ۱۸۹)

''بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے' آپ پر اُن کی کچھ بھی ذمہ داری نہیں' اُن کا معاملہ بس اللہ ہی کے حوالے ہے پھر وہی اُنہیں جتلا دے گا جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں۔''

اپنی کتاب "History of the Conflict between Religion and Science" کے صفحات ۷۸' ۷۹ میں Draper نے چرچ کے اُن لامتناہی فسادات اور تفرقہ بازیوں کا نقشہ کھینچا ہے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دَورِ مبارک میں تھیں۔

(۸) بدی سے پرہیز: مسلم سماج میں نیکی اور پارسائی کی حکمرانی ہوتی ہے جس کے افراد نہ صرف نیک اور پاکیزہ کردار کے حامل ہوتے ہیں' وہ دوسروں کو بھی پارسائی کے اُسی رنگ میں رنگا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ ''گربہ کشتن روزِ اوّل'' کے بھی خوگر ہوتے ہیں۔ وہ معاشرہ میں کسی قسم کی کج روی یا اخلاقی بے راہروی کو برداشت نہیں کر سکتے۔ غرض کہ مسلم معاشرہ اس فرمودہ اور حکمِ الٰہی کا سچا آئینہ دار ہوتا ہے:

(i) كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

''تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے' تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔'' (آلِ عمران: ۱۱۰)

آیت میں اُمّتِ محمدی کی اعتقادی' اخلاقی اور عملی زندگی کے کامل و مکمل ہونے کی پوری تصویر آ گئی۔ مطلب یہ ہوا کہ اے میرے حبیب کے غلامو! تم اپنی ذمہ داری پوری طرح محسوس کرو کہ تم توحید کے امانت دار ہو' زمین پر اللہ کے نائب و خلیفہ ہو' اُس کی پولیس کے طور پر ہو' الٰہی قانون کے نفاذ و تحفظ کے لئے اور دنیا کے نظامِ عدل کو برقرار رکھنے کے لئے بھیجے گئے ہو۔ تمہاری زندگی کا مشن ہی یہ ہے کہ حکومتِ الٰہیہ کو صحیح ڈگر پر چلاؤ' نظامِ حق کے ایک ایک پرزہ کو درست رکھو اور نظامِ باطل کا زور چلنے ہی نہ دو۔ ظلم ہوتا اگر اس ذمہ دار' فعّال (Executive) جماعت کو جدال و قتال کی آزادی نہ ملتی! بلا اجازت جہاد' بلا اجازت اجرائے حدود و تعزیرات' اِس قوم پر ذمہ داریاں ڈال دینے کے معنی یہ ہوتے کہ ہاتھ پیر باندھ کر دریا میں تیرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ کیا تماشہ ہے کہ انگریز ہندوستان میں ستی کی رسم کو جرم قرار دے

دیں تو وہ ملک کے محسن کہلائیں۔ ہندوؤں میں بچپن کی شادیوں کے دستور کو روک دیں تو اُن کا شکریہ واجب۔ لیکن اللہ کے سپاہی اور مالک الملک کے پیارے اگر یہ حق حاصل کرنا چاہیں کہ قانونِ الٰہی سے بغاوت کرنے والوں اور امنِ عالم کو غارت کر کے رکھ دینے والوں کی پُرسش کریں تو ''روشن خیالی'' کے جبینِ تحمل پر شکن آجائے اور ''تہذیب'' کا پروپیگنڈسٹ اسے رواداری کے خلاف قرار دینے لگے!!'' (ماجدی اردو' ص ۱۴۹)

(ii) تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (اَلْمَائِدَة : ۲)

''نیکی اور خدا خوفی میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم و تعدّی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔'' (۲ : ۵)

پس مسلمان اللہ کی اس دھرتی پر اخلاقی نظام کے خالق' محافظ اور نگران یعنی زمین پر اللہ کے سپاہی اور سارجنٹ ہیں۔ اس ضمن میں ایک نومسلم مسٹر لیوپالڈ اسد کہتے ہیں :

''یہ اسلام کی جارحانہ پالیسی کا اخلاقی جواز ہے یعنی اسلام کی ابتدائی فتوحات اور اس کی نام نہاد ''شہنشاہیت'' کا جواز۔ اسلام کی تعلیمات کی رُو سے اخلاق کا علم لوگوں میں اخلاقی ذمہ داری کو خود بخود زبردستی پیدا کرتا ہے۔ حق و باطل کے درمیان محض افلاطونی بصیرت بغیر اس کوشش کے کہ حق کو فروغ دیا جائے اور باطل کی بیخ کنی کی جائے' بذاتِ خود بھدّے قسم کی بداخلاقی ہے۔ اسلامی علم الاخلاق لوگوں کی اِس کوشش کے ساتھ زمین پر زندہ رہتا ہے کہ اخلاق کو غلبہ حاصل ہو۔''
("Islam on the Crossroads"
... Leopold Asad, pp. 27, 28)

سورۃ المائدۃ میں قرآن مجید اُن اسرائیلیوں کی مثال بیان کرتا ہے جو معاشرے میں برائی کو روکنے کی بجائے اُس کی تشہیر کرتے تھے اور اسی وجہ سے اُنہیں مسترد کر دیا گیا اور ہمیشہ کی لعنت کا طوق اُن کے گلے ڈال دیا گیا:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ (اَلْمَائِدَة : ۷۸' ۷۹)

''بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر اختیار کیا' اُن پر داؤد اور عیسٰی ابن مریم علیہا السلام کی زبان سے لعنت ہوئی' یہ اِس لئے کہ اُنہوں نے (برابر) نافرمانی کی اور حد سے آگے نکل گئے تھے۔ جو بُرائی اُنہوں نے اختیار کر رکھی تھی' وہ اُس سے باز نہ آتے تھے' جو کچھ وہ کر رہے تھے کیا ہی بُرا تھا!'' (۷۹' ۷۸:۵)

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ فرمایا تھا:

مَنْ رَآی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ وَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانُ (اربعین امام نووی)

''تم میں سے جو کوئی بُرائی کو ہوتا دیکھے تو اُسے اپنے زورِ بازو سے روک دینا چاہئے۔ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو اپنی زبان سے روک دے اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو (کم از کم) اپنے دل میں تو اُسے بُرا سمجھے اور وہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

پس معلوم ہوا کہ مسلمان معاشرہ مجسم پاکیزگی' پارسائی' صداقت و راستی' شرافت اور اقوامِ عالم کے لئے نمونۂ تکمیلِ اخلاقیات ہے۔ اُس کے افراد دوسروں کو قرآنی تعلیمات اور سنتِ نبوی کے مطابق اخلاقی اقدار اور اخلاقی ضابطہ کو مضبوطی سے تھامنے کی ترغیب دیتے ہیں جیسا کہ سورۃ التوبۃ (۹:۷۱) میں وارد ہوا: یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَر (وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں)۔

اسلامی ریاست میں رہنے والی اقلیتوں کے حقوق و فرائض

قرآن مجید نے کئی مقامات پر بیان کیا کہ تمام انسانی نسل ایک ہی نفسِ واحدہ (آدم علیہ السلامؑ) سے پیدا ہوئی ہے (بحوالہ سورۃ النساء' آیت اوّل اور سورۃ الاعراف' آیت ۱۸۹)۔ لہٰذا ایک مشترک جدّ کی اولاد ہونے کے ناطے سے آدمی آدمی کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔ اسلام کی نظر میں ایک مجرم کو قطع نظر اس کے کہ وہ غریب ہے یا امیر' حاکم ہے یا محکوم' قرار واقعی سزا دی جائے گی اور وہ قانون کی زد سے بچ نہیں سکے گا اگر وہ جرم جس کا اُس نے ارتکاب کیا ہے' ثابت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اسلام مسلم اور غیر مسلم کے حقوق و فرائض کے درمیان کوئی حدّ فاصل قائم نہیں کرتا۔ دونوں کے مساوی حقوق و فرائض ہیں۔ مسلمان سے اس وجہ سے کوئی رعایت نہیں برتی جائے گی کہ وہ آپ کا ہم مذہب ہے اور کسی غیر مسلم سے اس وجہ سے بے انصافی نہیں کی جائے گی کہ وہ ایک غیر مذہب کا فرد ہے۔ اس ضمن میں قرآنی احکامات غیر مبہم اور واضح ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا:

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ (اَلْمائدۃ: ۸)

''اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم اُس کے ساتھ انصاف ہی نہ کرو' انصاف کرتے رہو کہ وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔'' (۸ :۵)

<u>مذہبی خود مختاری</u>: اسلام ہر شخص کے لئے آزادیٔ خیال و اظہار کو تسلیم کرتا ہے۔ مذہب اللہ اور بندے کے درمیان ایک ذاتی معاملہ ہے اور کسی شخص کو دوسرے پر اپنا عقیدہ' خیالات یا مذہب ٹھونسنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس ضمن میں قرآنِ حکیم کی ہدایات واضح ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا:

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (البقرۃ: ۲۵۶) ''دین میں کوئی زبردستی نہیں۔''

لہٰذا اسلامی ریاست قدرتی طور پر اس بات کی پابند ہے کہ وہ اپنی رعایا کو مکمل مذہبی آزادی دے۔ مذہبی تشدد کو روکنے کے لئے قرآنِ حکیم نے مسلمانوں کو اپنے دشمنوں کے خلاف تحفظ کی اجازت دی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو گرجاؤں' راہب خانوں' صومعات اور مساجد میں مذہبی زندگی دگرگوں ہو جاتی۔ قرآن مجید اس نکتے کی وضاحت یوں کرتا ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا (الحج : ۴۰)

''اور اگر اللہ لوگوں کا زور ایک دوسرے سے نہ گھٹاتا رہتا تو نصاریٰ کی خانقاہیں اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے (سب) منہدم ہو گئے ہوتے۔'' (۴۰ : ۲۲)

مذہبی خودمختاری سے متعلق قرآنی احکامات کو نبی مکرم ﷺ کے اُسوہ حسنہ سے تقویت ملی' جنہوں نے عیسائیوں اور یہودیوں سے کچھ معاہدے کئے جس میں ہر فریق کو آزادیِ خیال واظہار اور مذہبی اعمال کی آزادی کی یقین دہانی کرائی گئی۔ یہ معاہدہ جو ''معاہدہِ مدینہ'' کے نام سے مشہور ہے' مرکزی اہمیت کا حامل ہے اور اسلام کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مسودے کے نمایاں خدّ وخال مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) ایک شہری ریاست کی تشکیل کی گئی جس کے باشندے مسلمان اور یہودی تھے۔

(۲) مدینہ پر کسی بھی قسم کی جارحیت کی صورت میں فریقین مشترک دفاع کے ذمہ دار ہوں گے۔

(۳) جنگی اخراجات میں دونوں فریق برابر کے شریک ہوں گے۔

(۴) دونوں فریقوں کو مکمل مذہبی خودمختاری حاصل ہوگی۔

(۵) سیاسی لحاظ سے یہودی' مسلم معاشرے کا رکن قرار پائے۔

(سیرت ابن ہشام' ج ۱' ص ۵۰۱' ۵۰۲ ؛ سیرت ابن اسحاق ص ۲۳۳ ؛ ڈاکٹر حمید اللہ اور پروفیسر آر۔ بی سارجنٹ کے مقالہ جات جو ''المباحث العلمیۃ'' کے نام سے حیدرآباد دکن سے ۱۳۵۸ھ میں چھپ چکے ہیں اور ''اسلامک کوارٹرلی' جون ۱۹۶۴ء کے صفحات ۳ و ۴)

کوئی جزیہ یا حفاظت کا ٹیکس نہیں تھا کیونکہ حفاظت کا ٹیکس تو اُن سے لیا جاتا ہے جو دفاع میں حصّہ نہیں لینا چاہتے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک اور معاہدہ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ کیا تھا جس کے کچھ اقتباسات یہ ہیں:۔

''اُن کی کبھی تذلیل نہیں کی جائے گی۔ اُن کے لئے عسکری خدمت لازمی نہیں ہے۔ اُن کے درمیان صرف عدل وانصاف کی حکمرانی ہوگی۔ اُن کی املاک' زندگی' مذہب' گرجا گھروں اور اُن کے تمام ملکیہ اثاثوں' کم ہوں یا زیادہ' کو تحفظ دیا جائے گا۔'' (''الوثائق السیاسیۃ'' از حمید اللہ ص ۳)

چونکہ اُن کے لئے فوجی خدمت لازمی نہیں تھی' اس لئے اُنہیں تحفظِ حیات کا ٹیکس دینا پڑتا تھا۔ لیکن جب عراق کے ایک عیسائی عرب قبیلہ بنوتغلب نے اِس ٹیکس کو ذلت کی علامت سمجھا تو اُنہیں جزیہ سے مستثنٰی کرتے ہوئے صدقہ دینے کو کہا گیا۔ (فتوح البلدان ---بلاذری' صفحہ ۱۸۹)

اسلام اپنے ماننے والوں کو کبھی بھی دوسرے مذہب والوں سے دشمنی رکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ مثلاً اسلامی ریاست میں شراب اور خنزیر کا گوشت مسلمانوں کے لئے حرام ہیں لیکن غیر مسلموں کے لئے حرام نہیں کہ اُن کا مذہب ان کے استعمال کی اُنہیں اجازت دیتا ہے۔ اس طرح اسلامی ریاست وہ واحد ریاست ہے جو اقلیتوں کی مذہبی اور سیاسی آزادی کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کی عدالتی خودمختاری کو بھی مانتی ہے۔ اِس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے ٹی ڈبلیو آرنلڈ کو یہ لکھنا پڑا کہ:

''عربوں کی حکومت کی پہلی صدی میں مختلف عیسائی گرجاؤں کو مسلمانوں کی رواداری اور ایسی مذہبی آزادی حاصل تھی جو اُن کی نسلوں نے بازنطینی (مشرقی رومن) حکومت کے تحت کبھی نہیں دیکھی تھی۔''

("Preaching of Islam" --- T.W. Arnold)

اسلام کی رواداری کے متعلق چند غیر مسلم مصنفین کی آراء

(۱) ''یہ سچ ہے کہ اکثر اوقات مسلمانوں کی عیسائیوں یا یہودیوں کے ساتھ جنگیں ہوتی رہی ہیں (بعض اوقات اس وجہ سے بھی کہ قدیم مذاہب جنگ پر مُصر تھے) اور قرآن میں اِن جنگوں کے متعلق قدیم تشدد کی آیات بھی ہیں لیکن یہ پکا ثبوت موجود ہے کہ ''اہلِ کتاب'' (یہودیوں اور عیسائیوں) کو عموماً بااخلاق رویّہ دیا گیا اور اُن کی عبادات اور پرستش میں کھلی آزادی دی گئی کہ وہ جیسے چاہیں عبادت کریں۔'' (اقتباس از مضمون جیمز اے مائیکنر

(''Islam ...The Misunderstood Religion" published in the Reader's Digest, May 1955)

(۲) ''اپنی عیسائی رعایا کو محمد ﷺ نے فی الفور اُن کی جانوں' مال و تجارت کا تحفظ عطا کر دیا تھا اور اُن کی عبادات میں رواداری کو روا رکھا گیا تھا۔''

("The Decline and Fall of the Roman Empire"
... Edward Gibbon, Vol. 2, p. 689)

(۳) ''بحراوقیانوسی منشور سے تیرہ صدیاں پیشتر مذہبی آزادی اور ہر قسم کے ڈر اور خوف سے تحفظ کا منشور وضع ہو گیا تھا۔ محمد ﷺ نے یہودیوں اور عیسائیوں کے مفتوح قبائل سے معاہدے کئے جن میں اُنہیں عبادات' مذہب اور لوکل سیلف گورنمنٹ (مقامی افراد کی منتخب شدہ حکومت) کی آزادی دی گئی۔''

("World Faiths"
... Ruth Cranston, pp. 156 - 157)

(۴) عیسائی پادریوں اور مشنریوں کی طرف سے کبھی بھی محمد ﷺ کے مذہب کو تعصب اور عدمِ رواداری کے حوالے سے بُرا بھلا کہتے ہوئے نہیں سنا گیا۔ وہ کون تھا جس نے مراکشی باشندوں کو سپین سے اس لئے جلاوطن کر دیا تھا کہ اُنہوں نے عیسائیت قبول نہیں کی؟ وہ کون تھا جس نے میکسیکو اور پیرو کے لاکھوں باشندوں کو تہ تیغ کر دیا تھا اور محض اس وجہ سے اُنہیں بطور غلام تقسیم کر دیا تھا کہ وہ عیسائی نہیں تھے؟ مسلمانوں نے یونان میں کیا ہی عمدہ موازنے کا مظاہرہ کیا! عیسائی کئی صدیوں تک اپنی جائیدادوں کے پُرسکون قابض رہے ہیں۔ اُن کے مذہب' پادریوں' بشپوں (اعلیٰ درجے کے پادریوں یا اُسقفوں)' خاندان کے سربراہوں اور گرجاؤں کو کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔"

("Apology for Mohammad" ... Godfrey Higgins, pp. 123 - 124)

(۵) "جب مسلمان فوج وادیِ اُردن میں پہنچی اور ابوعُبیدہ نے فحل کے مقام پر اپنا خیمہ نصب کیا تو ملک کے عیسائی باشندوں نے عربوں کو یہ کہتے ہوئے خط لکھا: "اے مسلمانو! ہم تمہیں بازنطینیوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ ہمارے ہم مذہب ہیں کیونکہ تم ہمارے بارے میں خوش عقیدگی رکھتے ہو' ہم پر زیادہ مہربان ہو اور ہم سے بے انصافی کرنے سے گریز کرتے ہو۔ تمہاری ہم پر حکمرانی اُن (بازنطینیوں) کی حکمرانی سے بہتر ہے کیونکہ اُنہوں نے ہمیں اپنے مال ومتاع اور اپنے گھروں سے محروم کر دیا ہے۔" ("Preaching of Islam" --- T.W. Arnold, p. 55)

(۶) "جیسا کہ ہم میں سے کچھ لوگ سمجھتے ہیں یہ ٹیکس عیسائیوں پر بطور جرمانہ اس لئے عائد نہیں کیا گیا تھا کہ اُنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا بلکہ یہ ریاست کے دوسرے ذمیوں اور غیر مسلموں کی طرح اُن عیسائیوں کی طرف سے بھی ادا کیا جاتا تھا جن کا مذہب انہیں فوجی خدمت سے روکتا تھا اور یہ ٹیکس اُن کی اُس حفاظت کے عوضانے میں تھا جو مسلمان فوجیں کرتی تھیں۔ جب حیرہ کے لوگوں نے متفقہ رقم ادا کر دی تو انہوں نے برملا اس بات کا اظہار کیا کہ انہوں نے جزیہ اس شرط پر ادا کیا تھا کہ "مسلمان اور اُن کا قائد ہمیں اُن لوگوں سے بچائیں گے جو ہم پر ظلم وتشدد کریں خواہ وہ مسلمان ہوں یا کوئی اور۔" علاوہ ازیں خالد بن ولید نے حیرہ کے قرب میں جن شہریوں سے معاہدہ کیا اس میں لکھا کہ "اگر ہم تمہاری حفاظت کرنے کے قابل ہوئے تو تم کو ہمیں جزیہ دینا ہوگا۔ لیکن اگر ہم اس قابل نہ ہوئے تو اس کا لینا ہمارے لئے جائز نہ ہوگا۔" مسلمانوں کی طرف سے اس شرط کی کیسے پاسداری کی گئی' اس کا اندازہ حضرت عمر کے زمانہِ خلافت کے ذیل کے واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔"

"ہرقل (شاہِ روم) نے حملہ آور مسلم فوجوں کو پیچھے دھکیلنے کے لئے ایک کثیر التعداد فوج تیار کی (مسلم فوجیں طاغوتی شرارتوں کے متوقع خطرے سے نمٹنے کے لئے بھیجی گئی تھیں)۔ عرب جرنیل ابوعُبیدہ نے ملکِ شام کے مفتوحہ شہروں کے عاملین (گورنروں) کو یہ حکم دیتے ہوئے لکھ بھیجا کہ وہ شہروں سے اکٹھا کیا ہوا تمام جزیہ واپس کر دیں اور لوگوں کو یہ کہتے ہوئے لکھا کہ "جو رقم ہم نے تم سے لی تھی' اُسے ہم تمہیں واپس کرتے ہیں کیونکہ ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ ایک طاقتور فوج ہمارے خلاف پیشقدمی کر رہی ہے۔ ہمارے تمہارے درمیان معاہدہ یہ تھا کہ ہم تمہاری حفاظت کریں گے اور

اب چونکہ یہ بات ہمارے بس میں نہیں رہی تو ہم تمہیں وہ سب کچھ واپس کرتے ہیں جو ہم نے تم سے لی۔ اگر ہم فتح یاب ہوئے تو ہم اپنے آپ کو اپنے معاہدے کی اُنہی قدیم شرطوں کا پابند سمجھیں گے۔'' چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں بیت المال سے ایک خطیر رقم اُنہیں واپس کی گئی اور عیسائیوں نے مسلمانوں کے رہنماؤں کو یہ کہتے ہوئے دعائیں دیں کہ ''اللہ تعالیٰ تمہیں رومیوں پر فتح دے اور اس طرح تمہیں ہم پر دوبارہ حاکم بنائے! اگر یہاں رومی ہوتے تو وہ ہمیں کچھ بھی واپس نہ کرتے بلکہ جو کچھ ہمارے پاس بچ گیا ہوتا اُسے بھی غصب کر لیتے۔''

''جزیہ صحت مند مردوں سے اُس فوجی خدمت کے بدلے میں لیا جاتا تھا جو اُن کی تحفظِ جان و مال اور عزت و آبرو میں کی جاتی تھی اور یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ عیسائیوں نے جب بھی مسلم فوج میں ملازمت کی ہے تو اُنہیں اِس ٹیکس کی ادائی سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ یہی معاملہ انطاکیہ کے قرب میں بسنے والے عیسائی قبیلہ الجر یجمہ کا تھا جنہوں نے مسلمانوں سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ اُن کے اتحادی بنیں گے اور جنگ میں اُنہی کی جانب سے لڑیں گے اس شرط پر کہ اُن سے جزیہ نہیں لیا جائے گا اور جنگ میں اُنہیں اُن کا جائز مالِ غنیمت بھی دیا جائے گا۔ جب سال ۲۲ ہجری میں عرب فتوحات ملکِ ایران کے شمال تک پہنچیں تو اسی قسم کا معاہدہ ایک سرحدی قبیلے سے ہوا جسے فوجی خدمات کی رعایت میں جزیہ کی ادائی سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔'' (ایضاً ص ص ۶۱، ۶۲)

(۷) ''یہودیوں کی طرح عیسائیوں کو بھی اسلامی ریاست میں مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی اور بہت سے سپینی باشندے ایسے ترقی یافتہ تہذیب و ثقافت سے تعلق رکھنے پر نازاں تھے۔۔۔ سلطنتِ اسلامی کے کچھ حصوں میں آزاد خیالی اور تشکیک کی مستحکم روایت موجود تھی جسے برداشت کیا جاتا تھا جب تک کہ وہ لطافتِ اخلاق کی حدود کے اندر اندر ہوتی تھی۔'' ("Muhammad --- A Biography of the Prophet" ... Karen Armstrong, pp. 22, 23)

اقلیتوں کے تنازعات کا تصفیہ اُن کے اپنے مذہبی اصول و عقیدہ کے مطابق ہوگا: اس مسئلے پر قرآن کی مندرجہ ذیل واضح ہدایت موجود ہے :۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰةُ فِيهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَا أُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝ (اَلْمَآئِدة : ۴۳)

''(اے پیغمبر!) آپ سے وہ کیوں کر فیصلے کراتے ہیں جبکہ اُن کے پاس توریت موجود ہے جس میں اللہ کا حکم درج ہے پھر اُس کے بعد ہٹ جاتے ہیں اور یہ لوگ ہرگز ایمان والے نہیں۔'' (۵ : ۴۳)

اقلیتوں کے سیاسی حقوق: ہر آنے والا وقت اپنے جلو میں نئے مسائل لاتا ہے اور زندگی مسلسل تبدیلیوں کا شکار ہے' اس لئے اسلام نے کسی خاص قسم کی حکومت کی تخصیص نہیں کی بلکہ اسے لوگوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ حالات کے مطابق وہ جس قسم کی حکومت چاہیں' بنا لیں۔ ہاں اسلام اس بات کا تقاضا ضرور کرتا ہے کہ اُس کا سیاسی

نظام، عدل و انصاف اور باہمی مشاورت کی بنیاد پر ہو اور یہ کہ امّتِ مسلمہ کو سیاسی قوّت کا منبع سمجھا جانا چاہئے۔ قرآن مجید رسولوں اور حکّام کو غیر مسلموں کے ساتھ بھی انصاف کرنے کی بار بار تاکید کرتا ہے۔ آیات ملاحظہ ہوں:

(i) وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ (المائدۃ: ۴۲)

"(اے پیغمبر! اگر آپ فیصلہ کریں تو اُن کے درمیان (قانونِ) عدل کے مطابق فیصلہ کریں۔") (۵:۴۲)

(ii) يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ (صٓ: ۲۶)

"اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین پر خلیفہ بنایا ہے سو لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرتے رہئے اور (آئندہ بھی) نفسانی خواہش کی پیروی نہ کیجئے کہ وہ اللہ کی راہ سے آپ کو بھٹکا دے گی۔" (۳۸ : ۲۶)

(iii) وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ وَقُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ مِنْ كِتٰبٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ (الشُّورٰى: ۱۵)

"اُن کی خواہشوں پر نہ چلئے اور کہہ دیجئے کہ اللہ نے جو بھی کتابیں نازل کی ہیں، میں اُن پر ایمان لاتا ہوں اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ (اپنے اور) تمہارے درمیان انصاف کروں۔" (۴۲ : ۱۵)

اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ محمد علی جناح کو پہلے تو اِن قرآنی فرمودات نے اُکسایا اور پھر "مدنی منشور" نے جس کا اوپر (صفحہ ۷۴۰ پر) ذکر ہوا، جب اُنہوں نے ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی مجلسِ آئین ساز سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا تھا:

"کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے حکومتی اختیار کی منتقلی کے بعد اقلیتوں کو منصفانہ اور مساویانہ حقوق دینے کا وعدہ کیا ہے۔ مستقبل کی یہ دونوں حکومتیں اپنی اِن یقین دہانیوں کی پابند رہیں گی اور تمام باشندوں کے جائز حقوق کا تحفّظ قطع نظر اُن کے مذہب، ذات یا جنس کے، اِن حکومتوں کا عزم ہے۔ شہری حقوق کو بروئے کار لانے میں تمام شہریوں کو برابر کے حقوق حاصل ہوں گے۔" ("The Last Days of the British Raj" ... L. Mosley, p. 208)

<u>اقلیتوں سے کئے گئے تمام معاہدے اور سمجھوتے بہرصورت پورے کئے جائیں گے جب تک کہ اُن کی جانب سے عہد شکنی کا خوف نہ ہو</u> : اس ضمن قرآنِ حکیم حکم دیتا ہے:۔

(i) وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ٥ إِلَّا الَّذِينَ عٰهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلٰى مُدَّتِهِمْ (التّوبة: ۴)

"اور کافروں کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے ہاں وہ مشرکین اس سے مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے

عہد لیا پھر اُنہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی سو اُن کا معاہدہ اُن کی مدت (مقررہ تک) پورا کرو۔'' (۴'۳ : ۹)

(ii) وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنۡ قَوۡمٍ خِيَانَةً فَانۢبِذۡ اِلَيۡهِمۡ عَلٰى سَوَآءٍ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡخَآئِنِيۡنَ۝ (الانفال : ۵۸)
''اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو آپ وہ عہد اُسی طرح واپس کر دیں' بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔'' (۸:۵۸)

''اسلامی مملکت کے سربراہ کے لئے یہ بات لازم ہے کہ وہ دشمن کو ان معاہدوں کی منسوخی اور غیر مؤثر ہونے کی بروقت اطلاع دے دے۔ اس پیشگی اطلاع نامہ کے بغیر اُن سے جنگ کرنا ناجائز ہوگا۔ کیا اسلام کے اس دلیرانہ اور معززانہ لائحہ عمل سے بھی بہتر کوئی اور لائحہ عمل ہوگا؟'' (تفسیر ماجدی انگریزی' صفحہ A-170' نوٹ:85)

اقتدارِ اعلیٰ (SOVEREIGNTY)

اقتدارِ اعلیٰ کا قانونی لحاظ سے ٹھوس اور واضح تصور پیش کرنے کا سہرا ایک انگریز فلسفی جان آسٹن کے سر ہے جس نے ۱۸۳۲ء میں اپنی شہرہ آفاق تصنیف "Lectures on Juridprudence" میں اقتدارِ اعلیٰ کا تصور پیش کیا: ''ایک معیّن برتر فرد جو کسی دوسرے فرد کی اطاعت کا پابند نہ ہو اور معاشرے کا ایک بہت بڑا حصہ اُس کی اطاعت عادتاً کرتا ہو تو وہ برتر و اعلیٰ مقتدرِ اعلیٰ کہلاتا ہے اور معاشرہ اُس برتر فرد سمیت ایک سیاسی اور خود مختار معاشرہ ہوتا ہے۔'' (John Austin)

اقتدارِ اعلیٰ کا اسلامی نظریہ: اقتدارِ اعلیٰ کا اسلامی نظریہ مغربی نظریہ حاکمیت سے بالکل مختلف اور جداگانہ ہے۔ اسلامی نظام سیاست میں اقتدارِ اعلیٰ کسی فرد' قوم' جماعت' پارلیمنٹ یا عوام کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کا تعلق تمام تر رب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے جو قانون ساز ہے اور قرآن اور سنتِ نبوی کی شکل میں اُسی کا بھیجا ہوا قانون ملک کا حکمران ہوتا ہے۔ اسلامی نظامِ سیاست میں عوام اور حکمران دونوں اللہ تعالیٰ کی حکمرانی کے تابع اور پابند ہوتے ہیں اور زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات میں وہ کوئی بھی قانون اپنی من مانی سے نہیں بنا سکتے۔ سربراہِ مملکت (خلیفہ) اللہ تعالیٰ اور عوام دونوں کے آگے جوابدہ ہوتا ہے اور عوام کو مثبت آزادیٔ رائے اور خلیفہ کی کارکردگیوں اور فیصلوں پر کھلی تنقید کا حق حاصل ہوتا ہے۔

اسلامی نظریہ اقتدارِ اعلیٰ کی نمایاں خصوصیات

(1) **مطلق العنانیت:** اسلامی نظریہ کے مطابق چونکہ اقتدارِ اعلیٰ کا بلاشرکتِ غیرے واحد مالک اللہ تعالیٰ ہے' وہ کسی کے آگے جوابدہ نہیں بلکہ سب اُسی کے آگے جواب دہ ہیں اس لئے وہ مطلق العنان ہے۔ قرآنِ

حکیم اُس کی مطلق العنانیت کو یوں بیان فرماتا ہے:-

(i) اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّہٗ لِلّٰہِ (آلِ عمران : ۱۵۴)

''سارے کا سارا اختیار اللہ ہی کا ہے۔'' (۳:۱۵۴)

(ii) اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (الانعام : ۵۷ ؛ یوسف : ۴۰، ۴۷)

''حکم (اور حکومت) صرف اللہ ہی کا حق ہے۔'' (۶:۵۷ ؛ ۴۰، ۱۲:۴۷)

(iii) اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف : ۵۴)

''یاد رکھو اُسی کے لئے خاص ہے آفرینش (بھی) اور حکومت بھی۔'' (۵۴ : ۷)

(iv) اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُO (ھُود : ۱۰۷)

''بے شک آپ کا پروردگار جو چاہے، پورے طور پر کر سکتا ہے۔'' (۱۰۷ : ۱۱)

(v) وَاللّٰہُ یَحْکُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُکْمِہٖ (اَلرَّعْد : ۴۱)

''اور اللہ حکم کرتا ہے، کوئی اُس کے حکم کو ہٹانے والا نہیں۔'' (۴۱ : ۱۳)

(vi) لَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِہٖ اَحَدًاO (اَلْکَھْف : ۲۶)

''وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔'' (۱۸:۲۶)

(vii) ھُنَالِکَ الْوَلَایَۃُ لِلّٰہِ الْحَقِّ (اَلْکَھْف : ۴۴)

''ایسے موقع پر کارسازی اللہ برحق ہی کا کام ہے۔'' (۱۸:۴۴)

( ) لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَO (الانبیاء : ۲۳)

''وہ جو کچھ بھی کرے، اُس سے کچھ بھی بازپُرس نہیں کی جا سکتی اور اوروں سے بازپُرس کی جاتی ہے۔''

(2) تسلسل : اللہ تعالیٰ کی شہنشاہیت ہر وقت قائم و دائم ہے۔ اُسے نہ نیند آتی ہے اور نہ اونگھ۔ کوئی وقت ایسا نہیں آتا کہ وہ خود آرام کرنے لگے اور اپنے اختیارات کسی دوسرے کو تفویض کر دے:

(i) لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ (البقرۃ : ۲۵۵)

''اُسے نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ۔'' (۲۵۵ :۲)

(ii) وَلَا یَؤُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا (البقرۃ : ۲۵۵)

''اُن دونوں (زمین و آسمان) کی نگرانی اُسے تھکا نہیں دیتی۔'' (۲:۲۵۵)

(iii) وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍO (قٓ : ۳۸)

''اور ہمیں تکان نے چھوا تک نہیں۔'' (۳۸ : ۵۰)

(iv) کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍO وَیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِO (اَلرَّحْمٰن : ۲۶، ۲۷)

''زمین پر جو بھی ہے سب فنا ہونے والا ہے اور صرف آپ کے پروردگار کی ذات عظمت و احسان والی باقی رہنے والی ہے۔'' (۲۶، ۲۷ : ۵۵)

کے قلب میں موجود ہے' اُس علم کی وجہ سے نہیں جو ہمارے سروں میں موجود ہے۔ جرمن فلسفی کانٹ(Kant) نے کہا تھا:''میں نے اس ضرورت کومحسوس کیا کہ اللہ پر ایمان لانے کے لئے تمام کتب کا مطالعہ کرنا چھوڑ دوں۔''

''بعض یورپی و امریکی مفکر اور دانشور خدا اور مذہب پر ایمان رکھتے تھے اور اب بھی رکھتے ہیں۔ 13 اکتوبر 1939ء کے اخبار''انقلاب'' کے حوالے سے ایک لیکچر کے اقتباسات پیش کر رہا ہوں۔ ڈاکٹر سٹیلے جونز (جو مشہور و معروف امریکی سیاح اور فصیح و بلیغ لیکچرار تھے) نے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں سائنس اور مذہب کے موضوع پر لیکچر دیا۔ اُنہوں نے آج سے تقریباً باسٹھ سال پہلے جو کچھ کہا تھا' وہ آج اکیسویں صدی میں بھی اپنی اہمیت وصداقت رکھتا ہے۔''

''ڈاکٹر موصوف نے کہا کہ حقیقت میں آدمی کے لئے مذہب اور سائنس میں کوئی تخالف نہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ سائنٹیفک ایجادات اور اختراعات خود نہ اچھی ہیں نہ بُری۔ اچھائی اور برائی اُن کے طریق استعمال پر منحصر ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ اگر ان ایجادات وانکشافات کو مذہب کی حقیقی رہنمائی میسر آ جائے تو دنیا کی موجودہ مشکلات کا معتد بہ حصّہ خود بخود حل ہو جائے گا اور دنیا خدا تعالیٰ سے بہت نزدیک ہو جائے گی۔ ڈاکٹر موصوف نے کہا کہ اگر کوئی شخص صحیح معنوں میں راستی سے اس مسئلہ پر سوچنے کی کوشش کرے گا تو اُس کو خدا کی ہستی کے تسلیم کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ محض بے جان مادہ سے عقل اور ذہانت پیدا ہو جانا ایک بعید از قیاس بات ہے۔ جب ہم اخبار پڑھتے ہیں تو اُس کے بے جان حروف کے پس پردہ ہمیں ذہنِ مفکر کا خیال آ جاتا ہے۔ لہٰذا کیا یہ ہو سکتا ہے کہ اس جہانِ دنیوی کے پیچھے کوئی جہانِ اُخروی نہ ہوگا۔''

''دراصل روح اور مادّہ ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ سائنس کی وسیع طاقتوں سے مذہب اور بنی نوع انسان کی خدمت کا کام لیں اور اس طرح اُن موانع اور مشکلات کا جو خدا اور بندے کے درمیان حائل ہیں' قلع قمع ہو جائے۔ آج سائنسی تحقیق کے ذریعے جو بہت ساری ایجادات و اختراعات ہمارے سامنے ہیں' اُن کے بارے میں اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے ہی دعویٰ کر دیا تھا۔''(ایضاً)

خلاصہِ کلام یہ ہے کہ سائنس کی تعلیم پر حرام ہونے کا فتویٰ لگانا بالکل جائز نہیں' ہاں سائنس کو قبلہِ مقصود اور کعبہِ مطلوب بنانا حرام ہے۔ اسلام کی صداقتیں حقیقتِ ثابتہ اور حق ہیں جس کی جڑیں مستحکم اور دائمی ہیں (سورہ ابراھیم: ۲۴) جبکہ سائنس بے بنیاد اور کلمہ غیر ثابتہ ہے۔ سائنس مذہب سے بے تعلق رہ کر کلمہ خبیثہ ہے جس کے لئے کوئی ثبات وقرار نہیں لیکن مذہب (اسلام) کے ساتھ وابستہ رہ کر بہ حیثیت ایک خادم اور بطور ذریعہ مطلوب کے وہ بلاشبہ نافع اور کارآمد ہے۔ اس طرح وہ کلمہ طیّبہ ہی کے ذیل میں آ جائے گی جس کی جڑیں مضبوط اور شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی ہوں (سورہ ابراھیم:۲۴)۔

انسائیکلو پیڈیا جلد دوم جو آپ کے ہاتھوں میں ہے' کے چند مضامین کا مختصر سا تعارف ہدیہ قارئین ہے:

(۱) نباتی دنیا سے اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ پر نہایت واضح استدلال: کتاب ہٰذا کے اوّل باب بہ عنوان''علمِ حیاتیات ونباتات'' میں ہم نے دیکھا کہ کس طرح عملِ تکثیف اور ضیائی تالیف کے ذریعے وہ اشیاء جن میں

(3) جامعیت اور ہمہ گیریت : کائنات میں کوئی مقام، بحروبر، دشت وصحرا، کوہ ودمن ایسا نہیں جو اس کے قبضہِ قدرت سے باہر ہو :۔

(i) اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡر" ٥ (البقرة : ٢٠)
"بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔" (٢٠ :٢)

(ii) وَسِعَ کُرۡسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡض (البقرة : ٢٥٥)
"اُس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو سمار کھا ہے۔" (٢٥٥ : ٢)

کُرسی کے اصل معنی علم ہی کے ہیں اور کُرّاسة جو علمی صحیفوں کے لئے آتا ہے وہ اسی اصل سے ماخوذ ہے اور اہلِ لغت نے جہاں کُرسی کے ایک معنی سَریر کے دیئے ہیں وہاں دوسرے معنی علم کے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی معنی (یعنی علمِ الٰہی کے) منقول ہیں (ماجدی اُردو، ص ١٠٦)

(iii) اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخۡفٰی عَلَیۡہِ شَیۡءٌ" فِی الۡاَرۡض وَلَا فِی السَّمَآءِ (آلِ عمران : ٥)
"بے شک اللہ سے کوئی چیز چھپی نہیں رہتی، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔" (٥ : ٣)

(iv) رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡض وَمَا بَیۡنَہُمَا (مریم : ٦٥)
"آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے اور اُس سب کا بھی جو دونوں کے درمیان ہے*۔" (١٩:٦٥)

(v) لَا یَعۡزُبُ عَنۡہُ مِثۡقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الۡاَرۡض وَلَا اَصۡغَرُ مِنۡ ذٰلِکَ وَلَا اَکۡبَرُ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ٥ (سبا : ٣)
"آسمانوں اور زمین میں اُس سے کوئی ذرّہ برابر بھی غائب نہیں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ کوئی بڑی، مگر یہ کہ (یہ سب) کتابِ مبین میں درج ہے۔" (٣ : ٣٤)

(vi) وَھُوَالَّذِیۡ فِی السَّمَآءِ اِلٰہ" وَّفِی الۡاَرۡض اِلٰہ" (اَلزُّخۡرُف : ٨٤)
"اور وہ وہی تو ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے۔" (٨٤ : ٤٣)

(vii) رَبُّ الۡمَشَارِقِ وَالۡمَغَارِب (المعارج : ٤٠)
"مشرقوں اور مغربوں کا پروردگار۔" (٤٠ : ٧٠)

مَشَارِق جمع ہے مَشرِق کی اور مَغَارِب جمع ہے مَغرِب کی۔ آفتاب کے طلوع وغروب کے نقاط سال میں برابر بدلتے رہتے ہیں جیسا کہ علمِ ہیئت کے ہر طالبِ علم پر واضح ہے۔ قرآن مجید نے ہر ہر نقطہِ طلوع کو ایک مشرق اور ہر ہر نقطہِ غروب کو ایک مغرب قرار دے کر اسی فلکیاتی حقیقت کی جانب اشارہ کر دیا اور یہ بھی کہ ہر سمت اور ہر جہت کا مالک وہی ایک معبودِ برحق ہے۔

---

*وَمَا بَیۡنَہُمَا (اُن دونوں کے درمیان) میں اشارہ ہے خلا (Space) میں بسنے والی مخلوقات کی طرف۔

(4) بے مثل و بے مثال حیثیت : اللہ تعالیٰ کی حیثیت یکتا' یگانہ اور بے مثل و بے مثال ہے۔ شانِ بے نیازی اس کا طغرائے امتیاز ہے۔ اُسے کسی کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ سب کا حاجت روا ہے۔ اس کا نہ تو کوئی ہم سر ہے اور نہ ہی کوئی اس کی برابری کا دعویٰ کر سکتا ہے:۔

(i) اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ھَلْ مِنْ شُرَکَآئِکُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِکُمْ مِّنْ شَیْءٍ سُبْحٰنَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ o (اَلرُّوم : ۴۰)

''اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا' پھر تمہیں روزی دی' پھر تمہیں موت دیتا ہے' پھر تمہیں جلائے گا' کیا تمہارے شریکوں میں بھی کوئی ایسا ہے جو اِن کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے؟ وہ اللہ اُن کے شرک سے پاک و برتر ہے۔'' (۴۰ : ۳۰)

(ii) لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (اَلشُّورٰی : ۱۱)

''کوئی چیز بھی تو اُس کی مثل نہیں۔'' (۱۱ : ۴۲)

(iii) وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (مُحمّد : ۳۸)

''اور اللہ تو کسی کا محتاج نہیں بلکہ تم سب اُسی کے محتاج ہو۔'' (۳۸ : ۴۷)

(iv) اَللّٰہُ الصَّمَدُ o (الاخلاص : ۲)

''اللہ بے نیاز ہے۔'' (۲ : ۱۱۲)

(v) لَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ o (الاخلاص : ۴)

''کوئی بھی اُس کے برابر کا نہیں۔'' (۴ : ۱۱۲)

(5) لامحدود اختیارات : اللہ تعالیٰ کے اختیارات پر کوئی پابندی نہیں۔ اُس کے خزانے ختم ہونے والے نہیں۔ وہ جسے چاہے عطا کرے اور جسے چاہے محروم کر دے۔ وہ عقلِ کُل (حکیم) ہے اور اُس کی حکمتیں وہ خود ہی جانتا ہے:۔

(i) مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَۃٍ فَلَا مُمْسِکَ لَھَا وَمَا یُمْسِکْ فَلَا مُرْسِلَ لَہٗ مِنْ بَعْدِہٖ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ o (فاطر : ۲)

''اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے' کوئی اُس کا بند کرنے والا نہیں اور جو وہ بند کر دے اُس کے بعد اُسے کوئی جاری کرنے والا نہیں اور وہی غلبے والا' حکمت والا ہے۔'' (۲ : ۳۵)

ایک حدیثِ قُدسی میں ربِّ ذو الجلال والاکرام کے لامتناہی خزانوں کا نقشہ نبی ﷺ نے یوں کھینچا ہے:

یَا عِبَادِیْ لَوْاَنَّ اَوَّلَکُمْ وَآخِرَکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ قَامُوْا فِیْ صَعِیْدٍ وَّاحِدٍ فَسَاَلُوْنِیْ فَاَعْطَیْتُ کُلَّ اِنْسَانٍ مَسْاَلَتَہٗ مَا نَقَصَ ذٰلِکَ مِمَّا عِنْدِیْ اِلَّا کَمَا یَنْقُصُ الْمِخْیَطُ اِذَا اُدْخِلَ الْبَحْرَ (صحیح مسلم ' اربعین نووی)

''اے میرے بندو! اگر تم اوّلین و آخرین انسان اور جنات سب مل کر ایک میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کرو اور میں ہر شخص کا سوال پورا کر دوں' تو (سب کا سوال پورا کرنے پر) میرے خزانوں میں صرف اتنی کمی آئے گی جتنا سوئی کو سمندر میں ڈبو کر باہر نکالا جائے۔''

(ii) اَللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر''o(آلِ عمران : ۲۶)
''اے سارے ملکوں کے مالک! تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے حکومت چھین لے' تو جسے چاہے عزّت دے اور جسے چاہے ذلّت دے' تیرے ہی قبضہِ قدرت میں بھلائی ہے' کوئی شک نہیں کہ تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔'' (۳ : ۲۶)

(6) لامحدود علم: وہ ذات معبود اور الٰہ ہو نہیں سکتی جس کا علم محدود اور حدود و قیود کا پابند ہو۔ لہٰذا علم کی لامحدودیت الوہیت کی شان کے لائق اور اُس کا طغرائے امتیاز ہے۔ انسان کو جو کچھ بھی علم عطا ہوا ہے' وہ اُسی لامحدود علمِ الٰہی کا ایک معمولی سا ذرّہ ہے۔ اُس کا علم قدیم ہے اور مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ سب زمانوں کو محیط ہے۔ قرآن نے فرمایا:۔

(i) قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (آل عمران : ۲۹)
"فرما دیجئے جو کچھ تمہارے جی میں ہے' اُسے چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ اُسے جانتا ہے اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب جانتا ہے۔'' (۳:۲۹)

(ii) يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ o (الانعام : ۳)
"وہ تمہاری چھپی اور کھلی باتوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے رہتے ہو' اسے بھی جانتا ہے۔'' (۶:۳)

(iii) وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (الانعام: ۵۹)
"غیب کے خزانے اُسی کے پاس ہیں' اُنہیں بجز اُس کے کوئی نہیں جانتا' جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے' وہی جانتا ہے اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر یہ کہ وہ اُسے جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور خشک چیز مگر (یہ کہ یہ سب) روشن کتاب میں موجود ہیں۔'' (۶:۵۹)

(iv) اِنَّهَا اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ''o (لقمٰن : ۱۶)
''اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو پھر کسی پتھر کے اندر ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین کے اندر ہو اللہ اُسے لے ہی آئے گا۔ بے شک اللہ بڑا باریک بین' بڑا باخبر ہے۔'' (۳۱: ۱۶)

(۷) وَمَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَكۡمَامِهَا وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ (حٰمٓ السجدة:۴۷)

''اور کوئی پھل اپنے خول میں سے نہیں نکلتا اور نہ کوئی مادہ حمل سے رہتی ہے اور نہ (بچہ) جنتی ہے بغیر اُس کے علم کے۔'' (۴۱ : ۴۷)

(7) ناقابلِ تقسیم: ''قریش کی ایک جماعت نے سیّدِ عالم ﷺ سے کہا کہ آپ ہمارے دین کا اتباع کیجئے تو ہم آپ کے دین کا اتباع کریں گے یعنی ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں تو دوسرے سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے۔ سیّدِ عالم ﷺ نے فرمایا: اللہ کی پناہ کہ میں اُس کے ساتھ غیر کو شریک کروں'' (کہ اس کا اقتدارِ اعلیٰ ناقابلِ تقسیم ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اُس کے حقِ عبودیت کو تمہارے جھوٹے خداؤں میں تقسیم کر دوں!) ''کہنے لگے: تو آپ ہمارے کسی معبود کو ہاتھ ہی لگا دیجئے، ہم آپ کی تصدیق کر دیں گے اور آپ کے معبود کی عبادت کریں گے۔ تو آپ نے اُن کی شیطانیت سے اللہ کی پناہ چاہی۔ اس پر ذیل کی سُورۃُ الکافِرون نازل ہوئی: (''خزائن العرفان''۔۔۔سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی' صفحہ ۱۰۸۸)

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ ۝ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۝ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۝ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۝ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۝ لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ ۝ (اَلکافِرون: ۱-۶)

''فرما دیجئے اے کافرو! میں اُسے نہیں پوجتا جسے تم پوجتے ہو اور نہ تم اُسے پوجتے ہو جسے میں پوجتا ہوں اور نہ میں اُسے پوجوں گا جسے تم نے پوجا اور نہ تم اُسے پوجو گے جسے میں پوجتا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔'' (۱ تا ۶ : ۱۰۹)

(8) ناقابلِ انتقال: کفار کی اِس خام خیالی کے رد میں کہ مسلمانوں کے مقتدرِ اعلیٰ کا اقتدار قابلِ انتقال ہے' مندرجہ ذیل آیت میں مسلمانوں کو کافروں کے مذموم عزائم سے خبردار کر دیا گیا:

وَدُّوۡا لَوۡ تُدۡهِنُ فَيُدۡهِنُوۡنَ ۝ (اَلقَلَم : ۹)

''وہ تو اِس آرزو میں ہیں کہ کسی طرح تم نرمی کرو تو وہ بھی نرم پڑ جائیں۔'' (۶۸:۹)

اسی طرح سورہ آلِ عمران میں فرمایا:

(i) مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ يُّؤۡتِيَهُ اللّٰهُ الۡكِتٰبَ وَالۡحُكۡمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوۡلَ لِلنَّاسِ كُوۡنُوۡا عِبَادًا لِّىۡ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلٰكِنۡ كُوۡنُوۡا رَبّٰنِيّٖنَ (آلِ عمران : ۷۹)

''کسی انسان کا یہ حق نہیں کہ اللہ اُسے کتاب اور حکم و پیغمبری دے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ۔ ہاں (وہ یہ کہے گا کہ) اللہ والے ہو جاؤ۔'' (۷۹ :۳)

(ii) وَلَا يَاۡمُرَكُمۡ اَنۡ تَتَّخِذُوا الۡمَلٰۤئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرۡبَابًا اَيَاۡمُرُكُمۡ بِالۡكُفۡرِ بَعۡدَ اِذۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ۝

''اور نہ وہ تمہیں اس کا حکم دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو پروردگار قرار دے لو' کیا وہ تم کفر کا حکم کرے گا بعد اس کے کہ تم اسلام لا چکے ہو؟'' (آلِ عمران: ۸۰)

معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اقتدار واختیارات کو قابلِ انتقال سمجھنا صریحاً کفر ہے۔

(9) عظمتِ شان : هُوَالْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ اور اَلْمُتَکَبِّرُ میں اُس کی عظمتِ شان آشکار ہے۔

اسلامی تصوّرِ ملت : ملّتِ اسلامیہ کی بنیاد توحیدِ باری تعالیٰ اور خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر کامل ایمان ہے۔ چونکہ اسلام کی دعوت کسی ایک علاقے' وقت یا ملک تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا پیغام آفاقی اور ہمہ وقتی ہے اس لئے اسلام مخصوص گروہوں کی بجائے ہمیشہ وسیع تر انسانیت کے حقوق کا علمبردار رہا ہے۔ وہ رنگ ونسل' غریب وامیر' گورے اور کالے اور وطن کی حد بندیوں کو تسلیم نہیں کرتا۔ تمام نسلِ انسانی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے لہٰذا کسی کو کسی پر فضیلت نہیں سوائے خدا خوفی کے۔

ڈاکٹر محمد اقبال نے اسلامی ملت کی بنیاد مذہب پر رکھی ہے۔ آپ نے تصوّرِ ملت کی وضاحت میں فرمایا:

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
اُن کی جمیت کا ہے ملک ونسب پر انحصار
قوّتِ مذہب سے مستحکم ہے جمیت تری

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :

بُتانِ رنگ وخوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی' نہ ایرانی نہ افغانی

ملّتِ اسلامیہ کی خصوصیات : قرآن کریم کی رُو سے ملّتِ اسلامیہ کی خصوصیات حسب ذیل ہیں :۔

(۱) توحید : جیسا کہ بیان ہوا ملّتِ اسلامیہ کی بنیاد توحیدِ باری تعالیٰ پر ہے' جو ہر قسم کے شرک سے پاک اور مبرّا ہے۔ اِسی توحید کا پیغام دینے کے لئے تمام انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا جنہوں نے اس راہ میں بہت زیادہ مصیبتیں اور اذیّتیں جھیلیں لیکن پیغامِ حق پہنچانے میں ذرّہ بھر کوتاہی نہیں کی۔ چونکہ نزولِ قرآن کا مقصد ہی توحید تھا' اور جبینِ انسانیت کو اغیار سے ہٹا کر خدائے واحد کے آگے جھکانا تھا' لہٰذا قرآن مجید نے مختلف مقامات پر اسے بیان کیا ہے۔ مثلاً:

(i) قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ۝ (الانعام : ۱۹)
"فرما دیجئے کہ وہ تو بس ایک ہی معبود ہے اور جو شرک تم کرتے ہو میں اس سے بری ہوں۔" (6:19)

(ii) اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۝ (طٰہٰ : ۱۴)
"بے شک میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا کوئی معبود نہیں سو میری ہی عبادت کیا کرو۔" (۲۰:۱۴)

(iii) وَأَقِيمُوا الصَّلوٰةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ٥ (اَلرُّوم : ۳۱)
''اور نماز کی پابندی رکھو اور شرک کرنے والوں میں سے مت ہو وو۔'' (۳۱ : ۳۰)
(iv) لَا تُشْرِكْ بِاللهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ٥ (لقمٰن : ۱۳)
''اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ' بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔'' (۳۱:۱۳)

(2) رسالت : صرف وہ شخص ملتِ اسلامیہ کا رکن ہو سکتا ہے جو توحید کے عقیدہ کے ساتھ ساتھ نبی آخرالزماں ﷺ کو اللہ کا آخری نبی مانے جیسا کہ قرآن نے فرمایا:
(i) قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي رَسُوْلُ اللهِ اِلَيْكُمْ جَمِيعًا (الاعراف : ۱۵۸)
''فرما دیجئے اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔'' (۱۵۸ : ۷)
(ii) تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ٥ (الفرقان : ۱)
''اللہ بہت برکت والا ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل کیا تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لئے (عذاب سے) ڈرانے والے ہو جائیں۔'' (۱ : ۲۵)
(iii) وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا : ۲۸)
''اور ہم نے تو آپ کو سارے انسانوں کے لئے پیمبر بنا کر بھیجا ہے
بطور خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے کے۔'' (۳۴:۲۸)
(iv) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ٥ (مُحَمَّد : ۲)
''اور جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک عمل بھی کئے اور اُس سب پر ایمان لائے جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا اور وہ اُن کے پروردگار کی طرف سے امرِ حق ہے' اللہ اُن کے گناہوں کا کفارہ اُن کی طرف سے دے گا اور اُن کی حالت درست کر دے گا۔'' (۴۷:۲)

اپنی رسالت کی ہمہ گیریت اور آفاقیت کے متعلق نبی مکرم ﷺ نے فرمایا :
(۱) أُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۲۳؛ سنن ترمذی' رقم الحدیث:۱۵۵۳ : سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث:۵۶۷؛ مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۲)
''مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور مجھ پر نبیوں کو ختم کیا گیا ہے۔''
(۲) بُعِثْتُ إِلٰى كُلِّ أَحْمَرَ وَأَسْوَدَ (صحیح بخاری' رقم الحدیث:۳۳۵؛ صحیح مسلم' رقم الحدیث:۵۲۱؛ سنن النسائی' رقم الحدیث: ۴۳۰)
''مجھے ہر گورے اور کالے کی طرف بھیجا گیا ہے۔''

(3) عدل و انصاف : انفرادی، اجتماعی اور عدالتی ہر شعبہ حیات میں عدل و انصاف ملتِ اسلامیہ کا طغرائے امتیاز ہے۔ خویش پروری، اقربا پروری اور ناجائز طرفداری کی اسلامی نظام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ اِس ضمن میں قرآن مجید کی ہدایات بالکل واضح ہیں:۔

(i) يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ إِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ أَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰى أَنْ تَعْدِلُوْا وَإِنْ تَلْوٗا أَوْ تُعْرِضُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ٥ (اَلنِّساء : ۱۳۵)

"مؤمنو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو چاہے وہ تمہارے یا (تمہارے) والدین اور عزیزوں کے خلاف ہی ہو، وہ امیر ہو یا مفلس اللہ (بہر حال) دونوں سے زیادہ حق دار ہے، تو خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرنا کہ (حق سے) ہٹ جاؤ اور اگر تم ٹیڑھ پن کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔" (۱۳۵ : ۴)

(ii) يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى أَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ (اَلمائدۃ : ۸)

"مؤمنو! اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے (اور) عدل کے ساتھ شہادت دینے والے رہو اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم اُس کے ساتھ انصاف ہی نہ کرو، انصاف کرتے رہو کہ وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔" (۸ : ۵)

(4) مساوات : ملّتِ اسلامیہ کے تمام افراد قطع نظر رنگ و نسل، مذہب اور قوم کے مساویانہ حقوق کے حامل ہوتے ہیں اور کسی کے ساتھ ترجیحانہ سلوک روا نہیں رکھا جاتا۔ عزت کا معیار وہی ہے جو خالق لم یزل نے مقرر کر دیا ہے یعنی إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ (اللہ کے نزدیک تم میں سے معزز وہ ہے جو تم میں زیادہ متقی ہے اور خدا خوفی رکھتا ہے۔ اَلحُجُرات :۱۳)

(5) اتحاد و تعاون: قرآنی تعلیمات کی رُو سے ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (اَلحُجُرات :۱۰) دشمن کے مقابلہ میں وہ سیسہ پلائی گئی عمارت کی طرح ہوتے ہیں (اَلصَّفّ :۴) جس کا ایک حصّہ دوسرے حصّے کو مضبوطی سے تھامے ہوتا ہے (الحدیث)۔ اس ضمن میں تاجدارِ انبیاء ﷺ نے فرمایا :

(i) "تم مؤمنوں کو باہمی رحمدلی، باہمی محبت و مودّت و الفت میں ایک جسم کی طرح دیکھو گے۔ اگر جسم کے کسی عضو کو تکلیف ہو تو اُس کا تمام جسم بے خوابی اور بخار سے اُسے لبیک کہتا ہے۔"

(ii) "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ نہ تو اُس پر ظلم ڈھاتا ہے اور نہ ہی اُسے مصیبت میں تنہا چھوڑتا ہے۔ اور جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے، تو اللہ اُس کی حاجت روائی کرے

گا اور جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کی پردہ پوشی کرے گا۔''

(6) ایثار و قربانی : ملّتِ اسلامیہ کے افراد خود غرض' خود پسند اور خود بین نہیں ہوتے بلکہ وہ تواضع اور انکساری کے پیکر اور اپنے ابنائے جنس کے مفاد کو اپنے مفاد پر ترجیح دینے والے ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کی تعریف قرآنِ پاک نے یوں بیان کی ہے :۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَة'' (اَلْحَشر:۹)

''وہ (دوسروں کو) اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود شدتِ فاقہ میں ہوں۔''(۹ : ۵۹)

(7) عالم گیر برادری: ملّتِ اسلامیہ میں تمام دنیا کے مسلمان شامل ہیں۔ اسلام میں خون کے اشتراک سے بڑھ کر مذہب اسلام کے اشتراک کی اہمیت ہے۔ قطب شمالی کے رہنے والے مسلمان کو اگر کانٹا چبھتا ہے تو قطب جنوبی کا مسلمان درد سے تڑپ اٹھے گا اگرچہ اُن میں خون کا اشتراک نہیں اور وہ ایک دوسرے کو جانتے تک نہیں۔ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں فتح سندھ کی وجہ اور اُس کا پسِ منظر اس حقیقت کا بہترین غماز ہے۔

(8) اعلیٰ اخلاقی اقدار اور پاکیزگی : اسلام نے اپنے ماننے والوں میں ایسی اعلیٰ اخلاقی اقدار پیدا کیں جن پر انسانیت کو آج تک بجا طور پر ناز ہے۔ مجسم بربریت' قسی القلب اور انسانیت سے کوسوں دور جنہیں اپنے خون اور اپنے جگر گوشے کو زندہ درگور کرتے ہوئے ذرا ترس نہیں آتا تھا' آج اسلام کی بدولت فاختہ کے بچوں پر ترس کھایا جا رہا ہے کہ اگر خیموں کو اکھاڑ دیا گیا تو اُن میں بسیرا کئے ہوئے فاختہ کے ننھے ننھے بچے کہاں جائیں گے؟ اسی طرح صلاح الدین ایوبی سے لڑتے ہوئے اگر دشمن (فریڈرک) کے ہاتھ سے تلوار نیچے گر جاتی ہے تو وہ مردِ مجاہد اور توکل علی اللہ کی صحیح تصویر اُس نادر موقع سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اپنے گھوڑے سے نیچے اتر کر اُسے اُس کی گری ہوئی تلوار اٹھا کر اُسے تھما دیتا ہے۔ اور اگر فریڈرک بیمار پڑ کر جنگ کرنے کے قابل نہیں رہتا تو سنتِ نبوی کا پروردہ صلاح الدین اُس کی تیمارداری کے لئے جاتا ہے۔

اسلام چونکہ انتہائی پاکیزہ مذہب ہے' لہٰذا ملّتِ اسلامیہ کے افراد کے ہر شعبہ حیات افکار و خیالات' اعمال و کردار میں یہی پاکیزگی جاری و ساری نظر آتی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اُن کی عادتِ مستمرہ ہوتی ہے۔ وہ افعال و اقوال اور کردار میں نہ صرف خود پاکیزہ ہوتے ہیں بلکہ اپنی پاکیزگی عمل سے پورے سماج کو اپنے رنگ میں رنگ دیتے ہیں' جس میں کسی کو کسی سے کوئی شکایت یا رنجش نہیں ہوتی۔

(9) رواداری اور بے تعصبی: اسلامی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ ملّتِ اسلامیہ کے افراد ہمیشہ دوسرے مذاہب کے ساتھ روادار رہے ہیں اور اُن کے زیرِ سایہ غیر مسلم (ذمی) پُرسکون زندگی گزارتے رہے ہیں۔

ریاست (STATE) اور اُس کا اسلامی تصوّر: شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ریاست کی تعریف یوں بیان کی ہے: ''اہلِ مدینہ ایسے افراد کا گروہ ہے جو ایک مخصوص علاقے میں رہتے ہوں، اُن کی اپنی حکومت ہو اور وہ اپنے علاقے میں بیرونی دباؤ سے بالکل آزاد ہوں۔''

تمام انسانی اداروں میں ریاست سب سے اہم ادارہ ہے اور اُس کی حیثیت دوسرے تمام اداروں میں سب سے بالا ہے۔ قرآنِ حکیم میں ''ریاست'' کا براہِ راست کوئی حوالہ نہیں ہے البتہ کچھ آیات ایسی ہیں جن میں بالواسطہ ریاست کا حوالہ ملتا ہے۔ مثلاً سورۃ الحدید کی یہ آیت:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَأْسٌ ''شَدِيْدٌ'' وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (اَلْحَدِيْد : ۲۵)

''ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ہم نے اُن کے ساتھ کتاب کو اور انصاف کرنے کو نازل کیا تاکہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو (بھی) نازل کیا کہ اُس کے اندر شدید ہیبت ہے اور لوگوں کے لئے (اور بھی) فائدے ہیں۔'' (۵۷ : ۲۵)

کچھ مفسرین کے نزدیک یہاں اَلْحَدِیْد سے مراد قوّتِ ریاست ہے اور مقصد یہ ہے کہ اسلامی ریاست کو اس قدر طاقتور ہونا چاہئے کہ وہ بیرونی جارحیت کا دفاع کر سکے اور ایسے حالات پیدا کرے جن میں عوام کو اللہ کے مقرر کردہ معیار کے مطابق سماجی انصاف مل سکے۔

فِیْهِ بَأْس ''شَدِیْد'' معمولی اور گھریلو چاقو، چھری، اُسترا، قرولی سے لے کر تلوار، نیزہ، سنگین، خنجر، پستول، رائفل، مشین گن، توپ وغیرہ سے ہوتے ہوئے جدید ترین قسم کے مہلک آیات، ایٹم بم وغیرہ پر نظر کر جائیے، ہر ایک میں کارفرمائی اِسی مہلک اور پُر ہیبت دھات، لوہے ہی کی نظر آئے گی۔ اور پھر ہتھیاروں یا اسلحہ کے علاوہ دوسری قسم کے مہلک آلاتِ حرب، ٹینک، جیپ، آرمرڈ کار، ڈریڈ ناٹ جہاز، آبدوز کشتیاں، تباہ کن کشتیاں، بمبار طیارے وغیرہا ان سب کو بھی نظر میں رکھئے تب جا کر لفظِ قرآنی کی حیرت انگیز و معجزانہ جامعیت کی قدر ہوگی۔ وَمَنَافِعُ لِلنَّاس آج دنیا جس کارخانۂ عالم کو کارگاہِ تہذیب و تمدن کے نام سے یاد کرتی ہے، اس سے لوہے کی چھوٹی بڑی ساری مصنوعات، گھریلو ہل، سوئی، ٹب، پین اور سیفٹی پین، قینچی، ہولڈر، پھاوڑہ، بیلچہ، کدال، اُسترے، ناخن گیر، کڑچھے، دست پناہ، کھرپے، بسولے، ہنسیا، گنڈاسے، کلہاڑی، چھلنی، ہاون دستہ، کرنی، ہتھوڑے، انگیٹھی، ترازو کے پلڑے، ترازو کے باٹ، کیل، برنجی کیل، موٹے چولھے، کنجی، قفل، پتر، آرے، قبضے، پیچ کش، سکنی، زنجیر، کنڈی، چھتری کی تیلیاں، بائیسکل کی تیلیاں، تانگوں اور گاڑیوں کی کمانیاں، دھونکنی، سلاخیں، توے، پہیوں کے آہنی خول، موٹر، موٹر سائیکلیں، ریلوے انجن، فائر انجن، ٹیلیفون اور ٹیلیگراف، ریڈیو کے تار، ریل کی پٹڑیاں، خود ٹراموے اور ان سب کے اندر بے شمار پرزوں اور جنگی و غیر جنگی، رزمی، بزمی، اُن گنت بڑی اور چھوٹی مشینوں کو ذرا معدوم فرض کر کے دیکھئے کہ اعلیٰ شہری

حیات اور نمو کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا' نباتی ترکیب میں داخل ہو کر جسمِ نامی کی صورت قبول کر لیتی ہیں' غذا حاصل کر لیتی ہیں اور غذا حاصل کرنے کے لئے اُس کی جڑیں زمین کے اندر گھس گئی ہیں اور وہ وہ خواص حاصل کر لیتی ہیں جو اُن میں اس سے پہلے موجود نہ تھیں۔ اپنی غذا کے حصول کے لئے وہ حیوانات کی طرح اگر چہ قدموں پر نہیں چلتی لیکن وہ زمین کے اندر وہاں تک پہنچ جاتی ہے جہاں حیوان نہیں پہنچا کرتا۔ اس کی شاخیں بلند ہو جاتی ہیں یا وہ اپنے خار اور بیلوں کے ساتھ آفتاب کی روشنی سے نفع حاصل کرنے کے لئے بلند مقامات پر قیام کرتی ہے جیسا کہ حیوانات پھلوں کی تلاش میں درختوں پر چڑھ جاتے ہیں۔''

''پھر نباتات کی اقسام میں جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ اور بھی محیر العقل ہے۔ وہ اختلاف صاف صاف اِس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اُس کا پیدا کرنے والا کوئی خود مختار ہستی ہے جو نہ تو کسی قانون کے تابع ہے اور نہ ہی اُس کی قدرت کی کوئی حد ہے۔ بیان اُس کا یہ ہے کہ بعض درختوں کو ہم اس قدر بڑا اور بلند دیکھتے ہیں جیسا کہ کوہِ لبنان اور امریکہ کی بڑی ترائی میں ایک ایسا درخت دیکھنے میں آیا ہے جس کی لمبائی تین سو سے چار سو قدم تک ہوتی ہے اور بعض کا قطر تو زمین کے قریب تیرہ قدم تک پایا جاتا ہے اور پوست کی موٹائی اٹھارہ قیراط تک کی ہوتی ہے۔ اُن میں سے بعض درخت تو اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ اگر اُن کا تنا اندر سے خالی کر لیا جائے تو اُن میں سے سوار اپنے گھوڑے کی پشت پر کھڑے ہو کر اس طرح چل سکتا ہے کہ اُس کا بدن اُن سے چھونے بھی نہ پائے۔''

''پھولوں کو لیجئے تو وہ بھی مختلف اقسام کے ہیں۔ اُن کے رنگ اور شکلوں میں بڑا گہرا تفاوت ہے۔ چنانچہ کوئی پھول گول ہوتا ہے' کوئی لمبا' کوئی اکہرا' کوئی دوہرا۔ اسی طرح اُن کی بے شمار شکلیں ہوتی ہیں۔ رنگوں کو دیکھئے تو سفید' سرخ' زرد' نیلگوں' سبز اور رنگ برنگ کے نقوش سے منقش نظر آتے ہیں۔ پھر کسی میں دو ہی رنگ ہیں' کسی میں بہت متخالف رنگ جمع ہیں۔ ہر ایک کی خوشبو میں خاصیت ہی جدا ہوتی ہے۔ کوئی خوشبو نہایت پاکیزہ اور خوش کن ہوتی ہے' کوئی نہایت ہی ناگوار کہ جان ہی لے لیتی ہے۔''

''بعض پھلوں میں ایسی پاکیزہ خوشبو ہوتی ہے کہ وہ نہ تو اُس کے پھولوں میں پائی جاتی ہے نہ پتوں میں۔ ذائقہ کو لیجئے تو شیریں' ترش' چاشنی دار' تلخ غرض شمار سے باہر ذائقے ہوتے ہیں۔ پھلوں میں ایک نہایت عجیب بات یہ ہوتی ہے کہ اُن کے چھلکوں میں جو مزہ' رنگ اور بُو پائی جاتی ہے وہ اُن کے گودے میں نہیں ہوتی۔ اور جو مزہ ہم گودے میں پاتے ہیں وہ تخم میں نہیں ملتا اور جو ذائقہ تخم میں پایا جاتا ہے وہ درخت کے کامل اجزاء میں نہیں پایا جاتا۔ بعض پھلوں کے اندر مختلف شکلوں کے بیج' طرح طرح کی خوشبوئیں' مزے اور رنگ پائے جاتے ہیں۔ بعضے بیج سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ پھر کسی پر ایک غلاف چڑھا ہوتا ہے' کسی پر زیادہ اور کسی پر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ کوئی پھل ہوتا تو چھوٹا ہے لیکن اُس کا درخت بہت بڑا ہوتا ہے جیسا کہ انجیر یا برگد۔ بعض پھل بڑے ہوتے ہیں اور پیدا بیلوں سے ہوتے ہیں مثلاً خربوزہ۔ بعض مہینہ میں بار آور ہوتے ہیں اور بعض اس سے بھی کم مدت میں اور بعض کا پھل برسوں

تمدن تو خیر بڑی چیز ہے ادنیٰ دیہاتی تمدن بھی باقی رہ جاتا ہے؟ یہ سارے جائزے لے ڈالنے کے بعد الفاظِ قرآنی کی معجزانہ جامعیت پر بے اختیار قربان ہونے کو جی چاہے گا!'' (تفسیر ماجدی' صفحہ ۱۰۸۱)

مندرجہ بالا قرآنی آیت سے ہمیں ریاست کی یک جہتی کا اصول ملتا ہے یعنی مسلمانوں کو ایسی ریاست مستحکم کرنی چاہئے جو مضبوط اور باقوت بھی ہو کہ ہر قسم کی جارحیت کا مقابلہ کرسکے اور جو لوگوں کا تعلق اللہ سے عقیدتاً جوڑ دے۔

''مندرجہ ذیل آیت اسلامی طرزِ حکومت کی سچی اور اصلی تصویر کی عکاس ہے۔ اگر حکومت سچے اور پکے مسلمانوں کی قائم ہو جائے تو مسجدیں آباد اور پُر رونق ہو جائیں اور ہر طرف سے تہلیل و تکبیر کی صدائیں گونجا کریں' بیت المال کے صحیح نظام کی بدولت کوئی ننگا' بھوکا نہ رہے' عدالتوں میں انصاف بکنے کی بجائے ملنے لگے' رشوت' جعلسازی اور دروغ حلفی کا بازار سرد پڑ جائے' امیر کو غریب کی تحقیر کرنے' اُس کا حق مارنے اور ایذارسانی کا کوئی موقع نہ مل سکے' غیبتیں' بدکاریاں' چوریاں' ڈاکے اور قتل و غارت سب کے سب خواب و خیال ہو جائیں' آبکاری کے محکمہ کو کوئی پانی دینے والا بھی نہ رہے' مہاجنی کوٹھیوں' سود خوار ساہوکاروں' بینکوں کے ٹاٹ الٹ جائیں۔ گویئے اور نچنئے اگر تائب نہ ہوں تو ملک بدر کردئے جائیں' سینما' تھیٹر' تمام شہوانی تماشا گاہوں کے پردوں کو آگ لگا دی جائے۔ گندہ' فحش' افسانہ و شاعری کی جگہ صالح و پاکیزہ ادبیات لے لیں۔ غرض یہ کہ دنیا' دُنیا رہ کر بھی نمونہِ جنت بن جائے۔'' (تفسیر ماجدی اردو' ص ۶۸۶) آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کو بہ حیثیتِ مجموعی قوت عطا کرتا ہے' کسی فرد کو نہیں:۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّکٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ (اَلْحَجّ : ۴۱)

''(یہ لوگ ایسے ہیں کہ) اگر ہم اُنہیں زمین میں حکومت دیں تو وہ نماز کی پابندی کریں' زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو بھی) نیکی کا حکم دیں اور برے کام سے روکیں۔'' (۴۱ : ۲۲)

<u>اسلامی ریاست کے مقاصد</u>: کچھ قرآنی آیات سے یہ نتیجہ صحیح طور پر اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی ریاست کا مقصد ایسے بہترین انسان پیدا کرنا ہے جو حقوق اللہ کو مستعدی سے ادا کرنے والے ہوں' جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ترویج کریں اور یوں اسلامی اَقدار کو فروغ اور ترقی دیں۔ اس طرح اسلامی ریاست اصلاً اور اوّلاً ایک اخلاقی ریاست ہے جس کا مقصدِ وحید ایسے لوگ پیدا کرنا ہے جو نیکی کا مجسمہ ہوں۔ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ اسلام کی اخلاقی قوت سے تحریک پاتے ہوئے مسلم اُمّہ کے افراد جب بھی دنیا کی طرف نکلے تو وہ نہ صرف اعلیٰ اخلاقی اقدار کا مجسمہ تھے بلکہ وہ ذہنی اور مادّی دونوں لحاظ سے ترقی یافتہ لوگ تھے جس کی وجہ یہی تھی کہ وہ درج ذیل الٰہی احکامات کے سچے اور قابلِ رشک نمونہ تھے:۔

(۱) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ (آلِ عمران : ۱۰۲)

''مومنو! اللہ سے ڈرو جیسے اُس سے ڈرنے کا حق ہے۔'' (۱۰۲ : ۳)

(۲) وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (آلِ عمران : ۱۰۴)

''اور تم میں ایک ایسی جماعت کا ہونا ضروری ہے جو نیکی کی طرف بلایا کرے' بھلائی کا حکم دیا کرے اور بدی سے روکا کرے اور یہی لوگ ہی تو پورے کامیاب ہیں۔'' (۱۰۴ : ۳)

مِّنْكُمْ (میں سے کچھ) یہ بھی کمالِ رحمت اور ضعفِ بشری کی انتہائی رعایت ہے کہ ساری امت کی بجائے اس فریضہ پر ایک مخصوص جماعت ہی کو مامور کیا گیا' ورنہ اِس فریضہ کی ادائی کے لئے جن اوصاف اور شرائط کی ضرورت ہے' کیا عجب کہ بہتوں کو وہ سخت دشوار معلوم ہوتے!

(۳) كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

''تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے' تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔'' (آلِ عمران: ۱۱۰)

آیت سے ظاہر ہے کہ اِس اُمّت کی خیریت و افضلیت اُسی وقت تک ہے جب تک وہ اِن صفات کی حامل ہو یعنی ایمان باللہ میں مضبوط ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (ایجابی وسلبی دونوں قسم کی اخلاقی خوبیوں) پر قائم ہو۔

(۴) اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (اَلْحَجّ : ۴۱)

''یہ لوگ ایسے ہیں کہ) اگر ہم اُنہیں زمین میں حکومت دیں تو وہ نماز کی پابندی کریں' زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو بھی) نیکی کا حکم دیں اور برے کام سے روکیں۔'' (۴۱ : ۲۲)

اِس آیت (۲۲:۴۱) سے دو نتائج نکلتے ہیں: (۱) وہ ملک گیری کی ہوس یا عہدے اور منصب کے لئے نہیں لڑتے بلکہ اپنے خالق و مالک کی رضاجوئی کے لئے حق کی خاطر لڑتے ہیں۔ (۲) وہ نہ تو اپنی رعایا کے حقوق کا استحصال کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے سفلی جذبات و خواہشات کی تسکین کرتے ہیں بلکہ وہ نیکی اور تقویٰ کا مکمل نمونہ ہوتے ہیں۔

اس ضمن میں محمد اسد لکھتے ہیں:۔

''پس اسلامی ریاست بذاتِ خود ایک مقصد یا منتہائے مقصد نہیں ہے بلکہ اُس مقصد تک پہنچانے کا ذریعہ ہے

یعنی لوگوں کے ایسے گروہ کی اُٹھان جو عدل و انصاف' مساوات اور باطل کے مقابل حق کی بالا دستی کے لئے سینہ سپر ہوں یا مختصراً یوں کہنا چاہئے کہ ایسے لوگوں کا گروہ جو ایسے حالات پیدا کرنے اور قائم رکھنے کے لئے کام کریں جو زیادہ سے زیادہ انسانوں کو اخلاقی اور مادّی لحاظ سے اسلام کے فطری قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کے قابل بنائیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جس ناگزیر شرطِ اوّل کی ضرورت ہے' وہ معاشرہ کے افراد میں مضبوط رشتۂ اخوّت کا پیدا کرنا ہے۔ قرآنی فرمودہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃ" (مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں) کو پیغمبرِ اسلام ﷺ نے متعدد مقامات پر زیادہ وضاحت سے بیان کیا اور فرمایا :

(۱) اَلْمُؤْمِنِ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ' بَعْضًا (صحیح بخاری' صحیح مسلم)

"مؤمن مؤمن کے لئے ایک عمارت کی طرح ہوتا ہے جس کا ایک حصّہ دوسرے حصّے کو مضبوطی سے تھامے ہوتا ہے۔"

(۲) اَلْمُسْلِمُ أَخُوا الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ' وَلَا يُسْلِمُهُ' وَمَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ أَخِيْهِ كَانَ اللهُ فِيْ حَاجَتِهٖ وَ مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (ایضًا)

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ نہ تو اُس پر ظلم ڈھاتا ہے اور نہ ہی اُسے مصیبت میں تنہا چھوڑتا ہے اور جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے تو اللہ اُس کی حاجت روائی کرے گا اور جو کوئی کسی مؤمن کی تکلیف کو دُور کرتا ہے' تو اللہ تعالیٰ قیامت کی تکالیف میں سے کسی تکلیف کو اُس سے دُور کرے گا اور جو کوئی کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے' تو اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اُس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔"

اب سوال یہ ہے کہ اس بھائی چارے (رشتۂ اخوّت) کی جذباتی بنیاد کیا ہونی چاہئے؟ یقینی طور پر یہ قبائلی عصبیت یا قومی وفاداری تو ہو نہیں سکتی جو غیر مسلم معاشروں میں تمام سیاسی گروہ بندیوں کے لئے بقائے حیات کی وجہ بن جاتی ہے اور جس کی پیغمبرِ اسلام ﷺ نے بہ ایں الفاظ مذمّت فرمائی ہے کہ یہ سچے مؤمن کے شایانِ شان نہیں ہے:۔

"کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے وفات یافتہ آباء و اجداد کی شیخی بگھارتے ہیں لیکن اللہ کی نظر میں وہ اُس سیاہ بھنورے سے بھی زیادہ قابلِ نفرت ہیں جو اپنی ناک سے گندگی کو گھماتا ہے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت اور آباء و اجداد کی شان و شوکت کے فخر و غرور کو دُور کر دیا ہے۔ آدمی یا تو خدا خوف مؤمن ہوتا ہے' یا بدنصیب معصیت پیشہ۔ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹّی سے پیدا کئے گئے۔"
(ترمذی' ابوداؤد بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

دستور (آئین: CONSTITUTION): "دستور حقوق و اختیارات اور لائحہ عمل کا ایسا نظام ہوتا

ہے جو کسی ریاست میں عوامی اربابِ اختیار اور اُس کے باشندوں کے مابین تعلقات کو درست رکھتا ہے۔''
(Dictionary of Politics... David Robertson, p. 66)

<u>اسلامی ریاست کا دستور (آئین)</u>: اسلام کے سیاسی نظریہ کے مطابق ریاست خداداد چیز ہوتی ہے جبکہ مغرب کے سیاسی نظریہ میں وہ انسانوں کی تخلیق کردہ ہوتی ہے۔ اوپر صفحہ ۷۵۷ پر دی گئی آیت اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّكَّنّٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ (اگر ہم اُنہیں زمین میں حکومت دیں) کو اگر مندرجہ ذیل آیت کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے:

اَللّٰهُمَّ مٰلِكَ الۡمُلۡكِ تُؤۡتِی الۡمُلۡكَ مَنۡ تَشَآءُ وَتَنۡزِعُ الۡمُلۡكَ مِمَّنۡ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ بِیَدِكَ الۡخَیۡرُ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ''o (آلِ عمران: ۲۶)

''اے سارے ملکوں کے مالک! تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے حکومت چھین لے، تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی قبضہ قدرت میں بھلائی ہے، کوئی شک نہیں کہ تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔'' (۳: ۲۶)

تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قوت (یعنی ریاست) اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت ہے جو وہ جسے چاہتا ہے، دیتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اسلامی ریاست خداداد ہوتی ہے نہ کہ انسانوں کی بنائی ہوئی۔ تو جب ریاست اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ چیز ہے اور اللہ ہی ریاست کا مقتدرِ اعلیٰ ہے تو اُس ریاست کا دستور (آئین) بھی لازماً اُس کی رضا اور مشیت کے مطابق ہونا چاہئے۔ اس طرح کا وضع کردہ آئین لوگوں اور اُن کے خالق کے درمیان ایک ایسا معاہدہ ہوتا ہے جس میں لوگ اپنے آپ کو اپنے خالق کی مشیت اور رضا کے سپرد کر دیتے ہیں اور اُس کے قوانین کے نفاذ میں اُس کے کارندے اور عامل ہونے کا عہد کرتے ہیں۔

قرآن مجید کی متعدد آیات میں لوگوں کو اِس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اپنے خالق و رازق سے کئے ہوئے عہد کو پورا کریں۔ مثلاً یہ آیات:

(۱) اَوۡفُوۡا بِعَهۡدِیۡۤ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ (البقرۃ: ۴۰)

''اور مجھ سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کرو، میں تم سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کروں گا۔'' (۲:۴۰)

(۲) وَاِذۡ اَخَذَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَنِیۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ ذُرِّیَّتَهُمۡ وَاَشۡهَدَهُمۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِهِمۡ اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ قَالُوۡا بَلٰی شَهِدۡنَا اَنۡ تَقُوۡلُوۡا یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنۡ هٰذَا غٰفِلِیۡنَ o (الاعراف: ۱۷۲)

''(اور یاد تو کیجئے) جب آپ کے پروردگار نے اولادِ آدم کی پشت سے اُن کی نسل کو پیدا کیا اور خود اُنہی کو اُن کی جانوں پر گواہ کیا اور (کہا) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ وہ بولے: ضرور ہیں، ہم گواہی دیتے ہیں (یہ اس لئے ہوا) کہ کہیں تم روزِ قیامت یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔''

(۳) اَلَّذِیۡنَ یُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ وَلَا یَنۡقُضُوۡنَ الۡمِیۡثَاقَ o (الرَّعد: ۲۰)

"جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے رہتے ہیں اور اُس پیمان کو توڑتے نہیں ہیں۔" (۲۰ : ۱۳)

(۴) وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَاللّٰہِ مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِہٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآاَمَرَاللّٰہُ بِہٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ اللَّعْنَۃُ وَلَھُمْ سُوْٓءُ الدَّارِo (اَلرَّعد :۲۵)

"اور جو لوگ اللہ کے عہد کو اُس کی پختگی کے بعد توڑتے رہتے ہیں اور اُسے کاٹ دیتے ہیں جسے اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا اور زمین پر فساد کرتے رہتے ہیں' ایسوں پر اللہ کی لعنت ہے اور اُن کے لئے اُس جہان میں خرابی (ہی) ہے۔" (۲۵ : ۱۳)

(۵) وَاَوْفُوْا بِعَھْدِاللّٰہِ اِذَا عَاھَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْکِیْدِھَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰہَ عَلَیْکُمْ کَفِیْلًا اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَo (اَلنَّحل : ۹۱)

"اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب تم عہد کر چکے ہو اور قسموں کو اُن کے پکا کرنے کے بعد مت توڑو' دراں حالیکہ تم اللہ کو اپنے آپ پر گواہ بنا چکے ہو۔ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔" (۹۱ : ۱۶)

یہ قرآنی آیات بتاتی ہیں کہ انسان نے اپنی تخلیق کے وقت اپنے خالق کو اپنا رازق اور رب تسلیم کرتے ہوئے اُس سے وعدہ کیا تھا۔ تہذیب و تمدن کی ترقی کے ساتھ اُس نے ریاستیں بنانی سیکھ لی ہیں تو لازم ہے کہ اپنے رب کو ریاست کا مالک سمجھتے ہوئے اُس سے کیئے ہوئے اُس وعدے کی تجدید کی جائے اور اس طرح اپنے آپ کو اُس کی مرضی کے سپرد کر دیا جائے۔ دراصل اِسی سپردگی کا نام اسلام ہے۔ سیاست کے الفاظ میں جب تک یہ سپردگی مکمل طور پر نہیں ہو پاتی' تو ریاست صحیح معنوں میں اسلامی ریاست نہیں کہلا سکتی۔

"ایک لادینی ریاست کا آئین لوگوں کے درمیان معاشرتی سمجھوتہ ہوتا ہے جس کے تحت وہ اپنی حکومت کی تشکیل کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلامی ریاست کا آئین لوگوں اور اللہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے جس کے تحت وہ اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے سپرد کر دیتے ہیں اور اللہ کی جانب سے تفویض کردہ اختیار (جو امانت ہے) کے استعمال کا ذمہ لیتے ہیں۔" ("Reconstruction of Political Thought in Islam" ... Prof. Masudul Hasan, p. 59)

<u>اسلام کا تصوّرِ قیادت</u>: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیان کے ضمن میں قرآنِ حکیم نے قیادت کا اصول بتایا ہے

وَاِذِابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَo (اَلبَقرۃ:۱۲۴)

"اور (وہ وقت یاد کیجئے) جب ابراہیم کو اُن کے رب نے چند امور میں آزمایا اور اُنہوں نے وہ انجام دے دیئے تو ارشاد ہوا کہ میں یقیناً تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ بولے: اور میری نسل میں سے بھی۔ فرمایا کہ میرا وعدہ نافرمانوں کو نہیں پہنچا کرتا۔"

امام فخرالدین رازی کہتے ہیں کہ فقہائے اسلام اور متکلمین (ماہرینِ علمِ کلام) اس آیت سے یہ دلیل دیتے ہیں کہ مسلمان معاشرے کی قیادت کسی فاسق و فاجر شخص کے سپرد کرنا جب تک وہ اپنے فسق و فجور پر قائم رہے' جائز نہیں ہے۔(''مَفَاتِیحُ الْغَیب''---فخرالدین الرازی ۸۰:۴۷۳:۱) قاہرہ ۱۳۰۷ھ

آیتِ مذکورہ کی تفسیر میں علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے صرف اُن لوگوں کو جو انصاف قائم کر سکتے ہوں اور جو ہر قسم کے (بیرونی اور اندرونی) دباؤ سے آزاد ہوں' منصب قیادت پر فائز کیا جائے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے علماء نے یہ بھی اخذ کیا ہے کہ بدکردار آدمی قیادت کے لئے نااہل ہوتا ہے جس کی وجہ' وہ کہتے ہیں کہ ظاہر ہے۔ وہ شخص جس کی گواہی اسلامی عدالت میں ناقابلِ قبول ہو' جسے اطاعت کے قابل ہی نہ سمجھا جاتا ہو اور جسے نماز کی امامت کرنے کی اجازت نہیں' اُسے کیونکر قیادت کی ذمہ داریاں سونپی جا سکتی ہیں!(تفسیر ''اَلْکَشّاف''--الزمخشری ۹۲ : ۱) قاہرہ ۱۳۴۵ھ

سورۃ البقرۃ میں بیان ہوا کہ طالوت * کو اُن کی غربت و افلاس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اسرائیلیوں کا بادشاہ بنایا جن کی بابت قرآن یوں فرماتا ہے:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا قَالُوْا أَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (اَلْبَقَرَة : ۲۴۷)

''اور اُن سے اُن کے نبی نے کہا کہ اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو امیر مقرر کر دیا ہے۔ وہ بولے: اُسے ہمارے اوپر امیری کیسے حاصل ہو سکتی ہے درآنحالیکہ ہم اُس سے بڑھ کر امیری کے مستحق ہیں اور اُسے مال میں بھی تو وسعت نہیں دی گئی ہے۔ (نبی نے) کہا کہ اُسے اللہ نے تمہارے مقابلہ میں منتخب کر لیا ہے اور اُسے علم و جسم (دونوں) میں کشادگی زیادہ دی ہے اور اللہ اپنا ملک جسے چاہتا ہے' دیتا ہے اور اللہ بڑا ہی وسعت والا' بڑا ہی علم والا ہے۔'' (۲۴۷ : ۲)

مُلْکَہٗ۔ مُلک کی نسبت اپنی طرف کر کے بتا دیا کہ درحقیقت سارے ملکوں کا وہی ایک ہی مالک ہے۔ اس واقعہ کے بیان کرنے میں قرآن مجید کا اصل مقصد یہ ہے کہ بادشاہت اور حکمرانی کے لئے کچھ اخلاقی اہلیت کی ضرورت ہوتی ہے اور اُسے کسی کو عطا کرنے میں مقتدر' اعلیٰ نسل یا خاندان' خون یا رشتہ داری اور عہدے اور منصب کو نہیں دیکھا کرتا۔ عَلِیْم کے لفظ نے واضح کر دیا کہ وہی بہتر جانتا ہے کہ کس میں ملک گیری اور ملک داری کی صلاحیت موجود ہے۔ <u>اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید ایک حکمران کے لئے جسمانی توانائی اور لوگوں اور اُن کے حالات سے باخبری کو بھی</u>

* قرآن مجید کی اس بلاغت کے قربان جایئے کہ اُس نے نام ہی ایسا رکھا جس سے بلند قامتی کی جانب پورا اشارہ ہو جائے چنانچہ اہلِ تحقیق کا ایک گروہ اس جانب گیا ہے کہ طالوت دراصل طولوت تھا اور طول سے مشتق۔ تو طالوت کو اُن کی بلند قامتی کی وجہ سے طالوت کہا گیا (معالم التنزیل)

ضروری قرار دیتا ہے۔ اگرچہ قرآن نے یہاں اَلْــجِسْــم کا لفظ (بمعنی قامت) استعمال کیا ہے جس کا مطلب اکثر مفسرین نے جسمانی طاقت کا لیا ہے اور اس کے پسِ پردہ جسمانی (سفلی) جذبات پر قابو پانے کا نظریہ ہے جس کا قدرتی نتیجہ حد درجہ جسمانی قوت میں نکلتا ہے۔ بہر حال قرآن مجید نے اسرائیلیوں کے مادیت گزیدہ رویّے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے جن کے خیال میں طالوت غربت کی وجہ سے حکمرانی کے اہل نہیں تھے۔ اس کے ساتھ ہی قرآن لوگوں کے لئے اس بات پر زور دیتا ہے کہ وہ انسان میں ودیعت کئے گئے اُن روحانی عناصر کو زیادہ وزن دیا کریں جو سماجی ذمہ داری کے بوجھ کو اٹھانے کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ اس آیت سے علامہ ابن کثیر نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ایک حکمران کو صاحبِ علم اور عمدہ خدوخال والا ہونے کے علاوہ خاصی جسمانی قوت والا اور ضبطِ نفس کا مالک بھی ہونا چاہئے۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ قرآن کے الفاظ "زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ" (اُسے علم و جسم دونوں میں کشادگی زیادہ دی ہے) میں اہم اشارہ یہ ہے کہ اخلاقی اور روحانی خصوصیات کو محض جسمانی خصوصیات پر ترجیح حاصل ہے کیونکہ آیت میں علم (حکمت) کا ذکر پہلے اور جسمانی قد و قامت کا ذکر بعد میں ہوا ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

قرآن اور صاحبِ قرآن ﷺ نے اسلامی معاشرہ میں غریب و امیر، حاکم و محکوم میں عدل و مساوات قائم کر کے جن اعلیٰ ترین اخلاقی اقدار سے اُسے ہمکنار کیا، ایسا معاشرہ کسی مطلق العنان کو بطور سربراہ برداشت نہیں کر سکتا لٰہذا کوئی مطلق العنان شخص اسلامی مملکت کا سربراہ نہیں بن سکتا اور اِس حقیقت نے ''بادشاہ کوئی غلطی نہیں کر سکتا'' کے نظریہ کو مسترد کر دیا۔ اسلامی ریاست کے سربراہ کے لئے مسلمان ہونا بھی ضروری ہے کہ کوئی غیر مسلم اُس کا سربراہ نہیں ہو سکتا۔

حکمران کے بارہ میں ایک غلط فہمی کا ازالہ : سورۃُ الانبیاء کی مندرجہ ذیل آیت

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ (الانبیاء: ۱۰۵)

"اور ہم نے لوحِ محفوظ میں لکھنے کے بعد کتبِ آسمانی میں لکھ رکھا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔'' (۱۰۵ : ۲۱)

کا حوالہ دیتے ہوئے بعض لوگ اِس بات کے مدّعی ہیں کہ حکمرانی (بادشاہت) کا کسی شخص کو دیا جانا اُس شخص کے درست ہونے کا ثبوت ہے کیونکہ مرضیِ مولا نے اُسے حکمران منتخب کیا ہے۔ لیکن یہ انتہا درجے کی غلط فہمی ہے جو اصلاح طلب ہے۔

زیرِ نظر آیت ۱۰۵ کو اس سے ماقبل آیت ۱۰۴ سے جوڑا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ ۱۰۵ یوم حساب سے متعلق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نیک اور صالح بندے جنتِ ارضی کے وارث ہوں گے۔ لٰہذا آیت مذکورہ کا اِس دنیا کی زمین سے کوئی تعلق نہیں اور معترضین کا خیال اس لحاظ سے بالکل غلط ہے۔

قرآن مجید میں الارض کا اطلاق ارضِ جنّت پر بھی ہوا ہے جیسا کہ اس آیت میں :

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ○ (اَلزُّمَر : ۷۴)

''اور وہ (اہلِ جنت) کہیں گے کہ اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہمیں (اِس) زمین کا مالک کر دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں' تو غرض کہ عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا انعام ہے!'' (۷۴ : ۳۹)

چنانچہ یہاں بھی یہی معنی محققین سے منقول ہیں اور اس طبقہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لے کر اکابر تابعین تک سب شامل ہیں۔ یوں بھی عربی میں اَرض کا مفہوم نہایت وسیع ہے اور جس طرح سَماء کے اندر ہر وہ چیز داخل ہے جو سر کے اوپر ہو' اسی طرح اَرض کے اطلاق میں ہر وہ چیز شامل ہے جو پاؤں کے نیچے ہو (مفردات امام راغب)

جہاں تک اِس دنیا کی حکمرانی کا تعلق ہے تو وہ کبھی نیک اور خدا خوف بندوں کو دی جاتی ہے اور کبھی اللہ کے دشمنوں اور باغیوں کو۔ اس حقیقت کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا :-

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (الاعراف : ۱۲۸)

''زمین اللہ ہی کی ہے' وہ جسے چاہے اپنے بندوں میں سے اس کا مالک بنا دے۔'' (۷:۱۲۸)

آیت میں یہ اہم حقیقت صاف ہو گئی کہ دنیاوی حاکمیت' مقبولیت اور حقانیت کا معیار نہیں بلکہ وہ مصالح تکوینی کے تابع ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جو حاکم ہے وہ مقبول ہی ہو اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ جو مقبول ہے وہ حاکم ہی ہو۔ حکومیت' مقبولیت کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے' دونوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ انسانی تہذیب کی ابتدا ہی سے کتنے ہی ظالم و جابر' درندہ صفت اور نا اہل و نالائق حکمران تختِ شاہی پر متمکن رہے جن کے مظالم اور نا اہلی سے اُن کی اپنی قوم نالاں رہی۔ حصولِ حکومت کو صلاحیت کا معیار قرار دینے والے کیا ایسے حکمرانوں کو بھی صالح ہونے کی سند دیں گے؟ کیا ہٹلر کا نام اُس کے اپنے ہم وطنوں میں آج ایک گالی بن کر نہیں رہ گیا؟ سٹالن کی زندگی میں اُس کی پوجا کرنے والوں نے اُس کے مرنے کے بعد اپنے ہی ہاتھوں سے اُس کی ہڈیاں کریملن کے مقبرے سے نکال کر باہر نہیں پھینک دیں؟ اگر دنیاوی حکمرانی اور مادّی ترقی کو ہی آپ صالحیت کا معیار قرار دیں گے تو قرآن کریم کی بے شمار آیات کی تحریف کے مرتکب ہونے کے ساتھ آپ تاریخ کی عدالت میں بھی ایک مجرم قرار دئے جائیں گے۔ آپ نے ہر اُس شخص کو قرآنی اصطلاح میں ''صالح'' کہہ دیا جس نے کسی طرح زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لی' خواہ اُس نے تمدن و حضارت کے سب روشن چراغ بجھا دئے ہوں' خواہ اُس کی فتوحات سے کاروانِ انسانیت کی ترقی رُک گئی ہو' خواہ اُس کی خونخواریوں اور سفاکیوں کی وجہ سے عالمِ انسانیت پر بربریّت' وحشت اور جہالت کی شبِ دیجور چھا گئی ہو۔ (''ضیاء القرآن'' ۔ کرم شاہ الازہری' ج ۳' ص ۱۸۹)

خلیفہ اور بادشاہ کے مابین فرق: سلیمان بن عوجاء بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے سامعین سے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ آیا میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ؟ ایک آدمی نے جواب دیا: اے امیر المؤمنین! دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ آدمی نے کہا:

"اَلْخَلِيْفَةُ لَا يَأْخُذُ اِلَّا حَقًّا وَلَا يَضَعه' اِلَّا فِيْ حَقِّهٖ وَأَنْتَ بِحَمْدِاللهِ كَذٰلِكَ وَالْمَلِكُ يَعْسِفُ النَّاسَ فَيَأْخُذُ مِنْ هٰذَا وَيُعْطِيْ هٰذَا فَسَكَتَ عُمَرُ (حاشیہ تفسیر مظہری بحوالہ ضیاء القرآن' ج۴' ص۲۳۸)

"خلیفہ وہ ہے جو عدل وانصاف کے ساتھ لیتا ہے اور اُسے صحیح طور پر خرچ کرتا ہے اور بحمدہٖ تعالیٰ آپ ایسے ہی ہیں۔ بادشاہ وہ ہوتا ہے جو اپنی رعایا پر جابر وظالم ہوتا ہے' حرماں نصیبوں سے لے کر غیر مستحقین کو دیتا ہے۔ اس پر عمر مطمئن ہو گئے۔"

خلیفہ اور بادشاہ کے درمیان فرق کو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مندرجہ ذیل بیان میں خوب واضح کیا گیا ہے:

اَلْخَلِيْفَةُ الَّذِيْ يَعْدِلُ فِي الرَّعِيَّةِ وَيَقْسِمُ بَيْنَهُمْ بِالسَّوِيَّةِ وَيَشْفِقُ عَلَيْهِمْ شَفْقَةَ الرَّجُلِ عَلٰى أَهْلِهٖ وَ يَقْضِيْ بِكِتٰبِ اللهِ (ضیاء القرآن' ج۴' ص۲۳۸)

"خلیفہ وہ ہے جو رعایا میں عدل وانصاف کرتا ہے' اُن میں برابری کی بنیاد پر تقسیم کرتا ہے اور اُن پر اُسی طرح مہربان ہوتا ہے جس طرح ایک شخص اپنے اہل وعیال پر مہربان ہوتا ہے اور وہ اللہ کی کتاب (قرآن مجید) کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔"

مطلق العنان بادشاہ کی ذہنیت: قرآن مجید نے مصری بادشاہ جس کا لقب "فرعون" (اور جس کا نام رعمسیس) تھا' جو موسیٰ علیہ السلام کا ہم عصر تھا' کی مطلق العنانیت کی صحیح تصویر کھینچی ہے:

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ أَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْأَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ أَمْ أَنَا خَيْرٌ" مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ" وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ○ (اَلزُّخرُف: ۵۱' ۵۲)

"اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرادی اور کہا کہ اے میری قوم والو! کیا مصر کی سلطنت میری نہیں اور یہ نہریں میری ماتحتی میں بہہ رہی ہیں' * کیا تم (سب) یہ نہیں دیکھتے ہو؟ تو (بھلا بتاؤ) کیا میں افضل (نہیں) ہوں اُس شخص سے جو بے وقعت ہے اور بولنا تک اُسے نہیں آتا!" (۵۱' ۵۲: ۴۳)

مطلق العنان بادشاہوں کی کج فطرتی کو سورۃ النمل کی آیت ۳۴ میں دیکھا جا سکتا ہے جب ملکہ سبا (بلقیس) نے اپنے درباریوں سے کہا تھا کہ بادشاہ جب کسی بستی میں (فاتحانہ) داخل ہوتے ہیں تو اُسے تہ وبالا کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت داروں کو وہ ذلیل کر دیتے ہیں۔ سورۃ النساء کی آیت ۵۹ نے مطلق العنان بادشاہوں کو لگام دے دی کہ اپنے تنازعات کے فیصلے کے لئے اللہ اور اُس کے رسول (کتاب وسنت) کی طرف رجوع کیا کرو۔

* فرعون نے مصر کے دریاؤں کو اپنی سلطنت کا کمال قرار دیتے ہوئے شیخی بگھیری تھی' مصر کے دریاؤں کا پانی ہی اُسے لے ڈوبا۔

کے بعد ہاتھ آتا ہے۔ بعض کے ریشوں' جڑوں' پتوں' پھولوں' پھلوں' تخم' پوست یا عرق سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے' بعض کی فقط دو ہی چیزیں کام میں آتی ہیں اور بعض کی زیادہ اور بعض کی کل چیزیں۔ بعض کی جڑ مفید ہے اور پھل یا پتے یا پھول ضرر رساں۔ بعض کی اس کے خلاف حالت ہے۔ بعض نبات میں مرض اور دوا دونوں ہی ایک ساتھ پائے جاتے ہیں۔ اس قدر اختلاف کے باوجود تعجب کی بات یہ ہے کہ تمام اقسام کی نباتات ایک ہی پانی سے سینچی جاتی ہے ایک ہی مٹی سے اپنی غذا حاصل کرتی ہیں اور ایک ہی ہوا جذب کرتی ہیں جو اُن کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ اُن کے اعضاء دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض کا شمار اعضائے نمو میں ہے جیسے جڑ' تنا' پتے اور بعض کا شمار اُن اعضاء میں کیا جاتا ہے جن سے نسل چلتی ہے جیسے پھول' پھل' بیج۔ پھر انہی تھوڑے سے اعضائے بسیطہ سے ہزاروں قسم کی نباتات مرکب ہوتی ہیں جن کی بدولت پہاڑ' ٹیلے' ترائیاں اور باغات سرسبز نظر آتے ہیں۔ اپنے پھولوں سے یہ اُنہیں زینت بخشتی ہیں' ہمارے خزانوں کو اپنے میووں اور دانوں سے پُر کر دیتی ہیں' ہمارے جسموں کے لئے پوشش مہیا کرتی ہیں' ہمارے گھروں اور کشتیوں کی تعمیر میں صَرف ہوتی ہیں' ہمارے مرضوں کے علاج میں کام آتی ہیں' ہماری آگ کو روشن کرتی ہیں' ہمارے مال و متاع کی حفاظت کرتی ہیں۔ بے شک یہ سارے عجائب و غرائب پکار پکار کر اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ ضرور عالم کا کوئی بڑا مقتدرِ اعلیٰ اور عقلِ کل خدا ہے۔ جو کچھ وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس امر کا ارادہ کرتا ہے' کر گزرتا ہے۔''

''سورج مکھی کا عجیب و غریب پھول: نباتات کی دنیا میں ایک پھول ایسا بھی ہے جو آفتاب کی حرکت کے ساتھ ساتھ حرکت کرتا اور پھرتا جاتا ہے (جسے ہند میں سورج مکھی کہتے ہیں)۔ لوگ اُسے فلک اور عابدِ شمس کہا کرتے ہیں۔ مستدیر شکل کا یہ پھول عجیب و غریب رنگوں کے دائرے کا ہوتا ہے جو نہایت ہی مضبوطی کے ساتھ بُنے ہوتے ہیں۔ وہ چاروں طرف سے ریشے سے گھرا ہوتا ہے جو ریشمی ڈوروں کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ آفتاب کے نکلنے کے وقت یہ پھول بالکل اُس کے آمنے سامنے ہوتا ہے اور جوں جوں آفتاب اپنے مدار پر بلند ہوتا جاتا ہے' اُتنا ہی یہ پھول بھی اُسی طرف منہ کئے ہوئے اُٹھتا جاتا ہے حتّٰی کہ دوپہر کو یہ پھول مسطح نظر آتا ہے اور پھر آفتاب جتنا کہ غروب ہونے کے وقت جھکتا جاتا ہے' اُتنا ہی یہ پھول بھی جھکتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ غروب ہونے کے وقت اُس سے جدائی ہو جاتی ہے۔ ایسی نادر اشیاء کے بنانے والے اور اعلیٰ درجہ کی مہارت رکھنے والے کی عجب شان ہے' اُس کی تسبیح و تقدیس کا کیا کہنا!'' (''سائنس اور اسلام'' (اردو ترجمہ) ۔۔ علامہ حسین آفندی)

(۲) حیوانی عجائب و غرائب سے خداوندی عظمت و قدرت پر استدلال: حیوان نے زمین سے نکلی ہوئی نباتات کو منہ میں رکھا اور اُسے منہ کے آلات کے حوالے کر دیا جنہوں نے اُسے چبا کر پیسا اور اس طرح کچھ ہضم کیا۔ پھر اُس نے اُسے اپنے لعابِ دہن کے ساتھ ملا ڈالا تاکہ کسی قدر اور ہضم ہو جائے۔ اس کے بعد اُس نے نگل کر اپنے معدہ اور انتڑیوں میں پہنچا دیا۔ وہاں پہنچ کر حرارت اور ہاضم عرقوں کے باعث وہ بالکل ہضم ہو گیا اور

مثلیہ ایا ئہ کہ سورۃ الرعد کی آیت چہارم میں بیان ہوا: یُسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ

(۲۴) تہذیب وتمدّن (CIVILIZATION)

مجدالدین فیروزآبادی لفظ "تہذیب" کا تعارف یوں کراتے ہیں :

هَذَّبَه' يُهَذِّبُه' قَطَعَه' وَنَقَّاهُ وَأَخْلَصَه' وَأَصْلَحَه' كَهَذَّبَه' وَالنَّخْلَةُ نَقَّى عَنْهَا اللِّيْفَ (القاموس المُحِيط' ج ۱' ص ۱۳۹)

هَذَّبَ الشَّجَرَةَ أَوْ شَذَّبَ الشَّجَرَةَ أَيْ أَصْلَحَ الجِذْعَ (ایضاً' ص ۸۶)

"تہذیب" کا معنی ہے کسی چیز کو خالص کرنا' اصلاح کرنا' درست کرنا' سنوارنا' درخت یا پودے کے پتوں کی کانٹ چھانٹ کرنا۔"

بالفاظِ دیگر 'تہذیب' کا لفظی معنی درخت یا پودے کے اُن پتوں کی تراش خراش کرنا ہے جو اُس کی نشو و نما کی راہ میں رکاوٹ ہوں۔ اصطلاح میں 'تہذیب' کا معنی آدمی سے اُن ناپسندیدہ اور مذموم (قابلِ نفرت) خصلتوں کا ہٹا دینا ہے جو اُس کے ایک انسانِ کامل بننے کی راہ میں رکاوٹ ہوں۔

اور 'تہذیب' کے اِسی معنی کی رُو سے اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اپنا ایک ضابطۂ حیات عطا کیا ہے جو تہذیب کی ایک مخصوص قسم کی تشکیل کرتا ہے اور جو دوسری تہذیبوں سے جداگانہ اور نمایاں ہے۔ جیسا کہ قرآن فرماتا ہے کہ یہ مؤمنین کا راستہ ہے *(اَلنِّسَاء : ۱۱۵) جس میں لباس' خوراک' ظاہری شکل و شباہت اور دوسری کئی عادات و رسوم شامل ہیں جن کے بارے میں عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اُن کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں اور وہ مذہب سے خارجی چیز ہیں۔ اس حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ ماضی قریب تک مسلمانوں کی اپنی ایک نمایاں تہذیب اور اپنی ایک مخصوص ثقافت رہی ہے اور آرنلڈ کے الفاظ میں :

"اُنیسویں صدی تک مسلمانوں کو عموماً اُن کی ظاہری شکل و صورت سے پہچان لینا ممکن تھا۔ اُنہیں اِس بات کا احساس تھا کہ وہ ایسی ثقافت کے وارث ہیں جو اپنے معتقدات کی پابند ہے اور وہ چاہتے تھے کہ وہ اپنی تہذیب کے امتیازی خدوخال کو برقرار رکھیں۔ مسلمانوں کی اِس امتیازی ثقافت کا اِس قدر گہرا اثر ہے کہ باہمی اتحاد و اتفاق کے شدید جذبہ نے سماجی بندھن کو جوڑے رکھنے میں خاصا کردار ادا کیا ہے۔"

("Islamic Faith"... T.W. Arnold, p. 48)

---

*وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ٥

"اور جو کوئی بعد اس کے کہ اُس پر (راہ) ہدایت کھل چکی' رسول کی مخالفت کرے گا اور مؤمنین کے راستہ کے علاوہ (کسی راستہ کی) پیروی کرے گا' ہم اُسے کرنے دیں گے جو کچھ وہ کرتا ہے اور پھر ہم اُسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔" (النساء: ۱۱۵)

اور ایک نومسلم، محمد اسد نے لکھا ہے :-

''ظاہری شکل وصورت کی نقالی جوابًا ذہنی میلان کی طرف آہستہ آہستہ لے جاتی ہے ---بہت ہی سطحی قسم کے لوگ اس بات کو بہ مشکل سمجھتے ہیں کہ کسی تہذیب کی ظاہری شکل وصورت کی نقالی کرنا اُس کے اخلاقی رویّے سے متاثر ہوئے بغیر ممکن ہی نہیں۔ تہذیب محض خالی خولی شکل کا نام نہیں بلکہ وہ ایک زندہ، جاندار قوت ہے --- جس لمحے ہم اِس کی ظاہری شکل کو قبول کرنا شروع کرتے ہیں تو اُسی وقت اُس کی اندرونی لہریں اور توانا اثرات ہم میں مائل بہ عمل ہوجاتے ہیں اور ہمارے تمام ذہنی رویّے کو غیر محسوس طور پر آہستہ آہستہ (اپنے رنگ میں) ڈھالنا شروع کردیتے ہیں۔'' ("Islam on the Crossroads" ... Muhammad Asad, pp. 83, 84)

''اسلامی تہذیب'' کا معنی مسلمانوں کی تہذیب نہیں بلکہ یہ تو ایک ایسی تہذیب ہے جو اسلام کے عطا کردہ بنیادی اصولوں اور بنیادی عقائد کی پیداوار ہے جس کی جھلکیاں تاریخ اسلام میں اور بالخصوص پیغمبر ﷺ اور خلفائے راشدین کے اَدوارِ مبارکہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہر قوم کی تہذیب کا منبع اُس کا مذہب (دین) ہوا کرتا ہے جو کچھ اصولوں (نظریات) اور عقائد کا مجموعہ ہوتا ہے۔ یہی نظریات اور عقائد اُس تہذیب کا منبع ہوتے ہیں۔ ہر مذہب اپنے متّبعین (ماننے والوں) کو ایک مخصوص طرزِ فکر اور مقصدِ حیات دیتا ہے جو اُنہیں ایک خاص سانچے میں ڈھالتے ہیں۔ نتیجتًا اُن لوگوں کا عقیدہ اور نظریہ اُن کے ہر فعل وعمل میں جھلکتا ہے، یہاں تک کہ اُن کے فنون وعلوم، سیاست، اقتصادیات اور عمرانیات اُن بنیادی عقائد اور معتقدات کے زیر اثر ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک ہندو اپنے بُت پرستانہ عقیدے کی وجہ سے ہر چیز کے آگے جھکتا ہوا نظر آتا ہے۔ ایک عیسائی تعیّش کی زندگی پر اعتقاد رکھنے کی وجہ سے مادّی مفاد اور مسرتوں کے حصول میں لگا رہتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر تہذیب اُس مذہب کی پیداوار ہوتی ہے جس کی وہ اتباع کرتی ہے۔

<u>اچھی تہذیب کی خصوصیات</u> : قرآنی تعلیمات کی رُو سے اچھی تہذیب کو مندرجہ ذیل خصوصیات کا حامل ہونا چاہئے :-

(۱) اُسے متوازن صلاحیتوں کے افراد پیدا کرنے چاہئیں (سورۃ البقرۃ : ۱۴۳)۔
(۲) وہ لوگوں کی مادّی اور روحانی دونوں ضرورتوں کو مساوی طور پر پورا کرے (ایضًا : ۲۰۱)
(۳) وہ لوگوں کی زندگی میں اعتدال پیدا کرے (سورۃ الفرقان : ۶۷)
(۴) وہ لوگوں میں ہمدردی اور اخوت کے جذبات پیدا کرے۔ (سورۃ الحشر : ۹)
(۵) وہ ہر فرد کے بنیادی حقوق کا تحفظ کرے۔ (سورۃ النساء : ۱۳۵، ۱۴۸)

(۶) وہ افرادِ معاشرہ میں خودداری اور عزتِ نفس پیدا کرے (سورۃ البقرۃ : ۲۷۳)
(۷) وہ اپنے اصولوں کے ذریعے تمام قوم کو وقار اور عزت عطا کرے (آلِ عمران:۱۳۹؛ سورۃ النور:۵۵)
(۸) وہ تمام فطری انسانی احتیاجات کی تسکین کرے (سورہ ابراہیم :۳۴)
(۹) وہ ہر فرد کے نہاں خانہ دل میں زندگی کے بنیادی حقائق کو مستحکم کرے (سورۃ الروم :۳۰)

اچھی یا بری تہذیب کا انحصار مندرجہ ذیل عوامل پر ہوتا ہے بہ ایں معنی کہ اگر وہ عوامل اچھے ہیں تو اُن سے جنم لینے والی تہذیب اچھی ہوگی ورنہ وہ بُری ہوگی۔ اسلام کے پیش کردہ یہ عوامل اپنی رُوح کے لحاظ سے فطری اور قدرتی ہیں :۔

(i) بنیادی تصورِ حیات (ii) مقصدِ حیات
(iii) بنیادی عقائد (iv) (پانچ ارکانِ اسلام کے ذریعے) افراد کی تربیت کا طریقِ عمل
(v) معاشرتی نظام (خوش خُلقی اور آدابِ معاشرت)

اسلام واحد مذہب ہے جس کا تصورِ حیات دنیا کے تمام مذاہب سے اعلیٰ وارفع ہے کیونکہ یہ اپنے اندر جدیدیت اور صحیح توازن کو سموئے ہوئے ہے اور ہر قسم کے تجاوزات سے بہت دُور ہے۔

<u>تصورِ حیات کی اہمیت</u> : اس کائنات میں انسان کی حیثیت کی تعیین تمام سابقہ مذاہب کے لئے سنگِ راہ بنی رہی ہے۔ اگر کائنات میں انسان کی حیثیت کا تعیّن صحیح طور پر ہو جائے تو اُس کے گمراہ ہونے کے مواقع کم سے کم رہ جاتے ہیں۔ صرف صحیح اور خطا سے مبرّا تصورِ حیات ہی انسانوں کے حتمی مقصد کا تعیّن کر سکتا ہے جس کے ذریعے انسانی شخصیت ترقی پذیر ہوتی ہے۔

<u>تصورِ حیات دوسرے مذاہب میں</u> : (۱) کچھ مذاہب نے انسان کی اندرونی صلاحیتوں کی بالکل نفی کرتے ہوئے اُسے گھٹیا مخلوق جانا۔ بُت پرستی اور مظاہرِ فطرت (سورج، چاند، سیارگان، درخت، پہاڑ وغیرہ) کی پرستش اِسی نظریہ کی پیداوار ہیں مثلاً قدیم آریائی اور ہندو مذاہب۔

(۲) کچھ مذاہب نے انسان کو مصائب اور رنج واندوہ کی گرفت میں پاتے ہوئے نجات کے لئے ترکِ دنیا، رہبانیت اور نفس کُشی کا طریقہ اختیار کیا۔ بدھ مت اِسی نظریہ کی پیداوار ہے۔

(۳) کچھ مذاہب نے انسان کو اپنے اعمال میں مجبور سمجھا۔ اِس نظریہ نے انسان کو اعمال کی ذمہ داری قبول کرنے سے آزاد کر دیا جس سے شہوانی مشغلے اُس کی زندگی کا مقصد بن گئے۔ یونانی فلسفیوں کا ایک گروہ اسی نظریہ کا قائل تھا۔

(۴) کچھ مذاہب نے انسان کو شترِ بے مہار اور مادر پدر آزاد گردانا اور یہ کہ وہ اپنے کسی عمل کا کسی کے آگے جوابدہ نہیں ہے۔ الوہیت اور مرتبہ خداوندی کے دعویٰ اسی نظریہ کی پیداوار ہیں۔ فرعون، نمرود، ہامان اور شدّاد اِسی زمرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ تمام نظریات افراط وتفریط کا شکار ہیں اور اُن میں سے کوئی بھی مکمل اور مثالی نہیں ہے۔ اب ہمیں اسلام کے پیش کردہ نظریہ حیات کو دیکھنا ہے۔

<u>اسلام کا تصوّرِ حیات</u> : اسلام نے مسلمانوں کو زندگی کا معتدل نظریہ دیا ہے جس کے مطابق انسان نہ تو گھٹیا مخلوق ہے اور نہ ہی خودمختار، بلکہ وہ اپنے خالق کا نائب اور خلیفہ ہے۔ اشرف المخلوقات ہونے کے لحاظ سے وہ کائنات میں متفقہ طور پر اعلیٰ مقام کا حامل ہے۔

<u>فخر ومباہات اور خودنمائی کی نفی</u> : انسان کو اپنی ابتدا اور انتہا پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے تاکہ اُس کے فخر وغرور اور خودنمائی کے جذبات اُڑنچھو ہو جائیں۔ قرآن حکیم نے انسان کو مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

يَآأَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِيْٓ أَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝ (الانفطار : ۸-۶)

''اے انسان! تجھے (آخر) کس چیز نے اپنے پروردگار کریم سے متعلق بھول میں ڈال رکھا ہے جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے درست کیا، پھر تجھے اعتدال پر بنایا اور جس صورت میں بھی چاہا تجھے ترکیب دے دیا۔''

<u>انسان کی عظمت کو نمایاں کیا گیا</u> : 'قنوطیت' کا ہلی اور منفی اثر جو سورۃ الانفطار کی مذکورہ بالا آیات (۶ تا ۸) سے پیدا ہو سکتا تھا، کو دُور کرنے اور خالق کی رضا کے حصول میں انسان کو رجائیت (Optimism) اور سرگرمی عمل پر اکسانے کے لئے مخلوقات میں انسان کے کریمانہ مقام اور اُسے اللہ تعالیٰ کی صناعی کا حسین ترین نمونہ کے طور پر ذیل کی آیات میں نمایاں کیا گیا ہے:-

(i) وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ آدَمَ (الاسراء : ۷۰)

''اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے۔'' (۱۷ : ۷۰)

(ii) لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْٓ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ (التّین : ۴)

''ہم نے انسان کو بہترین انداز کے ساتھ پیدا کیا ہے۔'' (۹۵ : ۴)

اِن آیات نے ضمناً اس مسیحی عقیدہ کی بھی تردید کر دی کہ انسان خلقۃً ایک گنہگار مخلوق ہے۔ جدید علم البشر کی زبان میں ''دوسرے تمام حیوانات پر انسان کی ذہنی صلاحیتوں کی عظیم فوقیت اس قدر مسلّم ہے کہ کوئی بھی سنجیدہ اور متین ماہرِ علم البشر اس پر تنقید نہیں کر سکتا۔ کچھ ماہرینِ نفسیات کے مطابق اُن کے درمیان خلا کو نامیاتی ارتقاء کے

اصول کے ذریعے پاٹا نہیں جاسکتا۔ انسان اور درندے کے درمیان اس نمایاں بے ربطی کو کم کرنے کی کوشش کو محققین کی کسی جماعت کی طرف سے تائید حاصل نہیں ہوئی۔" (Hastings' Encyclopaedia of Religion and Ethics, Vol. 1, p. 569) Clark, London.

علاوہ ازیں (۱) انسان کو اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا خلیفہ کہا گیا ہے (بحوالہ سورۃ البقرۃ: ۳۰) کہ اُسے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو نہ صرف اپنی ذات پر نافذ کرنا ہے بلکہ اُن تمام افراد پر بھی اُن کا نفاذ کرنا ہے جو اُس کے دائرہ اختیار میں ہیں۔ (۲) جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے' وہ صرف انسان کے مفاد اور افادیت کے لئے پیدا کیا گیا ہے (بحوالہ سورۃ البقرۃ: ۲۹ ؛ سورۃ ابراہیم: ۳۴-۳۲ ؛ سورۃ الجاثیۃ: ۱۳)۔ اب اُسے یہ سوچنا ہے کہ جب تمام کچھ اُس کی خاطر پیدا کیا گیا ہے' تو اُسے کس کی خاطر پیدا کیا گیا؟ قدرتی طور پر جواب یہی ہوگا کہ اُسے اُس کی خاطر پیدا کیا گیا ہے جس نے سب کچھ انسان کے لئے پیدا کیا یعنی خالقِ ہر جہاں اللہ بزرگ و برتر (سورۃ الذاریٰت: ۵۶)

حیاتِ انسانی اور کائنات میں انسان کے مقام کا اسلامی تصوّر بالکل فطری ہے اور دنیا کے کسی مذہب یا ضابطہ کے متوازی نہیں ہے۔ اس کا زندگی کے غیر فطری تصوّر سے کوئی تعلق نہیں اور انسان کو عزت و وقار دینے اور اُسے فی الواقع ایسی قابلِ رشک ہستی بنانے میں وہ (اسلامی تصوّر) نادر اور بے مثال ہے' جس پر بجا طور پر فخر کیا جا سکتا ہے۔ اسلام کا تصوّرِ حیات حتمی مقصد کے قائم کرنے اور اِس خاکدانِ گیتی پر انسانی مقصدِ حیات کے حصول میں اہم اور نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔

<u>حیاتِ انسانی کا مقصد</u> : مقصدِ حیات ہمیشہ تصوّرِ حیات کی پیداوار ہوتا ہے۔ تصوّرِ حیات کچھ بھی ہو' اچھا یا بُرا' مقصدِ حیات کی بنیاد اُسی تصوّرِ حیات پر ہوتی ہے۔ اگر تصوّرِ حیات لادینی یا محض دنیاوی ہو' تو مقصدِ حیات بھی دنیاوی ہوگا اور نیکی کے ذرّہ بھر سے رنگ سے خالی' بے غرضی' ایثار و قربانی اور روحانیت سے بیگانہ ہوگا اور یہی کیفیت تصوّرِ حیات کے مذہبی ہونے کی صورت میں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا نائب اور خلیفہ ہونے کے لحاظ سے قرآن مجید نے حیاتِ انسانی کا مقصدِ وحید اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کو قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا:۔

(i) قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (الانعام: ۱۶۲' ۱۶۳)

"فرمادیجئے کہ میری نماز اور میری (ساری) عبادتیں اور میری زندگی اور میری موت (سب) جہانوں کے پروردگار اللہ ہی کے لئے ہیں۔ (کوئی) اُس کا شریک نہیں اور مجھے اِسی کا حکم ملا ہے اور میں اُس کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے والا پہلا آدمی ہوں۔" (۱۶۲' ۱۶۳:۶)

(ii) وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ (الذّٰریٰت: ۵۶)

"اور میں نے تو جنات اور انسانوں کو پیدا ہی اِسی غرض سے کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔" (۵۱:۵۶)

پوری طرح ذمہ دار دوہستیاں جنات اور انسانوں کی ہیں کہ اُن کے اندر آزمائش و اختیار کی دونوں صلاحیتیں رکھ دی گئی ہیں' فرشتوں کے برعکس جو آزمائش سے خالی ہیں اور حیوانات کے برعکس جنہیں اختیار کی پوری قوّت نہیں دی گئی۔ اُن کی اپنی تکمیلِ ذات کے لئے یہ لازمی ہے کہ وہ جو کچھ بھی کریں' عبادت ہی کی راہ سے کریں۔ کھانے' پینے' بول چال' کمانے' خرچ کرنے غرض ہر فعل اور ہر عمل میں مقصودِ اصلی رضائے الٰہی کا حصول ہی رکھیں اور اپنے وجود کی علتِ غائی اسی کو سمجھیں اور یہی معنی ہیں اُن کی عبادت کے۔ عبدیت و عبادت سے خود انسانیت ہی کو پوری نشو و نما کا موقع ملتا ہے اور جتنی اس میں کمی رہ جائے گی' اُسی نسبت سے انسان کا منشائے تکمیل نامکمل رہے گا۔

قرآن مجید میں رضائے الٰہی کے لئے لِوَجْہِ اللہ اور مَرْضَاتِ اللہ کے الفاظ بالترتیب سورۃ الدھر کی آیت ۹' اور سورۃ البقرۃ کی آیات ۲۰۷' ۲۶۵ میں آئے ہیں۔

بنیادی عقائد : انسان دوستی کی بنیاد پر کردار اور اچھی عادات کی تشکیل کا انحصار اسلام کی صداقت پر پکا اور غیر متزلزل یقین و ایمان ہے۔ جس قدر یہ ایمان غیر متزلزل اور ثابت قدم ہوگا' کردار اُتنا ہی کھرا اور ارفع و اعلیٰ ہوگا۔ انسانی زندگی ایمان کی مضبوطی کے تناسب سے متوازن اور نظم و ضبط کی پابند ہوگی۔ پھر ایسے مضبوط عقائد قوم کے کردار میں مجموعی طور پر اتحاد اور ہم رنگی پیدا کرنے میں بڑا کردار ادا کرتے ہیں جس کے نتیجے میں ایک مخصوص تہذیب اور ثقافت پیدا ہوتے ہیں۔

افراد کی تربیت کا طریق کار : اسلام نے اپنے افراد کی تربیت کا اہتمام بڑی دانشمندی سے عبادات (پانچ ارکانِ اسلام: کلمہ طیّبہ' پنجگانہ نماز' زکوٰۃ' روزہ اور حج جنہیں عناصرِ اسلام بھی کہا جاتا ہے) کے ذریعے کیا ہے۔ جس طرح اجزائے ایمان انسانی ذہن کی اصلاح کرتے ہیں' اُسی طرح ارکانِ اسلام انسان کی عملی زندگی کی اصلاح کرتے ہیں اور اُس کے کردار کو ایک خاص سانچے میں ڈھالنے کے ذریعے اُسے انسانِ کامل بننے کا وسیع موقع فراہم کرتے ہیں۔ اب اِن ارکانِ اسلام کو ایک ایک کر کے دیکھئے :

(۱) نماز: یہ ایمان کے اظہار کا پہلا ذریعہ اور مذہبی جذبے کا منبع ہے۔ جو نظم و ضبط' انسانی مساوات' محبت و آشتی کا مضبوط بندھن' اتباعِ امام' اتحاد' یگانگت' پاکیزگی خیالات' پاکیزگی لباس و جسم و مکان' عجز و انکساری اور محسن کا ممنونِ احسان ہونا سکھاتی ہے۔ نماز کی بابت غیر مسلمین کے تاثرات یہ ہیں:۔

(i) ''مسلمان کا مذہب مسلسل اُس کی رہنمائی کرتا رہتا ہے اور روزمرّہ کی نماز میں اپنے آپ کو متین اور اثر انگیز ہیئت میں ظاہر کرتا ہے جو خود عبادت گزار اور دیکھنے والے کو متاثر کئے بغیر نہیں چھوڑتا۔'' ("Preaching of Islam" .... T.W. Arnold, p. 413)

(ii) ''مسلمانوں کی اجتماعی نماز میں انتہا درجے کی متانت اور آدابِ مجلسی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی نمازوں کے دوران کسی غلط قول یا فعل کے جرم کے مرتکب نہیں ہوتے۔۔۔ وہ کسی مصنوعی عجز وانکساری یا چہرے کے تاثرات کے جبری اظہار کے بغیر مکمل طور پر اپنے خالق کی حمد وثنا میں مشغول ہوتے ہیں۔'' ("Islam and Its Founder" .... R. W. Stobart, p. 119) 1876 edn.

(2) زکوٰۃ : زکوٰۃ انسان میں بے غرضی' ایثار وقربانی' محروم القسمت اور مصیبت کے ماروں کے ساتھ ہمدردی' رضائے الٰہی کے حصول کے لئے ہوسِ زر سے نجات' تزکیہ روح اور دل کو دنیا کی محبت سے آزاد ہونا سکھاتی ہے۔

(3) روزہ : روزہ اللہ تعالیٰ کے مقتدرِ اعلیٰ ہونے پر ایمان' قوتِ برداشت' صبر' قومی اتحاد کا احساس' نظم و ضبط' ضبطِ نفس' انسانی مساوات' ہمدردی اور غریبوں کے لئے تعاون' مقصد کا خلوص' تواضع وانکساری' خیالات' اعمال و افعال اور نظریہ میں پاکیزگی اور پارسائی کا سبق دیتا ہے۔

(4) حج : حج اتحاد' یگانگت' انسانی مساوات' تحملِ نفس' رضائے الٰہی میں اپنے آپ کی سپردگی' قناعت' توکل علی اللہ' ہوسِ زر کا دبانا' ابنائے جنس کے لئے احساسِ ہمدردی اور بین الاقوامی تجارت اور تعلقات جیسی چیزیں سکھاتا ہے۔

''اگر کوئی چیز ایسی ہے جو اسلام کی منتشر قوتوں کو یکجا کرتی ہے اور اُنہیں فطری ہمدردی عطا کرتی ہے تو وہ حج ہے۔ فاصلے ختم ہو جاتے ہیں' فرقہ دارانہ اختلافات مٹ جاتے ہیں' اور دین کے اس بھائی چارے میں رنگ و نسل کے امتیازات گم ہو جاتے ہیں' وہ بھائی چارہ جو تمام مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرو دیتا ہے اور اُنہیں اپنے شاندار ورثے کا احساس دلاتا ہے۔ پھر جب مناسکِ حج پورے ہو جاتے ہیں تو تمام علاقوں سے آئے ہوئے تاجر تجارت اور سوداگری کو زیرِ بحث لاتے ہیں' ایک دوسرے سے تجارت کرتے ہیں' علمائے دین اور فقہاء مذہبی اور فقہی مسائل پر گفتگو کرتے ہیں' سائنسدان سائنس میں جدید ترین ترقیوں پر' علمائے ادب لٹریچر پر' ماہرینِ مالیات مالی معاملات پر' سیاستدان قومی اور بین الاقوامی سیاست پر تبادلہ خیال کرتے ہیں۔''
("Pilgrimage to Mecca"..... Lady Cobbold : Intro. pp. XVI, XVII)

''انسانی نسلوں کی ہمکاری (League of Nations) کا مثالی نمونہ دوسرے مذاہب کی نسبت اسلام نے زیادہ مؤثر انداز میں پیش کیا ہے کیونکہ محمدی مذہب کی بنیاد پر لیگ آف نیشنز تمام انسانی نسلوں کی باہمی مساوات کے اصول پر ایسی متانت کے ساتھ قائم ہے جو دوسرے سماجوں کو شرمندہ کرتی ہے۔'' (ایضاً ص ص ۱۷' ۱۸)

''تمام زمانوں میں اسلام کے قائم کردہ اِسی مساواتی اصول نے عظیم اتحادی اثر کے طور پر کام کیا ہے اور مختلف

مسلمانوں کے آپس میں جوڑنے میں انتہائی پُر اثر بندھن کا ذریعہ رہا ہے۔ چہار دانگِ عالم سے آئے ہوئے مسلمانوں کے بھائی چارے کے اس عظیم اجتماع کے معاشرتی اثر کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ اس اجتماع نے حبشیوں، بربروں، چینیوں، ایرانیوں، شامیوں، ترکوں، عربوں۔۔ امیر وغریب، اعلیٰ وادنیٰ سب کو باہمی بھائی چارے کا سبق دیا اور ایمان و عقیدہ کی مشترک بنیاد پر اُن سب کو ایک جگہ اکٹھا کیا۔" ("History of the Arabs" ... P.K. Hitti, p. 136)

"ہزاروں حُجاج کا یہ عظیم بین الاقوامی اجتماع جو نہ صرف قریبی ممالک سے بلکہ چین، سینی گال یا کیپ ٹاؤن جیسے دُور دراز علاقوں سے بھی آئے ہوتے ہیں، مسلم دنیا کے اتحاد کا ایک پُر اثر مظاہرہ ہے اور اسلام میں احساسِ اخوت کو زندہ رکھنے میں اس کا بڑا حصّہ ہے۔ یہی حقیقت اُن مسلمانوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہے جو حج پر نہیں آسکے کہ اُسی دن شہر مکہ سے باہر کی دنیا میں بھی جانوروں کی قربانیاں کی جاتی ہیں اور ہر گوشۂ دنیا کے مسلمان اُسی جذبے کے ساتھ قربانیاں کرتے ہیں جس طرح حجاج مکہ میں کرتے ہیں۔ اس طرح وہ سب جذباتِ اخوت ومحبت کے ساتھ اپنے اُن خوش نصیب مسلمان بھائیوں کے ساتھ جُڑے ہوتے ہیں جو مقدس شہر مکہ میں ہیں۔" ("Islamic Faith" p.37)

اسلام کا سماجی نظام : اپنے معاشرہ کے سماجی نظام کو درست رکھنے کے لئے یا بالفاظِ دیگر انسانوں کے باہمی رشتوں کو بہتر اور خوشگوار رکھنے کے لئے اسلام نے مسلمانوں کو اپنے ہم مذہب بھائیوں سے اخلاقِ حسنہ اور خوش خلقی سے پیش آنے کی ترغیب دی ہے۔ حقوق العباد کی ادائی کو فرض قرار دیا گیا اور اُنہیں عبادت کا درجہ دیا گیا۔ یہ اخلاقِ حسنہ اور مہذّب آداب ہی تو ہیں جو کسی معاشرے میں امن وسکون کو پروان چڑھاتے ہیں اور مظلوم ومجبور اور استبداد کا شکار طبقے کے حقوق کے محافظ ہوتے ہیں۔ لہٰذا اسلام اپنے سماجی نظام کو اُن تمام ممکنہ فطری اصولوں کے نفاذ کے ذریعے مائل بہ اصلاح کرنے میں پوری طرح مستعد اور چوکس ہے اور رہا ہے جو سماج کی بہتری اور فلاح کے حصول کے لئے مُمد ہیں اور اس طرح دنیا کو بہترین ضابطۂ حیات عطا کیا ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا۔

اسلامی تہذیب کے عوامل وعناصر (عقائد)

یہ عوامل اسلام کے بنیادی عقائد کی تشکیل کرتے ہیں۔ یہ عقائد مسلمان کو فکری انتشار اور ہیجان سے محفوظ رکھتے ہیں اور اُسے ایک ایسا نظامِ فکر عطا کرتے ہیں جو اُس کے کردار اور رویّے کو ایک مخصوص سانچے میں ڈھالتا ہے جس کے نتیجے میں ایک خاص قسم کی تہذیب جنم لیتی ہے۔ وہ عقائد مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) اللہ پر ایمان : اللہ پر ایمان کا مطلب اُسے اُس کی تمام ذاتی اور صفاتی خصوصیات کے ساتھ ماننا ہے۔ یہ اسلام کے تمام ایمانی اور عملی نظام کا اوّل ترین اور آخری ترین عامل ہے اور ایمان کے باقی تمام اجزاء اس کی فروعات (شاخیں) ہیں اور اس طرح یہ عقیدہ دوسرے تمام عقائد کے لئے شرطِ اوّل ہے۔ یہ عقیدہ مؤمن کو غیر معمولی

فائدے عطا کرتا ہے مثلاً حقوق میں مساوات' اخلاقی جرأت' ذہنی سکون' عجز واکساری' خوش اخلاقی' اقوال و افعال میں احساسِ ذمہ داری اور وسعتِ نظر۔

(۲) ملائکہ (فرشتوں) پر ایمان : فرشتوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اُن کی حیثیت اور مقام کو سمجھا جائے تاکہ اللہ پر ایمان ایسی توحید خالص کی بنیاد پر مستحکم ہو جائے جو شرک کی تمام صورتوں سے پاک ہو۔اسی وجہ سے ایمان بالملائکہ ایمان باللہ کا جزو بھی ہے اور اُس کا تتمہ بھی۔فرشتے مافوق الارضی' غیر مرئی (نظر نہ آنے والے)' اور حقیقی اور واقعی ہستیاں ہیں نہ کہ عملِ تجرید سے تجسم کی ہوئی ہستیاں (Personified Abstractions) وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی باوفا مخلوق اور اُس کے بااعتماد کارندے ہیں' گناہوں سے بالکل پاک' پاکباز اور ہر قسم کی خرابی اور بگاڑ سے محفوظ ہیں (بحوالہ سورۃ التحریم :۶)۔اِن لاتعداد نورانی مخلوقات میں جبریل علیہ السلام (جو افضل الملائکہ ہیں)' میکائیل' اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام نمایاں ہستیاں ہیں۔اُن میں سے کچھ مُدبّرات الامر (یعنی ہر اَمر کی تدبیر کرنے والے بحوالہ سورۃ النازعات :۵)' کچھ نکیرین اور کچھ کِراماً کاتبین (بحوالہ سورۃ الانفطار: ۱۱) کہلاتے ہیں۔قرآن مجید میں ملائکہ پرستی کے لغو عقیدہ پر جگہ جگہ ضربِ کاری لگائی گئی ہیں (سورۃ الزُّخرُف :۱۶' ۱۹'۱۸ ؛ سورۃ الصّٰفّٰت:۱۴۹تا۱۵۷؛ سورۃ الطور:۳۹)۔یہ لغو عقیدہ قبل از اسلام کے عربوں میں عام تھا۔

(۳) کتبِ سماویہ پر ایمان : یہ کتابیں اور صحیفے مختلف اوقات میں مختلف پیغمبروں پر اتاری گئیں جن میں سے چار مشہور یہ ہیں: زبور' توراۃ' انجیل اور قرآنِ حکیم۔قرآنِ حکیم آخری کتاب ہے جو اللہ کے آخری نبی محمد ﷺ پر نازل ہوئی۔نبی اور رسول کو اللہ کا پیغام اُس کے بندوں تک پہنچانے کے بعد بہرحال اِس دنیا سے جانا ہوتا ہے اور اُس کے جانے کے بعد یہ کتابیں لوگوں کے لئے مینارۂ ہدایت کا کام دیتی ہیں۔اس لئے اُن پر ایمان کو لازمی قرار دیا گیا تاکہ لوگ اِن کتابوں کی روشنی میں اللہ کے حکم کے مطابق زندگی بسر کریں۔

یہاں یہ بات اہم ہے کہ مسلمان کے لئے تمام الہامی کتب وصحائف پر ایمان رکھنا لازم ہے کیونکہ وہ واضح ہدایت کے ساتھ اللہ کی طرف سے نازل ہوئیں۔قرآنِ کریم کے علاوہ چونکہ باقی تمام کتبِ سماویہ ترمیم اور تبدیل شدہ ہیں اور دنیاوی مفادات کے پیشِ نظر انسانوں نے اُن میں تحریف کردی ہے' لہٰذا وہ عملی طور پر منسوخ ہیں اور اب صرف اور صرف قرآن پر عمل ہوگا نہ کہ کسی اور کتاب پر۔قرآنِ پاک کے نازل ہونے کے بعد اگر کوئی شخص قرآن کو نظرانداز کرتے ہوئے کسی دوسری کتابِ سماوی کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتا ہے تو وہ اللہ کو قابلِ قبول نہیں کہ یہ صریحاً کفر ہے (بحوالہ سورہ آلِ عمران کی آیت ۸۵)۔

یہ حدیثِ نبوی بھی مذکورہ بالا دعویٰ کی تائید کرتی ہے کہ ایک مرتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت میں انجیل کے کچھ اقتباسات پڑھتے ہوئے آئے جس پر نبی آخر الزماں ﷺ برہم ہوئے اور جناب عمر کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کیونکر جائز ہے کہ تم کسی دوسری کتاب کو پڑھو جبکہ اللہ کا آخری نبی اور اللہ کی آخری کتاب تم میں موجود ہیں!

(۴) رسولوں پر ایمان: چونکہ تمام انبیاء اور رسولوں نے پیغامِ الٰہی کو جاں نثاری اور خلوص کے ساتھ اُس کے بندوں تک پہنچایا' لہٰذا اگر اُنہیں اللہ کے سچے پیغام بر تسلیم نہ کیا جائے تو اُس کے پیغامِ ہدایت کو زندگی کا سچا اور سُچّا منشور کیسے مانا جائے گا؟ احکاماتِ الٰہی اپنی عملیت میں رسولوں کے رہینِ منت ہیں اور وہ احکامات دونوں جہانوں میں بہتری کے ضامن ہیں۔ تمام رسولوں کا پیغام مشترک تھا یعنی خدائے واحد کی طرف بلانا۔ لہٰذا اُن کی بات کو ماننا دین کی بنیاد ہے۔ اُن کی اتباع کرنے سے انسانی کردار اور رویّے الٰہی احکامات کے تابع ہو جاتے ہیں۔ بغیر کسی استثنا کے تمام انبیاء و رُسل کا احترام و ادب ضروریاتِ دین میں سے ہے اور اُن میں سے کسی ایک کا انکار یا کسی ایک کی بے ادبی بلا شک وشبہ صریحًا کفر ہے۔

(۵) قضا و قدر پر ایمان: ''قضا'' اللہ تعالیٰ کا اصولِ تخلیق ہے جبکہ ''قدر'' بندوں کی آزادیِ عمل کا نام ہے۔ قضائے الٰہی سے ہر چیز کا پہلے ہی سے مقدر ہونے (بحوالہ سورۃ الحدید: ۲۲) کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اُس کے وقوع کا علم اللہ تعالیٰ کو اس کی واقعیت سے پہلے ہی سے ہوتا ہے جو اُس کی شانِ الوہیت کے بالکل مناسب ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو کسی واقعہ کے وقوع کا علم (معاذ اللہ) اُس کے وقوع کے بعد ہوتا تو یہ شانِ الوہیت کے خلاف ہو جاتا۔ لہٰذا قضا و قدر پر ایمان لانا دین کے تقاضوں میں سے ایک اہم تقاضا ہے۔ قرآنِ کریم اور احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں اس مضمون کو انشاء اللہ (Predestination) کے عنوان کے تحت زیرِ بحث لایا جائے گا۔*

(۶) یومِ آخرت پر ایمان: اسلامی تعلیمات کا نقطہ اوّل اور نقطہ آخر ہونے کے لحاظ سے آخرت پر ایمان انسان کو پیغمبروں کے دکھائے ہوئے صراطِ مستقیم پر پابند ہونا سکھاتا ہے۔ نیکی اور بھلائی سے محبت' بدی سے نفرت اور افعال و اعمال کی ذمہ داری کے احساس جیسی خوبیاں اِسی عقیدۂ آخرت پر ایمان لانے ہی سے پیدا ہوتی ہیں کہ ایک نہ ایک دن انسان کو اپنے خالق کے حضور اپنے اعمال کی جواب دہی کے لئے پیش ہونا ہے۔

عقیدہ کی اہمیت: عقیدہ کا مقصد انسانی دل کی اصلاح اور اُس کو ہر قسم کی آلائش سے پاک کرنا ہوتا ہے کیونکہ دل کی پاکیزگی کے بغیر نیکی کا کوئی بھی کام ممکن نہیں۔ اسی وجہ سے عقیدہ کو اسلام میں اس قدر اہم مقام حاصل ہے کہ قرآنِ پاک میں ہر جگہ ایمانیات اور عقیدہ کا ذکر عمل سے پہلے آیا ہے (بہ الفاظ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰت) اور یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ نیک اعمال' صحیح عقیدہ کا نتیجہ ہوا کرتے ہیں۔

ارکانِ اسلام

انہیں ''ارکانِ اسلام'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ دین کے ستون ہیں جن پر اسلام کی ساری عمارت کھڑی ہے۔

* (حصہ انگریزی کی جلد پنجم کے صفحات ۴۲۷۴ تا ۴۲۸۱ پر اسے ملاحظہ کیا جا سکتا ہے)

اس سے ایک غذائی یا پرورش کنندہ مادہ جدا ہوا اور پھر وہ وہ کام وہاں ہونے لگے جن سے عقل کو حیرت سی ہو گئی۔ اس کے بعد یہ پرورش شدہ مادّہ معدہ اور انتڑیوں سے دیگر اعضاء کی طرف چلا اور اُن اعضاء کے فعل کی وجہ سے طرح طرح پر صورت بدلتا رہا۔ آخر کار وہ خون بن گیا۔ پھر دورانِ خون کی وجہ سے صاف ہو کر بدنِ حیوان کے حصّوں پر منقسم ہونا شروع ہوا اور ہر عضو کی ساخت میں اُس کے ذرّے غیر متبدّل اجزاء بننے کے لئے داخل ہونے لگے۔ اُس میں سے ایک حصّہ حیوان کی منی اور اُس کے تخم کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ پھر حمل قرار پانے کے بعد اُس کی خونِ بستہ کی شکل ہوئی۔ پھر گوشت کا لوتھڑا بنا اور اُس میں مختلف شکلیں اور صورتیں پیدا ہونے لگیں۔ اُس کے اعضاء میں نمو ہوا اور ہر ایک اپنا اپنا کام دینے لگا یہاں تک کہ وہ مکمل ہو کر اُسی حیوان کے مثل ہو گیا جس کے بدن کے اندر یہ سارے تغیرات ہوتے رہے تھے اور اُس میں حیوانی حیات بھی جو باعثِ حس ہے حلول کر چکی۔ پھر وہ قوّتِ سامعہ' باصرہ' شامّہ' ذائقہ' لامسہ رکھنے والا حیوان بن گیا۔ اس کے بعد وہ اپنی نوع کے موافق اپنی روزی حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔ اُسے اپنی زندگی بسر کرنے کی تدبیر کے لئے جس قدر اِدراک کی ضرورت ہوتی ہے' اُسی قدر اُس میں قوّتِ ادراک بھی بڑھتی جاتی ہے اور کبھی یہ قوّت اس قدر ترقی کرتی ہے کہ وہ حیوان اُس کی بدولت عاقل' عالم' اور حکیم بن جاتا ہے۔ وہ ہر شے میں اپنی عقل دوڑاتا ہے اور کائناتِ عالم میں سے بہتیری چیزوں میں تصرّف کرنے لگتا ہے۔ وہ باعظمت پیدا کرنے والا بڑا ہی بابرکت ہے جو اس مخلوق کو مٹی اور پانی سے پیدا کرتا ہے اور یہ عجیب الخلقت مخلوق باوجودیکہ نباتات کے ساتھ بعض خواص (جیسے نمو' غذا لینے اور توالد) میں مشارکت رکھتی ہے لیکن وہ نباتات سے اس بات میں متمیز ہے کہ ادراک اور حواس ظاہری و باطنی سے اُس میں احساس کرنے کی قوت ہوتی ہے جبکہ نباتات میں یہ بات نہیں۔ جو چیز اس کے لئے دوسری مخلوقات پر وجہِ امتیاز بنتی ہے وہ اُس کی عقلی قوّت ہے جس کے ذریعے سے وہ استدلال اور استنباط کر سکتا ہے۔'' (ایضاً)

<u>جانوروں کی عمر کے اختلاف اور توالد و تناسل کی تشریح</u> : حیوانات میں سے بعض کی عمر بہت لمبی ہوتی ہے اور بعض کی بہت تھوڑی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بے سینگ کے جانوروں کی عمر سینگ والے جانوروں سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طرح جرأت والے جانور بودے جانوروں سے زیادہ مدت تک زندہ رہتے ہیں۔ پانی اور خشکی کے جانور ہوائی جانوروں سے زیادہ عمر والے ہوتے ہیں لیکن گِدھ' کرگس' طوطے اور کوّے اُتنے ہی دن زندہ رہتے ہیں جتنے دن کہ انسان۔ یہ بات تو مشہور ہے کہ ایک قسم کا کرگس دو سو برس تک' کچھوا دو سو بیس سال تک' ہاتھی سو برس تک زندہ رہتا ہے۔ خشکی میں رہنے والا اور آبی مینڈک اُن جانوروں سے جو اُس کے برابر ہوتے ہیں زیادہ دن تک جیتا ہے۔ بکری کی اوسط عمر پندرہ برس کی اور کتے کی اوسط عمر بیس برس کی ہوتی ہے۔ اسی طرح کیا چھوٹے اور کیا بڑے' ہر حیوان کی ایک خاص عمر ہوتی ہے اور اُن کی عمر کی درازی اور کوتاہی اُن کے مسکن اور طریقہ گزران پر یا جسم کے بڑے اور چھوٹے ہونے پر یا کسی اور شے پر موقوف نہیں ہوتی بلکہ یہ اُس ذاتِ مطلق و قادر و قدیر پر منحصر ہے جو ہر شے کو اپنی مرضی کے مطابق پیدا فرما کر اُن کا عرصہ حیات مقرر کرتا ہے۔ حیوانات میں سے بعض پانی میں رہتے ہیں' بعض سطحِ زمین پر اور بعض پانی اور خشکی دونوں میں۔ پھر کوئی اپنے دو پیروں پر چلتا ہے اور اُس کے دونوں ہاتھ غذا کے

افراد کو مطلوبہ تربیت دینے میں یہ ارکان انہیں اپنے تفویض کردہ فرائض اپنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ انجام دینے کے لئے تیار کرتے ہیں۔ اخلاقی تربیت کے لئے اسلام نے عبادات کا نظام تجویز کیا ہے جسے مستعدی اور سرگرمی عمل کے ساتھ کرنے سے ہر فرد اسلامی اخلاقیات وآداب کی سچی تصویر بن جاتا ہے۔ یہ ارکان (ستون) حسب ذیل ہیں:۔

(۱) کلمہ طیبہ: یہ اللہ کی وحدانیت اور رسول ﷺ کی رسالت کا اقرار کرنا ہے۔ اس اقرار سے کہ قادرِ مطلق اللہ بلا شرکتِ غیرے ایک ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں، انسان کی عملی اور ذہنی صلاحیتیں اُسے ایک مخصوص راہ پر ڈال دیتی ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنتِ مبارکہ کی اتباع میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا و خوشنودی اُس شخص کی زندگی کے مقصد کا نقطۂ اوّل اور نقطۂ آخر بن جاتی ہے۔

(۲) نمازِ پنجگانہ: یہ دینِ اسلام کا دوسرا ستون (رکن) ہے۔ قرآن کریم کے ڈیڑھ سو سے زائد مقامات پر نماز کے (پڑھنے کا نہیں بلکہ) قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نماز کے قائم کرنے کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ انسان کو برے اور بے حیائی کے کاموں سے بچالیتی ہے (بحوالہ سُورۃ العَنکبوت: ۴۵)۔

(۳) زکوٰۃ (حقِ غرباء ومستحقین): ہر خوشحال مسلمان کے لئے زکوٰۃ کا ادا کرنا ایک قانونی فریضہ ہے۔ دولت کی گردش میں زکوٰۃ مسلم اقتصادیات میں اہم کردار ادا کرتی ہے ('' تاکہ وہ مال تمہارے تونگروں ہی کے قبضہ میں نہ رہ جائے'' بحوالہ سورۃ الحَشر: ۷)۔ لفظِ زکوٰۃ کا مصدر ز۔ ک۔ و ہے بمعنی پاک کرنا۔ اپنی آمدنی کا کچھ حصہ رضائے الٰہی کی خاطر ضرورتمندوں اور حرماں نصیبوں کو دینا زکوٰۃ کہلاتا ہے کیونکہ یہ آمدنی (دولت) اور روح دونوں کو پاک کرتا ہے اور اُن دونوں کی افزائش اور پاکیزگی کا موجب بنتا ہے۔ قرآن مجید نے زکوٰۃ کو اُمراء کا غریبوں پر احسان قرار نہیں دیا بلکہ فرمایا کہ وہ غرباء اور فقراء کا مالداروں کے مال پر حقِ واقعی ہے (سورۃ الذّٰریٰت ۱۹؛ سورۃ المَعارِج: ۲۴، ۲۵)

زکوٰۃ کے مصارفِ ثمانیہ (یعنی زکوٰۃ دینے کی آٹھ جگہیں) سورۃ التوبہ کی آیت ۶۰ میں بیان ہوئے ہیں۔

(۴) روزہ: روزہ بہت لحاظ سے اسلام کی روح کا صحیح ترجمان ہے کیونکہ حدیثِ قدسی (جس میں ربِّ ذوالجلال والاکرام نے فرمایا: اَلصَّوْمُ لِی 'کہ روزہ میرے لئے ہے) اس حقیقت کا غماز ہے کہ روزہ رکھنے میں کسی قسم کا دوغلا پن اور منافقت نہیں ہوتی۔ حافظ ابن حجر العسقلانی اس ضمن میں اس حدیث کا حوالہ دیتے ہیں:
'' روزہ منافقت سے دُور ہوتا ہے۔'' (فتح الباری شرح صحیح بخاری)

(۵) حج: یہ مندرجہ ذیل حقائق کی رُو سے اسلام کے پانچوں ارکان کا حاصل مجموعہ ہے:۔

(۱) حج کے دوران کوئی لمحہ اور کوئی گھڑی یادِ الٰہی سے خالی نہیں ہوتی اور اس لئے حج باقاعدہ نماز کو مستقل طور پر قائم رکھتا ہے جو ذکرِ الٰہی کا دوسرا نام ہے۔

(۲) حج میں زکوٰۃ کا رنگ بھی شامل ہے کیونکہ ہر حاجی کو اپنے ذبیحہ کے گوشت کو غرباء و مساکین کے کھلانے کا حکم دیا گیا ہے (سورۃ الحج : ۲۸)۔علاوہ ازیں مصارفِ سفر و رہائش میں مال کی زکوٰۃ کا' جسمانی تکلیف و صعوبت میں جسم کی زکوٰۃ کا اور وطن اور لواحقین اور کاروبار کو چھوڑنے میں مرغوبات کی زکوٰۃ کا رنگ پایا جاتا ہے۔

(۳) حج میں روزے کا عنصر بھی موجود ہے۔اگرچہ حج کے دوران کھانے پینے کی ممانعت نہیں ہے لیکن حج کے ایام میں بیوی سے جنسی تعلق اور ہر قسم کے نمائشی لباس و آرائش کی ممانعت روزے کی جگہ لے لیتے ہیں۔سفلی خواہشات کو قابو میں رکھنے کی مشق کا حج میں اُتنا ہی حصّہ ہے جتنا کہ روزے میں۔

(۴) حج (بالخصوص کعبہ کی زیارت) مسلمان کے توحید کے عقیدے کو تقویت بخشتا ہے کیونکہ کعبہ کی تعمیر اسی مقصد کے تحت کی گئی تھی۔

(۵) حج شیطانی ہتھکنڈوں اور ابراہیم علیہ السلام کی راہِ خدا میں یکسوئی اور جاں نثاری کی بھی یاد دلاتا ہے۔

اسلامی تہذیب کی خصوصیات

(۱) ذکرِ خدا: یادِ خدا اور ذکرِ الٰہی کو اسلامی تہذیب میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔اسلام میں مقصدِ حیات اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کے سپرد کر دینا ہے جس کا مطلب اُس کی ہمہ وقتی یاد ہے اور یہ چیز اُس کے احکامات کی تعمیل کو بہت آسان بنا دیتی ہے۔اگر کسی درخت کی جڑیں تازگی حاصل کرنے کے قابل نہ رہیں تو اُس کی نشوونما رک جاتی ہے اور وہ خشک ہونا شروع ہو جاتا ہے۔بالکل اسی طرح اگر انسان کا دل اپنے خالق کی یاد سے خالی ہے تو ایمان زندہ اور تازہ نہیں رہ سکتا۔لہٰذا معلوم ہوا کہ ایمان کی تازگی اور قوت اپنی جانداری اور گرم خیزی صرف یادِ الٰہی ہی سے پاتے ہیں۔

(۲) آفاقیت اور جامعیت: چونکہ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے' اس لئے اسلامی تہذیب تمام شعبہ ہائے حیات کو محیط ہے۔چونکہ وہ حی و قیوم ذاتِ الٰہی کی جانب سے آیا ہے' اس لئے وہ تمام انسانوں اور تمام زمانوں کے لئے ہے۔اُس کے پیش کردہ عقائد' طریقہ ہائے عبادت' ضابطہِ اخلاق' عائلی زندگی کے اصول' معاشرتی' اقتصادی' تجارتی زندگی اور سیاسی نظام صرف اُس کے اپنے وضع کردہ ہیں اور انسانی کردار اور رویّے کی اصلاح اور درستی کرنے کی پوری اہلیت رکھتے ہیں اس طرح کہ وہ قابلِ فخر انسان کامل بن جائے۔اس ضمن میں آرنلڈ نے لکھا ہے:-

''اسلام کی آفاقیت اور اس کے دینِ فطرت ہونے کا ثبوت اس حقیقت میں مضمر ہے کہ یہ تمام نسلِ انسانی کے لئے خدا کا مقرر کردہ ہے اور اب وہ نئی شکل میں اُن تک خاتم النبیین محمد ﷺ کی وساطت سے نازل ہوا جیسا کہ وہ سابقہ اُمتوں پر اُن کے پیغمبروں کی وساطت سے نازل ہوا تھا۔'' ("Preaching of Islam" ... T. W. Arnold, p. 30)

(۳) <u>مادیّت اور روحانیت کا حسین امتزاج</u> : غیر اسلامی تہذیبیں انسان کی صرف مادّی اور جسمانی ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں جبکہ اسلام اُس کی مادّی اور روحانی / اخلاقی دونوں ضرورتوں کی تسکین کے لئے مکمل طور پر مستعد اور آمادہ ہے۔ اسی وجہ سے مسلمانوں کو اپنی دونوں دنیاؤں کی بہتری کی دعا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے:

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِo (البقرۃ : ۲۰۱)

"اے ہمارے پالنہار! ہمیں اس دنیا میں بھی بہتری اور آخرت میں بھی بہتری عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھنا۔'' (۲۰۱ : ۲)

رہبانیت اور ترکِ دنیا کی اسلام میں قطعاً اجازت نہیں ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک اُسی طرح قابلِ نفرت ہیں جس طرح ایک شخص اللہ سے غافل ہو کر صرف دنیاوی مشاغل کا ہو کے رہ جاتا ہے۔

(۴) <u>اعتدال</u> : تمام صفاتِ حسنہ اور متوازن شخصیت' زندگی میں اعتدال کی راہ سے جنم لیتی ہیں نہ کہ حد سے تجاوز کی راہ سے اور نہ ہی بخل کی راہ سے۔ اِسی خصوصیت کی وجہ سے مسلم اُمّت کو سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ میں ''اُمّتِ وسط'' کہا گیا ہے جس کا مطلب راہِ اعتدال پر چلنے والی ہے نہ کہ افراط وتفریط کا شکار اور ہر نیک کام میں ضبط وتوازن کی حامل۔ سورۃ الفُرقان میں عِبادُالرّحمٰن کی نمایاں خصوصیات میں سے ایک صفت یوں بیان ہوئی ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًاo (اَلفُرقان : ۶۷)

"اور وہ لوگ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ تو فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں (بلکہ) اس کے درمیان (اُن کا خرچ) اعتدال پر رہتا ہے۔'' (۶۷ : ۲۵)

انتقام کا وقت بڑا نازک ہوتا ہے۔ مظلوم کا نفس جوشِ انتقام میں عموماً حد سے آگے بڑھ جاتا ہے اور اب خود ظالم ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید نے اِس اشتعال کے وقت بھی جذبات پر قابو رکھنے کی بار بار تاکید کی ہے اور انتقام کو حدود کے اندر رکھنے کا خاص اہتمام فرمایا ہے:۔

(I) وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ (اَلنَّحل : ۱۲۶)

"اور اگر تم بدلہ لینا چاہو تو اُنہیں اُتنا ہی دکھ پہنچاؤ جتنا دکھ اُنہوں نے تمہیں پہنچایا ہے۔'' (۱۲۶ : ۱۶)

(II) وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (اَلشُّورٰی : ۴۰)

"اور بُرائی کا بدلہ ویسی ہی بُرائی ہے۔'' (۴۰ : ۴۲)

(۵) پاکیزگی: اسلام اندرونی اور بیرونی دونوں پاکیزگیوں پر زور دیتا ہے یعنی پاکیزگی خیال، پاکیزگی مقصد، پاکیزگی دل، جسم کی پاکیزگی، روزی کمانے کی پاکیزگی، لباس کی پاکیزگی اور جگہ کی پاکیزگی۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اسلام شروع ہی پاکیزگی سے ہوتا ہے جیسے سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲۲ اور سورۃ التوبۃ کی آیت ۱۰۸ میں اللہ سے محبت اور اُس کی رضا کی وجہ بتایا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا:

اَلنَّظَافَةُ نِصفُ الْاِیْمَان یعنی "پاکیزگی نصف ایمان ہے۔"

ناجائز ذرائع سے کمانا پاکیزگی نہیں ہے، یہ پلید اور غیر خالص ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ اگر ایسی ناجائز کمائی بہ ظاہر نیک کام میں بھی لگا دی جائے (مثلاً تعمیر مساجد اور کنویں وغیرہ) تو وہ ہرگز قابلِ قبول نہ ہوگی کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ جس کے نام پر خرچ کیا جارہا ہے، (اِنَّ اللّٰہَ طَیِّب" لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا) خود پاک ہے اور پاک چیز ہی قبول فرماتا ہے (الحدیث)۔

(۶) سادگی: سادگی زندگی میں بہت سی آسانیاں لاتی ہے۔ دکھاوا، تصنّع اور شیخی، ناگفتہ بہ مالی بوجھ اور مصائب کے علاوہ لاتعداد معاشرتی برائیوں کو جنم دیتی ہیں۔ تمام مذاہب میں اسلام سادہ ترین مذہب ہونے کے لحاظ سے اپنے ماننے والوں کو ہر شعبہ حیات میں سادگی کو اپنانے کی ترغیب دیتا ہے۔ طعام ولباس، فکر وگفتگو اور آداب میں اس کی تعلیمات ظاہر ہیں (سورہ صٓ:۸۶)۔ مسلمان مَردوں کو ریشم، سونے اور بھڑ کیلے لباس کی ممانعت ہے۔ اِس ضمن میں آپ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا:

اَلسَّذَاجَةُ مِنَ الْاِیْمَان یعنی "سادگی جزوِ ایمان ہے۔"

(۷) اخوت اور بھائی چارہ: قطع نظر رنگ ونسل، ذات اور جغرافیائی یا علاقائی حالات کے ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (سورۃ الحُجُرات:۱۰)

اور نبی مکرّم ﷺ کا اس سلسلہ میں ارشادِ گرامی ہے:

تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ فِی تَرَاحُمِھِمْ وَتَوَادُھِمْ وَتَعَاطُفِھِمْ کَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَکٰی عُضْو" مِّنْهُ تَدَاعٰی لَهٗ سَائِرُ جَسَدِهٖ بِالسَّھَرِ وَالْحُمّٰی

"آپس میں رحم کرنے، باہمی محبت والفت میں تم مؤمنوں کو ایک جسم کی طرح پاؤ گے کہ اگر اُس جسم کا کوئی عضو بیمار پڑتا ہے تو باقی تمام جسم بے خوابی اور بخار کے ساتھ اُسے لبیک کہتا ہے۔"

"دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے رنگ ونسل اور قومیت کی رکاوٹوں کو کم از کم اپنے سماج میں منہدم کرنے میں زبردست کامیابی حاصل کی ہے۔" ("History of the Arabs"

... P. K. Hitti, p. 136)

(۸) انسانی مساوات : یہ اسلامی تہذیب کی روح اور اُس کا مغز ہے۔ قطع نظر رنگ ونسل، ذات اور قومیت کے تمام انسان اسلامی قانون کی نظر میں مساوی ہیں۔ اپنے حجۃ الوداع کے خطبہ میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
لَیْسَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ فَضْل "اِلَّا بِالتَّقْوٰی اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ
" کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہاں مگر تقوای کی بدولت۔ دراصل تم میں سے اللہ کے نزدیک معزز تر وہ ہے جو تم میں زیادہ خدا خوفی رکھتا ہے۔"

"اسلام میں تمام مؤمنوں کی مساوات اور تمام مسلمانوں کا بھائی چارہ جس نے عرب اور غیر عرب میں، آزاد اور غلام میں کوئی فرق روا نہیں رکھا، ایک ایسا اصول تھا جس نے اُس مغرور عرب کی عصبیت (پارٹی سپرٹ) سے براہِ راست ٹکر لی جو اپنی شہرت کی بنیاد اپنے آباء واجداد کی شہرت پر رکھنے کا عادی تھا اور اسی قوت کی بنیاد پر وہ لا متناہی قبائلی خونریزیوں میں روحانی حظ محسوس کرتا تھا۔ دراصل محمد ﷺ کی تعلیمات کے بنیادی اصول اُن بدعادتوں کے خلاف احتجاج تھے جن کی عربوں کے ہاں بڑی قدر تھی۔ ایک نومسلم کو اُن خصوصیات کو نیکی سمجھنا سکھایا گیا جنہیں وہ اب تک نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔" ("Preaching of Islam" .... T. W. Arnold, p. 43)

(۹) لغو اور فضول مشاغل سے پرہیز : ایک مسلمان اپنے مقصدِ حیات کو اِس احساس کے ساتھ بخوبی سمجھتا ہے کہ وقت مختصر ہے اور کام طویل ہے۔ وہ اپنا قیمتی وقت لاحاصل کاموں، گپوں، نامناسب مذاق، اور بیکار خودنمائی میں ضائع نہیں کرتا کیونکہ اُس نے زندگی کے ایک ایک سیکنڈ کا آگے جواب دینا ہے۔ وہ اپنے خالق کے اس حکم پر محتاط اور فکر مند رہتا ہے:

(i) وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْم" اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًاo (الاسراء:۳۶)

"اور اُس چیز کے پیچھے مت ہولیا کر جس کی بابت تجھے علم (صحیح) نہ ہو، بے شک کان، آنکھ اور دل کی پوچھ (ہر شخص سے) ہوگی۔" (۱۷ : ۳۶)

یعنی ہر سنی سنائی بات کے پیچھے بلا تحقیق نہ ہولیا کرو۔ البتہ مختلف مسائل کی تحقیق کے درجے مختلف ہوتے ہیں۔ فقہاء نے اسی آیت کے ذیل میں کہا ہے کہ احکامِ شرعی محض ظن اور اٹکل سے بتا دینا یا کسی پر بغیر تحقیق کوئی الزام لگا دینا دونوں ناجائز ہیں۔ آیت کے دوسرے حصّہ میں احساسِ ذمّہ داری کو اجاگر کیا گیا ہے جس پر آج عمل ہونے لگے تو شخصی اور قومی، انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کے کتنے جھگڑے قصے آج دنیا سے مٹ جائیں۔

(ii) وَالَّذِیْنَ لَا یَشْھَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًاo (اَلفُرقان : ۷۲)

"اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور جب وہ لغو مشغلوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو شریفانہ گزر جاتے ہیں۔" (۷۲ : ۲۵)

(۱۰) احترام آدمیت : مذاہب عالم میں اسلام پہلا مذہب ہے جس نے بنی نوع انسان کو قطع نظر اُن کے مذہب اور نسل کے احترام آدمیت کا سبق از بر کرایا ہے۔ بغیر کسی استثناء کے معاشرہ کے تمام افراد (شاہ و گدا) کے مساوی حقوق اور فرائض ہیں۔

(۱۱) قانون کی حاکمیت (عدل و انصاف کا دور دورہ): موافق یا غیر جانبدارانہ ماحول میں عدل و انصاف اور دیانتداری سے کام لینا ایک قابلِ تحسین فعل ہے لیکن وہ وقت حقیقی اور کڑی آزمائش کا ہوتا ہے جب آپ کو اُن لوگوں سے انصاف کرنا ہو جو آپ سے نفرت کرتے ہیں یا آپ اُن سے نفرت کرتے ہو۔ ایسے مواقع پر اعلیٰ اخلاقی اقدار آپ سے کسی گھٹیا رویے کی توقع نہیں کرتے۔ ایک شاہزادہ اور ایک کسان اگر فی الواقع مجرم ثابت ہو جائیں تو قانون کے سامنے دونوں برابر کے جوابدہ ہیں۔ اس ضمن میں قرآنی حکم ملاحظہ ہوں:۔

(i) يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ○ (النساء : ۱۳۵)

"مومنو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو چاہے وہ تمہارے یا (تمہارے) والدین اور عزیزوں کے خلاف ہی ہو وہ امیر ہو یا مفلس اللہ (بہر حال) دونوں سے زیادہ حق دار ہے تو خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرنا کہ (حق سے) ہٹ جاؤ اور اگر تم ٹیڑھ پن کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔" (۴ : ۱۳۵)

(ii) يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ (المائدة : ۸)

"مومنو! اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے (اور) عدل کے ساتھ شہادت دینے والے رہو اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم اُس کے ساتھ انصاف ہی نہ کرو، انصاف کرتے رہو کہ وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔" (۸ : ۵)

(۱۲) بنیادی حقوق کی حفاظت : مذاہب عالم میں پہلا مذہب ہونے کے لحاظ سے یہ بات اسلام کے حق میں جاتی ہے کہ اُس نے ہر فرد کے بنیادی حقوق کی ضمانت دی اور اِس طرح ہر کس و ناکس کو مساوی درجہ دیا۔ نبی اکرم ﷺ اور مابعد کے خلفائے راشدین کے ادوارِ مبارک اس حقیقت کے شاہدِ عدل ہیں کہ اسلامی حکومت کے تحت رہنے والی اقلیتیں بھی بغیر کسی خوف و خطر کے پُر امن اور نڈر زندگی گزارتی تھیں۔

(۱۳) تمام اعمال کا منتہائے مقصد --- رضائے الٰہی : ''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اور آپ کے بعد کے تمام عظیم اور سچے مسلمانوں کا مقصدِ حیات بنی نوعِ انسان کی فلاح و بہبود کی خاطر کچھ کر دکھانا تھا نہ کہ زندگی سے لطف اندوزی ۔ اسلام کی نظر میں خوشی و مسرّت تو اُس جذباتی تسکین کا ضمنی (ثانوی) نتیجہ ہوتی ہے جو انسان اللہ کی رضا اور اخروی نجات کے حصول کے لئے اپنے تفویض شدہ فرائض کو خوشدلی اور ایمانداری سے انجام دینے کے بعد حاصل کرتا ہے ۔'' (ایک یہودیہ نو مسلمہ مریم جمیلہ کے خیالات جو کراچی کے جریدے "... Islam the Religion of All Prophets" کے صفحہ ۱۱۵ کی زینت بنے)

(۱۴) رواداری (Tolerance): یہ اعلیٰ وارفع خصوصیت اسلام کے امتیازی خصائص میں سے ہے ۔ اسلامی معاشرے میں مذہب اور عقیدے کے انتخاب کی مکمل آزادی ہے ۔ قرآن مجید فرماتا ہے:
لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرۃ : ۲۵۶) ''دین میں کوئی جبر اور سختی نہیں ہے ۔'' (۲ : ۲۵۶)

رواداری کی بابت چند مستشرقین کے تاثرات ذیل میں دیے جاتے ہیں :-

(i) ''اسلام نے کسی مذہب کے نظریات میں کبھی کوئی مداخلت نہیں کی اور نہ ہی (اُن کے فطری یا غیر فطری ہونے کی) کبھی کوئی تفتیش کی ۔ اس نے اپنا نظام پیش تو کیا لیکن اس کے نفاذ میں کبھی کوئی سختی نہیں کی ۔ قرآن کہتا ہے کہ ''دین میں کوئی جبر اور سختی نہیں ہے ۔'' غیر متعصب لوگوں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ محمد ﷺ کے لائے ہوئے مذہب نے قدیمانہ دشمنیوں اور خونریزیوں کو ختم کر کے انسانیت کو سکھ چین کا سانس لینے اور سماجی خیر و بھلائی کو پہنچنے کے قابل بنا دیا اور اِس بات کا تہذیبِ انسانی پر گہرا اثر ہوا جو دنیا کے لئے حقیقی نعمت تھی ۔ دراصل اسلام انتہائی قوی آلات میں سے ایک ایسا آلہ ہے جسے رازقِ حقیقی کے دستِ غیب نے زمانے کے ایک طویل تسلسل کے بعد لوگوں کی آراء اور نظریات کو متاثر کرنے کے لئے بھیجا ۔''
("The Message of the Qur'an" -- Chapter III
... John Davenport)

(ii) ''رواداری کی واحد مثال اسلام نے قائم کی اور عیسائیت کی دنیا میں رواداری کا خیال اسلام کی رواداری سے مستعار ہے ۔''
("Islam, Europe and the Empire" ... Norman Daniel
quoted in "THE HEIGHTS Glory of the Muslim World", p. 243) Karachi, 1984.

(iii) ''دوسرے مذاہب کی طرف اسلام کا رویّہ ایسا غیر رواداری کا نہ تھا جیسا کہ دنیائے عیسائیت کا اُس زمانے میں تھا --- عیسائی 'وزارت جیسے اعلیٰ حکومتی عہدوں پر فائز کئے جانے کے اہل سمجھے جاتے تھے بغیر کسی جبر و تشدد کے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کر لیں ۔ صلیبی جنگوں کے دوران بھی جبکہ مذہبی مخالفت شدید تھی' عیسائی اہلکار عام

تھے۔ گیارہویں صدی عیسوی میں عیسائیوں کے جنازے عیسائیت کی تمام علامات کے ساتھ بغداد کی گلیوں سے گزرتے تھے اور وقائع نگاروں نے استثنائی صورتوں میں ہنگاموں کا مشاہدہ کیا۔ مصر میں مسلم آبادی کی جانب سے عیسائی تہواروں کو کسی حد تک ایام تعطیل سمجھا جاتا تھا۔ تاہم یہ نظریہ کہ مسلمان فاتحین اور اُن کے جانشین عیسائیت کی متعصبانہ نفرت سے جوش کھاتے تھے' عیسائیوں کا خانہ ساز (گھڑا ہوا) ایک افسانہ ہے۔'' ("Christianity and Islam" ... C. H. Becker, pp. 32, 33)

(iv) ''مسلمان کیسے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے اور غریبوں کی حاجت روائی کرنے والے ہیں اور اُن کے شِفا خانوں (ہسپتالوں) میں غریب ونادار اور مسافر اجنبیوں کی کس توجہ سے دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ اگر ہم اُن کے انصاف' اعتدال اور دوسری اخلاقی خوبیوں پر نگاہ کریں تو ہم دینداری اور خیراتی کاموں میں اپنی سردمہری' بے انصافی' بے اعتدالی اور جبر وتشدّد پر شرما جائیں۔ اِن لوگوں کی عبادات' پارسائی اور فلاح وبہبود کے کام محمد ﷺ کے لائے ہوئے مذہب کی افزائش وترقی کی بڑی وجوہ ہیں۔'' ("Preaching of Islam"---Arnold, p. 171)

(v) ''وسیع پیمانے پر دوسرے مذاہب کے لوگوں کا اسلام قبول کرنا کسی جبر وتشدّد کی وجہ سے نہیں تھا' اس حقیقت کا ثبوت اُس رواداری سے ملتا ہے جو اُن لوگوں سے روا رکھی جاتی تھی جو اپنے قدیم مذہب سے چمٹے رہتے تھے۔ عہدِ جدید تک فارس کے کچھ ضلعوں میں آتش پرستوں کے کچھ چھوٹے چھوٹے ساج پائے جاتے ہیں۔۔۔ اسلام کے ابتدائی سالوں میں اُن کے آباء واَجداد سے نمایاں حد تک رواداری روا رکھی گئی' اُن کے آتش کدوں کا احترام کیا گیا اور ہم المعتصم کے عہدِ حکومت (۸۳۳ تا ۸۴۲ء) میں ایک مسلمان جرنیل کے بارے میں سنتے ہیں کہ اُس نے ایک امام اور مؤذن کو کوڑے لگانے کا حکم دیا کیونکہ اُنہوں نے سُغد کے علاقے میں ایک آتش کدے کو منہدم کر کے اُس کی جگہ مسجد تعمیر کر لی تھی۔'' (ایضاً ص ۲۰۹)

(vi) ''محمد ﷺ نے کہا:'' جو کوئی یہودی یا عیسائی سے زیادتی کرے گا' وہ مجھے قصوروار ٹھہرانے والا اور سزا دینے والا پائے گا۔'' آپ نے بار بار عقیدے سے رواداری برتنے کی سفارش کی ہے۔ عیسائیوں کے ساتھ اپنے تمام معاہدوں میں آپ نے اُنہیں آزادیِ عبادت کی ضمانت دی۔'' (ایضاً ص ۲۷۱)

(۱۵) <u>دوسری تمام تہذیبوں سے جداگانہ اور منفرد حیثیت کی حامل</u>: شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر میں اس حقیقت کو سمو دیا ہے:۔

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

(۲۴) سرکاری ملازمین (اسلامی ریاست میں) (CIVIL SERVANTS)

اسلام نے ایک کامل، جامع اور آفاقی ضابطہ حیات پیش کیا ہے جس کی رُو سے وہ ایک فعّال، شہری انتظامیہ کا قیام عمل میں لاتا ہے جو اپنے باشندوں کی مادّی اور روحانی تمام ضروریات کو پورا کرے۔ لہٰذا ایک اسلامی ریاست کے سرکاری ملازمین نے ریاست کو ایسی فلاحی ریاست بنانے کے لئے عظیم ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانا ہوتا ہے جہاں جبر وتشدد، طاقت واختیارات کا غلط استعمال اور کمزور اور غربت سے پسے ہوئے طبقے کے حقوق کا غصب نام کو نہ ہو۔ ہر باشندے کے ذہن میں احساسِ ذمہ داری نقش کرنے کے لئے پیغمبر اسلام ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا:

أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ

''خبردار! ہوشیار رہو تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اُس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔''

درج بالا حدیث کا لفظ ''رعیّت'' ماخوذ ہے لفظ ''راعِی'' سے جس کا معنی چرواہے کا ہے۔ یہ لفظ چرواہے کی نازک ذمہ داریوں کی مناسبت سے استعمال کیا گیا ہے جسے اپنے ریوڑ کے چارے، دیکھ بھال اور حفاظت کا بہر حال خیال رکھنا ہوتا ہے۔ اِس مماثلت سے حدیث مذکورہ کا مفہوم یہ ہے کہ سرکاری ملازمین کو، جس حیثیت میں بھی وہ ہوں، اُن لوگوں کی بہتری اور فلاح کا خیال رکھنا چاہئے جن کے ساتھ اپنے فرائض انجام دہی کے دوران اُنہیں واسطہ پڑتا ہے۔ اُن کی رحم دلی، حق پسندی اور دیانتداری خوشگوار فضا پیدا کرنے میں بہت مؤثر ثابت ہوں گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک کے باشندے ملکی قانون کو بہ نظرِ تحسین دیکھیں گے۔ عوامی اور سرکاری ملازمین کے درمیان باہمی اعتماد کسی معاشرے کی مجموعی ترقی اور اصلاح کے لئے سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اے میرے پروردگار! جس کسی کو میری اُمّت کے کسی معاملے میں قوت واختیار دیا گیا اور پھر وہ اُن پر ظلم وتشدد کرتا ہے، تو بھی اُس پر سختی کر۔ اور جس کسی کو میری اُمّت کے کسی معاملے میں قوت واختیار دیا گیا اور پھر وہ اُن سے رحمدلی سے پیش آتا ہے، تو بھی اُس پر مہربان ہوجا۔''

وہ آداب واخلاق جن کا سرکاری ملازمین کو عوام سے معاملگی کے دوران پاس رکھنا چاہئے

(۱) خوش اخلاقی اور اچھا طرزِ عمل: اِن خصائصِ جمیلہ کی اہمیت اس قدر عظیم ہے کہ وہ تمام پیغمبروں کے کردار کا بالعموم اور ہمارے نبی مکرّم ﷺ کے کردار کا بالخصوص جزوِ لاینفک رہے ہیں۔ قرآن مجید ہمارے نبی اکرم ﷺ کے اخلاقِ حسنہ اور اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ بھی آپ کی خوش خُلقی کی تعریف کرتا ہے:۔

(i) فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آلِ عمران : ۱۵۹)

”پھر یہ اللہ کی رحمت کے سبب سے ہے کہ آپ اُن کے ساتھ نرم ہیں اور اگر آپ تند خو سخت طبع ہوتے تو وہ آپ کے پاس سے منتشر ہو گئے ہوتے۔“ (۳: ۱۵۹)

(ii) وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ٥ (الانبیآء : ۱۰۷)

”اور ہم نے آپ کو (تمام) جہانوں کے لئے اپنی رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“ (۲۱:۱۵۹)

(iii) وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ٥ (القلم : ۴)

”اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر ہیں۔“ (۴ : ۶۸)

قرآن مجید میں ہم جیسے گنہگاروں کو حکم دیا گیا ہے :

(i) قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرة : ۸۳)

”اور لوگوں سے بھلی بات کہو۔“ (۸۳ : ۲)

(ii) وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا (لقمٰن : ۱۸)

”اور لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر اور زمین پر اکڑ کر مت چل۔“ (۱۸ : ۳۱)

(iii) اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ٥ (حٰمٓ السَّجدة : ۳۴)

”آپ نیکی سے (بدی کو) ٹال دیا کیجئے تو پھر یہ ہوگا کہ جس شخص میں اور آپ میں عداوت ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی ولی دوست ہوتا ہے۔“ (۳۴ : ۴۱)*

’کَأَنَّہٗ‘ نے یہ صاف کر دیا کہ یہ لازمی نہیں کہ اس برتاؤ کے بعد وہ دشمن دوست بن ہی جائے، البتہ دوست کے مشابہ ضرور ہو جائے گا۔

اِس ضمن میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :۔

(i) إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ (صحیح بخاری، احمد)

”دراصل مجھے اعلیٰ اخلاقی قدروں کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔“

(ii) لَا تَحْتَقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَّلَوْ أَنْ تَلْقٰى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ

”نیکی کی کسی چیز کو ہرگز حقیر نہ سمجھو اگرچہ وہ اِسی قدر ہو کہ اپنے بھائی سے خندہ جبینی سے ملو۔“

(iii) اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ (صحیح مسلم: کتاب البرّ والصّلۃ) ”نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے۔“

* مشہور غیر مسلم لیڈر گاندھی جی نے جو اپنا فلسفہ شانتی اور اہنسا کا چلایا ہے، عجب نہیں کہ اُس کا ماخذ اصلی یہی آیتِ قرآنی ہو۔

لینے اور کام کاج کرنے کے آلات ہوتے ہیں یا وہ اُس کے دونوں بازو قرار پاتے ہیں جن کے ذریعے سے وہ ہوا میں اُڑ سکتا ہے۔ بعض کے چلنے کے لئے چار پیر ہوتے ہیں (سورۃ النور: ۴۵) اور بعض کے اس سے بھی زیادہ کئی کئی دہائیوں تک نوبت پہنچ جاتی ہے جیسے کہ کنکھجورا۔ اور بعض اپنے پیٹ کے بل اُن چھلکوں کے ذریعہ سے جو اُس پر لگے ہوتے ہیں چلتے ہیں' درختوں اور دیواروں پر چڑھ جاتے ہیں جیسا کہ سانپ۔ بعض اپنی غذا کو اپنے ہاتھوں سے لیتے ہیں' بعض اپنے منہ سے' بعض چونچ سے اور بعض ناک سے جیسا کہ ہاتھی۔ بعض اپنی زبان سے لیتے ہیں جیسا کہ گرگٹ جو اپنی لمبی زبان سے ایک لیسدار مادہ لگا کر نکالتا ہے۔ اس طرح وہ مکھی وغیرہ کو ہوا سے پکڑ لیتا ہے۔''

''بعض حیوانات کے شکم کے اندر ہی بیضہ ٹوٹ کر بچہ نکل آتا ہے اور وہ وہیں پر تام الخلقت بھی ہو جاتا ہے اس کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ بعض حیوانات انڈے دیتے ہیں۔ انڈے کے اندر بچہ کی غذا وغیرہ کا پورا سامان مہیا رہتا ہے اور اُسی کے اندر اُس کی خلقت کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہ حالت بعض پرندوں' بعض سانپوں اور چھپکلی کی دیکھی جاتی ہے۔ بعض کی یہ حالت ہے کہ جب تک نر کا مادہ منویہ ہوا سے محفوظ رہ کر شکم میں نہ پہنچے' حمل قرار ہی نہیں پا سکتا کیونکہ ہوا کے لگنے سے اُس میں خرابی آجاتی ہے۔ بعض کی یہ کیفیت ہے کہ جب مادہ اپنے بیضہ کو اپنے جسم سے نکال کر باہر ڈال دیتی ہے تو اُس کے بعد نر اپنے مادہ منویہ کو اُس پر گرا دیتا ہے اور اس طرح بچہ بنتا ہے جیسا کہ بعض مچھلیوں میں دیکھا گیا ہے کیونکہ اُن کی منی پانی یا ہوا سے خراب نہیں ہوتی۔ بعض حیوانات اپنے بچوں کو اپنے دو یا زیادہ پستانوں سے دودھ پلاتے ہیں۔ بعض اپنے بچوں کو دانہ بھراتے ہیں جیسے کبوتر۔ بعض اپنے بچوں کو اپنے ساتھ لئے پھرتے ہیں اور اُن کی غذا اُنہیں بتلاتے ہیں جیسے مرغی۔ بعض حیوانات میں نر اور مادہ دونوں شریک ہو کر بچہ کی پرورش کرتے ہیں اور یہ اُس وقت ہوتا ہے جب بچے ابتدائے پیدائش میں چلنے پر قادر نہیں ہوتے جیسا کہ چڑیوں' کبوتروں اور انسانوں میں دیکھا جاتا ہے کیونکہ صرف ایک ہی کا بچہ کی پرورش میں مشغول ہونا اور اپنی روزی بھی تلاش کرنا اُس کے لئے اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف کا باعث ہوگا اور بعض کی صرف مادہ ہی اپنے بچوں کی پرورش کرتی ہے اور یہ اُس وقت ہوتا ہے جب بچے اپنی ماں کے ساتھ چلنے پھرنے پر قادر ہوتے ہیں جیسے مرغی اور چکور۔ بعض اپنے بچوں کے لئے عجب کیفیت کا گھونسلا بناتے ہیں خواہ درختوں میں کھود کر یا مٹی سے یا کسی اور طور پر۔''

''بعض اپنے بچوں کو اپنی پیٹھ پر لادے پھرتے ہیں۔ بعض اپنے بچوں کو ایک تھیلی میں لئے پھرتے ہیں جو اُن کے پیٹ کے پاس ہوتی ہے۔ غذا تلاش کرنے کے وقت اُس میں سے وہ اُنہیں نکالتے ہیں اور سونے کے وقت پھر اُسی میں رکھ لیتے ہیں۔ بعض کے فضلہ اور بیضہ کے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہوتا ہے۔ بعض کی یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ بعض حیوانات کے جفتی کرنے کا ایک وقتِ معیّن ہوتا ہے اور بعض کی جفتی کا کوئی وقتِ معیّن نہیں ہوتا۔ بعض جفتی کے وقت مادہ کے اوپر آجاتے ہیں' بعض اپنی مادہ کی دُم سے دُم ملا کر جفتی کرتے ہیں' بعض اپنی مادہ کے پہلو سے پہلو ملا کر رگڑتے ہیں یہاں تک کہ وہ انڈے دے دیتی ہے اور اُن کے اوپر نر اپنی منی کو گرا دیتا ہے اور اس طرح بچہ بنتا ہے جیسا کہ بعض مچھلیوں کا حال ہے۔ بعض کے انڈوں کے نقوش اُن کے رنگوں کے مشابہ ہوتے ہیں جیسے چکور اور بعض

(iv) اِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا (مُتَّفَق" عَلَيه)
''تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو تم میں اخلاق میں سب سے اچھا ہے۔'' (بخاری، مسلم)

(v) مَامِنْ شَيْءٍ أَثْقَلُ فِيْ مِيْزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ (ترمذی)
''قیامت کے دن مؤمن بندے کے میزان میں حُسنِ خُلق سے زیادہ بھاری چیز کوئی نہیں ہوگی۔''

(vi) اِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ اِلَيَّ وَ أَقْرَبِكُمْ مِنِّيْ مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا (ترمذی)
''قیامت کے روز مجھے سب سے زیادہ محبوب اور ہم نشینی کے لحاظ سے میرے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو تم میں اخلاق میں سب سے اچھا ہوگا۔''

(vii) اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ (ابو داؤد)
''مؤمن یقیناً اپنے حُسنِ خُلق سے روزے دار اور شب بیدار شخص کا درجہ پالیتا ہے۔''

(۲) تواضع (انکساری): اسلامی ضابطہ اخلاق میں یہ بہت اہم اور معماتی (مشکل) مسئلہ ہے۔ خالقِ لم یزل نے نبی اکرم ﷺ کو منکسر المزاج ہونے اور مسلمانوں سے تواضع سے پیش آنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:
وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ٥ (اَلْحِجر : ۸۸)
''اور ایمان والوں کے لئے اپنے بازو جھکائے رکھئے۔'' (۱۵ : ۸۸)

مغرور، خودسر لوگوں کو اس طرح تنبیہ کی گئی :
(i) فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ٥ (اَلنَّحل : ۲۹)
''کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا!'' (۱۶ : ۲۹)
(ii) اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ٥ (اَلزُّمَر : ۶۰)
''کیا (ان) متکبرین کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں ہے؟'' (۳۹:۶۰)

اپنے ولیوں اور دوستوں میں تواضع اور انکساری کی صفت کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ، أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ (المائدة : ۵۴)
''اللہ اُن سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں، ایمان والوں پر وہ مہربان ہیں اور کافروں پر وہ سخت ہیں۔'' (۵ : ۵۴)

تواضع سے پیش آنے والے لوگوں کے انعام کی پردہ کشائی کرتے ہوئے قرآن فرماتا ہے:۔
تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا (اَلْقَصَص : ۸۳)
''یہ عالمِ آخرت تو ہم اُن لوگوں کے لئے خاص کر دیتے ہیں جو زمین پر نہ بڑا بننا چاہتے ہیں، نہ فساد کرنا۔''

غرور کی مذمت میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا :

(۱) ''کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ جہنمی کون لوگ ہیں؟ وہ متشدد' ظالم' شیخی خورے اور مغرور لوگ ہیں۔''
(بخاری' مسلم)

(۲) ''اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں سے کلام نہیں فرمائے گا' نہ ہی اُنہیں گناہوں سے پاک وصاف کرے گا اور نہ ہی اُن کی طرف رحمت کی نظر کرے گا اور اُن کے لئے سخت عذاب ہوگا: بوڑھا زانی' جھوٹ بولنے والا بادشاہ' اور غریب ونادار کنبے والا مغرور آدمی۔'' (صحیح مسلم)

(۳) ''اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اُس حریص کو ذلیل کرنا اپنے اوپر لازم کرلیا ہے جو شیخی کے نشے میں بالادستی چاہتا ہے۔''

(۴) ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جاہ وجلال میرا اوڑھنا ہے' تکبر میری چادر ہے تو جو شخص ان دو چیزوں کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے' میں اُسے جہنم میں ڈالوں گا۔'' (صحیح مسلم)

(۵) ''قیامت کے دن مغرور لوگوں کو چیونٹیوں کی طرح دجّال کی شکل میں اٹھایا جائے گا' ہر طرف سے ذلت اُنہیں ڈھانپے ہوئے ہوگی' اُنہیں 'بولیس' نامی جہنم کے قید خانے میں دھکیلا جائے گا جس پر بڑی آگ غالب ہوگی اور اُن کی پیاس اہلِ جہنم کی پیپ اور خون سے بجھائی جائے گی۔'' (نسائی' ترمذی)

تواضع اور خوش اخلاقی کی تعریف میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :۔

(۱) ''صدقہ وخیرات دولت کو کبھی کم نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی لغزشیں معاف کردینے والے کی عزت کو بڑھاتا ہے اور اُس شخص کے درجات بلند کرتا ہے جو اللہ کی خوشنودی کی خاطر تواضع اور خوش خلقی سے پیش آتا ہے۔'' (صحیح مسلم)

(۲) ''اگر مجھے بکری کے ایک سُم یا بکری کی ایک ٹانگ کی دعوت میں بلایا جائے تو میں اسے ضرور قبول کروں گا اور اگر مجھے بکری کا سُم یا بکری کی ٹانگ بطور تحفہ بھیجی جائے تو میں اسے ضرور قبول کروں گا۔'' (بخاری)

اعلیٰ مناصب پر فائز کچھ عہدیدار اپنی منصبی حیثیت پر بڑے حساس (Status-conscious) ہو جاتے ہیں۔ وہ عام شخص سے علیحدہ رہنے کی کوشش کرتے ہیں جو اپنے مسائل کے حل کے لئے سرگرداں اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا ہے۔ اسلامی ریاست میں اربابِ اختیار اور عام آدمی کے درمیان رابطہ براہِ راست ہوتا ہے۔ سرکاری ملازمین کو ہر کس وناکس کے لئے قابلِ رسائی ہونا چاہئے۔ اسلامی انتظامیہ کے معیار کی رُو سے ''مخصوص رابطے کے ذریعے'' (Through Proper Channel) جیسی اصطلاح کا کوئی تصوّر نہیں۔ مدینہ منورہ میں قائم کی گئی پہلی اسلامی ریاست میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسی ارفع واعلیٰ شخصیت سے بھی کوئی شخص اپنی شکایات دُور کرانے کے لئے مل سکتا تھا۔ ہر شکایت کو یقینی طور پر پوری توجہ اور ہمدردی کے ساتھ سنا جاتا تھا۔ جب اُس وقت کے کوفہ کے گورنر نے اپنے مکان پر

ایک بڑا دروازہ نصب کرایا تو خلیفہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس کے جلا ڈالنے کا حکم دیا کہ وہ لوگوں کو ''امیر'' سے ملنے کی رکاوٹ بنتا تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

''جس کسی کو لوگوں پر کسی چیز کا عامل (گورنر) بنایا جائے اور پھر وہ مسلمانوں، مظلوموں یا ضرورت مندوں پر اپنے دروازے بند کر دے، تو اللہ تعالیٰ اُس کی ضرورت اور غربت کے وقت اُس پر اپنی رحمت کے دروازے بند کر دے گا، چاہے وہ کتنا ہی ضرورت مند کیوں نہ ہو۔''
("Islam and Material Progress" --- S. M. Moin Qureshi, pp. 19, 20)

(۳) عدل و انصاف اور بلا تفریق برتاؤ: قرآن مجید میں کارپردازانِ مملکت کو لوگوں سے انصاف کرنے کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ آیاتِ قرآنی ملاحظہ ہوں:۔

(i) وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (اَلنِّسآء : ۵۸)

''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔'' (۵۸ : ۴)

(ii) إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرٰكَ اللّٰهُ (اَلنِّسآء : ۱۰۵)

''یقیناً ہم نے آپ پر کتابِ حق کے ساتھ اتاری ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اُس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو سمجھا دیا ہے۔'' (۱۰۵ : ۴)

(iii) يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ إِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ أَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى أَنْ تَعْدِلُوْا وَإِنْ تَلْوٗٓا أَوْ تُعْرِضُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ (اَلنِّسآء : ۱۳۵)

''مومنو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو چاہے وہ تمہارے یا (تمہارے) والدین اور عزیزوں کے خلاف ہی ہو، وہ امیر ہو یا مفلس اللہ (بہرحال) دونوں سے زیادہ حق دار ہے، تو خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرنا کہ (حق سے) ہٹ جاؤ اور اگر تم ٹیڑھ پن کرو گے یا پہلوتہی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔'' (۱۳۵ : ۴)

(iv) وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ (اَلْمائدۃ : ۴۲)

''اور اگر آپ فیصلہ کریں تو اُن کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کریں۔'' (۴۲ : ۵)

(v) وَإِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَإِنْۢ بَغَتْ إِحْدٰىهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ إِلٰٓى أَمْرِ اللّٰهِ فَإِنْ فَآءَتْ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوْا إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ (اَلْحُجرات : ۹)

''اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کرنے لگیں تو اُن کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر اُن میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اُس سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کر لے، پھر اگر وہ رجوع کر لے تو اُن کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کر دو اور انصاف کا خیال رکھو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' (۹ : ۴۹)

فقہائے کرام نے اس آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ عقائد کے فساد کی بناء پر قتال نہ کیا جائے گا بلکہ جرم بغاوت کی بناء پر قتال کیا جائے گا اور یہ بات بہت قابلِ لحاظ ہے کہ جنگ وجدل کرنے والے اِن دونوں گروہوں کو ایک کے ناحق پر ہونے کے باوجود قرآن مجید ''مؤمن'' ہی کہتا ہے۔ قتال اور بغاوت سے بڑھ کر شدید جرم اور کونسا ہوسکتا ہے؟ اس کے باوجود بھی باغی بہر حال مؤمن ہی رہتا ہے اور دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا۔ اکابر اہلسنت نے یہیں سے یہ مسئلہ (خوارج ومعتزلہ کے برعکس) نکالا ہے کہ بڑے سے بڑے گناہ سے بھی مؤمن دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا۔'' (تفسیر کبیر بحوالہ تفسیر ماجدی اردو' صفحہ ۱۰۳۱)

<u>سرخ فیتہ کی عملداری (Red Tapism) اور اسلام</u>: ہمارے دفتروں کے طریق کار میں سرخ فیتے کی عملداری کا بہت بڑا دخل ہے جس سے عوام کو ناگفتہ بہ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کام کے انجام پذیر ہونے میں ایسی ''اعصاب شکن تاخیر اور انتظار'' کا اسلام میں نہ تو کوئی تصوّر ہے اور نہ اُس کی اجازت ہے کیونکہ اسلام میں انتظامیہ کا اوّلیں مقصد رعایا کو زیادہ سے زیادہ سہولیات پہنچانا ہے۔ اس ضمن قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ مشفقانہ رویّے کے بیان میں فرمایا:۔

(i) یُرِیْدُاللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (اَلْبَقَرَۃ : ۱۸۵)

''اللہ تمہارے حق میں سہولت چاہتا ہے اور تمہارے حق میں دشواری نہیں چاہتا۔'' (۱۸۵ : ۲)

(ii) مَایُرِیْدُاللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَھِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ (المائدۃ:۶)

''اللہ تم پر کوئی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ وہ (تو یہ) چاہتا ہے کہ تمہیں خوب پاک وصاف رکھے اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے۔'' (۶ : ۵)

(iii) ھُوَاجْتَبٰکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ (اَلْحَجّ : ۷۸)

''اُس نے تمہیں برگزیدہ کیا اور اُس نے دین کے بارہ میں تم پر کوئی تنگی نہیں کی۔'' (۷۸ : ۲۲)

اور خود نبی مکرّم ﷺ نے رجائیت (Optimism) اور سہل پسندی کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا وَیَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا

''خوش خبری سناؤ' نفرت پیدا نہ کرو' اور آسانی پیدا کرو' مشکل پیدا نہ کرو۔''

(۴) <u>سادہ زندگی</u>: اَلْبَذَاجَۃُ مِنَ الْاِیْمَانِ یعنی ''سادگی جزوِ ایمان ہے'' مشہور حدیث ہے۔ اسلام تمام شعبہ ہائے حیات مین سادگی اپنانے کی وکالت کرتا ہے اور فضول خرچی اسلام میں قابلِ نفرت ہے۔ قرآن مجید فضول خرچوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا۝ (الاسراء : ۲۷)

''بے شک فضولیات میں اُڑا دینے والے شیطانوں کے بھائی بند ہوتے ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔'' (۲۷ : ۱۷)

انسان کی مذمّت اِس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اُسے شیطان سے تشبیہ دے دی جائے جو تمام بُرائیوں کا سرچشمہ ہے۔ اِس مذمت سے بچنے کے لئے سرکاری ملازمین کو تکلف و تصنّع سے خالی اور سادہ زندگی بسر کرنی چاہئے۔ اس طرح وہ رشوت لینے یا دوسرے حرام ذرائع اختیار کرنے کی طرف مائل نہ ہوں گے۔ قناعت کی زندگی اُن کے اخراجات خود بخود سمیٹ دے گی اور وہ عوام کی جیب پر پلنے سے گریز کریں گے۔ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی شخص کو کوئی عہدہ دیتے وقت اُس پر کچھ شرائط عائد کرتے تھے مثلاً :

''ترکی گھوڑے پر سواری نہ کرو گے' نہ ہی چھنا ہوا آٹا کھاؤ گے' نہ عمدہ لباس پہنو گے اور نہ ہی لوگوں کی ضرورت کے وقت اپنے گھر کے دروازے بند کرو گے۔ اگر تم نے اِن شرائط سے ہٹ کر کوئی کام کیا تو تمہیں سزا دینا جائز ہوگا۔''

(۵) <u>فرائض کی انجام دہی میں دیانت داری</u> : سرکاری ملازمین کے رویّے میں اس صفت کا ہونا انتہائی ضروری اور بنیادی چیز ہے کیونکہ یہ صفت اپنے خالق کے آگے جوابدہی کا احساس پیدا کرتی ہے۔ رشوت اور ناجائز ذرائع آمدنی سے اُنہیں یکسر بیگانہ اور متنفر ہونا چاہئے اور اُنہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اُن کا عہدہ اور منصب اللہ اور اُس کے بندوں کی طرف سے ایک امانت ہے جس کے فرائض کو دیانتداری اور ایمانداری سے بجالانا ناقابلِ فرار ذمّہ داری ہے۔ امانت کی اہمیت اور ضرورت پر زور دیتے ہوئے قرآن فرماتا ہے :۔

(i) اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا (اَلنِّسَاء : ۵۸)

''اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اُن کے اہل کو ادا کرو۔'' (۵۸ : ۴)

(ii) يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ٥ (الانفال : ۲۷)

''مؤمنو! اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو درآنحالیکہ تم جانتے ہو۔'' (۸:۲۷)

اللہ اور رسول کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں' اُنہیں پوری طرح ادا نہ کرنا اُن میں خیانت کرنا ہے۔

امانت کی ادائی کی تاکید کرتے ہوئے نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهٗ، یعنی ''جس شخص میں امانت نہیں' اُس کا کوئی ایمان نہیں۔''

فرائض کی بجا آوری بھی ایک مقدّس امانت ہے جسے دیانتداری اور مستعدی سے ادا کیا جانا چاہئے اور اس میں اوقاتِ کار' معاملے کو جلد نمٹانے' ایمانداری' کفایت شعاری اور حُسنِ کارکردگی کا خاص خیال رکھا جائے۔ جو شخص اس ضمن میں عمداً کسی غلط روی کا مرتکب ہوتا ہے' وہ اللہ کے حضور اپنے عمل کا جوابدہ ہوگا۔ قرآن مجید تنبیہ کرتا ہے:

(i) اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ٥ (حٰمٓ السَّجدة : ۴۰)

''جو جی چاہے کرلو' وہ تمہارا کیا ہوا سب کچھ دیکھ رہا ہے۔'' (۴۰ : ۴۱)

(ii) أَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ أَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○ (اَلْجَاثِيَة : ۲۱)

'' کیا جولوگ بُرے کام کررہے ہیں اِس خیال میں ہیں کہ ہم اُنہیں اُن جیسا رکھیں گے جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے کہ اُن کی زندگی اور موت یکساں ہی رکھیں' سو یہ لوگ کیسا بُرا حکم لگاتے ہیں!''

یعنی '' دونوں میں یکسانیت اگر واقعی اور مستقل رہے تو پھر تو قانونِ مجازات باطل ہی گیا اور مکافاتِ عمل کے کوئی معنی ہی نہ رہے۔''

نبی مکرّم ﷺ نے ذمہ داری کے احساس کو اُجاگر کرتے ہوئے فرمایا تھا :

أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ

'' خبردار! ہوشیار رہو تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اُس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔''

سرکاری ملازمین کو اپنی محنت اور کام کا مناسب معاوضہ ملتا ہے' لہٰذا رشوت لینا اُس امانت میں شگاف ڈالنا ہے اور گناہ کی بات ہے۔ قرآن مجید کی تعلیمات رشوت یا غیر قانونی اور ناجائز ہدیہ کے ذریعے دولت کے غصب کرنے کے معاملے میں بالکل واضح ہیں اور وہ اس طرح حکم دیتا ہے :۔

(i) وَلَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (اَلْبَقَرَة : ۱۸۸)

'' اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اور نہ حُکّام تک پہنچاؤ جس سے لوگوں کے مال کا ایک حصہ تم گناہ سے کھا جاؤ در آنحالیکہ تم جان رہے ہو۔'' (۱۸۸ : ۲)

(ii) يٰۤأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (اَلنِّسَاء : ۲۹)

'' مؤمنو! آپس میں ایک دوسرے مال ناحق طور پر مت کھایا کرو۔'' (۲۹ : ۴)

رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے دونوں پر احادیثِ مبارکہ میں لعنت کی گئی ہے۔ تحفہ اور رشوت کے درمیان فرق اس اصول پر کیا جا سکتا ہے کہ اگر تحفہ کو قبول کرنے والا اُس اسامی پر نہ ہوتا' تو کیا ایسے تحفوں کی اُس پر بوچھاڑ ہوتی یا نہیں۔ اگر جواب نفی میں ہے تو اُس تحفے کو رشوت کی فریب کن شکل سمجھا جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے اعلان فرمایا:

'' جب ہم کسی کو کسی انتظامی اسامی پر لگائیں اور اُسے اُس کا وظیفہ (تنخواہ) بھی مقرر کر دیں' تو اُس سے فاضل اور زائد جو بھی چیز وہ وصول کرے گا' ناجائز دھندا ہو گا۔''

(۶) بہ صیغہ راز معاملات (Confidential Matters) میں اِخفائے راز: اپنے فرائض کی بجا آوری کے دوران سرکاری ملازمین کو کئی رازدارانہ معاملات سے واسطہ پڑتا ہے اور یہ اُن کا فرض ہے کہ اُنہیں پردۂ اِخفاء میں رکھا جائے۔ نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب کسی کو کوئی معلومات دی جائیں اور پھر اُسے اُن معلومات کو صیغۂ راز میں رکھنے کو کہا جائے تو وہ وہ امانت بن جاتی ہے۔''

(۷) فرائض کی بجا آوری میں تحمل اور بُردباری (Cool-mindedness): عہدہ اور منصب اعلیٰ مناصب پر فائز لوگوں کو اکثر بدمزاج' چڑچڑا اور غصہ ور بنا دیتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ایسی قابلِ نفرت اور کریہہ عادت سے کنارہ کش ہونے کی تلقین کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اچھے مسلمانوں کی چند خصوصیات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ० (اَلشُّورٰی: ۳۷)

''اور جو لوگ کبیرہ گناہوں اور بے حیائیوں سے بچے رہتے ہیں اور جب اُنہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔'' (۴۲:۳۷)

کبیرہ گناہوں سے مراد غالبًا اعتقادی گناہوں سے ہے اور اَلْفَوَاحِش سے مراد غالبًا اُن گناہوں سے ہے جن کا تعلق بے حیائی اور شہوانیت سے ہے (تفسیر کبیر)۔ ''اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ سے مراد یہ نہیں کہ صالحین اور نیکوکاروں کو غصہ سرے سے آتا ہی نہیں۔ غصہ کا اپنے موقع ومحل پر نہ آنا بُردباری کی دلیل نہیں بلکہ بُزدلی اور بے حمیتی کی دلیل ہے' کمال نہیں نقص ہے' ہنر نہیں عیب ہے۔ کمال اور ہنر یہ ہے کہ بندہ کو جب بے محل اور بے جا غصہ آئے تو اُس کے تقاضوں پر عمل نہ کرے بلکہ اپنی طبیعت کو قابو میں رکھے۔'' (تفسیر ماجدی حصّہ اُردو' ص ۹۷۳)

اور نبی اکرم ﷺ نے اس ضمن میں فرمایا:

(i) ''روزِ محشر اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بُرا شخص وہ ہوگا جسے لوگوں نے اُس کی ضرر رسانی کے ڈر سے چھوڑ دیا ہوگا۔''

(ii) ''جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی پر ڈراؤنی نظر ڈالے تو اللہ روزِ محشر اُسے خوف زدہ کر دے گا۔''

یہاں یہ بات بھی صاف اور واضح ہو جانی چاہئے کہ عہدہ اور منصب سے کسی سرکاری عہدیدار کو کوئی خصوصی مراعات نہیں مل جایا کرتیں۔ ہماری اسلامی تاریخ میں اس کی تابندہ اور روشن مثالوں کی کمی نہیں ہے۔ مثلاً جب امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے القُدس الشریف کو وہاں کے عیسائیوں سے معاہدہ طے کرنے گئے' تو آپ کے پاس صرف ایک اونٹ تھا۔ آپ اور آپ کے غلام نے اس پر باری باری سواری کی جبکہ دوسرا اُس دوران اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے پیدل چلتا تھا۔

۹۲۔ (سرکاری ملازمین۔۔۔۔۔CIVIL SERVANTS)

''اسلام میں مذہب اور مُلک داری (حکومت چلانے کا فن) کوئی علیحدہ چیزیں نہیں بلکہ وہ دونوں باہم مربوط ہیں جیسا کہ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا :۔

ع ''جدا ہو دِیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی''

لہٰذا اپنے فرائض کو دیانتداری اور احساسِ ذمہ داری سے بجالانا عبادت ہے۔ اسلام کارپردازانِ حکومت سے یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ وہ اپنی منصبی ذمہ داریوں سے غفلت برتتے ہوئے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے گوشۂ تنہائی میں محدود کر لیں۔ پیغمبر داؤد علیہ السلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو رَویہ اختیار کرنے کی تلقین کی تھی' قرآن کے الفاظ میں یہ ہے :۔

يَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَاتَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (ص : ۲۶)

''اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین پر خلیفہ بنایا ہے سو لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرتے رہئے اور (آئندہ بھی) نفسانی خواہش کی پیروی نہ کیجئے کہ وہ اللہ کی راہ سے آپ کو بھٹکا دے گی۔'' (۳۸ : ۲۶)

''سرکاری ملازمین کے فرائضِ منصبی پر حکمران اِن وسیع وعریض اصولوں کی آنحضرت ﷺ اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے سنہری اَدوارِ مبارکہ میں سختی سے پابندی کی جاتی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معاشرے کو بے ایمانی' فریب' دھوکا' تشدّد اور ہر قسم کی بدعملی سے پاک کر دیا گیا۔ پاکبازی اور نیک چلنی کے اِن اصولوں سے ہم کس قدر دُور نکل گئے ہیں' ہر شخص کے لئے لمحہ فکریہ ہے!'' (ایس۔ ایم۔ معین قریشی)

''افسر' ماتحت کے مابین تعلقات اسلام کی روشنی میں : بے طبقات معاشرہ (Classless Society) کے قیام میں انسانی کوششیں ایک دیوانے کے خواب سے کم نہیں اور یہ لفظ سرے ہی سے بے معنی ہے' کیونکہ معاشرہ میں فرقِ مراتب بالکل فطری وطبعی ہے۔ اسلام صرف ظلم و جبر کو روکتا ہے اور شریعتِ اسلامی میں کسی پر ظلم کی گنجائش نہیں ہے۔ باقی بڑے چھوٹے کا فرق تو قائم رہے گا اور اسے قائم رہنا بھی چاہئے۔ مروّجہ سماجی' اقتصادی نظاموں میں سے کوئی بھی نظام افسر اور ماتحت کے مابین تعلقات کو متوازن سطح پر لانے کے قابل نہیں ہو سکا۔ اسلام اِس مستقل مسئلے کا دائمی حل پیش کرتا ہے جو اپنی فطرت میں قابلِ عمل بھی ہے اور سیدھا سادہ بھی۔''

''رنگارنگ تراکیب سے تشکیل شدہ سماج میں لوگوں میں قوّت واختیار' علم' دولت اور دانشمندی کی مختلف سطحیں ہوتی ہیں اور اسلام نے اِن خصائص کی بنیاد پر پیدا ہونے والی اونچ نیچ کو ختم کرنے کی کبھی بھی حمایت نہیں کی جس کی وجہ قرآنی فرمان لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (سورة النّجم : ۳۹) یعنی ''انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی'' ہے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ بنی نوعِ انسان کی فطرتیں' صلاحیتیں اور مقاصد ایک دوسرے سے مختلف

ہوتے ہیں اور قرآن اس حقیقت کو اِن الفاظ میں تسلیم بھی کرتا ہے: اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى (سورۃ اللّیل : ۴) کہ ''انسانی جدّ وجُہد اپنے آثار وثمرات کے لحاظ سے الگ الگ حیثیت رکھتی ہے۔'' عقلِ کل اور حکیم مطلق نے اپنی بے مثال حکمت کے تحت کچھ انسانوں کو قوّت واختیار یا دولت عطا کی ہے تاکہ وہ اُن کی بدولت دوسرے لوگوں سے خدمت لیں اور اُن پر اپنا حکم چلائیں' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا (اَلزُّخْرُف : ۳۲)

''ہم نے اُن کے درمیان اُن کی دنیاوی زندگی (تک) میں اُن کی روزی تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک کے درجے دوسرے سے بلند کر رکھے ہیں تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے۔'' (۴۳ : ۳۲)

لہٰذا معاشرہ میں افسر اور ماتحت کا وجود زندگی کی ایک حقیقت ہے اور اس کا انکار غیر فطری ہے۔ اسلام جس بات کی حمایت کرتا ہے وہ اُن کے حقوق و فرائض کا تحفظ ہے۔ افسر و ماتحت کے مابین تعلق کا ایک قابلِ عمل خاکہ سورۃ القصص میں بطور مثال پیش کیا گیا ہے جس میں شعیب علیہ السلام کو بطور مالک اور موسیٰ علیہ السلام کو اُن کے ملازم کی حیثیت سے دکھایا گیا ہے اور وہ دونوں ہی اللہ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں۔ ایک مخلص و وفادار ملازم کی خصوصیات گنواتے ہوئے قرآن مجید نے ذیل کی بات پر بہ ایں الفاظ زور دیا ہے:

اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِيْنُ ○ (اَلْقَصَص : ۲۶)

''اچھا نوکر وہی ہے جو قوّت دار ہو' امانت دار ہو۔'' (۲۸:۲۶)

یعنی جس کے قوائے جسمانی بھی اچھے ہوں' محنت سے اپنے کام انجام دے سکے اور اخلاقی صفات سے بھی متصف ہو۔ خدمت کی بجا آوری میں وہ خیانت اور بد دیانتی سے کام نہ لے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان ہر دو جسمانی اور اخلاقی صفاتِ حسنہ سے نوازا گیا تھا۔ اور شعیب علیہ السلام کی دخترِ نیک اختر کی سفارش پر جب شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو نوکر بنانا چاہا تو اُنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے خیالات معلوم کرنے کے لئے اُن سے کچھ سوالات کئے (یعنی اُن کا انٹرویو لیا اور جب وہ مطمئن ہوگئے) تو اُنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اوّلاً آٹھ سال کی نوکری دینے کی رسمی پیشکش کی۔ معاہدہ میں دو سال مزید کی توسیع کی گنجائش تھی جیسا کہ آجر (شعیب علیہ السلام) نے کہا تھا :

فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا أُرِيْدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِيْ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ (اَلْقَصَص : ۲۷)

''اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے (احسان) ہے اور میں تم پر کوئی سختی نہیں چاہتا' تم مجھے انشاء اللہ خوش معاملہ پاؤ گے۔'' (۲۸ : ۲۷)

''یہ شرائط وضوابط موسیٰ علیہ السلام نے قبول کر لئے اور اُنہوں نے اعلان فرمایا :

ذٰلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ O
(اَلْقَصَص : ۲۸)

''تو یہ بات میرے اور آپ کے درمیان (طے) ہو گئی' میں اِن دونوں میں سے جو مدّت بھی پوری کردوں مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا اور ہم جو کچھ کہہ (سُن) رہے ہیں' اللہ اس کا گواہ ہے۔'' (۲۸ : ۲۸)

محولہ بالا مقدس ضابطۂ کار کا معروضی تجزیہ چند واشگاف حقائق پیش کرتا ہے جنہیں پُرخلوص اور پُرامن صنعتی تعلقات قائم کرنے کے لئے آج بھی بے خوف وخطر اختیار کیا جا سکتا ہے۔ وہ حقائق یہ ہیں :-

(۱) ملازم کو جسمانی طور پر صحتمند اور اخلاقی طور پر با اعتماد ہونا چاہئے تا کہ ایک طرف وہ اپنے مفوضہ کام کی سختی کو برداشت کر سکے تو دوسری طرف آجر کو مالی اور اخلاقی معاملات میں اجیر کی طرف سے کوئی تشویش نہ ہو۔

(۲) ہر دو (فریقین) کی رضامندی سے ملازمت کی شرائط پہلے ہی سے طے کی جانی چاہئیں۔

(۳) اجیر (ملازم) پر اُس کی طاقت و ہمت سے بڑھ کر کام کا بوجھ نہ ڈالا جائے۔

(۴) ملازمت کا معاہدہ بغیر کسی ابہام کے صاف' واضح اور قابلِ فہم الفاظ میں ہو۔ اس میں ملازمت میں توسیع کی شِق بھی فریقین کی رضامندی کے ساتھ شامل کی جا سکتی ہے۔

(۵) ہر دو فریق معاہدہ میں طے شدہ شرائط وفرائض کو اللہ پر توکل کرتے ہوئے اور اُس کے حاضر و ناظر ہونے کے ناطے سے اُسے گواہ بناتے ہوئے کامل دیانتداری اور تندہی سے انجام دینے کا اقرار کریں گے۔

(۶) معاہدہ میں طے شدہ شرائط وضوابط کے علاوہ اگر اجیر (ملازم) کو کوئی اضافی ذمہ داری سونپی گئی ہے تو آجر اپنے مقام اور اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اجیر پر شدت اور سختی نہیں کرے گا اور نہ ہی اپنے مفاد کے حصول کے لئے ملازم سے کوئی ایسا کام لے گا جو ملازم کے مفادات کے خلاف ہو۔''

دونوں پیغمبر حضرات نے انتہائی باوقار اور متین انداز میں معاہدہ طے کیا جس کے آخر میں شعیب علیہ السلام نے اپنی چھوٹی صاحبزادی (جنابہ صفورا رضی اللہ عنہا) کو موسیٰ علیہ السلام کے نکاح میں دے دیا۔ بطور آجر کے شعیب علیہ السلام کا کنبہ یقیناً اعلیٰ تھا اور مالی لحاظ سے اُس کی حیثیت مستحکم تھی لیکن ازدواجی بندھن میں طبقاتی امتیاز ہرگز رکاوٹ نہیں بنا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے سسرِ محترم کی دس سال خدمت کی اور اس عرصہ میں وہ اُن کے ساتھ

ہندی مرغیاں کیونکہ اُن کے بیضوں میں رنگ برنگ کے خطوط ہوتے ہیں جو اُن کے پروں کے رنگ کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ بعض کے انڈے سفید یا کسی اور رنگ کے ہوتے ہیں جن کو اُن کے پروں کے ساتھ ذرا بھی مشابہت نہیں ہوتی۔ پھر یہ انڈے شکل' مقدار اور ہیئت کے اعتبار سے مختلف طرح کے ہوتے ہیں چنانچہ بعض گول ہوتے ہیں' بعض لمبے اور بعض چھوٹے اور بعض کسی اور طرح کے۔ بعض حیوانات کے ایک ہی بچہ پیدا ہوتا ہے' بعض کے زیادہ ہوتے ہیں۔ بعض حیوانات کا بدن پروں سے ڈھکا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ گرمی اور سردی سے محفوظ رہتے ہیں اور وہ اپنی مضبوط ساخت کے سبب سے اُڑنے کے لئے بھی موزوں ہوتے ہیں۔''

''حیوانات میں سے بعض کے سُم ہوتے ہیں اور بعض کے کھر۔ بعض کے قدم اور بعض کے پنجے ہوتے ہیں، بعض حیوانات میں اوجھڑی ہوتی ہے تاکہ نباتی غذا جس کی زیادہ مقدار میں ضرورت پڑتی ہے' اُس میں پرورش کے لئے کافی طور پر رہ سکے۔ یہ بات نبات خور جانوروں میں ہوا کرتی ہے۔ بعض جانوروں کے فقط معدہ ہی ہوتا ہے کیونکہ اُن کی حیوانی غذا اُن کی پرورش کے لئے بہت تھوڑی مقدار میں کافی ہو جاتی ہے۔ بعض حیوانات کے دانت ایسے ہوتے ہیں جن سے وہ گوشت کو جو کہ اُن کی غذا ہوتی ہے' پارہ پارہ کر سکیں۔ بعض کے دانت اپنی غذا یعنی نباتات کے چبانے کے لائق ہوتے ہیں۔ پھر دانتوں کی ساخت کو ملاحظہ کیجئے خصوصاً انسان میں اور جس ترتیب سے وہ رکھے گئے ہیں' اُس کے دیکھنے سے اہلِ نظر کو ایک حیرت سی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ کاٹنے والے دانت منہ میں سامنے کو رکھے گئے ہیں جو اپنی تیزی کی وجہ سے اُن چیزوں کو جنہیں کاٹنے کی ضرورت پڑا کرتی ہے' بخوبی کاٹ سکتے ہیں۔ اُس کے پاس ہی نوکدار کچلیاں ہوتی ہیں جو توڑنے اور ریزہ ریزہ کرنے کے لئے نہایت ہی موزوں ہیں۔ اُن سے ملی ہوئی داڑھیں ہوتی ہیں جو نظر سے پوشیدہ رہتی ہیں اور اس طرز کی بنائی گئی ہیں جن سے باریک کرنے اور پیسنے کا کام بخوبی نکل سکے۔ اگر اُن کی یہ ترتیب بدل جاتی یعنی داڑھیں منہ میں سامنے کو ہوتیں اور کاٹنے والے دانت پیچھے کو' تو غذا کے کھانے میں کیسی دقت پڑتی اور منہ بھی عجب بدصورت نظر آتا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا بنانے والا بڑا ہی ذوحکمت اور انتہائی اعلیٰ درجہ کا ماہر خدا ہے' بے مثل ہے اور اُس کی تخلیق میں ذرّہ برابر بھی نقص نہیں۔''

''حیوانات کے غذا حاصل کرنے کے مختلف طریقوں اور تدبیروں کو اگر دیکھا جائے تو سمجھنے والے کو عجب حیرت ہوتی ہے چنانچہ بعض تو اپنے بدن سے ایک مادہ نکالتے ہیں اور اُسے جال کی طرح بنا کر مکھی وغیرہ کے پھانسنے کے لئے لگا دیتے ہیں اور اس طرح اُس کا شکار کر لیتے ہیں جیسے مکڑی۔ بعض بالوں میں گڑھا کھود کر اُس کے نیچے چھپ رہتے ہیں اور جب اُن کے شکار کی اقسام میں سے کوئی جانور اس میں گر پڑتا ہے تو وہ فوراً شکار کر لیتے ہیں اور جب اُس میں کوئی ایسی چیز گر پڑتی ہے جو اُن کی غذا کے قابل نہیں تو اُسے عجب طرح کی حرکات سے گڑھے سے باہر نکال دیتے ہیں۔ چیونٹی کی تو یہ کیفیت ہے کہ جب اُس کی ذخیرہ کردہ اشیاء کو زمین کی رطوبت کا اثر پہنچ جاتا ہے تو وہ اُسے آفتاب کی روشنی میں نکال لاتی ہے یہاں تک کہ اُس کی رطوبت خشک ہو جاتی ہے اور وہ دانہ میں سوراخ کر دیتی ہے تاکہ رطوبت کے باعث سے جم کر وہ اُگ نہ آئے اور بعض بعض دانوں میں کئی کئی سوراخ کر دیتی ہے کیونکہ اُسے اتنا

خوش وخرم اور دل نوازی سے رہے۔ یہ معاہدہ حقوق میں مساوات کے اصول کا عملی طور پر آئینہ دار تھا اور اُس ہمہ گیر مساواتی رویّے کا بھی جسے قائم کرنے کے لئے اسلام آیا ہے۔''

''اسلام نے یہ نظریہ پیش کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی نوع انسان کو ایک جان یعنی آدم علیہ السلام سے اور ایک عورت یعنی اُن کی زوجہ محترمہ حضرت حوا سے پیدا کیا۔ اس لحاظ سے تمام انسان مساوی حیثیت کے حامل ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ خالقِ ہر جہان نے قومیں، نسلیں، قبیلے اور اُن کی شاخیں محض لوگوں کی شناخت کے لئے بنائی ہیں نہ کہ اِس غرض سے کہ لوگ دوسروں پر اپنی فوقیت کا ڈھنڈورا پیٹیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی عظمت کو پرکھنے کے لئے صرف ایک معیار کا ذکر کیا ہے اور وہ اُس کی راست روی (نیکی) ہے۔ انسان کی عزت کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی دوسرا معیار باوزن نہیں ہے چنانچہ وہ اس حقیقت کا بہ ایں الفاظ اعلان فرماتا ہے:

يَآأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ (اَلْحُجُرات : ۱۳)

''لوگو! ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں مختلف قومیں اور خاندان بنا دیا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک تم میں سے پرہیزگار تر اللہ کے نزدیک معزز تر ہے۔'' (۱۳ : ۴۹)

''تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اسلام کی آمد سے پہلے آقا اپنے غلاموں اور خادموں کے حق میں کیسے ظالم، سخت اور سنگدل تھے۔ ان بیچاروں کو اپنے سنگدل آقاؤں کی خدمت میں بھاڑے کے ٹٹو بن کر مشقت طلب کام کر کے مسلسل ذلت کی زندگی گزارنا ہوتی تھی۔ پیغمبرِ اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے آج سے چودہ صدیاں قبل انسان اور انسان کے درمیان تمام ناقابلِ قبول امتیازات کو ختم کرنے کا ذمہ اپنے سر لیا، غلاموں کو مساوات کے حقوق دئے اور اُنہیں دوسرے مسلمانوں کے بھائی قرار دیا۔ تاہم اقتصادی اور انتظامی بنیادوں پر دنیا کے کاروبار کو صحیح ڈگر پر چلانے کے لئے انسانوں کے مختلف معاشی و معاشرتی درجات کا ہونا ناگزیر تھا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اونچ نیچ کے اُن درجات کی وجہ سے اُن میں طبقاتی امتیاز قائم کیا جائے۔ اِس طرح دنیا نے دیکھ لیا کہ ایک حبشی غلام حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ایک فوج کے کمانڈر اِن چیف کے اعلیٰ وارفع منصب پر کیسے چڑھا دیا گیا۔''

''اپنے ملازمتی فرائض انجام دہی کے دوران ملازمین بعض اوقات کچھ غلطیاں بھی کرتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر آجر سے ایک صلاح کار کا کردار ادا کرنے کی توقع کی جاتی ہے۔۔نہیں۔۔ بلکہ خاندان کے سربراہ جیسا کردار ادا کرنے کی توقع کی جاتی ہے کہ اُسے اپنے ملازمین کو دل آویز انداز میں معاف کر دینا چاہئے۔ ایک مرتبہ ایک شخص بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا اور پوچھا: اے اللہ کے رسول! میں اپنے غلام کو کتنی مرتبہ معاف کروں؟ پیغمبر ﷺ خاموش رہے۔ اُس نے دوبارہ وہی سوال کیا لیکن پیغمبر اب بھی خاموش رہے۔ جب اُس نے تیسری بار وہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: دن میں ستر بار اُسے معاف کیا کرو۔''

''پیغمبر ﷺ نے جس بات کی بھی تبلیغ فرمائی' اُسے انتہائی پُر خلوص طور پر کر کے بھی دکھایا۔ حضرت اَنس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ پیغمبر ﷺ کی خدمت گزاری کے لئے نو سال کی عمر میں حاضر ہوئے اور اُنہوں نے آپ کی دس سال خدمت کی۔ اس دوران حضرت اَنس کے ہاتھوں سے اگر کوئی نقصان ہوا تو پیغمبر ﷺ نے کبھی اُنہیں سرزنش نہیں کی اور اگر پیغمبر علیہ السلام کے خانوادے کے کسی فرد نے جنابِ اَنس کو کبھی کوئی سرزنش کی تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: ''اُسے جھڑکنا چھوڑ دو اس لئے کہ اگر کوئی چیز ہوئی بھی ہے تو جو ہونا تھا' وہ تو ہو گیا۔'' عفو و درگزر کے بارے میں اسلامی تعلیمات بڑی جامع اور دُور رس ہیں۔ کئی دوسری خوبیوں کے حامل ہونے کے علاوہ قرآن مجید میں نیک اور پارسا لوگوں کی تعریف یوں بھی کی گئی ہے:۔

(i) وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ٥ (آلِ عمران: ۱۳۴)

''اور غصّہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے اور اللہ ایسے ہی حُسنِ عمل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔'' (۳ : ۱۳۴)

آرنلڈ جیسے فرنگی فاضلوں نے کہا ہے کہ عرب جیسی تندخو' جنگجو' جدل پیشہ قوم کے سامنے حلم وضبط' صلح و آشتی کے ایسے معیار پیش کرنا اور پھر اس تعلیم کو کامیاب بنانا بذاتِ خود ایک اعجاز ہے۔

بعض اہلِ تحقیق نے یہ خوب لکھا ہے کہ یہاں فاقِد مِنَ الْغَیظ ارشاد نہیں ہوا یعنی مدح اُس کی نہیں آئی جسے غصّہ سرے سے آتا ہی نہ ہو بلکہ اُس کی آئی ہے کہ جسے غصّہ آتا ہو اور وہ اُسے قابو میں رکھے اور عقل جذبات کے اوپر حاکم رہے۔ غصّہ حرارتِ طبعی یا حمیت سے پیدا ہوتا ہے' اُسے سرے سے فنا کر دینا اسلام کو ہرگز مقصود نہیں ہے' مقصود اُسے صرف حدود کے اندر رکھنا ہے۔ غصّہ مطلق صورت میں ہرگز ممنوع نہیں' نہ شرعاً گناہ اور نہ عقلاً مُضر۔ بلکہ اگر حدود کے اندر رہے اور محلِ مناسب پر پیدا ہو تو عیب نہیں ہنر ہے۔

اَلْعَافِيْنَ عَنِ النَّاس یعنی صرف یہی نہیں کہ باوجود قدرت واستطاعت' خطاوار سے انتقام نہیں لیتے بلکہ اُسے معاف بھی کر دیتے ہیں۔ یہ درجہ کَاظِمِيْنَ الْغَيْظ سے بلند تر ہے۔ وہ اگر محض ایک سلبی کیفیت تھی تو یہ ایک ایجابی مرتبہ ہے۔ اَلْمُحْسِنِيْن کا درجہ کاظمین وعافین دونوں سے بلند تر ہے یعنی عفو سے بھی آگے بڑھ کر یہ اور حُسنِ سلوک سے پیش آتے ہیں۔ اخلاقی تعلیم کے موقع پر قرآن مجید نے اکثر تدریج کو پیشِ نظر رکھا ہے اور اُس کی بہترین مثال یہ آیت ہے۔ تینوں مقامات فضیلت کے ہیں لیکن یہ تیسرا مقام فاضل ترین ہے۔ (ماجدی اردو' ص ۱۵۵)

(ii) وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ٥ (اَلشُّوریٰ: ۳۷)

''اور جو لوگ کبیرہ گناہوں اور بے حیائیوں سے بچے رہتے ہیں اور جب اُنہیں غصّہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔'' (۴۲ : ۳۷)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انتہائی مؤثر پیرایے میں ہمیں اپنے ابنائے جنس کی کوتاہیوں اور غلطیوں کو نظر انداز کرنے اور معاف کرنے کی ترغیب دی ہے جس کے نتیجہ میں اللہ ہماری کوتاہیوں اور گناہوں کو معاف فرمائے گا:۔

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (اَلنُّوْر : ۲۲)

''اور چاہئے کہ معاف کرتے رہیں اور درگزر کرتے رہیں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرتا رہے؟ بے شک اللہ بڑا مغفرت والا' بڑی ہی رحمت والا ہے۔'' (۲۲ : ۲۴)

غصہ کے ضبط کر جانے کی فضیلتیں حدیثِ نبوی میں بہ کثرت وارد ہوئی ہیں۔ مثال کے طور پر صرف ایک حدیث ملاحظہ ہو:۔

مَنْ كَظَمَ غَضَبًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى إِنْفَاذِهٖ مَلَأَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ أَمْنًا وَّإِيْمَانًا

''قدرتِ نفاذ کے باوجود جو شخص اپنے غصہ کو ضبط کرے' اللہ تبارک وتعالیٰ اُس کا دل امن وایمان سے لبریز کر دے گا۔''

ملازمین' غلاموں اور ماتحتوں سے حُسنِ سلوک پر زور دیتے ہوئے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''وہ تمہارے بھائی ہیں۔۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں تمہاری ماتحتی میں دیا ہے اور جس کسی کے بھائی کو اللہ نے اُس کی ماتحتی میں دیا ہے' اُسے چاہئے کہ جو کچھ وہ خود کھاتا ہے' اُسی میں سے اُس کو کھلائے اور جس قسم کا وہ خود پہنتا ہے' اُسے بھی اُسی قسم کا پہنائے اور اُسے اُس کی طاقت سے باہر کوئی کام نہ دیا جائے اور اگر اُسے ایسا کام دیا جاتا ہے تو اُس میں اُسے اُس کی مدد کرنی چاہئے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے نظامِ عالم کو چلانے کے لئے ایک کو دوسرے کے ماتحت کیا ہے جس طرح فوجیوں کو سپہ سالار کے ماتحت کیا جاتا ہے۔ جس طرح کوئی ملک فوجیوں کے بغیر صرف سپہ سالار سے فتح نہیں کیا جاسکتا' اُسی طرح دنیا کے معاملات کا انتظام خادموں کے بغیر نہیں ہوسکتا جیسا کہ سورۃ الزخرف کی آیت ۳۲ میں ارشاد ہوا جس کا حوالہ صفحہ ۷۳۳ پر دیا جاچکا ہے۔ پیغمبر ﷺ نے ایک مرتبہ اربابِ اختیار کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

''جو شخص اپنے ماتحتوں سے سختی سے پیش آتا ہے' وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ ماتحتوں سے حُسنِ سلوک خوش نصیبی کا موجب ہے اور اُن سے بدسلوکی بدنصیبی کا موجب بنتی ہے۔''

یہاں حُسنِ سلوک میں معقول تنخواہ کے علاوہ مناسب اوقاتِ کار' خوشگوار ماحول اور اُن مراعات کا مکمل پیکیج شامل ہے جسے جدید اصطلاح میں ''سماجی تحفظ'' (Social Security) کہا جاتا ہے۔ ماتحتوں کے ساتھ اس سے

بڑھ کر فی الحقیقت کوئی شریفانہ تعلیم نہیں ہو سکتی۔

ملازم کی تنخواہ/مزدور کی مزدوری اسلامی نقطہ نظر سے : ملازم کی تنخواہ کا تعین اور اس کی ادائی کا اسلامی نظام صاف ستھرا اور بے عیب ہے۔ مزدور کو کام پر لگانے سے پہلے اُس کی مزدوری فریقین کی باہمی رضا مندی سے طے کر لی جائے اور کام کی تکمیل پر اس کی ادائی فوری کر دی جائے۔ اس ضمن میں نبی علیہ السلام نے فرمایا:

أَعْطُوا الْأَجِيرَ حَقَّه' قَبْلَ أَنْ يَّجِفَّ عَرَقُه'

''مزدور کو اُس کی مزدوری اُس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو۔''

اس طرح اسلام نے آجر اور اجیر کے حقوق و فرائض کا تعین کر کے اُن دونوں کو ایک ہی سطح پر لا کر مساوی درجہ دیا ہے اور اُن کے باہمی تعلق کی بنیاد قرآن حکیم کے اس فرمودہ پر رکھی:۔

لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ٥ (اَلْبَقَرة : ۲۷۹)

''نہ تم کسی پر ظلم کرو گے اور نہ تم پر کسی کا ظلم ہوگا۔''

("Islam and Material Progress" ... S. M. Moin Qureshi, pp. 24-29)

کچھ ماہرینِ اقتصادیات کا کہنا ہے کہ مزدور کی مزدوری اُس کی خدمت کی قدر اور اُس کے اُس فائدہ کے تناسب سے ہونی چاہئے جو اُس نے مالک کو پہنچایا ہے لیکن مزدوری کی حد بندی کرنا بڑا مشکل کام ہے اور یہ قابلِ عمل بھی نہیں ہے۔ تاہم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک ارشادِ پاک سے ''کم از کم'' اور منصفانہ تنخواہ/مزدوری کا نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا :

''اجیر/مزدور اعتدال کے ساتھ کم از کم اچھے کھانے اور لباس کا مستحق ہے اور اس بات کا بھی کہ اُس پر اُس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔'' (مؤطا امام مالک' ج ۲' ص ۹۸۰)

اِس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ''کم از کم'' تنخواہ/مزدوری اس قدر ہونی چاہئے جس سے تنخواہ دار/مزدور اور اُس کے اہلِ خانہ کو خاصی مقدار میں معقول حد تک اچھا کھانا اور اچھا لباس مل سکے اور اُنہیں مدد کے لئے دوسروں کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔

آجر کے حقوق (اجیر کے فرائض): جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو کمال کاریگری' پختگی اور حُسن و جمال کے ساتھ بنایا ہے (سورۃ النمل: ۸۸)' اُسی طرح وہ حضرتِ انسان سے بھی اس بات کی توقع کرتا ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی سنت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنے ہر کام میں پختگی' کمال کاریگری اور حسن و جمال پیدا کرے۔ سورۃ النمل کی آیت مذکورہ کے حوالے ہی سے تاجدارِ انبیاء ﷺ نے اُس شخص کے لئے اللہ کی رحمت کی دعا فرمائی

جو اپنے کام میں فنی پختگی اور صنعتی مہارت کا ناقابلِ تردید ثبوت مہیا کرتا ہے۔ کسی کام کو نیم دلی اور بے توجہی سے کرنا اور اس میں کوئی خامی اور نقص باقی رہنے دینا ہمارے نبی اکرم ﷺ کو ہرگز پسند نہیں۔ حدیث کے الفاظ ہیں:
رَحِمَ اللهُ مَنْ عَمِلَ عَمَلاً فَأَتْقَنَه' (اللہ تعالیٰ اُس پر رحم کرے جو جس کام کو کرے تو بڑی عمدگی سے کرے)۔

پختگی، پائیداری اور نفاست کون سی چیز ہے جس کا ذکر اس مختصر سے جملہ میں نہ آ گیا ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے غلاموں سے اِسی چیز کی توقع رکھتے ہیں اور اسی کی تلقین فرماتے ہیں۔ فنی، صنعتی اور دیگر میدانوں میں کام کرنے والوں کو چاہئے کہ اس حدیث کو لکھ کر اپنے سامنے آویزاں کریں تاکہ نبی مکرم کا فرمان ہر وقت نظروں کے سامنے رہے اور کام چوری اور نیم دلی سے بچاؤ کا سامان ہو جائے۔ علامہ اقبال نے بھی کیا خوب فرمایا ہے:

ع نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر

(ضیاء القرآن، ج ۳، ص ۴۷۰)

دو اور احادیث، چیزوں میں جمالیاتی پہلو پیدا کرنے کو اس طرح اُجاگر کرتی ہیں:۔

(۱) ''بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ بذاتِ خود حسین وجمیل ہے اور وہ حُسن و جمال کو پسند فرماتا ہے۔'' (مسلم)
(۲) ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ہر چیز میں خوبصورتی اور موزونیت پیدا کرنے کو لازم کر دیا ہے۔'' (مسلم)

حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو اپنے روزگار کے لئے محنت ومشقت کرنے والے مزدور کی مثال جو اپنے فرائض کی بجا آوری میں اللہ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر گرمیِ عمل دکھاتا ہے، موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کی طرح ہے جنہوں نے اپنے ہی بچے کو دودھ پلانے کا معاوضہ لیا۔ یعنی ایسے مزدور کو روزگار بھی مل گیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے اپنے کام میں اُس کی ایمانداری اور مستعدی کا اضافی انعام (رضائے الٰہی کی شکل میں) روزگار کے علاوہ حاصل ہوا۔

(۲۵) کلوننگ (CLONING)

''کلوننگ (Cloning) کے لفظی معنی ہیں ایک ہی طرح کی چیزیں بنانا یا پیدا کرنا۔ کلوننگ اُسی طرح کا عمل ہے جس طرح کسی کتاب کے صفحہ کی فوٹو کاپی مشین کے ذریعے بہت سی ایک جیسی کاپیاں بنائی جا سکتی ہیں یا کسی آڈیو یا وڈیو ٹیپ کی ریکارڈنگ کی مدد سے بہت سی کاپیاں بنائی جا سکتی ہیں۔ اِن کاپیوں میں وہی الفاظ، وہی اتار چڑھاؤ، وہی خامیاں اور وہی خوبیاں پائی جائیں گی جو اصل ٹیپ میں ہوں گی۔ عام زندگی میں ہم جڑواں بچے دیکھتے ہیں جو بچپن، جوانی اور بڑھاپے میں ایک جیسے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کی ہوبہو کاپی ہوتے ہیں۔ فطرت میں کلوننگ کی یہ عمدہ مثال ہے۔ اسی طرح جو کاپیاں حیاتیاتی عمل (Biological Process) سے تیار کی جائیں وہ نہ صرف ایک ہی طرح کے

سالمے (Molecules) ہو سکتے ہیں بلکہ پورے جانور بھی بنائے جا سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے اوّل الذکر کو سالمیاتی کلوننگ (Molecular Cloning) اور مؤخر الذکر کو حیوانی کلوننگ کہا جاتا ہے۔ انسانی کلوننگ (Human Cloning) بھی حیوانی کلوننگ کی ایک مثال ہی ہے لیکن ابھی تک انسانی کلوننگ کو روک دیا گیا ہے اور حیوانی کلوننگ پر تجربات جاری ہیں۔

''کلوننگ کے سارے عمل میں ڈی این اے (DNA)* ایک مرکزی کردار کا حامل ہے۔ سالمیاتی کلوننگ چونکہ دراصل ڈی این اے کی کلوننگ ہے اور چونکہ جینیاتی مادہ (Genetic Material) ڈی این اے کا بنا ہوتا ہے' اس لئے مالیکیولر کلوننگ کو جین انجینئرنگ (Genetic Engineering) بھی کہہ سکتے ہیں۔''

''اگر بھیڑ کے ڈی این اے میں انسانی جین داخل کر دیں تو وہ ایسا دودھ دے گی جس میں پروٹین ہوگی اور ایسا دودھ پینے سے انسان کے پھیپھڑے درست طریقہ سے کام کرتے ہیں۔ جن لوگوں میں پروٹین نہیں ہوتی' اُن کے پھیپھڑے درست کام نہیں کرتے اور اُنہیں پھیپھڑوں کی بیماری لاحق ہو جاتی ہے جسے نفاخ (Emphysema) کہتے ہیں جو مہلک ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسی بھیڑ جس کے ڈی این اے میں انسانی جینز شامل ہوں' کا دودھ پینا ایسا ہی ہوگا جیسے آپ کو پروٹین کا ٹیکہ لگا دیا گیا ہو۔'' (''قرآن کے جدید سائنسی انکشافات''۔ پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم' ص ۱۳۱' ۱۳۲)

''ڈی این اے ہزاروں جینز** کا بنا ہوتا ہے جو پروٹین بناتے ہیں اور یہ زندگی کے بایو کیمیکل بلاکس ہیں۔''

''<u>زندگی سے زندگی کیسے وجود میں آتی ہے؟</u> جب مادہ (عورت) کا بیضہ اور مرد کا سپرم آپس میں ملتے ہیں تو بیضہ میں موجود ۲۳ کروموسومز' مرد کے سپرم سے ۲۳ کروموسومز لے کر جوڑے بن جاتے ہیں جو ۲۳ + ۲۳ = ۴۶ کروموسومز پر مشتمل ہوتے ہیں اور اسی میں ہمارے جسم کا ماسٹر پلان ہوتا ہے۔ ہماری جنس (لڑکا یا لڑکی) کا تعلق کروموسومز کے ۲۳ جوڑوں پر انحصار کرتا ہے جنہیں سیکس کروموسومز (Sex Chromosomes) کہتے ہیں۔ عورت کی طرف سے جو آتے ہیں' اُنہیں ایکس ایکس (XX) کروموسومز کہتے ہیں اور جو مرد سے آتے ہیں' اُنہیں ایکس اور وائی (X and Y) کروموسومز کہتے ہیں۔ اگر X کے ساتھ X کا ملاپ ہو جائے تو لڑکی ہوتی ہے اور اگر X کے ساتھ Y کا ملاپ ہو جائے تو لڑکا ہوتا ہے یعنی کروموسومز کے جوڑے کا ایک ایک رکن شامل ہوگا۔'' (ایضاً ص ۱۳۸)

''حاملہ عورتوں پر کئی ٹیسٹ کی پیشکش ہو رہی ہے یہ دیکھنے کے لئے کہ بچہ نارمل ہے اور اُس کی نشو ونما ہو رہی ہے اور یہ کہ اُس کے تمام اعضاء درست ہیں۔ یہ بات بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ ہمارا جنسی رویہ بھی جینز کی وجہ سے ہے

*تعریف کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ ۴۷ کا ذیلی نوٹ اور صفحہ ۹۶ (''جمالیات'' کے عنوان کے تحت) چونکہ ہر شخص میں ڈی این اے کا پیٹرن مختلف ہوتا ہے اس لئے کسی بھی دو آدمیوں کے ڈی این اے کے پیٹرن آپس میں نہیں ملتے۔

**ڈی این اے کا وہ حصہ جس میں ایک مکمل خامرہ یا لحم بنانے کی مکمل اطلاع ہوتی ہے ''جین'' کہلاتا ہے۔

کہ مرد کو عورت سے یا عورت کو مرد سے' عورت کو عورت یا مرد کو مرد سے کیوں رغبت ہے۔ چنانچہ ہماری جنسی ترجیحات بھی جینز کی وجہ سے ہیں اور ''ہم جنس پرستی'' کی وجہ بھی کوئی ''جین'' ہے جس پر تحقیق ہو رہی ہے۔'' (ایضاً ص ۱۴۳)

''بھیڑ کی کلوننگ : ۲۲ فروری ۱۹۹۷ء کو سکاٹ لینڈ کے باون سالہ ڈاکٹر ولمٹ نے ایک بھیڑ ڈولی نامی کلون بنا کر دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ اس کلون کی شکل و صورت ہو بہو اُس بھیڑ سے ملتی جلتی تھی جس کا جینیاتی مادہ کلون بنانے کے لئے استعمال ہوا تھا۔ اس کلون کے لئے تین بھیڑیں استعمال کی گئیں۔ اس بھیڑ کا نام ایک مشہور زمانہ اداکارہ ڈولی پارٹن کے نام پر ''ڈولی'' رکھا گیا۔ ان تین بھیڑوں میں سے ایک بھیڑ کے بیضہ سے واحد خلیہ (Single Cell) لے کر اُس کا مرکزہ نکال لیا گیا جس میں ڈی این اے ہوتا ہے (باقی خلیے کی ضرورت نہ تھی)۔ پھر دوسری بھیڑ کا ایک خلیہ نکال کر اُس کے مرکزہ میں پہلی بھیڑ کا مرکزہ داخل کر دیا گیا اور یہ خلیہ جس میں اُس بھیڑ کا تخلیقی پیٹرن تھا اور جس کا کلون بنانا تھا تیسری بھیڑ کے رِحم (Womb) یا بچہ دانی (Uterus) میں رکھ دیا گیا اور قدرتی عمل شروع ہو گیا اور مناسب وقت پر اُس بھیڑ نے ڈولی کو جنم دیا۔ چنانچہ آپ نے دیکھا کہ یہاں نر بھیڑ یا مینڈھے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی البتہ مینڈھا بنانے کے لئے بھی مادہ بھیڑ کی ضرورت پڑتی ہے۔ ڈولی کی کلوننگ کے دوران تقریباً سات سو مادہ بیضوں (انڈوں) سے تجربہ شروع کیا گیا تھا اور آخر میں صرف ایک کامیابی تک ڈولی کی شکل میں نمودار ہوا یعنی کامیابی کی شرح 0.14 فیصد یا بہت ہی کم رہی۔ لہٰذا یہ کلوننگ اتنی آسان نہیں۔'' (ایضاً ص ۱۴۴)

انسانی کلوننگ : انسان کی کلوننگ ڈولی کی کلوننگ سے بھی بہت مشکل ترین مسئلہ ہے۔۔۔۔ انسان کی کلوننگ کے لئے مرد اور عورت دونوں کے خلیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ مرد کے کسی بھی حصے سے کوئی واحد خلیہ لے لیا جاتا ہے۔ مثلاً اُس کی جلد وغیرہ سے بھی لیا جا سکتا ہے اور اس کے لئے مرد کے سپرم (کرمِ منی) کے خلیے کی قطعاً ضرورت نہیں پڑتی۔ چنانچہ مرد کے خلیے کا مرکزہ نکال لیا جاتا ہے جس میں ڈی این اے ہوتے ہیں۔ خلیہ کا باقی حصہ بے کار ہو جاتا ہے اور اُسے استعمال میں نہیں لایا جاتا۔ اب عورت کے بیضہ خلیہ کو لے کر اس کا مرکزہ بھی کلی طور پر نکال دیا جاتا ہے اور اسے بھی پھینک دیا جاتا ہے۔ اس خلیے میں مرد کے خلیے کا مرکزہ ڈال کر خواہ اُسی عورت کی بچہ دانی میں جس سے بیضہ خلیہ لیا گیا ہے یا پھر کسی تیسری عورت کی بچہ دانی میں رکھ دیا جاتا ہے اور نو ماہ بعد کلون شدہ بچہ پیدا ہو گا جس کی شکل ہو بہو اُس مرد سے ملتی ہو گی' جس کے جسم سے واحد خلیہ لیا گیا تھا۔ اس طریق کار میں (بھیڑوں کی طرح) محض تین عورتوں کی نہیں بلکہ سینکڑوں ہزاروں عورتوں کے بیضہ خلیہ کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک عورت کے بیضہ خلیہ سے کلون کامیاب نہیں ہوتا تو دوسری عورت کا خلیہ استعمال کرنا پڑے گا' اگر تیسری کا بھی کامیاب نہیں ہوتا تو اس عمل کو چوتھی عورت پر دہرانا پڑے گا و علیٰ ہٰذا القیاس۔ یہ سلسلہ ہزاروں' سینکڑوں بلکہ عین ممکن ہے کہ لاکھوں عورتوں تک پھیل جائے اور پھر کامیابی ہو۔ اس لحاظ سے بھی سائنسدان فکر مند ہیں کہ ایک کلون کے لئے وہ اتنی عورتیں کہاں سے لائیں گے جو یہ تجربہ کروانے پر رضامند ہوں گی۔ انسانی کلوننگ کے متوقع فوائد اور نقصانات بھی ہیں جن کا ذکر اگلے صفحات میں آ رہا ہے۔ (ایضاً ص ص ۱۴۴' ۱۴۵)

۸۰۲ (کلوننگ ---- CLONING)

کلوننگ کے حق میں دلائل اور اُن کا جواب: مصر کے ایک نامور قانون دان یوسف القرضاوی سے جب پوچھا گیا کہ کیا کلوننگ اللہ کی تخلیق میں مداخلت یا اللہ کی مشیت اور ارادے کو چیلنج نہیں؟ تو اُنہوں نے دو ٹوک الفاظ میں جواباً اس بات پر زور دیا کہ:

''نہیں، ہرگز نہیں۔ کوئی بھی شخص اللہ تعالیٰ کے ارادے کو چیلنج یا اس کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اگر کلون کامیاب ہو جاتا ہے تو یقیناً یہ اللہ کی مشیت اور ارادے کے تحت ہی ہوگا۔ کوئی بھی چیز اللہ کی مشیت کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ جس وقت تک انسان کلوننگ کرتے رہیں گے' تو اس میں اللہ کی مشیت شامل ہوگی۔ دراصل ہم اس سوال کی تحقیق نہیں کرتے کہ آیا یہ اللہ کی مشیت کے تحت ہے بلکہ ہماری تحقیق اس بات پر ہوتی ہے کہ آیا یہ جائز ہے یا ناجائز۔'' (ورجینیا یونیورسٹی کے عبدالعزیز Sachedina کے مضمون سے اقتباس)

اپنے موقف کی تقویت میں کلوننگ کے حامی اکثر سورہ الطارق کی آٹھویں آیت پیش کرتے ہیں اور اس آیت سے قبل کی تمام آیات پر اُن کی گہری نظر ہوتی ہے۔ وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ مذکورہ آیت (۸۶:۸) واضح طور پر کلوننگ ٹیکنالوجی کا جائز ہونا بیان کرتی ہے:۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ o وَمَا أَدْرٰكَ مَا الطَّارِقُ o النَّجْمُ الثَّاقِبُ o اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ'' o فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ o خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ o يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَ التَّرَآئِبِ o اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ'' o (اَلطَّارِق : ۱ تا ۸)

''قسم ہے آسمان اور رات کو نمودار ہونے والی (چیز) کی اور آپ کو کیا خبر کہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے؟ وہ روشن ستارہ ہے۔ کوئی جان ایسی نہیں کہ اُس پر ایک یاد رکھنے والا (فرشتہ) مقرر نہ ہو۔ سو انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ ایک اُچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پشت اور پسلیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ وہ (اللہ) اُس کے پھر واپس لانے پر یقیناً قادر ہے۔'' (۱ تا ۸ : ۸۶)

کلوننگ کے حامی یہ دلیل دیتے ہیں کہ چونکہ سورۃ الطارق کی مندرجہ بالا آٹھ آیات میں کہیں بھی اللہ کا ذکر نہیں آیا جبکہ پانچویں آیت میں انسان کا ذکر ہوا ہے لہٰذا آٹھویں آیت میں لفظ اِنَّہٗ' میں اسم اشارہ ہٗ' سے مراد انسان ہی ہے نہ کہ اللہ۔ اور اُن کے نزدیک اب معنی یہ ہوگا کہ انسان اُس (نطفہ) کو زندگی کی طرف واپس لانے پر قادر ہے (تفسیر ''مواہب الرحمٰن'' صفحہ ۴۳۸ بحوالہ امام رازی)۔ وہ کہتے ہیں کہ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ انسان کو نطفے پر قدرت حاصل ہے کہ اُسے وہ جہاں چاہے استعمال کرے (العیاذ باللہ) تو کلوننگ کا جائز ہونا خود بخود ثابت ہو گیا۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ اگر اُن کے دعویٰ کو مع اُن کے دلائل کے درست تسلیم کر لیا جائے تو قدرتی طور پر اس کے سیاق میں چند فکر انگیز سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً:

(۱) انسان کو یہ استعداد اور قابلیت کہاں سے حاصل ہوئی؟ یقیناً اللہ تعالیٰ سے حاصل ہوئی۔

(۲) آیا انسان کلوننگ کے ذریعے کوئی مخلوق اُسی طرح پیدا کرنے پر قادر ہے جس طرح اللہ قادر ہے؟ اللہ تعالیٰ کو اپنی تخلیق کے طریقِ عمل (Process) میں کسی ساز و سامان کی ضرورت نہیں۔ اُس کی اُلوہیت کی تو شان ہی کُنْ فَیَکُوْنُ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو عدم سے وجود میں آنے کا حکم دیتا ہے تو وہ وجود میں آجاتی ہے۔ اس کے برعکس انسان کو کلوننگ کے طریقِ عمل کی تکمیل کے لئے زندہ خلیہ * اور دوسرے اقدامات اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۳) اگر کلوننگ کا جائز ہونا تسلیم کر بھی لیا جائے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اخلاقی اقدار اور انسانی سماج کی فلاح و بہبود کو نظر انداز کے خداداد اختیار کا استحصال اور اُس کا غلط استعمال کیا جائے؟ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو نیکی اور بدی کے دونوں اختیارات عطا کئے ہیں (سورۃ الکھف: ۲۹؛ سورۃ الدھر: ۳؛ سورۃ الشمس: ۸) اور اُس سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اُس راستے پر چلے جو اُس کی اپنی ذات اور اُس کے ابنائے جنس کی فلاح و بہبود کا ہے اور جس پر چلنے کا نتیجہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔

کلوننگ کی مخالفت میں دلائل

(الف) مسئلہ کی دینی لحاظ سے وسعت : (۱) اگرچہ کلوننگ کے بارے میں براہِ راست کوئی آیتِ کریمہ نہیں ہے اور نہ ہی اس جدید تخلیقی طریقہ پر کوئی اشارہ یا تمثیل پائی جاتی ہے۔ تاہم قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ کلوننگ ٹیکنالوجی کس حد تک مسلم سماج کے ڈھانچے میں موزوں ہے۔ قرآنِ حکیم سورۃ الرُّوم میں اعلان کرتا ہے:

> وَمِنْ آيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ○ (اَلرُّوم: ۲۲)
>
> ''اور اُس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا الگ الگ ہونا ہے۔ بے شک اس میں (بھی) علم والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔'' (۲۲ : ۳۰)

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کی زبانوں اور رنگتوں کا مختلف ہونا قرآنی تصوّر کے لحاظ سے آیت اللہ ہے وہ اللہ جس نے انسانوں کو مختلف شکلوں اور رنگتوں میں پیدا کیا۔ اس اختلاف میں زندگی کی لطافت ہے۔ کلوننگ (نقل کرنے) کے ذریعے حاصل ہونے والا رُوپ اُس لطافتِ حیات کو ختم کر دے گا اور ازدواجی تعلق میں خطا اور عدم آشنائی کو جنم دے گا جہاں میاں بیوی اپنے شریکِ حیات کو پہچاننے کے قابل نہیں رہیں گے جو سنجیدہ قسم کے سماجی اور اخلاقی نتائج پر انجام پذیر ہوگا۔

* کسی بھی زندہ شے کا چھوٹے سے چھوٹا زندہ حصّہ ''خلیہ'' (CELL) کہلاتا ہے۔ حیوانات میں لاکھوں کی تعداد میں خلیے ہوتے ہیں۔ مثلاً انسانی جسم میں تقریباً ساٹھ ٹریلین خلیے ہوتے ہیں جن کے ذمّے مختلف کام ہوتے ہیں۔ خلیے کو طویل عرصہ تک تجربہ گاہ میں رکھا جا سکتا ہے۔ (ڈاکٹر فضل کریم ص ۱۵۴)

(۲) سورۃالمؤمنون میں ارشاد ہوا :۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ٥ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ٥ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ٥ (اَلْمُؤْمِنُوْن : ۱۲ تا ۱۴)

''اور بالیقین ہم نے انسان کومٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اُسے ایک محفوظ مقام میں نطفہ بنایا۔ پھر ہم نے نطفہ کوخون کا لوتھڑا بنایا۔ پھر ہم نے خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی بوٹی) بنا دیا۔ پھر ہم نے بوٹی کو ہڈی بنا دیا۔ پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا۔ پھر ہم نے اُسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا دیا۔ اللہ تمام صناعوں سے بڑھ کر کیسی شان والا ہے۔'' (۱۲ تا ۱۴ : ۲۳)

اِن آیاتِ مبارکہ سے ایک نتیجہ تو یہ اخذ ہوا کہ (۱) تخلیقِ انسانی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ ہے۔ یہی حتمی اور اٹل مشیت ہی تو ہے جو جینیاتی سفر طے کرا کے خلیہ کو ایک مکمل انسان بناتی ہے۔ اور (۲) کائنات میں صرف اللہ ہی کا حکم چلتا ہے اور اس میں کسی مخلوق کی مداخلت نہیں ہوتی۔ بندے کا ارادہ مطلق العنان اور مستقل بالذات نہیں ہوتا بلکہ ارادہِ ربوبیتِ مطلق کے تابع اور ماتحت ہوتا ہے یعنی ارادہِ انسانی آزاد اور غیر مقید نہیں ہے جیسا کہ فرمایا:

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ (اَلتَّكْوِيْر : ۲۹)

''اور تم نہیں چاہ سکتے بجز اس کے کہ اللہ چاہے جو ربّ العالمین ہے۔'' (۲۹ : ۸۱)

''اہم سوال یہ ہے کہ اگر انسان نے کلوننگ کی ٹیکنالوجی اور اُس کا ادراک حاصل کر لیا ہے تو کیا العیاذ باللہ وہ اپنے خالق و مالک اللہ کے مدِّ مقابل آ کھڑا ہوا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں! کلوننگ کی مثال تو محض ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ اشیاء میں تبدیلی پیدا کر کے اُن اشیاء کی مزید کا پیاں تیار کرنا مثلاً دیسی آم کا پودا زمین میں اللہ تعالیٰ نے اُگایا ہوا ہے اور اس آم کو اعلیٰ کوالٹی کا آم یا قلمی آم پیدا کرنے کے لئے انسان اچھے قلمی آم کی ایک شاخ اُس دیسی آم میں پیوند کر دیتا ہے اور اُسے پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر چھوڑ دیتا ہے اور وہ پودا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بڑا ہو جاتا ہے اور اُسی قسم کے آم دیتا ہے جس آم کی شاخ اُسے پیوند کی گئی تھی یا کسی فصل کے بیج زمین میں بونے سے اُسی فصل کے پودے (یعنی کاپیاں) حاصل ہو جاتے ہیں جس کے بیج لئے گئے تھے وعلیٰ ھذا القیاس۔'' (''قرآن کے جدید سائنسی انکشافات''۔۔۔ڈاکٹر فضل کریم' ص ۱۶۲)

(ب) **کلوننگ اور اخلاقی اقدار**: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دین کے دس حصے ہیں جن میں سے نو (۹) حصے بندوں کے باہمی تعلقات سے متعلق ہیں اور ایک حصہ اللہ اور اُس کے بندوں کے باہم تعلقات سے متعلق ہے۔ بندوں کے اِن تعلقات کو آگے بڑھانے کے لئے بنیادی ادارہ کنبہ اور خاندان ہوتا ہے جو میاں بیوی کے تعلقات سے وجود میں آتا ہے اور چونکہ کلوننگ عورت مرد کے تعلقات میں (ناجائز) مداخلت ہے' اس لئے مسلمان علماء نے اپنی حکومتوں کو اس ٹیکنالوجی کی بابت انتہائی احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی تاکید کی ہے۔ (روزنامہ ''جنگ''۔۔۔۷ جولائی ۲۰۰۱ء)

اِدراک حاصل ہے کہ ایک آدھ سوراخ دانے کو اُگنے سے روک نہیں سکتا جیسا کہ دھنیئے کا حال۔''

''حیوانات کے عجائبات میں سے اُن کی آواز اور صوت کا مختلف ہونا ہے۔ چنانچہ بعض کی آواز تو ایسی طرب انگیز ہوتی ہے جسے سن کر دل بھر آتا ہے اور بعض کی ایسی ناگوار آواز ہوتی ہے جس کے سننے سے معلوم ہوتا ہے کہ کان بہرے ہوئے جاتے ہیں۔ بعض ایسے خوبصورت ہوتے ہیں کہ اُن پر نظر پڑتے ہی جم کر رہ جاتی ہے اور ہٹنے کا نام ہی نہیں لیتی جیسے مور' زرّافہ اور کچھ مرغ۔ بعض حیوان ایسے ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر بدن کے روئیں کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل کانپ جاتے ہیں جیسے بھڑ' اژدہا اور جنگلی سور وغیرہ۔ بعض کو مادہ کے ساتھ خصوصیت ہوتی ہے اور بعض کو نہیں۔ بعض اپنی غذا تنہا رہ کر تلاش کر لیتے ہیں اور بعض کے گروہ کے گروہ مل کر جستجو کیا کرتے ہیں۔ بعض کا اکٹھا ہونا بھی جمہوری انتظام کی حیثیت رکھتا ہے۔ بعض کا اجتماع کی حالت میں شاہانہ انتظام ہوا کرتا ہے۔ اُن میں سے کچھ پہرے پر مقرر ہوتے ہیں' کچھ راہبر اور جستجو کرنے والے پانی اور گھاس کی تلاش میں آگے آگے جاتے ہیں۔''

''حیوانات کے اخلاق و عادات میں بھی عجیب اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس بارے میں تو متعدد کتابیں بھی تالیف ہوئی ہیں۔ چنانچہ کوئی تو بڑا دلیر ہوتا ہے اور کوئی بودا۔ بعض انسان سے جلد مانوس ہو جاتے ہیں اور بعضوں کے لئے تدبیریں درکار ہوتی ہیں۔ قوّت اور ضعف کے لحاظ سے بھی جانوروں میں اختلاف ہوا کرتا ہے۔ بعض کو اگر غذا نہ ملے تو وہ اسے برداشت کر لیتے ہیں اور بعض ایسے نہیں ہوتے۔ بعض خارجی صدمات کا پورا مقابلہ کر سکتے ہیں اور بعض اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ بعض کی تو یہ حالت ہے کہ اگر اُن کے حرام مغز میں ذرا سی سوئی چبھو دی جائے تو وہ فوراً مر جائیں اور زندگی رخصت ہو جائے جیسا کہ انسان کی نسبت کہا جاتا ہے۔'' (ایضاً)

''پس یہ سارے اختلافات اس بات کی کھلی دلیل ہیں کہ حیوانی دنیا کے بنانے والے پر کوئی قانون حکومت نہیں چلا سکتا اور نہ کوئی ضرورت اُسے اِس بات پر مجبور کر سکتی ہے کہ وہ اپنی ایجاد میں کسی ایک طریقہ کا پابند ہو جائے بلکہ وہ نہایت ہی وسیع القدرت' اعلیٰ درجہ کا علم رکھنے والا اور بڑا ہی مدبّر اور منتظم ہے۔'' (ایضاً)

<u>اونٹ اور اس کی تخلیق</u> : ''علم حیوانات (Zoology) کی زبان میں اونٹ میں ماحولیاتی مطابقت (Environmental Adaptation) بہت ہے' لہٰذا قدرت نے اُس کی گردن اور قد بھی بتدریج بڑا کر دیا تا کہ وہ اونچے اونچے درختوں سے اپنی خوراک حاصل کر سکے۔ اونٹ درخت کی سوکھی ہوئی ٹہنیاں بھی چبا جاتا ہے اور کانٹے دار (کیکر وغیرہ) درخت اور جھاڑیاں بھی۔ یہ صحرا کا جانور ہے جہاں پر ریت ہی ریت ہوتی ہے۔ لہٰذا قدرت نے اس کے پاؤں چپٹے بنا دیئے تا کہ ریت کے اوپر چلتے وقت اپنے طویل (بلند) جسم کا توازن برقرار رکھ سکے۔ اگر اُس کے پاؤں گدھے یا گھوڑے کی مانند ہوتے تو یہ کبھی کا دنیا سے معدوم ہو گیا ہوتا اور آج یہ جانور ناپید ہوتا۔'' (''قرآن کے جدید سائنسی انکشافات'' ۔۔۔ ڈاکٹر فضل کریم' ص ۴۶)

اسلام نے تحفظِ نسب پر کافی زور دیا ہے۔ چونکہ زنا کاری سے نسب کا تحفظ ممکن نہیں اس لئے اُس کی سزا بھی عبرت ناک ہے۔ کلوننگ کا بھی یہی حال ہے کہ اس سے اسلام جیسے مقدّس مذہب کا ازدواجی مقصد پارہ پارہ ہو کے رہ جاتا ہے۔ اسلام بچے کے نسب کو مذہبی قیود کے اندر میاں بیوی کے رشتۂ ازدواج کے بندھن میں بندھے ہوئے ہونے کی صورت میں مضبوط تحفظ دینا چاہتا ہے۔ تائیوان کی حکومت نے پارلیمنٹ سے ایک بل منظور کرایا ہے جس کی رُو سے کلوننگ پر سخت پابندی لگائی گئی ہے اور دلیل یہ دی گئی ہے کہ:

''کسی سائنسدان کو الٰہی قوانین سے کھیل کھیلنے کی اجازت نہیں دے جائے گی۔ اُنہوں نے کیوں اپنی الوہیت پر ایمان لانا شروع کر دیا ہے؟ جبکہ وہ کسی بھی صورت میں الٰہ (معبود) نہیں ہو سکتے۔''
(روزنامہ ''جنگ'' ۱۰ اگست ۲۰۰۱)

(ج) ''کلوننگ انسانی وقار کی توہین ہے: واشنگٹن (فارن ڈیسک) میں متعدد عالمی سیاسی قائدین نے کلوننگ کے اعلان کی مذمت کی ہے۔ فرانس کے صدر شیراک نے کہا کہ یہ تصور ناپاک ہے۔ وائٹ ہاؤس کے ایک ترجمان نے کہا کہ صدر بُش انسانی کلوننگ کے مخالف ہیں۔ انسانی کلوننگ پر عالمی پابندی کی کوشش کرنے والی اقوامِ متحدہ کی کمیٹی کے صدر پیٹر ٹامکا نے کہا کہ یہ خبر انسانی وقار کی توہین ہے۔ مصر کی جامعہ الاز ہر کی انتظامیہ نے متفقہ طور پر قرار دیا ہے کہ اسلام میں کلوننگ کی اجازت نہیں۔ اس پر فی الفور پابندی عائد کی جائے۔'' (ڈاکٹر فضل کریم' ص ۲۹۸)

(د) کلوننگ بچے کی پیدائش غیر شرعی ہے: ڈاکٹر سرفراز نعیمی نے کہا کہ کلوننگ کے ذریعے پیدائش خالق کائنات کے مقرر کردہ عملِ تخلیق سے مختلف ہے۔ چونکہ یہ تخلیق کا قدرتی عمل نہیں اس لئے ایسا بچہ ناجائز ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ اگر عورت کے اپنے شوہر سے ہی خلیے (CELL) لے کر بچے کی پیدائش ہو تو اس حوالہ سے رائے مختلف ہو سکتی ہے۔ علامہ زبیر احمد ظہیر نے کہا کہ کلوننگ کے ذریعے انسان کی پیدائش فتنہ ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی فطرت کے ساتھ جنگ کی گئی' نقصان ہوا۔'' (ایضاً ص ۲۹۸' ۲۹۹)

(ر) کلوننگ کی قانونی حیثیت: قانونی لحاظ سے بھی کلوننگ کا کوئی جواز نہیں بنتا کہ اس سے اخلاقی بے راہروی اور زنا جیسے جرائم کو پنپنے کا موقع ملتا ہے۔ تو کیا یہ بات عین دانشمندی نہیں کہ خود کو بھی زنا کی عبرت ناک سزا سے بچایا جائے اور دوسروں کے لئے بھی خود کو نشانِ عبرت بننے سے بچایا جائے۔ مصر کے نامور مفتی ڈاکٹر نصر فرید واصل نے انسانی کلوننگ کو عدمِ ایمان کا عمل اور غیر اخلاقی رویّہ قرار دیا ہے جسے حکومت کو کنٹرول کرنا چاہیے۔

کلوننگ کے ممکنہ خطرات اور نقصانات : کلوننگ بذاتِ خود ایک مفید ٹیکنالوجی کے طور پر مروج رہی ہے اور آج کل بھی ہے جس کے ذریعے جانوروں اور پودوں کو انسانی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کیا جارہا ہے مگر اس ٹیکنالوجی کا بعینہٖ اطلاق انسانوں پر کرنا خطرات و نقصانات سے خالی نہیں ۔ اُن یقینی نقصانات کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے :-

''(۱) کلوننگ کے ذریعے بننے والے انسان یا جانور میں وہ تمام خصوصیات (اچھی یا بری) ہوں گی جو ابتدائی انسان یا جانور میں ہوں گی' لہٰذا اہم اَنجانے میں بیمار انسانوں کو بھی کلون کرسکتے ہیں اور اس طرح صحتمند نسل بنانے کی بجائے بیماریوں کو آبادی میں پھلنے پھولنے کا موقع فراہم کریں گے جو کسی بھی لحاظ سے انسانیت کے لئے فائدہ مند نہیں ہوسکتا۔

(۲) انسانوں کی کلوننگ کے عمل سے ایک اور قباحت آبادی میں اضافے کی ہوگی۔

(۳) شادی کے نظام کو خاصا دھچکا لگے گا اور اس میں وہ تعلق اور پیار و محبت جو ایک خاندان کے ناطے میاں بیوی' بچوں اور ماں باپ یا بہن بھائیوں کے درمیان ہوتا ہے' کلوننگ کے نظام کی وجہ سے ناپید ہوجائے گا۔ خاندانی نظام جو ایک معاشرے کا جزوِ لاینفک ہوتا ہے' بالکل تباہ ہوجائے گا۔ چنانچہ انسانی کلوننگ سے فیملی سسٹم اور معاشرے کے بکھر جانے کا شدید خطرہ موجود ہے اور شادی کا نظام ختم ہونے کی صورت میں جنسی بے راہ روی کو فروغ حاصل ہوگا جو کسی بھی لحاظ سے کسی بھی معاشرے میں قابلِ قبول نہیں۔

(۴) انسانی کلوننگ سے ایک ہی طرح کے مخصوص قسم کے انسان پیدا کئے جاسکیں گے جو قدرتی نظام میں موجود توازن کو بگاڑ سکتے ہیں۔ لوگوں کے لئے اُن کی شناخت بھی ایک مشکل مسئلہ بن جائے گی جیسا کہ قدرتی طور پر پیدا ہونے والے جڑواں بچوں میں اُن کی پہچان مشکل ہوتی ہے۔

(۵) انسانی کلوننگ سے جرائم بڑھنے کا اندیشہ ہے۔ ایک ہی طرح کے انسان ایک ہی وقت میں قانونی اور جسمانی پیچیدگیاں پیدا کرسکتے ہیں۔

(۶) انسانی کلوننگ کی ٹیکنالوجی انسانی فلاح و بہبود میں استعمال ہونے کی بجائے انسان کی تباہی کا سبب بن سکتی ہے۔
(ڈاکٹر فضل کریم' ص ص ۱۴۸'۱۴۹)

کلوننگ کے فوائد : جانوروں اور پودوں کی کلوننگ میں فائدہ ہے لیکن جیسا کہ بیان ہوا' انسان کی کلوننگ میں نقصان ہی نقصان اور اخلاقی اقدار کی تباہی ہے۔ انسانی لحمیات (Human proteins) کلوننگ کی بدولت کسی بھی حیوان میں پیدا کی جاسکتی ہیں۔ کلوننگ کی بدولت اعلیٰ قسم کی فصلیں' پودے اور درخت پیدا ہونا شروع

ہو گئے ہیں۔ بے شمار بیماریوں کا علاج جو چند سال پہلے تک ممکن نہ تھا اب اسی ٹیکنالوجی کی بدولت ممکن ہوتا نظر آرہا ہے۔ سرطان کے علاج میں انقلابی تبدیلی آجائے گی اور دوائیں مریض کو اُس کے اپنے جینیاتی کوڈ کی مناسبت سے دی جائیں گی۔ حیوانی کلوننگ انسانی اعضاء کی پیوند کاری میں استعمال ہوسکتی ہے۔

''حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش باپ کے بغیر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا نمونہ تھی اور اس میں کلوننگ کا کوئی دخل نہ تھا کیونکہ انسانی کلوننگ سے مراد ہے عورت اور مرد کے ملاپ کے بغیر ایک حیوان یا انسان کی ہوبہو نقل (کاپی) تیار کرنا ہے۔'' (''قرآن کے جدید سائنسی انکشافات''۔ ڈاکٹر فضل کریم' ص ۱۶۰) اور اللہ علت اور معلول (Cause & Effect) سے پاک ہے۔ اسباب کا وجود اُس نے محض انسان کی تسکین کے لئے کیا ہے۔

حرفِ آخر: قرآنِ حکیم میں کلوننگ کا ذکر نہیں مگر سورۃ النساء کی اوّل آیت اور سورۃ الاعراف کی آیت ۱۸۹ میں نفسِ واحدۃ کے الفاظ واحدۃ الخلیہ کی طرف اور واحدۃ الخلیہ حیوانی یا انسانی کلوننگ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ پوری اسلامی تاریخ میں اسلام اور سائنس کے درمیان کسی قسم کے تضاد یا آویزش اور کشمکش کا مشاہدہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ اسلام تو سائنسی ترقی اور سائنسی تحقیق کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ دراصل اسلام علم کے ہر میدان میں ترقی کے حصول کے لئے سائنسی علوم کی تحصیل کو فرضِ کفایہ قرار دیتا ہے جسے قوم و ملت کے کچھ افراد کرلیں تو پوری قوم کی طرف سے وہ فرض ادا ہو جاتا ہے۔ لیکن اس ترقیِ علوم کو مذہب اور عقیدہ سے متصادم نہیں ہونا چاہئے بلکہ اُسے مذہب کی قائم کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے انسانیت کی خدمت کرنا چاہئے کیونکہ مذہب ہی انسان کے طریقِ حیات کو صحیح راہ پر لگاتا ہے اور مذہب ہی اپنے اصولوں کے مطابق اُس کی زندگی سنوارتا ہے۔

''آج یورپی اقوام تو سائنسی اختراعات و ایجادات میں مسلمانوں پر بہت سبقت لے گئی ہیں اور سائنس کے معجزات دکھا رہی ہیں۔ ایک حالیہ مثال بھی حیاتیات کے میدان میں تحقیق ہے جس کے ذریعے اُنہوں نے حیوانی یا انسانی کلوننگ کی ٹیکنالوجی حاصل کرلی ہے۔ اس وقت سائنسی تحقیق کے معاملے میں مسلمانوں کی پیش رفت کوئی قابلِ ذکر نہیں۔ تقریباً نوے برس پہلے علامہ اقبال نے بھی غالباً مسلمانوں کی حالتِ زار پر یہ شعر کہا ہوگا:

کس طرح ہوا کُند ترا نشترِ تحقیق — ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک — (ارمغانِ حجاز)

پھر فرماتے ہیں:

بے معجزہ دنیا میں اُبھرتی نہیں قومیں — جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا!
اغیار کے افکار و تخیّل کی گدائی — کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک رسائی — (ضربِ کلیم)

(۲۶) سماج اور معاشرہ (COMMUNITY & SOCIETY)

''کمیونٹی افراد کے ایسے گروہ کا نام ہے جو مشترک احساسات و اقدار کی بناء پر منظم و مربوط ہو اور ایک مخصوص علاقے میں رہائش پذیر ہو۔''

قرآن مجید میں متعدد انسانی گروہوں کے متعلق اچھی خاصی معلومات ہیں اگر چہ اُن کے متعلق قرآنی بحث کا اصل مقصد ہدایت دینا اور مسلمانوں کو اپنے خالق و مالک کے احکامات کی بجا آوری میں لگانا ہے۔

قبل از اسلام جاہلی عربوں میں فرد کی بجائے قبیلہ اپنی رشتہ داری کی مختلف شاخوں کے ساتھ مرکزی نقطہ تھا اور اس میں قبائلی اتحاد اور اُس کی بقاء عظیم تر مقاصد تھے۔

حال ہی میں منٹگمری واٹ کی شائع شدہ دو کتابوں ''محمد ایٹ مکہ'' (۱۹۵۳) اور ''محمد ایٹ مدینہ'' (۱۹۵۶) میں عرب قبائل اور گروہوں کا تفصیلی تجزیہ ہے جو مسلم سماج کے ارتقاء کے تشکیلی اَدوار کی علامت تھے۔ مصنف (منٹگمری واٹ) کے مطابق حضرت محمد ﷺ کے زمانہ مبارک میں عربوں کا قبائلی نظام پدرسری (Patriarchal) تھا۔ سورۃ الانبیاء کی آیت ۵۴ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پانی سے پیدا کیا اور پھر اُن کے درمیان نسب کو قائم کیا اور شادی کے ذریعے سسرالی رشتے کو قائم کردیا جو بعد میں پدرسری سے تبدیل ہو کر مادرسری (Matriarchal) ہو گیا جیسا کہ علامہ بیضاوی نے اپنی تفسیر ''انوار التنزیل و أسرار التاویل'' میں بیان کیا ہے۔ سورۃ الحُجُرات کی آیت ۱۳ میں بنی نوع انسان کو قوموں (شعوب) اور قبیلوں میں تقسیم کرنے کا الٰہی مقصد اس طرح بیان کیا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا (اَلْحُجُرات : ۱۳)

''لوگو! ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں مختلف قومیں اور خاندان بنا دیا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔'' (۴۹ : ۱۳)

قبائل مختلف گروہوں میں تقسیم تھے جو کئی خاندانوں پر مشتمل تھے۔ پیغمبر علیہ السلام کے دَورِ مبارک میں رشتہ داری کے ایک گروہ کو اکثر ''بَنُو'' (کے بیٹے) کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ ''قوم'' کا لفظ ''لوگوں'' کے عمومی معنوں میں بکثرت قرآن میں آیا ہے (مثلاً سورۃ الانعام: ۶۶؛ سورۃ الاعراف: ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۹، ۷۳، ۷۵، ۷۹، ۸۰، ۸۲، ۸۵، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۳، ۱۰۹، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۵، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۴

۱۷۶، ۱۷۷؛ سورۃ التوبۃ: ۶، ۱۳، ۵۶، ۷۰، ۱۲۲؛ سورہ یونس: ۱، ۷، ۴، ۸۶، ۹۸؛ سورہ ھُود: ۲۵ وغیرہ)۔

''قرآن مجید میں لفظ مَلَاءٗ'' سرداران یا مجمع کے معنی میں آیا ہے جیسا کہ سورہ یونس کی آیت ۷۵ میں ہے۔ سورۃ القصص کی آیات ۳۲، ۳۸ میں مَلَاءٗ'' کا لفظ فرعونی دربار کے وڈیروں کے لئے، سورۃ النمل کی آیات ۲۹، ۳۲ میں ملکہ سبا کے دربار کے وڈیروں کے لئے، سورۃ النمل کی آیت ۳۸ میں سلیمان علیہ السلام کے دربار کے وڈیروں کے لئے اور سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۴۶ میں بنی اسرائیل کے سرداروں کے لئے آیا ہے۔ سورہ صٓ کی آیت ۶ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکی مخالفین کے لئے بھی مَلَاءٗ'' کا لفظ آیا ہے۔ مَلَاءٗ'' کے ساتھ اَعْلٰی کا لاحقہ (Suffix) لگانے سے ترکیب مَلَاءِ الْاَعْلٰی کی بن جاتی ہے بمعنی ''فرشتوں کی اعلیٰ وارفع جماعت'' اور یہ ترکیب سورۃ الصّٰفّٰت کی آیت ۸ اور سورہ صٓ کی آیت 69 میں آئی ہے۔''

''کسی قبیلے کی قیادت وسیادت کے لئے ''سیّد'' یا ''سردار'' کے لفظ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوئے۔ قبیلے کا سردار کسی بھی لحاظ سے خود مختار حاکم یا موروثی شہنشاہ نہیں ہوتا تھا البتہ اُس کی حیثیت مساویانہ حقوق کے ساتھ اوّلیں تھی۔ تجربہ، کردار، صائب فیصلہ کی اہلیت، جراَت، مہمان نوازی، دانشمندی اور دوسروں کو تحفظ فراہم کرنے کی بنیاد پر اُس کی عزت کی جاتی تھی۔ منٹگمری واٹ اپنی کتاب "Muhammad at Mecca" کے صفحہ ۱۷۔۱۸ میں لکھتے ہیں کہ یہ مؤخر الذکر صفت یعنی دوسروں کو تحفظ فراہم کرنا قبل از اسلام کی قبائلی زندگی کا انتہائی اہم پہلو تھا۔ یہ تحفظ اصولِ انتقام کو شامل تھا جس کے مطابق کسی رشتہ دار گروہ کو مجروح کرنے یا قتل کرنے کا جواب دوسرے گروہ کی جانب سے اُسی طرح دیا جاتا تھا۔ اس بات کی تائید قرآن مجید بھی کرتا ہے جب اُس میں سورۃ المائدۃ کی آیت ۴۵ میں قانونِ موسوی (علیہ السلام) کا بہ ایں الفاظ بیان کیا گیا ہے:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ'' (المائدۃ: ۴۵)

''اور ہم نے اُن پر اُس (تورات) میں یہ فرض کر دیا تھا کہ جان کا بدلہ جان، آنکھ کا بدلہ آنکھ، ناک کا بدلہ ناک، کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت ہے اور زخموں میں قصاص ہے۔'' (۵ : ۴۵)

''ضروری نہیں تھا کہ اپنے سے علاوہ کسی غیر قبیلے کے لوگوں کے قتل کو غلط سمجھا جاتا ہو لیکن یہ بہت ہی مہنگا اور خونریز انتقام کا باعث بن سکتا تھا۔ قبل از اسلام کے عربوں میں جنگ جوانمردی اور شجاعت کا معیار تھا لیکن اسلام میں مسلمانوں کے لئے اپنے ہم مذہب بھائیوں کی خونریزی کو حرام قرار دیا گیا۔ تاہم جنگِ مقدس یعنی جہاد کی اجازت دی گئی اور کچھ حالات کے تحت مسلمانوں کے تحفظ اور اُن علاقوں کی توسیع کے لئے اس کی حوصلہ افزائی بھی کی گئی جہاں اسلامی اصولوں کی حکمرانی ہو۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان جنگ کو ایک مستقل وصف بننا تھا لیکن جنگی قیدیوں کے ساتھ سلوک کے حوالے سے اِس وصف پر اسلامی قانون اور اصولوں کی حکمرانی تھی۔''

''جن لوگوں کا خونی تعلق حفاظتی قبیلے سے نہیں ہوتا تھا' وہ اکثر اپنے آپ کو پاس ہی کے کسی حفاظتی طاقتور گروہ سے منسلک کر کے حفاظت میں آجاتے تھے۔قرآن مجید اس اہتمام کو مختلف طریقوں سے بیان کرتا ہے: وہ دُور کے اور ناآشنا لوگوں سے اور قریبی اور مانوس ہمسائے سے بھی نیکی اور بھلائی کرنے کو قابلِ ستائش قرار دیتا ہے (بحوالہ سورۃ النساء:۳۶) اور بتاتا ہے کہ جبکہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا محافظ ہے (سورۃ المؤمنون:۸۸) تو وہ حفاظت کئے جانے سے بہت دُور اور ماوراء ہے (سورۃ المؤمنون:۸۸)۔قرآن مجید ہدایت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آنا مادّی دنیا پر اعتماد کرنے سے کہیں زیادہ محفوظ ہے (سورۃ المُلک:۲۸'۲۹)۔اِس چیز نے مسلم سماج اور اُمّہ کے نظریہ کو ترویج و ترقی دینے میں خاصا کردار ادا کیا' وہ اُمّہ جو مفادات میں قبائلی الحاق کی نسبت کہیں زیادہ تھی۔اس طرح بہ حیثیت آفاقی سماج کے مسلم اُمّہ کی ندرت اور اچھوتے پن کا مقصد بنی نوعِ انسان کو ایک مشترک عقیدہ اور عمل میں متحد کرنا تھا جو اپنی فطرت میں مثالی ہے اور اس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔''

''منٹگمری واٹ اپنی مذکورہ کتاب ''محمد ایٹ مکہ'' کے صفحہ ۱۹ میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ حفاظتی الحاق کا عام نظریہ دوست کے ساتھ ملحق ہوتا تھا جس کے لئے قرآن نے ''وَلِی'' (جمع ''أولیاء'') کے ہر دو لفظ اکثر استعمال کئے ہیں۔لفظ ''ولی'' محافظ' سرپرست کے لئے بھی اور حفاظت میں آنے والے دونوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ سورہ آلِ عمران:۶۸ میں کہا گیا ہے: اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا (اللہ ایمان والوں کا دوست ہے) اور سورہ یونس :۶۲ میں اس بات پر زور دیا گیا ہے: اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (خبردار! خوب ہوشیار رہو کہ اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ اُداس ہوں گے)۔''

''قدیم عرب معاشرہ میں ایک بے یارومددگار آدمی اعلیٰ معاشرتی مقام کے حامل انسانی گروہ کی پناہ میں آجاتا تھا جبکہ اسلام نے اُس نمونے کو ایک ایسے سماج کی رکنیت دے کر دینیاتی سطح پر بلند کیا جو خود اعلیٰ وارفع بااختیار ہستی یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی حفاظت میں آگیا تھا۔''

کچھ مذہبی وسماجی اصطلاحات قرآن مجید کی روشنی میں

(۱) **اُمّہ** : قرآن مجید میں لفظ ''اُمّہ'' اکثر انسان کے دینی سماج کے لئے استعمال ہوا ہے اگرچہ کچھ اور معانی بھی اس لفظ کے ساتھ وابستہ ہیں یعنی حیوانوں کا گروہ (سورۃ الانعام:۳۸)' ایک قبیلہ یا اُس کی ذیلی شاخ (سورۃ الاعراف:۱۶۴)' ایک معینہ مدّت یا وقت (سورہ ھود:۸؛ سورہ یوسف:۴۵)' ایک نمونۂ کمال اور زمرۂ اشیاء کا نمائندہ (سورۃ النحل:۱۲۰)' کوئی روایتی قدر یا عقیدتی نظام (سورۃ الزخرف:۲۲'۲۳)۔

قرآن میں لفظ اُمّہ (بشمول ۱۵ جمع کے صیغہ جات اُمَم کے) ۶۲ مقامات پر استعمال ہوا ہے۔کچھ مثالیں یہ ہیں:

''(۱) سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۲۸ میں اُمَّۃً مُسْلِمَۃً کا ذکر ہے بمعنی ایسا معاشرہ جو اللہ کے حکم کے تابع ہو۔ (۲) سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ میں مؤمنوں کو اُمَّۃً وَّسَطًا کے الفاظ سے متعارف کرایا گیا ہے بمعنی راہِ اعتدال پر چلنے والوں کا صحیح معنوں میں متوازن معاشرہ۔ (۳) سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۳ میں اُمَّۃً وَّاحِدَۃً کے الفاظ ہیں بمعنی خاص قسم کی متحدہ جماعت۔ (۴) سورہ یُونُس کی آیت ۴۷ کے الفاظ وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلٌ'' میں اِس بات کا اعلان ہے کہ ہر اُمّت میں خوشخبریاں اور وعید (تنبیہ) دینے کے لئے اللہ نے اپنے پیغمبر بھیجے ہیں۔ (۵) سورۃ الانبیاء کی آیت ۹۲ میں اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً کے الفاظ میں خالقِ حقیقی سے تعلق کے حوالے سے دوسری تمام اُمّتوں میں اُمّتِ مسلمہ کو بطورِ نمونہ کمال متعارف کرایا گیا ہے۔ (۶) سورۃ الحج کی آیات ۳۴ اور ۶۷ کے الفاظ لِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا کے الفاظ میں اس بات کا اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر اُمّت کو مذہبی رسوم کی ادائی کا نظام عطا کیا ہے۔''

لفظ اُمّـــت بہت ہی شاذ و کم مقامات پر اسلام' ایمان' مسلم یا مؤمن کے ساتھ ملانے کے عمل میں آیا ہے اور جب بھی اس طرح آیا ہے تو لفظ اُمّـــت کی اہمیت نمایاں ہوگئی ہے جیسے سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۱۰ میں خَیْرَ اُمَّۃٍ کی ترکیب جو اِس بات کو ثابت کرتی ہے کہ یہودیت یا عیسائیت اللہ کے نزدیک قابلِ قبول نہیں' آدمی کا اللہ اور رسالتِ خاتم الانبیاء ﷺ پر ایمان ہی اُسے قابلِ قبول ہے۔ سورہ آلِ عمران کی آیات ۱۱۳' ۱۱۴ میں اس طرح بیان ہوا:

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ آيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ o يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ o (آلِ عمران: ۱۱۳' ۱۱۴)

''اہلِ کتاب میں ایک جماعت قائم ہے' یہ لوگ اللہ کی آیتوں کی اوقاتِ شب میں تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں۔ یہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں' بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں' اچھی باتوں کی طرف دوڑتے ہیں اور یہی لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ توحیدی ڈھانچے کے اندر معاشرے کو ایمان اور اخلاقی اقدار کے ساتھ جوڑنے کا قرآنی طریقہ دینی سماجی تعلقات میں بہت ہی اہم عامل ہے (یہاں معاشرے کی اہمیت پر زور نہیں بلکہ توحیدی ایمان اور اخلاقی اقدار پر زور ہے)۔ اور اسلام نے اسی اہم چیز کی قبائلی اور شہری آبادی کے لوگوں سے وکالت کی جنہوں نے قبل ازیں رشتہ داری اور باہمی معاہدوں کو اعلیٰ مقام دے رکھا تھا (خواہ وہ غلط ہوں یا صحیح)۔ اِس نئے اسلامی نظام نے رشتہ داری کے تعلقات کو مسترد نہیں کیا بلکہ اُس نے اُنہیں وفاداریوں اور وابستگیوں کے وسیع دائرے میں رکھ کر اُن کا صحیح مقام دیا۔''

''اسلام کے تحمل اور رواداری کا اس سے بڑا ٹھوس ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کی یہودِ مدینہ کے ساتھ زبردست چپقلش کے باوجود (جیسا کہ سورۃ المائدۃ کی آیت ۸۲ میں بیان ہے)' میثاقِ مدینہ میں یہود کو امت

مسلمہ کے ساتھ ساتھ اُمّت ہی قرار دیا گیا۔ اور ایک وقت تک یہودیوں اور مسلمانوں نے مسجد اقصٰی کی طرف (بطور مشترک قبلہ) رخ کر کے نماز پڑھی۔

''(۲) اَلْـکِتٰب : اس سے مراد آسمانی کتاب یا صحیفہ ہے۔ اِس لفظ کا تعلق اکثر یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں جیسے مذہبی معاشروں سے ہوتا ہے۔ (i) جب یہ لفظ مسلمانوں کے سلسلے میں استعمال ہو تو عموماً اس کا معنی قرآن کا ہوتا ہے جیسے سورۃ البقرۃ کی آیت ۲ میں۔ (ii) سورہ الٓمّٓ السجدہ کی آیت دوم میں اَلْـکِتٰب کو اُن لوگوں کے لئے بطور پیغام لایا گیا ہے جنہیں اس سے پہلے کوئی آسمانی سرزنش نہیں پہنچی یعنی مشرکینِ عرب۔ (iii) سورہ یٰسٓ کی آیت ۲ میں لفظ '' قرآن '' کو اَلْـکِتٰب کی جگہ لایا گیا ہے۔ (iv) سورۃ الشُّوریٰ کی آیت ۷ میں بتایا گیا کہ عربی قرآن کو اُمُّ القریٰ (مکہ) کے مکینوں کو تنبیہ و تہدید کی خاطر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل کیا گیا ہے۔''

''أَهْلُ الْـكِتٰب کی ترکیب قرآن مجید میں تقریباً تیں مرتبہ آئی۔ يَهُود یا هُود کا لفظ قریباً نو مرتبہ (بشمول ''هُود''، جو تین بار آیا) استعمال ہوا۔ ''نصارٰی'' کا لفظ چودہ مرتبہ اور ''نَصرانی'' ''ابراہیم علیہ السلام کے ضمن میں سورہ آلِ عمران کی آیت ۶۷ میں ایک مرتبہ آیا کہ وہ نہ تو نصرانی (عیسائی) تھے اور نہ ہی یہودی۔ ''بني اسرائيل کا لفظ تقریباً چالیس مرتبہ جبکہ ''بني آدم'' کا لفظ سات مرتبہ آیا ہے۔ ''صابئون'' کا لفظ تین مرتبہ آیا ہے۔ مسلمانوں یہودیوں، عیسائیوں، صابئون، زرتشتیوں اور مشرکوں اِن تمام کا ذکر سورۃ الحج کی آیت ۱۷ میں ایک ساتھ کیا گیا ہے جن کے درمیان اللہ فیصلہ فرمائے گا۔ اِسی آیت ۱۷ کی تفسیر میں علامہ زمخشری (م ۵۳۸ھ/۱۱۴۴ء) بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید کے مطابق (دنیا میں) پانچ مذاہب ہیں جن میں سے چار شیطانی اور ایک الٰہی مذہب ہے۔ اِس لحاظ سے صابئون عیسائیت کی شاخ سمجھا جاتا ہے۔ (''الکشّاف'' ۔۔۔ زمخشری)

''قرآن مجید میں عیسائیوں سے زیادہ یہودیوں کے متعلق بہت ہی منفی قسم کے تبصرے (ریمارکس) ہیں۔ مثلاً سورۃ المائدۃ کی یہ آیت نمبر ۸۲:۔

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ أَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا إِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝

'' آپ لوگوں میں ایمان والوں کے ساتھ سب سے بڑھ کر دشمنی رکھنے والے یہود اور مشرکین ہی کو پائیں گے اور آپ ایمان والوں کے ساتھ دوستی میں سب سے زیادہ قریب اُنہیں پائیں گے جو اپنے آپ کو نصارٰی کہتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ اُن میں عالم اور درویش ہیں اور اس لئے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔'' (۵ : ۸۲)

''علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ چونکہ آیت مذکورہ میں یہود کا ذکر مشرکین سے پہلے ہوا ہے، اس لئے یہودی دشمنی میں مشرکین سے بڑھ کر ہیں۔ اس کے بعد علامہ نے اس حدیث کا حوالہ دیا ہے جس میں نبی علیہ السلام نے فرمایا: اگر کوئی مسلمان دو یہودیوں میں اکیلا ہو تو وہ اُسے مارنے کی کوشش کریں گے۔'' ("The Qur'an".. Gatje, p. 134)

(۳) حَنِیْف :(جمع حُنَفَاء) قرآن مجید نے اِس لفظ کو مختلف پہلوؤں سے بارہ مرتبہ استعمال کیا ہے جن میں سے دس مرتبہ واحد کی صورت میں اور اُن دس میں سے آٹھ مرتبہ ابراہیم علیہ السلام کے ضمن میں استعمال کیا ہے۔ پھر اُن آٹھ میں سے پانچ مرتبہ ''ملت'' کے معنی میں یہ لفظ آیا ہے جس کا عام طور پر ترجمہ ''مذہب'' کیا جاتا ہے (جیسے سورۃ البقرۃ:۱۳۵ ؛سورۃ آلِ عمران:۹۵ ؛سورۃ النساء:۱۲۵ ؛سورۃ الانعام:۱۶۱ ؛سورۃ النحل:۱۲۳!) اور ایک مرتبہ ابراہیم علیہ السلام کے لئے اُمّت کے لفظ کے ساتھ آیا ہے (سورۃ النحل:۱۲۰)۔ سوائے سورۃ النساء کی آیت ۱۲۵ کے اوپر بیان کردہ تمام کی تمام بارہ آیات براہِ راست دو متضاد الفاظ ''مشرک'' اور ''حنیف'' کے موازنہ میں آئی ہیں۔ سورہ آلِ عمران کی آیت ۶۷ میں بیان ہوا:

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ٥

''ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ راہِ راست والے مسلم تھے اور مشرکوں سے بھی نہیں تھے۔'' (۶۷ : ۳)

اُمّتِ مسلمہ کے لئے سرچشمہ فیض ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی ملّت ہیں اور قرآن نے اُن کی بابت فرمایا:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ٥ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ اِجْتَبٰهُ وَ هَدٰهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ٥ (اَلنَّحل : ۱۲۰، ۱۲۱)

''بے شک ابراہیم علیہ السلام بڑے مقتدا، اللہ کے فرمانبردار (اور اُس کی طرف) یک رخ رہنے والے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ (اللہ کی) نعمتوں کے بڑے شکر گزار، اللہ نے اُنہیں چن لیا تھا اور اُنہیں سیدھی راہ پر ڈال دیا تھا۔'' (۱۲۰، ۱۲۱ : ۱۶)

اُمَّۃً یعنی اللہ کی عبادت و فرمانبرداری اور طاعات و حسنات میں پوری ایک جماعت کے قائم مقام اور برابر۔ جب ابراہیم علیہ السلام کے سیدھی راہ پر ہونے کی رب تعالیٰ نے گواہی دے دی تو ثابت ہوا کہ آج بھی اُنہی کے نقشِ قدم پر چلنے اور اُنہی کی ملتِ حنیف اختیار کرنے میں فلاح و نجات ہے۔

(۴) مِلَّۃ (جمع مِلل): یہ لفظ دینی و سماجی اصطلاح ہے جس کا اکثر و بیشتر تعلق ابراہیم علیہ السلام سے ہے جیسا کہ مِلَّۃَ اِبْرَاهیم (بحوالہ سورۃ البقرۃ:۱۳۰ ؛سورہ آلِ عمران:۹۵ ؛سورۃ الانعام:۱۶۱ ؛ سورۃ الحج: ۷۸)۔

(۵) مُسْلِمُون اور مُؤْمِنُون : یہ دو الفاظ قرآن میں بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ اوّل الذکر یعنی مُسْلِمُون قرآن میں پانچ مرتبہ جبکہ مؤخر الذکر یعنی مُؤْمِنُون کا لفظ دو سو مرتبہ آیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الحُجُرات کی آیت ۱۴ سے ثابت ہے کہ ایمان، اسلام کی نسبت زیادہ باوزن عامل ہے*۔ اسلام عبادتِ الٰہی کا نہایت اہم کھلا دروازہ ہے جس کے بغیر ایمان کا حصول ممکن نہیں۔ اطاعت و فرمانبرداری کی پہلی سیڑھی اسلام ہے جبکہ ایمان اُس کے

* تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اِسی انسائیکلوپیڈیا (حصہ انگریزی) کی جلد ۴، صفحات ۳۵۵۶ تا ۳۵۵۷۔

بعد بطورِ عنایت عطا کیا جاتا ہے۔ اکثر اوقات ایمان اور اسلام کو ''کافرون'' ''مشرکون'' اور ''مجرمون'' جیسے الفاظ کے مقابل لایا گیا ہے۔ مؤخرالذکر یعنی ''مجرمون'' کا لفظ اکثر اوقات گنہگار لوگوں کے لئے بولا گیا ہے جیسے سورۃ الانعام کی آیت ۱۴۷' سورۃ الحِجر کی آیت ۵۸ اور سورۃ الذاریٰت کی آیت ۳۲ میں۔''

(۶) عِبَـادُاللہ : قرآن کا تصوّرِ دین و مذہب اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری' اُس کی عبادات اور ایسے طریقوں میں مضبوطی سے گڑا ہوا ہے جو اسلامی نظام کے بالکل متوازی ہیں جیسا کہ سورۃ الفرقان کی اس آیت (۶۳) سے ثابت ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًاo
"اور خدائے رحمٰن کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب اُن سے جہالت والے لوگ بات چیت کرتے ہیں تو وہ سلام (متارکت) کہہ دیتے ہیں۔'' (۶۳ : ۲۵)

خدائے رحمٰن کا (خاص) بندہ اپنے خالق و مالک کی عبادت اور تسبیح کرنے میں سست و کاہل نہیں ہوتا اور اس اعلیٰ مرتبہ کے حصول کے لئے جہدِ مسلسل اور سرگرمیِ عمل کنجیاں ہیں۔

اگرچہ مختصر لیکن حیات آفریں سورۃ الکافرون (۱۰۹) میں مصدر ع۔ب۔د کی فعلی صورت کا اطلاق مسلمانوں اور کافروں دونوں پر ہوا ہے کیونکہ دونوں ہی کسی اعلیٰ قوّت کے عبادت گزار ہیں۔ مسلمان اللہ کی عبادت کرتے ہیں جبکہ کافر بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ سورۃ الکافرون کی دوٹوک اختتامی آیت مسلمانوں اور کافروں' مشرکوں کے درمیان نمایاں فرق قائم کرتی ہے۔

قرآن مجید اکثر بدنصیب اُممِ سابقہ کی مثال پیش کرنے کے ذریعے ہمیں تعلیم دیتا ہے۔ بعض اوقات وہ اُمتیں اپنی غلط روی کو محسوس کر کے اپنے کئے پر نادم ہوئیں تو اُنہیں معاف کر دیا گیا اور وہ حیاتِ جدید پر گامزن ہوئے۔ مثال کے طور پر حضرت یُونس علیہ السلام کی قوم کا معاملہ (بحوالہ سورہ یونس: ۹۸) اور بنی اسرائیل جو گئو سالہ پرستی کی پرستش جیسے گناہِ کبیرہ میں مبتلا ہوئے (بحوالہ سورۃ البقرۃ: ۵۴ اور سورۃ الاعراف: ۱۵۲ تا ۱۵۳)۔ بعض اوقات وہ لوگ کسی ایسے گناہ میں مبتلا ہوئے جس پر وہ نادم نہ ہوئے جیسا کہ سورۃ الانعام کی آیات ۹۴ تا ۹۹ میں بیان کردہ کوئی گمنام آبادی جو تنبیہ ملنے کے بعد بھی غضبِ الٰہی کا سبب جاننے میں ناکام رہے۔

قرآن مجید کے مطابق اللہ تبارک وتعالیٰ ایک متحد امت پیدا کر سکتا تھا لیکن اُس نے ایسا نہ کیا تاکہ لوگوں کی آزمائش ہو جائے اور بہ حیثیت جوابدہ مخلوق ہونے کے وہ اخلاقی لحاظ سے عمدہ اور اَحسن راستہ اپنائیں (بحوالہ سورۃ المائدۃ: ۴۸)۔

''اونٹ پانی کے بغیر کیسے زندہ رہتا ہے؟ اونٹ پانی پیے بغیر کئی ہفتوں تک سفر کرسکتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اُس کے معدے میں تھیلیاں (Pouches) ہوتی ہیں جن میں پانی جمع (سٹور) ہو جاتا ہے اور وہ ایک مدت تک یہی پانی استعمال میں لاتا رہتا ہے۔ اگر یہ پانی ختم ہو جائے اور لق و دق صحرا میں پانی کا دُور دُور تک بھی نشان نہ ہو تو پھر اس کے کوہان کی چربی آہستہ آہستہ پگھلنا شروع کر دیتی ہے جو پانی کی جگہ ایک عمدہ نعم البدل کا کام دیتی ہے۔ اگر شتربان کو پیاس یا بھوک ستانے لگے تو اونٹنی کا دودھ پی لے۔ اونٹ نہایت ہی مختصر وقت میں پچیس گیلن پانی پی لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے جسم کی بافتوں یا تھیلیوں میں موجود پانی کا ذخیرہ ایک لمبے عرصے تک چلتا رہتا ہے۔ اونٹ کے جسم کا بہت کم پانی فضلے میں ضائع ہو جاتا ہے اور اُسے پیشاب بھی بہت کم آتا ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر اس کا پانی اس کے جسم کی بافتوں میں محفوظ رہتا ہے اور زیادہ عرصہ تک اُسے زندہ رکھتا ہے۔'' (ایضاً ص ۴۷)

''اونٹ اپنے جسم میں تیس فیصد پانی کی کمی کو نہ صرف برداشت کر لیتا ہے بلکہ بوجھ اٹھا کر میلوں سفر کر لیتا ہے جبکہ انسان زیادہ سے زیادہ بارہ فیصد پانی کی کمی برداشت کرنے کا اہل ہے۔ پانی کے بغیر اونٹ کے زندہ رہنے کی وجہ یہی ہے کہ اس کے جسم کی بافتوں سے ہی پانی خون میں شامل ہو جاتا ہے جس سے پانی کی مقدار برقرار رہتی ہے۔ دودھ دینے والے جانوروں میں اکثریت ایسے جانوروں کی ہے جن کے خون سے پانی کا ضیاع ہوتا ہے۔ اگر ان میں موجود خون میں سے پانی کی مقدار نمایاں حد تک کم ہو جائے تو خون گاڑھا ہونے کی بنا پر اس کی گردش کی رفتار سست پڑ جاتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انتڑیوں میں خون جم جائے۔ اس کے علاوہ پانی کے کم ہونے کے ساتھ جسم کا درجہ حرارت بھی گر جاتا ہے چنانچہ ایسی تکلیف دہ حالت میں موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ جہاں تک اونٹ کا تعلق ہے پانی اس کے جسم کی تمام بافتوں میں گھل مل جاتا ہے اور ضرورت کے تحت اپنی بافتوں سے اپنی پیاس بجھاتا رہتا ہے اور یہ کئی ہفتے تک زندہ رہ لیتا ہے اور پانی کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ دودھ دینے والے دیگر جانوروں کی اکثریت ایسا نہیں کر سکتی۔ وہ اپنے جسم میں وافر مقدار میں پانی کا ذخیرہ نہیں کر سکتے۔ اگر ایسا کرتے ہیں تو اُن کی زندگی کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔''

''اونٹ اگر ایک دفعہ راہ دیکھ لے تو اسے کئی برسوں تک یاد رکھتا ہے خواہ اُس کے پاؤں کے تمام نشان مٹ گئے ہوں۔ اس جانور کی عادات و اطوار اتنی اچھی ہیں کہ اسے شریف جانور کہا گیا ہے جو کھیتی باڑی اور بار برداری کے کام آتا ہے۔ پاکستان میں اونٹ پر تحقیقی کام نہ ہونے کے برابر ہے۔''

''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر قرآنِ حکیم میں اسی جانور کی طرف انسان کی توجہ کیوں دلائی گئی ہے؟ (سورۃ الغاشیہ : ۱۷) اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اُس وقت (جبکہ قرآنِ حکیم کا نزول ہوا) عربوں کے پاس اونٹ ہی ایسا جانور تھا جو کثیر تعداد میں تھا اور ان کے لئے بار برداری اور صحرا میں سفر کا یہی ذریعہ تھا۔ دوسرا کوئی جانور مثلاً گدھا یا گھوڑا وغیرہ ریت پر نہیں چل سکتا کیونکہ ان کے پاؤں ریت میں دھنس جاتے ہیں بلکہ انسان بھی ریت پر چلتے وقت دقت محسوس کرتا ہے۔'' (ایضاً ص ص ۴۹، ۴۸)

وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّلٰکِنْ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْمَا آتَاکُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرَاتِ (المائدۃ)

''اور اگر اللہ چاہتا تو تم (سب) کو ایک ہی اُمّت بنا دیتا لیکن (اُس نے ایسا نہیں کیا) تاکہ تمہیں اُس میں آزماتا رہے جو وہ تمہیں دیتا رہا ہے تو تم نیکیوں کی طرف لپکو۔'' (۴۸ : ۵)

سورۃ الزُّخرُف: ۴۳ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا :

وَلَوْلَآ اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّکْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِھِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّۃٍ وَّمَعَارِجَ عَلَیْھَا یَظْھَرُوْنَ ۝ وَلِبُیُوْتِھِمْ اَبْوَابًا وَّ سُرُرًا عَلَیْھَا یَتَّکِئُوْنَ ۝ وَ زُخْرُفًا وَ اِنْ کُلُّ ذٰلِکَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ عِنْدَ رَبِّکَ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝ (اَلزُّخرُف:۴۳)

''اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی طریقہ کے ہو جائیں گے تو جو لوگ (خدائے) رحمٰن سے کفر کرتے ہیں' اُن کے گھروں کی چھتیں اور زینے ہم چاندی کے کر دیتے جن پر وہ چڑھا کرتے' اور اُن کے مکانوں کے دروازے (تک بھی) اور وہ تخت بھی جس پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور سونے کی بھی (یہ چیزیں) کر دیتے' لیکن یہ سب سامان صرف دنیاوی زندگی کی چندروزہ کامرانی ہے اور آخرت تو آپ کے پالنہار کے ہاں خدا ترسوں ہی کے لئے ہے۔'' (۴۳ : ۴۳)

یعنی دنیا اور اُس کا سارا ساز و سامان اللہ تعالیٰ کے ہاں اِس قدر حقیر اور بے وقعت ہے کہ اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سارے لوگ گمراہ ہو جائیں گے تو ہم کفار کو اِتنی دولت دیتے' اُن کے ہاں سونے چاندی کی اِتنی بہتات ہوتی کہ اُن کے بنگلوں کی چھتیں چاندی کی بنی ہوتیں' اُن کے زینے' اُن کے مکانوں کے دروازے اور پلنگ بھی چاندی کے بنے ہوتے اور زیب و آرائش کا یہ عالم ہوتا کہ اُن کی چمک دمک اور حُسن و جمال کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو جاتیں۔ یہ ناپسندیدہ چیز ہم صرف ناپسندیدہ لوگوں کو ہی دیتے لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا کہ کفار کی سج دھج دیکھ کر کم فہم لوگ کہیں یہ نہ سمجھنے لگیں کہ مقبولیت کفر کو حاصل ہے اور سب کفر کی راہ پر گامزن نہ ہو جائیں۔ تو آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ (۱) مال و جاہ کی بہتات دین و دنیا میں نقصان و حرمان ہی کا باعث ہوتی ہے (تفسیر کبیر)۔ (۲) اُن ''ریفارمرز'' کی روِش پر بھی روشنی پڑتی ہے جو اپنی تحریروں اور تقریروں میں یورپ اور امریکہ کے مال و زر کا ذکر للچائے ہوئے انداز میں کرتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کو اس طرح ترغیب دیتے رہتے ہیں کہ جیسے یہ زرداری ہی ترقی کی معراج ہے۔

آخر میں فرمایا کہ دنیا پوری کی پوری ہاتھ آ جانے کے بعد بھی بہر حال فانی ہی فانی ہے اور سرتاسر نا قابلِ قدر و نا قابلِ طلب۔ قابلِ قدر اور قابلِ طلب تو صرف آخرت ہے اور وہ تقویٰ یعنی ایمان و طاعت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ علمائے حق نے کہا کہ آیت سے چار مضمون پیدا ہوتے ہیں: (۱) مؤمنین کے حق میں رعایت کہ کہیں یہ پھسل نہ جائیں اور دولت کو رضائے الٰہی سمجھنے لگیں۔ (۲) آخرت کی تخصیص مؤمنین متقین کے ساتھ۔ (۳) دنیا کی تحقیر اور اُس کی اصلاً تخصیص کافروں کے ساتھ۔ (۴) چاندی اور سونے کی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ کہ جو چیز کافروں کے لائق ہے' مؤمن کے پسند کی نہ ہونی چاہئے۔

مسلم اُمّہ بہ حیثیت ایک معاہد قوم: اُمّتِ مسلمہ اپنے یہودی اور عیسائی پیشروؤں کی طرح ایک معاہد معاشرہ ہے ۔قبل از اسلام عرب معاشرہ میں معاہدوں' قراردادوں اور سمجھوتوں کو بڑی اہمیت حاصل تھی ۔ایسے معاہدوں اور سمجھوتوں کے لئے ایک کلیدی لفظ ''وفا'' کا تھا (بمعنی پورا کرنا اور وفادار ہونا) جس کی جھلک مندرجہ ذیل قرآنی آیت میں صاف دکھائی دیتی ہے اور جو بعض اہلِ کتاب کو جاہل مشرکین کے ساتھ طے شدہ معاہدہ کی عدمِ تکمیل پر ملامت کرتی ہے :۔

بَلٰی مَنْ أَوْفٰی بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ٥ (آلِ عمران : ٧٦)

'' کیوں نہیں جو شخص بھی اپنے عہد کو پورا کرے اور اللہ سے ڈرے تو بے شک اللہ (ایسے ہی) ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ۔'' (٧٦ : ٣)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ آیت سے وفائے عہد کی بڑی تعظیم نکل رہی ہے اس لئے کہ تمام طاعات کا خلاصہ صرف دو ہی چیزیں ہیں : احکامِ الٰہی کی تعظیم اور خلق اللہ پر شفقت ۔اور وفائے عہد ان دونوں قسموں کی طاعتوں کا مجموعہ ہے ۔

اُمّتِ مسلمہ اللہ تعالیٰ کو قسموں اور معاہدوں کا ضامن بناتی ہے ۔اللہ تعالیٰ کو معاہدوں پر گواہ بنانے کے عقیدہ نے اسلامی نظامِ عدل کے استحکام پر خاصا اثر ڈالا ہے اور اس کا احترام ترقی پذیر اُمّت کے ہر دَور میں کیا جائے گا ۔اس عقیدے کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے تمام اعمال کو براہِ راست دیکھ رہا ہے اور وہ ہمارے اعمال کا محاسبہ بغیر کسی رُو رعایت کے عدل و انصاف کے ساتھ کرے گا ۔سورۃ النحل میں ارشاد ہوا :۔

وَأَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ٥ (أَلنَّحل : ٩١)

''اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب تم عہد کر چکے ہو اور قسموں کو اُن کے استحکام کے بعد مت توڑو درآنحالیکہ تم اللہ کو اپنے آپ پر گواہ بنا چکے ہو' بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ۔'' (٩١ : ١٦)

اسلام نے اس اصول کا اطلاق سماجی رشتوں اور بندوں اور اللہ کے درمیان مذہبی رشتوں پر کیا ۔نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی مدینہ منوّرہ کو ہجرت کے موقع پر اُمّتِ مسلمہ کے قیام نے قبائلی نظام کو خیرباد کہہ کر اُس کی جگہ ایک اعلیٰ سماجی نظام کی بنیاد ڈالی جو خونی رشتے سے بڑھ کر دینی رشتے میں جُڑی ہوئی تھی ۔

قرآن مجید ایک ''میثاق'' (معاہدہ) پیش کرتا ہے جو پہلے تو اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیغمبروں ـ ـ ـ ـ ـ ـ نوح' ابراہیم' موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے درمیان ہے اور پھر اِنہی پیغمبروں کی وساطت سے یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے مابین ہے (بحوالہ سورہ آلِ عمران :٨١ ؛ سورۃ الاحزاب :٧) ۔

لفظ ''اُمّــــت'' کے برعکس ''حِــزب'' کے لفظ کا اِطلاق صرف مسلمانوں ہی پر نہیں ہوتا۔ اِس لفظ کو جب اللہ کے نام کے ساتھ جوڑا جائے جیسے سورۃ الـمُجادلۃ کی آیت ۲۲ میں حِزبُ اللّٰہ' تو اِس کا ایک باقوت خطیبانہ اور بلیغانہ اثر ہوتا ہے۔ حِـــزبُ اللّٰہ (الٰہی جماعت) تمام دوسری جماعتوں پر فتح یاب ہے اور فرقہ واریت اور جماعتی تقسیم کے خلاف اور اُس کے برعکس ہے۔ قرآن مجید عقیدے اور عمل میں اتحاد اور سماجی موافقت کا علمبردار ہے۔ قرآن مجید سورۃ الشُّوریٰ میں تفرقہ بازی کی تاکیداً ممانعت کرتا ہے:۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (الشُّوریٰ :۱۳)

''اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا جس کا اُس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جسے ہم نے آپ کے پاس وحی کیا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم' موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو حکم دیا تھا کہ اِس دین کو قائم رکھنا اور اِس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔'' (۴۲ : ۱۳)

''آیت میں ایک بڑے مسئلہ وحدتِ دین کا بیان ہے۔ دین اصلاً شروع سے بالکل ایک رہا ہے۔ تفصیلاتِ شریعت (یعنی احکام واعمال) ہر دَور کی مناسبت سے بدلتی رہی ہیں لیکن نفسِ دین (یعنی بنیادی عقیدہ) شروع ہی سے دینِ توحید رہا ہے اور اِسی کا ایک لازمی جزء مسئلہِ نبوّت ہے۔ نوح علیہ السلام وہ سب سے پہلے پیغمبر ہیں جن سے باقاعدہ سلسلہِ نبوّت حضرت خاتم النّبیین ﷺ کے وقت تک برابر قائم رہا۔'' (ماجدی حصّہ اردو' ص ۹۶۷)

یہ آیت اور اِس قسم کی دوسری آیات یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف سے قرآن پر کی گئی تنقیدات کو بہتر طور پر سمجھنے میں ہماری مدد کرتی ہیں۔

قرآنی معاہدے کی نمایاں اصطلاح ''میثاق'' ہے (جو وَثَقَ سے ہے جس کا معنی کسی پر اعتماد کرنا ہے)۔ سورۃ النساء کی آیت ۲۱ میں مِیثاق کے لفظ کو میاں بیوی کے بطور شریکِ حیات ہونے کے باہمی معاہدے کے سیاق میں استعمال کیا گیا ہے۔ میثـــــاق کا لفظ (جس کا اطلاق اللہ اور اُس کے پیغمبروں کے مابین اور اللہ اور اُس کے دوسرے بندوں کے درمیان معاہدوں پر ہوتا ہے) بالخصوص مدنی سورتوں میں پچّیس مرتبہ آیا ہے۔

معاہدوں اور سمجھوتوں کے لئے ایک اور قرآنی لفظ ''عَہــــد'' ہے خواہ وہ بنی اسرائیل کے حوالے سے ہو جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۴۰ میں ہے یا مسلمانوں کے حوالے سے ہو جیسا کہ سورۃ المائدۃ کی اوّل آیت اور سورۃ النحل کی آیت ۹۲ میں ہے۔ یہ لفظ زیادہ تر مدنی سورتوں میں پچاس سے زائد مرتبہ آیا ہے۔

چند مثبت قسم کی دینی و سماجی اصطلاحات : اُمّہ' مِلّہ' حنیف/حُنَفاء' اھلُ الکتاب' مُسلمون'

مؤمنون کے الفاظ جنہیں اوپر زیرِ بحث لایا گیا' سب مثبت قسم کی سماجی دینی اصطلاحات تھیں۔ لیکن یہاں چند منفی قسم کی وہ دینی وسماجی اصطلاحات دی جاتی ہیں جنہیں قرآن مجید نے مختلف مقامات پر استعمال کیا ہے اور وہ یہ ہیں:

(۱) مُشرِکُون :بُت پرستوں کی یہ انتہائی منفی قسم کی ملعون جماعت ہے۔ بت پرستی اور خالقِ کائنات کے ساتھ شریک ٹھہرانے کے سنگین جرم اور گناہِ کبیرہ کے ارتکاب کی وجہ سے اُن پر کسی قسم کا رحم یا عفو ودرگزر نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی سزا میں کسی قسم کی نرمی برتی جائے گی (بحوالہ سورۃ النساء:۱۱۶ وسورہ لقمن:۱۳)۔

(۲) مُنافِقُون: اُن کا جرم اور گناہ مشرکین سے بھی زیادہ سنگین ہے کیونکہ وہ چھپے دشمن اور مارِ آستین ہیں۔ قرآنِ مجید میں اس زمرے کا ذکر زیادہ تر مؤمنوں کے ساتھ موازنہ میں پچیس سے زیادہ مرتبہ ہوا ہے۔ مدینہ میں رہنے والے اِن تاریخی منافقین نے حسد اور ضد کے جذبات سے مغلوب ہو کر مسلمانوں کے خلاف مشرکینِ مکّہ کی مدد کی۔ یہ منافقین صرف نام کے مسلمان تھے اور اس لئے اُنہیں مشرکین کے ساتھ ہی جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں ڈالا جائے گا (بحوالہ سورۃ التوبۃ:۶۸)۔ سورۃ النساء کی آیت ۱۴۰ اور سورۃ الاحزاب کی آیت ۷۳ میں منافقین اور بت پرستوں کے مرد اور عورتوں کے جوڑوں کو عذابِ جہنم کی سزا سنائی گئی ہے۔

(۳) کافِرُون : یہ ایک اور منفی قسم کی جماعت ہے جو کفر پر قائم ہے۔ کفر کا ترجمہ عدمِ ایمان' عدمِ تشکّر یا کتمانِ حق (حق کا چھپانا) * کیا جاتا ہے۔ اس کا مصدر ک۔ف۔ر تین مرتبہ اُسی طرح آیا ہے جیسا کہ مصدر س۔ل۔م اسلام اور مسلمانوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ عدمِ ایمان یا اللہ کا شکر ادا نہ کرنا ہمیشہ اِس قدر سنگین نہیں سمجھے جاتے جتنا کہ شرک کو سمجھا جاتا ہے' تاہم اُن کے سنگین جرم ہونے سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بعض اوقات شرک اور بت پرستی کو ایک دوسرے کا بدل سمجھا جاتا ہے۔ دوسری تمام اُمّتوں سے بڑھ کر نمایاں مقام کی حامل اُمّتِ مسلمہ ہی ہے۔ ایمان نہ لانے والوں کی قرآنی مذمّت اِس قدر پُر زور ہے کہ مسلمانوں نے تاریخ کے ہر دَور میں غیر مسلموں کو کافرون کا لیبل ہی لگایا ہے (بحوالہ سورۃ الکافرون ۱۰۹)

(۴) مُکذِّبون (جُھٹلانے والے): اِس لفظ کا مصدر ک۔ذ۔ب ہے بمعنی جھوٹ اور دروغ گوئی۔ اس لفظ سے مشتق مُکذِّبون کا معنی ہوگا جھٹلانے والے۔ سورۃ المُرسلات کی درجِ ذیل آیت جو دس بار آئی ہے' اِن جھٹلانے والوں کی مذمّت میں آئی ہے۔ فرمایا:

وَیلٌ "یَّومَئِذٍ لِّلمُکَذِّبِینَ (اُس روز جُھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے)۔

*کَفَرَ کا لغوی معنی "چھپانے" کا ہے اور اس لحاظ سے کسان کو بھی لغتاً "کافر" کہا جاتا ہے کہ وہ بیج اور دانے کو زمین میں چھپاتا ہے۔ کافر کی جمع کُفّار ہے۔ سورۃ الحدید کی آیت ۲۰ میں بھی یہ لفظ کسان کے معنی میں آیا ہے کہ فرمایا: اَعجَبَ الکُفَّارَ نَبَاتُہٗ' یعنی اُس کی پیداوار کاشتکاروں اور کسانوں کو اچھی لگتی ہے۔

(۵) ضَـالُّون: جو لوگ گم کردہ راہ ہیں اور اِدھر اُدھر بھٹکتے پھرتے ہیں' قرآن نے اُنہیں ضـالُّون کہا ہے۔ یہ لفظ اتفاقی خطا' یا غلطی کے لئے نہیں بلکہ ایسی گمراہی کے لئے استعمال ہوتا ہے جو دانستہ اور عمداً (یعنی جان بوجھ کر) اختیار کی گئی ہو۔ مثلاً سورہ آلِ عمران کی یہ آیت نمبر ۹۰ ملاحظہ ہو :۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ٥

''بے شک جن لوگوں نے بعد اپنے ایمان (لانے) کے کفر اختیار کیا پھر وہ کفر میں پڑے رہے' اُن کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی اور یہی لوگ تو گم کردہ راہ ہیں۔'' (۹۰ : ۳)

یعنی انتہا درجہ کے گمراہِ کامل (اَلضَّآلُّوْنَ عَلٰى سَبِيْلِ الْكَمَالِ)۔ ورنہ گمراہ تو سبھی کافر ہوتے ہیں (تفسیر کبیر)۔ سورۃ الفاتحہ کی آخری آیت ۷ کے لفظ اَلضَّآلِّيْن میں بھی اِسی گمراہ طبقے کی طرف اشارہ ہے۔

(۶) مُتَکَبِّرُوْن : تکبر کرنے والوں' مغرور لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے (سورۃ النحل :۲۹ ؛ سورۃ الزُّمَر :۶۰' ۷۲)۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ چونکہ از روئے سورۃ البقرۃ کی آیت ۳۴' تکبر اور غرور شیطانِ ملعون کا خاصہ ہے اِس لئے وہ لوگ جو اپنی اصلیت چھپا کر خواہ مخواہ کے مغرور بنتے ہیں' شیطان کی پیروی کرتے ہیں*۔ وہ اُس کے تلامذہ (شاگرد) اور تربیت یافتہ ہیں اور یومِ آخرت میں اُن کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے گا جیسا کہ اُن کے لیڈر شیطان کے ساتھ ہوگا۔

شادی اور عائلی زندگی : شادی اور میاں بیوی کی خانگی زندگی کے اندرونی تعلقات کا ذکر قرآن مجید میں بالوضاحت ہوا ہے اور اس سلسلہ میں ذیل کے نکات اہم ہیں :۔

(۱) اسلام مسلمان مَردوں کو کچھ شرائط اور حدود و قیود کے تحت چار تک کی شادیوں کی اجازت دیتا ہے اور اس طرح اسلام میں تعددِ اَزواج (Polygamy) تحفظِ کردار کے دروازے کا ایک پَٹ (Safety Valve) ہے۔

(۲) کامیاب' قابلِ رشک اور پُر مسرت اِزدواجی زندگی کے لئے اسلام نے بے حیائی اور فحاشی پر کچھ پابندیاں عائد کی ہیں۔ شادی سے قبل زِنا (Fornication) اور شادی سے بعد زِنا (Adultery) پر اور حیا سوز لٹریچر شائع کرنے پر سخت سزائیں مقرر کی ہیں (سورۃ النور :۲' ۱۹)۔ اس طرح مسلمان کا گھر اِس دنیا میں جنتِ ارضی کا نمونہ بن جاتا ہے۔

(۳) صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر کسی کو دوسرے کے گھر میں جانے کا حق نہیں۔ (سورۃ النور :۲۷)

(Encyclopaedia of the Qur'an, Vol. 1, pp. 367- 384) Essayist : F. M. Denny.

* مغرور کا غرور توڑنے کا ایک طریقہ رسولِ اکرم ﷺ نے بتایا کہ اُس سے بھی تکبر اختیار کیا جائے کہ اس سے اُس کا غرور ٹوٹے گا۔ اَلتَّکَبُّرُ مَعَ الْمُتَکَبِّرِ صَدَقَةٌ'' یعنی متکبر کے ساتھ تکبر کا رویہ اختیار کرنا نیکی ہے (اور صدقہ و خیرات کا درجہ رکھتا ہے)۔

(۲۷) کمپیوٹر سائنس (COMPUTER SCIENCE)

"کمپیوٹر ایک ایسی مشین ہے جو ریاضی کے عمل' کسی دیئے ہوئے سلسلے میں معلومات کی ترتیب' معلومات جمع کرنے کے عمل اور دیگر مجموعات کی فراہمی کو از خود انجام دیتی ہے۔ کمپیوٹر نے معلومات کو بڑی تیز رفتاری' درستی اور اعتماد کے ساتھ فراہم کرنا ممکن بنا دیا ہے۔ اعداد پر مبنی کمپیوٹر (Digital Computers) نے سائنس' تجارت' حکومت اور صنعت پر گہرا اثر کیا ہے۔ کمپیوٹر کے عمل سے سائنسی اور ریاضیاتی تحقیق میں وسیع پیمانے پر ترقی ہوئی ہے۔ کمپیوٹرائی طریقوں کی بدولت تجارت' حکومت اور انتظامی معاملات میں انقلاب برپا ہو گیا ہے۔ صنعت میں خود کار نظام' روبوٹ نظام اور روزمرہ کے عام نظام کو کمپیوٹر ہی کنٹرول کر رہا ہے۔ تمام شعبہ ہائے حیات میں کمپیوٹر بے بدل مخزنِ معلومات بن گئے ہیں کہ اُن میں بڑی مقدار میں وقیع معلومات جمع اور محفوظ کر لی جاتی ہیں۔" (The Encyclopedia Americana, Vol. VII, p. 472) 1985 USA.

"کمپیوٹر ایک ایسی مشین ہے جو روزمرّہ کے ریاضیاتی عمل کو تیز رفتاری' اعتماد اور آسانی کے ساتھ انجام دیتی ہے۔" (Grolier Encyclopedia of Knowledge, Vol. V, p. 145) 1993 N. Y.

یہ بات خوب ذہن نشین رہے کہ قرآن مجید میں کمپیوٹر سائنس کے متعلق براہ راست اور واضح اشارات نہیں ہیں۔ کتابِ مقدّس سے ماخوذ جو بھی مواد یہاں پیش کیا جا رہا ہے' وہ محض تمثیلی اور ضمنی (Implied) ہے۔ سب تعریف اُس اللہ بزرگ و برتر کے لئے ہے جس نے اشرف المخلوقات۔۔۔ انسان۔۔۔ کو فیاضانہ طور پر وہ دانش اور ذہانت عطا فرمائی جس کے ذریعے وہ سائنسی حقائق کو اِس تابندہ و روشن صحیفۂ آسمانی میں بیان کردہ حقائق کے ساتھ مطابقت دینے کے قابل ہوا ہے۔

قرآن مجید کا بغور مطالعہ اس بات کو واضح طور پر ظاہر کرتا ہے کہ اس وسیع و عریض کائنات کی تمام انتظامی مشینری ایک انتہائی عمدہ منصوبہ بندی پر مبنی اور بڑی مہارت سے منظم شدہ کمپیوٹرائی نظام کے تحت کام کر رہی ہے جسے قادرِ مطلق کا غیر مرئی (نظر نہ آنے والا) ہاتھ کنٹرول کر رہا ہے۔ اس موقف کی تقویت میں متعدد متعلقہ آیات میں سے چند ایک کا حوالہ ذیل میں دیا جا رہا ہے:۔

(1) أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ٥ (اَلرَّعْد : ۲۸)
"خوب سُن رکھو اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔" (۱۳ : ۲۸)

یعنی ذکرِ الٰہی میں خاصیت ہی یہ ہے کہ یہ انسان کے دل کو غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونے کے اُلجھاؤ سے بچاتا ہے اور شرک سے جو انتشار پیدا ہوتا ہے' یقینِ توحید اُس کے لئے سپر بن جاتا ہے۔ اس اطمینان کے بھی مختلف درجے اور مرتبے ہوتے ہیں اور جس درجے کا ذکرِ الٰہی ہوتا ہے' اُسی نسبت سے اطمینانِ قلب بھی حاصل ہوتا ہے۔

''آج انسان ملحدانہ اور مادیت گزیدہ فلسفوں کے اثر کے تحت مشینی زندگی کے پہیے کی زد میں آ گیا ہے اور بہت سے لوگ اپنا ذہنی سکون کھو بیٹھے ہیں جس کے نتیجہ میں ذہنی انتشار و اضطراب اور بے سکونی معاشرے میں عام ہے۔ معدے کے ناسور (Ulcer)، دل اور شریانوں کے اَمراض اور نظامِ انہضام (ہاضمہ) کی مختلف پراگندگیاں اور بے نظمیاں اُس نقصان کا تحفہ ہیں جو تفکرات اور پریشانیاں ہمارے دُرّ اِفرازی نظام (Endocrine System)* پر مسلط کرتی ہیں۔ اس لئے ہم میں سے اکثر لوگ ذہنی تناؤ کے باعث ایسی بیماریوں کے شکار ہیں جن کا پہلے کبھی نام بھی نہیں سُنا گیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ انسان کے حیات آفریں نظام اُلٹی سمت (Reverse gear) میں چلنا شروع ہو گئے ہیں۔ اُس رحیم و کریم خالق نے ہمارے دُرّافرازی نظام کو اِس طریق سے منظم کیا ہے کہ اگر ہم اطاعت و فرمانبرداری اور اُس سے محبت کے ساتھ زندگی گزاریں تو وہ نظام یقیناً صحتمندانہ طور پر کام کرے گا' خون کی نالیاں پھیلی رہیں گی' جسمانی اعضاء اور اعصاب کے ریشوں (Tissues) کو خون کی مناسب اور مطلوبہ فراہمی ہوتی رہے گی' مامونیت کا نظام (Immune System) زیادہ سے زیادہ حُسنِ کارکردگی سے کام کرے گا اور اعصابی نظام پُرسکون اور خوش کُن جمالیاتی نظم و تناسب کے ساتھ مائل بہ عمل رہے گا۔''

(2) وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰھَا وَاَلْقَیْنَا فِیْھَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْھَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ ٥ (اَلْحِجر: ١٩)

"اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور اُس میں بھاری پہاڑ ڈال دیئے اور اُس میں ہر قسم کی چیز ایک معیّن مقدار سے اُگائی۔'' (١٩ : ١٥)

''زمین کے پھیلانے اور اُسے ایک مخصوص نظام میں منظم کرنے کا تعلق چوبیس گھنٹوں میں اُس کی محوری گردش سے ہے۔ اگر زمین ہر تیس گھنٹوں میں ایک چکر مکمل کر لیتی تو ایسی تند و تیز آندھیاں اور جھکڑ چلتے کہ زمین زندہ چیزوں کے لئے آندھی زدہ صحرا بن جاتی۔ اس کے برعکس اگر زمین بیس گھنٹوں میں ایک چکر مکمل کرتی تو بہت سے پودے اور درخت خزاں رسیدہ ہو جاتے اور اپنی حیاتیاتی کارکردگی مکمل نہ کر پاتے۔ اِن حقائق اور زمین کا اپنے محور کے گرد مناسب جھکاؤ (ساڑھے ۲۳ درجے) کے مدِّنظر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ سارا لاجواب نظام اتفاقی ہوتا تو مطلوبہ نتیجہ حاصل کرنے میں کیا اربوں کھربوں سال نہ لگ گئے ہوتے؟''

''اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ کون سے خوش ترتیب پیمانے ہیں جن کے تحت زمین متوازن اور متناسب چیزیں اُگاتی ہے۔''

''سائنسی تحقیق زندگی کے تسلسل کو پودوں' جانوروں اور بیکٹیریا کے مابین متوازن جوابی عمل کے ساتھ جوڑتی ہے۔ بیکٹیریا نائٹروجن کو جانوروں سے لے کر پودوں کی طرف منتقل کرنے کا کام کرتے ہیں۔ پودے آکسیجن

* بے نالی غدودوں کا ہارمون خارج کرنا جو خون کے بہاؤ میں شامل ہو جاتا ہے (Dictionary of Biology)

خارج کرتے ہیں جو جانوروں اور دوسری نامی (نشوونما پانے والی) اشیاء کی ضرورت ہے جبکہ جانور پودوں کو کاربن ڈائی آکسائڈ اور نائٹروجن فراہم کرتے ہیں (نائٹروجن بذریعہ بیکٹیریا)۔''

''جہاں تک زندگی کے تانے بانے (سلسلہ) کا تعلق ہے تو یہ توازن شدہ سلسلہ باہمی عمل میں مضمر ہے جو پودوں اور بیکٹیریا کے مابین ہے۔ بیکٹیریا حیوانوں سے نائٹروجن کو پودوں کی طرف منتقل کرتے ہیں۔ پودے آکسیجن پیدا کرتے ہیں جن کی جانداروں کو ضرورت ہوتی ہے اور دوسرے عضویہ اور حیوانات یعنی دونوں کاربن ڈائی آکسائڈ مہیا کرتے ہیں۔ پھر بیکٹیریا کے ذریعے نائٹروجن پیدا ہوتی ہے جو پودوں کو مہیا ہوتی ہے اور اس طرح زندگی کا یہ زنجیری عمل جاری وساری رہتا ہے اور یہ لازمی ہے کہ ہوا میں آکسیجن کا تناسب ہر حال میں بیس فیصد کے قریب رہے۔ دنیا کا تمام دھواں اور اخراج (Exhalations) پودوں کے ذریعے آکسیجن میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے تو کوئی کمپیوٹر چاہئے جو دنیا میں پودوں کی تعداد اور آکسیجن کے تناسب کا حساب رکھے کہ یہ بیس فیصد رہے۔ ایسا کمپیوٹر تو الٰہی کمپیوٹر ہی ہو سکتا ہے جو بتائے کہ کارخانوں کی چمنیوں سے نکلنے والے دھوئیں کے لئے (بین الاقوامی معیار کی رُو سے کسی بھی ملک کے پچیس فیصد رقبے پر درخت ہونے چاہئیں' جبکہ پاکستان میں پانچ فیصد رقبے پر درخت ہیں) [''قرآن کے جدید سائنسی انکشافات''۔۔۔ڈاکٹر فضل کریم' ص ۸۴''] درختوں کی تعداد کتنی ہونی چاہئے اور انسان کتنی آکسیجن صرف کریں گے؟ تا کہ اگر ہوا میں آکسیجن کا تناسب کم ہو جائے تو ہوا میں آکسیجن کی ضروری مقدار شامل کر دی جائے۔ یہ حساب کتاب تو ایک خدائی معجزہ سے کم نہیں ہے اور قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ زمین پر جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں' اُن میں ایک توازن ہے اور اس کا علم ہم تک چودہ صدیوں کی خلیج پار کر کے آج پہنچا ہے اور پھر اُس وقت میں جب کہ ان حقائق کا انسان کو قطعاً علم نہیں تھا۔'' ("The Holy Koran and the Facts of Science" ... Dr. Haluk Nurbaki, pp. 287-288)

سورۃ الحجر کی مذکورہ بالا آیت ۱۹ میں فرمایا: ''اور ہم نے اس میں ہر چیز اندازے سے اُگائی۔'' کیا چیز اُگائی؟ وہ ہے سبزہ' پودے اور درخت۔ چونکہ لفظ ''اُگائی'' کا انہی چیزوں پر اطلاق ہوتا ہے اور پودے زمین پر ہم آہنگ' خوشگوار توازن پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اور درختوں کو یہ کام سونپا گیا ہے کہ وہ چمنی سے نکلنے والے دھوئیں کی صفائی کریں یعنی آکسیجن پیدا کریں۔ ڈاکٹر ہلوک نورباقی ہمیں کچھ مزید حیران کن حقائق مہیا کرتے ہیں:۔

(۱) ''تقریباً ہر بیماری کے علاج کے لئے خالقِ عظیم نے ایک پودا یا خردحیویہ (Microbe) کو بطور علاج پیدا کر رکھا ہے۔ طبِّ یونانی صدیوں سے اس کی پریکٹس کر رہی ہے اور اُنہیں علاج معالجے کے لئے استعمال کر رہی ہے' تو پھر کیسے ایک لاعلم شخص جس کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے' الٰہی نظام کو محض ایک اتفاق (Coincidence) کہہ سکتا ہے؟ زمین کی تخلیق کرنا' صدیوں سے انسان کو اُس پر بسانا اور پھر نباتاتی اور بیکٹیریا (جراثیمی) علاج پیدا کر دینا کیا اتفاق ہے؟''

(۲) ''دنیا میں دل کے مریضوں کے علاج کے لئے انگشت نما پودے (Foxglove plants) بکثرت موجود ہیں اور جن سے امراضِ دل کے لئے (Digitalis) نامی دوا بنتی ہے۔ تمام المناک بیماریوں میں مبتلا مریضوں کو آرام پہنچانے کے لئے حشیش پودے بھی بکثرت ہیں لیکن اس پودے سے تیار شدہ دوا بے التفات اور سنگدل خودغرضی کے دباؤ کے تحت کالے دھندے (Blackmarketing) کا شکار ہو چکی ہے۔''

(۳) ''تقریباً ایک صدی پہلے تک ایندھن کی لکڑی انسانوں کی حرارت اور توانائی کی ضروریات کو پورا کرتی تھی۔ کوئلہ اور تیل دریافت ہونے کے وقت تک جنگلات ہی اُس انسانی ضرورت کو پورا کرتے تھے۔ اگر کوئلہ اور تیل دریافت نہ ہوتے تو یہ پودے اور درخت زمین پر اپنی نوعیت کے آخری پودے اور درخت ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کے کمپیوٹر نے انسان کو پہلے کوئلہ مہیا کیا اور بعد میں تیل جو اُس نے لاکھوں سال پہلے تیار کر رکھا تھا اور ایسے توازن سے کہ یہ تمام بنی نوعِ انسان کے لئے کافی ہے۔''

(۴) ''ہمیں زمین کے مرکزے میں دھاتوں کے تناسب کا علم نہیں اور نہ ہی اُس سیال غلاف کا علم ہے جو اُسے گھیرے ہوئے ہے۔ لیکن جس قشرِ ارض (زمین کا بالائی حصّہ) پر ہم انسان رہتے ہیں، اُس میں عناصر کو اس تناسب سے تقسیم کیا گیا ہے اور وہ اس طرح بکھرے ہوئے ہیں جیسے کسی سائنسی کمیٹی نے اُن کی ایک فہرست بنا رکھی ہو۔ یوں لگتا ہے کہ ان چیزوں کے لئے انسان کے آرڈر کسی طاقتور کارخانے سے پورے ہو رہے ہیں۔ قشرِ ارض پر ہر عنصر اُس صحیح تناسب کے ساتھ موجود ہے جس کی اللہ کی طرف سے مقرر کردہ انسانی آبادی کو ضرورت ہے۔''

(۵) ''سلیکان ایک بنیادی عنصر ہے جو ہماری رہائشی تعمیرات میں استعمال ہونے والی مٹی، اینٹوں، روڑی، پتھر وغیرہ کا لازمی حصّہ ہے۔ اگر سلیکان نہ ہوتا تو آج ہم گھروں اور شہروں سے محروم ہو جاتے۔ سلیکان کا تناسب اُسی لحاظ سے ہے جس لحاظ سے ہماری دنیا میں اس کا استعمال ہے۔ لوہے کی مقدار، قشرِ ارض میں سلیکان کے مقابلے میں ۴ء۲۰ فی صد ہے اور یہ حقیقت ہے کہ سلیکان کے بعد لوہے کا ہماری زندگی میں بے تحاشا استعمال ہے۔ اگر لوہا نہ ہوتا تو ہمارے کارخانے جن کی تقریباً ۱۰۰ فیصد مشینری لوہے کی بنی ہوتی ہے، غائب ہوتی اور اللہ تبارکِ وتعالیٰ نے اس دھات کے فوائد کے بارے میں خود سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ میں فرمایا ہے:

وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحدید : ۲۵)

''اور ہم نے لوہے کو (بھی) پیدا کیا کہ اس کے اندر شدید ہیبت ہے اور لوگوں کے لئے (اور بھی) فائدے ہیں۔'' (۲۵ : ۵۷)

(۶) ''کل تک ہمیں معلوم نہ تھا کہ پانی کس قدر عظیم نعمت ہے۔ آج ہمیں معلوم ہوا ہے کہ پانی میں موجود کیلشیم بائی کاربونیٹ نظامِ ہضم میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ نمک زمین میں ایسی نسبت سے موجود ہے گویا ایک حیاتیاتی تجربہ گاہ قائم کر دی گئی ہے۔''

(۷) ''کبھی آپ نے غور کیا ہے کہ سمندر کا پانی ہر لحہ بخارات میں تبدیل ہوتا رہتا ہے اور پھر ندی نالوں اور دریاؤں کے ذریعے واپس سمندر میں آجاتا ہے اور یہ عمل لاکھوں سالوں سے جاری ہے۔ اس منتقلی میں زمین سے نئی اشیاء سمندر میں شامل ہو جاتی ہیں مگر اس کے باوجود سمندر کی ترتیب (Composition) میں کوئی فرق نہیں آیا۔ الٰہی کمپیوٹر کے اس عظیم الشان معجزے کو دیکھئے کہ زمین پر لاکھوں واقعات رُونما ہوئے ہیں پھر بھی زمین کی پیداوار میں وہ ہم آہنگی اور توازن کبھی تبدیل نہیں ہوتے جو اللہ بزرگ و برتر نے قائم کر رکھے ہیں۔''

(۸) ''سیارہ زمین کے بڑے عجائبات میں سے ایک انتہائی حیران کن عجوبہ وہ تابکار دھاتیں ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو زمین پر بھیجنے سے پہلے پیدا کر رکھی تھیں۔ یہ قشرِ ارض میں کامل تناسب میں موجود ہیں یعنی اُن میں ایک توازن ہے۔ زمین میں جو یورینیم ملتا ہے وہ یورینیم ۔238 کہلاتا ہے اور اس سے اس کا ہم زاد (Isotope) یورینیم ۔235 ہے۔ جب یہ یورینیم 238 میں یا معدن (Mineral) میں موجود ہوتا ہے تو بالکل بے ضرر ہوتا ہے لیکن جب اسے یورینیم ۔238 سے الگ کر لیا جاتا ہے یا خالص کر لیا جاتا ہے تو یہی دھات خطرناک ہو جاتی ہے جس سے ایٹمی توانائی یا نیوکلیر توانائی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر یورینیم ۔235 ہی موجود نہ ہوتا (اگرچہ اس کی مقدار یورینیم ۔238 میں 0.7 فیصد ہے) تو ہمارے لئے اٹامک انرجی (ایٹمی توانائی) کا حصول ناممکن ہوتا۔ اگر یہ زمین میں اس خالص حالت میں ہوتا تو اس (زمین) کا درجہ حرارت بہت زیادہ ہو جانے سے کسی بھٹی کا احساس ہوتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام بنا دیا ہے کہ یہ اُسی صورت میں ایٹمی توانائی ہے جب اُسے معادن سے الگ کر لیا جاتا ہے اور قدرتی حالت میں یا قدرتی قالب (Matrix) یعنی یورینیم ۔238 میں بالکل بے ضرر ہے۔ زمین پر توازن کی یہ ایک عمدہ مثال ہے۔''

(۹) ''کاربن ۔14 حیاتیاتی سرگرمی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اگر فضا میں کاربن ۔14 نہ ہوتا تو بہت سے حیاتیاتی واقعات رُونما نہ ہوتے۔ اس وقت اس کی کل مقدار، تناسب ایک حصہ فی دس لاکھ حصوں میں (1 PPM) ہے۔ اگر اس مقدار سے زیادہ ہوتا تو یہ بہت مہلک اور جانی حادثات کا سبب بنتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے عظیم کمپیوٹر نے اسے توازن میں رکھا ہوا ہے۔''

(۱۰) ''اسی طرح معدنی چشموں میں بھی تابکار (Radioactive) عناصر کی نہایت ہی معتدل مقدار ہوتی ہے اور یہ لاکھوں انسانوں کی صحت کے لئے کارآمد ہوتی ہے۔ چنانچہ زمین کی تابکاری میں ایک عمدہ توازن موجود ہے۔ معدنی چشموں میں زیادہ مقدار تو عام سوڈیم کی ہوتی ہے لیکن اگر سوڈیم ۔24 (جو کہ تابکار میٹریل ہے) معدنی چشموں میں موجود ہوتا تو ایسے پانی میں غسل کرنا ایسے ہوتا جیسے کوئی ہیروشیما میں موجود ہو جب اُس پر بم گرایا گیا تھا۔ چنانچہ سوڈیم کے دوسرے ہم زاد (Isotopes) موجود ہوتے ہیں جو زیادہ مقدار میں ہیں اور توازن قائم رکھتے ہیں۔''

(۳) ''عالم کواکب سے خدا کی عظمت و قدرت پر استدلال : لاتعداد کواکب میں سے بعض کا نور سرخ، بعض کا زرد اور بعض کا کسی اور رنگ کا ہے۔ اُن میں سے بعض کا نور اصلی ہے جیسا کہ آفتاب اور ثوابت کا اور بعض دوسروں سے نور حاصل کرتے ہیں جیسے چاند اور باقی سیارے۔ اُن میں سے بعض ایسے ہیں جن میں ذرا بھی حرارت نہیں پائی جاتی اور بعض میں بکثرت حرارت موجود ہے۔ آفتاب میں اتنی حرارت ہے کہ اگر وہ جمع کی جائے تو گیارہ میل موٹائی کی برف کو پگھلانے کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔ آفتاب کی جو حرارت زمین تک پہنچتی ہے وہ اس کی حرارت کے دو اَرب اڑتیس کروڑ دس لاکھ حصّوں میں سے ایک حصّہ ہے۔ کواکب میں سے بعض ثوابت ہیں جو شموس (آفتاب) کہلاتے ہیں۔ اُن کی روشنی ہمارے آفتاب ہی کی طرح ذاتی ہوتی ہے جس سے وہ تمام عالم جو اُن سے متعلق ہے، روشن ہوتا ہے۔ وہ اپنی جگہ پر ٹھہرے ہوئے نہیں بلکہ وہ بھی حرکت کرتے ہیں۔ لیکن بات صرف یہ ہے کہ وہ ہم سے چونکہ بہت ہی فاصلے پر واقع ہیں اس لئے ہمیں اُن کی حرکت کا پتہ صرف اُس وقت لگ سکتا ہے جب صدیوں کی صدیاں گزر جائیں۔ ان کواکب میں سے بعض آفتاب سے دُور ہیں اور دن بدن اُن کی دُوری بڑھتی جاتی ہے اور بعض اس سے قریب واقع ہیں اور اس سے نزدیک ہوتے جاتے ہیں۔ بعض کی حالت بدلتی رہتی ہے، کبھی تو اُن کی روشنی بڑھ جاتی ہے اور کبھی گھٹ جاتی ہے۔ اُن میں سے بعض مخصوص زمانہ میں ظاہر ہوتے ہیں اگرچہ کبھی وہ زمانہ طویل بھی ہوتا ہے اور پھر چھپ جاتے ہیں اور اس کے بعد ہرگز نہیں نکلتے۔ بعض اُن میں سے ایسے ہیں جن کا نور ہم تک برسوں کے بعد حتیٰ کہ سینکڑوں برس کے گزر جانے پر پہنچ سکتا ہے حالانکہ ہمارے آفتاب کا نور ہم تک آٹھ منٹ اور چند سیکنڈ کے عرصے میں پہنچ جاتا ہے باوجودیکہ یہ آفتاب ہم سے نو کروڑ میل سے کچھ زیادہ ہی دُور ہوگا۔ اُن میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں آباد اور بعض کو بے آباد سمجھا جاتا ہے۔ اُن میں سے بعض جنوبی ہیں اور بعض شمالی۔ بعض کو رات سے خصوصیت ہے اور بعض کو دن سے۔ بعض کا روشن رُخ کبھی وسیع ہو جاتا ہے اور کبھی تنگ اور بعض میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ بعض دوسروں کے گہن کا باعث ہوتے ہیں اور بعض میں دوسروں کی وجہ سے گہن لگتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس بعض کی کچھ حالت ہے اور بعض کی کچھ اور وہ سب خلاء میں عام کشش کے قدرتی قانون کے باعث قائم ہیں جو اُن کے پیدا کرنے والے نے اُن میں جاری کر رکھا ہے اور وہ نہایت ہی انضباط اور استحکام کے ساتھ اپنے برجوں اور منزلوں میں طرح طرح کی گردشوں اور حرکتوں کے ساتھ چل رہے ہیں جن سے اوقات منضبط رہتے ہیں۔ برسوں، مہینوں، دنوں اور گھنٹوں کا پتہ لگتا رہتا ہے، مختلف فصلیں متمیز ہو جاتی ہیں اور پھر اُن میں وہ ترتیب موجود ہے جس سے عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اُن سب کا مرجع کسی ذی قدرت فاعل کی طرف سے معلوم ہوتا ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود اُن میں نباتات، حیوانات، معدنیات کے منافع بھی موجود ہیں جن کی پرورش اُن کے انوار کی حرارت سے ہوتی ہے اور بہ قدرِ ضرورت ہر ایک کی غذا مہیا کی جاتی ہے۔ لائق صد ستائش و حمد ہے وہ ذات جس نے کمال صناعی سے یہ تمام نظام قائم کیا اور اس میں کسی خامی اور نقص کو باقی نہیں رکھا۔'' (''سائنس اور اسلام'' (اردو ترجمہ)۔ علامہ حسین آفندی، ملخص ص ص ۲۶۶ تا ۲۶۸)

(۴) ''عالم کائنات جو سے خدا کی عظمت و جبروت پر استدلال : چونکہ انسان کو بہ نسبت دیگر اشیاء

خاصل کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان کمپیوٹر نے دنیا پر بسنے والے انسانوں اور جانداروں کی تعداد اور ان کی خوراک میں بھی ایک توازن قائم کر رکھا ہے۔ یا یوں کہئے کہ اس کمپیوٹر کے ذریعے ضرورت اور کھپت کے درمیان ایک توازن پیدا کر دیا گیا ہے جو علمِ معاشیات کا ایک اہم موضوع ہے۔

ہمیں سورۃ الحجر کی مذکورہ پُر جلال (breath-taking) آیت ۱۵ کو جس پر ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے' بار بار پڑھنا چاہئے جو ملحدین (اللہ کے انکاری) کے لئے تباہی کے آثار کا اعلان کرتے ہوئے دکھائی دیتی ہے اور اُس کی حیران کن حقیقت پر غور کرنا چاہئے۔'' (ایضاً : صفحات ۲۸۹ تا ۲۹۲)

(3) وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (الانبیاء : ۳۰)

''اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا ہے۔'' (۳۰ : ۲۱)

''اگر یہاں پانی سے مراد بارش ہے تو بارش کے پانی سے ہر جاندار کا مستفید ہونا ظاہر ہے (تفسیر کشاف) اور اگر اس سے مراد نطفہ حیوانی لیا جائے تو اس سے بھی ہر جاندار کا وجود میں آنا ظاہر ہے (روح البیان)۔ جدید ماہرینِ علم الحیات (Biologists) کی تحقیق ہے کہ ہر جاندار کی ترکیب میں اصلی عنصر پروٹو پلازم (نخرمایہ) کا ہوتا ہے۔ اگر اسی کو مانا جائے تو اس جوہر میں بھی حصہ غالب پانی ہی کا ہوتا ہے۔ لفظِ کُـــل محاورہ میں تقریباً کُل یا بہت بڑی اکثریت کے ہم معنی مستعمل ہے۔ اس لئے اگر کسی جاندار کی پیدائش کا استثناء اس قاعدے سے ثابت ہو جائے تو یہ قانون کی عمومیت کے منافی نہیں۔'' [تفسیر ماجدی (اردو) صفحہ ۶۶۲]

قرآن مجید کے نزول کے وقت زندگی کا تصوّر صرف جانداروں اور کچھ لوگوں کے نزدیک پودوں اور سبزیات تک محدود تھا جبکہ اس کے برعکس سورۃ الانبیاء کی مذکورہ آیت (۳۰) جانداروں اور پودوں کے علاوہ صاف طور پر کچھ اور مخلوقات میں بھی زندگی کا تصوّر دیتی ہے۔ ''تمام جاندار اشیاء'' کی تعریف اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ ''چیز'' کے تصوّر سے قوّتِ حیات (Vitality) بہت سی اور مختلف موجودات کو محیط ہے۔ قرآن مجید کے اسی ایک لفظ شَـــیْ کے وسعتِ معنی پر اگر غور کیا جائے تو وائرس اور DNA میں بھی قوّتِ حیات کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اس طرح قرآن مجید نے آج سے چودہ صدی قبل اُس جاہلی ماحول میں ایک ایسی سائنسی حقیقت کو بے نقاب کیا جس کی صداقت کو آج کی انتہائی ترقی یافتہ سائنس بھی تسلیم کر رہی ہے۔

قوّتِ حیات اپنی توانائی پانی سے حاصل کرتی ہے۔ آیت میں خَـلَقْـنَـا (ہم نے پیدا کیا) نہیں فرمایا گیا بلکہ جَعَلْنَا (ہم نے قوت دی) فرمایا گیا ہے۔

اب ہمیں یہ تحقیق کرنا ہے کہ علم الحیات کے تازہ ترین دریافت شدہ اصولوں کی رُو سے پانی قوتِ حیات کے لئے کیوں بنیادی شرط ہے:۔

''زندگی کی بنیادی اکائی (یعنی اس کا نمائندہ) ذرّے کا وہ چھوٹے سے چھوٹا حصہ (Molecule) ہے جسے ڈی این اے کہا جاتا ہے۔قوتِ حیات (Vitality) صرف اِسی مالیکیول میں ہوتی ہے اور قوتِ حیات کا ماخذ اور منبع پانی ہے۔اسی لئے جیسا کہ پہلے بیان ہوا' خَلَقْنَا (ہم نے پیدا کیا) کی بجائے جَعَلْنَا (ہم نے قوت دی) فرمایا گیا ہے۔''

''بھاری پانی پر کیئے گئے تجربات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پانی کا مالیکیول جسم میں سات سے چودہ دن تک رہتا ہے اور پھر خارج ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ نئے تازہ پانی کے آیون (ions) پیدا ہو جاتے ہیں جو نئی قوتِ حیات کا موجب بنتے ہیں۔اسی وجہ سے نامی (نشو ونما پانے والا) وجود پانی کی کمی (Dehydration) کو برداشت نہیں کرتا۔''

''تاہم پانی اور قوتِ حیات کا رشتہ یہیں ختم نہیں ہوتا۔قوتِ حیات کے تسلسل کے لئے توانائی کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ توانائی آیون (ions) کے تبادلے سے حاصل کی جاتی ہے۔کھانا کھانے سے ایک قسم کی برقی قوت کا عمل جسم میں دوڑنے لگتا ہے۔اس لئے پانی تخلیق و حیات کا بنیادی عنصر نہیں بلکہ قوتِ حیات کا بنیادی عنصر ہے۔سورۃ الانبیاء کی مذکورہ آیت ۳۰ میں لفظ مَــاء (پانی) اِس باریکی کو ایسی خوبصورتی سے بیان کر رہا ہے کہ قرآن کے اس فصیحانہ اور بلیغانہ معجزاتی طرزِ بیان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔''

''دراصل ہر نامی (نشو ونما پانے والا) وجود پانی کو استعمال کرتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے جسمانی نظام میں غدودوں سے پیدا کئے گئے خاص قسم کے مہی جے (اعتدال پیدا کرنے والا مادّہ Hormones) ہیں جو اندرونی اور بین الخلیاتی پانی کی تبدیلی کو درست رکھتے ہیں۔جسم کے کئی حصّوں کا اِن غدودوں سے تعلق کمپیوٹرائز ڈ ابلاغ (Computerized Communication) کے ذریعے سے ہوتا ہے۔بخار ہونے سے پہلے بہت زیادہ پانی جسم سے نکل جاتا ہے جو اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ جسم جنگ کر رہا ہے اور بیکٹیریا کے لئے زندگی مشکل بنا رہا ہے۔ہمارے جسم جرثوموں (Microbes) کو زندہ رہنے کے مواقع نہیں دیتے اور یوں لگتا ہے کہ یہ راز سورۃ الانبیــاء کی مذکورہ آیت ۳۰ میں پنہاں اور مخفی ہے۔'' (ایضاً ص ص ۱۱۳ تا ۱۱۶)

(4) وَكَأَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ (العنکبوت : ۶۰)
''اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنی غذا اُٹھا کر نہیں رکھتے' اللہ ہی اُنہیں روزی پہنچاتا ہے اور تمہیں بھی۔'' (۲۹ : ۶۰)

زمین پر پودوں کی سینکڑوں ہزاروں اور جانوروں کی دس لاکھ سے اوپر قسمیں ہیں۔ یہ نامی (نشوونما پانے والے) جسم زندہ رہنے کے لئے لاکھوں سالوں سے خوراک لے رہے ہیں اور بہت سے حالات میں ایک نامی جسم دوسرے نامی جسم پر پلتا ہے جسے حیاتیاتی اصطلاح میں طفیلی وجود (Parasite) کہا جاتا ہے۔ ان حقائق سے حاصل شدہ نتائج واقعی حیران کن ہیں۔

''اللہ تبارک و تعالیٰ کے واجب الوجود ہونے کا انتہائی ٹھوس ثبوت نامی موجودات کے مابین سلسلۂ خوراک (Food Chain) کے موضوع میں ہے۔ اگر نامیاتی وجود ایک دوسرے پر پلتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ زمین پر اتنی مخلوقات کیسے زندہ رہ سکتی ہیں؟ باقوت اور زندہ رہنے کے لائق مخلوقات اُن تمام طفیلیوں کو فنا کیوں نہیں کر دیتیں؟ لیکن نہیں، ہر نامی وجود اپنے عرصۂ حیات کو تسلسل سے پورا کر رہا ہے اور قطع نظر اس کے کہ وہ کتنا کمزور ہے، زندگی کی سٹیج سے قبل از وقت نہیں جاتا۔'' (ایضاً ص ۲۴۴، ۲۴۵)

''حالیہ سالوں میں کیڑوں مکوڑوں پر کیا گیا مطالعہ ہمیں اس سوال کا جواب دینے میں مدد کرے گا:۔

''دوسرے کیڑوں کی طرح دیمک (Termites) بھی انڈوں سے پیدا ہوتی ہے۔ عام طور پر دیمک ایک ہزار سے دو ہزار انڈے دیتی ہے۔ اِن انڈوں میں سے نصف انڈے جہد للبقاء (Struggle for Survival) کی جنگ لڑتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ دیمک کی ایک قسم ایسی بھی ہے جو بہ یک وقت بیس لاکھ انڈے دیتی ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ یہ انڈے دوسرے تمام کیڑوں کے لئے جاذبیت اور ضیافت کا سامان رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے دیمک کو خاص قسم کی اہلیت سے نوازا ہے کہ یہ اِتنی مقدار میں انڈے دیتی ہے کہ اِن بیس لاکھ انڈوں سے پانچ سَو تا چھ سو کیڑے پلتے ہیں اور اس طرح اُن کی نسل باقی رہتی ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نامیاتی موجودات کو ایک دوسرے کے رزق کے طور پر پیدا کیا ہے، اِن کیڑوں کی بقا کا سبب اس چھوٹے سے کیڑے کے مظہر اور وقوعہ میں پایا جاتا ہے۔''

''اللہ تعالیٰ نے نامیاتی موجودات میں ایسا ہم آہنگ توازن قائم کیا ہوا ہے کہ اُن کی کوئی بھی قسم تعداد میں اللہ کی قائم کردہ حدود کے باہر نہیں جا سکتی۔ حیاتیات کا یہ انتہائی اہم اصول اُس وقت معلوم ہوا جب زرعی حشرات (کیڑوں مکوڑوں) کو کیمیائی دواؤں کے ذریعے ختم کرنا شروع ہوا۔ ڈی ڈی ٹی نامی کرم کش دوا کے وسیع پیمانے پر استعمال سے معلوم ہوا کہ ماحولیاتی لحاظ سے (Ecologically) ان کیڑوں کی تعداد اور قسمیں اس قدر صحیح توازن میں ہیں کہ اُن کی ایک قسم کو ختم کرنے کا نتیجہ ایک عجیب اور ضرر رساں مکڑی کی افزوں پیدائش میں ہوتا ہے جس سے تمام کا تمام توازن دگرگوں ہو کے رہ جاتا ہے۔''

''لوحِ محفوظ کے مندرجات میں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بکثرت کیا ہے' تمام نامیاتی موجودات کو جچے تُلے اور مکمل درستی کے کمپیوٹر میں منضبط کیا ہے اور یہ پہلے ہی سے طے شدہ ہے کہ اِن مخلوقات میں سے کس مخلوق نے کس مخلوق پر کس حد تک پلنا ہے۔ یہ کمپیوٹرائی نظام جس سے فکر ونظر دونوں چونک اُٹھتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے رزّاق ہونے کا مظہر ہے۔ معاذ اللہ اگر الٰہی قدرت غیر مہذّب اور وحشی ہوتی جیسا کہ ایمان سے خالی لوگ سمجھتے ہیں' تو یہ غذائی سلسلہ لاکھوں سال پہلے ہی ختم ہو چکا ہوتا' آخر میں بچ جانے والے گوشت خور جانور ایک دوسرے کو ہڑپ کر گئے ہوتے اور روئے زمین پر زندگی وقت سے پہلے ہی اپنے انجام کو پہنچ جاتی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں مشرکین اور ملحدین کو تسلسل کے ساتھ اپنی صفتِ رزّاقیت کے مفہوم کی یاددہانی کراتا ہے۔ روئے زمین پر یہ سلسلۂ خوراک حیاتیاتی طور پر ایمان کی اثر اندازی کا وسیلہ سمجھا جاتا ہے۔ ملحدین (اللہ کی ہستی کے منکر لوگ) کے لئے یہ کتنی بُری بات ہے جو اَب تک پرانے خیالات سے چمٹے ہوئے ہیں۔''

''نامیاتی زندگی دنیائے تعدّد وتنوّع کا اظہار ہے۔ ہست سے نیست ہونا اور ختم ہونا غیر متبدل (تبدیل نہ ہونے والا) قانونِ تعدّد وتنوّع (Law of Multiplicity) ہے۔ مالیکیول سے مالیکیول کو منتقلی میں الٰہی قدرت اور کاریگری کا اظہار ہے۔ اُلّو ایک خاص قسم کی تابکاری کے ذریعے اپنی جگہ پر بغیر حرکت کئے انتظار کرتا ہے اور اپنا شکار بغیر کسی مشقت کے پالیتا ہے۔ اس کے برعکس پیلیکن (Pelican) نامی آبی پرندے کو دلدلی زمینوں میں بے حس و حرکت ہو کر چھ گھنٹے کے انتظار کے بغیر مچھلیاں پکڑنے کا کوئی موقع ہاتھ نہیں آتا۔''

''سورۃ العنکبوت کی آیت مذکورہ (۶۰) میں بیان کردہ پیغام اِن مظاہر اور وقوعات سے بھی ماورا ہے۔ وہ نامیاتی موجودات جن میں زندہ رہنے کی صلاحیت نہیں ہوتی' کیسے خوراک حاصل کر لیتے ہیں؟ اِس ضمن میں حالیہ سالوں میں دو عجیب وغریب دریافتیں کی گئی ہیں۔''

''اُن میں سے پہلی دریافت الاسکا کے مقام پر حیاتیات کی ایک تحقیقی جماعت نے کی۔ یہ ایک چھوٹے سے کیڑے کی عالیشان تصویر ہے جو سبزے کا نوالہ اپنے منہ میں لئے برف میں پھنسا ہوا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ برف میں ایک کیڑے کو غذا دینے اور اس کی پرورش نباتات سے کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ (۶۰) کی جیتی جاگتی مثال کو ظاہر کیا ہے۔''

''ہماری دوسری مثال حیاتیاتی علوم میں انقلاب لانے کے لئے کافی ہے۔ لاوا کی غاریں اُس لاوا سے بن گئی ہیں جو فعّال آتش فشاں پہاڑوں سے نیچے گرتا ہے۔ چونکہ یہ غاریں دو ہزار سے تین ہزار ڈگری سنٹی گریڈ کے ٹمپریچر پر لاوا سے ڈھالی گئی ہیں' لہٰذا اِن غاروں میں کسی نامیاتی وجود کے بیجوں کے موجود ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسی غاروں میں نئی زندگی کی تشکیل کے امکان کی تحقیق کرنے کے لئے ایک حیاتیاتی مہم نے نامیاتی وجود

''ایٹم (ذرّہ) جسے ایسی چھوٹی سے چھوٹی اکائی سمجھا جاتا ہے جس میں مادّہ ناقابلِ تقسیم ہوتا ہے' محض چھوٹے پن کے تصوّر سے متعارف کراتا ہے۔ آیت میں لفظ مِثقال قدرے مختلف ہے۔ ڈاکٹر ہلوک نور باقی کے نزدیک ''اس کا تصوّر سب سے پہلے قرآن مجید نے دیا کہ چھوٹی سی چھوٹی قابلِ پیائش اشیاء ہمہ داں اور عالم کل (Divine Omniscience) کے خدائی کمپیوٹر میں درج ہیں' تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ یہ ذرّہ برابر چیزیں ریاضیاتی اور مادّی خواص کی حامل ہیں۔'' (ایضاً ص ۲۴۷)

''آیت مذکورہ میں درج ذیل باریکیاں سامنے آتی ہیں:۔

''(۱) یہ سوال کہ ذرّے جیسی چھوٹی سے چھوٹی چیز اور تمام معلومات لوحِ محفوظ میں کیوں درج ہیں؟ اور اگر اِس سائنسی لوح میں کوئی چیز درج ہو تو کیا واقع ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اُسے ایک سائنسی تقدیر سپرد کی گئی ہے۔ یوں کہنا چاہئے کہ ''لوحِ محفوظ'' ایک کمپیوٹر ہے جہاں سے ذرّات اپنی ناقابلِ تغیّر ریاضی حاصل کرتے ہیں۔ ورنر ہیزنبرگ جو دنیا کے پانچ مشہور ترین ماہرین علم الطبعیات میں سے ایک ہیں' کے نزدیک انفرادی مادّی واقعات جو ایٹمی مرکزے میں واقع ہوں' کی پیشگوئی کرنا ممکن نہیں۔ اسے ''عدمِ تعیّن کا اصول'' (Principle of Uncertainty) کے نام سے جانا جاتا ہے (یعنی یہ اصول کہ کسی ذرّے کے معیارِ حرکت اور جائے وقوع کا بہ یک وقت ٹھیک ٹھیک تعیّن ناممکن ہے) (Oxford Urdu English Dictionary ... Shanul Haq Haqqee, p. 1917) اب سوال یہ ہے کہ یہ چھوٹے چھوٹے ذرّات اپنی زندگی کیسے برقرار رکھتے ہیں اور یہ کہ وہ فی الفور کیوں توانائی میں تبدیل نہیں ہو جاتے؟ مذکورہ دونوں آیاتِ کریمہ واضح طور پر اس سوال کا جواب دیتی ہیں کہ ''ذرّات سے بھی چھوٹے اجزاء اُس ہمہ داں و عالمِ کل خدا کے بنائے ہوئے لوحِ محفوظ کے اندر درج ہیں۔ اس طرح یہ ''بنیادی ذرّات'' بغیر کسی خطا اور غلطی کے کتابِ مُبین (لوحِ محفوظ) کے مندرجات کا حصّہ بن جاتے ہیں۔''

''(۲) آیت کا ایک اور باریک و نازک نکتہ یہ ہے کہ یہ چھوٹے چھوٹے ذرّات ناقابلِ تقسیم اجزاء یعنی ایٹم' پروٹان اور نیوٹران کے وجود کو فلکیات میں بھی ظاہر کرتے ہیں جبکہ اُس جاہلی دور میں ذرّے کے تصوّر کو فلکیات سے جوڑنا ممکن نہ تھا۔''

''(۳) آیاتِ مذکورہ ہمیں اس وسیع و عریض کائنات (Macrocosmos) کے متعلق بھی آگاہی بخشتی ہیں یعنی سیارے اور کہکشاں۔ بہ الفاظِ دیگر یہ معلومات کہ فلاں سیارہ کائنات کے کس حصّے میں اور کس وقت ہوگا۔ یہ سب کچھ اُسی حیران کن کمپیوٹر یعنی لوحِ محفوظ میں درج ہے۔ یومِ حشر کے وقوع کا وقت بھی لوحِ محفوظ کے کمپیوٹر میں درج ہے۔''

(6) يَخۡلُقُكُمۡ فِىۡ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ خَلۡقًا مِّنۡۢ بَعۡدِ خَلۡقٍ فِىۡ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ (اَلزُّمَر : ۶)

''وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں بناتا ہے ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر تین تاریکیوں میں۔'' (۶ : ۳۹)

خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ یعنی ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت' ایک تغیر کے بعد دوسرا تغیر۔ جو شخص بھی جنین کے تغیرات سے واقف ہے' بخوبی جانتا ہے کہ نو مہینے تک کتنے تغیرات ہر روز ہوا کرتے ہیں۔

فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ یعنی تین اندھیروں میں۔ ان سے مراد پیٹ کا اندھیرا' رحم کا اندھیرا اور رحم کے اندر جھلی کا اندھیرا جس میں بچے کی تخلیق مکمل ہوتی ہے۔ یہ تین تین پردے اور تین تین تاریکیاں ہوئیں۔

تخلیق اور اس کے مکمل ہونے کا عمل اُس وقت سے شروع ہو جاتا ہے جب نطفہ رحم میں قرار پکڑ لیتا ہے۔ نطفے کا وہ چھوٹا سا قطرہ مختلف ارتقائی مراحل سے گزرنے کے بعد مکمل تخلیق کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ ارتقائی عمل تین مختلف طبقات میں جاری رہتا ہے جن کا ذکر اوپر ہوا۔ اُن طبقات کے نام علی الترتیب یہ ہیں : (i) Perimetrium (ii) Myometrium (iii) Endometrium.

("The Developing Human".... Keith Moore and Persuad, p. 20) 5th edition.

جنین کو ایک کیفیت سے دوسری کیفیت میں منتقل کرنا بذاتِ خود جینیات کا ایک ناقابلِ فہم راز ہے۔ خلیاتی کیفیت سے دوسرے تاریک مقام اور پھر وہاں سے عضلاتی مقام کی طرف منتقلی سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ کسی کمپیوٹر نے اس نظام کو ترتیب دیا ہے۔ اپنی افزائش کی مدت مکمل کرنے کے بعد ایک مرحلہ خود بخود دوسرے مرحلے کی طرف بڑھ جاتا ہے اور آیت مذکورہ کے الفاظ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ میں اسی حقیقت کا اظہار ہے۔

قرآن مجید نے اِن حقائق کو کس قدر عمدہ فصاحت و بلاغت کے ساتھ صدیوں پہلے اُس وقت بیان کر دیا تھا جب انسان جہالت کی اتھاہ' گہری تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا اور وہ علم جینیات کے بارے میں کچھ بھی نہ جانتا تھا۔ یہ بات جہاں قرآن مجید کی عظمتِ شان کو دوبالا کر رہی ہے' وہاں نبی مکرم ﷺ کی رسالت کی حقانیت کی بھی روشن دلیل ہے کہ ایک اُمّی عرب کے لئے اس گہری طبّی حقیقت سے آج سے چودہ سو برس پہلے خداداد علم کے بغیر از خود واقف ہو جانا ناممکن تھا۔

(7) مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ٥ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ (عَبَس : ۱۹' ۲۰)

''نطفہ سے اُسے پیدا کیا' پھر اُسے انداز (مناسب) سے بنایا پھر اُس کے لئے راستہ آسان کر دیا۔'' (۱۹' ۲۰ : ۸۰)

یعنی نہ صرف عملِ تخلیق بلکہ ترکیب انسانی میں تناسب وتوازن اور قویٰ' اعضاء وغیرہ کی ساخت' ترتیب ہر شے قدرتِ الٰہی اور حکمتِ کاملہ پر دلیل کا کام دے رہی ہے۔

حالیہ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ بچے کی پیدائش دوطرفہ کمپیوٹرائزڈ نظام کے ذریعے عمل میں آتی ہے اور اس عمل میں ماں اور بچہ دونوں شریک ہوتے ہیں۔ بچے کی پیدائش کے دوران ماں اور بچہ دونوں کی رہنمائی کمپیوٹر سنٹر سے ہوتی ہے۔ وہ غلطی اور خطا جو اس نظام کو دگرگوں کرتی ہے وہ ڈر اور خوف کا جذبہ ہے۔ چونکہ شہری خواتین دیہاتی خواتین کی نسبت زیادہ ڈرپوک ہوتی ہیں' اس لئے اُن کی بچہ جنوائی (Delivery) زیادہ مشکل ہوتی ہے اور مختلف قسم کی مشکلات پیدا کرتی ہے۔

(8) وَالْعَصْرِ o اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ o اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ o (اَلْعَصْر : ۱ تا ۳)

''قسم ہے زمانے کی کہ انسان بڑے خسارہ میں ہے مگر وہ لوگ نہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی فہمائش کرتے رہے۔''

''ایمان سے خالی شخص کے لئے دو سنگین قسم کے خوف ہوتے ہیں: ایک موت اور فنا ہونے کا خوف اور دوسرا مستقبل کا خوف۔ یہ دونوں خوف تمام لوگوں کو اپنے شکنجے میں لے لیتے ہیں اور اُنہیں ناقابلِ برداشت آگ (جہنم) میں پھینک دیتے ہیں۔ مختلف نفسیاتی عوارض اور جسمانی بیماریوں (معدے کا پھوڑا' دل کے امراض' فالج اور سرطان) کو راہ ملتی ہے۔ دوسری طرف وہ دہشت اور خوف و ہراس پیدا کرتی ہیں جو اخلاقی اقدار کو تباہ کر دیتی ہیں اور مریض مصائب و آلام کے کڑھاؤ میں مسلسل کھولتا رہتا ہے۔''

''جو شخص موت اور مستقبل کے دونوں خوفوں سے مغلوب ہو جائے' وہ یا تو الکوحل یا منشیات (بالخصوص ہیروئن) کا شکار ہو جاتا ہے یا پھر وہ اپنی اخلاقیات کو لگڑ بگڑ سے مماثل لامتناہی درندگی کے سپرد کر دیتا ہے' یا پھر پاگل پن کے نشیبی علاقوں میں نیم پاگلوں کی طرح آوارہ پھرتا ہے۔''

''خوف کا متضاد اعتماد اور بھروسے کا جذبہ ہے۔ یہ احساس ہمیشہ ایمان کے تناسب کے لحاظ سے ترقی پذیر ہوتا ہے۔ ایمان سے خالی شخص اعتماد کے جعلی احساسات کے پیچھے چل پڑتا ہے۔ مثلاً خوف سے فرار کے لئے وہ مال و زر کی ہوس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ چونکہ یہ حقیقت کہ وہ کسی پر اعتماد نہیں کر سکتا' اُس کے لاشعور میں ثبت ہے اس لئے وہ ہمیشہ نقصان میں رہتا ہے۔ اعتماد سے خالی شخص کا الکوحل' ہیروئن' پاگل پن اور درندگی و وحشت کی طرف فرار مسئلہ کو حل نہیں کرتا بلکہ وہ اس کے نقصان کو اور زیادہ کرتا ہے۔ اسلام کے الکوحل کی ممانعت میں یہی بنیادی وجہ ہے۔ ایک

ایمان والے اعتماد رکھنے والے شخص کے لئے الکوحل میں تسکین پانا بے معنی سی بات ہے جبکہ ایمان سے خالی شخص اپنے نقصان کی آگ کو بجھانے کے لئے منشیات کا سہارا لیتا ہے۔''

''انسانی رویّے پر اثر انداز ہونے والا دوسرا اہم جذبہ نفرت یا کینے کا ہے۔ یہ جذبہ جب انسان میں منعکس ہوتا ہے تو نا امیدی اور محرومی کے شعلوں کو ہوا ملتی ہے۔ نفرت اور حرص کا سبب خوش خلقی اور پُر خلوص عمل کے حصول کی نا اہلیت ہے۔ اُس معجزانہ بصیرت نے جو سورۃ العصر کی آیت ۳ میں ہے ''وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے' نقصان میں نہیں ہیں'' اس حقیقت پر آج سے چودہ صدیاں پہلے روشنی ڈالی تھی۔ اس لئے وہ شخص جو ایمان سے خالی ہے' خوف کے ہاتھوں تباہ ہو جاتا ہے اور وہ شخص جس کا رویّہ احسن نہیں اور ایمان کی قدر سے بھی خالی ہے' وہ نفرت اور وفورِ جذبات کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔''

''حالیہ سالوں کا انتہائی اہم سائنسی مشاہدہ وہ نظام ہے جو انسانی جسم میں جذباتی ردِّ عمل کو کمپیوٹرائز کرتا ہے۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے تک انسان کی مادّی اور اخلاقی اقدار پر جذبات کا اثر تفصیلی طور پر معلوم نہیں تھا۔ حالیہ سالوں میں تحقیقات نے جسمِ انسانی پر ذہنی تناؤ کے میکانی اثر کے مسئلہ کو صاف کر دیا ہے۔''

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے جسمِ انسانی کی عظیم الشان میکانیت کو عقیدے اور اخلاقی رویّے کے اصولوں کے مطابق ڈھال دیا ہے۔ زیادہ واضح الفاظ میں یوں کہئے کہ انسانی حیاتیات ایک حیران کن کمپیوٹرائی نظام ہے اور اس نظام کا بنیادی اصول عقیدے اور اخلاقی قدروں کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔''

'' نفرت اور لالچ بے اعتقادی کا نتیجہ ہوتی ہیں اور جب انسان اُن کا شکار ہو جاتا ہے تو وفورِ جذبات سے مغلوب ہو کر اُس کا حیات بخش نظام الٹ سمت میں چلنا شروع ہو جاتا ہے۔ اسی حقیقت کو سورۃ العصر کی آیت دوئم میں بیان کیا گیا ہے کہ خالقِ عظیم فرماتا ہے کہ اے انسانو! میں نے تمہیں ایک پروگرام عطا کیا ہے تاکہ تم ایمان والے اور نیک ہو جاؤ۔ اگر تم اس کے برعکس عمل کرو گے اور تفکرات' نفرتوں اور حرص میں گھر گئے تو نقصان میں رہو گے۔ الکوحل' ہیروئن' شہوانی جذبات کی تسکین اور منشیات کے ہاتھوں فاتر العقل ہونا تمہیں پریشانیوں سے نجات نہ دے سکیں گے۔ انسانی حیاتیات بے اعتقادی کے بُحران کو مسترد کرتی ہے اور قرآنِ حکیم نے جس کی آیات سے بڑھ کر کوئی اور چیز لطف و سرور نہیں دیتی' آج سے چودہ صدیاں پیشتر اس راز کو بے نقاب کر کے اس کی دوا اور علاج بتا دیا تھا۔ جو شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ یاس و قنوطیت کے شعلوں میں جل رہا ہے اور تنگ اور اندھی گلی میں پھنس گیا ہے جہاں سے نکلنے کی اُسے کوئی راہ نہیں ملتی' تو اُسے جلد یا بدیر ادویات کی اس دکان پر آنا ہو گا۔ یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ ہمارے غموں' پریشانیوں اور دکھوں کا تریاق قرآن کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے لیکن ہم اُن کے علاج کے لئے دوسرے سہارے ڈھونڈتے ہیں!'' (ڈاکٹر ہلوک نور باقی' صفحات ۲۵۷ تا ۲۶۱)

نفسِ لوّامہ (ضمیر) کمپیوٹر کی مانند: نفسِ لوّامہ انسان کو اُس کی بدعملیوں پر سرزنش کرتا ہے اور اُسے اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں کا پورا پورا احساس ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ نیکی پر مستعد اور بدی کے خلاف برسرِ پیکار رہتا ہے۔ اس لحاظ سے نفسِ لوّامہ (جس کی قسم ربِ تعالیٰ نے سورۃ القیامۃ کی آیت دوئم میں اُٹھائی ہے) ایک کمپیوٹر کی مانند ہے۔ جس طرح شماریاتی رقوم و علامات اور دوسری معلومات کمپیوٹر میں Feed کی جاتی ہیں اور اُن شماریاتی رقوم و علامات اور دوسری معلومات کو دوبارہ سکرین پر برآمد کیا جاتا ہے' اسی طرح قادرِ مطلق اور حکیمِ کل نے ہر انسان میں ایک کمپیوٹر لگا دیا ہے جسے قرآنی اصطلاح میں ''نفسِ لوّامہ'' (ضمیر) کہا جاتا ہے جو انسان کو ہر وقت اُس کی کوتاہیوں اور خطاؤں پر متنبہ کرتا رہتا ہے۔ قرآن مجید نے مختلف مقامات پر روح کے اس پہلو یعنی ضمیر کی طرف براہِ راست اور بالواسطہ اشارے کئے ہیں' مثلاً آلِ عمران کی آیت ۱۳۵' الاعراف کی آیت ۲۰۱ اور سورۃ القیامۃ کی آیت ۲۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنے ایک صحابی وابصہ بن مَعْبد سے خطاب فرماتے ہوئے نیکی اور بدی کی حقیقت کو اس طرح بے نقاب کیا تھا:

يَا وَابِصَةُ ! اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ أَلْبِرُّ مَااطْمَأَنَّتْ بِهِ النَّفْسُ وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ صَدْرِكَ وَ كَرِهْتَ أَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ (اربعین نووی)

''اے وابصہ! اپنے دل سے پوچھ' نیکی وہ ہے جس سے (تیرا) ضمیر مطمئن ہو جائے اور گناہ وہ ہے جو تیرے ضمیر میں کھٹکے اور تو اس بات کو ناپسند کرے کہ لوگ اس پر مطلع ہو جائیں گے۔''

یہ خودکار کمپیوٹرائی نظام (یعنی ضمیر یا نفسِ لوّامہ) انسان کو اُس کی برائیوں پر برابر مطلع کرتا رہتا ہے لیکن جب انسان اُس تنبیہ کار کی تنبیہات کے باوجود بدی سے باز نہیں آتا اور ضمیر کی خلش کسی طرح کارگر نہیں ہوتی تو وہ نظام اُن گناہوں اور بدیوں کی بدولت زنگ آلود ہو جاتا ہے اور بالآخر کُند ہو کر اُسے ملامت کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ قرآن مجید نے ایک مقام پر ظلمتِ قلب کی اسی کیفیت کو یوں بیان کیا ہے:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ٥ (أَلْمُطَفِّفِيْن : ۱۴)

''ہرگز (ایسا نہیں کہ جزا و سزا نہ ہو) اصل یہ ہے کہ اُن کے دلوں پر اُن کے کرتوتوں کا زنگ لگ گیا ہے۔'' (۱۴ : ۸۳)

اور نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا:

''جب انسان کوئی برا کام کرتا ہے تو اُس کے دل پر ایک سیاہ دھبّہ آ جاتا ہے۔ پھر اگر وہ اُس گناہ سے باز رہتے ہوئے نادم و پشیمان ہوتا ہے اور اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہے تو اُس کے دل سے وہ دھبّہ دھو دیا جاتا ہے اور اگر وہ گناہ دوبارہ کرتا ہے تو وہ سیاہ دھبّہ اس حد تک بڑھ جاتا ہے کہ وہ دل کا پورا احاطہ کر لیتا ہے۔'' (ترمذی)

کے ہوا کی زیادہ ضرورت تھی اس لئے وہ وافر مقدار میں موجود ہے اور نہایت آسانی سے بکثرت حاصل ہو سکتی ہے اور اُس کے حاصل کرنے کے ذرائع بالکل مکمل ہیں جن کی وجہ سے وہ بہت جلد کام میں آ سکتی ہے۔ اس پر کیا موقوف ہے' عالم میں یہی حکمت جاری و ساری ہے کہ جس شے کی جس قدر زیادہ حاجت ہوتی ہے' اُتنی ہی کثرت سے وہ موجود ہوتی ہے اور اُتنی ہی آسانی سے وہ حاصل ہو سکتی ہے۔ چنانچہ پانی' غذا' دواؤں کی جڑی بوٹیاں وغیرہ بھی اپنی ضرورت کے تناسب کے لحاظ سے کم یا زیادہ میسر ہیں۔ پھر انسان کی منفعت کے لئے مختلف ہوائیں چلائیں جن میں سے ہر ایک کی جدا جدا خاصیتیں ہیں۔ اُن میں سے کوئی شرقی ہوا ہے' کوئی غربی' کوئی شمالی ہے تو کوئی جنوبی۔ کوئی تر ہے تو کوئی خشک۔ کوئی گرم ہے تو کوئی سرد۔ کوئی سخت ہے تو کوئی نرم۔ کوئی رات کو چلتی ہے' کوئی دن کو۔ کسی کی چال خاص وقتوں کے اعتبار سے باقاعدہ ہے اور کوئی بالکل بے قاعدہ چلتی ہے۔ کوئی آہستہ چلتی ہے۔ کبھی ہوا کی چال کی تیزی فی گھنٹہ سات میل سے لے کر اکانوے میل تک ہوتی ہے اور کبھی اُس کی تیزی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ فی گھنٹہ ایک سو بیس میل یا اس کے زائد کے حساب سے چلنے لگتی ہے اگرچہ ایسا شاذو نادر ہی ہوتا ہے۔ اُن میں سے بعض گردباد اور بگولے ہوتے ہیں جن سے اہلِ زمین کو فائدہ پہنچتا ہے۔ وہ بادلوں کو بارش کے مواقع پر ہنکا لے جاتے ہیں۔ بارآور مادہ کو اعضائے تذکیر سے اعضائے تانیث میں منتقل کر کے درختوں کے باردار ہونے کا باعث بنتے ہیں۔ وہ حرارت کو لطیف کرتے ہیں' جسموں اور روحوں کو راحت پہنچاتے ہیں۔ اُن سے سمندروں میں جہاز چلتے ہیں۔ نباتات کے تخم اُن کے ذریعہ سے سطح زمین پر پراگندہ ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے فائدے میسر ہیں جن کا شمار ممکن ہی نہیں۔''

''اس ضمن میں ہم بادل اور اُس کی نہایت عجیب اور حیران کن بناوٹ کو دیکھتے ہیں جس کی وجہ سے ہوائیں اُسے اُٹھا کر بارش کی ضرورت کے مقامات پر لے جاتی ہیں۔ رعد و برق اُن کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں جن دونوں میں حکمت یہ ہے کہ برق کا نورانی حرارت اور مختلف سمتوں میں حرکات کی وجہ سے اور رَعد (کڑک) اپنی کپکپانے والی حرکات کے باعث پانی کو پگھلا دیتے ہیں۔ برف زیادہ تر پہاڑوں پر گرتی ہے تاکہ ایک مدت تک وہ وہاں جمی رہے اور اُس کا پانی پگھل پگھل کر مخلوقات کے فائدہ کے لئے نشیبوں اور خزانوں میں جمع ہوتا رہے اور اُن کے جھرنوں سے نکلتا رہے۔ اسی طرح دریا اور چشمے جاری ہوتے ہیں جن کے پانی سے ایامِ گرما میں زمین اور حیوانات کو سیرابی حاصل ہوتی ہے' بڑے بڑے سبزہ زار اور باغات پیدا ہوتے ہیں۔'' (ایضاً ص ۲۷۰)

بندر کا ترقی کرتے کرتے انسان بن جانا ایک لچر خیال ہے: انسان اور بندر کا ایک اصل سے بننا انتہا درجہ کا ساقط الاعتبار واہمہ ہے کیونکہ محض صوری مشابہت کا یہ تقاضا نہیں ہو سکتا اور نہ اُس سے یہ امر لازم آتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان اپنی ابتدائے پیدائش میں عقل اور جسم دونوں میں نہایت کمزور ہوتا ہے' چلنے اور خود بیٹھنے پر قادر بھی نہیں ہوتا اور نہ ہی ذرا سی باقاعدہ حرکت کر سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ نادان بھی ہوتا ہے کہ اپنے اردگرد کی اشیاء کو بھی نہیں پہچانتا اور نہ اُسے زمین و آسمان کی تمیز ہوتی ہے۔ وہ آگ اور پانی میں فرق نہیں کر سکتا اور اسی لئے

"<u>قرآن حکیم کا ہندسی نظام</u> :اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں مختلف مقامات پر مندرجہ ذیل 28 ہندسوں کا ذکر کیا ہے:

1 (سورۃالنّحل : ۵۱ ؛ سورۃ صٓ: ۲۳ ؛ سورۃالاخلاص : ۱)

2 (اَلنّساء:۳ ؛اَلتّوبۃ : ۱۱۸؛ اَلنّحل : ۵۱ ؛ ؛ سَبا :۴۶)

3 (البقرۃ:۱۹۶' ۲۲۸ ؛ آلِ عمران:۴۱ ؛ اَلنّساء:۳' ۱۷۱ ؛ اَلمائدۃ: ۷۳' ۸۹؛ ھود: ۶۵؛
اَلکَھف: ۲۲ ؛مریم :۱۰ ؛ اَلنُور: ۵۸؛اَلزُّمَر: ۶ ؛ اَلوَاقِعۃ: ۱۳' ۳۹ ؛ اَلمُجَادلۃ: ۷؛ اَلطّلاق: ۴)

4 (البقرۃ: ۲۲۶' ۲۳۴' ۲۶۰ ؛ اَلنّساء:۳' ۱۵ ؛ اَلتّوبۃ : ۲' ۳۶؛اَلنُور:۴' ۶' ۸' ۴۵ ؛ فُصّلَتْ :۱۰)

5 (الکَھف:۲۲ ؛اَلمُجادلۃ :۷)

6 (الاعراف: ۵۴؛ یونس: ۳؛ ھود: ۷؛ اَلفُرقان: ۵۹؛ السَّجدۃ: ۴؛ قٓ: ۳۸؛ اَلحَدید: ۴)

7 (البقرۃ : ۲۹' ۲۶۱ ؛ یوسُف : ۴۳' ۴۶' ۴۷' ۴۸؛ اَلحِجر: ۴۴' ۸۷ ؛ الاسراء: ۴۴؛
الکَھف:۲۲؛ اَلمؤمنون: ۱۷' ۸۶ ؛ لُقمٰن: ۲۷ ؛فُصّلَت: ۱۲ ؛ الطّلاق: ۱۲ ؛المُلك : ۳ ؛
اَلحاقّۃ: ۷ ؛ نوح : ۱۵ ؛ اَلنّبا: ۱۲)

8 (الانعام: ۱۴۳؛ اَلقَصَص: ۲۷ ؛اَلزُّمَر: ۶؛ اَلحاقّۃ: ۱۷)

9 (الاسراء: ۱۰۱؛ الکَھف: ۲۵؛ اَلنَّمل: ۱۲' ۴۸)

10 (اَلبَقَرَۃ: ۱۹۶ ؛ اَلمائدۃ: ۸۹؛الانعام: ۱۶۰؛ طٰہٰ: ۱۰۳ : اَلقَصَص : ۲۷ ؛ اَلفَجر: ۲)

11 (یوسُف: ۴)

12 (البقرۃ: ۶۰؛ اَلمائدۃ: ۱۲؛ اَلاعراف: ۱۴۲' ۱۶۰؛ اَلتّوبۃ: ۳۶)

19 (اَلمُدَّثِر: ۳۰)

20 (الانفال: ۶۵)

30 (الاعراف: ۱۴۲؛ الاحقاف: ۱۵)

40 (اَلبقرۃ: ۵۱؛ اَلمائِدۃ: ۲۶ ؛ الاعراف: ۱۴۲؛ الاحقاف: ۱۵)

50 (العنکبوت: ۱۴)

60 (اَلمُجَادلۃ: ۴)

70 (الاعراف: ۱۵۵ :اَلتّوبۃ: ۸۰؛ اَلحاقّۃ: ۳۲)

80 (اَلنُور: ۴)

99 (صٓ : ۲۳)

100 (اَلبقرۃ: ۲۵۹' ۲۶۱؛ الانفال: ۶۵' ۶۶؛ اَلنُور: ۲)

200 (الانفال: ۶۵' ۶۶)

300 (الکَھف: ۲۵)

1000 (اَلبقرۃ:۹۶ ؛ الانفال : ۶۵،۶۶ ؛ اَلعَنکَبُوت : ۱۴ ؛ اَلسَّجدۃ : ۵ ؛ اَلصَّافَّات : ۱۴۷ ؛ اَلقَدر : ۳)
2000 (الانفال : ۶،۶)
50000 (اَلمَعارج : ۴)
1000000 (اَلصَّافَّات : :۱۴۷)

قرآنِ حکیم اور 19 کا ہندسہ : اِس وقت ہماری دلچسپی کا حامل 19 کا ہندسہ ہے جو جدید کمپیوٹرائزڈ تحقیق کے مطابق قرآن کریم کی حسابی ترتیب میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ 19 کے ہندسہ کا ذکر قرآن مجید میں صرف ایک بار سورۃ المدّثّر میں ہوا ہے جس میں فرمایا: عَلَیۡہَا تِسۡعَۃَ عَشَرَ (جہنم کے اوپر اُنیس فرشتوں کی گارڈ مقرر ہے)۔ سوال یہ ہے کہ آخر 19 کے ہندسے کو اللہ تعالیٰ نے کیوں چن لیا، کسی اور ہندسے کو بھی تو چُنا جا سکتا تھا۔ اس کا اصل جواب تو اللہ ہی کے پاس ہے اور بحمدہٖ تعالیٰ ہمارا ایمان ہے کہ اُس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے جسے وہ علیم و خبیر بخوبی جانتا ہے۔ تاہم انسانی قیاس کی رُو سے اس کے جوابات یہ ہیں:۔

(۱) یہ ہندسہ ایک اور نو کا مرکّب ہے جو کہ ہندسوں میں اوّل اور آخر ہیں۔ اس کے ہندسوں کی جمع دس ہے (1+9=10) پھر 10 کے اعداد کی جمع ایک ہی ہے (1=1+0) یعنی 19 کا ہندسہ اپنے اندر وحدت کو چھپائے ہوئے ہے۔

(۲) جیسے 19 کا ہندسہ ناقابلِ تقسیم ہندسہ ہے اُسی طرح رب تعالیٰ کی ذات بھی اور اُس کی عبادت بھی ناقابلِ تقسیم ہے کہ عبادت کے لائق صرف اور صرف وہی ذات ہے اور اسے کئی معبودوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) انسان کا لڑکپن بھی اُنیس سال کے بعد ختم ہو جاتا ہے اور وہ جوانی میں قدم رکھتا ہے۔

(۴) کائنات کے نظام میں 19 کے ہندسے کی خاص اہمیت ہے مثلاً سورج، چاند اور زمین انسان کے لئے اہم ترین فلکی نظام ہیں۔ یہ تینوں ہر 19 سال بعد ایک دوسرے کے آمنے سامنے ایک لائن والی پوزیشن بناتے ہیں (Encyclopaedia Judaica Calendar)۔ مشہور Halley Comet نامی سیارچہ ہر 76 سال بعد زمین پر ظاہر ہوتا ہے جو کہ 19 کا ٹھیک ٹھیک حاصل ضرب ہے (76=19x4)۔

(۵) ہر انسان کے اندر 209 ہڈیاں ہوتی ہیں جو کہ ٹھیک 19 کا حاصل ضرب ہیں (209=19x11)

(۶) یہ بھی حساب لگایا گیا ہے کہ تخلیق کے لمحات کے بعد بچہ ماں کے پیٹ میں 266 دن (19x14) یا 38 ہفتے رہتا ہے جو کہ 19 کے عدد کا ٹھیک ٹھیک حاصل ضرب ہیں۔

(۷) لیکن مؤلف کے نزدیک 19 کے عدد کے انتخاب کی سب سے بڑی اور وزنی وجہ یہ ہے کہ اُن 19 فرشتوں کے تصوّر کو جو دوزخ پر مقرر ہیں اور بہت ہی تندخو اور سخت مزاج ہیں' انسانی ذہن میں جاں گزیں کرنے کے لئے اس عدد کو منتخب کیا گیا ہے۔ گویا کہ وہ رؤوف ورحیم اپنے بندوں سے یہ فرما رہا ہے کہ اے نادان انسان! مجھے تیری خیر خواہی عزیز ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تو اپنی بدعملیوں کی بدولت اُن فرشتوں کے چنگل میں پھنس جائے جو بہت ہی اکھڑ مزاج اور اپنے مالک کے حکم سے سرِ مو پھرنے والے نہیں۔ تیرے کسی قسم کے واویلے اور آہ وفغاں کو وہ ہرگز نہیں سنیں گے اور تیری بدعملیوں کی بدولت تجھے جہنم میں بہر حال پہنچا کے رہیں گے۔ لہٰذا اُن کی سخت گیری کا تصوّر لئے اپنے نامۂ اعمال کو درست رکھ (گویا تیری بہتری کی خاطر ہم نے اس عدد کو منتخب کیا ہے)۔

<u>قرآنی آیات میں حیران کن کمپیوٹرائی معجزے</u> : (۱) 19 کے عدد کا حسابی کلیہ قرآن مجید کی پہلی آیت بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کے اندر پنہاں ہے۔ اس آیتِ مبارکہ میں کل 19 حروف ہیں:
یعنی ب-س-م-ا-ل-ل-ہ-ا-ل-ر-ح-م-ن-ا-ل-ر-ح-ی-م۔
اور یہ آیت مبارکہ چار الفاظ اللہ - اِسم- رَحمٰن اور رَحیم پر مشتمل ہے۔ لفظ اِسم سارے قرآن میں 19 مرتبہ آیا ہے جو کہ 19 کا حاصل ضرب ہے۔ لفظ اللہ پورے قرآن میں 2699 مرتبہ آیا ہے جو کہ 1 کے حاصل جمع سے 19 کا حاصل ضرب ہے یعنی 2699=19x142+1 یہاں 1 کا بچنا ناگزیر ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی شان کسی ہندسہ کی پابند نہیں ہو سکتی۔ اگلا لفظ رَحمٰن پورے قرآن میں 57 مرتبہ آیا ہے جو کہ 19 کا 3 سے حاصل ضرب ہے۔ لفظ الرَّحِیم 114 مرتبہ استعمال ہوا ہے جو کہ 19 کا مکمل حاصل ضرب بھی ہے (19x6 = 114) اور الرحمٰن کی تعداد کا ڈبل بھی ہے۔

(۲) قرآنِ حکیم کی سورتوں کی تعداد 114 ہے جو 19 کا حاصل ضرب ہے (19x6 = 114)۔ اس کے علاوہ 114 کے ہندسوں کی کل حاصل جمع 6=1+1+4 ہے (اور اللہ تعالیٰ نے 6 ایّام میں کائنات کی تخلیق اور تکمیل کی ہے۔ یعنی 114 میں 6 اور 19 کا جو تعلق ہے وہ قرآن حکیم اور کائنات کے آپس کے تعلق کو بھی ظاہر کرتا ہے۔

(۳) ماسوائے سورۃ التّوبۃ کے قرآنِ حکیم کی ہر سورت بِسْمِ اللہ سے شروع ہوتی ہے۔ یوں سورتوں کے آغاز میں 113 دفعہ بِسْمِ اللہ آتی ہے جو 19 کا حاصل ضرب نہیں لیکن حساب برابر کرنے کے لئے اس کی کمی کو سورہ نمل میں پورا کر دیا گیا جہاں آیت مبارکہ 30 میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کے حوالہ سے پوری بِسْمِ اللہ شریف دہرائی گئی ہے۔ یوں پورے قرآن پاک میں 114 بِسْمِ اللہ ہو گئیں جو کہ 19 کا حاصل ضرب ہے۔

(۴) کلام اللہ کی 114 سورتیں تو 19 کا حاصل ضرب ہیں ہی لیکن ہوشربا بات یہ ہے کہ تمام سورتوں کا مجموعی عدد (6555=114+......1+2+3+4) یعنی سورتوں کے ترتیبی نمبروں کو 1 سے 114 تک جمع کرتے جائیں تو کل میزان 6555 بنتا ہے جو کہ 19 کا ٹھیک حاصل ضرب ہے (19x345=6555)

یوں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی 114 سورتوں پر حسابی مہر ثبت کر دی ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کوئی ایک بھی سورت کم یا زیادہ ہے۔''

(۵) پہلی وحی کا اندراج سورۃ العلق میں ہے۔ یہ سورۃ بہ لحاظ ترتیب 96 نمبر پر ہے اور اس کی کل آیات 19 ہیں۔ گویا (شروع قرآن سے) اس سورۃ سے پہلے 95 سورتیں ہیں جو کہ 19 کا ٹھیک حاصل ضرب ہیں یعنی قرآن مجید کے نازل کرنے والے نے پہلی وحی جس کے الفاظ 19 تھے' کو 19 والی سورت میں رکھا اور پہلی وحی کے حروف (اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَق اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ) 76 تک محدود کر دیئے تاکہ 19 کا فارمولہ قائم رہے اور پھر اس سورت کو قرآن کی کل ترتیب میں 96 نمبر پر رکھا تاکہ اس سے پہلے 19x5=95 سورتیں اور بعد میں 19x1=19 سورتیں ہوں۔ سُبْحَانَ اللہ کیا کمال ہے۔ کیا بیچارے انسان کے بس میں ایسی کوئی بات ہے؟ رب تعالیٰ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ آگے دیکھئے' سورۃ 96 کے کل حروف 304 مقرر کرتا ہے تاکہ وہ بھی 19 کا حاصل ضرب ہو 304=19x16

(۶) بہ لحاظ ترتیب زمانی (Chronological Order) آخری سورۃ النّصر کا ہندسی اعجاز:

نبی اکرم ﷺ وحی کی ہدایت کے مطابق کاتبانِ وحی سے فرما دیتے کہ فلاں آیت فلاں سورۃ کی فلاں آیت کے بعد لکھیں۔ کوئی کمپیوٹر نہیں' کوئی حساب دان نہیں لیکن پھر بھی قرآنِ حکیم اس انتہائی پیچیدہ حساب کے مطابق ترتیب پاتا گیا حتیٰ کی آخری سورۃ النّصر کا نزول ہوا۔ یہ سورت بھی ٹھیک 19 اَلفاظ پر مشتمل ہے اور اُس کی پہلی آیت جس میں اللہ کی نصرت اور اسلام کی فتح کی بشارت ہے: اِذَا جَــــآءَ نَــصْــــرُاللہِ وَالْــفَتْحُ (ا-ذ-ا-ج-ا-ء-ن-ص-ر-ا-ل-ل-ہ-و-ا-ل-ف-ت-ح) بھی ٹھیک 19 حروف کا مجموعہ ہے۔ یوں کلام اللہ کی پہلی اور آخری سورت ایک ہی حسابی قاعدہ کے لحاظ سے مرتب ہوئیں!''

اللہ کے بعض صفاتی ناموں کا ہندسی معجزہ: ''یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بعض صفاتی نام بھی بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے الفاظ کی تعداد کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں۔ مثلاً اگر اِسْم 19 مرتبہ آیا ہے تو اللہ کا صفاتی نام واحِد بھی 19 مرتبہ ہی آیا ہے۔ جہاں قرآن مجید میں اللہ کا ذاتی نام اَللہ 2699 دفعہ آیا ہے وہاں ذُوالفضلِ العظیم کا صفاتی نام بھی 2699 دفعہ ہی آیا ہے۔ اَلرَّحمٰن 57 مرتبہ ہے تو مجید بھی 57 مرتبہ اور اَلرَّحِیْم بھی 57 مرتبہ ہی آیا ہے۔ (2699 کا ہندسہ 19 پر پورا پورا تقسیم نہیں ہوتا' وجہ دیکھئے صفحہ ۷۷۷ پر)

''بار بار 19 کے ہندسہ کی اس تکرار کے بعد متعصب سے متعصب نقاد کے لئے بھی یہ کہنا کہ یہ سب اتفاقات ہیں' مشکل ہوگا۔ کیونکہ یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ یہ حساب کون لگاتا تھا؟ کیا اپنی مدد کے لئے کیا رسول

اکرم ﷺ نے کچھ حساب دان مقرر کر رکھے تھے جو الفاظ اور حروف کو گنتے رہتے اور پھر ایسا انتخاب کرتے کہ اُنیس کا فارمولہ قائم رہے؟ لیکن کیا اُس وقت یا کسی بھی زمانے میں یہ انسان کے بس کی بات ہے؟ اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ اس کے پیچھے کرنے والے کا کیا مقصد ہوگا؟''

سورہ نمل کی پہلی بِسْمِ اللہ اور دوسری بِسْمِ اللہ کے درمیان الفاظ کا مجموعہ بھی 342 ہے جو 19 کا حاصل ضرب ہے۔ بِسْمِ اللہ اور 19 کے تعلق سے سورۃ تَوبہ اور سورۃ نَمل کا بھی ایک عجیب معجزہ ہے۔ سورہ توبہ کا نمبر 9 ہے جو بِسْمِ اللہ کی آیت سے شروع نہیں ہوتی اور سورۃ نَمل کا نمبر ترتیبی 27 ہے جس میں بِسْمِ اللہ دو دفعہ آتی ہے۔ اِن دونوں کے درمیان آنے والی سورتوں کے نمبر ترتیبی کی حاصل جمع 342 بنتی ہے جو پھر سے 19 ہی کا حاصل ضرب ہے۔ خود جمع کر کے دیکھ لیجئے:

342=27+26+25+24+23+22+21+20+19+18+17+16+15+14+13+12+11+10+9 342=19x6x3

''لفظ قرآن کا معجزہ: قرآنِ حکیم کا اپنا نام مبارک ''قرآن'' پوری کتاب میں 58 دفعہ آیا ہے۔ لیکن سورہ یونس کی پندرھویں آیت میں جس لفظِ قرآن کا ذکر آیا وہ بقُرآنٍ غَيرِ هٰذَا یعنی ''اس قرآن کے علاوہ'' کے الفاظ کے ساتھ آیا ہے یعنی اس لفظ ''قرآن'' کو ہم اصلِ قرآن کے حساب سے غیر (یعنی مستثنیٰ) کریں گے۔ یوں کلام اللہ کے قرآن کے اعداد 57 ہی ہیں جو کہ ٹھیک 19 کا حاصل ضرب ہیں (57=19x3)۔

''لفظ صلوٰۃ کا معجزہ: لفظ صلوٰۃ جو کہ اسلام کا دوسرا ستون ہے' سارے قرآنِ حکیم میں 67 دفعہ آیا ہے۔ اب اگر ہم اس میں اُن سورتوں کے نمبر اور آیات کے نمبر جن میں لفظ صلوٰۃ آتا ہے' سب کو جمع کریں (یعنی ایسا ہی جدول بنائیں جیسا جدول اگلے صفحے پر آ رہا ہے) تو ٹوٹل 4674 بنتا ہے جو کہ 19 کا حاصل ضرب ہے (4674=19x246) سبحان اللہ! تمام اہم ارکانِ اسلام 19 کے حسابی کلیے سے محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔''

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ کا حیرت انگیز معجزہ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ کلمہ شہادت ہے جو قرآن مجید کی ٹھیک 19 سورتوں میں آیا ہے۔ پہلی دفعہ سورۃ البقرۃ کی آیت مبارکہ 163 میں (یہ الفاظ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ) آیا اور آخری دفعہ یہ سورۃ مُزَّمِّل کی آیت مبارکہ 9 میں ہے۔ نہایت ہی حیران کن بات یہ ہے کہ جن سورتوں میں کلمہ شہادت آیا ہے' اُن کے ترتیبی نمبروں اور متعلقہ آیات کے اعداد کی جمع بھی 19 کا ہی حاصل ضرب ہے۔ اس پیچیدہ حساب کی تفصیل مندرجہ ذیل جدول میں دکھائی گئی ہے۔ اس کے سامنے عقل بے بس ہے کہ اس قدر پیچیدہ نظام کیسے ممکن ہوا۔ لیکن اگر حساب رکھنے والی ذات پاک مالکِ کون و مکان ہو تو پھر یہ قابلِ سمجھ بات ہو جاتی ہے۔'' (''قرآنِ پاک۔۔ایک چیلنج' ایک سائنسی معجزہ''۔۔ میجر (ر) میر افضل خان۔۔ص ص ۱۶۹ تا ۱۷۲)

قرآن کریم میں کلمہ شہادت کا حسابی نظام

نمبر شمار	سورت نمبر	کلمہ شہادت والی آیات	سورت میں کلمہ شہادت کی تعداد
1	2بقرۃ	163,255	2
2	3عمران	2,6,18,18	4
3	4النساء	87	1
4	6انعام	102,106	2
5	7اعراف	158	1
6	9توبہ	31	1
7	11ھود	13	1
8	13رعد	30	1
9	20طہ	8,98	2
10	23مومنون	116	1
11	27 نمل	26	1
12	28 قصص	70,88	2
13	35فاطر	3	1
14	39زمر	6	1
15	40مومن	3,62,65	3
16	44دخان	8	1
17	59حشر	22,23	2
18	64التغابن	13	1
19	73مزمل	9	1
حاصل جمع	507	1592	29

اب آپ اِن تینوں ہندسوں 29,1592,507 کو جمع کریں تو یہ 2128 بنتا ہے جو کہ پھر سے 19 کا حاصل ضرب ہے یعنی 2128=19x112 سُبحان اللہ ! حساب رکھنے والے نے کیا کمال حساب رکھا ہے! اور پھر صرف اسی پر بس نہیں' معانی اور مفاہیم اور فصاحت و بلاغت ایسی پُر جمال و پُر جلال جس نے عرب کے نامور فصحاء و بلغاء کے گھٹنے ٹکوا دیے تھے' جنہوں نے تیر و تفنگ سے خون کی ہولی کھیلنے کو ترجیح تو دی لیکن قرآن کے چیلنج کو قبول کرنے اور اس کے مقابل لانے کی کوئی بھی چیز پیش کرنے سے عاجز رہے اور تا قیامت عاجز رہیں گے۔

حروفِ مقطّعات کا کمپیوٹرائی معجزہ: قرآن مجید کی 29 سورتوں کا آغاز حروفِ مقطعات سے ہوتا ہے۔ اِن حروف کی تعداد 14 ہے جو کہ عربی کے کل حروف کا نصف ہے۔ حروفِ مقطعات یہ ہیں:۔

ا-ل-م-ر-ح-ع-س-ق-ط-ہ-ك-ی-ص-ن کل میزان= 14

''کمپیوٹروں کی مدد سے کئے گئے تجزیوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ حروف قرآن مجید کا ایسا لا جواب معجزہ ہیں جو اِسی کمپیوٹر کے زمانہ میں ہی ظاہر ہوسکتا تھا۔ ذیل میں صرف چند ایک سادہ' عام فہم باتوں کا ذکر کیا گیا ہے:۔

''حروفِ مقطعات والی پہلی سورت نمبر 2 (البقرۃ) اور آخری سورت نمبر 68 (اَلْقَلَم) کے درمیان اللہ تعالیٰ نے 38 غیر مقطعات حروف والی سورتیں رکھی ہیں۔ یہ 38 تعداد بھی 19 کا حاصل ضرب ہے (19x2=38) مزید برآں یہ کہ اِن دونوں سورتوں کے درمیان آیات کی کل تعداد 5263 ہے جو کہ 19 کا حاصل ضرب ہے۔ (19x277=5263) اس سے ثابت ہوا کہ سورتوں کی ترتیب الٰہیہ ہے۔ کسی انسان کے لئے ایسے حساب کے مطابق سوچنا بھی محال ہے۔''

''آیئے ہم صرف سورۃ البقرۃ کے مقطعات ا-ل-م کے حسابی نظام کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ ا-ل-م کے جو کچھ بھی معنی ہیں' وہ اپنی جگہ پر لیکن ان تین حروف نے دنیا بھر کے علماء' سائنسدانوں اور دانشوروں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت قائم کردی ہے کہ قرآن مجید کی تشکیل' ترتیب اور کلام میں ہرگز ہرگز کوئی انسانی دخل نہیں اور یہ خالصتاً خالقِ کائنات کا کلام ہے۔ کمپیوٹروں کی مدد سے جب تمام قرآن کے ا-ل-م گنے گئے تو یہ دیکھ کر عقل مبہوت رہ گئی کہ اِن تینوں حروف کا حاصل جمع 19 کا حاصل ضرب ہے۔'' ("Computer Speaks" ... Rashid Khalifa

Publishers : Islamic Production, 739-E 6th Street, Ticketson A.Z. 85716 U.S.A.

بحوالہ ''قرآن پاک ایک چیلنج ایک سائنسی معجزہ''۔ میجر (ر) میر افضل خان' ص ص ۱۷۸ تا ۱۸۰)

مقطّعاتی سورتوں کا اپنا معجزانہ کمپیوٹرائی نظام

''(1) قٓ کا معجزہ: قرآن کریم کی سورۃ 42 (اَلشُّورٰی) کے حروفِ مقطعات حٰمٓ عٓسٓقٓ ہیں جن میں حرف قٓ آتا ہے۔ سورۃ قٓ بھی حرفِ مقطّع قٓ سے شروع ہوتی ہے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ اِن دونوں سورتوں کے تمام الفاظ میں حرف ''قٓ'' 57, 57 دفعہ استعمال ہوا ہے جو بیان کردہ کلیہ کے عین مطابق ہے۔ اب قٓ کے حروفِ مقطعات والی دونوں سورتوں میں قٓ کی کل تعداد (57+57=)114 بنتی ہے جو کہ کلام اللہ کی کل سورتوں کی تعداد ہے اور یہ بات پہلے بیان ہوچکی ہے کہ بذاتِ خود لفظ ''قرآن'' بھی کلام اللہ میں 57 دفعہ آیا ہے۔''

''لیکن قٓ کا صحیح معنوں میں دماغ کو ہلا دینے والا (Mind Boggling) معجزہ یہ ہے کہ اِس سورت کی آیت 13 میں ''قوم'' کے لفظ کو ''اِخوان'' کے لفظ سے بدل دیا گیا ہے حالانکہ پیغمبروں کی اُمتوں کے لئے قرآن مجید نے ہر جگہ ''قوم'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ لیکن یہاں کی مثال استثنائی کیفیت کی ہے کہ یہاں اگر ''قوم'' کا لفظ استعمال کیا جاتا تو سورت مذکورہ میں استعمال ہونے والے قٓ کی تعداد 58 ہو جاتی جو قائم کردہ فارمولہ کے خلاف ہو جاتا۔ اسی لئے ''قوم'' کے لفظ کی بجائے ''اِخوان'' کا لفظ الٰہی حکمت کے تحت استعمال کیا گیا۔'' (''قرآن پاک۔۔ایک سائنسی معجزہ'' از سلطان بشیر محمود' صفحہ 146 اِسلام آباد ۲۰۰۶)

"نٓ کا معجزہ: سورۃ نمبر 68 (القلم) کی پہلی آیت حرف مقطّع ن سے شروع ہوتی ہے اور یہ حرف ن پوری سورت میں 133 دفعہ استعمال ہوا ہے جو 19 کا ٹھیک ٹھیک حاصل ضرب ہے (یعنی 133=19x7)

''یٰسین کا معجزہ: سورۃ 36 یٰسین حروف مقطّعات ''ی' س'' سے شروع ہوتی ہے۔ اس سورت مبارکہ میں بھی وہی حسابی فارمولہ موجود ہے۔ ساری سورت میں حرف ''ی'' 237 دفعہ اور حرف ''س'' 48 دفعہ استعمال ہوا ہے۔ ان دونوں کا مجموعہ 48+237=285 ہے جو کہ 19 کا ٹھیک ٹھیک حاصل ضرب ہے (یعنی 285=15x19)

''عٓسٓقٓ کا معجزہ: عٓسٓقٓ حروف مقطّعات سورت نمبر 42 (اَلشُّورٰی) کی دوسری آیت ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں حروف ع۔ س۔ ق بالترتیب 98 ,54 ,57 دفعہ استعمال ہوئے ہیں جن کا کل مجموعہ 209 ہے جو کہ 19 کا ٹھیک ٹھیک حاصل ضرب ہے (یعنی 209=19x11)۔

''صٓ کا معجزہ: قرآن حکیم کی تین سورتوں یعنی اَعراف (۷)' مریم (۱۹) اور ص (۳۸) میں حرف مقطّع ''ص'' موجود ہے۔ ان تینوں سورتوں میں حرف ''ص'' 152 دفعہ استعمال ہوا ہے جو 19 کا پھر ٹھیک ٹھیک حاصل ضرب ہے (152=19x8)۔ وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل جدول ملاحظہ ہو:

سورت نمبر	سورت	''ص'' کی تعداد
7	اعراف	97
19	مریم	26
38	ص	29
کل 64		8x19 = 152

حٰمٓ کا معجزہ: قرآن حکیم کی کل سات سورتوں (سورت 40 تا 46) کا ان دو حروف (ح اور م)

سے آغاز ہوتا ہے۔ان میں ح اور م کے حروف کی کل تعداد 2147 ہے جو پھر سے 19 کا ٹھیک حاصل ضرب ہے (یعنی 2147=19x113)۔مندرجہ ذیل جدول اس حساب کو دکھاتی ہے:۔

سورت نمبر	ح کی تعداد	م کی تعداد	کل ح،م
40 مومن	64	380	444
41 حم سجدہ	48	276	324
42 شوریٰ	53	300	353
43 زخرف	44	324	368
44 دخان	16	150	166
45 جاثیہ	31	200	261
46 احقاف	36	225	261
کل	292	1855	2147

''الٓمٓ کا معجزہ : سائنسی اور علمی ترقی کے اس ہوش رُبا دَور میں انسانی عقل اس حیرت انگیز دریافت پر انگشت بہ دنداں ہے کہ تمام قرآن مجید میں الف' ل اور م اتنی دفعہ استعمال ہوئے ہیں جن کا کل مجموعہ 19 کے عدد کا پورا پورا حاصل ضرب ہے۔''

''سورہ آل عمران (۳) حروف مقطعات الٓمٓ سے شروع ہوتی ہے جس کا حرف م ہماری خصوصی توجہ کا طالب ہے۔سورہ مبارکہ کی آیت 96 میں عام مستعمل لفظ'' مکّہ '' کی بجائے بَکّہ استعمال ہوا ہے۔اس تبدیلی کی وجہ یہی ہے کہ اگر وہاں'' مکّہ '' کا لفظ استعمال ہوتا تو سورت میں استعمال ہونے والے حرف'' م'' کی تعداد (جو 8683 ہے) 19 کے حاصل ضرب سے 1 زیادہ ہوجاتی جبکہ 8683 کا عدد 19 کا پورا پورا حاصل ضرب ہے (یعنی 19x457=8683)۔

حرف آخر : طاقتور اور انتہائی اعلیٰ وقیمتی کمپیوٹروں کی مدد سے بھی قرآنی کمپیوٹرائی نظام کے مطابق کسی کتاب کی تشکیل انتہائی مشکل کام ہوگا اور چودہ صدیاں پہلے تو یہ ہر لحاظ سے ناممکن تھا بالخصوص یہ کہ قرآن حکیم کوئی ایسی کتاب تو تھی نہیں جسے بیٹھ کر کسی مصنّف نے لکھ دیا ہو۔یہ تو پورے 23 سال کی لاثانی جدّ وجُہد اور انتہائی فعّال زندگی کے دوران ٹکڑے ٹکڑے نازل ہوتا رہا' ایسی زندگی جس میں ایک دن بھی ایسا نہیں تھا کہ صاحب قرآن ﷺ آرام سے بیٹھ کر کچھ لکھ لیتے۔تو پھر ایسا معجزانہ حساب وہ کیسے کر سکتے تھے؟ یقیناً قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اور یہ اُسی کا کارنامہ ہے۔

کمپیوٹر میں یادداشت کا عنصر: کمپیوٹر ٹیکنالوجی کے ایک ماہر Thomas C. Bartee نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:۔

''اعداد اور ہندسوں پر مبنی کمپیوٹر (Digital Computer) کا اہم منصبی کام معلومات کا ذخیرہ کرنا اور اُن کو محفوظ کرنا ہوتا ہے۔ یہ قدرتی بات ہے کہ تیز رفتار الیکٹرانک کمپیوٹر نے بھی یادداشتی نظاموں کی ترقی کے دوش بہ دوش اُسی شرح سے ترقی کی ہے۔'' ("Digital Computer Fundamentals", p. 246)

انسان کی بنائی ہوئی کمپیوٹر کی یادداشت کی مشین سے متعلق مندرجہ بالا بیان سے زیادہ وزنی ذیل کی آیاتِ قرآنی ہیں۔ اِن آیات میں لوحِ محفوظ کا تصوّر موجود ہے جس میں روزِ اوّل تا آخر ہر قسم کا مواد محفوظ ہے:۔

(الف) معلومہ مواد کا تحفظ (Data Saved): یوں لگتا ہے کہ کمپیوٹر کے نظامِ یادداشت اور معلومہ مواد کے تحفظ کا تصوّر ماہرین نے قرآن مجید کی ان آیات سے لیا ہے:۔

(۱) لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ سَنَكْتُبُ مَاقَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِo (آلِ عمران:۱۸۱)

''یقیناً اللہ نے اُن لوگوں کا قول سُن لیا ہے جنہوں نے کہا کہ اللہ مفلس ہے اور ہم مالدار ہیں' ہم ضرور اُن کے کہے ہوئے کو اور اُن کے ناحق قتلِ انبیاء کو لکھ کر رہیں گے اور ہم کہیں گے کہ (اب) آگ کے عذاب کا مزہ چکھو۔'' (۳ : ۱۸۱)

(۲) وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍo (یونُس: ۶۱)

''اور آپ کے پروردگار سے ذرّہ برابر (بھی کوئی چیز) غائب نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر یہ کہ سب کتابِ مبین میں ہیں۔'' (۱۰ : ۶۱)

(۳) وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِىْ عُنُقِهٖ وَ نُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًاo (الاسراء: ۱۳)

''اور ہر انسان کا عمل ہم نے اُس کے گلے کا ہار کر رکھا ہے اور اُس کے لئے قیامت کے دن ہم (اُس کا) نامہ اعمال نکال کر سامنے کر دیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھ لے گا۔'' (۱۷ : ۱۳)

'طٰٓئِرَہ' سے مراد ہر مکلّف انسان کے افعالِ اختیاری ہیں۔ یہ نامہ اعمال جو اُس وقت تک عالمِ غیب میں فرشتوں کے ہاتھ میں محفوظ ہوگا' حشر میں کھول کر ہر بندہ کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔

نہ وہ کسی ایذا رساں چیز سے بچتا ہے اور نہ کسی نافع چیز کو اختیار کرتا ہے یہاں تک کہ اُسے اتنا بھی شعور نہیں ہوتا کہ اپنی ماں کی چھاتی کیسے منہ میں لے۔ چنانچہ اُس کی ماں اُسے کئی روز تک سکھلانے کی کوشش کرتی ہے تب اُسے دودھ پینا آتا ہے۔ پھر اس ساری کمزوری اور نادانی کو طے کرنے کے بعد وہ قوّت اور اِدراک میں ترقی کرتا ہے یہاں تک کہ ایک ایسے اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ وہ ایسا لگتا ہی نہیں جیسا کہ وہ پہلے تھا۔ وہ نہایت قوی اور صاحبِ غلبہ بن جاتا ہے کہ پتھروں کو اکھاڑ پھینکتا ہے اور بڑی بڑی عالیشان عمارات تعمیر کرتا ہے حالانکہ وہ پہلے نہایت ہی کمزور اور عاجز تھا۔ اسی طرح وہ متبحر عالم اور محقق فلاسفر بن جاتا ہے جبکہ اس سے پہلے وہ نری نادانی کا مجسمہ تھا۔ اپنی قوت اور عقل کے ذریعہ سے وہ بحر و بر کے حیوانات پر تسلط حاصل کر لیتا ہے' پرندوں اور خطرناک درندوں کو اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے' نظامِ شمسی کا انضباط کرتا ہے اور پھر بھی اِن قوّتوں اور صلاحیتوں کے عطا کرنے والے خدائے واحد کا یا تو اقرار کرتا ہے' یا اُس سے پرلے درجے کا منکر بن جاتا ہے۔''

''رہا بندر' تو وہ اور اکثر حیوانات کی طرح ایک قسم کی قوّت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ کافی حرکت کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ جو غذا اُس کے لئے مہیا ہوتی ہے' وہ اُسے جان لیتا ہے اور بغیر اُس کوشش اور تدبیر کے جو انسان کی ماں کو اپنے بچہ کے لئے کرنا پڑتی ہے' بندر کا بچہ اپنی ماں کی چھاتی منہ میں لے لیتا ہے' ایذا رساں چیزوں سے بچتا ہے' نافع چیز کو اختیار کرتا ہے اور نہایت ہی تھوڑی مدت میں جس میں کہ انسان کا بچہ اپنے سُرین پر بیٹھنے کے بھی قابل نہیں ہوتا' وہ اپنا رزق تلاش کرنے کے لئے دوڑنے لگتا ہے اور اُسے اس قدر سمجھ بھی حاصل ہوتی ہے جو اُس کے امورِ زندگی کی انجام دہی کے لئے کافی ہو۔''

''پس اگر بندر اور انسان ایک ہی اصل سے نکلے ہوتے اور انسان اُس سے ترقی کر گیا ہوتا تو اُس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اُس حالت میں نہ ہوتا جس کا ابھی ذکر ہوا بلکہ اپنی پیدائش کے وقت بندر سے تو کم نہ ہوتا جس سے وہ ترقی کر کے انسان بن گیا تھا۔ کیونکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ انسان کا بچہ قوّت اور سمجھ میں اتنی پستی کی حالت میں ہو جبکہ اُس کا ساتھی جو اُس کے ساتھ ایک ہی اصل میں سے نکلنے میں شریک ہے اور جس سے کہ وہ ترقی کر کے انسان بن گیا ہے' قوّت اور سمجھ میں اس سے زیادہ ہو۔ اگر کہا جائے کہ انسان اپنے شریک (بندر) سے صورت کی عمدگی میں تو ترقی کر گیا ہے لیکن بعض اسباب کی وجہ سے قوّت اور سمجھ میں اس سے پیچھے رہ گیا تو ہم اس کا جواب یہ بھی دیں گے کہ پھر کیا وجہ ہے کہ بڑے ہونے پر یہ باتیں انسان میں کامل ہو جاتی ہیں اور وہ اِن دونوں باتوں یعنی قوّت اور سمجھ میں بندر سے کہیں زیادہ ترقی کر جاتا ہے؟ لہٰذا سچی بات تو یہ ہے کہ یہ کہنا کہ انسان اور بندر ایک ہی اصل سے نکلے ہیں' بالکل بودا اور کمزور سا مفروضہ ہے۔ اور یہ بھی کہ بندر کی صرف صوری (شکلی) مشابہت اتنے بڑے عظیم فرق کا جو اُن دونوں میں پایا جاتا ہے' جس کا ابھی ذکر ہوا' ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتی۔'' (ایضاً ص ص ۵۰۴'۴۰۴)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا بندر اور خنزیر مسخ شدہ لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے کسی قوم کو ہلاک کر کے یا کسی قوم کو عذاب دے کر اُس کی نسل نہیں چلائی۔ بندر

نُـخْـرِجُ (ہم نکال باہر کریں گے) کے لفظ میں معلومات کا محفوظ رہنا(Data Saved) اور معلومات کی برآمدگی(Data Retrieved) دونوں آگئے۔

(۴) لَقَدْ أَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا٥ (مریم : ۹۴)
"اُس نے اُنہیں احاطہ میں لے رکھا ہے اور اُنہیں خوب شمار کر رکھا ہے۔" (۹۴ : ۱۹)

''احاطہ میں لے رکھا ہے'' اپنی قدرت سے اور ''خوب شمار کر رکھا ہے'' اپنے علم سے۔خوب شمار کر رکھنے میں مخلوق کی ذات وصفات' عمل وکردار' سب کی جانچ' سب کی گنتی آگئی۔

(۵) وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ٥ (المؤمنون : ۶۲)
''اور ہمارے پاس ایک رجسٹر ہے جو ٹھیک ٹھیک بتا دے گا اور لوگوں پر ظلم نہ ہوگا۔'' (۶۲ : ۲۳)

(۶) وَنَكْتُبُ مَاقَدَّمُوْا وَآثَارَهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنٰهُ فِيْ إِمَامٍ مُّبِيْنٍ٥ (یٰسٓ : ۱۲)
''اور ہم اُسے لکھتے جاتے ہیں جو وہ آگے بھیجتے جاتے ہیں اور پیچھے چھوڑتے جاتے ہیں اور ہم نے ہر شے کو ایک واضح کتاب میں درج کر رکھا ہے۔'' (۱۲ : ۳۶)

مَـاقَـدَّمُوْا سے مراد وہ کام ہیں جو اُنہی کی ذات پر ختم ہو گئے یعنی اعمالِ ذاتی اور وَآثَـارَهُمْ سے مراد وہ اعمال ہیں جو دوسروں کی ہدایت وگمراہی کا سبب بنے یعنی اعمالِ متعدی۔

(۷) هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ٥ (الجاثیۃ : ۲۹)
''یہ ہمارا رجسٹر ہے جو تمہارے خلاف ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے' تم جو کچھ بھی کرتے رہتے تھے' ہم سب لکھواتے جاتے تھے۔'' (۲۹ : ۴۵)

(۸) مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ٥ (قٓ : ۱۸)
''وہ (یعنی انسان) کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر یہ کہ اُس کے آس پاس ہی ایک تاک میں لگا رہنے والا تیار ہے۔''

''منہ سے اِدھر بات نکلی نہیں کہ اُدھر فرشتوں نے اُسے نوٹ کر لیا۔بات اگر اچھی ہے تو اُسے بھی اور اگر

بُری ہے تو اُسے بھی! اللہ اکبر! کیا ٹھکانہ ہے انسان کی ذمہ داریوں کا' وہ اللہ کا نائب بنا کر دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ وہ دن رات کے چوبیس گھنٹوں کے لئے' گھنٹے کے ہر منٹ کے ہر پل کے لئے ذمہ دار ہے۔ غفلت کی مہلت اُسے ایک پل کے لئے بھی نہیں۔ آیت ہر وقت پیشِ نظر رہے تو کیا مسلمان سے کبھی بھی کسی گناہ کے سرزد ہونے کا امکان ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ہاں کا یہ ضابطہ بتا کر مسلمان کے لئے راہِ عمل کتنی آسان کردی ہے!'' [تفسیر ماجدی (حصّہ اردو) ص ۱۰۳۷]

(۹) وَكُلَّ شَىْءٍ أَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًاo (اَلنَّبَا: ۲۹)

''اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر منضبط کر رکھا ہے۔'' (۲۹ : ۷۸)

(۱۰) فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗo وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗo (اَلزِّلْزال:۷'۸)

''سو جو کوئی ذرّہ بھر بھی نیکی کرے گا اُسے دیکھ لے گا اور جو کوئی ذرّہ بھر بھی بدی کرے گا' اُسے دیکھ لے گا۔'' (۹۹ : ۸'۷)

(ب) **معلومات کی برآمدگی (Data Retrieved)** : ہماری اِس دنیا کے کمپیوٹر معلومات کی برآمدگی (Retrieval) میں چند سیکنڈ جیسا اقل قلیل وقت تو لیتے ہی ہیں لیکن الٰہی کمپیوٹر محفوظ شدہ معلومات' مختلف مواد اور لوگوں کے اعمال واقوال کو پلک جھپکنے سے بھی پہلے لاموجود کرے گا' جس طرح ملکہ سبا (بلقیس) کے بھاری بھرکم اور ہیرے جواہرات سے مرصّع تخت کو سلیمان علیہ السلام کے وزیر (آصف برخیا) نے پندرہ سو میل کے دُور دراز فاصلے سے خداداد طاقت سے چشمِ زدن میں لاموجود کیا تھا۔ اس برآمدگی کی حیران کن عجلت کی بابت چند آیات ملاحظہ ہوں:

(۱) يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًاۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ (آلِ عمران:۳۰)

''جس دن ہر شخص اپنے ہر نیک عمل کو سامنے لایا ہوا پائے گا اور (اسی طرح) ہر بُرے کام کو بھی۔'' (۳ : ۳۰)

''بعض صوفیہ عارفین نے یہ معنی کئے ہیں کہ انسان بجنسہٖ اُس عمل کو کرتے ہوئے اپنے کو پائے گا۔ حضرت اکبر الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ اُردو کے مشہور شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم وعارف بھی تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو ہر وقت ہم بولا کرتے ہیں کہ ''وقت چلا گیا''۔ وقت جاتا کہاں ہے؟ ہاں اللہ تعالیٰ کے ہاں چلا جاتا ہے اور وہیں جمع رہتا ہے۔ قیامت کے دن حق تعالیٰ اُسی ''وقت'' کو حکم دیں گے۔ پس جب وقت واپس آئے گا تو جو کچھ بھی وقت کے اندر ہوتا رہا ہے' اُس سب کو لئے ہوئے آئے گا اور اِس کائنات میں جو کچھ ہوتا رہا ہے سب اُس روز بجنسہٖ دوبارہ واقع ہو کر رہے گا۔'' (تفسیر ماجدی حصّہ اردو' ص ۱۲۹)

(۲) وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْهُوَ أَقْرَبُ (اَلنَّحل : ۷۷)
''اور قیامت کا معاملہ ایسے ہوگا جیسے آنکھ کا جھپکنا بلکہ اُس سے بھی جلد تر۔'' (۷۷ : ۱۶)

كَلَمْحِ الْبَصَرِ یعنی آناً فاناً۔ عام محاورہ میں کسی شے کے فی الفور واقع ہو جانے کے لئے طریق تعبیر یہی ہے۔ آیت کے آخر میں کمالِ قدرت کا بیان ہے جبکہ آغازِ آیت (وَلِلّٰہِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ یعنی اللہ ہی کے لئے خاص ہیں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں) میں حق تعالیٰ کے کمالِ علم کا بیان ہے' اور ان دونوں کے درمیان قیامت کا ذکر ہے۔ أَوْ (بمعنی یا) یہاں شک اور تردّد کے لئے نہیں بلکہ بَلْ (بلکہ) کے معنی میں ہے (تفسیر بیضاوی)۔

(۳) وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً إِلَّا أَحْصٰهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا (الکهف: ۴۹)
''اور نامہ اعمال رکھ دیا جائے گا' سو (اے مخاطب!) تو مجرموں کو دیکھے گا کہ جو کچھ اُس میں (لکھا) ہے' اُس سے ڈر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہائے ہماری کم بختی! اس نامہ اعمال کی تو عجیب حالت ہے کہ اُس نے (کوئی گناہ) بغیر اُسے قلمبند کئے نہ چھوڑا' نہ چھوٹا نہ بڑا اور اُنہوں نے جو کچھ بھی کیا تھا' اُسے (لکھا ہوا) موجود پائیں گے۔'' (۴۹ : ۱۸)

''منکروں کے حق میں منظرِ حشر کی یہ کس درجہ مؤثر و پُر حسرت تصویر ہے! وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا بعض اہلِ کشف نے لکھا ہے کہ یہ اعمال لکھی ہوئی صورت میں نہیں بلکہ اپنی اصلی صورت میں پیش ہوں گے یعنی ہر عامل اپنے کو بعینہٖ وہی عمل کرتا ہوا پائے گا جو اُس نے دُنیا میں کیا تھا۔'' (تفسیر ماجدی اردو' ص ۶۱۱)

(۴) وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ۝ (قٓ : ۲۳)
''اور اُس کے ساتھ والا (فرشتہ) کہے گا کہ یہ وہ (روئیداد) ہے جو میرے پاس تیار ہے۔''
(۵۰:۲۳)

''اس سے مراد نامہ اعمال ہے۔ حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ ہر انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی ایک فرشتہ اور ایک شیطان اُس کے ساتھ کر دیا جاتا ہے۔ فرشتہ نیکیوں کی راہ دکھاتا رہتا ہے اور شیطان بدیوں کی راہ سجھاتا رہتا ہے۔ اس آیت (۲۳) میں فرشتے کا قول نقل ہو رہا ہے۔'' (ماجدی' صفحہ ۱۰۳۷)

(۵) يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ (اَلنَّبَا: ۴۰)
''اُس دن ہر شخص اُسے دیکھ لے گا جو کچھ وہ آگے بھیج چکا ہے۔'' (۷۸:۴۰)

(۲۸) نظریہ کائنات و آفاقیات اور قرآن حکیم (COSMOLOGY)

Cosmology (نظریہ آفاقیات) کائنات کی بہ حیثیت مجموعی ساخت کے مطالعہ کا نام ہے۔ یہ لفظ یونانی لفظ Kosmos سے لیا گیا ہے بمعنی وہ نظام جو آسمان کے حسن و جمال میں نظر آتا ہے۔ Cosmology کا لفظ Cosmogony کے لفظ سے مختلف ہے اور Cosmogony کائنات کی انفرادی چیزوں کی ابتدا اور اُن کے ارتقاء سے متعلق ہے جیسے ستارے اور کہکشائیں۔ کائنات اور آفاقیات کے مطالعہ کی تاریخ خاصی قدیم ہے لیکن جدید نہج پر کائنات کا مطالعہ 1917 میں شروع ہوا جب آئن سٹائن نے اپنے جنرل نظریہ اضافیت کا اطلاق بہ حیثیت مجموعی کائنات کی ساخت پر کیا۔'' (Encyclopedia Americana, Vol. 8, p. 38) 1985 USA.

''کائنات کے ارتقاء کے سائنسی مطالعہ کا نام Cosmology ہے جبکہ کائنات کی ابتدا کا سائنسی مطالعہ Cosmogony کہلاتا ہے۔'' (Funk & Wagnalls New Encyclopedia of Science, Vol. 20, p. 1756)

''اگرچہ علمِ ہیئت کے ماہرین کائنات کے صحیح سائز کا تعین نہیں کر سکے' تاہم اُنہوں نے اُن اشیاء کا کھوج لگا لیا ہے جو دس اُرب نوری سالوں جتنے فاصلے پر واقع ہیں۔ نوری سال وہ فاصلہ ہے جسے روشنی ایک سال میں چھ کھرب میل کا فاصلہ طے کرتی ہے۔ اُس کائنات میں جو ہماری نظروں میں ہے' تقریباً ایک اُرب کہکشائیں ہیں جن میں سے ہر ایک میں اوسطاً ایک سو اُرب ستارے ہیں۔'' (ایضاً' جلد پنجم' صفحہ ۳۸۴)

'کائنات: کائنات تمام اجرامِ فلکی کے نظام و ترتیب کا نام ہے۔ ہر وہ چیز جو مادّے یا توانائی کی شکل میں موجود ہے' کائنات (یا کوسموس) سے متعلق ہے۔ ایک لحاظ سے کائنات پر جتنی جتنی تحقیق ہوتی ہے' وہ اُتنی ہی بڑھتی چلی جاتی ہے۔'' (ایضاً' جلد ۲۰' صفحہ ۱۷۵۶)

قرآن مجید نے سائنسدانوں اور ماہرین کائنات کی توجہ اس سوال کی طرف مبذول کرائی ہے کہ مادّے اور توانائی کو کس نے پیدا کیا اور اُس کی مقدار کو کائنات میں مستقل طور پر رکھا کہ اُن کے باہمی تعامل کے غیر مختتم امکانات ہیں اور کس نے روشنی کی رفتار کو ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کے سفر کا فاصلہ دیا۔ قرآن مجید ان تمام سوالات کے جوابات مختصر لیکن جامع طور پر اس طرح دیتا ہے:۔

(۱) وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَیَوْمَ یَقُوْلُ کُنْ فَیَکُوْنُ o (الانعام : ۷۳)
''اور وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو صحیح تناسب کے ساتھ پیدا کیا اور جس دن وہ کہے گا کہ ہو جا پس وہ ہو جائے گا۔'' (۶ : ۷۳)

اِس آخری خط کشیدہ عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ اُس کا کلمہ کسی چیز کو وجود میں آنے کا دروازہ ہے۔ اس جملے کا تعلق Cosmogony سے ہے۔

(۲) وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیْنَ o (اَلْحِجر : ۱۶)
''اور بالیقین ہم نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور اُسے دیکھنے والوں کے لئے اُن سے آراستہ کر دیا۔'' (۱۵ : ۱۶)

(۳) مَا کَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ اِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ o (مریم:۳۵)
''اللہ کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے، وہ بالکل پاک ہے۔ وہ تو جب کسی امر کا تہیہ کر لیتا ہے تو بس اُسے صرف اِتنا کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، سو وہ ہو جاتا ہے۔'' (۱۹ : ۳۵)

یَقُوْلُ (کہتا ہے) کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری آپ کی طرح یہ دو حرفی لفظ 'کُن' بولتا ہے۔ لفظ و حروف تو خود حادث (After-created) ہیں اور نہ حق تعالیٰ کا تلفظ زبان، ہونٹ یا اعصاب کا محتاج ہے۔ بندوں کی سمجھ کے لائق آخر اس کے سوا قریب سے قریب تر پیرایۂ بیان اور اُسلوبِ تعبیر اور کیا اختیار کیا جا سکتا تھا! مقصود صرف اِتنا ہے کہ اُدھر حق تعالیٰ کا ارادہ ہوا اور اِدھر معاً اور بلا توسط و توقف اُس کا ظہور عملاً ہو گیا۔ 'لَـــــهٗ' میں ضمیر اُس چیز کی جانب ہے جس کا وجود خارج میں نہیں ہوا لیکن علمِ الٰہی میں تو بہر حال موجود ہی ہے اور امرِ الٰہی کے اعتبار سے مامور و موجود میں کوئی فرق ہی زمانی حیثیت سے نہیں۔ ہر مامور کے معنی موجود ہونے کے ہیں اور ہر موجود کے معنی مامور ہونے کے ہیں (بحر المحیط)۔

(۴) اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ نِ الْکَوَاکِبِ o (اَلصّٰفّٰت : ۶)
''بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں کی آرائش کے ساتھ آراستہ کر دیا ہے۔'' (۳۷ : ۶)

اَلسَّمَـــآءَ الـــدُّنْیَا یعنی قریب ترین آسمان۔ مراد وہی آسمان ہے جو ہماری زمین سے قریب ترین نظر آ رہا ہے۔ یہ ستارے آسمان میں جڑے ہیں یا نہیں، قرآن مجید کو اِن بحثوں سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ صرف یہ کہتا ہے کہ ستارے اِس فضائے آسمانی کے لئے ذریعہ زینت و سامانِ آرائش ہیں۔

(۵) وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (صٓ : ۲۷)
''اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو اُن کے درمیان ہے، بے حکمت نہیں بنایا' یہ (بے مقصدیت) تو اُن لوگوں کا خیال ہے جو کافر ہیں۔'' (۲۷ : ۳۸)

(۶) خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُالنَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُo خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ (اَلزُّمَر : ٦)
''اُس نے آسمانوں اور زمین کو صحیح تناسب و توازن کے ساتھ بنایا' وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اُس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک وقتِ مقررہ پر چلتا رہے گا' یاد رکھو وہ غالب ہے بڑا بخشنے والا ہے۔ اُسی نے تمہیں ایک ذات سے پیدا کیا' پھر اُسی سے اُس کا جوڑا بنایا اور اُس نے تمہارے لئے چارپایوں کے آٹھ جوڑے پیدا کئے۔'' (۵' ۶ : ۳۹)

''<u>زمین بیضوی (Spherical) ہے</u> : قدیم زمانہ میں لوگ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ زمین چپٹی (Flat) ہے۔ صدیوں تک انسان دُور کسی مہم پر جانے سے ڈرتا رہا کہ کہیں وہ کنارے سے گر نہ جائے۔ سر فرانسس ڈریک پہلا شخص تھا جس نے 1597ء میں بحری سفر کرنے کے بعد یہ ثابت کیا کہ زمین بیضوی ہے۔ قرآن کی یہ آیت ملاحظہ ہو جو دن اور رات کی تبدیلی سے متعلق ہے:
اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ (لُقْمٰن : ۲۹)
''(اے مخاطب!) کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے؟''

یعنی رات آہستہ آہستہ (یعنی بتدریج) دن میں بدلتی ہے اور دن رات میں۔ یہ عمل صرف اور صرف اس صورت میں ممکن ہے اگر زمین بیضوی ہو۔ اگر زمین چپٹی ہوتی تو رات اور دن کی تبدیلی فوراً وقوع پذیر ہو جاتی۔ نیز محولہ بالا آیت يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُالنَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ (وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے) میں يُكَوِّرُ کا لفظ استعمال ہوا ہے جو كَوْر سے بنا ہے اور كَوْر کا معنی ''پگڑی کا بَل'' ہے۔ اس لحاظ سے يُكَوِّرُ کا معنی ہوا ''وہ لپیٹتا ہے'' جس طرح پگڑی کو سر کے گرد لپیٹا جاتا ہے۔ دن اور رات کے لپیٹنے کا عمل صرف اور صرف اُسی صورت میں ممکن ہے جب زمین بیضوی (Spherical) ہو۔

زمین گیند کی طرح بالکل گول نہیں بلکہ بیضوی ہے یعنی یہ قطبین پر چپٹی ہے اور سورۃ النازعات کی آیت ۳۰

زمین کی شکل کی وضاحت کرتی ہے جس میں فرمایا: وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا (اور اس کے بعد اُس نے زمین کو پھیلا دیا) دَحٰهَا کا معنی ''شتر مرغ کا انڈہ'' ہے جو زمین کی شکل سے مماثلت رکھتا ہے (E.W. Lane's "An Arabic English Lexicon", Part 3, page : 857 Column 1)۔ لہٰذا قرآن مجید مکمل درستگی کے ساتھ زمین کی شکل کی وضاحت کرتا ہے حالانکہ نزولِ قرآن کے وقت زمین کے چپٹا ہونے کا خیال عام تھا۔" ('' قرآن اور جدید سائنس'' ۔۔۔ڈاکٹر محمد ذاکر عبدالکریم نائیک' ص ص ۷۴' ۷۵)

<u>وحدتِ نوعِ انسانی</u> :نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ''دانایانِ فرنگ'' جن کی ہر دانائی پر نادانی خندہ زن ہے' مدّتوں اسی بات میں سرگرداں رہے کہ نسلِ انسانی کا مورث کوئی ایک ہی ہے یا مختلف و متعدد ہیں اور اب کہیں جا کر وحدتِ نوع کے وہ قائل ہوئے ہیں۔ قرآنِ حکیم نے صدیوں پیشتر یہ فیصلہ ناطق سنا دیا تھا کہ گورے اور کالے' مشرقی اور مغربی' زرد اور سرخ سب ایک ہی مورث کی اولاد ہیں۔ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ أَزْوَاجٍ (چارپایوں کے آٹھ جوڑے) یعنی بھیڑ اور بکری' اونٹ اور گائے کے نر اور مادہ کل آٹھ ہوئے۔

(۷) قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْأَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗ أَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَo وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَا أَقْوَاتَهَا فِيْ أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَo ثُمَّ اسْتَوٰى إِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَآئِعِيْنَo فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَأَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ أَمْرَهَا وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَحِفْظًا (حٰمٓ السَّجدة: ۱۰ تا ۱۲)

''فرما دیجئے کہ تم تو اُس (خدا کی توحید) کے منکر ہو جس نے زمین کو دو مرحلوں میں پیدا کر دیا اور تم اُس کے شریک ٹھہراتے ہو' وہی تو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور اُسی نے زمین کے اوپر پہاڑ بنا دئے اور اُس (زمین) میں فائدہ کی چیزیں رکھ دیں اور اُسی میں اُس (پر رہنے والوں) کی غذائیں رکھ دیں (یہ سب) پوچھنے والوں کے لئے چار مرحلوں میں پورے ہیں۔ پھر اُس نے آسمان کی طرف توجہ کی اس حال میں کہ وہ دھواں تھا' پھر اُس سے اور زمین سے کہا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی' دونوں بولے ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ پھر دو مرحلوں میں سات آسمان بنا دئے اور ہر آسمان میں اُس کے (مناسب) حکم بھیج دیا اور ہم نے اس قریب والے آسمان کو ستاروں کے ذریعے سے رونق بھی دی اور حفاظت بھی کی۔'' (۱۰ تا ۱۲ :۴۱)

" <u>کہکشاؤں (Galaxies) کی تخلیق سے پہلے دھواں</u> : سائنسدان اس بات پر متفق ہیں کہ کہکشاؤں کے وجود میں آنے سے پہلے فلکیاتی مادہ گیس کی صورت میں تھا یعنی گیس کے مرغولے یا بادل کہکشاؤں کی

تشکیل سے پہلے موجود تھے۔ اس فلکیاتی مادّے کے لئے دُخان (دھواں) کا لفظ گیس کی بہ نسبت زیادہ موزوں ہے اور قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت کائنات کی اس حالت کی طرف دُخان کے لفظ کے ذریعے اشارہ کررہی ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت یہ حقائق کسی کو معلوم نہ تھے' آخر اس علم کا ماخذ کیا ہوسکتا ہے! سبحان اللہ! ایک سائنسی حقیقت سے جہاں پردہ اٹھایا گیا' وہاں نبی اکرم ﷺ کی رسالت کی حقانیت بھی ثابت ہوگئی کہ ربِّ ذی الجلال والاکرام علمِ انسانی سے یہ مستور حقائق اُنہیں بتانے والا ہے۔

<u>ایک سوال اور اُس کا جواب</u> : اِن آیات (۱۰ تا ۱۲) میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو مرحلوں میں زمین' چار مرحلوں میں زمین والوں کے لئے غذا اور دو مرحلوں میں آسمان پیدا کئے تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ان تمام چیزوں کو اُس نے (2+4+2=) 8 مرحلوں میں پیدا کیا حالانکہ سورۃ الفُرقان کی آیت ۵۹' الٓمّٓ السَّجدة کی آیت ۴ اور سورہ قٓ کی آیت ۳۸ میں فرمایا کہ ہم نے ان سب چیزوں کو چھ مرحلوں میں پیدا کیا۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ چار مرحلوں میں زمین والوں کے لئے غذا پیدا کرنے کا جو ذکر ہے' اُس میں وہ دو مرحلے بھی شامل ہیں جن مرحلوں میں زمین پیدا کی گئی ہے۔

<u>آیا زمین پہلے پیدا کی گئی یا آسمان؟</u> سورہ حٰمٓ السَّجدة کی مندرجہ بالا آیت میں فرمایا: ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ (پھر اُس نے آسمان کی طرف قصد فرمایا)۔ اِس آیت سے معلوم ہوا کہ پہلے زمین بنائی گئی' پھر آسمان بنایا گیا حالانکہ سورۃُ النّٰزعَات (۷۹) کی آیات ۲۸ تا ۳۰ میں ہے کہ پہلے آسمان بنایا اور پھر زمین بنائی:

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَاo وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحٰهَاo وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَاo (اَلنّٰزِعٰت)

"اللہ نے آسمان کی چھت کو بلند کیا اور اُسے درست بنایا' اُس کی رات کو تاریک کیا اور اُس کے دن کو روشن کیا۔ اس کے بعد زمین کو ہموار کیا اور بچھایا۔" (۲۸ تا ۳۰ : ۷۹)

"اس کا جواب یہ ہے کہ سورہ حٰمٓ السَّجدة :۱۱ میں جو زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کرنے کا ذکر ہے' اُس سے مراد یہ ہے کہ نفسِ زمین اور اُس کے مادّے کو آسمان سے پہلے بنایا اور سورۃُ النّٰزعَات: ۳۰ میں جو آسمان کے بعد زمین کے بنانے کا ذکر ہے' اُس سے مراد زمین کا ہموار کرنا اور اُس کا پھیلانا ہے*۔" ("تبیان القرآن"۔۔
<u>علامہ غلام رسول سعیدی' شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی' جلد ۱۰' صفحہ ۲۴۳)</u>

* سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۹ اور سورہ حٰمٓ السجدۃ کی آیت بالا (۱۱) کے پیشِ نظر یہ امرِ مسلّم ہے کہ زمین آسمان سے پہلے بنائی گئی۔ اور اوپر یَوم کا ترجمہ "مرحلہ" میں کرنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ یَوم (دن) کا تصوّر تو سورج کے طلوع وغروب سے ہوتا ہے' اور سورج آسمان میں ہوتا ہے۔ زمین کو بناتے وقت تو آسمان کا وجود تھا ہی نہیں کہ وہ زمین سے بعد میں بنایا گیا تھا۔ تو جب آسمان اور اس میں سورج تھے ہی نہیں تو دن کا تصوّر کیسے ممکن ہے؟ اس لئے ترجمہ "مرحلہ" میں کیا جانا حقیقت پر مبنی ہے۔

''سورہ حٰمٓ السَّجدۃ کی آیت ۱۰ کے الفاظ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ (اُن نعمتوں کا حصول طلبگاروں کے لئے یکساں ہے) سے سوشلسٹ نظام کی تائید کے لئے جو دلیل دی جاتی ہے' وہ بالکل بے محل اور محض خانہ ساز ہے۔ اس لئے کہ آیت کی مراد یہ ہے کہ یہ رزق ونعمت کے خزانے کسی خاص طبقہ یا فرد کی اجارہ داری نہیں۔ جس میں طلب' ہمت اور حوصلہ ہوگا' ہنرمندی اور فہم وفراست کا جوہر پایا جائے گا' اُسے اُس کی ہمت اور حوصلہ کے مطابق اِن نعمتوں سے حصّہ دیا جائے گا۔'' (ضیاء القرآن ـ ـ جسٹس کرم شاہ الازہری' جلد ۴' ص ۳۳۳)

سورہ حٰمٓ السَّجدۃ کی آیت ۱۱ میں زمین اور آسمان کی بابت یہ جو فرمایا قَالَتَا أَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ (اُن دونوں نے کہا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں) اس سے زمین اور آسمان کا آنا جانا یا معروف طریقہ سے حاضر ہونا مراد نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ جس فرض کی ادائیگی کے لئے تمہیں پیدا کیا گیا ہے' اُسے پورا کرنے کے لئے وجود میں آجاؤ۔ اس میں تمہاری مرضی کا کوئی دخل نہیں بلکہ ہمارے حکم کی بجا آوری ضروری ہے۔ تم چاہو یا نہ چاہو بہرحال تمہیں ہمارے فرمان کی تعمیل کرنا ہوگی۔ (تبیان القرآن' ص ۴۴۳؛ ضیاء القرآن' ج ۴' ص ۳۳۴)

آیت میں دُخان سے وہ حقیقی دھواں مراد نہیں جو آگ کی گرمی سے پیدا ہوتا ہے بلکہ اسے محض مجازاً دُخان کہہ دیا گیا ہے' اس لئے کہ دُھواں بھی بغیر کسی مادّی اور ظاہری سہارے کے چھایا ہوا رہتا ہے۔ (ماجدی' ص ۹۵۴)

''ذیل کی سطور میں ہم جدید سائنس کی کچھ اُن اہم ترین دریافتوں کے حوالہ سے دیکھیں گے جن کا آج سے تقریباً ساڑھے چودہ صدیاں قبل قرآن کریم اصولی طور پر اعلان کر چکا تھا:۔

''<u>کائنات ہمیشہ سے نہیں</u>: بیسویں صدی کے نصف تک سائنس یہ کہتی آئی ہے کہ کائنات کو دوام اور ہیشگی (Permanence) حاصل ہے اور یہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ لیکن ۱۹۵۰ء کی دہائی میں ہونے والی دریافتوں نے اِس نظریہ کو بدل ڈالا اور اب سائنس اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ کائنات بھی ایک تخلیقی عمل ہے جس کا کوئی پندرہ اَرب سال پہلے اچانک بگ بینگ سے آغاز ہوا۔ سائنسدانوں کے لئے یہ بات حیران کن نہیں ہونی چاہئے کہ اُن کی اِن دریافتوں سے بہت پہلے قرآن مجید نے بار بار اعلان کر دیا تھا کہ اللہ کائنات کا خالق ہے' اُسی نے اسے شروع کیا اور وہی اُسے ختم کرے گا۔ مثلاً سورۃ البُرُوج کی آیت ۱۳ میں فرمایا: إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ (بے شک وہی تو ہے جو ہر چیز کو لاوجود سے وجود میں لاتا ہے اور پھر مار کر نئے سرے سے پیدا فرماتا ہے) سورۃ الانعام کی آیت ۱۰۲ میں ارشاد ہوا: خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (وہ ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے)۔ غرض قرآن حکیم میں اس قسم کی سینکڑوں آیات ہیں جو بار بار یہ بتاتی ہیں کہ کائنات ہمیشہ سے نہیں بلکہ دوام اور ہیشگی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو ہر چھوٹی' بڑی چیز کا بلاشرکتِ غیرے خالق و مالک ہے۔ (''قرآن پاک ایک چیلنج ایک سائنسی معجزہ'' ـ ـ ـ میجر (ر) امیر افضل خان' ص ۱۳۳)

''کائنات پھیل رہی ہے (Hubble's Law): 1924ء سے پہلے سائنس یہ سمجھتی تھی کہ کائنات ایک جامد گولے کی مانند ہے جس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔ 1920ء کی دہائی میں امریکی سائنسدان (Hubble) نے ستاروں کے مشاہدے سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں۔ جس قدر کوئی ستارہ دُور ہے' اُسی قدر اُس کی آگے بڑھنے کی رفتار بھی زیادہ ہے۔ سائنسدانوں نے ہبل کی اس دریافت سے یہ نتیجہ نکالا کہ اگر ستارے مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں تو ماضی بعید میں ستارے اپنے موجودہ مقامات سے قریب تر ہوں گے۔ مزید تحقیقات نے ثابت کیا کہ کائنات کی ہر سمت میں ستاروں کے آگے بڑھنے کا عمل جاری ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ کائنات پھیل رہی ہے۔''

''یہ کہ کائنات مسلسل وسیع تر ہو رہی ہے' جدید سائنس کی بہت بڑی دریافت تھی جس پر کئی سائنسدانوں کو نوبل پرائز بھی ملے ہیں۔ انتہائی حیران کن بات یہ ہے کہ اِن دریافتوں سے بہت پہلے قرآن کریم نے اپنے انداز میں یہ حقیقت صاف طور پر واضح کر دی تھی کہ کائنات جامد نہیں بلکہ مسلسل پھیل رہی ہے۔ چنانچہ فرمایا :۔

وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰھَا بِاَیْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ٥ (اَلذّٰرِیٰت : ۴۷)

''اور ہم نے آسمان کو دستِ قدرت سے بنایا اور ہم یقیناً (اُسے) پھیلا رہے ہیں۔'' (۴۷ : ۵۱)

''آیت مبارکہ نہ صرف یہ بتاتی ہے کہ کائنات پھیل رہی ہے بلکہ یہ بھی کہ کیوں پھیل رہی ہے۔ ''اللہ کے ہاتھ'' کے استعارے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ (Big Bang) ایسے تھا جیسے لٹو گھما دیا جاتا ہے اور اِس گھماؤ میں پھیلاؤ بھی ہے اور گھومنے کی حرکت بھی۔ چنانچہ آج سائنس یہ دیکھ رہی ہے کہ ایٹم سے لے کر کہکشاؤں تک ہر چیز اپنے مدار پر گھوم رہی ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ سائنس کی اتنی بڑی بات کو قرآن مجید نے تھوڑے سے الفاظ میں کس حیرت انگیز طریقہ سے واضح کر دیا! یہاں ماسوائے سُبحان اللہ اور کیا کہہ سکتے ہیں!''

کائنات کے مسلسل پھیلنے کے عمل (یعنی Hubble's Law) کو 1920ء کی دہائی میں دریافت کیا گیا جبکہ قرآن مجید نے اس سے صدیوں پہلے اس سائنسی حقیقت کو بے نقاب کر دیا تھا۔ چنانچہ فرمایا :۔

(۱) وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ٥ (اَلنَّحل : ۸)

''اور وہ ایسی چیزیں پیدا کرتا رہتا ہے جن کی تمہیں خبر نہیں۔'' (۸ : ۱۶)

(۲) یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ٥ (فاطِر : ۱)

''وہ پیدائش میں جو چاہے زیادہ کرتا رہتا ہے۔'' (۱ : ۳۵)

(۳) وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰھَا بِاَیْدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ٥ (اَلذّٰرِیٰت : ۴۷)

''اور ہم نے آسمان کو دستِ قدرت سے بنایا اور ہم یقیناً (اُسے) پھیلا رہے ہیں۔'' (۴۷ : ۵۱)

علمِ فلکیات کا ماہر ایک امریکی سائنسدان مُلحد ہونے کے باوجود اس بات کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا :

بندر اور خنزیر تو اُن سے پہلے بھی موجود تھے۔ (صحیح مسلم' ج ۲' ص ۲۳۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

تناسخ اور تماسخ کا بیان : بنی اسرائیل کو مسخ کر کے بندر بنا دیئے جانے سے آریہ آواگون (تناسخ) یعنی (Transmigration of Soul) پر استدلال کرتے ہیں اور قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان کی روحیں اپنے اعمال کی جزا اور سزا پانے کے لئے ہمیشہ سے آواگون کے چکر میں ہیں اور ہر شخص موت کے بعد اپنے اعمال کے مطابق دوسرا جنم لیتا ہے۔ مرنے کے بعد اچھا انسان اچھا اور برا انسان بُرا جنم لیتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تناسخ میں مرنے کے بعد روح دوسرے جسم میں منتقل ہوتی ہے اور یہاں بنی اسرائیل مرے نہیں تھے' اُن کی زندگی میں ہی اُن کی شکلیں مسخ کر دی گئی تھیں' سو یہ تناسخ نہیں تماسخ ہے۔ (تبیان القرآن۔۔ علامہ غلام رسول سعیدی' جلد اوّل' صفحہ ۴۲۲)

(۵) زمین پر زندگی کا حیرت انگیز توازن : دوسری مخلوقات پر بالعموم اور انسان پر بالخصوص اللہ تعالیٰ کے اَن گنت احسانات ہیں۔ اُس کے رہنے کے لئے اُس رحیم وکریم نے زمین کو چٹائی کی مانند بچھا دیا اور اس کے اوپر پہاڑ قائم کر دئے جو وزن کا کام دیتے ہیں تاکہ زمین توازن میں رہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہر پیدا شدہ چیز میں ایک توازن موجود ہے جس کے لئے انگریزی کے الفاظ Due Balance and Measure استعمال ہونے زیادہ موزوں ہیں۔ توازن کی ایک مثال یہ ہے کہ عالمِ معدنیات یا جمادات' عالمِ نباتات کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے یعنی اس کی کفالت کرتی ہے اور عالمِ نباتات' عالمِ حیوانات کی کفالت کرتی ہے۔ ان تینوں کا آپس میں ایک ناطہ ہے' تینوں ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں اور اس طرح اُن میں ایک توازن قائم رہتا ہے۔ جو چیز ضرورت سے زیادہ ہے' وہ ختم ہو جاتی ہے اور انگریزی کا یہ محاورہ (Excess of Everything is Bad) یعنی ''حد سے زیادہ چیز بُری ہوتی ہے'' کا اصول پوری کائنات میں کارفرما ہے اور ایک چیز کا ضائع ہو جانا دوسرے کے لئے خوراک بن جاتا ہے۔ تنزل (De-gradation) اور ایک دوسرے پر انحصار کرنے کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہے اور جاری رہے گا۔ کائنات میں توازن قائم رکھنے کی بابت سورۃ الحجر کی آیت ۱۹ میں ارشاد ہوا :

وَالْأَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَأَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَأَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝

''اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور اُس میں بھاری پہاڑ ڈال دئے اور اُس میں ہر چیز ایک معیّن مقدار سے اُگائی۔'' (۱۵ : ۱۹)

''موسموں کے تغیر وتبدل میں توازن : یہ سمجھنے کے لئے کہ کیوں موسمِ گرما کے بعد خزاں' خزاں کے بعد سرما' سرما کے بعد بہار اور بہار کے بعد پھر گرما کا موسم آتا ہے' ہمیں زمین کے متعلق ایک اور بات کا بھی علم ہونا چاہئے کہ زمین اُس لٹو کی مانند گردش نہیں کر رہی جس کا محور فرش پر عموداً ہو بلکہ یہ اُس لٹو کی طرح گھومتی ہے جس کا محور فرش پر ایک طرف کو تھوڑا سا جھکا ہوا ہو۔ زمین کے محور کا یہ جھکاؤ 23.5 درجے کا ہے۔ محورِ زمین ہمیشہ قطبی ستارے کی طرف جھکا رہتا ہے اور زمین کے محور کے جھکاؤ کے باعث ہی موسم پیدا ہوتے ہیں۔''

''قوانینِ طبعیات کا زندگی کے موافق ہونا کیسے ممکن ہے؟۔۔۔ یہ خیال دائمی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ کسی ما فوق الفطرت ہستی کو اس سارے عمل میں ضرور کارفرما ہونا چاہئے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم غیر ارادی طور پر ایک مقتدرِ اعلیٰ ہستی کے وجود کا سائنسی ثبوت مہیا کرنے میں ٹھوکر کھا جائیں؟ کیا یہ وہ اللہ ہے جس نے از راہِ کرم اتنی فیاضی سے کائنات کو ہمارے مفاد کی خاطر تشکیل کیا؟'' ("The Symbiotic Universe" ... George Greenstein, p. 27)

علمِ اجرامِ سماوی کا ایک امریکی ماہر Hugh Ross اپنے ایک مضمون کو اِن الفاظ پر ختم کرتا ہے:

''لازمی بات ہے کہ ایک ذہین' برگزیدہ خالق' کائنات کو وجود میں لایا ہے۔ ایک ذہین' برگزیدہ خالق نے لازمی طور پر اس کا نقشہ تیار کیا ہے اور لازمی طور پر ایک ذہین' برگزیدہ ماورائی خالق نے زمینی سیارے کو تیار کیا ہے اور لازمی بات ہے کہ ایک ذہین' برگزیدہ خالق نے اس سیارے پر زندگی کے موافق حالات کو پیدا کیا ہے۔'' (Article : "Design & the Anthropic Principle" from the Book "Reasons to Believe")

یہی فاضل مصنف ایک اور مقام پر لکھتا ہے:

''علم الافلاک ایک بے مثل واقعہ کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے اور وہ یہ کہ کائنات عدم سے وجود میں لائی گئی' ایسی کائنات جس میں وہ نفیس توازن اور وہ تمام سہولیات موجود ہیں جو زندگی کی بقاء اور اس کے استحکام کے لئے ناگزیر ہیں۔ یہ سب عوامل اور انتظامات ایک ما فوق الفطرت' اعلیٰ ہستی نے کئے ہیں۔''

("The Creator and and the Cosmos"... Hugh Ross, pp. 122-123)

ڈاکٹر Hartwig Hirschfeld کا تبصرہ قابلِ توجہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

''محمد ﷺ بار بار اجرامِ فلکی کی حرکت کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے معجزاتی عمل کا حصہ ہیں جنہیں انسان کی خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اس لئے اُن کی پرستش نہیں کی جانی چاہئے (کیونکہ وہ خادم ہیں اور انسان مخدوم ہے)۔ تمام نسلوں کے مسلمانوں نے کس کامیابی اور لگن سے علم الافلاک کو حاصل کیا' اس حقیقت سے ظاہر ہوتا ہے کہ صدیوں تک وہ اس کے حامی رہے ہیں۔ یورپ میں ازمنہ وسطیٰ کے ماہرینِ علم الافلاک عربوں کے شاگرد تھے۔'' ("New Researches into the Composition and Exegesis of the Qur'an", p. 9)

ٹھیک ٹھیک توازن و تناسب' کائنات کا ڈیزائن' اس میں بسنے والی مخلوقات اور اُن کے مطابق و موافق ضروریات و حالات کا پیدا کرنا' قادرِ مطلق اور مقتدرِ اعلیٰ کے موجود ہونے کا کھلا ثبوت ہیں۔ حال ہی میں دریافت شدہ یہ حقیقت قرآن مجید کی اس آیت کی ترجمانی ہے جسے چودہ صدیاں پہلے بیان کر دیا گیا تھا:۔

''اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ٥ (الاعراف : ۵۴)

''بے شک تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ مرحلوں میں پیدا کیا' پھر وہ عرش پر قائم ہو گیا' وہ رات سے دن کو ڈھانپ لیتا ہے' وہ جلدی سے اُسے آلیتی ہے اور سورج' چاند اور ستاروں کو (اُسی نے پیدا کیا) سب اُس کے حکم کے تابع ہیں' یاد رکھو آفرنیش (بھی) اور حکومت (بھی) اُسی کے لئے خاص ہے' سارے جہانوں کا پالنہار برکتوں سے بھرا ہوا (تمام کمالات کا جامع) ہے۔'' (۵۴ : ۷)

''قبل از تخلیق کے یہ ''دن'' بہ ظاہر چند گھنٹوں کے دورانیے کے وہ دن نہیں ہیں جن سے آج ہم متعارف ہیں اور جو سورج اور زمین کی حرکت کے سبب سے بنتے ہیں۔ سورج اور زمین دونوں تو اُس وقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔'' (تفسیر ماجدی ۔۔۔حصہ انگریزی۔۔صفحہ 146-A)

''**ابتدائی مادّہ کی شکل**: یہ کہ کائنات پھیل رہی ہے' اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں ہونا چاہئے کہ اپنی ابتداء میں یہ ایک بے جسم طاقت کا گولہ ہوگی جو (Big Bang) سے پھٹ گیا۔ اُس لمحہ میں دباؤ کی قوت اور درجہ حرارت لا انتہا کا تھا۔ سائنس بتاتی ہے کہ تخلیق کے کافی عرصہ بعد تک بھی دباؤ اور درجہ حرارت اربوں ڈگری رہا۔ اس دور میں کائنات محض توانائی اور مادّہ کے بنیادی ذرّات (Fundamental Particles) پر مشتمل تھی جسے سائنس (Primordial Gases) کا نام دیتی ہے۔ قرآن کریم اُس دور کے متعلق فرماتا ہے کہ ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَاءِ وَهِیَ دُخَانٌ'' (پھر وہ آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا درآں حالیکہ وہ ابھی تک دُخان یعنی مانندِ دُھواں تھا۔''

''**کائنات کے پھیلاؤ اور توازن میں باہمی تعلق**: سائنس بتاتی ہے کہ اُس دور میں دباؤ اور درجہ حرارت کی وجہ سے کائنات میں شدید ہلچل تھی' کوئی توازن نہیں تھا۔ توازن قائم کرنے کے لئے ایک خاص حجم (Critical Volume) ضروری تھا۔ یوں کائنات پھیلتی گئی' اُس کا درجہ حرارت اور دباؤ کم ہوتا گیا اور کائناتی مواد میں توازن آنے لگا۔ سائنس کی یہ دریافت واقعی ایک قابلِ فخر کمال ہے۔ لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ جدید سائنس سے بہت پہلے قرآن مجید نے کائنات میں توازن اور اس کے پھیلاؤ میں تعلق کو اِن الفاظ میں واضح کر دیا تھا: السَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ (سورہ الرَّحمٰن : ۷) (اللہ نے آسمانوں کو رفعت بخشی اور توازن قائم کیا)۔ یعنی کائنات میں توازن کے لئے پھیلاؤ ضروری ہے۔ ستارے اُس وقت معرضِ وجود میں آئے جب کائنات کسی حد تک پھیل چکی تھی اور اس میں توازن پیدا ہو چکا تھا۔''

''کائنات کا سکڑاؤ (Big Crunch): سائنس اب قرآن کریم کی اس بات کو بھی تسلیم کرتی ہے کہ کائنات کا انجام اُس کی فنا ہے جس کے نتیجہ میں ایک نئی کائنات پیدا کی جائے گی۔ یہ کیسے ہوگا؟ اس بارے میں سائنس اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ مستقبل میں کائنات کے پھیلاؤ کا عمل رک جائے گا جس کے بعد یہ سکڑنے لگے گی اور پھر ایک دھماکہ سے دوبارہ پیدا ہوگی۔ اس دھماکہ کا نام (Big Implosion) رکھا گیا ہے۔ سائنسدانوں کے لئے یہ بات حیران کن ہوگی کہ قرآن مجید نے ان سے صدیوں پہلے کائنات کے آغاز اور انجام کے متعلق اِن الفاظ میں اعلان کر دیا تھا:

يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ، وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ ○ (الانبیاء: ۱۰۴)

''وہ دن آنے والا ہے جب ہم کائنات کو ایسے لپیٹ لیں گے جیسے ایک طومار (Scroll) کو لپیٹا جاتا ہے' جیسے ہم نے اس کی تخلیق کا آغاز پہلے کیا تھا' ویسے ہی اب پھر سے ہم کرنے والے ہیں' یہ ہمارا لازمی وعدہ ہے جو ہو کے رہے گا۔'' (۱۰۴ : ۲۱) (''قرآن پاک ایک چیلنج ایک سائنسی معجزہ''۔۔۔میجر (ر) امیر افضل خان' ص ص ۱۴۲' ۱۴۳)

اس قطعی اور حتمی فنا کا قرآن مجید نے اور بھی کئی مقامات پر مختلف پیرائے میں ذکر کیا ہے مثلاً:۔

(۱) يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ (ابراھیم: ۴۸)

''جس دن زمین بدل کر دوسری زمین کر دی جائے گی اور آسمان بھی۔'' (۴۸ :۱۴)

(۲) وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّىْ نَسْفًا○ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا○ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّ لَا أَمْتًا○ (طٰہٰ: ۱۰۵ تا ۱۰۸)

''(اے پیغمبر!) لوگ آپ سے پہاڑوں کی بابت پوچھتے ہیں' فرما دیجئے کہ میرا پروردگار اُنہیں ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دے گا' پھر زمین کو چٹیل میدان چھوڑے رکھے گا کہ اُس میں (اے مخاطب!) تو نہ کوئی ناہمواری دیکھے گا اور نہ کوئی بلندی۔'' (۱۰۵ تا ۱۰۸ : ۲۰)

(۳) وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِىَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ (اَلنَّمل: ۸۸)

''(اے مخاطب!) تو پہاڑوں کو دیکھ رہا ہے اور سمجھ رہا ہے کہ وہ جنبش نہ کریں گے جبکہ وہ بادلوں کی طرح اُڑے پھریں گے۔'' (۸۸ : ۲۷)

(۴) وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْأَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ (الزُّمَر: ۶۷)

''اور اُن لوگوں نے اللہ کی عظمت نہ کی جیسی کرنی چاہئے تھی اور حال یہ ہے کہ ساری زمین قیامت کے دن اُسی کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اُس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔'' (۶۷ : ۳۹)

(۵) فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍo يَّغْشَى النَّاسَ (اَلدُّخان: ۱۰، ۱۱)

''اُس دن کا انتظار کرو جب آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا دُھواں پیدا ہوگا جو (ان) سب لوگوں پر چھا جائے گا۔'' (۱۰، ۱۱ : ۴۴)

(۶) فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِo (الرَّحْمٰن: ۳۷)

''جب آسمان پھٹ جائے گا تو رنگے ہوئے سرخ چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گا۔'' (۳۷:۵۵)

(۷) فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌo وَّحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةًo فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُo وَ انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌo (الحآقّة: ۱۳۔۱۶)

''جب صور یکبارگی پھونک دیا جائے گا اور زمین اور پہاڑ اُٹھا دیے جائیں گے، وہ دونوں ایک دفعہ میں ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے تو اُس دن وہ ہونے والی چیز ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اُس دن (بالکل) بودا ہوگا۔'' (۱۳ تا ۱۶ : ۶۹)

(۸) فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُo وَخَسَفَ الْقَمَرُo وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُo (اَلْقِيٰمة: ۷ تا ۹)

''سو جس دن آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی، چاند بے نور ہو جائے گا اور سورج اور چاند ایک حالت کے کر دیے جائیں گے۔'' (۷ تا ۹ : ۷۵)

(۹) إِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْo وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْo وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْo وَإِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْo (الانفطار: ۱ تا ۴)

''جب آسمان پھٹ جائے گا، جب ستارے جھڑ پڑیں، جب سمندر بہہ پڑیں اور جب قبریں شق کر دی جائیں۔'' (۷ تا ۹ : ۷۵)

رتقِ کائنات (Super Black Hole): کائنات کے آغاز کے متعلق جدید سائنس کی یہ بھی قابلِ فخر دریافت ہے کہ شروع میں ساری کائنات، ستارے، سیّارے ہر چیز ایک جگہ اکٹھی مرکب تھی اور کوئی علیحدہ وجود نہیں تھا۔ توانائی اور مادّہ کے اس مکسچر کا نام (Primordial Matter) رکھا گیا ہے۔ قرآن کریم نے سائنس کی اس عظیم دریافت سے صدیوں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ کبھی زمین و آسمان سب ہی ایک جگہ اکٹھے تھے۔ فرمایا:

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا (الانبیاء: ۳۰)

''کیا کافروں نے یہ نہیں جانا کہ آسمان اور زمین بند تھے، پھر ہم نے دونوں کو کھول دیا۔'' (۳۰ : ۲۱)

یعنی نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی اور نہ زمین سے پیداوار اور سبزہ اُگتا تھا۔ آسمان اور زمین دونوں جامدِ محض تھے۔ چنانچہ بارش سے ہم نے آسمان کو کھول دیا اور زمین کو سبزہ اُگانے کے ذریعے کھول دیا گیا۔ حضرات عطا، عکرمہ، مجاہد اور ضحاک رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔ (تبیان القرآن، ج ۷، ص ۵۴۶)

رَتق : دو چیزوں کا ملا ہوا ہونا' خواہ وہ قدرتی اور پیدائشی طور پر ملی ہوئی ہوں یا صنعت اور کاریگری سے دو چیزوں کو ملا دیا جائے' یا دو چیزیں چپک کر ایک ہوگئی ہوں۔اس کا ایک معنی بند ہونا بھی ہے۔رَتق ایک ایسا مکسچر ہے جس میں اجزاء کی اپنی حیثیت واضح نہ ہو۔ابتدائے کائنات کی اس سے بہتر تشبیہہ کیا ہو سکتی ہے۔پھر یہ رتقی گولہ مثبت مادہ(Matter) اور منفی مادہ(Anti-matter) میں پھٹ کر دو علیحدہ علیحدہ وجود کی شکل میں نمودار ہوا۔

فَتق: دو متصل چیزوں کو الگ الگ کرنا' دو جُڑی ہوئی چیزوں کو الگ الگ کر کے ایک دوسرے سے متمیز کر دینا۔یہ رَتق کی ضد ہے۔

''آیتِ مبارکہ کے اندازِ خطاب پر بھی غور ہو جائے۔فرمایا: أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا یعنی کیا قرآن کا انکار کرنے والوں نے یہ نہیں دیکھا۔۔۔۔؟ یوں یہ آیتِ مبارکہ ایک پیشین گوئی بھی تھی۔یعنی کائنات کے متعلق یہ سائنسی دریافت سب سے پہلے غیر مسلم کریں گے اور دراصل معاملہ ایسا ہی ہوا ہے۔'' (''قرآن پاک ایک چیلنج ایک سائنسی معجزہ''۔۔۔میجر (ر) امیر افضل خان' ص ص ۱۳۴ تا ۱۳۷)

''پوشیدہ مادّہ (Hidden Matter) : جہاں تک یہ سوال کہ پھیلتی ہوئی کائنات کیسے رُکے گی؟ سائنسدان اس بارے میں کائنات میں غیبی مادے(Hidden Matter) کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔اپنی کششِ ثقل کی بناء پر غیبی مادہ پھیلاؤ کی قوت کے خلاف کام کرتا ہے۔جب بھی مخالف قوّت بڑھ جائے گی تو پھیلاؤ رک جائے گا جو اُس کی قیامت کا باعث ہوگا۔سائنسدانوں کے لئے یہ بات اچنبھا ہوگی کہ قیامت کے حوالہ سے قرآنِ کریم بھی غیبی مادّے کی بہ ایں الفاظ بات کرتا ہے:

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْهُوَ أَقْرَبُ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر"o (اَلنَّحل : ۷۷)

''اور آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اللہ ہی کے لئے (خاص) ہیں اور قیامت کا معاملہ بھی ایسا ہوگا جیسے آنکھ کا جھپکنا بلکہ اس سے بھی جلدتر۔بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

''ایک ہی آیت میں غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْض اور قیامت کا ذکر یہ واضح کرتا ہے کہ قیامت کی وجہ مادّہ غیب ہوگی۔''

''کائنات گھوم رہی ہے : بیسویں صدی میں سائنس کی ایک اور شاندار دریافت یہ ہے کہ کائنات میں ہر چیز گھوم رہی ہے۔کہکشائیں اور کائناتی دنیائیں اپنے اپنے مدار پر چکر کاٹ رہی ہیں۔ستاروں کے اردگرد اُن کے سیّارے اپنے اپنے مدار میں چکر لگا رہے ہیں۔ کہکشاؤں میں ستاروں کے جھرمٹ اپنی اپنی منزلوں پر گامزن ہیں۔

سورج فضا میں ایک مقررہ راستے پر پچھلے پانچ اَرب سال سے چھ سومیل فی سیکنڈ کی رفتار سے اپنے مدار پر بھاگا جارہا ہے۔کائناتی دنیاؤں کا تو کیا کہنا' بالکل اُنہی کی طرح ایٹم کے مرکز (Nucleus) کے اردگرد الیکٹران گھوم رہے ہیں۔ساڑھے چودہ سو سال پہلے جب جدید سائنس کا کوئی وجود نہیں تھا' لوگ ستاروں کو آسمان کی چھت سے لٹکے ہوئے روشنی کے دیئے سمجھتے تھے۔اس وقت قرآن کریم اعلان کرتا ہے:

(۱) وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا (سورہ یٰسٓ: ۳۸)

''سورج اپنے مقررہ راستے پر ہمیشہ سے بھاگا چلا جارہا ہے۔'' (۳۸ : ۳۶)

(۲) اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (سورہ الرَّحْمٰن : ۵)

''سورج اور چاند ایک حساب کے ساتھ کام کررہے ہیں۔'' (۵ : ۵۵)

''یہ کہ حرکت اور گھماؤ کائنات کی ہر چیز کی فطرت میں لکھا جاچکا ہے' اس عظیم سائنسی دریافت کے متعلق قرآن کریم نے اپنے انوکھے اُسلوب میں اعلان کیا ہے :۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ (سورہ اَلطَّارق : ۱۱)

''قسم ہے بار بار بارش برسانے والے آسمان کی۔'' (۱۱ : ۸۶)

معلوم ہوا کہ کائنات کی ہر چیز کی فطرت میں گھومنا ہے۔لہٰذا یہ قانونِ خداوندی ہے کہ ایٹم ہو یا اس سے چھوٹے ذرّات' کہکشائیں ہوں یا ٹوٹل کائنات' اپنے اپنے مدار پر گھومنا اُن کے ڈیزائن کا حصّہ ہے۔سبحان اللہ! قرآن کریم نے اتنی بڑی بات کو کس خوبی سے چند الفاظ میں بیان فرمادیا!'' (میجر (ر) امیر افضل خان ص ۱۴۴)

''<u>جہاں اور بھی ہیں</u> : کائنات اپنی جگہ بجا لیکن سائنس اس مسئلہ پر سرگرداں ہے کہ کیا ہماری طرح کی زندگی اس میں کسی اور جگہ بھی ہے؟ قرائن یہ بتاتے ہیں کہ ایسا ہونا چاہئے لیکن ستاروں کے درمیان فاصلے اتنے زیادہ ہیں کہ یہ بعید القیاس ہے کہ ان مخلوقات سے کبھی رابطہ قائم ہوسکے۔ بہرحال قرآن کریم کی ابتداء ہی اس بات سے ہوتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بے شمار دنیاؤں کا رب ہے۔چنانچہ فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ٥ (الفاتحۃ : ۱)

''تمام تعریف اُس اللہ کی جو سب جہانوں کی پرورش کرنے والا ہے۔''

عَالَمِیْن جمع ہے عَالَم کی جس کا مطلب ہے کہ یہی ایک جہان نہیں بلکہ بے شمار ہیں جو ہردم اپنی بقا کے لئے اُسی رزّاق بے بدل کے سوالی ہیں جیسا کہ فرمایا:

یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ ٥ (اَلرَّحْمٰن : ۲۹)

''جو کوئی بھی آسمانوں میں اور زمین پر ہے' (اپنی ضروریات کے لئے) اُسی سے سوال کرتا ہے۔''

''یہ بھی بتا دیا کہ کائنات کا نظام انتہائی مستعد(Extremely Dynamic) ہے۔اس میں ہرگز ہرگز جمود نہیں بلکہ ہر آنے والا وقت ایک نئی شان والا ہے۔قرآن کریم کی آیات سے یہ بھی نظر آتا ہے کہ شاید وہ وقت دُور نہیں جب زمینی انسان کی دوسری دنیاؤں کی مخلوقات سے ملاقات ہو۔'' [میجر (ر) امیر افضل خان ص ۱۳۸]

''کائنات کی ایک اور خاص بات یہ ہے کہ اس کا دارومدار چند ایک مخصوص نمبروں پر ہے جنہیں سائنس میں فطری عدد(Constants of Nature) کا نام دیا گیا ہے۔کہیں بھی ہوں' کیسے بھی حالات ہوں' یہ فطری عدد ہمیشہ کے لئے مقرر شدہ ہیں۔اگر ان میں ذرّہ بھر بھی فرق آجائے تو کائنات کا سارا نظام بکھر جائے مثلاً کششِ ثقل' ایٹم کے اندر مقناطیسی طاقت کی نسبت کئی گنا کمزور ہے۔اگر یہ تھوڑی سی بھی زیادہ ہوتی تو کائنات کب کی ختم ہوگئی ہوتی اور اگر تھوڑی سی کم ہوتی تو ابھی تک فضا دُھویں سے بھری ہوتی۔اسی طرح اگر ایٹم کے اندر الیکٹران کا چارج پروٹون کی نسبت اَربواں حصہ بھی کم ہوتا تو کوئی حیواناتی اور نباتاتی زندگی ممکن نہ ہوتی' نہ ہم ہوتے اور نہ کوئی اور ہوتا۔یعنی کائنات کا سارا نظام پہلے سے مقرر شدہ مخصوص اَعداد (Constants of Nature) پر چل رہا ہے۔یہی بات چودہ صدیاں قبل عرب کے صحراؤں میں وحی کی زبان میں کہی گئی تھی: وَکُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقِرٌ''(سورۃُ القمر: ۳) ''ہر اَمر طے شدہ ہے۔'' اور مزید ارشاد ہوا: اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ٥ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ٥ (سُورۃُ الاعلیٰ: ۱ تا ۳) یعنی ''اُسی نے یہ سب کچھ پہلی بار پیدا کیا' پھر اُسے سنوارا اور ہر چیز کا حساب مقرر کیا اور سب کو اپنے اپنے کام پر لگا دیا۔''

سورۃُ المُلك کی آیاتِ مبارکہ ۳ اور ۴ میں تمام انسانوں بہ شمول سائنسدانوں کو چیلنج کیا گیا ہے کہ آسمان جیسی عظیم مخلوق کو چھان بین کر کے خوب غور سے دیکھ لیں' کوئی بات خلافِ حکمت نہیں پائیں گے :

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ٥ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ''٥ (اَلْمُلك : ۳' ۴)

''کیا تو رحمٰن کی تخلیق میں کوئی کمی دیکھتا ہے؟ نگاہ اُٹھا کر دیکھ' کیا تجھے کوئی نقص نظر آیا؟ بار بار نگاہ پلٹا' بلاشبہ تیری نگاہ تیری طرف پلٹ آئے گی حیرت زدہ اور عاجز ہو کر (تجھے کوئی کمی نظر نہیں آئے گی)''

''كَرَّتَیْنِ صیغہ تثنیہ یہاں محض اظہارِ تعدد کے لئے ہے' دو کا متعیّن عدد مراد نہیں (تفسیر بیضاوی)۔ فَارْجِعِ الْبَصَرَ محققین نے کہا ہے کہ یہ پہلی نظر عوام کی ہے جو صرف وجود اور حسنِ ظاہر دیکھ کر کمالِ صانع کے قائل ہو جاتے ہیں۔ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ اہلِ نظر نے کہا ہے کہ یہ دوسری نظر اہلِ نظر وحکمت کی ہے جو ہر ہر مخلوق کے مصالح کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ جو نظمِ تکوینی موجود ہے' اس سے بہتر ہونا محال تھا اور اس پر حرف گیری کی مجال نہیں۔ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ عارفین نے کہا ہے کہ یہ تیسری نظر خواص اہلِ حق کی ہے جو اپنی نظر سے خود نادم ہو کر اپنے عجز وجہل کے معترف ہوتے ہیں۔'' (ماجدی' ص ۱۱۲۵)

<u>کائنات کی میکانی تعبیر</u> : اٹھارویں صدی میں علت و معلول کے نظریے (Theory of Causality) (=Cause+Effect) (یعنی یہ اصول کہ کوئی بات بغیر سبب کے نہیں ہوتی) کی دریافت کو اُس وقت کے ملحد سائنسدانوں نے ظریفانہ انداز میں خوش آمدید کہا کیونکہ اِس نظریہ میں اللہ تعالیٰ کو خالقِ کائنات ماننے سے راہِ فرار ہے۔علت و معلول کے نظریے کے بارے میں Sir James Jeans لکھتے ہیں:-

''اِس قدرتی لفظ Causality کا سامنا کرتے ہوئے پہلا سوال جو ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ اس عظیم کائناتی مشین کا خالق اور اسے قائم رکھنے والا کون ہے۔قدیم زمانہ میں انسان کا خیال یہ تھا کہ بہت سی غیر مرئی (نظر نہ آنے والی) ہستیاں ہیں جو اس کائنات کی خالق و مالک ہیں اور یہ کہ چھوٹے چھوٹے دیوتا ایک عظیم خدا کے تحت اِس نظام کو چلا رہے ہیں اور اب بھی بہت سے لوگوں کا یہی خیال ہے۔لیکن سائنسی وعلمی دنیا میں اس خیال کو بالعموم ترک کر دیا گیا ہے۔آج کے جدیدیت کے لوگ شرک کی بجائے الحاد (اللہ کے انکار) کی طرف مائل ہیں۔اُن کا خیال ہے کہ کائنات کا وجود کسی ذہین ہستی کا عمل نہیں ہے بلکہ وہ اتفاقی حادثے کا نتیجہ ہے۔علت و معلول کا یہ نظریہ تمام جاندار مخلوق کی بابت چھا گیا۔'' ("The Mysterious Universe" ... Sir James Jeans, p. 13)

''اس طرح ''کائنات کی میکانی تعبیر'' ("Mechanical Interpretation of the Universe") کا نظریہ بطور نتیجہ پیدا ہوا۔اِس نظریہ کا مطلب یہ ہے کہ کائنات میں جو کچھ بھی رونما ہوتا ہے' وہ بغیر کسی خارجی مداخلت کے واقع ہوتا ہے۔لہٰذا یہ مادیت گزیدہ اور ملحدانہ نظریہ علت (Cause) اور معلول (Effect) کی کڑی کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔''

''لیکن تصویر کا یہ خوش اندیش (Optimistic) پہلو عارضی اور بے بنیاد تھا۔بیسویں صدی کی آمد پر ایسے مخفی حقائق سائنسی دنیا پر منکشف ہوئے جو ''کائنات کی میکانی تعبیر'' سے براہِ راست متصادم تھے۔سر جیمز جینز اس بات کا برملا اعتراف کرتے ہیں کہ ہمیں معلوم نہیں کہ مقناطیس لوہے کو کیوں کھینچتا ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ ''شاید مقناطیس کے خالق نے اُسے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔''

''بڑی محنت و مشقت اور طویل تحقیق کے بعد گمراہ اور پٹڑی سے اُترے ہوئے سائنسدان نقطۂ فراق کی طرف واپس ہوئے اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ نظامِ کائنات علت و معلول کے قانون کے تحت نہیں چل رہا بلکہ اس وجہ سے چل رہا ہے کہ ایک باشعور اور حکمتِ مطلقہ اس نظام کے پیچھے کارفرما ہے۔''

''ہمیں اس ٹھوس اور روشن حقیقت پر غور کرنا چاہئے کہ تقریباً بیس اَرب سال پہلے مادہ جامد و ساکت' غیر

فعّال اور مکمل توازن میں تھا اور یہ کہ اُس مادّے پر خلا چھائی ہوئی تھی' ٹھوس شکل میں نہیں بلکہ الیکٹران اور پروٹانز کے چھوٹے چھوٹے ذرّات کی شکل میں ۔قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُس ساکت و جامد حالت میں جب کسی چیز کا وجود نہیں تھا' آخر کونسی چیز تمام کائنات کو حرکت میں لائی ؟ سائنس کے رائج الوقت مفروضہ کے پاس صرف یہ دلیل تھی کہ یہ ہلچل مسلسل جاری رہی جس کے نتیجہ میں مادہ الگ تھلگ جگہوں پر جمع ہونا شروع ہوا اور یہ کہ مادہ کے یہی مجموعے تو ہیں جو متفرق طور پر ستاروں' سیاروں اور شہابیوں کی حیثیت سے متعارف نہیں ہیں ۔''

''یہ کتنا خام اور غیر مستحکم قضیہ (Premise) ہے! جب اُس ''عظیم ہلچل'' کے اسباب نہ تو مفروضہ مادہ کے اندر اور نہ ہی باہر موجود تھے تو واقعہ کا وقوع عجیب سا لگتا ہے۔ انسانی عقل و دانش بجا طور پر یہ سوال کرتی ہے کہ اس سارے عمل میں ستارے ایک دوسرے سے ٹکرانے کے نتیجہ میں تباہ کیوں نہیں ہو گئے ؟ اور کیا اِس حیران کن تسلسل کے ساتھ موجودہ کائنات کا وجود میں آنا ضروری تھا ؟ آخر وہ کیا منطق تھی جس کے تحت ستارے اپنے پیدا ہونے کے بعد خلا کی وسعتوں میں ایسی باقاعدگی اور کامل درستی کے ساتھ حرکت کرتے ہیں ؟ اور اسی طرح اور بہت سے سوال ۔''

''اس سوال کا '' کائنات کی اس عظیم الجثہ مشینری کو کون مکمل درستی کے ساتھ چلا رہا ہے ؟'' یہ جواب کہ اتفاق اس کا خالق اور بنانے والا ہے' کوئی پائیدار اور باوثوق جواب نہیں ہوسکتا ۔ ایسا خیال دو خداؤں کا تقاضا کرتا ہے کہ پہلی حرکت کو تو خیالی طور پر اگر اتفاقی مان لیا جائے تو بعد کی مسلسل حرکات کو اتفاقی نہیں مانا جاسکتا اور اس کی وضاحت کی موزونیت کے لئے ہمیں ایک اور خدا کو ڈھونڈنا ہوگا ۔''

''جدید سائنس غیر متوازن بلکہ غیر منطقی قانونِ علت و معلول (Law of Causality) کو قبول کرنے کو تیار نہیں ۔آئن سٹائن کا نظریہ اضافیت (Theory of Relativity) اسے ایک واہمہ اور طلسمِ خیال قرار دیتا ہے ۔اُنیسویں صدی کے اختتام پر سائنسدانوں پر یہ انکشاف ہوا کہ بہت سے مظاہر کائنات بالخصوص ترسیلِ حرارت (Radiation) اور کششِ ثقل (Gravitation) نے کائنات کی خالصتاً میکانی تعبیر کرنے کی کوششوں کو لاینحل بنا دیا ہے ۔قدیم زمانہ کی سائنس نے یہ پُر زور دعویٰ کیا کہ قدرت صرف اُس ایک راہ پر چلتی ہے جو علت و معلول کی مسلسل کڑی کے ذریعے اس کی ابتدا سے انتہا تک اُس کے لئے بنا دی گئی ہے ۔'' ("The Mysterious Universe")

''لیکن بالآخر سائنس کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ ماضی میں کائنات کو علت و معلول کے تسلسل میں اٹل طور پر بندھا ہوا ہونے کا دعویٰ نہیں ہونا چاہئے تھا ۔ جدید علم کی روشنی میں سائنسدانوں کی ایک خاصی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ دریائے علم اُنہیں ایک غیر میکانی حقیقت کی طرف لئے جا رہا ہے ۔''

''کائنات کی ابتدا اور اس کی حرکت کی بابت دونوں نظریات جو سائنسی ترقی کے دوران پیش کئے گئے' اب

تک مسئلہ کے حل میں ناکام رہے ہیں۔ جدید تحقیق اُن کی بنیاد کی تائید نہیں کرتی بلکہ وہ اُسے کھوکھلا کرتی ہے۔اس طرح سائنس خود اپنے نظریات کی تردید کر رہی ہے۔اب انسان اُس مقامِ افتراق کی طرف لوٹا ہے جسے اُس نے پہلے اپنے آپ کو گھرے' غیر مساحتی پانیوں میں سے گزارنے کے لئے چھوڑ دیا تھا۔'' (تلخیص :''الدین فی مواجھۃ العلم''۔۔ مولانا وحید الدین خان' صفحات ۲۸ تا ۳۳)

''مادّیت کا نظریہ تخلیق کائنات کی تردید کرتا ہے: تخلیقِ کائنات کی حقیقت کو''مادیت'' کے نظریہ کے تحت' جو ایک مخصوص فلسفیانہ نقطۂ نظر ہے' زمانۂ قدیم سے ردّ کیا جاتا رہا ہے۔اس فلسفہ کی رُو سے صرف مادّہ ہی کا وجود ہے اور وہ لامتناہی وقت ہی سے وجود رکھتا ہے۔لہٰذا اس کا دعویٰ ہے کہ کائنات ہمیشہ سے ہے' اسے پیدا نہیں کیا گیا اور یہ کہ وہ محض امرِ اتفاقی سے ذرّات کے یکجائی ہونے کا نتیجہ ہے۔مادیّت کے حامی اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ کائنات کے پس پردہ کوئی مقصد کارفرما نہیں ہے۔اُن کے نزدیک وہ تمام توازن' جمالیاتی نظم و تناسب اور نظم و ضبط جو ہم اپنے اردگرد دیکھتے ہیں' سب محض اتفاقی حادثے کی پیداوار ہیں۔'' نظریہ ارتقاء'' جسے عام طور پر ''ڈارونزم'' (Darwinism) کہا جاتا ہے' اسی نظریہ مادیت کی تصویر کا دوسرا رخ ہے۔اُنیسویں صدی میں سائنسی دنیا کے رویّوں میں ایک اہم تبدیلی رونما ہوئی اور جدید سائنس کی تحقیقات نے ناقابلِ تردید طور پر یہ ظاہر کر دیا کہ مادیت کے حامیوں کے دعاوی کس قدر جھوٹے اور پوچ ہیں۔کھلی حقیقت تو یہ ہے کہ کائنات کی ابتداء اور اُس کی تخلیق کے متعلق صحیح علم کا انحصار تو خالقِ کائنات کے اُس کلام پر ہے جسے قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلاً ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ(صٓ : ۲۷)

''اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو اُن کے درمیان ہے بے حکمت نہیں پیدا کیا' یہ تو اُن لوگوں کا خیال ہے جو کافر ہیں' سو کافروں کے لئے بڑی خرابی ہے۔'' (۳۸:۲۷)

''تخلیقِ کائنات کے متعلق قرآنی نظریہ: علمِ نفسیات کی رُو سے یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ ارادہ ہمیشہ فیصلہ (یا مشیت) کے بعد ہوتا ہے۔ بہ الفاظِ دیگر فیصلہ (مشیت) کسی کام کے کرنے یا اس کی تکمیل کے ارادہ سے پہلے ہوتا ہے۔انسانی ذہن اُس فیصلہ کو عملی شکل میں لانے کے لئے ارادہ کی ابتدا کرتا ہے۔قرآن کریم نے اس نکتہ کو کئی مقامات پر بیان کیا ہے۔مثلاً فرمایا:۔

(i) وَاِذَا قَضٰى أَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ (البقرۃ : ۱۱۷)

''اور جب وہ کسی چیز کو وجود میں لانے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو وہ اُسے کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔''

(ii) اِنَّمَا أَمْرُهٗ اِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ (یٰسٓ : ۸۲)

''دراصل جب وہ کسی چیز کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کا امر (حکم) صرف یہ ہے کہ ہو جا (کُنْ) تو وہ ہو جاتی ہے۔''

''اگر زمین کا محور اس کے مدار کے ساتھ ساتھ عموداً ہوتا تو موسموں کا تغیر وتبدل بالکل نہ ہوتا یعنی اگر زمین کا محور اُس کے مدار پر ترچھا نہ ہوتا تو سورج کے گرد گردش کے دوران دونوں نصف کرّے ہمیشہ کے لئے برابر برابر سورج کے سامنے رہتے اور دونوں نصف کرّوں میں ایک جیسے موسم رہتے اور اُن میں کبھی کوئی تبدیلی نہ ہوتی۔ اگر زمین کے محور کا جھکاؤ 25 درجے ہوتا تو قطبین کی برف پوش چوٹیاں محض چند صدیوں میں پگھل جاتیں اور ہمارے سمندروں میں برف کے سیلاب آجاتے۔ اس کے برعکس اگر زمین کا محور 22 درجے پر جھکا ہوتا تو بحر منجمد شمالی یا قطب شمالی کی برف سارے یورپ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی اور زندگی صرف خطِ استوا کے طبقات کے اوپر ہی ممکن ہوتی اور یہی بات قادرِ مطلق نے انسان کو بتائی ہے کہ زمین کو اس حساب سے بچھایا گیا ہے یعنی اس کی پوزیشن خلا اور پھر محور کے جھکاؤ کے لحاظ سے ان سب باتوں کو مدِّنظر رکھتے ہوئے رکھی گئی ہے۔ یہ محض اتفاق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس طرح ڈیزائن کیا ہے۔ زمین چوبیس گھنٹوں میں اپنے محور کے گرد ایک چکر پورا کرتی ہے۔ زمین کے بچھانے اور ترتیب دینے کا تعلق محور پر اس کی چوبیس گھنٹوں کی گردش سے بہت زیادہ ہے۔ اگر ہماری زمین ایک گردش تیس گھنٹوں میں پوری کرتی تو زمین پر شدید قسم کی آندھیاں آتیں اور یہ زندہ چیزوں کے لئے ایک طوفان زدہ صحرا کی مانند ہوتی۔ اس کے برعکس اگر زمین اپنی گردشِ محوری ہر بیس گھنٹوں میں مکمل کر لیتی تو زیادہ تر درخت اور پودے اپنی حیاتیاتی سرگرمی (Biological Activity) کبھی بھی مکمل نہ کر پاتے اور خشک سالی کا شکار ہو جاتے۔ چنانچہ آیت کریمہ مذکورہ (۱۹) کا پہلا حصہ جس میں زمین کے بچھانے اور ترتیب دینے کا تعلق ہے، وہ درحقیقت اس کے محور (Axis) سے متعلق ہے۔ چنانچہ زمین کا اپنے محور پر 23.5 درجے پر جھکاؤ زمین پر رہنے والوں کے لئے خوشگوار اثرات کا حامل ہے اور یہ ایک ایسا عجوبہ ہے کہ بڑے سے بڑا ریاضی دان یا ماہرِ طبعیات اور نہ ہی کوئی فلسفی زمین پر ہونے والے تمام واقعات کا پہلے سے یا پیشگی اندازہ (حساب کتاب) کر سکتا بلکہ ان کے دائرہ اختیار میں ہی نہیں۔ خواہ یہ تمام سائنسدان اور ماہرینِ ارضیات وجغرافیہ کوئی سپر کمپیوٹر استعمال میں لاتے' تب بھی یہ باتیں اُن کے دائرہ اختیار سے باہر ہوتیں۔ اگر یہ بات محض اتفاق پر چھوڑ دی جاتی تو پھر شاید زمین کو اپنا محور 23.5 درجے پر جھکانے میں لاکھوں آزمائشوں سے گزرنا پڑتا جس سے زمین کا توازن بگڑ جاتا۔ زمین کا توازن تو ایک طرف' ساری کائنات کے توازن کی حیران کن مثالیں موجود ہیں اور ریاضی اور طبعیات کے ماہرین کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہیں۔ چنانچہ زمین کا محوری جھکاؤ زمین پر موسموں کے تغیر وتبدل میں ایک توازن رکھے ہوئے ہے۔'' (''قرآن کے جدید سائنسی انکشافات''۔۔ پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم' ص ص ۷۵'۷۶)

''جینز (Genes) پر نئی تحقیق اور قرآن حکیم : سورۃ الدّھر کی اوّل دو آیات میں ارشادِ ربانی ہوا:۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ۝ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ (۷۶ : ۱' ۲)

''بے شک انسان پر زمانہ میں ایک وقت ایسا بھی آچکا ہے جس میں وہ کوئی قابلِ تذکرہ نہ تھا (یعنی انسان نہ تھا بلکہ نطفہ تھا) ہم نے اُسے مخلوط نطفہ سے پیدا کیا اس طور پر کہ ہم اُسے مکلّف بنائیں تو (اسی واسطے) ہم نے اُسے سنتا دیکھتا (سمجھتا) بنایا۔*

*علم ومعرفت کے لئے حواس میں بڑا دخل آنکھ اور کان ہی کو ہے اس لئے صراحت سے نام انہی دو قوتوں کا لیا گیا (ماجدی حصہ اُردو)

شَیْئًا کا مصدر شَاءَ ہے (بمعنی چاہنا) اور یہ ظاہر ہے کہ ارادہ ہمیشہ فیصلہ (مشیت) کے عمل سے پہلے ہوتا ہے۔ فیصلہ پہلے کیا جاتا ہے اور اس کے بعد اُس فیصلہ کو انجام تک پہنچانے کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن ارتقاء کے حامیوں کے ''اتفاقی اور حادثاتی نظریہ تخلیق'' کی نفی کرتا ہے۔ تو کائنات اُس عقلِ کُل اور قادرِ مطلق خدا کی تخلیق کا نتیجہ ہے جو نہ صرف اپنی مخلوقات کا خالق ہے بلکہ اُن کا رازق بھی ہے۔ قرآن مجید متعدد مقامات پر اس نکتے پر زور دیتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ اسی سلسلے میں فرمایا :۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ (الانعام : ۱۰۲)

''یہ ہے تمہارا پالنہار، اُس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے پس اُسی کی عبادت کرو۔'' (۱۰۲ : ٦)

قرآن کریم کا عام تخلیقی اصول خواہ اس کا تعلق بگ بینگ سے ہو یا کسی اور معاملہ سے، یہ ہے کہ تخلیقی امر ہمیشہ اچانک معرضِ وجود میں آئے گا۔ کوانٹم مکینکس (Quantum Mechanics) کی سائنس بھی یہی بتاتی ہے کہ ہر نئی تخلیق اچانک جست (Quantum Jump) سے ہوتی ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو جبکہ قرآن کریم میں فیصلہ کن انداز میں یہ قانون موجود ہے کہ ہر نئی تخلیق دراصل اللہ تبارک وتعالیٰ کے امر کُنْ کا جواب ہوتی ہے:

Roger Penrose نے ہماری کائنات کے اتفاقی یا حادثاتی وقوعہ کے ردّ میں اپنے نتائج کو اپنی کتاب ("The Emperor's New Mind") کے صفحہ 9 پر درج کیا ہے جس کے افتتاحی الفاظ یہ ہیں:

''خالقِ کائنات کا مقصدِ کائنات کس قدر صحیح تناسب وتوازن کے ساتھ ہے!''

''تخلیقِ کائنات (THE BIG BANG THEORY): زوردار دھاکے (بگ بینگ) کا نظریہ کائنات کی تخلیق کی وضاحت کرتا ہے کہ کائنات کیسے پھیل رہی ہے اور کہکشائیں کیسے ایک دوسرے سے دور جا رہی ہیں۔ اس نظریہ کی رُو سے کائنات کوئی سات سے بیس اَرب سال پہلے ایک زوردار دھماکے کے نتیجہ میں پیدا ہوئی اور جس سے مادہ اور توانائی فی الفور پیدا ہو گئے۔ نئے پیدا شدہ عناصر بالخصوص ہائیڈروجن اور ہیلیم کی حد درجہ کثافت مادہ اور توانائی کے جلد پھیلنے کا سبب بنی۔ پھیلنے پر وہ ٹھنڈے ہو گئے اور ستاروں اور کہکشاؤں میں تبدیل ہو گئے۔''
(Funk & Wagnalls New Encyclopedia of Science, Vol. 5, pp. 384-385)

''کائنات کی تشکیل وتخلیق کی بہترین وضاحت BIG BANG کے نظریہ سے ہوئی جسے Ralph Alpher, Hans Bethe اور George Gamow نے پیش کیا اور اُنہوں نے اس کی ابتدا آئن سٹائن کے اس نظریہ سے کی کہ کائنات پھیل رہی ہے۔ کئی سالوں تک یہ نظریہ گرما گرم بحثوں کا مرکز رہا۔ بالخصوص مادہ پرست ملحد اس نظریہ کے متعلق خاموش تھے کہ اُنہیں معلوم تھا کہ الہامی (مقدس) کتابوں میں تخلیق کے متعلق بیان شدہ کہانیاں اس طرح

صحیح ثابت ہوں گی۔تخلیق اور پھیلاؤ کے دونوں نظریات قرآنی نظریہ کے بالکل موافق و مطابق تھے اور اس طرح قرآن مجید کی صداقت کو زمانہ جدید کے سائنسدانوں نے بھی تسلیم کرلیا۔''

Fred Hoyle جو کئی سالوں تک بگ بینگ کے نظریہ کا مخالف رہا' بھی کائنات کی ساخت پر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب (The Intelligent Universe) کے صفحات ۱۸۴' ۱۸۵ پر لکھتا ہے:

''بگ بینگ نظریہ کا موقف یہ ہے کہ کائنات ایک ہی دھماکے سے وجود میں آگئی۔ تاہم جیسا کہ دیکھا جاسکتا ہے کہ محض ایک دھماکہ ہی ماڈے کو جدا کردیتا ہے جبکہ بگ بینگ نے مخفی انداز میں اس مادے پر جو جڑا ہوا تھا' الٹ اثر کیا ہے اور اسے کہکشاؤں کی شکل میں بنا چھوڑا۔''

کائنات کی اِس جدید دریافت کے متعلق آج سے چودہ صدیاں قبل قرآن مجید نے ان الفاظ میں بتادیا تھا:

أَوَلَمْ يَرَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا (الانبياء : ۳۰)

''کیا کافروں نے یہ نہیں جانا کہ آسمان اور زمین بند تھے' پھر ہم نے دونوں کو کھول دیا۔'' (۳۰ : ۲۱)

رَتَق کا معنی ہے نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی اور نہ زمین سے پیداوار اور سبزہ اُگتا تھا۔ آسمان اور زمین دونوں جامدِ محض تھے۔ فَتَق کا معنی ہے آسمان کو بارش کے ذریعے اور زمین کو سبزہ اُگانے کے ذریعے کھول دیا۔

رَتَق اور فَتَق ایک دوسرے کے متضاد لفظ ہیں کیونکہ رَتَق عناصر کو باہم جوڑنے کا عمل ہے جبکہ فَتَق اُنہیں توڑنے اور ایک دوسرے سے جدا کرنے کا نام ہے۔ قرآنی لفظ فَفَتَقْنٰهُمَا کی سائنسی توضیح یہ بتاتی ہے کہ اُس وقت ایک انتہائی زبردست قوّت نے موجود ماڈے کو ایک وحدتی حجم میں اکٹھا کردیا۔ یہ ''واحد متحد کرنے والی توانائی'' (Single Unifying Force) اچانک تقسیم ہوگئی اور اس وقوعہ کے بعد ناقابلِ تصوّر حد تک توانائی خارج ہوئی۔ صدیوں پیشتر قرآن مجید نے (Big Bang) کا نظریہ پیش کردیا تھا (جو قرآنی اصطلاح میں رَتَق اور فَتَق کا دوسرا نام ہے) اور جو جدید علم آفاقیات اور علم الافلاک کی ایک طویل تحقیق کا نتیجہ ہے۔''

آیت مذکورہ کی باریکیوں کو ذہن نشین کرتے ہوئے آیئے ایک بار پھر آیت کو پڑھیں۔ آیت کے مطابق آسمان اور زمین پہلے رَتَق کی کیفیت میں تھے۔ ایک دوسرے میں سے نکلتے ہوئے اُنہیں ایک دوسرے سے جدا (فَتَق) کردیا جاتا ہے۔ علم کائنات کے ماہرین ایک چھوٹے ''کائناتی انڈے'' کی بات کرتے ہیں جس میں (Big Bang) سے پہلے کائنات کا سارا مواد موجود تھا۔ بہ الفاظِ دیگر تمام آسمان اور زمین اُس انڈے میں رَتَق کی حالت میں موجود تھے۔ یہ کائناتی انڈا زوردار دھماکے سے پھٹا اور اپنے ماڈہ کو فَتَق کے ذریعے کھول کر اپنے سے جدا کردیا اور اس طرح تمام کائنات کی ساخت کا عمل رُوپذیر ہوا۔

''کُل کو متعدد اجزاء میں تقسیم اور جدا کرنے کا نظریہ متعدّد جہانوں کے حوالے سے قرآن حکیم کی کئی آیات میں مذکور ہے مثلاً قرآن مجید کی افتتاحی سورۃ الفاتحۃ کی اوّل آیت میں فرمایا گیا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن اور عالَمین کا لفظ قرآن مجید میں درجنوں دفعہ آیا ہے۔

''بگ بینگ سے پہلے کیا موجود تھا؟ کئی سائنسدان اس صداقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ قادرِ مطلق اور عقلِ کل اللہ نے ہی اس تمام کائنات کو صحیح درستی اور باقاعدہ نظم وضبط کے ساتھ بنایا۔ کچھ سائنسدان اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ انہیں ''زوردار دھاکے کا نظریہ'' طوعاً وکرہاً تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً ایچ۔ پی لپسن لکھتا ہے:

''میرا خیال ہے کہ ہمیں یہ تسلیم کر لینا چاہیئے کہ قابلِ قبول وضاحت صرف ''تخلیق'' ہی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ ماہرینِ طبعیات کے نزدیک قابلِ نفرت ہے جیسا کہ یہ میرے نزدیک ہے، لیکن اگر تجرباتی ثبوت اس کی تائید کرتے ہیں تو ہمیں اسے مسترد نہیں کرنا چاہیئے۔''
("A Physicist Looks at Evolution"''
...H. P. Lipson, Physics Bulletin, Vol. 138, p. 138)

قرآن مجید اپنے مخصوص فصاحتی انداز میں سائنسدانوں کی عالمانہ منطقیانہ موشگافیوں کو خاموش کر دیتا ہے:

(۱) بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض (البقرۃ: ۱۱۷؛ الانعام: ۱۰۱)
''وہ (بغیر کسی نمونے کے) آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔'' (۱۱۷ : ۲؛ ۶:۱۰۱)

''قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے لئے یہاں بَدَعَ کا فعل لایا گیا ہے جبکہ دوسری اشیاء کی تخلیق کے لئے خَلَقَ اور جَعَلَ کے افعال استعمال ہوئے ہیں اور یہ اس لئے کہ تاکہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ آسمان اور زمین دائمی اور قدیم ہیں۔ کسی چیز کا دائم (ہمیشہ) ہونا اور پیدا ہونا دو متضاد چیزیں ہیں اور ایک کی موجودگی میں دوسرا موجود نہیں ہوتا۔ بہ الفاظِ دیگر دائمیت (ہمیشگی) پیدائش کی اور پیدائش دائمیت کی نفی کرتی ہے۔ قادرِ مطلق متفقہ طور پر دائم ہے، لہٰذا وہ مخلوق نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح کائنات کا ہر مادّہ تخلیق ہے اور اسی لئے وہ دائم (یا مذہبی اصطلاح میں وہ ''قدیم'') نہیں ہو سکتا۔

(۲) اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَھُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا۝ (اَلطَّلاق: ۱۲)
''اللہ تو وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور اُنہی کی طرح زمین بھی، اُن سب میں اللہ کے احکام نازل ہوتے رہتے ہیں تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ ہر شے کو (اپنے) علم سے گھیرے ہوئے ہے۔'' (۱۲ : ۶۵)

مندرجہ بالا آیات اور اُنہی قبیل کی دوسری آیات سے معلوم ہوا کہ BIG BANG کے وقوع سے پہلے اللہ تعالٰی کے سوا کائنات میں کچھ بھی تو نہیں تھا اور خود کائنات کا بھی تو وجود نہیں تھا (تو اُسے کونسا نام دیا جائے!)

''کائنات میں زندگی: ایک سوال جو بہت زیادہ گرما گرم بحث کا باعث ہے وہ یہ ہے کہ آیا کائنات کے کسی گوشے میں زندگی ہے یا نہیں؟ جہاں تک ہمارے نظام شمسی کا تعلق ہے تو سوائے زمین کے اور کسی بھی سیارے پر انسان یا انسان جیسی مخلوق نہیں ہے۔ انسان کاربن سے بنا ہوا ہے یعنی اُس کی ساخت میں کاربن کا بڑا عمل دخل ہے۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ ان سیاروں پر یا کائنات کے کسی اور سیارے پر دوسری قسم کی زندگی موجود ہو مثلاً سیلکان (Silicon) پر مبنی زندگی جسے ہم شناخت نہیں کرسکتے۔ سائنسدانوں کو یقین ہے کہ دوسری قسم کی زندگی سیلکان چکر (Cycle) پر مبنی ہوسکتی ہے یا پھر ایسی مخلوق ہو جو گیسوں میں زندہ رہنے کی عادی ہو مثلاً ایسی فضا جو امونیا یا میتھین گیسوں پر مشتمل ہو (انسان ان گیسوں میں زندہ نہیں رہ سکتا)۔ قرآن حکیم بہت واضح الفاظ میں بتاتا ہے کہ:

(i) تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ (الاسراء: ۴۴)

''ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن میں ہے سب اُس کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔'' (۱۷:۴۴)

(ii) اِنۡ كُلُّ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِى الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا۝ (مریم: ۹۳)

''آسمانوں اور زمین کی وسعتوں میں جس قدر بھی (مرئی وغیر مرئی مخلوقات بستی ہے) سب کی سب اپنی گردنوں میں اُس کی عبدیت کا طوق ڈالے اُس کے حضور پیش ہوگی۔'' (۹۳ : ۱۹)

(iii) وَمِنۡ اٰيٰتِهٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَثَّ فِيۡهِمَا مِنۡ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمۡعِهِمۡ اِذَا يَشَآءُ قَدِيۡرٌ۝ (الشوریٰ: ۲۹)

''اور اُس کی (روشن) نشانیوں میں آسمانوں اور زمین کی پیدائش ہے اور وہ تمام مخلوقات جو اُس نے آسمانوں اور زمین میں پھیلا رکھی ہے۔ (اس طرح) وہ اس مخلوق کو جب چاہے اکٹھا کرنے پر قادر ہے۔'' (۲۹ : ۴۲)

''لہٰذا قرآنِ حکیم نے یہ پیشگوئی کر دی ہے کہ دوسرے سیاروں پر زندگی ہوسکتی ہے اور تجربات سے معلوم ہوا ہے کہ زمین پر زندگی کی بعض اقسام ایسی فضا کی عادی ہوسکتی ہیں جیسی فضا مریخ (Mars) پر پائی جاتی ہے۔''

''قرآنِ حکیم مزید ایک مختلف قسم کی زندگی کے بارے میں بھی بیان کرتا ہے جو آگ سے پیدا ہوئی ہے:

وَ خَلَقَ الۡجَآنَّ مِنۡ مَّارِجٍ مِّنۡ نَّارٍ۝ (الرَّحمٰن: ۱۵)

''اور اُس نے جنات کو شعلۂ آتش (آگ کے شعلے) سے پیدا کیا۔'' (۱۵ : ۵۵)

''جنات کے بارے میں سائنس بالکل خاموش ہے چونکہ وہ غیر مرئی (Invisible) مخلوق ہیں۔''

''ہوا کی مقدار اور بلندی میں تعلق : مندرجہ ذیل آیت میں ایک نہایت دلچسپ حقیقت بیان کی گئی ہے:
فَمَنۡ یُّرِدِاللّٰہُ اَنۡ یَّھۡدِیَہٗ یَشۡرَحۡ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ وَمَنۡ یُّرِدۡ اَنۡ یُّضِلَّہٗ یَجۡعَلۡ صَدۡرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ (الانعام : ۱۲۵)
''پس اللہ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے' اُس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے اُس کا سینہ تنگ بھنچا ہوا (نہایت تنگ) کر دیتا ہے گویا کہ وہ زور سے (بمشکل) آسمان پر چڑھ رہا ہے۔''

آیت کے آخری (خط کشیدہ) حصہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کو آسمان کی طرف چڑھنا ہو تو اُس کی چھاتی بند اور تنگ ہو جاتی ہے اور یہ ایک سائنسی حقیقت بھی ہے کہ جوں جوں ہم بلندی پر جاتے ہیں' فضائی دباؤ کم ہوتا جاتا ہے اور ہوا کی فراہمی بھی کم ہوتی جاتی ہے یعنی آکسیجن کم ہوتی جاتی ہے اور اُس میں سانس لینا دشوار ہوتا جاتا ہے۔ اِسی سائنسی حقیقت کو مذکورہ آیت میں بیان کیا گیا ہے جس میں آکسیجن کا بھی بالواسطہ ذکر ہے۔''
(''قرآن کے جدید سائنسی انکشافات'' - پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم' ص ص ۲۴۱ تا ۲۴۴)

''فطرت کا توازن: قرآنِ حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا :
(۱) وَکُلُّ شَیۡءٍ عِنۡدَہٗ بِمِقۡدَارٍ ۝ (اَلرَّعۡد : ۸)
''اور اللہ کے نزدیک ہر چیز ایک اندازے سے ہے۔'' (۸ :۱۳)
(۲) وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ۝ (اَلۡحِجۡر : ۲۱)
''ہمارے پاس تو ہر چیز کے ذخائر اور خزانے ہیں اور ہم انہیں ضرورت کے مطابق معیّنہ انداز سے انسان کے لئے نازل کرتے رہتے ہیں۔'' (۲۱ : ۱۵)

''اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہر چیز ایک مناسب تناسب (Proportion) میں ہے۔ یہ بات کائنات کے بنیادی خواص میں رکھ دی گئی ہے کہ کائنات میں عناصر کا ٹھیک ٹھیک تناسب ہو' مثلاً جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان ہوا کہ آکسیجن کی مقدار تبدیل نہیں ہوتی اور یہ ہر حالت میں 20.9 یا 21 فیصد رہتی ہے۔ اگر آکسیجن اس سے کم ہوتی تو زندگی کا کارواں' رواں دواں نہ رہتا۔ اگر آسمانی بجلی (صاعقہ) مناسب مقدار سے زیادہ ہوتی تو یہ سارے جنگل کو جلا دیتی۔ سورۃ الحِجر کی آیت ۱۹ پودوں میں عناصر کا تناسب یا توازن بیان کرتی ہے۔'' (ایضاً ص ۲۴۸'۲۴۹)

''کائنات اور اس میں موجود سب چیزیں عدم سے وجود میں آئیں : جب یہ بات مکمل طور پر ثابت ہو گئی کہ کائنات اور اس میں موجود تمام چیزیں مخلوقات ہیں اور دائمی نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اُن کی پیدائش سے پہلے اُن کا کوئی وجود نہیں تھا اور وہ عدم سے وجود میں لائی گئیں۔ یہی کیفیت انسان اور دوسرے حیوانات کی ہے جو اس کائنات کا جزء ہیں۔ اس حقیقت کو کہ تمام چیزیں (بالخصوص انسان) عدم سے وجود میں آئیں' قرآن میں کچھ مقامات پر اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔

(۱) قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ " وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًاo (مریم : ۹)
" (اے زکریا!) تمہارے پروردگار کا قول ہے کہ وہ (بڑھاپے میں بچہ عطا کرنا) میرے لئے آسان ہے اور میں نے ہی تمہیں پیدا کیا جبکہ تم کچھ نہ تھے۔" (۹ : ۱۹)

(۲) أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا o (مریم : ٦٧)
" کیا انسان کو یہ یاد نہیں کہ ہم اُسے اس سے پہلے خلق کر چکے ہیں جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔" (٦٧ : ۱۹)

(۳) هَلْ أَتٰى عَلَى الْإِنْسَانِ حِيْنٌ " مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًاo (اَلدَّھر : ۱)
" بے شک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی قابلِ ذکر چیز ہی نہ تھا۔" (۱: ٧٦)

کوپرنیکن کا نظریہ (COPERNICAN THEORY): یہ نظریہ کہ زمین سمیت نظامِ شمسی کے سیّارے سورج کے گرد گھومتے ہیں "کوپرنیکن نظریہ" کہلاتا ہے۔ سولھویں صدی میں کوپرنیکن (۱۴۷۳ تا ۱۵۴۳ء) نے تجرباتی طور پر یہ ظاہر کیا کہ نظامِ شمسی کا مرکز سورج ہے۔ اُس وقت سے لے کر آج تک کائنات بغیر کسی معلوم حدود کے تمام سمتوں میں پھیل رہی ہے۔ کائنات میں دریافت شدہ بعید ترین ستارہ نما سیارے (Quasars) ہیں جو تقریباً آٹھ اَرب نوری سال دُور ہیں۔"

" بہتر اور بڑی دُوربینوں (Telescopes) کے استعمال سے علم الافلاک کے ماہرین نے دریافت کیا کہ جو ستارہ بہ ظاہر ایک دکھائی دیتا تھا' وہ بہت سے حالات میں ستاروں کا جھرمٹ یا ایک کہکشاں تھا۔ اُنہوں نے یہ بھی دریافت کیا کہ ایک کہکشاں کئی کہکشاؤں کا مجموعہ ہے جن میں سے ہر ایک کئی ستاروں کو شامل ہے۔ اُن ہزاروں کہکشاؤں کو جو نظر آتی ہیں' جھرمٹوں میں منظّم کیا گیا ہے' پھر اُن جھرمٹوں کو مزید بڑے گروپوں میں ترتیب دیا گیا ہے جنہیں "سُپر کلسٹرز" (Super Clusters) کہا جاتا ہے۔"

" وہ مادّہ جس سے کائنات کی تشکیل ہوئی' کئی توانائیوں کو شامل ہے۔ کائنات میں سب سے اہم قوت انجذاب (Gravitation) کی ہے۔ یہ قوّت ہر چاند' سیّارے' ستارے' کہکشاں اور کہکشاں کے جھرمٹ کو اکٹھا رکھتی ہے۔ یہ قوّت چاندوں کو اُن مداروں میں رکھتی ہے جو ستاروں کے گرد ہیں اور ستاروں کو اُن مداروں میں رکھتی ہے جو کہکشاؤں کے مرکز کے اردگرد ہیں۔ زندگی جس سے ہم زمین پر متعارف ہیں' اُس روشنی اور حرارت کے بغیر ممکن نہ ہوتی جو زمین سورج سے حاصل کرتی ہے۔"

" بہتر اور بڑی دُوربینوں (Telescopes) کی ترقی سے علم الافلاک کے ماہرین نے دریافت کیا کہ تمام کہکشائیں خلا میں بڑی ہی تیز رفتاری سے سفر کر رہی ہیں۔ وہ کہکشائیں جو Milky Way سے بہت دُور ہیں'

زمین سے روشنی کی رفتار سے دُور ہوتی جارہی ہیں اور یہ مشاہدہ ثابت کرتا ہے کہ کائنات پھیل رہی ہے۔''

(Funk & Wagnalls New Encyclopedia of Science, Vol. 20, pp. 1756-1758)

''کائنات کی تخلیق سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ کا عرش پانی پر تھا: اِس حقیقت کا ثبوت قرآن مجید کی اِس آیت میں ہے :۔

وَهُوَالَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّکَانَ عَرْشُه' عَلَی الْمَآءِ (هُود : ۷)

''اور وہ وہی ہے جس آسمانوں اور زمین کو چھ مرحلوں مَیں پیدا کیا اور اُس کا عرش (حکومت) پانی پر تھا۔'' (۷ : ۱۱)

''عرش سے مراد کوئی بچھا ہوا ماڈی تخت نہیں بلکہ تختِ حکومت ہی مراد ہوسکتا ہے۔گویا ارشاد یہ ہورہا ہے کہ یہ آسمان وزمین اور سارا نظامِ کائنات سب حادث ومخلوق ہیں۔اُنہیں معبود سمجھنے والے اور اُن کی پوجا پاٹ میں لگے رہنے والے سن لیں کہ یہ سب اُسی قادرِ مطلق کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور ایک زمانہ ایسا گزرا ہے جب یہ کچھ بھی نہ تھے۔اس پر جاہلی دماغوں میں معاً یہ سوال پیدا ہوسکتا تھا کہ مانا لیکن جب یہ عالَم و مافیہا تھا ہی نہیں تو پھر آخر خدا کی خدائی اور حکومت کہاں اور کس پر تھی؟ اِسی سوال کی مناسبت سے معاً بعد ارشاد ہوتا ہے کہ بے شک اُس کی حکومت قدیم ہے۔وہ اس عالَم سے قبل اُس عالَم پر تھی جو اُس وقت موجود تھا یعنی عالمِ آب۔'' (ماجدی' ص ۴۵۹)

''امام فخرالدین رازی (م ۶۰۶ ھ) لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر کہ اُس کا عرش پانی پر تھا اپنی عجیب وغریب قدرت کا اظہار کیا ہے کیونکہ کسی عمارت کو بنانے والا اپنی عمارت کو سخت زمین پر پانی سے دُور رکھ کر بناتا ہے تاکہ اُس کی عمارت منہدم نہ ہوجائے اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پانی پر بنایا تاکہ عقل والے اُس کے قدرت کے کمال کو جان لیں۔'' (تفسیر کبیر' ج ۶' ص ۱۹۲)

آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

''اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر دلالت ہے کیونکہ عرش تمام آسمانوں اور زمینوں سے زیادہ بڑا ہے۔اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اُسے پانی پر قائم کیا ہے۔پس اگر اللہ تعالیٰ بغیر کسی ستون کے کسی وزنی چیز کو رکھنے پر قادر نہ ہوتا تو عرش پانی پر نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے پانی کو بھی بغیر کسی سہارے کے قائم کیا۔نیز عرش کے پانی پر ہونے کا یہ معنی نہیں کہ عرش پانی کے ساتھ ملتصق اور متصل ہے۔یہ اس طرح ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ آسمان زمین کے اوپر ہے۔''

(تفسیر کبیر' ج ۶' ص ۳۲۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس تمام تر پانی سے دخانی بادل نمودار ہوئے جو بڑھتے بڑھتے سات آسمان بن گئے۔

ابتدائی مراحل میں کائنات کی دخانی حالت : ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ" (حٰمٓ السَّجدۃ : ۱۱)

''پھر اُس نے آسمان کی طرف توجہ کی اس حال میں کہ وہ دھواں تھا۔'' (۱۱ : ۴۱)

''اس آیت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آسمان قابلِ دخول اور قابلِ نفوذ شے (Penetrable Object) ہے ٹھوس اور سخت نہیں جیسا کہ فلاسفہِ قدیم اور کچھ مسلمان علمائے دین کا خیال تھا۔ پھر دخانی آسمان کی یہ ابتدائی شکل زمین پر زندگی کے ظہور سے قبل سات آسمانوں میں دو مرحلوں میں ترقی پذیر ہوئی' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :۔

اَلَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ھَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ۝ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّھُوَ حَسِیۡرٌ" ۝ (الملک:۳'۴)

''اُسی نے سات آسمان تہ بہ تہ پیدا کردئے۔ کیا تو رحمٰن کی تخلیق میں کوئی کمی دیکھتا ہے؟ نگاہ اُٹھا کر دیکھ' کیا تجھے کوئی نقص نظر آیا؟ بار بار نگاہ پلٹا' بلا شبہ تیری نگاہ تیری طرف پلٹ آئے گی حیرت زدہ اور عاجز ہو کر (تجھے کوئی کمی نظر نہیں آئے گی)'' (۳'۴ : ۶۷)

Sir Oliver Lodge کائنات کے ارتقاء کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

''مواد کے یہ طویل و عریض ٹکڑے ضخیم بادلوں یا گیس کے منطقوں کی صورت میں جمع ہو جاتے ہیں جنہیں ہم اِس وقت بنولوں کی شکل میں دیکھتے ہیں۔ اُنہیں بجا طور پر گیس یا دھوئیں کہنا چاہئے کیونکہ دھوئیں یا گیس کی اصلیت یہ ہے کہ اُس میں مادہ کے بکھرے ہوئے اجزاء ایک دوسرے سے الگ تھلگ اِدھر اُدھر حرکت کرتے رہتے ہیں۔'' (''قرآن اور علمِ جدید''۔۔۔ڈاکٹر محمد رفیع الدین' ص ۱۵۸) لاہور' فروری ۲۰۱۱ء

''خلائی تسخیر : سائنس کی انتہائی کامیابیوں میں خلائی سفر کی استطاعت حاصل کرنا ہے۔ قرآن نے ساڑھے چودہ سو سال پہلے یہ خوشخبری سنائی:

یَا مَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ اِنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ اَنۡ تَنۡفُذُوۡا مِنۡ اَقۡطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ فَانۡفُذُوۡا لَا تَنۡفُذُوۡنَ اِلَّا بِسُلۡطٰنٍ ۝ (اَلرَّحۡمٰن : ۳۳)

''اے گروہِ جنّ و انسؔ! اگر تمہیں قدرت ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو نکل دیکھو' اُس طاقت کا انتظام کئے بغیر (نہیں نکل سکو گے) جو اس کام کے لئے ضروری ہے۔'' (۵۵:۳۳)

انسان اب ایسے طاقتور راکٹ تو ایجاد کر چکا ہے جن پر بیٹھ کر وہ أَقْطَار السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْض (Neutral Gravitational Zones) سے نکل چکا ہے لیکن سورۃ الرَّحْمٰن کی اس سے اگلی آیت ۳۵ میں جس خطرے سے اُسے خبردار کیا جا رہا ہے' وہ مسلسل اپنی جگہ رہے گا۔ فرمایا :

یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاس فَلَا تَنْتَصِرَانِ (اَلرَّحْمٰن : ۳۵)

''یعنی جب تم أَقْطَار السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْض سے آگے جاؤ گے تو تم پر گرم گیسوں کی آگ حملہ آور ہوگی۔ یہ آگ کون سی ہے؟ سائنس نے اَب جا کر معلوم کیا ہے کہ بیرونی فضاؤں میں ہمارے سورج جیسے اَربوں ستارے ہر آن لاانتہا ریڈی ایشن کی بمبارڈمنٹ اور انتہائی گرم گیسوں کی لہریں (Hot Solar Flares) پھینکتے رہتے ہیں جن سے بچ کر نکل جانا بڑی مشکل بات ہے۔ ہمارے اپنے سورج کے مدار میں بھی شمسی پھواریں (Solar Flares) اکثر حملہ آور ہوتی رہتی ہیں جن سے مواصلاتی سیاروں کو نقصان پہنچنے کا ہر وقت احتمال ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو چودہ صدیاں قبل یہ باتیں کس نے بتائیں؟'' (میجر امیر افضل خان' ص ۱۳۹)

تسخیرِ خلا وقمر کی پیشگوئی : ملاحظہ ہوں صفحات ۳۷۹' ۳۸۰۔

کائنات کو فنا کرنے کے بعد اس کی دوبارہ تخلیق

(From the 'Big Crunch' again to the 'Big Bang' (The Super Space)

قرآن مجید پُرزور طور پر اِس حقیقت کو قطعیت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ تمام کائناتی نظام کی تباہی اور اس کے انہدام وسقوط کے بعد قادرِ مطلق اللہ ایک نئی زمین پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ نئی کائنات تخلیق فرمائے گا اور تمام بنی نوعِ انسان دوبارہ زندہ ہو کے جوابدہی کے لئے اپنے آقا و مالک کے حضور پیش ہوں گے (بحوالہ سورۃ ابراہیم : ۴۸)۔ جدید دَور کا انتہائی ذہین سائنسدان John Wheeler اِس نئی تخلیق کو ''سُپر سپیس'' (Super Space) کا نام دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن فرماتا ہے:۔

(i) کَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ' وَعْدًا عَلَیْنَا اِنَّا کُنَّا فَاعِلِیْنَo (الانبیاء : ۱۰۴)

''جس طرح ہم نے پہلی بار پیدا کرنے کے وقت ابتدا کی تھی' اُسی طرح اسے دوبارہ کریں گے' یہ ہمارا وعدہ ہے ہم اسے ضرور کر کے رہیں گے۔'' (۲۱ : ۱۰۴)

(ii) کَانَ وَعْدُہٗ مَفْعُوْلًاo (اَلْمُزَّمِّل : ۱۸)

''بے شک اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔'' (۷۳ : ۱۸)

Wheeler یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ (Super Space) کوئی شاعرانہ تخیل نہیں ہے بلکہ وہ ایک قطعی

اور نا قابلِ انکار حقیقت ہے اور اس سوال کا جواب کہ کیا واقعی اس بے مثال' خوبصورت نظام کو فنا کرنے کے بعد ایک نئی کائنات پیدا کی جائے گی' اوپر کی آیت میں اثباتی انداز میں دے دیا گیا ہے۔''

سورہ یٰسٓ کی آیت ۸۱ میں روزِ حشر کے متعلق کافروں کی بدعقیدگی کو منطقیانہ انداز میں یوں رد کیا گیا ہے :۔
أَوَلَيْسَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰى أَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَالْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ٥
''تو کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کر ڈالا' وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے لوگوں کو (دوبارہ) پیدا کر دے' ضرور قادر ہے اور وہ بڑا پیدا کرنے والا' خوب جاننے والا ہے۔'' (۳۶ : ۸۱)

علمِ کائنات اس تباہ کن سقوط اور اُس کے بعد نئے عالمی نظام کی تخلیق کو'' کائنات کا مقدر'' قرار دیتا ہے۔

روزنِ سیاہ (Black Holes OR Collapsars): (خلاؤں میں بعض مقام جہاں کششِ ثقل اس درجے پر ہے کہ کوئی مادہ یا شعاع تک وہاں سے نہیں نکل سکتی)

یہ روزن اُس مقام بندی کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہیں جو کسی ستارے کے ختم ہونے سے خالی ہو گئی ہو (تفصیل ملاحظہ ہو صفحات ۴۰۵' ۴۰۶ پر) قرآن مجید ان کے متعلق فرماتا ہے :۔

(۱) وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ (ألمؤمنون : ۱۷)
''اور ہم نے یقیناً تمہارے اوپر سات راستے بنا دئے۔'' (۲۳ : ۱۷)

''طَرَآئِق جمع ہے طَرِیق کی بمعنی شاہراہیں' مدار یا مرئی (نظر آنے والے) آسمان میں سیاروں کے حرکت کرنے کی راہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے سات سیاروں کے لئے سات مداریں مقرر کر دی ہیں جن کے اوپر وہ مصروفِ حرکت رہتے ہیں۔'' (ضیاء القرآن ۔۔ کرم شاہ الازہری' ج ۳' ص ۲۴۸)

(۲) وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ (ألذّٰرِيٰت : ۷)
''قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں۔'' (۵۱ : ۷)

Wheeler اس بات پر زور دیتا ہے کہ اگر آئن سٹائن کے نسبتی نظریہ (Relativity Theory) کو سنجیدگی سے دیکھا جائے تو کائنات اور اس کے سقوط کی صداقت ایک اٹل حقیقت ثابت ہوتی ہے اور اُس نے اس کا نام "روزنِ سیاہ" (Black Hole) رکھا۔ وہیلر کا یہ موقف ہے کہ یہ روزنِ سیاہ اُس دہشت ناک تباہی کی محض

بے شک انسان پر ایک وقت ایسا بھی گزر چکا ہے کہ وہ کوئی چیز نہ تھا۔ پھر کتنے ہی دَور طے کر کے وہ نطفہ کی شکل میں آیا اور انسان کو دو رنگے پانی سے پیدا کیا۔ اَمْشَاج کے معنی مخلوط کے ہیں۔ نطفہ جن غذاؤں سے بنتا ہے وہ مختلف چیزوں سے مرکب ہوتی ہیں۔ اس لئے عورت کے پانی سے قطع نظر کر کے بھی اُسے اَمْشَاج کہہ سکتے ہیں۔ ممکن ہے یہ اختلاط وامتزاج مرد و عورت کے ماڈوں کی ترکیب کے لحاظ سے ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود مادہ منویہ کے اجزائے ترکیبی کے لحاظ سے ہو۔ نطفہ سے جما ہوا خون * اور پھر اس سے گوشت کا لوتھڑا بنایا گیا۔ اسی طرح کے الٹ پھیر کے بعد اس درجہ میں پہنچا دیا کہ اب وہ کانوں سے سنتا اور آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اُن قوتوں سے کام لیتا ہے جو کوئی دوسرا حیوان نہیں لے سکتا۔ گویا اور سب اس کے سامنے بہرے اور اندھے ہیں۔ (''قرآن کے جدید سائنسی انکشافات''۔ پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم' ص ص ۱۲۴' ۱۲۵)

''مرد کا سپرم (Sperm) واحدۃ الخلیہ (Single Cell) ہوتا ہے اور عورت کے بیضہ خلیہ (وہ بھی واحدۃ الخلیہ ہوتا ہے) سے مل کر کثیر الخلوی مادہ بن جاتا ہے جس میں عورت اور مرد کے ڈی این اے یعنی کروموسومز وغیرہ موجود ہوتے ہیں۔ جس طرح انسان کی رحمِ مادر میں تخلیق ہوتی ہے یا وہ جن تخلیقی مراحل سے گزرتا ہے' قرآنِ حکیم میں مختصر مگر نہایت جامع الفاظ میں بتا دیا گیا ہے۔''

''نفس واحدۃ جس کا ذکر سورۃ النساء کی اوّل آیت اور سورۃ الاعراف کی آیت ۱۸۹ میں ہوا' سے مراد واحدۃ الخلیہ ہے خواہ انسان کی تخلیق (یا آدم علیہ السلام کی تخلیق) نظریہ تخلیق خصوصی سے ہوئی ہے یا ''نظریہ حیاتیاتی ارتقاء'' سے' ہر صورت میں واحد ''خلیہ'' سے ہی شروع ہوئی ہوگی۔ مرد کے مادہ منویہ میں لاکھوں جرثومے ہوتے ہیں اور ہر جرثومہ واحدۃ الخلیہ ہوتا ہے (عورت میں حمل قرار پانے کے لئے صرف ایک جرثومے کی ضرورت ہوتی ہے) اور وہ مادہ کے واحد بیضہ خلیہ سے ملاپ کر کے انسان کی تخلیق کا باعث بنتا ہے۔'' (ایضاً)

(۶) ''__کلوننگ (Cloning)__: حیوانی اور انسانی کلوننگ کا مطالعہ کرنے کے بعد ممکن ہے کہ قارئین کے ذہن میں مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوئے ہوں:

(i) کیا انسانی کلوننگ کا قرآنِ حکیم میں ذکر ہے؟
(ii) کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کلوننگ کے ذریعے ہوئی؟
(iii) کیا حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی کلوننگ کا ذریعہ تھی؟''

__ان کا جواب دینے سے قبل ''کلوننگ'' اور ''خلیہ'' کا تعارف کرانا ضروری ہے:۔__

* جما ہوا خون کی بجائے ''بارور شدہ بیضہ'' کہہ لیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

پیشگی مشق(Rehearsal) ہے جو ایک نہ ایک دن پردہِ تخلیق کو گرا دے گی۔قرآن مجید نے اس دہشت ناک تباہی کو سورۃ الفاتحہ کی آیت ۳ میں یوم الدین' سورۃ الاعراف کی آیت ۱۸۷' سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۷ اور سورۃ النازعات کی آیت ۴۲ میں اَلسّاعۃ' سورۃ الواقعۃ کی اوّل آیت میں اَلْواقِعۃ اور سورۃ القیامۃ کی اوّل و ششم آیت میں یَومُ الْقِیَامۃ کا نام دیا ہے جس کے واقع ہونے کا علم بروئے سورۃ الاعراف: ۱۸۷:۷' صرف قادرِ مطلق اللہ کو ہے۔

آئن سٹائن اور وہیلر دونوں کے اس انوکھے سوال کا جواب کہ آیا تخلیقِ عالم میں اللہ تعالیٰ کو کوئی اختیار تھا' ذیل کی آیاتِ قرآنی میں موجود ہے:۔

(۱) وَاِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَه' کُنْ فَیَکُوْنُo (اَلبَقرۃ: ۱۱۷)

"اور جب وہ کسی کام کا کرنا ٹھہرالیتا ہے تو بس اتنا ہی اس سے کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔"

(۲) وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَیَوْمَ یَقُوْلُ کُنْ فَیَکُوْنُ o (اَلانعام: ۷۳)

"وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو مقصد کے ساتھ پیدا کیا اور جس روز وہ کہے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گا۔" (۷۳ : ۶)

(۳) اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ" لِّمَا یُرِیْدُo (هُود: ۱۰۷)

"بے شک آپ کا پروردگار جو چاہے پورے طور پر کرسکتا ہے۔" (۱۰۷ : ۱۱)

(۴) وَاللّٰهُ یَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ (اَلرَّعد: ۴۱)

"اور اللہ حکم کرتا ہے' کوئی اُس کے حکم کو ہٹانے والا نہیں۔" (۴۱ : ۱۳)

(۵) یَخْلُقُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ"o (اَلنُّور: ۴۵)

"اللہ جو چاہے پیدا فرماتا ہے' بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔" (۴۵ : ۲۴)

(۶) یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ"o (فاطِر: ۱)

"وہ پیدائش میں جو چاہے زیادہ کردیتا ہے' بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔" (۱ : ۳۵)

<u>علّت ومعلول کا نظریہ(Law of Causality)</u> : درجِ بالا آیاتِ قرآنی بجا طور پر اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ علت ومعلول (Cause and Effect) کے اصول کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اسی صورت میں قادرِ مطلق کی ہر چیز پر مکمل قدرت ظاہر ہوسکتی ہے۔

فانی انسان ایسی دنیا میں رہتا ہے جہاں علت ومعلول کی حکمرانی ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ ہماری تمام زندگی پر علّت اور معلول غالب ہیں' ایسی زندگی جو بہ ظاہر ایٹم کی کوانٹم دنیا سے بہت دُور ہے۔

آئن سٹائن کا نقطہ نظر یہ تھا کہ کائنات پر ایک منطقی نظام کی حکمرانی ہے جس میں تمام واقعات علت ومعلول

کے ذریعے متعین کئے جاتے ہیں یعنی ایک خاص علت (سبب) ایک خاص نتیجے کو پیدا کرتی ہے۔اس کے برعکس آئن سٹائن کے ایک ہمعصر سائنسدان (Niels Bohr) نے اس نظریہ کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ ماڈی وقوعوں کا تعین علت ومعلول کے نظریہ سے نہیں بلکہ اتفاقی اور حادثاتی عوامل سے کیا جاتا ہے۔ بوہر نے اس بات پرزور دیا کہ امکان اور اتفاق ہی ماڈی دنیا میں واقع ہونے والے تمام واقعات کے رہنما ہوتے ہیں نہ کہ کسی ثالث کا فیصلہ۔ یہ نظریہ (QUANTUM THEORY) کہلاتا ہے۔ ("God, Universe and Man, the Holy Quran and the Hereafter"... Engr. Fatehullah Khan, p. 252)

بوہر کی کوانٹم تھیوری تخلیقِ کائنات کے اتفاقی اور حادثاتی وقوع سے ملتی جلتی ہے جس میں اتفاق اور امکان واقعات کے وقوع میں مائل بہ عمل ہوتے ہیں۔ یہ نظریہ نہ صرف غیر منطقی ہے بلکہ قرآنی تعلیمات کے بھی خلاف ہے۔ واقعات کے وقوع میں اتفاق اور احتمال کو غالب عنصر ماننے کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ مطلقہ پر عدمِ ایمان ہوگا اور یہ بات غالباً عقیدۂ توحید کو نقصان پہنچانے کا سبب بنے گی۔

جہاں تک آئن سٹائن کے نظریہ علت ومعلول (Cause and Effect) کا تعلق ہے' تو یہ جزوی طور پر اس لحاظ سے تو درست ہے کہ علت اور معلول بلا شک وشبہ ہماری ماڈی دنیا میں غالب عوامل ہیں اور ہر نتیجہ کے پیچھے لازماً کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے جو نتیجے پر حکمران ہوتا ہے۔ بہ الفاظِ دیگر علت اور معلول (سبب اور نتیجہ) ایک دوسرے سے متعلق ہیں اور اُن میں سے ایک کا وجود دوسرے کے لئے شرطِ اوّل ہے۔علت اور معلول کا یہ اصول اللہ تعالیٰ کا فیصلہ شدہ حکم ہے جو تمام کائنات پر حکمرانی کررہا ہے۔لیکن جہاں تک اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا تعلق ہے تو وہ کسی قانون حتّٰی کہ علت ومعلول کا بھی پابند نہیں ہے۔اُس کی قدرتِ کاملہ کی یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ وہ کسی کے آگے جوابدہ نہیں ہے بلکہ تمام کائنات اُس کے آگے جوابدہ ہے جیسا کہ قرآن مجید نے اعلان فرمایا:

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ٥ (الانبیاء: ۲۳)

''وہ جو کچھ بھی کرے اُس سے باز پرس نہیں کی جاتی بلکہ اوروں سے باز پرس کی جاتی ہے۔'' (۲۳ : ۲۱)

آدم علیہ السلام کی پیدائش بغیر ماں باپ کے اور عیسٰی علیہ السلام کی بن باپ کے پیدائش اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی روشن مثالیں ہیں اور گزشتہ صفحہ ۸۱۵ پر دی گئی چھ آیات اِسی مفہوم کو ادا کررہی ہیں۔

<u>قرآن میں آسمان اور زمین جمع کی حالت میں</u>: سورۃ الطلاق میں ارشاد ہوا:

اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ (الطلاق : ۱۲)

<u>''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان اور اُنہی کی طرح* زمین بھی پیدا کی۔'' (۱۲ : ۶۵)</u>

* سات زمینوں کا ثبوت اسی انسائیکلوپیڈیا (حصہ انگریزی) کی جلد دوم کے صفحات 1127 تا 1133 پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

اضافی اَفلاکی کہکشائی دنیا(Cosmic Extra-Galactic World) : زمین و آسمان کے علاوہ قرآن مجید نے مختلف مقامات پر ایک اور دنیا سے بھی متعارف کرایا ہے جو زمین و آسمان کے درمیان میں ہے۔جدید سائنس نے اسے (Cosmic Extra-Galactic World) کا نام دیا ہے اور اس میں نظامِ سیارگان' ستارے اور کہکشائیں شامل ہیں۔قرآن مجید اِس عالم کے متعلق یوں فرماتا ہے:۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ (الٓمّٓ السَّجدۃ : ۴)

''اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے چھ مرحلوں میں پیدا کیا۔''

ایک سائنسی مغالطہ : ڈارون' لامارک اور مینڈل جیسے سائنسدانوں نے نظریہ ارتقاء کی پیشکش میں اپنے نتائج کی بنیاد اُن مشابہ (ملتی جلتی) چیزوں پر رکھی جو انسانوں اور کچھ جانوروں میں پائی جاتی ہیں۔اِن مشابہ چیزوں کی طرف قرآن مجید نے بھی سورۃ الانعام میں بہ ایں الفاظ اشارہ کیا ہے:۔

وَمَامِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طَآئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْہِ اِلَّآ اُمَمٌ" اَمْثَالُکُمْ (الانعام : ۳۸)

''اور جو بھی جانور زمین پر چلنے والا ہے اور جو بھی پرندہ اپنے دونوں پروں سے اُڑنے والا ہے وہ سب تمہاری ہی طرح کے گروہ ہیں۔''(۳۸ : ۶)

آیتِ بالا میں مذکور باہم مماثلتیں درج ذیل اقسام کی ہیں :

(۱) حیاتیاتی مماثلتیں (۲) اعضائے بدن کی(Anatomical) مماثلتیں

(۳) بائیوکیمیکل مماثلتیں (۴) جینیاتی(Genetic) مماثلتیں

اِن مماثلتوں کے متعلق جو کافی سائنسی تحقیق کے بعد دریافت ہوئیں' قرآنِ حکیم نے چودہ صدیاں قبل بتا دیا تھا اور یہ حقیقت قرآن کی (منجانب اللہ ہونے کی) صداقت کی گواہ ہے۔اُمَم" اَمْثَالُکُمْ (تمہاری طرح کے گروہ) کے لفظ جانوروں' پرندوں اور انسانوں کے مابین پائی جانے والی مختلف مماثلتوں کو ظاہر کرتے ہیں۔تاہم قرآن اِن مماثلتوں سے اخذ شدہ نتائج سے اتفاق نہیں کرتا اور نہ ہی تمام سائنسدان اُن سے اتفاق کرتے ہیں۔سائنسدان انجام کار اپنے نظریے کی صداقت کو بھی ثابت نہیں کر سکے۔وہ اپنے نظریے میں عدمِ تسلسل کو تسلیم کرتے ہیں اور اِس عدمِ تسلسل کو کڑیوں کا غائب اور غیر موجود ہونا کہا جاتا ہے۔ایسی بہت سی کڑیوں کے غائب ہونے کی وجہ سے نظریہ ارتقاء کی متعدد متضاد اور باہم متصادم تاویلات ہیں اور کوئی ایک متحدہ اور متفق علیہ نظریہ پیش نہیں کیا گیا۔'' ("The Creation and Evolution of the Universe" ... Prof. Dr. Muhammad Tahirul Qadri, p. 21)

کائنات کے صفحات : اِن صفحات کی بابت قرآن مجید کی زبانی سنئے :

(۱) يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَأْنَآ أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُہ‘ (الانبیاء : ۱۰۴

''وہ دن آنے والا ہے جب ہم کائنات کو ایسے لپیٹ لیں گے جیسے ایک طومار (Scroll) کو لپیٹا جاتا ہے‘ جیسے ہم نے اس کی تخلیق کا آغاز پہلے کیا تھا‘ ویسے ہی اب پھر سے ہم کرنے والے ہیں۔'' (۲۱ : ۱۰۴)

(۲) وَمَاقَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ وَالْأَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُہ‘ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ (اَلزُّمَر : ۶۷)"

''اور اُن لوگوں نے اللہ کی عظمت نہ کی جیسی کرنی چاہئے تھی اور حال یہ ہے کہ ساری زمین قیامت کے دن اُسی کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اُس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔'' (۳۹ : ۶۷)

''اِن آیاتِ مبارکہ میں کائنات کے آسمانوں کو کتاب کے صفحات کی مانند بتایا گیا ہے۔ اس مماثلت کی درج ذیل وجوہ ہیں :۔

(۱) اجرامِ فلکی کے مقاماتِ متعیّنہ کو لوحِ محفوظ میں روزِ ازل سے صفحہ درصفحہ لکھ دیا گیا۔ یہ صفحات کمپیوٹر کی ٹیپ کی طرح ناقابلِ تغیر حکم کا ریکارڈ ہیں۔

(۲) آسمانوں کے درمیان مقناطیسی توانائی کے فرق کا کتاب کے صفحات کے ساتھ موازنہ کیا گیا ہے۔

(۳) آسمانی خلا اور اس کے طبقات‘ الٰہی احکامات کے حامل ہیں جو کتاب کے صفحات کی طرح کھولے اور بند کئے جاسکتے ہیں۔

(۴) آسمانوں اور مادّی خلا کی تخلیق کو کتاب کے کھولنے اور کائنات کے اختتام کو طومار کے لپیٹنے کے ساتھ مماثلت دینے میں اُن کی حد درجہ کی وسعت بتانا مقصود ہے۔'' ("The Holy Koran and the Facts of Science".... Dr. Haluk Nurbaki, pp. 194, 195)

اجرامِ فلکی کی بابت کچھ نادر قرآنی حقائق

(۱) شمس وقمر کی گردش: اس کے متعلق سورہ یٰسٓ کی آیت ۴۰ میں ارشاد ہوا:

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِىْ لَهَآ أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ" فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ○

''نہ آفتاب کی مجال کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور سب ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں۔''

(۲) کائناتی حدود سے باہر جانا صرف قادرِ مطلق کی مدد سے ہوگا -- تسخیرِ قمر کی پیشگوئی:

یَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ o (اَلرَّحْمٰن : ۳۳)

''اے گروہِ جنّ وانس! اگر تمہیں قدرت ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو نکل دیکھو' اُس طاقت کا انتظام کئے بغیر (نہیں نکل سکو گے) جو اس کام کے لئے ضروری ہے۔'' (۵۵:۳۳)

''زمین سے ہوائی سفر کرتے ہوئے چاند انسان کی پہلی خلائی سرحد ہے۔ انسان چاند کی سطح پر چلا ہے' اُس کی چٹانوں کی مٹی کے نمونے لئے ہیں اور اس کی گہرائیوں کو معلوم کرنے کے لئے کچھ آلات نصب کئے ہیں۔ اُس نے اُس کی سطح کے تفصیلی نقشے ایسے تیار کئے ہیں کہ اپنے سیارۂ زمین کے بھی تیار نہیں کئے۔ قمری چٹانوں کے دو ہزار سے زائد نمونوں کے ذریعے انسان نے چاند اور سورج کی تاریخ پڑھنا شروع کی ہے۔ چاند میں قوتِ تجاذب کم ہے' ہوا اور پانی ناپید ہیں اور وہاں زندگی کے کوئی آثار نہیں ہیں اور اِنہی وجوہ سے انسان نے چاند کو ''عالیشان سنسناہٹ'' (Magnificent Desolation) کا نام دیا ہے۔''

(۳) فضا میں بجلی' آسمانی بجلی کا کوندنا (Lightning) اور برف واولے: قرآن فرماتا ہے:۔

(۱) هُوَ الَّذِیْ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنْشِیُٔ السَّحَابَ الثِّقَالَ o وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِہٖ وَالْمَلٰٓئِکَةُ مِنْ خِیْفَتِہٖ وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِهَا مَنْ یَّشَآءُ وَهُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰہِ وَهُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ o (اَلرَّعْد : ۱۳)

''وہ (وہی) اللہ ہے جو تمہیں بجلی (کی چمک) دکھاتا ہے ذریعۂ خوف بنا کر اور ذریعۂ امید بنا کر اور بوجھل بادلوں کو بلند کرتا ہے۔ بجلی کی کڑک اُس کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کرتی ہے اور فرشتے بھی اُس کے رعب وجلال سے (یہی کرتے ہیں) اور وہ بجلیاں بھیجتا ہے پھر اُنہیں جس پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے اور یہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں حالانکہ وہ بڑا ہی زبردست قوت والا ہے۔'' (۱۳ : ۱۳)

(۲) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَہٗ ثُمَّ یَجْعَلُہٗ رُکَامًا فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِہٖ وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْهَا مِنْ بَرَدٍ فَیُصِیْبُ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَیَصْرِفُہٗ عَنْ مَّنْ یَّشَآءُ یَکَادُ سَنَا بَرْقِہٖ یَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ o (اَلنُّور : ۴۳)

''(اے مخاطب!) کیا تجھے یہ علم نہیں کہ اللہ ایک ایک بادل کو چلاتا رہتا ہے پھر اُسے باہم ملا دیتا ہے' پھر اُسے تہ بہ تہ کر دیتا ہے' پھر تو بارش کو دیکھتا ہے کہ وہ اس کے بیچ میں نکل کر آتی ہے اور اسی بادل سے برف برساتا ہے جو پہاڑوں کی طرح ہوتی ہے 'پھر اُنہیں جس پر چاہتا ہے گراتا ہے' قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھوں کی بینائی کو لے جائے۔'' (۲۴:۴۳)

(۴) مکبّر سائے (Shadows):

(i) اَوَلَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنۡ شَیۡءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُہٗ عَنِ الۡیَمِیۡنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰہِ وَہُمۡ دٰخِرُوۡنَ ○ (اَلنَّحل : ۴۸)

''کیا اُن لوگوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی اُن چیزوں کو نہیں دیکھا جن کے سائے دائیں طرف اور بائیں طرف جھکتے ہیں' اللہ کے تابع ہیں اور (اُس کے) روبرو عاجز ہیں۔''

''شَیۡءٍ سے یہاں مراد بے جان چیزیں ہیں کیونکہ اس سے اگلی آیت (۴۹) زمین پر چلنے والی چیزوں اور فرشتوں کے بیان سے متعلق ہے۔ اس تمثیل میں یہ بتانا مقصود ہے کہ اس کائنات کی ایک ایک چیز یہاں تک کہ سایہ دار چیزوں کے سائے بھی حکمِ الٰہی کے مطیع ہیں' اُسی کی فرمانبرداری میں اُس کے آگے سجدہ ریز ہیں اور اُس کی حمد وثنا کے نغمے گا رہے ہیں۔ ظِلٰل (سائے) کا لفظ یہ بتا رہا ہے کہ اِس زندگی میں تمام چیزیں کیسے آسمانی حقیقی صداقت کے محض سائے ہیں۔ درختوں اور عمارتوں کے سائے آسمانی روشنی کے مطابق اِدھر اُدھر حرکت کرتے ہیں یا بڑے چھوٹے ہوتے رہتے ہیں۔'' (عبداللہ یوسف علی' نوٹ: ۲۰۷۴)

(ii) وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمۡ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا (اَلنَّحل : ۸۱)

''اور اللہ نے تمہارے لئے اپنی بعض مخلوقات کے سائے بنائے۔'' (۱۶ : ۸۱)

درختوں کے' عمارتوں کے' ٹیلوں اور پہاڑوں کے سایہ سے انسان کا آسائش اُٹھانا بالکل ظاہر ہے اور یہ سب اُس مشفق وکریم آقا کی طرف سے حضرتِ انسان کے لئے نعمت سے کم نہیں ہیں۔ مختلف اوقات میں اور مختلف مقامات پر سورج کی کرنیں ترچھی پڑتی ہیں اور سورج کی کرنوں کے ساتھ سائے کا سبب بنتی ہیں۔ (ایضاً نوٹ: ۲۱۱۸)

(iii) اَلَمۡ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیۡفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوۡ شَآءَ لَجَعَلَہٗ سَاکِنًا ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ عَلَیۡہِ دَلِیۡلًا ○ ثُمَّ قَبَضۡنٰہُ اِلَیۡنَا قَبۡضًا یَّسِیۡرًا ○ (اَلۡفُرۡقَان : ۴۵' ۴۶)

''(اے پیغمبر!) کیا آپ نے اپنے پروردگار پر نظر نہیں کی کہ اُس نے سایہ کو کیسے پھیلا دیا اور اگر وہ چاہتا تو اُسے ٹھہرا ہوا رکھتا' پھر ہم نے آفتاب کو اُس پر ایک علامت مقرر کر دیا' پھر ہم نے اُسے اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا۔'' (۲۵ : ۴۶' ۴۵)

''چیزوں کے سائے کا صبح کے وقت بڑھنا اور آفتاب کے بلند ہونے پر خصوصاً دوپہر کے وقت بالکل گھٹ جانا اور پھر بڑھتے بڑھتے شام کو معدوم ہو جانا' یہ سب تخلیقِ باری تعالیٰ کی وجہ سے ہے' ارادۂ حق کا محتاج اور اُس کے ماتحت ہے اور خود بخود نہیں ہو رہا۔ آفتاب کا اُس پر علامت مقرر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آفتاب کے طلوع اور بلندی

کو ایک ظاہری علامت سایہ کی درازی و کوتاہی پر بنا دیا۔ اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سایہ جو اُس کے نزدیک معدوم ہو جاتا ہے لیکن علمِ الٰہی سے غائب نہیں ہو جاتا۔'' (ماجدی حصہ اردو' ص ۷۳۷)

آیات میں یہ اہم نکتہ بھی جتلانا مقصو ہے کہ'' خوب یاد رکھو کہ جس طرح یہ سایہ فانی ہے' اسی طرح تمہاری زندگی اور اُس کا یہ جاہ وجلال بھی فانی ہے۔ نیز یہ بھی کہ مانا کہ کفر وشرک کا سایہ بہت پھیلا ہوا ہے اور باطل کی تاریکیوں نے ہر جگہ اپنے جھنڈے گاڑ دئے ہیں لیکن اب آفتابِ ہدایت طلوع ہو چکا ہے' تھوڑی دیر انتظار کرو پھر دیکھو گے کہ نورِ ہدایت کیسے پھیلتا ہے!''

''اہلِ معرفت نے آیت کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ سائے سے مراد فَترَة کا زمانہ ہے (یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا درمیانی زمانہ جس میں کوئی نبی یا رسول نہیں آیا)۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہو چکا تھا یہاں تک کہ آفتابِ محمدی اُبھرا اور ظلمت کدۂ عالم کو بقعۂ نور بنا دیا۔ اگر یہ سورج طلوع نہ ہوتا تو ساری مخلوق غفلت کی تاریکیوں میں عمریں گزار دیتی اور نورِ حق کی کوئی تجلّی اُنہیں فیضیاب نہ کرتی۔ یہ آفتابِ محمدی کی ضیا پاشیاں ہیں جن کے باعث دل کی آنکھوں کو نورِ توحید دیکھنا نصیب ہوا۔'' (ضیاء القرآن' جلد سوم' صفحہ ۳۶۷)

''سورج نورِ الٰہی کا ایک عکس ہے جو ہماری دنیا کو منوّر کئے ہوئے ہے۔ پیغمبرِ اعظم ﷺ بھی روشنی اللہ ہی سے لیتے ہیں اور ہم اپنی چھوٹی چھوٹی روحانی موم بتیوں کو آپ ہی کی خداداد روشنی سے منوّر کر سکتے ہیں۔ یا یہ کہ وحیِ الٰہی سورج کی روشنی ہے اور ہم اپنی زندگی کو اس سے منوّر کرتے ہیں۔ جیسا کہ سورج کی روشنی سورج کے ساتھ قائم ہے' جو اُس روشنی کی بقا وحیات کا منبع ہے' بالکل اُسی طرح وحی بھی پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ قائم ہے جو اُس وحی کے وجود کا منبع ہیں اور جن کے ذریعے وہ وحی آتی ہے۔'' (عبداللہ یوسف علی' نوٹ: ۳۱۰۲)

''آیت ۴۶ مذکورہ میں اِس امر کی طرف توجّہ دلائی جا رہی ہے کہ حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ ساری تبدیلیاں تدریجی طور پر وقوع پذیر ہوں ورنہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ کبھی آپ نے موسموں کے تغیّر پر غور کیا کہ کس طرح آہستہ آہستہ سردیاں گرمیوں میں اور گرمیاں سردیوں میں تبدیل ہوتی ہیں۔ اگر سخت گرمی کے فوراً بعد سخت سردی شروع ہو جائے تو اُس کے اثرات کی تباہ کاریوں کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ قدرت ہر کام میں تدریج کو پسند کرتی ہے اور اسی میں اُس کی حکمت کے سینکڑوں جلوے نظر آتے ہیں۔ یونہی کفر کی ظلمت دھیرے دھیرے چھٹے گی اور ہدایت کی روشنی آہستہ آہستہ پھیلے گی۔'' (ضیاء القرآن' جلد سوم' صفحہ ۳۶۸)

اسی طرح ہمیں قرآن مجید کے ذریعے علمِ ہیئت' علمِ کائنات اور اجرامِ سماوی کے کچھ حقائق کا علم حاصل ہوتا ہے جب قرآن مجید یہ اعلان کرتا ہے کہ:

(A) تمام اجرامِ فلکی کسی سہارے (کششِ ثقل) کے بغیر بلند کئے گئے ہیں

اَللّٰہُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا (اَلرَّعد : ۲)

''اللہ وہی تو ہے جس نے آسمانوں کو بغیر کسی ستون کے بلند کر رکھا ہے (جیسا کہ) تم اُسے دیکھ رہے ہو۔'' (۲ : ۱۳)

(B) آسمانوں میں راس مینڈل (منطقۃ البروج Zodiacal Signs) ہیں

(۱) وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَیَّنّٰھَا لِلنّٰظِرِیْنَ o (اَلْحِجر : ۱۶)

''اور بالیقین ہم نے آسمان میں منطقۃ البروج بنا دئے اور اُس (آسمان) کو دیکھنے والوں کے لئے اُن بُرجوں سے آراستہ کر دیا۔'' (۱۶ : ۱۵)

(۲) وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ o (اَلْبُرُوج : ۱)

''منطقۃ البروج* والے آسمان کی قسم!''

(C) آسمانوں کا ناقابلِ آلودگی (Inviolable) ہونا اُن کی وسعت کی وجہ سے ہے

وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰھَا بِاَیْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ o (اَلذّٰرِیٰت : ۴۷)

''اور آسمان کو ہم نے (اپنے) دستِ قدرت سے بنایا اور ہم (ہی) اُسے وسعت دینے والے ہیں۔'' (۴۷ : ۵۱)

(D) نچلے آسمان (آسمانِ دنیا) کو روشنیوں سے مزیّن کیا گیا ہے اور اس کی حفاظت کی گئی ہے

(۱) وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَحِفْظًا (حٰمٓ اَلسَّجْدَۃ : ۱۲)

''اور ہم نے اس قریب والے آسمان کو ستاروں کے ذریعے رونق بھی دی اور حفاظت بھی کی۔''** (۱۲ : ۴۱) [حفاظت کی نوعیت کا ذکر ذیل کی آیت میں ہے]

(۲) ولَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَجَعَلْنٰھَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ (اَلْمُلْك : ۵)

''بے شک ہم نے قریب کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر رکھا ہے اور ہم نے اُنہیں شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بھی بنایا ہے۔'' (۵ : ۶۷)

(E) شمس وقمر تک دیئے گئے باضابطہ حکم کے مطابق پابندِ وقت ہیں

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ o (اَلرَّحْمٰن : ۵)

''سورج اور چاند تک کمپیوٹرائی نظام کے پابند ہیں۔'' (۵ : ۵۵)

---

*منطقۃ البروج (Zodiacal Signs) کی تشریح کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ ۳۵۵۔ **تشریح کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ ۳۵۷۔

(F) دو عظیم روشن آسمانی قندیلیں اپنی راہ پر مستعدی سے رواں دواں ہیں

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ (ابراھیم : ۳۳)

''اور اُس نے تمہارے (فائدہ) کے لئے سورج اور چاند کو (اپنی قدرت کا) مستقل طور پر مسخر کردیا۔'' (۳۳ : ۱۴)

(G) دو عظیم روشن آسمانی قندیلیں تقویم (کیلنڈرنگ) وغیرہ کا ذریعہ ہیں

هُوَالَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ (یُونس: ۵)

''وہ (اللہ) وہی ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا اور چاند کو روشن بنایا اور اُس کے لئے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور حساب جان لیا کرو۔'' (۱۰:۵)

''یہاں یہ حقیقت ظاہر کردی کہ اللہ نے ان اجرام فلکی کو خود انسان کی خدمت وراحت ونفع رسانی کے لئے پیدا کیا ہے تو انسان کی یہ کیسی شدید حماقت ہے کہ وہ اُلٹی ان کی پرستش شروع کردے! مَنَازِل جمع ہے مَنزل کی جس سے مراد وہ مسافت ہے جو کوئی کوکب شب وروز میں قطع کرے۔ چاند کی منزلیں ۲۹ یا ۳۰ ہیں۔ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ کو قَدَّرَهٗ سے متعلق رکھنے سے منشائے الٰہی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وقت وزمانہ کا حساب کتاب تقویم قمری ہی کے مطابق رکھا جائے۔'' (ماجدی' ص ۸۳۲)

(H) تمام اَجرام اور توانائیاں مناسب اور صحیح توازن وتناسب میں پیدا کی گئیں

(i) وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا۝ (اَلْفُرْقان : ۲)

''اور اُس نے ہر چیز کو مناسب تناسب وتوازن میں پیدا کیا۔'' (۲ : ۲۵)

(ii) وَهُوَالَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ (الانعام : ۷۳)

''وہ وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو صحیح توازن میں پیدا کیا۔'' (۷۳ : ۶)

(I) تمام اَجرام اور توانائیاں انسان کی خدمت کے لئے پیدا کی گئیں

(i) وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرَاتٌ بِاَمْرِهٖ (اَلنَّحل:۱۲)

''اور اُس نے تمہارے (فائدہ) کے لئے دن رات کو (اپنا) مسخر کیا ہے اور سورج' چاند اور ستارے بھی اُس کے حکم سے مسخر (قدرت) ہیں۔'' (۱۲ : ۱۶)

(ii) وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (اَلْجَاثِيَة :۱۳)

''جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اُس نے تمہارے (فائدہ) کے لئے سب کو اپنی طرف سے تابع کیا۔'' (۱۳ : ۴۵)

(j) ساتوں آسمان تہ در تہ ہیں

اَلَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا (اَلۡمُلک : ۳)

''وہ وہی ہے جس نے ساتوں آسمان تہ بہ تہ (ایک دوسرے کے نیچے) پیدا کئے۔'' (۲ : ۶۷)

سات آسمان ہونے میں حکمتیں: '' ہر آسمان پر ایک سیارہ ہے۔ اگر آسمان ایک ہوتا اور سب سیارے، تارے اِسی ایک پر ہوتے تو زمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ وہ اس طرح کہ پہلے آسمان پر چاند ہے اور چوتھے پر سورج۔ سورج سے غلّہ اور فصلیں وغیرہ پکتی ہیں اور چاند اور دیگر سیاروں سے پیداوار میں رنگت اور لذت پیدا ہوتی ہے۔ پھر سورج کبھی قریب آ جاتا ہے اور کبھی دُور جس کی وجہ سے موسم بدلتے ہیں اور ہر موسم کے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ اگر سورج پہلے آسمان پر ہوتا تو سخت گرمی کی وجہ سے جاندار فنا ہو جاتے اور کھیتیاں، باغ وغیرہ سب جل کر بھسم ہو جاتے اور اگر چاند چوتھے آسمان پر ہوتا تو اتنی ہلکی شعاعیں زمین تک پہنچتیں جو پھلوں میں رنگت و لذت پیدا کرنے کے لئے کافی نہ ہوتیں۔ لہٰذا جس تارے کا زمین سے جس قدر دُور رہنا مناسب تھا، اُسے اُسی قدر دُور رکھا۔ انہی فاصلوں کے فرق کے لئے سات آسمان بنائے گئے اور ان میں صدہا حکمتیں ہیں۔'' (تفسیر نعیمی، ج ا، ص ۲۷۰)

(k) ستارے ملاحوں اور جہاز رانوں (Navigators) کے لئے راہ نما ہیں

(i) وَهُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوۡمَ لِتَهۡتَدُوۡا بِهَا فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ (الانعام : ۹۷)

''وہ وہی تو ہے جس نے تمہارے (فائدہ) کے لئے ستارے بنائے تاکہ اُن کے ذریعہ سے خشکی اور تری کی تاریکیوں میں تم راہ پاؤ۔'' (۹۷ : ۶)

(ii) وَ بِالنَّجۡمِ هُمۡ يَهۡتَدُوۡنَ ○ (اَلنَّحل : ۱۶)

''اور ستاروں سے بھی (لوگ) راہ پاتے رہتے ہیں۔'' (۱۶ : ۱۶)

''ستاروں کی قدر و قیمت کوئی سمندر کے ملاحوں، جہاز رانوں، کشتی بانوں اور صحرا و ریگستان کے مسافروں سے پوچھے! اِس دَورِ ترقی میں بھی بڑے بڑے دُخانی جہازوں کے کپتانوں کا سہارا بھی ''قطب نما'' ہی رہتا ہے یعنی وہ آلہ جو ''قطب ستارہ'' کی سمت متعیّن کرتا رہتا ہے۔'' (تفسیر ماجدی حصہ اُردو، ص ۵۵۱)

''حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو تین کاموں کے لئے پیدا فرمایا ہے: (۱) وہ آسمانوں کی زینت ہیں۔ (۲) وہ شیطانوں کو مار بھگانے کا ذریعہ ہیں۔ (۳) جنگلوں اور سمندروں میں انہیں راہ نمائی کی علامت بنایا ہے۔ جس نے ان تین باتوں کے علاوہ ستاروں کے متعلق کوئی اور تاویل کی، اُس نے حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا۔ حضرت قتادہ کی مراد یہ ہے کہ جس نے ستاروں کے متعلق یہ عقیدہ رکھا کہ وہ اس جہان میں تاثیر اور تصرّف کرتے ہیں، اُن کی وجہ سے بارشیں ہوتی ہیں اور تکوینی امور کا ظہور ہوتا ہے یا جیسے ہمارے زمانہ میں نجومی کہتے ہیں کہ جب فلاں ستارہ فلاں بُرج میں ہو تو فلاں کام ہوتا ہے اور وہ تاریخِ پیدائش کے حساب سے لوگوں کے

(۱) مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ (سورۃ الانعام : ۳۸)

''ہم نے (اپنی اِس) کتاب میں کوئی چیز چھوڑ نہیں رکھی۔'' (۶ : ۳۸)

(۲) وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ ۝ (سورۃ الانعام :۵۹)

''اور نہ کوئی تر اور خشک چیز مگر (یہ کہ یہ سب) روشن کتاب میں (موجود) ہیں۔'' (۶ : ۵۹)

(۳) وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ (سورۃ النّحل :۸۹)

(اے محبوبِ مکرّم!) ''ہم نے آپ پر ہر بات کو کھول دینے والی کتاب اتاری ہے۔'' (۱۶:۸۹)

(۴) وَكُلُّ صَغِیْرٍ وَّ كَبِیْرٍ مُّسْتَطَرٌ ۝ (سورۃ القمر : ۵۳)

''اور ہر چھوٹی اور بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے۔'' (۵۴ : ۵۳)

قرآنک انسائیکلوپیڈیا (اُردو ترجمہ)

(جلد دوئم)

مؤلّف : پروفیسر اشفاق احمد خان

سابق صدر شعبہ عربی۔ گورنمنٹ کالج بوسن روڈ ملتان

مترجم : پروفیسر اشفاق احمد خان (مؤلف انسائیکلوپیڈیا ہذا)

ثاقب پرنٹرز اینڈ پبلشرز

5۔شالیمار کالونی' عقب ٹویوٹا شوروم۔ بوسن روڈ ملتان

فون :061-6523251 موبائل : 0331-2220692

0301-7422684

''کلوننگ کا لفظ 1997ء میں جدید معنوں میں آیا جس کے لفظی معنی ایک ہی طرح کی چیزیں بنانا یا پیدا کرنا ہے۔کلوننگ اسی طرح کا عمل ہے جس طرح کسی کتاب کے صفحہ کی فوٹو کاپی مشین کے ذریعے بہت سی ایک جیسی کاپیاں بنائی جاسکتی ہیں یا کسی آڈیو یا وڈیو ٹیپ کی ریکارڈنگ کی مدد سے بہت سی کاپیاں بنائی جاسکتی ہوں۔''

''کسی بھی زندہ شے کا چھوٹے سے چھوٹا زندہ حصّہ خلیہ (Cell) کہلاتا ہے۔حیوانات میں لاکھوں کی تعداد میں خلیے ہوتے ہیں مثلاً ایک انسانی جسم میں تقریباً ساٹھ ٹریلین خلیے ہوتے ہیں جن کے ذمّے مختلف کام ہوتے ہیں۔ خلیے کی نمو ہوسکتی ہے اور اسے طویل عرصے تک تجربہ گاہ میں رکھا جاسکتا ہے۔''

''قرآنِ حکیم میں جنینیات (Embryology) سے متعلق آیات ہیں جن میں رب تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ انسان کی تخلیق کن کن مراحل سے ہوتی ہے اور اُس کی تخلیق کا مادہ بھی بتا دیا لیکن کلوننگ کے بارے میں براہِ راست کوئی آیت کریمہ نہیں ہے اور نہ ہی اس جدید تخلیقی طریقہ پر کوئی اشارہ یا تمثیل پائی جاتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آنے والے وقتوں میں کوئی اشارہ یا تمثیل مل جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں واضح طور پر فرمادیا ہے کہ اس میں ہر شے کے متعلق سب کچھ بیان کر دیا ہے۔مندرجہ ذیل آیاتِ کریمہ توجہ طلب ہیں:۔

(۱) وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (اَلنَّحل : ۸۹)

''اور (اے محبوبِ مکرّم ﷺ!) ہم نے یہ کتاب آپ پر نازل کی ہے جس میں تمام (امورِ حیات وکائنات) کا بیان ہے۔'' (۸۹ :۱۶)

(۲) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْآنٌ مُّبِيْنٌ ٥ (یٰسٓ : ۶۹)

''تنزیلاتِ الٰہی تو ذکر (موعظت) ہیں اور قرآن واضح حقائق (کائنات) کا گنجینہ لازوال ہے۔'' (۶۹ : ۳۶)

(۳) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ٥ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ٥ (صٓ : ۸۷، ۸۸)

''یہ (قرآن) تو تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے اور تم حقائقِ قرآنی کا اِدراک کچھ وقت بعد کرلو گے۔'' (۸۷، ۸۸ : ۳۸)

(۴) سَنُرِيْهِمْ آيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (حٰمٓ السجدة:۵۳)

''ہم عنقریب اُنہیں اپنی نشانیاں (قدرت کے نمونے) دنیا میں اور خود اُن کی جانوں میں دکھادیں گے یہاں تک کہ اُن پر کھل جائے گا کہ یہ قرآن حق ہے۔'' (۵۳ : ۴۱)

(۵) وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ٥ (اَلذّٰريٰت : ۴۹)

''اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے تا کہ تم سمجھو (اور اپنی آنکھیں کھولو)'' (۴۹ : ۵۱)

ستارے بتاتے ہیں' یہ سب اُن کے عقلی ڈھکوسلے اور تک بندیاں ہیں۔ شریعتِ اسلام میں اُن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ نجومی کا غیب کی باتیں بتانا اور اُس سے غیب کی باتیں پوچھنا اور اُس کی تصدیق کرنا حرام ہے اور اس میں ایمان جانے کا خطرہ ہے۔'' (تبیان القرآن۔۔۔علامہ غلام رسول سعیدی' ج ۱۲' ص ۱۴۲)

انجنیئر فتح اللہ خان نے سورہ حٰم السجدۃ کی آیتِ ذیل (۱۲) سے کچھ نکات اخذ کیے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت از راہِ تمثیل ارتقائے کائنات' اس کے نا قابلِ نفوذ ہونے کے متعلق سائنس کے جدید نظریات کو شامل ہے اور پھر اس کا نا قابلِ نفوذ ہونا خالقِ کائنات کی صفاتِ ازلی اور اُس کی حکمتِ بالغہ کو معلوم کرنے کا پیمانہ ہے:۔

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَحِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ٥ (حٰمٓ السَّجدة : ۱۲)

'' پھر دو مرحلوں میں اُس نے سات آسمان بنا دئے اور ہر آسمان میں اُس کے (مناسب) حکم بھیج دیا اور ہم نے اس قریب والے آسمان کو ستاروں کے ذریعے سے رونق بھی دی اور حفاظت بھی کی' یہ خدائے ہمہ قوت و ہمہ علم کا انتظام ہے۔'' (۴۱: ۱۲)

(۱) آیتِ مبارکہ کا پہلا حصّہ سات آسمانوں (یا سات کائناتوں) کی تخلیق کو ظاہر کرتا ہے۔ (۲) آیت کا دوسرا حصّہ اُن آسمانوں کی تخلیق میں صَرف شدہ وقت سے متعلق ہے۔ (۳) آیت کا تیسرا حصّہ اس سے متعلق ہے کہ ہر آسمان (یا کائنات) کو ایک باضابطہ حکم دیا گیا ہے جس کے مطابق اُس نے باقاعدہ طور پر اپنے تفویض کردہ کام کو نبھانا ہے۔ (۴' ۵) آیت مبارکہ کا چوتھا اور پانچواں حصّہ یہ ہے کہ ہمارے قریب ترین آسمان کو جو قریب بھی ہے' پھیل بھی رہا ہے اور لامحدود بھی ہے' لاتعداد ستاروں اور کہکشاؤں سے آراستہ کیا گیا ہے۔ (۶) چھٹا حصّہ یہ ہے کہ یہ کہکشائیں اور ستارے کائنات میں اس قدر دُور اور اِس قدر وسیع ہیں کہ ہمارا قریب ترین آسمان یا کائنات (جو اُن سات میں سے ایک ہے) اپنی وسعت اور لامحدودیت کی وجہ سے نا قابلِ نفوذ ہے۔ (۷) آیت کا ساتواں حصّہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی تخلیقی قوّت کا اندازہ کرنا چاہے تو وہ آسمانِ دنیا (نچلے آسمان) کے نا قابلِ نفوذ ہونے کی حقیقت کو دیکھ لے جو سات آسمانوں میں سے ایک ہے اور جس میں اربوں کہکشائیں ہیں اور ہر کہکشاں میں اربوں ستارے اور اربوں سیارگان ہیں جو ایک دوسرے سے اربوں نوری سال دُور ہیں (ایک نوری سال = وہ فاصلہ جو روشنی ایک سال میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کے حساب سے طے کرتی ہے)۔ ہماری کہکشاں میں ستاروں کے مابین فاصلے اس قدر زیادہ ہیں کہ اگر ستاروں کی تعداد لاکھوں گنا بڑھا دی جائے تو ہماری کہکشاں میں ابھی جگہ باقی ہوگی۔ (۸) آیت کا آٹھواں اور آخری حصّہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ ساتوں آسمانوں میں ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے بہ شمول ہماری اس نا قابلِ نفوذ کائنات کے اور یہ کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔'' (انجنیئر فتح اللہ خان' صفحہ ۵۵)

غرض کہ مظاہرِ قدرت میں مختلف توازن اس قدر نفیس اور لاتعداد ہیں کہ یہ دعویٰ کرنا انتہائی غیر معقول ہوگا کہ وہ کسی اتفاق یا حادثہ کا نتیجہ ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی آیاتِ بیّنات نے تمام کائنات کو گھیرا ہوا ہے۔'' (ڈاکٹر ہلوک نورباقی)

قرآن مجید ''بیچارے'' انسان کی توجہ کو اللہ تعالیٰ کی لامتناہی روشن قدرتوں کے مظاہر کو دیکھنے کی طرف بلاتا ہے جو چاردانگِ عالم میں یہاں تک کہ انسان کی اپنی ذات کے اندر پھیلی ہوئی ہیں کہ وہ اُن پر غور و تدبّر کرے اور اس طرح اُس کا تعلق اُس مقتدرِ اعلیٰ ہستی کے ساتھ جُڑ جائے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:۔

(۱) هُوَالَّذِیْ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ وَیُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا وَمَا یَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ ٥ (اَلمؤمن : ۱۳)

''وہ وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے لئے آسمان سے رزق اتارتا ہے۔ اور نصیحت تو بس وہی قبول کرتا ہے جو (اللہ سے) رجوع کرتا رہتا ہے۔'' (۱۳ : ۴۰)

(۲) سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (حٰمٓ السجدة:۵۳)

''ہم عنقریب اُنہیں اپنی نشانیاں (اِسی) دنیا میں دکھائیں گے اور خود اُن کی ذات میں بھی یہاں تک کہ اُن پر کھل کر رہے گا کہ یہ (قرآن) حق ہے۔'' (۵۳ : ۴۱)

(۳) اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ٥ وَفِیْ خَلْقِكُمْ وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ٥ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ٥ (اَلجاثیة : ۵)

''بے شک آسمانوں اور زمین میں اہلِ ایمان کے لئے نشانیاں ہیں اور خود تمہاری اور اُن حیوانات کی آفرینش میں جنہیں اُس نے پھیلا رکھا ہے اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو یقین رکھتے ہیں۔ اور (اسی طرح) رات اور دن کے الٹ پھیر میں اور اُس رزق میں جسے اللہ نے آسمان سے اُتارا پھر زمین کو اُس کے خشک ہونے کے بعد تر و تازہ کیا اور ہواؤں کے ادل بدل میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔'' (۵ : ۴۵)

(۴) وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ٥ وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ٥ وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ٥ (اَلذّٰریٰت : ۲۰ تا ۲۲)

''اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے (بہت سی) نشانیاں ہیں اور خود تمہاری ذات میں بھی تو کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا؟ اور آسمان (لوحِ محفوظ) میں تمہارا رزق بھی ہے اور وہ بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔'' (۲۰ تا ۲۲ : ۵۱)

وعدہ کئے جانے سے مراد ثواب اور جنت کا وعدہ یا قیامت اور دوزخ کے عذاب کا وعدہ ہے۔ (تبیان القرآن ---علامہ غلام رسول سعیدی' ج ۱۱' ص ۳۷۶)

''سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ (یعنی ہم عنقریب اُنہیں اپنی نشانیاں (اِسی) دنیا میں دکھائیں گے اور خود اُن کی ذات میں بھی) انسان عالمِ صغیر ہے اور یہ جہان عالمِ کبیر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات پر عالمِ صغیر میں بھی اور عالمِ کبیر میں بھی نشانیاں رکھی ہیں۔ عالمِ کبیر میں جو نشانیاں ہیں' وہی نشانیاں عالمِ صغیر میں بھی ہیں۔ مندرجہ ذیل حقائق ملاحظہ ہوں :۔

(۱) سورج اور چاند میں نور رکھا ہے جس سے وہ بالذات دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں انسان کی آنکھوں میں نور رکھا ہے جس سے وہ دیکھتی ہیں۔

(۲) زمین میں خاک اور مٹی ہے جبکہ انسان کا جسم بھی موت کے بعد بوسیدہ ہو کر مٹی ہو جاتا ہے۔

(۳) عالمِ کبیر میں پانی ہے' اس کے مقابلہ میں انسان کے جسم میں رطوبات ہوتی ہیں۔

(۴) عالمِ کبیر میں ہوا ہے' اور اس کے مقابلہ میں نفسِ انسانی کا سانس لینا ہے۔

(۵) عالمِ کبیر میں حرارت والی آگ ہے' اس کے مقابلہ میں انسان کا پتہ ہے جس میں صفرا ہے جس میں حرارت ہوتی ہے۔

(۶) زمین میں پانی کی نہریں جاری ہیں' اس کے مقابلہ میں انسان کی شریانیں اور رگیں ہیں جن میں خون جاری ہوتا ہے۔

(۷) عالمِ کبیر میں سمندر ہے' اس کے مقابلہ میں انسان کا مثانہ ہے جس میں پیشاب جمع رہتا ہے۔

(۸) عالمِ کبیر میں پہاڑ ہیں جو زمین کی میخیں ہیں' اس کے مقابلہ میں انسان کے جسم کی ہڈیاں ہیں۔

(۹) عالمِ کبیر میں درخت ہیں جن کی شاخیں اور پتے ہیں' اس کے مقابلہ میں انسانی جسم کے اعضاء ہیں جو شاخوں اور پتوں کی طرح حرکت کرتے ہیں۔

(۱۰) عالمِ کبیر میں گھاس ہے' اس کے مقابلہ میں انسان کے جسم کے بال ہیں۔'' (''تبیان القرآن''۔۔۔ علامہ غلام رسول سعیدی' ج ۱۱' ص ۳۷۵)

ازروئے قرآن انسان کی اس کائنات میں حیثیت : اِس حقیقت سے کسے انکار ہوسکتا ہے کہ یہ تمام کائنات اوراس میں جو بھی مظاہرِ فطرت ہیں' خواہ وہ سورج اور چاند ہوں' ستارے اورسیّارے ہوں' کہکشائیں اورستارہ نما مخلوق(Quasars) ہوں' پہاڑ اور وادیاں ہوں' دریا اورسمندر ہوں' حیوانات اور نباتات (Fauna and Flora) ہوں' سب کی سب انسان کے مفاد' اُس کی خدمت اور بقا ومعاش کے لئے پیدا کئے گئے ہیں جو اِس کائنات کا مرکزی نقطہ ہےاوراس رنگ برنگی اور کثیرالابعاد(Multidimensional) کائنات کا دولھا ہے۔قرآن مجید اُس کے مرکزی نقطہ ہونے کے متعلق اس طرح بات کرتا ہے :۔

(۱) هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (اَلْبقرة : ۲۹)

''وہ وہی اللہ ہے جس نے تمہارے لئے' جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کا سب تمہارے لئے پیدا کیا۔''

(۲) وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ o (اَلْجَاثِیَة : ۱۳)

''جو کچھ بھی آسمانوں میں ہےاور جو کچھ بھی زمین میں ہے' اُس نے سب کو اپنی طرف سے تمہارے لئے مسخر کیا' بے شک اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور کرتے رہتے ہیں۔''(۱۳ : ۴۵)

قرآن مجید کی مختلف آیات کا مطالعہ کرنے پر کائنات کی فطری خصوصیات سے متعلق مندرجہ ذیل نِکات سامنے آتے ہیں:

(۱) ''کائنات مشیتِ ایزدی کا مظہر ہے۔ یہ نہ تو خودمختار حقیقت ہےاور نہ اللہ کے مقابل سینہ سپر ہے زمان ومکاں اور مادّہ ایسی تعبیرات ہیں جن سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بلاشرکتِ غیرے' خودمختار اور آزاد تخلیقی قوت کا ثبوت ملتا ہے۔زمان ومکاں اور مادّہ بذاتِہ مستقل' خودمختار اور خودکفیل حقیقتیں نہیں ہیں بلکہ حیاتِ الٰہی کو سمجھنے کے ذہنی انداز ہیں۔'' ("The Reconstruction of Religious Thought in Islam" ... Dr. Muhammad Iqbal, p. 62) Lahore, 1958.

(۲) کائنات کو ایک خاص مقصد اور ایک خاص نظام کو چلانے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اوراس میں کوئی چیز مذاق اور کھیل کود کی نہیں۔جیسا کہ ارشاد ہوا:

(i) اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْ[ضِ] رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً (آلِ عمران : ۱۹۱)

''جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اوراپنی کروٹوں پر (برابر) یاد کرتے رہتے ہیں اورآسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے رہتے ہیں (اور بے اختیار کہہ اُٹھتے ہیں:) اے ہمارے پالنہار! تو نے یہ (سب) بے مقصد پیدا نہیں کیا۔'' (۱۹۱ : ۳)

یہ آیتِ قرآنی خارجی دنیا کی حقیقت کی پُرزور تائید کرتی ہے یعنی جس کائنات کو ہم اپنے حواس سے دیکھتے ہیں' وہ حقیقت ہے اور واہمہ یا کوئی خیالی تصوّر نہیں ہے۔

(ii) وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ٥ مَا خَلَقْنٰهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥ (اَلدُّخان : ۳۸' ۳۹)

''اور آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے' یہ سب ہم نے یونہی خواہ مخواہ نہیں بنا ڈالا۔ اُنہیں ہم نے کسی حکمت سے بنایا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔'' (۳۸' ۳۹ : ۴۴)

لہٰذا از روئے قرآن اس سیارۂ زمین پر انسان کی حیثیت اور اُس کا مقام انتہائی اہم ہے۔ اوّلاً بطور جنین (Embryo) اور پھر بطور حاملِ خودی (باشعور ذات Ego)۔ اِس خودی کی اہمیت تب ہوتی ہے جب روحِ ملکوتی (فرشتوں جیسی روح) اس میں نفوذ کرتی (داخل ہوتی) ہے ورنہ اس سے پہلے وہ خالی خولی مادّہ یا جرثومی خلیہ ہوتی ہے۔ انسانی تخلیق کے نفسانی اور روحانی دو رُخ ہیں۔ نفسانی رخ منفی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا موجب ہے اور روحانی رخ مثبت ہے جو مقصدِ حیات کو سمجھنے کا صحیح عکس اور اللہ کی رضا جوئی کا سبب ہے۔

قرآنِ حکیم نے ایک مقام پر انتہائی بلیغانہ طور پر کائنات میں انسان کی اُن مثبت اور منفی دونوں حیثیتوں اور اُن کے انجام کو بیان کر دیا ہے:۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ٥ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ أَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ٥ إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ٥ (اَلتِّين : ۴ تا ۶)

''بے شک ہم نے انسان کو (بہ لحاظ عقل وشکل) بہترین اعتدال پر پیدا کیا ہے' پھر ہم نے اُسے پست ترین حالت کی طرف لوٹا دیا' سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے' تو اُن کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔'' (۴تا۶ : ۹۵)

''اگر انسان کو بنظرِ غائر دیکھا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ صوری اور معنوی حُسن وکمال میں کوئی بھی چیز اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ گراں قیمت حیوان' زور آور جانور' درندے' پرندے' ہوائی اور آبی مخلوقات سب کے سب انسان کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں اور اُس کے حکم سے سرتابی کی جرأت نہیں کر سکتے۔ جو انسان اِن خداداد نعمتوں کی قدر نہیں کرتا' جو اِن بے مثل صلاحیتوں کا غلط استعمال کرتا ہے' جو عقل وفہم کے سارے چراغ گل کر دیتا ہے اور ہوائے نفس کی پیروی میں لگ جاتا ہے' اپنے خالق ورزّاق کی فرمانبرداری سے منہ موڑ لیتا ہے' اُس کے رسول کی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے تو اُسے اس جرم کی سزا بھی بڑی سخت دی جاتی ہے۔ وہ بے شعور اور بے سمجھ حیوانوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے' اُس سے ایسی ایسی رذیل حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جن کا

کسی بھلے آدمی سے تصوّر نہیں کیا جا سکتا' اپنے ہاتھوں سے گڑھا کھود کر وہ اپنی بچیوں کو زندہ مٹی میں دفن کر دیتا ہے' وہ اپنے سگے بھائی کا گلا کاٹنے سے بھی نہیں شرماتا' معمولی فائدہ کے لئے وہ اپنی قوم اور وطن سے غداری کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ ذرا سوچئے تو' وہ سمگلر جو اپنے قومی غذائی ذخائر کو چند ٹکوں کے لالچ میں دشمن ممالک کو ناجائز ذرائع سے برآمد کرتا ہے' جو انجینئر ملک کی شاہراہوں' پلوں اور ڈیموں کی تعمیر میں بددیانتی کرتا ہے' جو صنعتکار اجناسِ خوردنی اور اَدوِیہ میں ملاوٹ کرنے کا کاروبار کرتا ہے' جو تاجر اجناسِ خوردنی کی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے' کیا وہ کتے اور خنزیر سے پست تر نہیں' جو فسق و فجور کی غلاظتوں میں خوش رہتا ہے' گندگی میں جنم لینے والے کیڑوں سے کیا وہ کسی صورت میں بہتر ہو سکتا ہے؟ ایسے شخص سے انسانیت کی خلعتِ فاخرہ واپس لے لی جاتی ہے' اُس کے سر سے اشرف الخلوق ہونے کا تاج اتار لیا جاتا ہے اور معاشرے کی نگاہ میں وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔''

اِس کے برعکس ''جو لوگ اپنی انسانیت کی لاج رکھتے ہیں' اُس کے دامنِ شرف پر کوئی داغ نہیں لگنے دیتے' اپنے خالق کے ذکر کی شمع روشن رکھتے ہیں' اُس کے احکام کی بجا آوری میں سرگرم رہتے ہیں' اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کا شوق اُنہیں رات دن بے چین رکھتا ہے' یہی وہ لوگ ہیں جو اَحسَنِ تَقوِیم کے کمالات سے موصوف ہیں۔ ان کو ہی اللہ تعالیٰ ایسا اجر دے گا جو کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ جب تک وہ اس دنیا میں زندہ رہیں گے' اُن پر اُن کے رب کی رحمت نازل ہوتی رہے گی' جب یہاں سے رختِ سفر باندھنے لگیں گے تو اُنہیں اِرْجِعِیٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّة کی نویدِ جاں فزا سنائی جائے گی' جب قیامت کے دن وہ قبروں سے اُٹھیں گے تو لَا خَوْف'' عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُونَ اُن کے چہروں سے ظاہر ہو رہی ہوگی اور جب وہ فردوسِ بریں میں قدم رکھیں گے تو سَلَام'' قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْم سے اُن کا استقبال کیا جائے گا!'' (ضیاء القرآن۔۔جسٹس کرم شاہ الازہری' جلد پنجم' صفحات ۶۰۷'۶۰۸)

سچی اور سُچی بات تو یہ ہے کہ دراصل یہی مؤخر الذکر خوش بخت و خوش نصیب لوگ ہی انسانیت کے ماتھے کا جھومر ہیں' جنہوں نے مقصدِ حیات کو سمجھا اور اپنے خالق و مالک کی رضا اور خوشنودی کی خاطر اُس بارِ امانت کو بڑی خوش دلی سے اٹھا لیا جس کا ذکر سورۃ الاحزاب میں بہ ایں الفاظ کیا گیا ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّه' کَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًاo (الاحزاب : ۷۲)

''بے شک ہم نے یہ امانت آسمانوں' زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی (کہ وہ اس کی ذمہ داری اُٹھائیں) تو اُنہوں نے انکار کر دیا اور وہ اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اُٹھا لیا' بے شک وہ بڑا ظالم ہے' بڑا جاہل ہے۔'' (۷۲ : ۳۳)

''امانت سے مراد تکلیفاتِ شرعیہ ہیں جن میں عبادات' اَخلاقیات اور ہر قسم کے قوانین داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں' زمین اور پہاڑوں کو فرمایا کہ ہم تمہیں اختیار اور ارادہ کی آزادی دیتے ہیں' کیا تم اس اختیار و آزادی

کے ساتھ اس امانت کا بارِ اُٹھانے کے لئے تیار ہو؟ پوچھا کہ اس میں کیا ہے؟ فرمایا کہ نیکی پر اجر و ثواب اور بدی پر مؤاخذہ و عذاب۔ اس پر اُنہوں نے اعترافِ عجز کرتے ہوئے معذرت خواہی کر دی اور اپنی بے بسی کا اقرار کیا کہ مولا! ہمیں اطاعت کے ثواب کی امید سے نافرمانی کے عذاب کا اندیشہ زیادہ ہے۔ ہم تیرے پابندِ حکم رہ کر تیرے ہر ارشاد کی تعمیل کریں گے لیکن اختیار و ارادہ کی آزادی میں جو خطرات پنہاں ہیں' اُنہیں برداشت کرنے کی ہم میں ہمت نہیں ہے۔ اب یہی چیز جب انسان کے سامنے پیش کی گئی تو اُس نے اپنی ناتوانیوں اور کمزوریوں کو پسِ پُشت ڈالتے ہوئے اس امانت کو اُٹھانے کی حامی بھر لی اور اس بارِ گراں کو اُٹھا کر اپنے آپ کو ابتلا و آزمائش میں مبتلا کر دیا اور اس نے کسی عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا۔ اس سے انسان کی مذمّت مقصود نہیں بلکہ بیانِ واقع کے طور پر فرمایا: إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا۔ حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی پیاری بات فرمائی کہ ''جب اللہ تعالیٰ نے یہ امانت حضرت آدم پر پیش کی تو آپ کی نظر اُس وقت امانت اور اس کے بار پر نہ تھی بلکہ امانت پیش کرنے والے پر تھی اور اس کے پیش فرمانے میں جو لذّت و سرور تھا' اُس نے امانت کی گرانی کو نظروں سے اوجھل کر دیا۔ جُنید فرماتے ہیں یقیناً لطفِ ربّانی نے آدم کی اس نیازمندی اور ہمت سے خوش ہو کر فرمایا کہ اے آدم! اُٹھانا تیرا کام ہے اور اُٹھانے کی توفیق دینا اور تیری حفاظت کرنا میرا کام ہے!'' (ضیاء القرآن' جلد چہارم' صفحات ۱۰۲' ۱۰۳)

اس آیت سے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ذیل کے کچھ نِکات اخذ کئے ہیں:

(۱) انسان اللہ تبارک و تعالیٰ کی منتخب (برگزیدہ) مخلوق ہے۔

(۲) انسان کو اُس کی تمام تر کمزوریوں اور کوتاہیوں کے باوجود اِس روئے زمین پر اپنے خالق کا نمائندہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی پیش کردہ امانت کو خوشدلی سے اُٹھانے پر وہ اللہ کا مقرب اور پسندیدہ مخلوق ہو گیا۔

(۴) اُس بارِ امانت کو اُٹھانے میں اللہ تعالیٰ نے اُسے بطورِ انعام علم جیسی عظیم دولت سے نواز دیا (بحوالہ سورۃ البقرۃ: آیات ۳۱' ۳۲' ۳۶)۔

اس طرح انسان اپنے ارادہ و اختیار کی ذمّہ داری قبول کرنے کے نتیجہ میں مستقل طور پر اُس حقیقتِ (منتظر) کی تلاش میں سرگرداں ہے جس کا وہ جزء ہے اور جس سے وہ (دنیاوی جھمیلوں میں پڑ کر) دور ہو گیا ہے۔ تلاشِ علم اور عبادت اُس کی اُس فطرت کا جواب ہیں جنہیں اُس کے ارضی قیام کے دوران اس میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ کائنات کی ہیبت ناک خاموشی میں عبادت' انسان کے بارِ امانت کے اُٹھانے کو کما حقہٗ پورا کرنے کی خواہش کا اظہار ہے۔'' ("The Reconstruction of Religious Thought in Islam" ... Dr. Muhammad Iqbal, pp. 85, 86) Oxford University Press, 1934.

(۲۹) موت اور فنا (DEATH)

موت کا معنیٰ اور مفہوم: ''اَلْمُنجد'' میں موت کی تعریف یہ کی گئی ہے:
زَوَالُ الْحَيَاةِ عَمَّنْ كَانَتْ فِيهِ (زندگی والی شے سے زندگی کا زائل ہو جانا)

اہلِ علم کہتے ہیں کہ عربی زبان میں لفظ ''مَــــوت'' متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ عربی کی شہرہ آفاق لغت ''لسان العرب'' میں یہ عبارت ملتی ہے:

وَالْمَوْتُ يَقَعُ عَلٰى أَنْوَاعٍ بِحَسْبِ أَنْوَاعِ الْحَيَاةِ فَمِنْهَا مَا هُوَ بِإِزَاءِ الْقُوَّةِ النَّامِيَةِ الْمَوْجُودَةِ فِي الْحَيَوَانِ وَالنَّبَاتِ كَقَوْلِهٖ تعالٰى: يُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا۔
وَمِنْهَا زَوَالُ الْقُوَّةِ الْحِسِّيَّةِ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى: يَا لَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا
وَمِنْهَا زَوَالُ الْقُوَّةِ الْعَاقِلَةِ وَهِيَ الْجِهَالَةُ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى: أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنٰهُ وَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى۔
وَمِنْهَا الْحُزْنُ وَالْخَوْفُ الْمُكَدِّرُ لِلْحَيَاةِ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى: وَيَأْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ۔
وَمِنْهَا الْمَنَامُ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى: وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا۔
وَقَدْ يُسْتَعَارُ الْمَوْتُ لِأَحْوَالِ الشَّاقَّةِ كَالْفَقْرِ وَالذُّلِّ وَالسُّؤَالِ وَالْهَرَمِ وَالْمَعْصِيَةِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ۔
(لسان العرب، ج ۱۳، ص ۲۱۸)

''موت کا مفہوم زندگی کی اقسام کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ ایک تو 'موت' کا لفظ اُس قوت کے مقابل بولا جاتا ہے جو حیوانوں اور نباتات میں بڑھنے کی ہے جیسا کہ قرآنی آیت کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اُس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے۔
قوتِ حسیہ کے زائل ہونے میں بھی لفظ ''موت'' بولا جاتا ہے جیسے قرآنی آیت ''ہائے افسوس اِس واقعہ سے پہلے میں مر گئی ہوتی!''
قوتِ عاقلہ کے زوال یعنی جہالت کے معنی میں بھی لفظ ''موت'' استعمال ہوتا ہے جیسے ''بھلا وہ شخص جو مردہ ہے، ہم نے اُسے زندہ کیا'' اور ''آپ مُردوں کو سنا نہیں سکتے۔''
ایسے غم اور خوف کے معنی میں بھی یہ لفظ آتا ہے جو زندگی کو پریشان کر دے جیسے ''اور اُسے ہر طرف سے موت آتی ہے لیکن وہ مرتا نہیں ہے۔'' یعنی ہر طرف سے غم وحزن موت بن کر آتے ہیں۔
نیند کے معنی میں بھی یہ لفظ آتا ہے جیسے ''جو نفس اپنی نیند میں نہیں مرتا۔'' یہاں نیند کو موت کے معنی میں لیا ہے۔
کبھی لفظ موت سے زندگی کے مشکل حالات بھی مراد ہوتے ہیں جیسا کہ فقیری، ذلت، مانگنا، بڑھاپا اور گناہ۔
یہ الفاظ بھی مشکل حالات میں موت کا معنی دے جاتے ہیں۔''

موت ایک ایسا مسئلہ ہے جسے کافر، مسلم اور ملحد سبھی مانتے ہیں لیکن ہر ایک کے ماننے کی نوعیت الگ الگ ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ زمانے کا ہیر پھیر ہے کوئی کچھ کہتا ہے، کوئی کچھ۔ الغرض موت اور فنا کے بارے میں توہماتی، تخیلاتی اور نفسیاتی لٹریچر کی بھرمار ہے۔ لیکن موت کے بارے میں سادہ ترین اور صحیح ترین مذہبی نظریہ سورۃ الزُّمَر کی مندرجہ ذیل آیت کے چند الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔ موت میں ہم اپنی جان (ملک الموت کے) حوالے کر دیتے ہیں لیکن ہماری روح فنا نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک ایسے وجودی جہان میں واپس چلی جاتی ہے جہاں وہ روحانی دنیا کی حقیقتوں کے متعلق زیادہ باشعور ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے:۔

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ○ (اَلزُّمَر: ۴۲)

"اللہ جانوں کو اُن کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور اُن (جانوں) کو بھی اُن کے سونے کے وقت جن کو موت نہیں آئی ہے، پھر وہ اُن جانوں کو تو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم کر چکا ہے اور باقی (جانوں) کو ایک مقررہ میعاد کے لئے رہا کر دیتا ہے، بے شک اس (سارے تصرّف) میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سوچتے رہتے ہیں۔" (۳۹ : ۴۲)

سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۵۴ کی تشریح میں مفتی احمد یار خان گجراتی تفسیر "روح البیان" کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انسان میں دو رُوحیں ہیں: ایک روحِ سلطانی جس کا مقام دل ہے اور اسی سے زندگی قائم ہے۔ دوسرے روحِ حیوانی جس کا مقام دماغ ہے جس سے ہوش و حواس برقرار رہتے ہیں۔ روحِ حیوانی سونے کی حالت میں نکل جاتی ہے اور روحِ سلطانی موت کے وقت خارج ہوتی ہے یعنی روحِ حیوانی کے نکلنے کا نام "نیند" ہے اور روحِ سلطانی کے نکلنے کا نام "موت" ہے۔ پھر جس طرح نیند کی حالت میں روحِ حیوانی جسم سے نکل کر عالم کی سیر کرتی ہے، اسی سیر کا نام خواب ہے مگر جسم سے اُس کا تعلق پھر بھی ایسا ہی رہتا ہے جیسے بجلی کے بٹن کا پاور ہاؤس سے کہ جونہی کسی نے جسم کو ہاتھ لگایا یا پکارا، فوراً ہی روح کو خبر ہوئی اور آناً فاناً آ کر جسم میں داخل ہو گئی اور سونے والا جاگ گیا۔ ایسے ہی بعد موت روحِ سلطانی کا کچھ تعلق جسم سے باقی رہتا ہے۔ اسی لئے مسلمان جب قبرستان میں جاتا ہے تو سنتِ رسول ﷺ کی پیروی میں اصحابِ قبور کو اَلسَّلاَمُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْر کے الفاظ میں ہدیہ سلام پیش کرتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مُردے تمہاری اُس بات کو سنتے ہیں جو تم اُنہیں کہتے ہو۔ یہ حقیقت سورۃ الاعراف کی آیات ۷۹، ۹۳ سے بھی ثابت ہے جب صالح علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کے اُن بے جان لاشوں کو خطاب فرمایا تھا جو عذابِ الٰہی کی لپیٹ میں آ گئے تھے اور نبی علیہ السلام کے خطاب سے بھی جو اُنہوں نے جنگِ بدر کے کافر مقتولین کے مُردہ جسموں سے فرمایا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ موت نہ تو روح کی فنا کا نام ہے اور نہ جسم کی فنا کا۔ صرف روح کا تعلق ضعیف ہو جانے کا نام ہے۔ اب یہ روح چونکہ اس جسم کی پرورش نہیں کرتی اس لئے بعد موت جسم گل سڑ جاتا ہے مگر چونکہ کچھ تعلق باقی رہتا ہے، اس لئے قبر میں نیکو کاروں کے جسم کو راحت اور بدکاروں کے جسم

کو عذاب دیا جاتا ہے اور روح اس کا احساس کرتی ہے۔'' (تفسیر نعیمی' پارہ دوم' آیت ۱۵۴' صفحات ۴۴'۴۵)

موت بطور تخلیقی کیفیت: ''اس روئے زمین پر آزمائشی زندگی اور آخرت کی مستقل روحانی دنیا کے درمیان موت ایک دروازے کی طرح ہے۔ قرآن مجید زندگی کی طرح موت کو بھی تخلیقی عمل کا نام دیتا ہے۔ للہذا موت عدم کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک تخلیقی کیفیت ہے جیسا کہ ذیل کی آیات سے ظاہر ہے:۔

(۱) كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ٥
''تم اللہ کا انکار کیسے کر سکتے ہو جبکہ تم بے جان تھے' پھر اُس نے تمہیں جان بخشی' پھر وہ تمہیں مارے گا پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔'' (البقرۃ: ۲۸)

كُنْتُمْ أَمْوَاتًا سے مراد قبل از ولادت کی بے جان یا جمادیت کی حالت ہے۔ للہذا انسان اُس حالت میں بے جان تھا۔ فَأَحْيَاكُمْ سے مراد وہ زندگی ہے جو ماں کے پیٹ میں بچے کو ملتی ہے۔ چونکہ یہ زندگی پہلی موت سے ملی ہوئی ہے' اس لئے یہاں ''ف'' ارشاد ہوا۔ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ اس موت سے مراد وہ موت ہے جو عمر ختم ہونے پر ہر شخص کو آتی ہے۔ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ یہ اُس دوسری زندگی کا ذکر ہے جو موت کے بعد ملنے والی ہے' جس کے کفار منکر تھے۔

(۲) قَالُوْا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ إِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ٥
''کافر کہیں گے اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو بار مُردہ رکھا اور دو بار زندگی دی' سو ہم اپنی خطاؤں کا اقرار کرتے ہیں تو کیا کوئی صورت نکلنے کی ہے؟'' (المؤمن: ۱۱)

دو موتیں (یعنی قبل از ولادت کی بے جان حالت + عمر ختم ہونے پر آنے والی موت)
دو زندگیاں (شکمِ مادر میں بچے کو ملنے والی زندگی + موت کے بعد ملنے والی آخرت کی زندگی)۔ اِن دونوں موتوں اور دونوں زندگیوں کی وضاحت اوپر سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۸ میں آ گئی ہے۔

''اس طرح موت ہمارے اس دنیا میں آنے سے پیشتر کے وجود کی حالت ہے جس طرح کہ وہ ہمارے اس دنیا سے اُس دنیا کو جانے کے بعد کے وجود کی حالت ہے۔'' ("Doomsday & Life after Death" ... Sultan Bashir Mahmood, pp. 191-192)

مرنے کے بعد روحیں اپنے آسمانی ٹھکانے کی طرف واپس چلی جاتی ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم اللہ ہی کی جانب سے آئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جا رہے ہیں یعنی بہ الفاظِ قرآن إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اسی حقیقت کو قرآن مجید نے کئی مقامات پر إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ اور إِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

''مذکورہ بالا آیات کا تعلق حیوانی یا انسانی کلوننگ سے براہِ راست تو نہیں اور ان کے سیاق وسباق کچھ اور بھی ہوں، تب بھی ان آیات میں بہت گہرائی کی باتیں اور پیشین گوئیاں موجود ہیں۔''

''سورۃ النحل کی آیت ۸۹ میں فرمایا کہ قرآن مجید میں ہر چیز کا کھلا بیان ہے تو پھر کسی آیت میں ''خلیے'' کا ذکر کسی اشارے کے طور پر یا تمثیلاً ہونا چاہئے۔ سورہ یٰسٓ کی آیت ۶۹ میں فرمایا گیا کہ قرآن مجید واضح حقائق (کائنات) کا گنجینہ لازوال ہے تو پھر واضح حقائق میں جدید سائنسی حقائق بھی ہو سکتے ہیں۔ ایسے حقائق جو اہلِ فہم و بصیرت (یا سائنسدانوں) کے سینے میں چھپے ہوئے تھے یا ابھی بھی پوشیدہ ہیں۔ سورہ صٓ کی آیات ۸۷، ۸۸ میں در اصل مزید وضاحت فرما دی گئی ہے کہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا، قرآنِ حکیم میں دی گئی خبریں اور عجائبات (جدید سائنسی انکشافات) جو راسِخُون فِي العِلْم (اپنے علم میں پختہ) کے سینوں میں دفن ہیں، وہ ہماری آنکھوں کے سامنے روزِ روشن کی طرح جلوہ گر ہوں گے۔ سورہ حٰمٓ السجدۃ کی آیت ۵۳ میں بتایا گیا کہ کائنات میں نشانیوں کے علاوہ ہماری جانوں میں بھی قدرت کے نمونے ہیں۔ وہ کیا ہیں؟ وہ خلیے ہیں جن سے انسانی جسم معرضِ وجود میں آتا ہے اور یہ لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ یہی خلیے کروموسومز، ڈی این اے، جینز اور پروٹین کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ یہی خلیے ہیں جو حیوانی یا انسانی کلوننگ میں اہم کردار ادا کرتے ہیں بلکہ مخصوص خلیوں کے بغیر جدید حیاتیات (یعنی جینز پر تحقیق، حیوانی اور انسانی کلوننگ) ہی ناممکن ہے۔ خلیہ انسان کی ایجاد نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے۔ سورۃ الذاریٰت کی آیت ۴۹ بھی جدید حیاتیاتی تخلیق یا جینز پر تحقیق کی طرف اشارہ کرتی ہے۔'' (''قرآن کے جدید سائنسی انکشافات''۔ پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم، ص ص ۱۵۳ تا ۱۵۸ ملخصاً)

''<u>حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش الٰہی وسعتِ قدرت کا نمونہ تھی</u>: حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بن باپ کے پیدائش اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا ایک نمونہ تھی اور اُس میں کلوننگ کا قطعاً کوئی عمل دخل نہ تھا کیونکہ انسانی کلوننگ سے تو مراد نر اور مادہ کے ملاپ کے بغیر ایک حیوان یا انسان کی ہو بہو نقل (کاپی) تیار کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کی معرفت جب حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری اُن کی والدہ جنابہ مریم کو سنائی تو اُنہیں اس بات پر حیرت ہوئی کہ مجھے تو ابھی تک کسی مرد نے چھوا تک نہیں، تو میرے ہاں بچہ کیسے ہوسکتا ہے!

''ہماری اس مادّی دنیا میں اگر کوئی واقعہ رونما ہو تو اُس کا کوئی سبب یا وجہ (Cause) ہوا کرتی ہے جس کا کوئی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ اردو میں اسے علت اور معلول (Cause and Effect) کہا جاتا ہے۔ اگرچہ آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت کے مطابق یہ بھی اضافی ہیں تاہم ظاہری طور پر کسی وقت کسی جگہ کوئی علت ہے تو معلول بھی برآمد ہوگا مثلاً آپ گرم پانی میں ہاتھ ڈالیں تو آپ کا ہاتھ جل جائے گا۔ انسان کے دل کی دھڑکن تھم جائے تو وہ موت کی وادی میں چلا جائے گا۔ مرد اور عورت کے ملاپ سے بچہ پیدا ہوگا وغیرہ۔ پہلی مثال کی وضاحت یہ ہے کہ گرم پانی علت ہے اور ہاتھ کا جل جانا معلول ہے۔ دوسری مثال میں دل کی دھڑکن کا تھم جانا علت ہے اور موت

حیاتِ دنیوی کی بساط لپٹنے کے بعد اگلی دنیا کو جانے پر رُوح کو مافوق الفطرت حقائق (فرشتوں، جنت اور جہنم کی جھلکیاں) معلوم ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ سورہ قٓ کی مندرجہ ذیل آیت (۲۲) سے ظاہر ہے:

لَقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ○

''تو اس دن سے بے خبر تھا، سو ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ ہٹا دیا سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے۔'' (۵۰:۲۲)

<u>موت کی سختیاں</u>: سورہ قٓ کی آیت ۱۹ میں ارشاد ہوا:

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَٰلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ○

''اور موت کی سختی سچائی کے ساتھ آ پہنچی، یہی وہ (حقیقت) ہے جس سے تو بدکتا رہتا تھا۔'' (۵۰:۱۹)

''حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن جب مرتا ہے تو اُس کی پیشانی پر پسینہ آتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۹۸۲؛ المستدرک للحاکم ج ۱، ص ۳۶۱)

''اس حدیث کے دو محمل ہیں: ایک یہ کہ موت کے وقت اُسے اس قدر تکلیف ہوتی ہے کہ وہ پسینہ پسینہ ہو جاتا ہے۔ اس پر یہ سختی اس لئے ہوتی ہے کہ اُس کے گناہ مٹ جائیں اور اُس کے درجات بلند ہو جائیں۔ اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ مؤمن پر موت کے وقت زیادہ سختی نہیں ہوتی۔ صرف اتنی سختی ہوتی ہے کہ اُس کے ماتھے پر پسینہ آ جاتا ہے۔'' (''تبیان القرآن'' ـــ علامہ غلام رسول سعیدی، جلد ۱۱، صفحہ ۳۲۴)

<u>موت کی سختیاں مؤمن کے لئے بھی ہیں لیکن کم شدت کی</u>: ''کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان پر سکرات کی سختی دیکھ کر اس کے متعلق یہ بدگمانی نہ کرے کہ اس کا انجام اچھا نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ پر بھی سکرات طاری ہوئی تھی۔ اِن سختیوں کی وجوہ حسب ذیل ہیں:

(۱) ''روح گناہوں کی آلودگی سے پاک ہوتی ہے اور جب جسم گناہوں میں ڈوبا ہوا ہو تو روح اور جسم میں اتصال اور چسپیدگی نہیں ہوتی۔ سو جو لوگ بدکار اور گنہگار ہوتے ہیں تو نزعِ روح کے وقت حضرت عزرائیل علیہ السلام کے ایک جھٹکے سے روح جسم سے اکھڑ کر الگ ہو جاتی ہے اور اگر جسم عبادت اور اطاعت میں ڈوبا ہوا ہو تو روح سختی کے ساتھ جسم سے چمٹ جاتی ہے۔ پس قبضِ روح کے وقت روح جسم سے الگ ہونے میں سخت مزاحمت کرتی ہے اس لئے نیک لوگوں کو نزعِ روح کے وقت سخت تکلیف ہوتی ہے۔''

(۲) ''اس تکلیف کا ایک سبب یہ ہوتا ہے کہ اُس شخص کا چند لوگوں سے تعلق ہوتا ہے اور وہ اُن سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔ عام انسانوں کا چند لوگوں سے تعلق ہوتا ہے اور اُنہیں چند لوگوں سے جدا ہونے کی تکلیف ہوتی ہے اور

انبیاء علیہم السلام کا پوری امت سے تعلق ہوتا ہے اور اُن کی روح پوری اُمت سے جدا ہوتی ہے' سو اُنہیں پوری اُمت سے جدا ہونے کی تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے عام انسانوں کی بہ نسبت انبیاء علیہم السلام کو نزعِ روح کے وقت زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔''

(۳) عام لوگوں کا جسم عناصر اربعہ (آگ' پانی' مٹی' ہوا) سے مرکب ہوتا ہے تو روح کو ان چار عناصر سے متصل ہونے کی تکلیف ہوتی ہے۔

(۴) سکرات کی سختی شدتِ کرب کی وجہ سے بھی ہوتی ہے اور شدتِ فرح کی وجہ سے بھی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر جب نزعِ روح کی کیفیت طاری تھی تو اُن کے گھر والوں نے کہا: ہائے اُن کی تکلیف! حضرت بلال نے آنکھیں کھول کر کہا: ہائے اُس کی خوشی! کل میں اپنے دوستوں سے' اللہ کے رسول ﷺ سے اور آپ کے اصحاب سے ملوں گا اور جب نبی مکرّم ﷺ سے ملاقات میں خوشی کی یہ کیفیت ہے تو اللہ عزّ وجلّ سے ملاقات کی خوشی کا کیا عالم ہوگا اور جب وہ نعمتیں جن کے متعلق اللہ پاک نے فرمایا ہے: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ '' مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ (السّجدة: ۱۷) یعنی '' کوئی جان اُن نعمتوں کو نہیں جانتی جو ہم نے اُن کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے پوشیدہ کر رکھی ہیں۔'' تو اُن کی خوشی کا کون اندازہ کرسکتا ہے! (المواهب اللّدُنیه' ج ۳' ص ۳۸۵ بیروت ۱۴۱۶ھ)

''<u>نزعِ روح کے وقت رسول اللہ ﷺ کی تکلیف کی توجیہات</u> : اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت آپ کے سامنے پانی کا برتن تھا جس میں آپ ہاتھ ڈال کر دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرتے اور فرماتے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللہ بے شک موت کے لئے سکرات ہے (سختیاں اور شدتیں ہیں) پھر آپ اپنا ہاتھ اٹھا کر فرمانے لگے: بالرَّفِيْقِ الاعلیٰ حتیٰ کہ آپ کی روحِ مبارک قبض کرلی گئی اور آپ کا ہاتھ ڈھلک گیا۔'' (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴۴۹ بحوالہ تبیان القرآن' ج ۷' ص ۶۶۵ تا ۶۶۹)۔ اس تکلیف کی توجیہات مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) آپ ﷺ کا مزاج مبارک عام لوگوں سے بہت لطیف تھا اس لئے آپ کو معمولی سی تکلیف بھی سخت معلوم ہوتی تھی۔

(۲) اس تکلیف کے طاری کئے جانے میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اگر امت کے کسی فرد پر نزعِ روح کے وقت سختی اور شدت ہو تو وہ گھبرائے نہیں اور یہ نہ سمجھے کہ اُس پر ظلم ہو رہا ہے بلکہ یہ سمجھ کر اپنے آپ کو تسلی دے کہ وہ خود کیا چیز ہے جبکہ امام الانبیاء اور اللہ کے محبوب رسول ﷺ پر بھی سکراتِ موت کی سختی کی گئی تھی۔''

(۳) اس تکلیف کو امت کی تعلیم کے لئے آپ پر طاری کیا گیا تا کہ اس موقع پر آپ نے جو دعائیں پڑھی

ہیں، وہ بھی ان دعاؤں کو پڑھیں۔ وہ دعائیں یہ ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ وقتِ آخر میں نبی اکرم ﷺ کے پاس پانی کا ایک پیالہ تھا جس میں آپ ہاتھ ڈال کر اپنے ہاتھ سے چہرہ مبارک پر پانی لگاتے اور یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! سکرات الموت پر میری مدد فرما۔'' (سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۹۷۸؛ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰، ص ۲۵۸؛ مسند احمد ج ۶، ص ۶۴؛ سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۶۲۳؛ مسند ابویعلی، رقم الحدیث ۴۵۱۰؛ المعجم الاوسط، رقم الحدیث ۳۲۶۸؛ المستدرک للحاکم، رقم الحدیث ۳۷۸۳، ۴۴۴۲ طبع جدید بحوالہ ''تبیان القرآن'' ج ۷، ص ۵۶۹)

''امام ابن ابی الدنیا نے روایت کیا کہ نبی مکرم ﷺ یہ دعا فرما رہے تھے: اے اللہ! تو رُوح کو پٹھوں، ہڈیوں اور انگلیوں کے پوروں کے درمیان سے قبض کرتا ہے، سو تو موت پر میری مدد فرما اور اُسے مجھ پر آسان کر دے۔'' (احیاء علوم الدین ج ۴، ص ۵۰۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ بحوالہ ''تبیان القرآن'')

(۴) ''صوفیاء کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا جسمِ مبارک تمام حقائق کونیہ سے مرکب تھا، اس لئے نزعِ روح کے وقت آپ کی روح کو تمام حقائق کونیہ سے منفصل (علیحدہ) ہونے کی تکلیف ہوئی اور صرف عناصرِ اربعہ کی بہ نسبت تمام حقائق کونیہ سے انفصال (جدا ہونے) کی تکلیف بہت زیادہ ہوتی ہے۔'' (تبیان القرآن، ج ۷، ص ۵۶۹)

<u>وقتِ نزاع میں بے پناہ ذلت کی سختیاں صرف اللہ کے باغیوں کے لئے ہیں</u>: اللہ کے باغیوں کی روحوں کے لئے موت ایک دردناک سانحہ ہے۔ اگرچہ جسم اُس درد کو محسوس نہ کرے کیونکہ جسم میں روح ایک خود سر چیز ہے۔ روح کو تکلیف تو اُس وقت ہوتی ہے جب وہ جسم سے جدا ہوتی ہے (بحوالہ سلطان بشیر محمود ص ۱۹۴)۔ مرنے والے کے سرہانے کھڑے ہونے والے شاید اس درد کی کیفیت کو نہ دیکھ پائیں لیکن قرآن مجید اس پر شاہد ہے:

(۱) وَلَوْتَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ۝ (الانعام: ۹۳)

''کاش! آپ اُس وقت دیکھیں جب (یہ) ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ اُن کی طرف بڑھا رہے ہوں گے کہ اپنی جانیں (جلد) نکالو! آج تمہیں ذلت کا عذاب ملے گا بوجہ اس کے کہ تم اللہ پر جھوٹ اور اللہ کے ذمّے ناحق باتیں جوڑا کرتے تھے اور تم اللہ کی نشانیوں کے مقابلہ میں تکبّر کیا کرتے تھے۔'' (۶ : ۹۳)

(۲) وَلَوْتَرٰٓى اِذْ یَتَوَفَّى الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ۝ (الانفال: ۵۰، ۵۱)

''اور کاش آپ دیکھیں جب فرشتے (ان) کافروں کی جان قبض کرتے جاتے ہوں' اُن کے منہ اور اُن کی پشتوں پر مارتے جاتے ہوں اور (کہتے جاتے ہوں) کہ (اب) آگ کی سزا کا مزہ چکھو۔ یہ (عذاب) اُس کی پاداش میں ہے جو کچھ تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور اللہ اپنے بندوں کے حق میں ہرگز ظالم نہیں ہے۔'' (۵۰' ۵۱ : ۸)

''واضح رہے کہ قرآن مجید نے نزع وسکرات کی یہ ہولناک تفصیلات جہاں بھی بیان کی ہیں' وہاں یہ تصریح بھی کردی ہے کہ یہ کافروں اور دشمنانِ دین کے لئے ہیں' مطلق موت کا جہاں ذکر ہے وہاں ''غـــمـــرات'' یا ''سـکـرات'' وغیرہ کے الفاظ ایسے رکھے ہیں جن کا مفہوم لازمی طور پر تکلیف ہی کا نہیں بلکہ مطلق غفلت وغشی اور بیہوشی کو شامل ہے۔'' (ماجدی' حصہ اُردو' ص ۳۸۶)

(۳) فَكَيۡفَ إِذَا تَوَفَّتۡهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ يَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡهَهُمۡ وَأَدۡبَارَهُمۡ ٥ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوۡا مَآ أَسۡخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوۡا رِضۡوَانَهٗ فَأَحۡبَطَ أَعۡمَالَهُمۡ ٥ (مُحَمَّد : ۲۷' ۲۸)

''سو اُن کا کیا حال ہوگا جب فرشتے اُن کی جان قبض کر رہے ہوں گے اور اُن کے چہروں پر اور اُن کی پشتوں پر مارتے جاتے ہوں گے۔ یہ (سب) اس سبب سے ہوگا کہ یہ اُس راہ پر چلے جو اللہ کی ناخوشی کا تھا اور اُس کی رضا سے بیزار رہے' سو اللہ نے اُن کے اعمال رائیگاں کردیے۔'' (۲۷' ۲۸ : ۴۷)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اس ضمن میں فرمایا کہ اللہ کے باغیوں کی جانیں اُن کے جسموں سے یوں نکالی جاتی ہیں جیسا کہ ایک کپڑے کو خاردار جھاڑی پر پھیلا دیا جائے اور پھر اُسے کھینچا جائے تو وہ تار تار ہوکر باہر آتا ہے' بالکل اسی طرح اُن کی روحوں کی کیفیت ہوتی ہے۔

<u>غیر مسلم اقوام موت سے ڈرتی ہیں</u> : گناہ کی زندگی موت کے تصور ہی سے کانپ اُٹھتی ہے اور اُس سے بدکی رہتی ہے۔ وہ طول العمری کی شیدا ہوتی ہے تاکہ سزائے الٰہی اور اس کے درمیان زیادہ سے زیادہ فاصلہ رہے (سورۃ البقرۃ: ۹۶)۔ اس پہلو کو قرآن مجید نے یہودیوں کے حق میں اجاگر کیا ہے جو اِس چند روزہ زندگی کے بڑے حریص اور اس کی جاذبیتوں کے دل دادہ ہونے کے ساتھ ساتھ دوسری قوموں سے اپنی برتری اور فوقیت ثابت کرنے میں بڑے دلیر ہیں۔ ذیل کی آیات اُنہی کی بابت نازل ہوئی تھیں جن میں فرمایا گیا:

قُلۡ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيۡنَ هَادُوۡٓا إِنۡ زَعَمۡتُمۡ أَنَّكُمۡ أَوۡلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ إِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ٥ وَلَا يَتَمَنَّوۡنَهٗٓ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتۡ أَيۡدِيۡهِمۡ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ بِالظّٰلِمِيۡنَ ٥ (اَلۡجُمُعَة : ۶' ۷)

''(اے پیغمبر!) فرما دیجئے اے یہودی ہوجانے والو! اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم ہی بلا شرکتِ غیرے

اللہ کے چہیتے ہو تو موت کی تمنا کر دکھاؤ اگر تم سچے ہو۔ اور وہ کبھی بھی اس کی آرزو نہ کریں گے بسبب اُن (اعمال) کے جو اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں اور اللہ ان ظالموں سے خوب واقف ہے۔" (۶'۷:۶۲)

Leonardo da Vinci نے ایک دفعہ نہایت موزوں طور پر خوش کن موت کی بابت یوں لکھا:۔

"جس طرح اچھی طرح گزارا ہوا دن میٹھی نیند کا سبب ہے' اسی طرح احسن طریق کی زندگی پُرمسرت موت کا سبب بنتی ہے۔ ایک خوش باش آدمی کو موت کے تصور سے دکھ نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اِس موضوع پر طول کلامی کرتا ہے۔" ("Divine Philosophy and Modern Day Science" ... Dr. A. Rashid Seyal, p. 75)

"احسن طریق کی زندگی" کا کیا مطلب ہے؟ "اس کے معیار ہر مذہب اور ہر فرد کے نزدیک مختلف ہوا کرتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید کی نظر میں "احسن طریق کی زندگی" اُن لوگوں کی ہے جنہوں نے اپنے سراپا کو اپنے خالق و مالک اللہ کی مشیت کے تابع کر دیا ہے۔ قرآن مجید اعلان کرتا ہے:۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥ (اَلنَّحل :۹۷)

"جو کوئی بھی نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو تو ہم اُسے ضرور ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ہم اُنہیں اُن کے اچھے کاموں کے عوض میں ضرور اجر دیں گے۔" (۱۶:۹۷)

سورہ یونس کی آیات ۶۲ تا ۶۴ میں قرآن مجید اولیاء اللہ کو اعلیٰ و ارفع مستقبل کی خوشخبری سناتا ہے:

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥ اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ٥ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ٥

"سنو سنو! اللہ کے دوستوں پر قطعاً نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے' یہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگاری اختیار کئے رہے' اُن کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی خوشخبری ہے' اللہ کی باتیں بدلا نہیں کرتیں' یہی تو بڑی کامیابی ہے۔" (۶۲ تا ۶۴ : ۱۰)

اَلْبُشْرٰى یہ خوشخبری اسی خوف وحُزن سے محفوظ رہنے کی ہے اور خوف وغم سے مراد دنیاوی خوف وغم ہے جس سے مؤمنینِ کاملین اس لئے محفوظ ہو جاتے ہیں کہ ہر ناگوار سے ناگوار واقعہ میں بھی حکمتِ الٰہی ہی کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ موت سے خوف گناہ کی زندگی کا قدرتی نتیجہ ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کا ذکر ڈاکٹر

رشید سیال نے ''حقیقی مسرت کیسے حاصل کی جائے؟'' کے عنوان کے تحت کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

'' سچے عقیدے میں بصیرت کی صداقت حقیقی مسرّت اور اطمینانِ قلبی سے ہمکنار کرتی ہے۔ آسمانی کتب اور صحیفے الٰہی ضابطہ اخلاق کی روشنی میں منظم زندگی گزارنے کی بار بار تاکید کرتے ہیں۔ وہ ضابطہ اخلاق جو حقیقی اطمینان، حُسن و جمال، روحانی سکون، فراوانی اور مسرت کی بھرپور ضمانت دیتا ہے۔''
(ایضاً صفحہ ۷۵)

موت اللہ کے وفادار بندوں کے لئے حقیقی مسرّت اور الٰہی شفقت و محبت کا پیش خیمہ ہے

موت کے آثار نمودار ہونے پر اللہ کے وفادار، مخلص بندے خوشی محسوس کرتے ہیں اور رحمت کے فرشتے اُنہیں اُن کے قابلِ رشک اور دائمی مسرّتِ کے مستقبل کی خوشخبری دیتے ہیں:۔

(۱) اَلَّذِیۡنَ تَتَوَفّٰهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمُ ادۡخُلُوا الۡجَـنَّةَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ○ (اَلنَّحل : ۳۲)

''جن لوگوں کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں، اس حال میں کہ وہ پاک ہوتے ہیں (فرشتے) کہتے جاتے ہیں تم پر سلام ہو، اپنے اعمال کے سبب سے تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔'' (۱۶:۳۲)

(۲) اِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَـنَّةِ الَّتِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ○ نَحۡنُ اَوۡلِيٰٓـؤُكُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَفِى الۡاٰخِرَةِ وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَشۡتَهِىۡۤ اَنۡفُسُكُمۡ وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَدَّعُوۡنَ ○ (حٰمٓ السَّجدة : ۳۱،۳۲)

'' بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ (اُس پر) قائم رہے اُن پر فرشتے اتریں گے کہ تم اندیشہ نہ کرو اور نہ رنج کرو اور جنت (کے ملنے) پر خوش ہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے۔ ہم دنیاوی زندگی میں بھی تمہارے رفیق تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے اور تمہارے لئے اس (جنت) میں وہ سب کچھ موجود ہے جسے تمہارا جی چاہے گا اور تمہارے لئے موجود ہے جو کچھ تم مانگو۔ (یہ) خدائے غفور و رحیم کی طرف سے بطورِ مہمانی کے ہے۔'' (۴۱:۳۱،۳۲)

جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شرح الصدور'' میں حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اس مضمون کی ایک بڑی طویل حدیث نقل کی ہے کہ مؤمن صالح کی روح کے قبض کے وقت فرشتۂ موت اُس کے پاس اُس کی دلچسپیوں کا بہتر سے بہتر سامان لے کر آتا ہے اور جس طرح بچہ کے نشتر لگنے کے وقت اُسے بہلا پھسلا لیا جاتا ہے، اس اِحتضار والے مومن کو اِنہی دلچسپیوں میں بہلا کر چپکے سے بلا تکلیف اُس کی روح جسم سے باہر لے آتا ہے۔ اُس گھڑی جسم روح کو مبارکباد دیتا ہے اور روح جسم کو۔ فرشتے اُس کے حق میں دعائیں اور طلب مغفرت کرتے ہیں اور شیطان پچھاڑیں کھاتا ہے کہ شکار ہاتھ سے نکل گیا! (تفسیر ماجدی، حصّہ اُردو، ص ۹۵۹)

دائمی فرحت و سرور کے اِس عالم اور بے مثل و بے مثال پُر از وجد اور پُر ولولہ مسرت کا تصوّر کسی کے دامانِ خیال کو کبھی چھوا تک نہیں ہے اور قرآن مجید اسی مسرت و انبساط کی یوں بات کرتا ہے :۔

فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ○ (الٓمٓ السَّجۡدَة : ۱۷)

"سو کسی کو علم نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا (سامان) اُن کے لئے (خزانۂ غیب میں) مخفی ہے، یہ صلہ ہے اُن کے (نیک) اعمال کا ۔" (۱۷ : ۳۲)

اس چند روزہ عارضی زندگی کی مسرّتیں حقیقی اور خالص مسرّتیں نہیں ہیں، وہ تو نہایت فریب کاری سے جاذبیت کا سامان رکھتی ہیں، ختم ہونے والی ہیں اور اپنے پیچھے ہمیشہ ایک چبھن اور خلش چھوڑ جاتی ہیں ۔ اس لئے قرآن دائمی اور حقیقی مسرّت کے حصول میں کوشش کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور فرماتا ہے :

يُسۡقَوۡنَ مِنۡ رَّحِيۡقٍ مَّخۡتُوۡمٍ ○ خِتٰمُهٗ مِسۡكٌ ؕ وَفِىۡ ذٰلِكَ فَلۡيَتَنَافَسِ الۡمُتَنٰفِسُوۡنَ ○ (اَلۡمُطَفِّفِين : ۲۶)

"اُنہیں پینے کو شرابِ خالص ملے گی جس پر مشک کی مہر ہوگی، اور حرص کرنے والوں کو ایسی ہی چیز کی حرص کرنی چاہئے ۔" (۲۶ : ۸۳)

عذابِ قبر : گنہگاروں اور اللہ کے باغیوں کو اپنی قبروں (برزخی زندگی) میں عذابِ الٰہی کا ملنا متعدد احادیثِ نبوی سے ثابت ہے ۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ "قبر" کا لفظ ہمارے جانے پہچانے اور معروف تصوّر کے برعکس وہ جگہ نہیں ہے جہاں میت کو منوں مٹی کے نیچے لٹایا جاتا ہے بلکہ "قبر" ایک ایسی حالت کا نام ہے جس میں قادرِ مطلق مردہ جسم کے اجزاء و حصص کو جوابدہی کے لئے اکٹھا کرنے پر قدرت رکھتا ہے خواہ کوئی زمین میں دفن ہو، جل کر مرے، اُس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں، پرندے اور درندے اُسے کھا جائیں، سمندر میں ڈوب جائے اور آبی جانوروں کا نوالہ بن جائے ۔ ذیل کی آیت عذابِ قبر کے ثبوت میں ہیں :۔

(1) اَلنَّارُ يُعۡرَضُوۡنَ عَلَيۡهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ اَدۡخِلُوۡۤا اٰلَ فِرۡعَوۡنَ اَشَدَّ الۡعَذَابِ ○ (اَلمؤمن : ۴۶)

"وہ لوگ (فرعونی) صبح و شام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (یہ کہا جائے گا کہ) آلِ فرعون کو شدید ترین عذاب میں داخل کرو ۔" (۴۶ : ۴۰)

درج بالا آیتِ مبارکہ عذابِ قبر اور وجودِ برزخ میں نصِ صریح ہے جس کی تائید میں علماء و مفسرینِ کرام کے اقوال ملاحظہ ہوں :۔

(۱) دَلَّ اَنَّ الۡمُرَادَ يُعۡرَضُوۡنَ عَلَيۡهَا قَبۡلَ الۡقِيَامَةِ (ابوبکر جصّاص)

"آیت میں دلیل ہے کہ آلِ فرعون قیامت سے پہلے آگ پر صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں ۔"

(۲) وَالجَمهُورُ عَلی أَنَّ العَرضَ فِی البَرزَخِ (عمدۃ المفسرین امام قرطبی)
''جمہور اہلِ علم کہتے ہیں کہ یہ پیشگی (سزا) عالمِ برزخ میں ہوتی ہے۔''

(۳) هٰذِهِ الاٰيَةُ دَلِيل'' عَلى عَذَابِ القَبرِ (دُرِّ منثور لجلال الدین السیوطی)
''یہ آیتِ مبارکہ عذابِ قبر کے برحق ہونے پر دلیل ہے۔''

(۴) وَفِيهِ دَلِيل'' عَلى بَقَاءِ النَّفسِ وَعَذَابِ البَرزَخِ (تفسیر بیضاوی)
''آیتِ مبارکہ میں دلیل ہے کہ جان باقی رہتی ہے اور برزخ میں عذاب ہوتا ہے۔''

(۵) اِحتَجَّ أَصحَابُنَا بِهٰذِهِ الاٰيَةِ عَلى اِثبَاتِ عَذَابِ القَبرِ وَذٰلِكَ يَدُلُّ عَلى اِثبَاتِ عَذَابِ القَبرِ فِی حَقِّ هٰؤُلَاءِ وَاِذَا ثَبَتَ فِی حَقِّهِم ثَبَتَ فِی حَقِّ غَيرِهِم لِاَنَّه' لَا قَائِلَ بِالفَرقِ
(تفسیر کبیر لفخرالدین رازی)
''ہمارے اصحاب نے اس آیت سے عذابِ قبر کے ثبوت پر حجت پکڑی ہے۔ فرعون اور آلِ فرعون کے حق میں یہ آیت عذابِ قبر کو ثابت کرنے پر دلالت کرتی ہے تو دوسرے نافرمانوں کے حق میں بھی ثابت کرے گی کیونکہ ان میں اور دوسرے نافرمانوں کے درمیان فرق کرنے کا کوئی بھی قائل نہیں۔''

(۶) هٰذِهِ الاٰيَةُ أَصل'' كَبِير'' فِی اِستِدلَالِ أَهلِ السُّنَّةِ عَلى عَذَابِ البَرزَخِ فِی القُبُورِ (ابن کثیر)
''اِس آیتِ مبارکہ میں اہلِ سنت کی بہت بڑی دلیل ہے کہ قبروں میں عذاب ہوتا ہے۔''

(۷) هٰذِهِ الاٰيَةُ تَمَسَّكَ بِهَا أَهلُ السُّنَّةِ فِی اِثبَاتِ عَذَابِ القَبرِ صَرَّحَ بِذٰلِكَ فِی عِلمِ الكَلَامِ وَكُتُبِ التَّفَاسِيرِ جَمِيعًا (تفسیر احمدی : مُلّا جیون)
''اس آیتِ کریمہ میں اہلِ سنت کی دلیل ہے کہ عذابِ قبر برحق ہے۔ علمِ کلام اور تمام کتب تفاسیر میں اس کی صراحت موجود ہے۔''

درج بالا آیت (۴۰:۴۶) کی عبارت غُدُوًّا وَّعَشِيًّا (صبح وشام) میں ایک معنی تو یہی صبح وشام کے ہیں یعنی ایسے اوقات میں جو ہمارے عالمِ ناسوت کے صبح وشام کے مقابل ہیں (تفسیر قرطبی)۔ دوسرا مفہوم ''ہمیشہ'' کا بھی ہوسکتا ہے (تفسیر کبیر و قرطبی)۔ الٰہی پیش گوئی کے تحت فرعون کی لاش بروئے آیت ۹۲ سورہ یونس (۱۰:۹۲) ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دی گئی ہے اور قاہرہ (مصر) کے عجائب خانہ میں اُسے دیکھا جا سکتا ہے۔ قرآن نے کہا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں جل رہا ہے۔ لیکن کسی آنکھ نے اُسے کبھی بھی آگ میں جلتے بھنتے نہیں دیکھا۔ چنانچہ اُس کا ''جہنم کی آگ میں جلنا'' ہی تو عذابِ قبر کا دوسرا نام ہے اگرچہ اُسے قبر نصیب نہیں ہوئی۔ یہی حال نوح علیہ السلام کے نافرمان لوگوں کا ہے جو ڈوب کر اُسی ہیبت ناک انجام سے دوچار ہوئے جس کا ذکر ذیل کی آیت میں آرہا ہے۔

(2) مِمَّا خَطِيئٰتِهِم أُغرِقُوا فَأُدخِلُوا نَارًا۔۔۔۔۔۔ (نوح : ۲۵)
''اپنے (انہی) گناہوں کی وجہ سے وہ غرق کئے گئے چنانچہ وہ آگ میں پہنچ گئے۔'' (۷۱:۲۵)

سورہ نوح کی آیت ۲۵ مذکورہ میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا آگ میں داخل ہونا قیامت کے ساتھ متعلق نہیں کیا گیا بلکہ اُسے قیامت سے پہلے اور دنیا کے عذابِ ہلاکت کے بعد کے واقعات میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ اسی واقعہ کا نام عالمِ برزخ ہے جسے قبر کا جہان بھی کہتے ہیں تو معلوم ہوا کہ عذابِ قبر برحق ہے اور ثابت ہے۔

(3) وَلَوْتَرٰی اِذِالظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَاسِطُوْآ اَیْدِیْھِمْ اَخْرِجُوْآ اَنْفُسَکُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ بِمَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ غَیْرَ الْحَقِّ وَکُنْتُمْ عَنْ آیٰتِہٖ تَسْتَکْبِرُوْنَo (الانعام: ۹۳)

''کاش! آپ اُس وقت دیکھیں جب (یہ) ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ اُن کی طرف بڑھا رہے ہوں گے کہ اپنی جانیں (جلد) نکالو' آج تمہیں ذلت کا عذاب ملے گا بوجہ اس کے کہ تم اللہ پر جھوٹ اور اللہ کے ذمے ناحق باتیں جوڑا کرتے تھے اور تم اللہ کی نشانیوں کے مقابلہ میں تکبر کیا کرتے تھے۔'' (۶ : ۹۳)

اَلْیَوْم کی قید سے مراد قبضِ روح کا دن ہے اور یہی عذاب برحق ہے۔ ورنہ ہاتھ پھیلانے اور جان نکالنے کا حکم دینے کے ساتھ ہی اس بات کے کہنے کے کوئی معنی نہیں ہوں گے کہ آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔

(4) وَلَوْتَرٰی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰٓئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَاَدْبَارَھُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِo ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِo (الانفال: ۵۰' ۵۱)

''اور کاش آپ دیکھیں جب فرشتے (ان) کافروں کی جان قبض کرتے جاتے ہوں' اُن کے منہ اور اُن کی پشتوں پر مارتے جاتے ہوں اور (کہتے جاتے ہوں) کہ (اب) آگ کی سزا کا مزہ چکھو۔ یہ (عذاب) اُس کی پاداش میں ہے جو کچھ تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور اللہ اپنے بندوں کے حق میں ہرگز ظالم نہیں ہے۔'' (۸ : ۵۰' ۵۱)

ان آیاتِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نافرمانوں کو مارنے کی سزا بوقتِ موت ہی شروع ہو جاتی ہے اور یہ سزا قانونِ مکافاتِ عمل کے مطابق نافرمانوں کے اعمال کا نتیجہ ہے جس سے ثابت ہوا کہ برزخ یا قبر میں عذاب برحق ہے۔

(5) وَمِنْ اَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُھُمْ نَحْنُ نَعْلَمُھُمْ سَنُعَذِّبُھُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِیْمٍo (التوبۃ: ۱۰۱)

''اور مدینہ والوں میں سے ایسے منافق ہیں کہ نفاق کی حدِ کمال کو پہنچے ہوئے ہیں۔ آپ اُنہیں نہیں جانتے' ہم اُنہیں جانتے ہیں۔ عنقریب ہم اُنہیں دگنی سزا دیں گے۔ پھر وہ بھاری عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے۔'' (۹ : ۱۰۱)

اِس آیتِ مبارکہ میں منافقوں کو متعدد عذابوں کی وعید سنائی گئی ہے۔ جس کی وضاحت یہ ہے کہ عَذَاب عَظِيْم سے تو ظاہر ہے کہ جہنم کا عذاب ہی مراد ہے۔ اس عذابِ عظیم سے پہلے دو اور عذابوں کا بیان ہے جنہیں سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اِن دو عذابوں میں ایک تو دنیاوی عذاب ہوگا یعنی ذلت و رسوائی اور دوسرا موت سے شروع ہوگا یعنی عالمِ برزخ اور قبر کا عذاب۔ اس ضمن میں مفسرین کے اقوال یہ ہیں:

(۱) إِحْدٰهُمَا فِي الدُّنْيَا وَالْأُخْرٰى فِي الْقَبْرِ (ابنِ جریر)
"اُن میں سے ایک عذاب دنیا میں اور دوسرا قبر میں ہوگا۔"

(۲) أَيْ عَذَابُ الدُّنْيَا وَعَذَابُ الْقَبْرِ (قرطبی عن الحسن والقتادة)
"ان دو عذابوں سے مراد عذابِ دنیا اور عذابِ قبر ہے۔"

(۳) أَكْثَرُ النَّاسِ عَلٰى أَنَّ عَذَابَ الثَّانِيْ هُوَ عَذَابُ الْقَبْرِ (بحر المحيط لابی الحیان اندلسی)
"جمہور علماء کے نزدیک دوسرے عذاب سے مراد عذابِ قبر ہے۔"

(۴) هُمَا الْقَتْلُ وَعَذَابُ الْقَبْرِ أَوِ الْفَضِيْحَةُ وَعَذَابُ الْقَبْرِ (تفسیر مدارك التنزیل لنسفی)
"ان دو عذابوں سے مراد منافقوں کا قتل ہونا اور عذابِ قبر ہے یا اُن کی رسوائی اور عذابِ قبر ہے۔"

نوٹ: نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (ہم اُنہیں جانتے ہیں) سے معلوم ہوا کہ کسی انسان پر جنتی یا جہنمی ہونے کا قطعی حکم کوئی انسان نہیں لگا سکتا۔ ؎ کیا جانے اُس کریم کو تو پسند ہے کہ وہ

(6) وَإِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (اَلطُّور: ۴۷)
"بے شک ظالموں کے لئے اس کے علاوہ اور عذاب بھی ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

اِس آیتِ مبارکہ میں روزِ قیامت کے علاوہ عذاب کا ذکر ہے جس سے مراد عالمِ برزخ (قبر) کا عذاب ہے۔

(7) ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوْحٍ وَّامْرَأَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ○ (اَلتَّحْرِيم: ۱۰)
"اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے حضرت نوح کی بیوی اور حضرت لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے۔ وہ دونوں ہمارے نیک بندوں میں سے دو بندوں کے گھر میں تھیں، پھر اُن دونوں نے اُن دونوں سے خیانت کی، وہ دونوں بندے اُن سے اللہ کے عذاب کو نہ روک سکے اور حکم دے دیا گیا کہ اے عورتو! تم بھی آگ میں جاؤ ساتھ جانے والوں کے۔" (۱۰ : ۶۶)

حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام دونوں پیغمبروں کی بیویاں اُن پر ایمان نہ لائی تھیں۔ حکم دیا جارہا

معلول ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کا نظام چلانے کے لئے قوانین مقرر کر دیئے ہیں جنہیں تکوینی قوانین کہا جاتا ہے اور اُن میں اسباب کو رکھ دیا ہے۔ لیکن ان اسباب کا وجود محض انسان کی تسکین کے لئے کیا گیا ہے اور وہ خود ان اسباب کا محتاج نہیں۔ اُس کی بے پناہ وسعتِ قدرت کے آگے ہر شے ممکن ہے اور کسی کام کی تکمیل کے لئے اس کا اشارہ ہی کافی ہے اور اُسے ظاہری اسباب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ خود مسبب الاسباب ہے اور ہر کام کا سبب خود ہی پیدا فرماتا ہے۔'' (ایضاً ص ص ۱۶۰' ۱۶۱)

''حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش : اسی سے ملتا جلتا واقعہ سورہ آلِ عمران کی آیت ۴۰ میں بیان ہوا کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام کو ایک صالح بچے کی پیدائش کی بشارت دی گئی تو وہ بہت حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ اس کے ظاہری اسباب تو موجود نہیں ہیں' میں خود بوڑھا ہو کر اپنی عمرِ طبعی کو پہنچ چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے تو بچے کی ولادت کیسے ہوگی؟ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ''ایسا ہو کر رہے گا' وہ جو چاہے کرتا ہے''۔ یعنی اُسے ظاہری اسباب کی ضرورت نہیں۔''

''یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگر انسان نے کلوننگ کی ٹیکنالوجی حاصل کر لی ہے اور اُس کا اِدراک حاصل کر لیا ہے تو کیا نعوذ باللہ وہ اللہ کے مقابل آ کھڑا ہوا ہے؟ نہیں' ہرگز نہیں! کلوننگ کی مثال تو محض اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ اشیاء میں تبدیلی پیدا کر کے اُن اشیاء کی مزید کاپیاں تیار کرنے جیسی ہے' مثلاً دیسی آم کا پودا زمین میں اللہ تعالیٰ نے اُگایا ہوا ہے اور اُس آم کو اعلیٰ کوالٹی کا آم یا قلمی آم پیدا کرنے کے لئے انسان اچھے قلمی آم کی ایک شاخ اُس دیسی آم میں پیوند کر دیتا ہے اور اسے پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر چھوڑ دیتا ہے اور وہ پودا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بڑا ہو جاتا ہے اور اُسی قسم کے آم دیتا ہے جس آم کی شاخ پیوند کی گئی تھی یا کسی فصل کے بیج زمین میں بونے سے اسی فصل کے پودے (یعنی کاپیاں) حاصل ہو جاتے ہیں جس کے لئے بیج لئے گئے تھے۔ وقس علیٰ ہذا القیاس۔ (ایضاً ص ۱۶۲)

''اللہ تعالیٰ کسی حقیقتِ واقعہ سے منہ پھیر لینے' انکار کرنے یا آنکھیں بند کر لینے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ حقائق تک پہنچنے کی دعوت دیتا ہے اور بار بار انسان کو رموزِ حیات و کائنات کا مشاہدہ کرنے اور مطالعہ کرنے کی دعوت دیتا ہے مثلاً حیاتیاتی تخلیق کے بارے میں سوچنا کہ وہ کس طرح انسان کی تخلیق کرتا ہے۔''

(۷) موت اور فنا: ''انسان میں ایک جان ہے جسے رُوح کہتے ہیں اور وہ اُس کے بدن کے علاوہ ہے۔ روح کا بدن سے تعلق ہے جس کی وجہ سے اُس میں حیات پیدا ہوتی ہے اور جب وہ اُس سے جدا ہوتی ہے تو اُسے موت آ جاتی ہے۔ رُوح بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ اُسے ادراک ہوتا ہے اور رنج و الم اور خوشی و مسرت کو محسوس کرتی ہے۔ انسان کو مرنے اور فنا ہونے کے بعد خالقِ حقیقی اُسے پھر لوٹا کر روح کا تعلق بدن کے ساتھ دوبارہ پیدا کر دے گا اور اُس کے اعمال کے مطابق اُسے جزا و سزا ملے گی۔ جس وقت بدن کے ساتھ روح کا تعلق ہوتا ہے تو اُس میں حیات قائم ہوتی ہے۔''

ہے کہ تم آگ میں داخل ہو جاؤ جبکہ دوزخ کی آگ میں داخلہ تو قیامت قائم ہونے کے بعد ہی ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ عالمِ برزخ میں جلاتی ہوئی قبر کی آگ میں داخلہ ہے جسے عذابِ قبر کہتے ہیں۔

حضرات نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویوں کی اپنے شوہروں سے خیانت کی نوعیت یہ تھی کہ وہ دونوں کافرہ تھیں۔ نوح علیہ السلام کی بیوی آپ کو مجنوں اور دیوانہ کہتی اور مذاق اُڑاتی۔ لوط علیہ السلام کی بیوی آپ کے دشمنوں سے ملی ہوئی تھی۔ جب بھی آپ کے ہاں کوئی مہمان آتا تو اُس کے اطلاع دینے پر وہ بے غیرت دندناتے ہوئے حضرت لوط کے مہمان خانہ پر ہلّہ بول دیتے۔ خیانت سے مراد بدکاری نہیں کیونکہ ہر نبی کی بیوی اس عیب سے ہمیشہ پاک ہوتی ہے۔

ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

(۱) ''قبر حشر کے مراحل میں سے پہلا مرحلہ ہے۔ جو شخص اس پہلے مرحلے سے بہ آسانی گزر جاتا ہے تو اُس کا مستقبل (ہر قسم کے خطرے اور مصائب سے) محفوظ ہوگیا۔ وگرنہ حشر کے باقی واقعات اُس کے لئے اور بھی بدتر ہوں گے۔'' (ترمذی' بحوالہ سلطان بشیر محمود)

(۲) ''جب کوئی مر جاتا ہے تو اُسے صبح و شام وہ مقام دکھایا جاتا ہے جس میں اُسے روزِ حشر رہنا ہوگا۔ اگر تو اُس نے جنتی کام کیے ہیں تو اُسے جنت دکھائی جاتی ہے اور اگر اُس نے جہنمیوں کے سے کام کیے ہیں تو اُسے دن میں دو بار جہنم دکھائی جاتی ہے اور پھر اُسے کہا جاتا ہے: روزِ قیامت میں یہ تمہارا مستقل ٹھکانہ ہوگا۔ اس مقام کا نظارہ ہمیشہ اُسے خوش یا ناخوش کیے رکھتا ہے۔'' (ایضاً)

''احادیثِ نبویہ میں سے ایک یہ بھی حدیث ہے کہ جب میّت کو تدفین کے لئے لے جایا جاتا ہے تو اُس کے نگہبان فرشتے اُس کے جسم اور روح کے ساتھ ہمراہ ہو لیتے ہیں۔ اِس سفر میں روح اُن تمام لوگوں کو دیکھتی ہے جو میّت کے ساتھ چل رہے ہوتے ہیں اور وہ رشتہ داروں کی آہ و بکا اور دوستوں کی باتوں کو سنتی ہے۔ جب وہ میّت کو دفن کر رہے ہوتے ہیں تو کامل سکون کے ساتھ روح اس سارے منظر کو دیکھتی ہے۔ تدفین کے بعد نگہبان فرشتے روح کو اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو الوداع کہنے کا کہتے ہیں۔ اُس کے رشتہ دار اور لواحقین جونہی اُس (کی قبر) سے رخصت ہوتے ہیں تو وہ نگہبان فرشتے اُس سے اُس کے عقیدہ اور علم کے بارے میں سوال کرنا شروع کرتے ہیں:

(۱) ''منکر اور نکیر نامی دو فرشتے اُسے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چہرہ انور دِکھاتے ہیں اور اُس سے پوچھتے ہیں کہ آیا وہ اس شخص کو جانتا ہے۔ اگر تو وہ مؤمن ہے تو جواب دیتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں۔ اس صحیح جواب کے دینے پر اُسے جنت میں اُس کا مقام دکھایا جاتا ہے۔ اور جب منافق یا کافر سے وہی سوال کیا جاتا ہے تو وہ اس کا صحیح جواب نہیں دے پاتا۔ اس پر اُسے جہنم کا ٹھکانہ دِکھا دیا جاتا ہے۔'' (صحیح بخاری)

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی مکرّم ﷺ میت کی تدفین کے بعد قبر کے سرہانے کھڑے ہو جاتے اور ہم سے اپنے مسلمان بھائی رمسلمان بہن کی مغفرت اور ثابت قدمی کی دعا کرنے کو فرماتے کیونکہ یہ وقت اُس سے سوال کیئے جانے کا ہوتا ہے۔'' (صحیح بخاری)

سنن ابی داؤد میں یہ الفاظ آئے ہیں اور امام حاکم نے اسے صحیح حدیث کہا ہے:

اِسۡتَغۡفِرُوۡا لِأَخِيۡكُمۡ وَسَلُوۡا لَهُ التَّثۡبِيۡتَ فَإِنَّهُ الۡاٰنَ يُسۡأَلُ

''اپنے بھائی کے لئے بخشش کی دعا کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کا سوال کرو اس لئے کہ اب اُس سے سوال کیئے جانے کا وقت ہے۔''

''اِن تمام حقائق کی رُو سے معلوم ہوا کہ موت روح کے سفر میں اگلے آغاز کا نام ہے۔ اگلی دنیا میں اس کی کارکردگی کا انحصار اِس بات پر ہوگا کہ اِس دنیاوی زندگی میں اُس نے اگلی دنیا کے لئے کیا تیاری کی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک بچہ اگر کچھ جینیاتی کمزوریوں کے ساتھ پیدا ہو' تو اُس کا خمیازہ اُسے اپنی تمام زندگی بھگتنا پڑتا ہے اور اگر وہ جینیاتی لحاظ سے تندرست اور صحیح الجسم پیدا ہو' تو اُسے اس کا فائدہ زندگی بھر ملتا رہتا ہے۔ اس دنیاوی زندگی میں پیدائش کے مفادات یا نقصانات بنی نوعِ انسان کے لئے آزمائش کی حیثیت رکھتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ دیکھتا ہے کہ اُس کے بندے اُس کے پیغمبروں کی معرفت بھیجے ہوئے اخلاقی ضابطوں اور دوسرے احکامات کی کیسے تابعداری کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو اطمینان بخش طور پر اس امتحان میں پورے اترتے ہیں' صحیح معنی میں وہی کامیاب ہیں اور جو اس میں ناکام رہتے ہیں' وہ مردودِ بارگاہِ الٰہی ہیں۔'' (سلطان بشیر محمود)

(۱) وَبُرِّزَتِ الۡجَحِيۡمُ لِلۡغٰوِيۡنَ ۝ (الشُّعراء : ۹۱)

''اور گمراہوں کے سامنے دوزخ ظاہر کردی جائے گی۔'' (۹۱ : ۲۶)

(۲) فَأَمَّا مَنۡ طَغٰى ۝ وَاٰثَرَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا ۝ فَإِنَّ الۡجَحِيۡمَ هِيَ الۡمَأۡوٰى ۝ وَأَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى ۝ فَإِنَّ الۡجَنَّةَ هِيَ الۡمَأۡوٰى ۝ (اَلنّٰزِعٰت :۳۷ تا ۴۱)

''تو جس کسی نے سرکشی کی ہوگی اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی تو ایسے کا ٹھکانہ بس دوزخ ہی ہوگا اور جو کوئی اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا تو ایسے کا ٹھکانہ جنت ہی ہے۔'' (۳۷ تا ۴۱ : ۷۹)

(۳) قَدۡ أَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰهَا ۝ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰهَا ۝ (اَلشَّمۡس : ۹' ۱۰)

''وہ یقیناً بامراد ہوگیا جس نے اپنی روح کو پاک کرلیا اور وہ یقیناً نامراد ہوا جس نے اُسے دبا دیا۔'' (۹' ۱۰ : ۹۱)

''ہماری اصل جان ہماری روح ہے۔ اپنی تمام دنیاوی زندگی میں ہمارے جسم میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں اور ہر گھنٹے میں لاکھوں خلیے مرتے رہتے ہیں اور اُن کی جگہ نئے خلیے پیدا ہوتے رہتے ہیں اور جسمِ انسانی میں روح کے موجود ہونے کی صورت میں جسمانی حصّوں کی تبدیلی سینکڑوں مرتبہ ہوتی ہے۔ اس طرح لفظ ''میں'' یا ''مجھے'' دراصل میری روح ہے جبکہ جسم ایک عارضی ذریعہ ہے جو اپنے آس پاس کی مادّی دنیا سے جوابًا تعامل کرتا ہے۔ تو کیا روح کو اپنی بہتری کے لئے ہونا چاہئے یا صرف جسم کی نشو ونما کے لئے ہونا چاہئے؟ یہ ایک بڑا وزنی سوال ہے جسے درست ترجیحات کے ساتھ ہمیں حل کرنا چاہئے۔'' (سلطان بشیر محمود' صفحات ۱۹۸' ۱۹۹)

''قبر'' سے کیا مراد ہے؟ کتاب وسنت میں قبر سے مراد ایک پورا جہان ہے جسے عالمِ برزخ کہا جاتا ہے' صرف مٹی کا وہ گڑھا ہی مراد نہیں جہاں میّت کو لٹایا جاتا ہے۔ کیونکہ کئی آدمی جل جاتے ہیں' کئی انسان ڈوب جاتے ہیں' کتنے انسان ہیں جنہیں جنگل کے درندے اور جانور کھا جاتے ہیں' کئی لوگ زمین کے اوپر ہی پڑے پڑے گل سڑ جاتے ہیں' برفانی علاقوں میں برف کا تودا گرنے سے کئی لوگ اُس کے نیچے ہی دب جاتے ہیں۔ غرضکہ مرنے کے بعد انسان کو کوئی صورتِ حال پیش آئے وہی جگہ اُس کی قبر ہے۔ اُس کے ساتھ اُسی جگہ قبر کا سا معاملہ پیش آجاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین کے متعلق جو فوائد بیان فرمائے ہیں وہاں یہ بھی بتایا کہ زمین ہی سب کا مدفن ہے:

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًاo أَحْيَاءً وَّأَمْوَاتًاo (اَلْمُرْسَلات : ۲۵' ۲۶)

''کیا ہم نے زمین کو زندہ اور مُردوں کے لئے سمیٹنے والی نہیں بنایا؟'' (۷۷:۲۵'۲۶)

محدث مبارکپوری قبر کے مفہوم کو وسیع معنوں میں ذکر کرتے ہوتے لکھتے ہیں :

فَاِنَّ الْقَبْرَ اِسْم'' لِلْمَكَانِ الَّذِیْ يَكُوْنُ فِيْهِ الْمَيِّتُ مِنَ الْأَرْض وَلَا شَكَّ أَنَّ مَحَلَّ الْاِنْسَانِ وَ مَسْكَنُه' بَعْدَ اِنْقِطَاعِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَوِيَّةِ هِيَ الْأَرْضُ كَمَا أَنَّهَا مَسْكَنًا لَه' فِیْ حَيَاتِهٖ قَالَ تَعَالٰى : أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًاo أَحْيَاءً وَّأَمْوَاتًا o أَیْ ضَامَّةٌ لِلْأَحْيَاءِ وَالْأَمْوَاتِ تَجْمَعُهُمْ وَتَضُمُّهُمْ وَتَحُوْزُهُمْ فَلَا مَحَلَّ لِلْمَيِّتِ اِلَّا الْأَرْضُ سَوَاءً كَانَ غَرِيْقًا أَوْمَأْكُولًا فِیْ بَطْنِ الْحَيَوَانَاتِ مِنَ السَّبَاعِ عَلَى الْأَرْض وَالطُّيُوْرِ فِی الْهَوَاءِ وَالْحِيْتَانِ فِی الْبَحْرِفَاِنَّ الْغَرِيْقَ يَرْسُبُ فِی الْمَاءِ فَسَقَطَ اِلٰى أَسْفَلِهٖ مِنَ الْأَرْض أَو الْجَبَلِ اِنْ كَانَ تَحْتَه' جَبَل'' وَكَذَا الْحَرِيقُ بَعْدَمَا يَصِيْرُ رَمَادًا لَا يَسْتَقِرُّ اِلَّا عَلَى الْأَرْض سَوَاء''أُذْرِیَ فِی الْبَرِّ أَوِالْبَحْرِ وَكَذَا الْمَأْكُوْلُ فَاِنَّ الْحَيَوَانَاتِ الَّتِیْ تَأْكُلُه' لَا تَذْهَبُ بَعْدَ مَوْتِهَا اِلَّا اِلَى الْأَرْضِ فَتَصِيْرُ تُرَابًا وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْأَرْضَ مَحَلُّ جَمِيْعِ الْأَجْسَامِ السُّفْلِيَةِ وَمَقَرُّهَا لَا مَلْجَأَ لَهَا اِلَّا اِلَيْهَا فَهِیَ كِفَات'' لَهَا (مرقاۃ شرح مشكوة' ج ۱' ص ۱۳۰)

''قبر اُسی جگہ کو کہا جاتا ہے جس میں میّت ہو۔ اس میں شک نہیں کہ انسان کے فوت ہونے کے بعد اُس کا مسکن زمین ہی ہوتی ہے جیسا کہ زندگی میں مرنے سے پہلے زمین ہی اُس کا مسکن تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کیا ہم نے زمین کو زندہ اور مُردوں کے لئے سمیٹنے والی نہیں بنایا؟ یعنی زمین زندوں اور مُردوں سب کو جمع کر لیتی

اور اپنے ساتھ ملا لیتی اور گھیر لیتی ہے۔ میّت کا ٹھکانہ زمین ہی ہے خواہ وہ پانی میں غرق ہو یا آگ میں جل جائے یا حیوانوں اور درندوں کے پیٹ میں چلی جائے یا ہوا میں اُڑنے والے پرندے اُسے نوچ لیں یا سمندر میں رہنے والی مچھلیاں نگل جائیں۔ پانی میں ڈوبنے والا زمین کی تہہ میں پہنچ جاتا ہے اگر اس کے نیچے پہاڑ ہو تو اُس پر چلا جاتا ہے۔ ایسے ہی جلنے والا راکھ بن کر زمین پر ہی ٹھہرتا ہے خواہ اسے خشکی اور سمندر میں پھیلا دیا جائے اور اسی طرح جس کو حیوانات کھا جائیں وہ بھی حیوانات کے مرنے کے بعد مٹی ہو جاتا ہے اور زمین میں ہی پہنچ جاتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ تمام اجسام سفلیہ کے ٹھہرنے کی جگہ زمین ہی ہوئی اور اسی لئے اُسے کِفات یعنی سب کو اکٹھا کرنے والی کہا گیا ہے۔"

<u>عذابِ قبر کے منکرین کے جواب میں</u>: اوپر کے بیانات سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں عذابِ قبر کا ثبوت موجود ہے۔ علامہ مُلّا علی القاری الحنفی عذابِ قبر کے منکرین کے جواب میں لکھتے ہیں:۔

قَالَ الْإِمَامُ النَّوَوِيُّ مَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ إِثْبَاتُ عَذَابِ الْقَبْرِ وَقَدْ تَظَاهَرَتْ عَلَيْهِ الْأَدِلَّةُ مِنَ الْكِتٰبِ وَالسُّنَّةِ قَالَ تَعَالٰی: اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ وَأَمَّا الْأَحَادِيْثُ فَلَا تُحْصٰی كَثْرَةً وَلَا مَانِعَ فِي الْعَقْلِ مِنْ أَنْ يُعِيْدَ اللّٰهُ الْحَيٰوةَ فِيْ جُزْءٍ مِّنَ الْجَسَدِ أَوْ فِي الْجَمِيْعِ عَلٰی خِلَافٍ بَيْنَ الْأَصْحَابِ فَيُثِيْبُهٗ أَوْ يُعَذِّبُهٗ وَلَا يَمْتَنِعُ مِنْ ذٰلِكَ كَوْنُ الْمَيِّتِ قَدْ تَفَرَّقَتْ أَجْزَاءُهٗ كَمَا يُشَاهَدُ فِي الْعَادَةِ أَوْ أَكَلَتْهُ السِّبَاعُ وَالطُّيُوْرُ وَحِيْتَانُ الْبَحْرِ لِشُمُوْلِ عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَقُدْرَتِهٖ فَإِنْ قِيْلَ نَحْنُ نُشَاهِدُ الْمَيِّتَ عَلٰی حَالِهٖ فَكَيْفَ يُسْأَلُ وَيُقْعَدُ وَلَا يَظْهَرُ أَثَرٌ" فَالْجَوَابُ أَنَّهٗ مُمْكِنٌ" وَلَهٗ نَظْرٌ" فِي الشَّاهِدِ وَهُوَ النَّائِمُ فَإِنَّهٗ يَجِدُ لَذَّةً وَأَلَمًا يُحِسُّهٗ وَلَا نُحِسُّهٗ وَكَذَا يَجِدُ الْيَقْظَانُ لَذَّةً وَأَلَمًا يَسْمَعُهٗ وَيَتَفَكَّرُ فِيْهِ وَلَا يُشَاهِدُ ذٰلِكَ جَلِيْسُهٗ وَكَذٰلِكَ كَانَ جِبْرِيْلُ يَأْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُوْحِيْ بِالْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَلَا يَرَاهُ أَصْحَابُهٗ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ا ص ۱۹۷)

"امام نووی فرماتے ہیں کہ اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ عذابِ قبر حق ہے۔ کتاب و سنت کے دلائل اسی عقیدہ کی تائید کرتے ہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے کہ صبح و شام آلِ فرعون آگ پر پیش کئے جاتے ہیں اور جب قیامت ہو گی تو کہا جائے گا فرعونیوں کو سخت عذاب میں داخل کر دو۔ اس مسئلہ میں احادیث بھی بہ کثرت موجود ہیں۔ عقلاً بھی یہ بات محال نہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم کے کسی حصّہ میں یا تمام جسم میں زندگی پیدا کر دے، پھر عذاب کرے یا ثواب عطا کرے اور یہ بھی کوئی محال نہیں کہ میت کے اجزاء منتشر ہو چکے ہوں جیسا کہ عموماً دیکھا جاتا ہے تو پھر بھی عذاب ہو سکتا ہے اور اگر درندے، پرندے یا سمندر کی مچھلیاں کھا جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ کے لئے زندہ کرنا مشکل نہیں کیونکہ وہ عالم بھی ہے اور قادر بھی۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ ہم تو میّت کو اپنی حالت میں اسی طرح دیکھتے ہیں، اُسے بٹھا کر سوال کیسے کرتے ہیں، اور مارتے بھی ہیں لیکن اس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا ممکن ہے جیسا کہ سویا ہوا شخص لذّت اور درد محسوس کرتا ہے لیکن ہم اس کی (اُس) کیفیت کو محسوس نہیں کر سکتے۔ ایسے ہی بیدار شخص لذت اور درد کو پاتا اور اس

میں غور و فکر کرتا ہے لیکن اس کا ساتھی نہیں دیکھ سکتا جیسا کہ جبریل امین نبی کریم ﷺ پر قرآن کی وحی لاتے تھے لیکن صحابہ کرام اُنہیں دیکھ نہیں سکتے تھے۔''

حضرت مُلّا علی قاری کی مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ عذابِ قبر عقلاً و نقلاً محال نہیں ہے۔ لہٰذا مؤمن کو چاہئے کہ جب وہ قرآن کی پُر بشارت آیات کو پڑھے تو آگے بڑھنے سے پہلے ذرا اپنی موت کے وقت کا تصوّر اُن آیاتِ بشارت کی روشنی میں کرلے کہ نزع کا وقت انتہائی بے بسی کا وقت ہوتا ہے تو اُس موقع پر مژدۂ رحمت ایک طرف تو باعثِ رحمت و شادمانی ہوگا تو دوسری طرف اپنے خالق و مالک کو راضی کرنے کا داعیہ بھی ہوگا۔

''عالمِ برزخ: بَــرزَخ کا لفظ قرآن مجید میں تین دفعہ استعمال ہوا ہے (سورۃ المؤمنون:۱۰۰ ؛ سورۃ الفرقان:۵۳ ؛ سورۃ الرحمٰن:۲۰) اور ہر جگہ اس سے دو چیزوں کے درمیان کا پردہ اور رکاوٹ مراد ہے۔ دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی کے درمیان کے وقفے کو برزخ سے تعبیر کیا جاتا ہے' کیونکہ مرنے کے بعد انسان کا تعلق دنیا کی زندگی سے ختم ہو جاتا ہے اور آخرت کی زندگی کا آغاز اُس وقت ہوگا جب تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ یہ درمیان کی زندگی جو قبر میں یا پرندے کے پیٹ میں یا جلا ڈالنے کی صورت میں مٹی کے ذرات میں گزرتی ہے' برزخی زندگی ہے۔ انسان کا یہ وجود جہاں بھی اور جس مثال میں بھی ہوگا' بظاہر وہ مٹی میں مل کر مٹی ہو چکا ہوگا یا راکھ بن کر اُڑا دیا' یا دریاؤں میں بہا دیا ہوگا یا کسی جانور کی خوراک بن گیا ہوگا' مگر اللہ تعالیٰ سب کو ایک نیا وجود عطا فرما کر میدانِ محشر میں جمع فرمائے گا۔'' (تفسیر ''احسن البیان'' ص ۴۶۵ بحوالہ ''تذکرۂ موت''۔ سید محمد اکرم گیلانی' ص ۳۹۳)

''عالمِ برزخ اور عالمِ خواب: اہلِ علم نے عالمِ برزخ یعنی قبر کے معاملات کو سمجھانے کے لئے انسانی خواب کو بطورِ مثال پیش کیا ہے جس سے عالمِ برزخ کے سمجھنے میں کچھ آسانی ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ انسان جب سوتا ہے تو اُس کے اِدراک و احساس کے آلات اپنی مادّی دنیا سے عارضی طور پر بے خبر ہو جاتے ہیں مگر اُس کے اِدراک و احساس اور ذہنی دنیا اُس کے سامنے بالکل اسی مادّی دنیا کی طرح متشکل ہو جاتی ہے۔ اس میں وہ خود اپنے جسم سے الگ ہو کر ہوبہو ہی جسم دیکھتا ہے جو آتا جاتا' چلتا پھرتا اور دیکھتا سب کچھ ہے اور اس کے سامنے کھانے' پینے اور لطف انگیزی کے سب سامان ہوتے ہیں۔ نیز اس میں درد و رنج اور تکلیف کی تمام وہ صورتیں ہوتی ہیں جو مادّی دنیا میں ہیں۔ اُس کے خیالی جسم کو اگر اس عالم (خواب) میں تکلیف ہوتی ہے تو وہ خود چیخ اُٹھتا ہے اور اگر اس میں لذّت ملتی ہے تو وہ لطف اندوز ہوتا ہے اور ان دونوں کے اثرات اُسے اپنے مادّی جسم میں جاگنے کے بعد بھی نظر آتے ہیں۔ عالمِ خواب کی لذت و تکلیف بیداری کے بعد ختم ہو جاتی ہے اور مادّی دنیا کی تکلیف و لذّت' احساس و اِدراک کے وجود تک قائم رہتی ہے اور جس طرح مادّی بیداری والی لذت و تکلیف خواب میں ختم ہو جاتی ہے' اسی طرح خواب والی لذت و تکلیف بیداری میں رخصت ہو جاتی ہے۔ احادیث میں ہے کہ قبر میں سوال و جواب کے بعد نیکوکاروں سے کہا جاتا ہے: نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْس (ترمذی: کتاب الجنائز) یعنی

دُلہن کی نیند سو جاؤ۔ جس کو وہی جگاتا ہے جو اُسے زیادہ محبوب ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اُسے خواب سے اُٹھائے گا۔ ان شواہد سے ظاہر ہے کہ برزخ کی زندگی جس میں روح جسم سے الگ ہوتی ہے' روح کی ایک طویل و عمیق نیند کے مشابہ ہے۔'' (''سیرۃ النبی'' ج ۴' ص ۶۴۲)

حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نیند کی عالمِ برزخ کی کے ساتھ مماثلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَهٰذَا الْمُبْتَلٰى فِي الرُّؤْيَا غَيرُ أَنَّهَا رُؤْيَاً لاَ يَقْظَةَ مِنْهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (حجة الله البالغة' ج ۱' ص ۳۴)
''پس یہ عذابِ قبر میں مبتلا خواب میں ہی ہے لیکن یہ ایسا خواب ہے جس سے قیامت تک بیدار نہیں ہوگا۔''

''مذکورہ بالا حوالہ جات سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ عالمِ قبر اور عالمِ برزخ ایک ہی عالم کے دو نام ہیں۔ عالمِ قبر یا عالمِ برزخ کو سمجھنے کے لئے عالم رُؤیا (یعنی عالمِ خواب) کو مدِّنظر رکھنا چاہئے۔ عالمِ برزخ اور عالمِ خواب کے درمیان بہت سی مماثلت و مشابہت پائی جاتی ہے۔'' (''تذکرۂ موت'' ۔ سید محمد اکرم گیلانی' ص ص ۳۹۲ تا ۳۹۵)

<u>صالحین اور اطاعت گزاروں کا عالمِ برزخ</u> : مندرجہ ذیل آیات سے مطیع اور فرماں بردار لوگوں کی قبر کی زندگی پر روشنی پڑتی ہے:

(۱) يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ○ (ابرٰھیم : ۲۷)
''اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو دُنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی پختہ بات کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے اور ظالموں کو وہ بھٹکا دیتا ہے اور اللہ جو چاہے کرتا ہے۔'' (۱۴ : ۲۷)

اَلْقَوْلِ الثَّابِت سے مراد کلمہ توحید و ایمان ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ اخلاص و یقین سے کلمہ شہادت پڑھتے ہیں' اُس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اُنہیں ہر مقام پر ثبات و استقامت بخشتا ہے۔ دنیا میں اُنہیں دولتِ ایمان سے محروم کرنے کے لئے ہزاروں فتنے برپا کئے جاتے ہیں اور بڑی بڑی آزمائشوں سے اُنہیں گزرنا پڑتا ہے لیکن رب تعالیٰ کی توفیق و نصرت سے اُن کے پائے استقلال میں ذرّہ بھر لغزش نہیں آتی۔ اسی طرح قبر و حشر میں جو مشکل مرحلے آئیں گے' توفیقِ الٰہی اُس وقت بھی اُن کی دستگیری کرے گی اور وہ ہر میدان میں کامیاب و کامران ہوں گے۔ سوالِ قبر کے بارے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کا حوالہ صفحہ ۸۴۶ پر دیا جا چکا ہے۔ سوال اور اُن کے صحیح جوابات کا مرحلہ طے ہونے کے بعد باذنِ الٰہی اُس کی قبر ستر ہاتھ کشادہ کر دی جاتی ہے اور اُسے تا قیامت سرسبز کر دیا جاتا ہے۔

(۲) قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ○ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ○

''(اُسے) کہا گیا جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ وہ کہنے لگا: کاش میری قوم کو یہ معلوم ہو جاتا کہ میرے پالنہار نے مجھے بخش دیا اور مجھے معززین میں شامل کر دیا۔'' (۲۶،۲۷ : ۳۶)

حبیب نجار نامی ایک مردِ مؤمن نے رسولوں کی تائید کرتے ہوئے اپنی قوم کو توحید کا سبق دیا تو قوم کے لوگوں نے اُسے شہید کر دیا۔ مرتبہ شہادت ملنے پر اُسے جنت کی بشارت مل رہی ہے اور وہ اپنی خداداد عزت افزائی کو ان الفاظ میں بیان کر رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ عالمِ برزخ میں اللہ کا نام بلند کرنے والوں اور شہیدوں کو اعلیٰ مقام ملتا ہے۔

(۳) اَلَّذِيۡنَ تَتَوَفّٰهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمُ ادۡخُلُوا الۡجَنَّةَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ٥ (اَلنَّحل : ۳۲)

''جن لوگوں کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں، اِس حال میں کہ وہ پاک ہوتے ہیں (فرشتے) کہتے جاتے ہیں تم پر سلام ہو، اپنے اعمال کے سبب سے تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔'' (۱۶:۳۲)

(۴) اِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّةِ الَّتِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ٥ نَحۡنُ اَوۡلِيٰٓؤُكُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَفِى الۡاٰخِرَةِ وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَشۡتَهِىۡۤ اَنۡفُسُكُمۡ وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَدَّعُوۡنَ ٥ نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِيۡمٍ (حٰمٓ السَّجدة : ۳۱،۳۲)

''بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ (اُس پر) قائم رہے اُن پر فرشتے اتریں گے کہ تم اندیشہ نہ کرو اور نہ رنج کرو اور جنت (کے ملنے) پر خوش ہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے۔ ہم دنیاوی زندگی میں بھی تمہارے رفیق تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے اور تمہارے لئے اس (جنت) میں وہ سب کچھ موجود ہے جسے تمہارا جی چاہے گا اور تمہارے لئے موجود ہے جو کچھ تم مانگو۔ (یہ) خدائے غفور و رحیم کی طرف سے بطورِ مہمانی کے ہے۔'' (۴۱:۳۲،۳۱)

معلوم ہوا کہ جو لوگ توحید و اخلاص پر قائم رہتے ہوئے فوت ہوتے ہیں، اُنہیں یہ خوشخبری بوقتِ موت ملتی ہے یا عالمِ قبر میں یا قبروں سے دوبارہ اٹھائے جانے کے وقت یہ خوشخبری ملتی ہے۔ قیامت سے پہلے کسی وقت بھی اُنہیں یہ خوشخبری ملے، یہ عالمِ برزخ ہی میں متصوّر ہوگی۔

(۵) يٰۤاَيَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ٥ ارۡجِعِىۡۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرۡضِيَّةً ٥ فَادۡخُلِىۡ فِىۡ عِبٰدِىۡ ٥ وَادۡخُلِىۡ جَنَّتِىۡ ٥ (اَلۡفجر : ۲۷ تا ۳۰)

''اے اطمینان والی روح! تو اپنے پروردگار کے جوارِ رحمت کی طرف خوش ہوتی ہوئی اور خوش کرتی

ہوئی چل' پس تو میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔''
(۸۹ : ۳۰-۲۷)

مرتبہ عبدیت کی افضلیت لفظ عِبَادِیْ سے ظاہر ہے۔ عارفین محققین نے کہا ہے کہ مرتبہ عبودیت مراتبِ عالی کا آخر ترین اور اعلیٰ ترین مقام ہے۔ قرآن مجید کی جو آیات ہر عاصی اور مایوس کے لئے آخری سہارا اور تنِ مُردہ کے لئے حیات بخش ہیں' اُن میں سورۃ الفجر کی یہ چار مختصر آیتیں بھی ہیں۔

''ایک شبہ کا ازالہ : مذکورہ بالا آیات میں بیان ہوا کہ مؤمن کی روح کو کہا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد ہی جنت میں داخل ہو جا جبکہ جنت و جہنم تو قیامت قائم ہونے کے بعد ملے گی تو پھر اِن آیاتِ مبارکہ میں جنت میں داخلے سے کیا مراد ہے؟

''اِس شبہ کا حل یہ ہے کہ قبرِ مؤمن کو بھی مجازی طور پر انعام و اکرام کی وجہ سے جنت کہہ دیا گیا ہے کیونکہ مؤمن کو قبر میں جنت کا سا سکون ملتا ہے جیسا کہ حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ مؤمن کی قبر کا جنت سے رابطہ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَافْتَحُوْا لَہ' بَابًا اِلَی الْجَنَّۃِ فَیُفْتَحُ قَالَ فَیَاْتِیْہِ مِنْ رَّوْحِھَا وَطِیْبِھَا (مشکوۃ)

''میرے بندے کے لئے جنت کی طرف دروازہ کھول دو تو دروازہ کھول دیا جاتا ہے تو اُس کے پاس جنت کی ہوا اور خوشبو آتی ہے۔''

نیز ایک اور حدیثِ مبارکہ کے الفاظ ہیں : اَلْقَبْرُ رَوْضَۃ'' مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّۃِ اَوْحُفْرَۃ'' مِّنْ حُفَرِ النَّارِ
یعنی ''قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔''

چونکہ مؤمن کی قبر کا تعلق عالمِ برزخ میں ہی جنت سے ہو جاتا ہے اِس لئے اُسے جنت ہی کہہ دیا گیا ہے جیسا کہ جس شخص کو دنیاوی زندگی میں ہر قسم کا آرام و سکون میسر ہو' تو اُس کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ تو جنت میں ہی ہے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ اُسے سکون اور راحت میسر ہے ورنہ جنت تو قیامت قائم ہونے کے بعد ہی ملے گی۔ یہی حال قبر کے عذاب والوں کا سمجھ لیں۔'' (''تذکرۂ موت''۔۔ سید محمد اکرم گیلانی' ص ص ۳۹۶ تا ۴۰۱)

موت کی بابت چند لطیف نکات: قرآن کریم نے اعلان کیا:

کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ (آلِ عمران:۱۸۵؛ الانبیاء:۳۵ ؛ العنکبوت:۵۷)

''ہر جان کو موت چکھنی ہے۔'' (۳:۱۸۵ ؛ ۲۱:۳۵ ؛ ۲۹:۵۷)

(۱) قرآن کے لفظ ذَائِقَۃ سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ موت کوئی مستقل چیز نہیں ہے بلکہ یہ وقتی اور عارضی چیز ہے کیونکہ کسی چیز کا چکھنا تھوڑے وقت کے لئے ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ موت ایک نئی زندگی کا آغاز اور دائمی اور ابدی زندگی کی دہلیز ہے۔

(۲) نَفس سے یہاں مراد وہ اَجسام ہیں جن میں روح پھونک کر اُنہیں زندگی بخشی گئی ہو۔ حور و غلمان کی زندگی ایسی نہیں' لہٰذا وہ نَفس سے خارج ہیں' اُنہیں موت نہیں۔ اسی نکتہ کے مدِّ نظر تفسیر کبیر اور روح المعانی وغیرہ نے فرمایا کہ کُلُّ نفس سے بعض چیزیں مستثنٰی ہیں۔

(۳) موت چکھنا اور چیز ہے اور مردہ رہنا اور چیز ہے۔ شہداء موت چکھتے تو ہیں مگر مُردہ رہتے نہیں۔ اُن کی موت آنی ہے پھر اُنہیں حیاتِ جاودانی ہے۔

(۴) ایک سوال یہاں بجا طور پر یہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر روح' جنت و دوزخ' حور و غلمان کو موت یا فنا نہیں تو وہ سب اِلٰہ ہو گئے کہ باقی رہنا اللہ کی صفت ہے۔ آریہ صرف روح و مادّہ کو قدیم ماننے کی وجہ سے مشرک ہو گئے تو کیا جنت و جہنم وغیرہ کو غیر فانی ماننے سے شرک لازم نہیں آتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ازلی ہونا (ہمیشہ سے ہونا) صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور ابدی ہونا (ہمیشہ تک رہنا) اللہ تعالیٰ کے ارادے سے اس کے خاص الخاص بندوں کو بھی حاصل ہے۔ پروردگارِ عالم نے اُنہیں (بروئے فرمان خَالِدِیْنَ فِیْهَا أَبَدًا) ہمیشہ رکھا' وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کسی کو ازلی ماننا شرک ہے مگر حکمِ الٰہی سے کسی کو ازلی ماننا بالکل درست ہے۔ بالکل اسی طرح کہ آبِ زمزم کو متبرک ماننا درست ہے کیونکہ اس کے پیچھے مشیتِ الٰہی Divine Sanction ہے جبکہ گنگا اور جمنا کے پانی کو متبرک سمجھنا صریحاً ناجائز ہے کہ اس کے پس پردہ مشیتِ الٰہی کارفرما نہیں۔ رب تعالیٰ باقی بھی ہے اور قیّوم بھی۔ یعنی خود قائم رہنے والا اور بعض کو قائم رکھنے والا۔ جو کچھ ابدًا رہے گا وہ رب تعالیٰ کی قیومیت سے رہے گا۔

(۵) موت اور ہلاکت میں فرق یہ ہے کہ موت تو حیات کا مقابل ہے۔ حیات کا معنی ہے روح کا جسم میں رہنا اور موت کے معنی ہیں روح کا جسم سے نکل جانا۔ موت صرف اُس مخلوق کو ہے جو حیات والی ہو۔ لکڑی' اینٹ' پتھر وغیرہ کو موت نہیں کہ اُن میں حیات نہیں۔ فنا ہستی کا قائم نہ رہنا ہے۔ ہر زمینی چیز فانی ہے۔ اینٹ' پتھر' شجر و حجر اور تمام موجودات فانی ہیں۔ ہلاکت کا معنی ہے قابلِ نیستی یعنی مٹ سکنا جس کا منطقی ترجمہ امکانِ خاص ہے۔ یہ موت و فنا سے عام تر ہے۔ جنت اور وہاں کی مخلوق کو موت نہیں ہاں هَالِكٌ (قابلِ فنا) وہ بھی ہیں۔ اسی لئے موت کے لئے نَفس' فنا کے لئے مَنْ عَلَيْهَا (الرَّحْمٰن: ۲۶) اور ہلاکت کے لئے کُلُّ شَیْءٍ (اَلْقَصَص: ۸۸) ارشاد ہوئے۔

<u>عذابِ برزخ (قبر) کی وجہ</u>: قرآن مجید نے اس عذاب کی وجہ یہ بیان فرمائی:

فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَا أَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۝ (مُحمّد: ۲۷'۲۸)

''سو اُن کا کیا حال ہو گا جب فرشتے اُن کی جان قبض کر رہے ہوں گے اور اُن کے چہروں پر اور اُن کی پشتوں پر مارتے جاتے ہوں گے۔ یہ (سب) اس سبب سے ہو گا کہ وہ اُس راہ پر چلے جو طریقہ اللہ کی ناخوشی کا تھا اور اُس کی رضا سے بیزار رہے' سو اللہ نے اُن کے اعمال اکارت کر دئے۔'' (۴۷:۲۸'۲۷)

موت کو کثرت سے یاد کیا کرو: موت ایک اٹل حقیقت ہے جس سے کسی کو انکار کی مجال نہیں ۔اس دنیا میں ہر آنے والا یہاں سے جانے کے لئے آیا ہے اور اُس کا یہاں قیام سرائے میں مہمان کی طرح ہے۔اپنے اعمال کی جواب دہی سے پیشتر اس کی تیاری صحیح عقیدہ اور نیک اعمال کے زادِراہ کے ساتھ ضروری ہے۔پیغمبر ﷺ نے موت کو کثرت سے یاد کرنے کی تلقین کی ہے تاکہ انسان گناہوں سے بچ جائے۔موت کا ذکر دلوں کو نرم کرتا ہے اور انسان کی خود فریبی' خودسری اور اَنانیت اور کو ختم کرتا ہے۔اِس ضمن چند احادیث مبارکہ ہدیہ قارئین کی جاتی ہیں:

(۱) عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أَکْثِرُوْ ذِکْرَهَا ذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ
"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ مکرّم ﷺ نے فرمایا کہ لذّتوں کو توڑ دینے والی (موت) کا کثرت سے ذکر کیا کرو۔" (ترمذی)

(۲) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَال ذَاتَ یَوْمٍ لِأَصْحَابِهٖ: اِسْتَحْیُوْا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَیَاءِ قَالُوْا: اِنَّا نَسْتَحْیِ مِنَ اللّٰهِ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ قَالَ: لَیْسَ ذٰلِكَ وَلٰکِنْ مَنِ اسْتَحْیٰی مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی حَقَّ الْحَیَاءِ فَلْیَحْفَظِ الرَّأْسَ وَ مَا وَعٰی وَلْیَحْفَظِ الْبَطْنَ وَمَا حَوٰی وَلْیَذْکُرِ الْمَوْتَ وَالْبَلٰی وَ مَنْ أَرَادَالْاٰخِرَةَ تَرَكَ زِیْنَةَ الدُّنْیَا فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدِ اسْتَحْیٰی مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَیَاءِ (ترمذی' احمد)
"حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ایسے شرم وحیا کرو جیسے شرم کرنے کا حق ہے۔صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! بحمدِ تعالیٰ ہم اللہ سے شرم کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا: یوں نہیں۔جو شخص اللہ تعالیٰ سے پوری طرح شرم کرے تو وہ اپنے سر اور اس کی جمع شدہ چیزوں کی حفاظت کرے' پیٹ اور اس کی متعلقہ چیزوں کی نگرانی کرے اور موت اور (اپنے) بوسیدہ ہونے کو یاد رکھے اور جو آخرت کو چاہتا ہے وہ دنیا کی زینت کو چھوڑ دے' تو جس نے ایسا کیا اُس نے اللہ سے پوری شرم کی۔"

(۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ أَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ النُّوْرَ اِذَا دَخَلَ الصَّدْرَ اِنْفَسَحَ فَقِیْلَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! هَلْ لِتِلْكَ مِنْ عِلْمٍ یُعْرَفُ بِهٖ قَالَ: نَعَمْ اَلتَّجَافِیْ مِنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَةُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَ الْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ (مشکوة)
"حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "اللہ جس کے لئے ہدایت چاہتا ہے' اُس کا دل اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔" (سورۃ الانعام:۱۲۵)۔پھر آپ نے فرمایا: جب سینے میں نور داخل ہو جائے تو سینہ کھل جاتا ہے۔عرض کیا گیا: کیا کوئی علامت ہے جس سے اس کا علم ہو سکے؟ فرمایا: ہاں' فریب کے گھر (دنیا) سے بھاگنا' ہمیشہ رہنے والے گھر (جنت) کی طرف جھکنا' اور موت آنے سے پہلے اس کے لئے تیاری کر لینا (اُس کی علامات ہیں)۔"

''رہا یہ سوال کہ رُوح کا وجود ہمیں محسوس کیوں نہیں ہوتا؟ تو اس بات سے یہ لازم نہیں آتا کہ روح کا وجود ہی نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہم اُسے اُس کی لطافت کی وجہ سے محسوس نہ کرتے ہوں' یا اُس کے بہت باریک اور چھوٹے ہونے کی وجہ سے ہم اُس کا ادراک نہ کر سکتے ہوں جیسا کہ وہ حیوانات جو بذریعہ خورد بین (مائیکروسکوپ) نظر آتے ہیں۔رُوح کے بارے میں جتنے اقوال ہیں' اُن سب میں زیادہ صحیح امام الحرمین کا یہ قول ہے کہ روح ایک لطیف' شفاف بالذات زندہ جسم ہے جو اجسامِ کثیفہ میں اُسی طرح رگ و پے میں سرایت کئے رہتا ہے جیسا کہ سبز شاخ میں پانی۔بعض علماء کا کہنا ہے کہ بدن میں اُس کی جائے قرار معلوم نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اُس کا مقر (ٹھکانہ) پیٹ ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ دل (قلب) کے قریب ہے۔بعض کہتے ہیں کہ دل ہی اُس کا ٹھکانہ ہے۔ پھر اُنہوں نے نفسِ حقیقتِ انسان میں اختلاف کیا ہے۔''

''جمہور متکلمین (جن میں فخرالدین رازی بھی شامل ہیں) کا کہنا ہے کہ انسان بدن ہی ہے لیکن اُس بدن میں روح بھی ہوتی ہے جو اُس کے ساتھ متعلق ہوتی ہے اور روح کے متعلق ہونے سے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے باعث بدن کو حیات حاصل ہوتی ہے۔بعض کہتے ہیں کہ انسان رُوح اور بدن کے مجموعے کا نام ہے اور بعض اس بات کے قائل ہیں (اور اُن کی تعداد بہت کم ہے) کہ انسان فقط روح ہی ہے اور بدن صرف اُس کا قالب ہے۔ لیکن اِن تمام اختلافات کے باوجود سب اس بات پر بہ یک زبان متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے مرنے اور اُن کے جسموں کے فنا اور منتشر ہو جانے کے بعد اُن کے جسموں کو دوبارہ بنا کر اُنہیں ضرور زندہ فرمائے گا اور اُن کی ارواح کا اُن کے جسموں کے ساتھ تعلق پیدا کر دے گا اور اُن سے اُن کے اعمال کا محاسبہ کرے گا اور اسی محاسبے کے نتیجے میں اُن کے حق میں جنت یا جہنم کا فیصلہ ہوگا۔'' (''سائنس اور اسلام'' (اردو ترجمہ) ۔علامہ حسین آفندی' ص ص ۴۲۱-۴۱۹)

(۸) <u>طلاق کا جواز</u>: ''طلاق کا جائز ہونا عقل کے موافق ہے اور اس کے جواز سے انکار نظامِ الٰہی اور ترتیبِ طبعی کے خلاف ہے۔حکمتِ الٰہی اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ نوعِ انسان میں توالد و تناسل جاری رہے اور اُس کی کثرت ہوتی رہے۔مرد میں سنِ بلوغ سے لے کر مرتے دم تک تولید کی استعداد اور قابلیت رہتی ہے اور عورت میں سنِ بلوغ سے لے کر اُس وقت تک تولید کی قابلیت ہوتی ہے جب تک وہ ایامِ ماہواری سے ناامید نہیں ہو جاتی (جسے اصطلاح میں سنِ ایاس کہا جاتا ہے)۔اس مدت کی کل مقدار پینتیس (۳۵) سال ہوتی ہے۔ پس جب خاوند اور زوجہ میں باہم ملاپ ہوا اور اُن دونوں میں توالد و تناسل نہ پایا جائے تو اس صورت میں اس کی وجہ خاوند کی جانب سے ہوگی۔اب اگر طلاق ممنوع ہو تو اُن دونوں کی ساری عمر اولاد ہونے کے بغیر گزر جائے گی اور اگر اُن دونوں میں سے کسی ایک میں تولید کی استعداد موجود ہوگی تو اُسے نسل سے ناحق محروم رہنا پڑے گا اور کبھی کبھی اس محرومی کی مدت پچاسی (۸۵) برس تک متصوّر رہو سکتی ہے لیکن جب طلاق کو جائز مانا جائے گا تو وہ کچھ دیر صبر کرنے کے بعد اُس عورت

(۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا أَنَّہُ قَالَ: کُنْتُ جَالِسًا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَجَاءَ رَجُلٌ" مِّنَ الْأَنْصَارِ فَسَلَّمَ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! أَیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ أَفْضَلُ؟ قَالَ: أَحْسَنُہُمْ خُلُقًا قَالَ: فَأَیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ أَکْیَسُ؟ قَالَ: أَکْثَرُہُمْ لِلْمَوْتِ ذِکْرًا وَأَحْسَنُہُمْ لِمَا بَعْدَہٗ اِسْتِعْدَادًا أُولٰٓئِکَ الْأَکْیَاسُ (ابن ماجه)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک انصاری آیا۔ اُس نے نبی اکرم ﷺ کو سلام کہا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! کون سا مؤمن افضل ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: حُسنِ اَخلاق والا۔ اُس نے پوچھا: کون سا مؤمن زیادہ عقلمند ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جو موت کو یاد رکھنے والے اور اس کے بعد جو ہوگا' اس کے لئے خوب تیاری کرنے والے ہیں۔ یہی لوگ عقلمند اور دانا ہیں۔"

چند بزرگوں کے واقعات کا ذکر جنہوں نے موت کو ہمیشہ یاد رکھا

(۱) قَالَ التَّیْمِیُّ: شَیْئَانِ قَطَعَا عَنِّیْ لَذَّۃَ الدُّنْیَا: ذِکْرُ الْمَوْتِ وَذِکْرُ الْوُقُوْفِ بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ تَعَالٰی

"امام تیمی فرماتے ہیں کہ دو چیزوں نے میری دنیاوی لذتوں کو توڑ دیا ہے: ایک موت نے اور دوسرا اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونے سے۔"

(۲) کَانَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِیْزِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَجْمَعُ الْعُلَمَاءَ فَیَتَذَاکَرُوْنَ الْمَوْتَ وَالْقِیٰمَۃَ وَ الْاٰخِرَۃَ فَیَبْکُوْنَ حَتّٰی کَأَنَّ بَیْنَ أَیْدِیْہِمْ جَنَازَۃً"

"حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ علماء کرام کو بلاتے۔ وہ موت' قیامت اور آخرت کا تذکرہ فرماتے تو تمام اہلِ مجلس روتے' ایسے معلوم ہوتا کہ اُن کے سامنے جنازہ پڑا ہوا ہے۔"

(۳) کَانَ الثَّوْرِیُّ إِذَا ذُکِرَ الْمَوْتُ لَا یُنْتَفَعُ بِہٖ أَیَّامًا فَإِنْ سُئِلَ عَنْ شَیْءٍ قَالَ: لَا أَدْرِیْ لَا أَدْرِیْ

"امام سُفیان ثَوری کے ہاں جب موت کا ذکر ہوتا تو وہ کئی دن پریشان رہتے اور اگر کوئی اُن سے سوال کرتا تو فرماتے مجھے علم نہیں ہے۔"

چند قابلِ عبرت واقعات کے ذکر کے بعد امام قرطبی تحریر فرماتے ہیں:

"موت کا کوئی سال' کوئی زمانہ اور کوئی بیماری معلوم نہیں کہ کون سے مرض میں اور کب آ جائے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ انسان موت کے لئے ہر ممکن طریقہ سے ہر وقت تیار رہے۔"

اور آخر میں تنبیہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اے نیند میں مست لوگو! سوئے ہوئے کی بیداری کا وقت آ پہنچا ہے۔ غفلت میں پڑے ہوؤں کو چاہئے کہ موت کے کڑوے پیالہ کو پینے سے پہلے بیدار ہو جائیں' حرکات اور سانس کے ختم ہونے سے پہلے ہوشیار ہو جائیں۔ قبر کی طرف کوچ کرنے سے پہلے اور قبر میں دفن ہونے سے پہلے تیاری کر لیں۔" (''تذکرہ موت'' ص ص ۳۶۳۔۳۶۹)

(۳۰) منطقی مناظرہ (DIALECTICS)

"علمِ منطق کی رُو سے (Dialectics) وہ فن ہے جس کے ذریعے کسی نظریے کی صداقت کو پرکھا جاتا ہے اور اس میں مباحثہ کے ذریعے حقیقت تک پہنچنے کا عمل ہوتا ہے۔" (Grolier Academic Encyclopedia, Vol. VI, p. 150)

"مباحثہ اور مناظرہ کا فن، کسی رائے کی صداقت کا تنقیدی جائزہ اور بحث مباحثہ کے ذریعے حقیقت و صداقت کی تلاش کا نام (Dialectics) ہے۔ قدیم انگریزی زبان میں یہ لفظ Logic (منطق) کے ہم معنی تھا جس کا اطلاق رسمی بلیغانہ استدلال، منطقی استدلال یا ردّ وکد (نزاع اور اختلافِ رائے) پر ہوتا تھا۔" (The Oxford English Dictionary, Vol. III, p. 310)

"لفظ (Dialectic) جو کسی چیز کے حق یا مخالفت میں دلیل دینے کے لئے آتا ہے جیسا کہ بحث مباحثہ میں ہوتا ہے، کو سقراط نے اپنے مخالفین کو خاموش کرنے کے لئے استعمال کیا۔ ہم اسے "منفی منطقی مناظرہ" کہہ سکتے ہیں ہیگل پہلا شخص تھا جس نے منطقی مناظرہ کے طریقے کو اس کے صحیح فلسفیانہ مفہوم میں استعمال کیا۔ اُس کا کہنا تھا کہ اختلافِ رائے اور بحث مباحثہ میں فریقِ مخالف پر غالب آنے کی کوشش نہ صرف انسانی فکر میں موجود ہے بلکہ وہ ہر حقیقت میں پائی جاتی ہے۔ ہر "زیرِ بحث قضیہ" (Thesis) کی ضد اور نقیض ہوتی ہے جسے ہم "اختلافِ افکار" کا نام دے سکتے ہیں اور اُن کے درمیان تصادم "ترکیب و تالیف" (Synthesis) پر انجام پذیر ہوتا ہے۔"
("A-One Comprehensive General Knowledge" .. Mirza Muhammad Yusuf, p. 729) 1988 LHR.

ابلاغ (Communication) اور تبلیغ (Preaching) کے درمیان فرق: ابلاغ اور تبلیغ دونوں میں مشترک عامل، معلومات، پیغامات اور حکمنامے کو دوسروں تک پہنچانا ہوتا ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ ابلاغ محدود معنوں میں جبکہ تبلیغ وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ سامع (سننے والا) نے پہنچائے گئے پیغام کو سمجھ لیا ہے یا یہ کہ وہ اُس کی سمجھ سے ماوراء ہے۔ پہنچانے والے کا کام صرف پہنچا دینا ہے۔ جبکہ تبلیغ میں مبلّغ کے لئے ضروری ہے کہ سامع اُس پیغام کو سمجھ بھی لے جو اُسے پہنچایا گیا ہے۔ اس اُصول کی رُو سے تمام پیغمبران خدا کو اللہ کی طرف سے حکم ہوا تھا کہ وہ اپنے مشن کی تبلیغ کریں (نہ کہ ابلاغ کریں) اگرچہ "تبلیغ" کی اصطلاح ابلاغ کو بھی شامل ہے۔ سورۃ المائدہ میں قرآن مجید نبی اکرم ﷺ کو خطاب فرماتے ہوئے اس طرح حکم دیتا ہے:

يَآأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ أُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَه‘ (اَلمائدة: ٦٧)

''اے رسول! جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر اتارا گیا اُس کی تبلیغ کرتے رہئے' اور اگر آپ نے یہ نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام پہنچایا ہی نہیں۔'' (۵ : ۶۷)

ایسے مفروضات' محالات عادی ہی نہیں' محالاتِ عقلی بھی ہیں۔ پیغمبر کی شانِ ارفع سے یہ بات بہت ہی بعید اور محال بالذات ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے میں ذرّہ بھر بھی کوتاہی کرے۔

اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ کیا حضور ﷺ تبلیغ میں کوتاہی کرتے تھے کہ بَلِّغْ کے لفظ میں اُنہیں تبلیغ کا حکم دیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس قسم کے خطاب حضور علیہ السلام کی تائید کے لئے ہوتے ہیں یعنی معنی یہ ہوگا کہ ''یوں ہی تبلیغ جاری رکھئے۔'' جیسا کہ سورۃ التَّحریم کی اوّل آیت (۶۶:۱) میں فرمایا: یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ یعنی ''اللہ سے اسی طرح ڈرتے رہئے''۔ (اور یہ ترجمہ صحیح نہیں ہوگا کہ اے نبی! اللہ سے ڈریئے۔ حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا نہ کوئی ہوا اور نہ ہوگا)۔ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ (اگر آپ نے یہ نہ کیا) کے الفاظ میں بھی حضور والا کی شانِ ارفع کو اجاگر کرنا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنی بعثت اور نزولِ قرآن سے پہلے بھی عملی مبلّغ تھے اگر چہ قولی تبلیغ اعلانِ نبوّت کے بعد شروع کی لیکن آپ کی عملی تبلیغ ولادت ہوتے ہی شروع ہوگئی تھی: وہ اس طرح کہ (۱) کیا بی بی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا بایاں پستان نہ چوسنے اور اُسے اپنے رضاعی بھائی کے لئے چھوڑ دینے میں آپ کی طرف سے عدل کی تبلیغ نہ تھی؟ (۲) نماز کا حکم ملنے سے پہلے آپ نے جو نمازیں خود پڑھیں' کیا یہ تبلیغ نہیں تھی؟ اور کیا (۳) حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ سے زائد صحابہ کے مجمع سے کیا آپ نے اپنی تبلیغ کی بابت گواہی نہیں لی اور سب کے گواہی دینے پر آپ نے تین بار آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر اُن کی گواہی پر کیا اللہ کو گواہ نہیں بنایا؟

اصل میں بات یہ ہے کہ زیرِ نظر آیت میں ناممکن کو ناممکن پر معلق کیا ہے۔ جس طرح سورۃ الحاقّۃ کی آیات ۴۴ تا ۴۷ میں فرمایا کہ ''اگر یہ رسول بعض باتیں خود گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دیتا تو ہم اُس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے' پھر ہم اُس کی رگِ دل کاٹ ڈالتے' پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔'' یہاں مقامِ نبوّت کی نازک اور گراں ذمہ داریوں کو اُجاگر کیا جا رہا ہے اور سوال کیا جا رہا ہے کہ اے میرے رسول کے دشمنو! ذرا یہ تو بتاؤ کہ اگر میرے اس رسولِ مکرّم نے اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر میری طرف منسوب کی ہوتی تو کیا میرا جوشِ غضب اُسے معاف کرتا؟ ہرگز نہیں' میں تو اُس کی رگِ جاں کاٹ کر اُسے ہلاک کر کے رکھ دیتا۔ جب میں نے رگِ جاں کاٹی نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر وحی میں نہیں ملاتا' پس سمجھ لو کہ وہ میرا سچا رسول ہے اور میری جو وحی اُس پر نازل ہوتی ہے' اُسے من وعن بلا کسی کمی بیشی کے تم تک پہنچا دیتا ہے۔ چنانچہ یہ بظاہر سخت بیان دراصل شانِ نبوّت کی رفعت اور عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کی عطر بیز خوشبو میں رسا بسا ہوا ہے۔

اِسی آیت کی روشنی میں سورۃ المَـائِدۃ کی مذکورہ آیت ۶۷ کو سمجھا جا سکتا ہے کہ چونکہ آپ نے احکام الٰہی میں سے کوئی بات نہ چھپا کر تبلیغ کا فریضہ نبوّت ادا کر دیا ہے اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں کہ آپ نے اللہ کا پیغام اُس کے بندوں تک نہیں پہنچایا۔ یہ کہنا تو تب صحیح ہوتا جب آپ سے فریضہ نبوّت کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی ہوئی ہوتی۔

راہ سے ہٹے ہوئے بیچارے انسان کو صداقت اور صحیح راہ کی طرف لانے کے لئے قرآن مجید نے منطق استدلال کے کچھ اصول وضوابط مبلّغین کے لئے وضع کئے ہیں جن کی وہ اپنے تبلیغی مشن کے دوران پابندی کریں۔ وہ اصول اِن آیات میں بیان ہوئے ہیں :۔

(۱) اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ o (اَلنَّحل : ۱۲۵)

"اپنے پروردگار کی راہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت سے بلایئے اور اُن کے ساتھ پسندیدہ طریقہ سے بحث کیجئے' بے شک آپ کا پروردگار (ہی) خوب جانتا ہے کہ کون اُس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہی ہدایت پائے ہوؤں کو (بھی) خوب جانتا ہے۔" (۱۲۵ : ۱۶)

(۲) وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَھْلَ الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْھُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ وَاِلٰھُنَا وَاِلٰھُکُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ o (العنکبوت: ۴۶)

"اور تم اہلِ کتاب سے مہذب طریقہ ہی سے مباحثہ کرو' سوائے اُن میں سے اُن لوگوں کے جو زیادتی کریں اور کہہ دو کہ ہم اُس (کتاب) پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی اور اُن (کتابوں) پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود تو ایک ہی ہے اور ہم نے اُسی کے آگے (اپنا) سر جھکایا ہوا ہے۔" (۴۶ : ۲۹)

اُن اصولوں کا خلاصہ جو اِن دو آیات میں بیان ہوئے' حسب ذیل ہے :

(۱) سورۃ النّحل کی آیت ۱۲۵ کے لفظ حِکْمَۃ سے معلوم ہوا کہ مبلّغ کے پاس ایسے پختہ دلائل ہونے ضروری ہیں جو حق کو روزِ روشن کی طرح عیاں کر دیں اور شک وشبہ کی تاریکیوں کو نورِ یقین سے بدل دینے کی قوت رکھتے ہوں۔

(۲) اُسی آیت ۱۲۵ کے لفظ اَلْمَوْعِظَۃ الْحَسَنَۃ سے معلوم ہوا کہ مبلّغ خیر وفلاح کی یاد دہانی ایسے اُسلوب سے کرائے کہ پتھر دل بھی موم ہو جائیں یعنی وہ فلسفیوں کی طرح خشک دلائل کے انبار ہی نہ لگاتا چلا جائے بلکہ اُس کا اندازِ خطاب ایسا ہونا چاہئے جس کے لفظ لفظ سے اخلاص ومحبت کے چشمے اُبل رہے ہوں۔

(۳) اگر بھٹکا ہوا راہی آمادہ پیکار ہو جائے اور بحث و مناظرہ تک نوبت جا پہنچے تو مبلغ کو عمدہ طریقہ سے مناظرہ کرنا چاہئے۔ وہ اپنی علمی برتری کے گھمنڈ میں تہذیب و لطافت اور شائستگی کا دامن نہ چھوڑے اور فریق مخالف کو ہر قیمت پر نیچا دکھانے کی کوشش نہ کرے کیونکہ اُس کے مدِّ نظر فقط حق کی سر بلندی ہونی چاہئے۔

(۴) اہلِ کتاب کو جب سمجھانے کا موقع ہو تو مبلغ کا اُسلوبِ تبلیغ بڑا شائستہ اور پسندیدہ ہونا چاہئے۔ دلیل کی قوت اور بُرہان کی پختگی تو ہو لیکن اس میں سخت کلامی اور بھدی ہرگز نہ پائی جائے۔ اپنے عقائد کی حقانیت اور اپنے دین کی صداقت کا روشن بیان تو ہو لیکن اُس میں ذاتی حملہ کا شائبہ تک نہ ہو۔

(۵) سورۃ العنکبوت کی آیت ۴۶ میں حُسنِ مجادلہ کا طریقہ بتایا گیا کہ تم اُنہیں پہلے ہی بیگانہ اور مدِّ مقابل حریف بنا کر خطاب نہ کرو بلکہ اُنہیں یوں کہو کہ تمہارے انبیائے کرام توحید کا جو دین لے کر آئے تھے ہمارے نبی مکرّم بھی وہی دین لے کر آئے ہیں' تمہارے انبیائے کرام نے بھی اُسی وحدہٗ لاشریک کی عبادت کا حکم دیا' ہمارے نبی مکرّم بھی یہی حکم دیتے ہیں۔ ہم صرف قرآن کریم کو ہی کلام الٰہی نہیں مانتے بلکہ تورات و انجیل کے متعلق بھی ہمارا یہی ایمان ہے۔ ہدایت کی جو شمع تمہارے انبیائے کرام نے روشن کی' ہم بھی اُسی کو روشن رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی ایسی بات نہیں جو وجہِ اختلاف اور باعثِ افتراق ہو۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ عمل اور عقیدے کی جو خرابیاں تمہارے ہاں رائج ہو چکی ہیں' اُن کی اصلاح کر لو' پھر ہم تم ایک ہی ملّتِ مسلمہ کے فرد بن جائیں گے۔

جب موسیٰ علیہ السلام کو اُن کے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ فرعونِ مصر کے دربار میں اُسے صراطِ مستقیم کی طرف بلانے کے لئے بھیجا گیا تو ان دونوں کو اس طرح نصیحت کی گئی :۔

فَقُوْلاَ لَہٗ قَوْلاً لَّیِّنًا لَّعَلَّہٗ یَتَذَکَّرُ اَوْ یَخْشٰی ○ (طٰہٰ : ۴۴)

"(تم دونوں) اُس سے نرم گفتگو کرنا' شاید کہ وہ نصیحت قبول کر لے یا ڈر ہی جائے۔" (۴۴ : ۲۰)

"فرعون جیسے جابر و قاہر شہنشاہ کے سامنے غریب الدیار آدمیوں کی طرف سے ایسا پیغام رکھنا بڑی جرأت و جسارت کا کام تھا اور وہ بھی اُس کے محل میں' اُس کے تختِ شاہی پر براجمان ہونے کے حال میں اور اُس کے درباریوں کی موجودگی میں۔"
("Moses : His Life and Times" ... Rawlinson, p. 89)

(۶) نفسیاتی بنیادوں پر قرآن مجید نے حق و صداقت کی تبلیغ کے ایک اور طریق کی طرف یوں رہنمائی کی ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ کَذٰلِکَ زَیَّنَّا لِکُلِّ اُمَّۃٍ عَمَلَہُمْ (الانعام : ۱۰۸)

"اور اُنہیں برا بھلا مت کہو جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے رہتے ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ براہِ جہل اللہ کو بُرا بھلا کہنے لگیں' اسی طرح ہم نے ہر طریق کے لوگوں کی نظر میں اُن کا عمل خوشنما بنا رکھا ہے۔"

انسان کے عقیدہ اور مذہب کا انحصار کئی باتوں پر ہوتا ہے مثلاً اُس کی ذاتی نفسیات' اُس کی زندگی کا پس منظر' اُس کے مخفی یا دبائے ہوئے احساسات' رُجحانات یا تاریخ (جسے نفسیاتی تجزیہ ہی سلجھا سکتا ہے)' اُس کا موروثی مزاج یا شدید نفرتیں اور اس کی تعلیم اور ماحول کے نازک تاثرات۔ عقیدہ اور مذہب کے معاملہ میں انسان جذباتی واقع ہوا ہے اور اس میں جبر و اکراہ کو قطعاً کوئی دخل نہیں ہوتا۔ مبلّغ اگر ان مذکورہ حقائق کو مدّ نظر نہ رکھے تو وہ اپنے نظریات کی تبلیغ و اشاعت کے جوش میں اکثر حدِّ اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے اور اُس کے ہاتھ سے معقولیت کا دامن چھوٹ جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس کے نظریات اور عقائد کے متعلق اُس کے سامعین کے دلوں میں نفرت اور تعصب پیدا ہو جاتا ہے اور بسا اوقات نوبت گالی گلوچ تک پہنچتی ہے۔ اِس آیت سے مبلّغینِ اسلام کی تربیت مقصود ہے تا کہ وہ اسلام کو پوری شائستگی اور متانت سے پہنچانے کے لئے تیار ہو جائیں۔ علمائے اصول نے اس آیت سے سدِّ ذرائع کا قاعدہ اخذ کیا ہے جس کا مختصراً مطلب یہ ہے کہ ہر مباح کام جب کسی معصیت کا سبب بن جائے تو اُسے ترک کر دیا جائے گا۔ (ضیاء القرآن۔۔جسٹس کرم شاہ الازہری' ج اوّل' صفحہ ۵۹۰)

''اعتراض یہاں یہ ہوتا ہے کہ کفارِ مکہ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے اور اس کی تعظیم کرتے تھے اور بتوں کی عبادت بھی اس لئے کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اُن کی شفاعت کریں گے' تو اُن سے یہ کس طرح متصوّر ہے کہ وہ اللہ کو برا کہتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب مسلمان بتوں کو برا کہیں گے تو کفار اس کے جواب میں کہیں رسول اللہ ﷺ کو برا نہ کہنے لگیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو برا کہنا' خود اللہ تعالیٰ کو برا کہنا قرار دیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائبِ مطلق ہیں اور رسول اللہ کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کرنا ہے۔ (ملاحظہ ہوں آیات سورۃ الفتح: ۱۰' سورۃ الاحزاب: ۵۷)۔ وہ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے۔ اُن کا اختلاف صرف رسول اللہ ﷺ سے تھا۔ اُن کے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا ممکن نہ تھا' وہ اپنے زعم میں رسول اللہ ﷺ کو دھوکا دیتے تھے لیکن اللہ نے ظاہر فرما دیا کہ رسول اللہ کو دھوکا دینا اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا ہے۔'' (تبیان القرآن' ج ۳' ص ۶۲۴)

قرآن مجید کے کچھ مقامات پر ہم منطقی مناظرہ کے کچھ ایسے اشارات پاتے ہیں جو متنازعہ فیہ مسئلہ کے حل میں اخلاقیات اور ضمنی طریق کار کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ مثلاً

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝ (آلِ عمران: ۶۱)

''پھر جو کوئی آپ سے اس (عقیدۂ مسیح کی اُلوہیت کے) بارے میں حجت کرے بعد اس کے کہ آپ کے پاس یقینی علم آ گیا تو فرما دیجئے کہ اچھا آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو بھی اور اپنے آپ کو بھی اور تمہارے تئیں بھی' پھر ہم خشوع سے دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی رحمت سے دُوری کی بددعا کریں۔'' (۳ : ۶۱)

اِس آیت کو ''آیتِ مباہلہ'' کہا جاتا ہے جس کا پس منظر یہ ہے کہ سال نَو ہجری میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا۔ اُنہوں نے نبی علیہ السلام سے اپنے ''عقیدۂ مسیح'' کی بابت خوب کھل کر بحث کی۔ عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں آپ نے اسلام کا نظریہ بیان کیا اور عیسٰی علیہ السلام کی الوہیت کا رد کیا۔ لیکن وفد نے پھر بھی دعوتِ توحید کو قبول نہ کیا اور اپنے عقیدۂ تثلیث پر اَڑے رہے۔ تو اِن معاندین پر حجت قائم کرنے کے لئے اللہ تعالٰی نے اپنے رسول علیہ السلام کو اُن سے مباہلہ کرنے کا حکم دیا۔ مباہلہ کا مطلب یہ ہے کہ فریقین نہایت عاجزی سے اللہ تعالٰی کے دربار میں یہ دعا کریں کہ اُن میں سے جو جھوٹا ہو' اُس پر اے اللہ! تیری لعنت ہو۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ حضرت امام حسین کو اٹھائے' حضرت حسن کو انگلی سے پکڑے تشریف لائے اور آپ کے پیچھے پیچھے آپ کی صاحبزادی جناب فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا اور اُن کے پیچھے حیدرِ کرار کرّم اللہ وجہہ' تھے۔ آپ نے وفدِ نجران کو مباہلہ کی دعوت دی۔ لیکن تاریخ کے راوی کا بیان ہے کہ مسیحیوں کی ہمت عین وقت پر جواب دے گئی اور اُنہیں عافیت اِسی میں نظر آئی کہ جزیہ دے کر اور ذمّی رعایا بن کر اسلامی حکومت میں رہنا گوارا کرلیا جائے۔

(۲) يَأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ إِبْرٰهِيْمَ وَمَآ أُنْزِلَتِ التَّوْرٰةُ وَالْإِنْجِيْلُ إِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ٥ هٰٓأَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ٥ (آلِ عمران : ۶۵' ۶۶)

''اے اہلِ کتاب! تم ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیوں جھگڑ رہے ہو درآنحالیکہ تورات' وانجیل تو اُن کے بعد ہی اتری ہیں' تو تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟ ہاں تم لوگ وہی تو ہو جو اس امر میں جھگڑ چکے ہو جس کا تمہیں کچھ تو علم تھا' سو (اب) ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں کچھ بھی علم نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔'' (۶۵'۶۶ :۳)

یعنی تم توریت اور انجیل کے مسائل میں بری طرح بھٹکے حالانکہ وہاں تمہیں کچھ واقفیت اور علم حاصل تھا' تو اب دینِ ابراہیمی کے بارے میں کیوں کٹ حجتی پر تلے ہوئے ہو جس کے بارہ میں تو تمہیں کوئی علم ہی حاصل نہیں۔

(۳) وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ أَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰنِ وَلَآ أَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ إِلَّآ أَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْئًا وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا أَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ٥ وَكَيْفَ أَخَافُ مَآ أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا فَأَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ٥ (الانعام : ۸۰' ۸۱)

''اور اُن (ابراہیم علیہ السلام) کی قوم اُن سے جھگڑنے لگی۔ آپ بولے کہ کیا مجھ سے یہ جھگڑا اللہ کے بارے میں کرتے ہو؟ جبکہ وہ مجھے ہدایت کرچکا ہے' میں اُن سے نہیں ڈرتا جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہرا رہے ہو' ہاں البتہ اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے' میرا پروردگار ہر چیز کو علم سے گھیرے ہوئے ہے'

تو کیا تم خیال نہیں کرتے ؟ اور میں اُس سے کیوں ڈرنے لگا جسے تم نے شریک ٹھہرا رکھا ہے جبکہ تم تو اس سے نہیں ڈرتے ہو کہ تم نے اللہ کا شریک ٹھہرایا ہے جس کے بارہ میں اُس نے تم پر کوئی دلیل نہیں اتاری' سو دونوں گروہوں میں سے امن کا زیادہ حق دار کون ہے؟ اگر تم جانتے ہو۔'' (۸۱'۸۰ : ۶)

''دراصل پیغامِ الٰہی کی تبلیغ کے لئے مُسکِت (خاموش کر دینے والے) اور قابلِ فہم استدلال کے طریقے قرآن مجید میں ناگزیر حد تک جا بجا بکھرے ہوئے ہیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے استدلال کے لئے جو اصطلاحات موزوں ہوسکتی ہیں' پورے قرآن میں موجود ہیں۔ شیطان اللہ تعالیٰ سے آدم پر اپنی فوقیت کی دلیل دیتا ہے (الاعراف: ۱۲ ؛ الحجر: ۳۳ ؛ الاسراء: ۶۱ ؛ صٓ: ۷۶)۔ حضرات ابراہیم' نوح' ھُود اور شعیب علیہم السلام اپنی قوم کے کافر لوگوں سے جھگڑا کرتے ہیں۔ جناب موسیٰ علیہ السلام اور فرعونِ مصر کے مابین ایک طویل مناظرہ مباحثہ کی ایک اور منظر کی تشکیل کرتا ہے۔ سورۃ الکہف کی آیات ۳۲ تا ۴۲ میں دو باغوں کی مشہور تمثیل کو مباحثے کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔''

''قرآن مجید اپنے مخالفین سے مباحثہ کے بارہ میں کئی اصطلاحات استعمال کرتا ہے۔ اُن اصطلاحات میں ایک اصطلاح جَــدَلَ کی ہے جو اپنی مختلف شکلوں میں نمایاں ہے۔ عربی لغات میں اس فعل کا معنی ''مضبوطی سے مروڑنا'' یا ''کسی چیز کو مضبوط کرنا اور کس کر باندھنا'' دیا گیا ہے لیکن اس فعل کے عام استعمال میں مباحثے' تنازعات' استدلال اور جھگڑے بھی آتے ہیں۔'' (تاج العروس۔۔۔ جلد ہفتم' صفحات ۲۵۴' ۲۵۵)

''قرآن مجید میں فعل جَــدَلَ اور اس کے ہم اصل الفاظ ۲۹ دفعہ استعمال ہوئے ہیں جن میں پہلی بار سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۹۷ اور آخری بار سورۃ المُجادلۃ کی اوّل آیت میں استعمال ہوا ہے۔ ملاحظہ ہوں :۔

(۱) فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (البقرۃ: ۱۹۷)

"جو کوئی ان (مہینوں) میں اپنے اوپر حج مقرر کرے تو پھر حج میں نہ کوئی فحش بات ہونے پائے' نہ کوئی بے حکمی اور نہ کوئی جھگڑا۔'' (۱۹۷ : ۲)

(۲) قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا (المجادلۃ : ۱)

''بے شک اللہ نے اُس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں مجادلہ کر رہی تھی۔'' (۱ : ۵۸)

قرآن مجید میں جَدَلَ اور اس کے ہمزاد الفاظ کا بطور بیانیہ اور استفہامیہ استعمال کثیر الاقسام ہے۔ مثلاً:

(۱) سورۃ النساء کی آیت ۱۰۹ یومِ حساب کو روح کی جانب سے مجادلہ کو شامل ہے :۔

هَاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۤءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَمْ مَّنْ یَّكُوْنُ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا٥ (اَلنِّسَآء : ۱۰۹)

''تم لوگوں نے دنیاوی زندگی میں تو اُن کی طرف سے وکالت کرلی لیکن قیامت کے دن اُن کی طرف سے اللہ کے سامنے کون وکالت کرے گا یا کون اُن کا کام بنانے والا ہوگا؟'' (۴ : ۱۰۹)

(۲) سورۃ النَّحل کی آیت ۱۱۱ اُس دن کے متعلق بتاتی ہے جب ہر روح اپنی ہی طرفداری میں گفتگو کرتی ہوئی آئے گی اور ہر روح کو اپنے کیے کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور کسی سے ناانصافی نہیں کی جائے گی:۔

یَوْمَ تَاْتِیْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰی كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ۔۔۔ الخ (۱۶:۱۱۱)

یہاں تُجَادِلُ عذرِ معذرت اور صفائی پیش کرنے کے معنی میں ہے۔

(۳) بیشتر اوقات یہ جدل اور نزاع آیاتِ الٰہی کے ارادی ردّ کے طور پر دکھایا گیا ہے مثلاً:

وَاِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْكَ یُجَادِلُوْنَكَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ٥ (الانعام : ۲۵)

''اور اگر وہ ساری (کی ساری) نشانیاں دیکھ لیں (جب بھی) اُن پر ایمان نہ لائیں' یہاں تک کہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑتے ہیں' کافر کہتے ہیں کہ یہ تو اگلوں کی نری خرافات ہیں۔'' (۶ : ۲۵)

(۴) کافروں کی جانب سے جھگڑے کا سورۃ الرَّعد میں اس طرح نقشہ کھینچا گیا ہے:

وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِهَا مَنْ یَّشَآءُ وَهُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰهِ وَهُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ٥ (اَلرَّعد : ۱۳)

''اور بجلی کی کڑک اُس کی پاکی بیان کرتی ہے اور فرشتے بھی اُس کے رعب و جلال سے (یہی کرتے ہیں) اور وہ اللہ بجلیاں بھیجتا ہے پھر اُنہیں جس پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے اور وہ بڑی ہی زبردست قوت والا ہے۔'' (۱۳:۱۳)

(۵) ''پیغمبروں کو بھیجا گیا ہے' حق و صداقت عطا کیے گئے ہیں' تمثیلیں دی گئی ہیں اور اُس کی نشانیاں ظاہر و باہر کی گئی ہیں' اس کے باوجود بھی لوگ جھگڑوں میں اُلجھے ہوئے ہیں (سورۃ الکھف : ۵۴' ۵۶ ؛ سورہ لقمان : ۲۰)۔ اَلَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ (وہ جو اللہ کی آیات میں جھگڑتے ہیں) (سورہ غافر: ۵۶'۶۹ ؛ سورۃ الشوریٰ: ۳۵) اور مَا یُجَادِلُ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا (اللہ کی آیات میں وہی لوگ جھگڑتے ہیں جو کافر ہیں سورہ غافر: ۴) جھگڑے اور آیاتِ الٰہی کے مابین تعلق کو مضبوط کرتے ہیں۔''

(۶) ضد اور تکبر کی بنیاد پر نزاع اور جدل (جھگڑا) اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ قرآن نے فرمایا :

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍo (الحج : ۳)

''اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر علم (اور دلیل) جھگڑا کیا کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔'' (۳ : ۲۲)

آج تو اِس آیت کے مصداق ایک دو نہیں' صدہا ہزارہا ''پڑھے لکھے' روشن خیال'' اور ''تجدد نواز'' نظر آتے ہیں' جو شیطان کی گمراہیوں کا شکار ہو کر صفاتِ الٰہی پر بڑی بلند آہنگی سے عجیب و غریب بیانات دینے سے ذرہ بھر نہیں ہچکچاتے' حال یہ ہے کہ جس طرح عقل و منطق سے وہ تہی دامن ہیں اُسی طرح کسی دیندار محقق کی پیروی سے بھی خالی ہیں۔اس طرح شیطان کی دسترس اُن پر بہ آسانی ہو جاتی ہے اور ایسی گمراہی پھیلانے میں اُن کے پاس کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں ہوتی۔

اب مندرجہ بالا آیت کو سورۃ الانعام کی اِس آیت (۱۲۱) کے ساتھ ملا کر پڑھئے :۔

وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰى اَوْلِيَآءِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَo

''اور دراصل شیاطین اپنے دوستوں کو پٹی پڑھاتے ہیں تاکہ وہ تم سے حجت کریں اور اگر تم نے اُن کا کہا مان لیا تو یقیناً تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔'' (۱۲۱ : ۶)

مذکورہ بالا دونوں آیات (۲۲:۳) اور (۶:۱۲۱) کو اکٹھا ملا کر پڑھنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ آیاتِ الٰہی پر بغیر کسی علم اور دلیل کے حجت بازی کرنا شیطانی عمل اور شدید باغیانہ فطرت کا مظہر ہے جس کا گناہ شرک سے کم تر نہیں ہے۔

(۷) حجت بازی کی ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق بعض اوقات براہِ راست اور بعض اوقات بالواسطہ طور پر رسول سے ہوتا ہے' جیسا کہ سورۃ الزُّخرُف کی یہ آیات:

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَo وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ '' اَمْ هُوَ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ '' خَصِمُوْنَo (الزُّخرُف : ۵۷' ۵۸)

''اور جب ابنِ مریم کو بطور نمونہ پیش کیا گیا تو آپ کی قوم والے یہ سن کر (مارے خوشی کے) اُچھل پڑے اور بول اُٹھے کہ اچھا' تو افضل ہمارے دیوتا ہوئے یا وہ؟ (حقیقت یہ ہے) کہ اُنہوں نے یہ آپ کے سامنے محض کٹ حجتی کے طور پر پیش کیا ہے' اصل یہ ہے کہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔'' (۵۷'۵۸:۴۳)

مشرکینِ عرب حضرت مسیح علیہ السلام کا معبود مانا جانا سن چکے تھے۔اب جو رسول ﷺ کی زبانی اُن کی مدح و توصیف سنی تو مارے خوشی کے اُچھل پڑے اور بول اٹھے کہ جب مسیح باوجود اپنی معبودیت کے قابلِ مدح و داد ہوسکتے ہیں

کو طلاق دے کر دوسری منکوحہ سے ملاپ کر سکے گا اور اُس مطلّقہ کو دوسرے خاوند سے ملاپ کرنا ممکن ہوگا۔ پس اُن دونوں میں سے جس میں تولید کی استعداد ہوگی اُس وقت وہ نسل اور اولاد حاصل کر سکے گا اور اس سے محروم نہ رہے گا اور جس میں استعداد نہ ہوگی اُس پر اپنی حقیقتِ حال کے ظاہر ہو جانے سے اُس کے دل کو راحت نصیب ہو جائے گی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اُن دونوں میں تولیدِ نسل کی استعداد موجود ہوتی ہے لیکن ان دونوں کے آلاتِ تناسل موافق نہیں ہوتے۔ پس جب دونوں میں بذریعہ طلاق جدائی ہو جائے گی تو اُن میں سے ہر ایک کے لئے ممکن ہوگا کہ کسی دوسرے سے ملاپ کر کے نسل (اولاد) حاصل کر سکے اور اس طرح اپنی تولید کی استعداد کے ثمرہ سے محروم نہ رہے۔ ایسی صورت میں جب مرد اُس عورت کو طلاق دینے میں توقف کرنا چاہے جو اُس سے حاملہ نہیں ہوئی تو اُسے (تعدّدِ ازواج کی بناء پر) ممکن ہوگا کہ اس بات کے ظاہر کرنے کی غرض سے کہ حمل کی رکاوٹ کس جانب سے ہے' کسی دوسری منکوحہ سے ملاپ کر لے۔ پس اگر وہ رکاوٹ زوجہ کی جانب سے ظاہر ہو تو اس صورت میں اگر وہ چاہے تو اُسے عقد میں بدستور باقی رہنے دے اور اُس فضل و احسان کو جو اُس کے اور زوجہ کے مابین ہے' نہ بھولے۔ اس لئے کہ اب اس کے طلاق دینے سے کیا فائدہ کیونکہ وہ دوسرے سے ملاپ کر کے نسل تو حاصل کر ہی نہیں سکتی کیونکہ اُس میں مانعِ حمل کا سبب موجود ہے۔ اب اُس کے حق میں یہ خاوند اور دوسرا شخص دونوں برابر ہیں' اس لئے اگر خاوند چاہے تو اُسے اپنے پاس رہنے دے اور اگر یہ ظاہر ہو کہ حمل کی رکاوٹ خود اُسی خاوند کی جانب سے ہے تو اُسے اس عورت کو اپنے پاس رکھنے کا اختیار ہے اور ہم یہ نہیں کہتے کہ اُسے اس وقت طلاق دینا واجب ہے تاکہ وہ عورت دوسرے خاوند سے ملاپ کر سکے کیونکہ اُس عورت میں استعدادِ تولید کا پایا جانا ہی ثابت نہیں ہے بلکہ اس میں شک ہے کیونکہ ممکن ہے کہ عورت میں بھی استعدادِ تولید موجود نہ ہو اور احکام شک پر مبنی نہیں ہوا کرتے۔''

''پھر کبھی طلاق کے جائز کئے جانے کا ایک اور بڑا ضروری سبب یہ ہے کہ زوجین میں نفرت پیدا ہو جائے جس کے بہت سے اسباب ہیں۔ مثلاً یہ کہ کسی مزمن مرض کا لاحق ہونا' بدصورت ہو جانا' آلہ تناسل کا بےکار ہو جانا' عورت کا اپنے خاوند کے حق میں خیانت کرنا (یعنی بدکار ہو جانا)۔ پس اگر طلاق ممنوع ہوگی تو اس صورت میں دونوں کی زندگی تلخ ہو جائے گی اور دونوں اپنی تمام عمر اس تلخی کا مزہ چکھتے رہیں گے اور دونوں کی آنکھوں میں فساد اور بےحیائی کے دروازے کھل جائیں گے۔ لیکن جب طلاق جائز ہوگی تو دونوں اس تنگی اور بےلطفی سے نجات پا جائیں گے اور بےحیائی کے ارتکاب اور دیوّث و بےغیرت بننے سے محفوظ اور پاک وصاف رہ سکیں گے۔''

''باقی رہا یہ سوال کہ طلاق کا اختیار صرف خاوند ہی کے ہاتھ میں کیوں رکھا گیا' عورت کے اختیار میں کیوں نہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مرد کی عقل عورت سے زیادہ درست اور پختہ ہوا کرتی ہے اور عورت کے خیالات ذرا سی بات میں فوراً بدل جایا کرتے ہیں۔ نیز عورت کے نان ونفقہ کی فراہمی کی ذمہ داری مرد پر ہے۔ پس جب عورت سے اُسے کسی قسم کی نفرت ہو جائے گی تو مرد کے نزدیک قابلِ ترجیح یہی بات ہوگی کہ جہاں تک ہو سکے

تو پھر آخر ہمارے دیوتاؤں ٹھاکروں نے کیا قصور کیا ہے اور کیوں نہ وہ بھی مسیح کی طرح بزرگ ومقبول سمجھے جائیں؟ گویا کہ مشرکوں نے عیسائیوں کے مسیح اور قرآن کے مسیح کو آپس میں گڈمڈ کردیا اور بکمال حماقت سے مسلمانوں کو مسیحی سمجھ لیا اور اُن کے سامنے بطور حجتِ الزامی وہ چیز پیش کی جو صرف مسیحیوں کے مقابلہ میں پیش کی جاسکتی ہے۔ مسلمان حضرت مسیح علیہ السلام کو معبود سمجھتے ہی کب ہیں؟ بلکہ وہ تو اس عقیدہ پر لَاحَـوْل پڑھتے ہیں اور اسے کھلا شرک سمجھتے ہیں۔ قرآن نے تو اس عقیدے کا دلائل کے ساتھ بار بار ردّ پیش کیا ہے!

پیغمبر ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس طرح سرزنش اور تنبیہ کی اور فرمایا:

قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ أَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ أَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ أَنْتُمْ وَآبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ فَانْتَظِرُوْٓا إِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ (الاعراف : ۷۱)

''(اب) تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے عذاب اور غضب آہی پڑا' کیا تم مجھ سے ناموں کے بارہ میں بحثا بحثی لگائے ہوئے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ (دادوں) نے ٹھہرا رکھے ہیں' اللہ نے تو اُن پر کوئی دلیل اتاری نہیں' سو تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔''

پیغمبر نوح علیہ السلام کی ذاتِ اقدس بالخصوص اس بحث ومباحثہ میں نمایاں ہے۔ بروئے سورہ ھُود اُن کی قوم نے آپ کو اس طرح للکارا:

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (ھُود: ۳۲)

''کہنے لگے: اے نوح! تم ہم سے بحث کرچکے اور بحث بھی خوب کرچکے' اب ہمارے سامنے وہ چیز لے آؤ جس سے تم ہمیں دھمکایا کرتے ہو اگر تم سچے ہو۔'' (۳۲ : ۱۱)

آیت سے یہ معلوم ہوا کہ باطل' حق کے مقابلہ میں ہمیشہ ضدّی اور ڈھیٹ ہوا کرتا ہے اگرچہ اُس کے سامنے روشن وتابندہ نشانیاں کیوں نہ رکھ دی جائیں۔ اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ ضد' تکبّر' خود بینی اور اَنا پرستی کمینگی کی اِس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ وہ حق کو یہ چیلنج کرنے سے ذرّہ بھر نہیں ہچکچاتے کہ وہ اُن پر ایسے ناموافق اور انتہائی گنبھیر حالات لے آئیں جن کا تصوّر بھی نہ کیا جاسکتا ہو۔

انتہائی پُراثر بحثیں ابراہیم علیہ السلام کے خود اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ ہیں۔ مثلاً سورہ ھُود کی آیت:

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ (ھُود : ۷۴)

''پھر جب ابراہیم سے خوف جاتا رہا اور اُنہیں (بچے کی پیدائش کی) خوشخبری مل گئی تو وہ ہم سے قومِ لوط کے بارے میں بحث کرنے لگے۔'' (۷۴ : ۱۱)

خولہ بنتِ ثعلبہ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ نے آنحضور ﷺ کی بارگاہ میں شکایت کی کہ اُن کے خاوند اُوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے اُنہیں ناحق طلاق دے دی ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے کچھ دیر توقف کیا یہاں تک کہ جبریلِ امین وحی لے کر حاضر ہوئے جس کا ابتدائی حصّہ یہ ہے :۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ اِلَى اللّٰهِ (اَلْمُجادلۃ : ۱)

''اللہ نے یقیناً اُس عورت کی بات سن لی ہے جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں حجت کر رہی تھی اور اللہ سے فریاد کر رہی تھی۔''

اِخْتَصَمَ اور نَزَعَ دونوں باہم مترادف (ہم معنی) افعال کو ''دلیل دینے'' اور ''اختلاف اور جھگڑا کرنے'' کے لحاظ سے جَدَل کے زُمرے میں رکھا جاسکتا ہے۔ ایسے الفاظ میں شدید منفی حکم ہوتا ہے۔ مثلاً یہ آیات :

(i) قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْكُمْ بِالْوَعِیْدِ ۝ (قٓ : ۲۸)

''(اللہ تعالیٰ) فرمائے گا کہ میرے حضور جھگڑا مت کرو اور میں تو پہلے ہی تمہارے پاس وعید بھیج چکا تھا۔'' (۲۸ : ۵۰)

(ii) فَلَا یُنَازِعُنَّكَ فِی الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰی رَبِّكَ (اَلْحَجّ : ۶۷)

''سو اُن (منکرینِ توحید) کو ہرگز یہ نہیں چاہئے کہ وہ آپ سے اس امر میں آپ سے جھگڑا کریں اور آپ اُنہیں اپنے پروردگار کی طرف بلاتے رہئے۔'' (۶۷ : ۲۲)

قرآن مجید میں بیان شدہ کچھ بحث مباحثے روزِ حشر سے متعلق ہیں۔ مثلاً مندرجہ ذیل آیات :

(i) مَا یَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ یَخِصِّمُوْنَ ۝ (یٰسٓ : ۴۹)

''وہ بس ایک آوازِ سخت کے منتظر ہیں، وہ اُنہیں آ پکڑے گی اس حال میں کہ وہ آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہوں گے۔'' (۴۹ : ۳۶)

(ii) اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ۝ (صٓ : ۶۴)

''اہلِ جہنم کا آپس میں لڑنا جھگڑنا بالکل سچی بات ہے۔'' (۶۴ : ۳۸)

(iii) ثُمَّ اِنَّكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ۝ (اَلزُّمَر : ۳۱)

''پھر روزِ قیامت تم (دونوں فریق) اپنے پالنہار کے رُوبرو مقدمہ پیش کرو گے۔'' (۳۱ : ۳۹)

مندرجہ ذیل آیات کو پڑھنے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اکثر حالات میں بحث مباحثہ منفی طرز کا ہوتا ہے :

(i) هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۝ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ ۝ (اَلحَجّ : ۱۹)

''یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے بارہ میں اختلاف کیا، سو جو لوگ کافر ہیں، اُن کے

لئے آگ کے کپڑے کاٹے جائیں گے' اُن کے سروں کے اوپر سے گرم پانی چھوڑا جائے گا۔"

(iii) قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ٥ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ٥ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ (الشُّعراء : ۹۶ تا ۹۸)

"وہ اس (جہنم) میں باہم جھگڑتے ہوئے کہیں گے کہ بخدا! ہم کھلم کھلا گمراہی میں تھے جب ہم تمہیں پروردگارِ عالم کے برابر کرتے تھے۔" (۹۶ تا ۹۸ : ۲۶)

(iv) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ٥ (القصص)

"اور ہم نے قومِ ثمود کے پاس اُن کے بھائی صالح کو بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو' سو اُن میں باہم جھگڑنے والے دو فریق ہو گئے۔" (۴۵ : ۲۷)

سورۃ الکہف میں قرآن مجید نے انسان کے جھگڑالو ہونے کو بیان کرتے ہوئے افسوس کا اظہار کیا ہے:۔

وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ٥ (الکہف : ۵۴)

"اور انسان جھگڑنے میں سب سے بڑھ کر ہے۔" (۵۴ : ۱۸)

قرآن مجید نے سورۃ الحج میں کچھ آداب و اَخلاق مقرر کئے ہیں کہ ایک مسلمان کو غیر مسلم کے ساتھ مخالفتی بحث مباحثہ میں کیسے پیش آنا چاہئے:۔

وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ٥ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ٥ (الحج: ۶۸' ۶۹)

"اور اگر وہ آپ سے جھگڑے نکالتے رہیں تو آپ فرما دیجئے کہ جو کچھ تم کرتے ہو' اللہ (اُسے) خوب جانتا ہے۔ اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان اس بارہ میں فیصلہ کرے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو۔" (۶۸' ۶۹ : ۲۲)

صوفیہ عارفین نے منکرِ حق' جاہل اور ہٹ دھرم دشمنِ اسلام سے بحث مباحثہ نہ کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے' وہ اِس اور اس جیسی دوسری آیات کی رُو سے ہے (تفسیر ماجدی' حصہ اُردو' ص ۶۹۲)۔

اِنْ جٰدَلُوْكَ (اگر وہ آپ سے کٹ حجتی کریں) میں اگرچہ خطاب حضور علیہ السلام سے ہے مگر آدابِ مناظرہ کا قانونِ شرعی تا قیامت بتا دیا گیا کہ جاہلوں سے بحث مباحثے کرنے سے بچنا ضروری ہے۔ اس قانون پر عمل کرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ کسی گستاخ اسلام کو کسی شرعی مسئلے کی گستاخی کی ہمت اور موقع نہ ملے گا ورنہ کج بحثی میں جہلاء کے منہ سے بہت سی گستاخیاں نکل جاتی ہیں جنہیں مسلمان برداشت نہیں کر سکتا اور نوبت لڑائی اور مار کٹائی تک پہنچتی ہے جو اسلام کے نزدیک انتہائی مکروہ اور ناپسندیدہ فعل ہے۔

(۳۱) طلاق (DIVORCE)

قرآن مجید کی رُو سے طلاق ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے مرد اِرادی طور پر اپنے نکاح کو ختم کر دیتا ہے۔ نکاح اور طلاق کے معاملہ میں اسلام خاوند اور بیوی دونوں کو برابر کے حقوق عطا کرتا ہے اور بالخصوص خاوند کو اپنی بیوی سے پیار و محبت کا رشتہ اُستوار کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق جائز چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ فعل ہے: طلاق انتہائی شرمناک صورتِ حال ہے۔ پیغمبرِ اسلام ﷺ نے طلاق سے کراہت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

(۱) ''اللہ کے نزدیک تمام حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔'' (ابوداؤد)

اِس کا مطلب یہ ہے کہ طلاق کی اجازت صرف ناگزیر حالات میں ہے۔

(۲) ''جب خاوند اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو زمین اور آسمان کانپ اُٹھتے ہیں۔'' (''الاسرار المعروفة فی الاخبار الموضوعة'' ۔ نور الدین مُلا علی قاری، ص ۱۲۹؛ ''الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النّذیر''۔ جلال الدین السیوطی، ص ۱۹۷) دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد کو رفیقہ حیات کی ضرورت تھی اور رحیم و کریم اللہ نے اُس کی اس ضرورت کو پورا کر دیا تو جب ضرورتمند اور حاجتمند نے اپنی رفیقہِ حیات کو چھوڑ دیا تو گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے اس عطیہ کی ناشکری کی اور اس ناشکری کے نتیجہ میں زمین و آسمان کانپ اُٹھے۔

(۳) ''طلاق رحمان کو ناراض کرتی ہے اور شیطان کو خوش کرتی ہے۔''

نوٹ: طلاق کا حق شریعتِ اسلامی نے صرف مرد کو دیا ہے۔ بیوی اگر اپنے خاوند کے حبالہِ عقد میں نہیں رہنا چاہتی تو شریعت نے اُسے خلع کا اختیار دیا ہے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

طلاق دینے کی کب اجازت ہے: میاں بیوی کے اِزدواجی رشتے کی بنیاد اُن کی باہمی محبت و مودّت اور جذبہِ ایثار پر ہے (بحوالہ سورۃ الرّوم: ۲۱) اور جب اُن کے درمیان یہ ہم آہنگی نہ رہے یا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ماند پڑ جائے تو قرآن مجید اُنہیں نکاح ختم کرنے کی اجازت دیتا ہے (سورۃ البقرۃ: ۲۳۱) اور اس طرح اُنہیں ایک نئے، پُرمسرّت ازدواجی تعلق قائم کرنے کا موقع دیتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میاں بیوی کے درمیان

ہر معمولی سے معمولی اختلاف کو طلاق کے ذریعے حل کیا جائے۔ قرآن مجید خاوند کو نصیحت کرتا ہے کہ وہ بیوی سے مساویانہ حقوق کی بنیاد پر پیش آئے اگرچہ اُسے اس سے محبت نہ ہو (سورۃ النّساء: ۱۹، ۱۲۹)، یہ کہ اگر بیوی اُس کی مخالفت کرتی ہے تو وہ اُسے معاف کر دے اور اس کی عادات کو درست کرے (النّساء: ۳۴)، پہلے پہل طلاق سے نہیں بلکہ نباہ کی کوئی اور صورت نکالے (النّساء: ۱۲۹) اگر میاں بیوی اپنے اختلافات کو حل کرنے میں ناکام رہتے ہیں، اُن کا ایک ساتھ رہنا اذیت اور کوفت کا موجب ہے، باہمی نفرت کے گھاؤ گہرے ہیں اور دونوں کے لئے اللہ کی قائم کردہ حدود کے اندر رہنا اور اپنی ازدواجی ذمہ داریوں کا نبھانا مشکل ہو گیا ہے، تو معاشرہ کے مقتدر حضرات کو کہا گیا کہ وہ معاملہ میں مداخلت کرتے ہوئے دو ثالث مقرر کریں جن میں سے ایک خاوند کی جانب سے اور ایک بیوی کی جانب سے ہو، تا کہ وہ میاں بیوی کے مابین نباہ اور صلح کی کوئی راہ نکالیں (النّساء: ۳۵)۔ عجلت اور جلدی کی طلاق سے بچنے کے اور بھی طریقے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ آخری طلاق پڑنے سے پہلے قرآن مجید نے تین ماہ کا انتظار کا عرصہ مقرر کیا ہے۔ میاں بیوی کے ایک دوسرے سے دُور رہنے کا یہ عرصہ خاوند کو اچھی طرح سوچنے سمجھنے کا موقع فراہم کرتا ہے جس میں وہ نکاح کے باقی رکھنے یا اُسے ختم کرنے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ دوم یہ کہ جو شخص جوشِ غضب میں آ کر بیوی سے ازدواجی تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا لیتا ہے (جسے اصطلاح میں ایلاء کہا جاتا ہے)، تو اُسے اپنی قسم کو توڑنے کے لئے چار ماہ کا عرصہ دیا گیا ہے۔ اگر اس عرصہ میں وہ اپنی قسم نہیں توڑتا تو طلاق خود بخود واقع ہو جائے گی۔ (البقرۃ: ۲۲۶)

اس طرح اسلام نے طلاق کی اجازت ناپسندیدگی سے دی ہے، نہ تو اسے پسند کیا ہے اور نہ ہی اس کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

<u>طلاق کی تنظیم اور باقاعدگی کے لئے اسلامی حدود و قیود:</u> شریعتِ اسلامی نے طلاق کی راہ میں کچھ حدود مقرر کی ہیں تا کہ یہ ممکنہ حد تک تنگ ترین دائرے میں رہے۔ قانونی ضرورت کے بغیر اور جھگڑے کو حل کرنے کے تمام اقدامات کے ناکام ہونے کے بغیر طلاق غیر قانونی ہے اور اسلام نے اس سے روکا ہے۔ کچھ فقہاء کا کہنا ہے کہ طلاق سے خاوند اور بیوی دونوں کے مفادات کو غیر ضروری طور پر نقصان پہنچتا ہے جو بالکل اسی طرح حرام ہے جس طرح جائداد کو ضائع کرنا حرام ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہدایت کی ہے: لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرار (نہ خود کو اور نہ ہی دوسروں کو نقصان پہنچاؤ)۔ (اَلْمُغْنِیْ --- ابنِ قُدامہ، ج ۷، صفحہ ۷۷ بحوالہ ابن ماجہ، دار قطنی)

جو لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دے کر دوسری مختلف الاقسام عورتوں سے صرف جنسی لذّت اُٹھانے کی خاطر شادی کر لیتے ہیں، اُنہیں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے پسند نہیں کیا اور نبی اکرم ﷺ نے اُنہیں یہ فرماتے ہوئے ''ذَوّاقون'' (ذائقہ چکھنے والے) کا لقب دیا:

(۱) ''اللہ تعالیٰ (جنسی) ذائقہ چکھنے والے اور چکھنے والی کو پسند نہیں کرتا۔'' (طبرانی)

(۲) ''میں بھی (جنسی) ذائقہ چکھنے والے کو پسند نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔'' (طبرانی، دار قطنی)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''طلاق صرف ضرورت کے تحت ہی دی جا سکتی ہے۔''

اس ضمن میں علی اصغر چشتی اپنی کتاب (Islam and Women) میں لکھتے ہیں:

''مرد کا بیوی کو طلاق دینے کے حق (اختیار) کی غیر ضروری مشق پر بند باندھنے کے لئے اسلام نے مرد کو اس اختیار کے معقولانہ استعمال کی اجازت دی ہے۔ اسلام کی آمد سے پہلے اہلِ عرب اپنی عورتوں کو بار بار طلاق دینے کے عادی تھے۔ عدّت کا مقررہ وقت گزرنے کے بعد بھی اُن عورتوں سے جنسی روابط قائم کرنے پر کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ ایک مرتبہ ایک انصاری نے اپنی بیوی کو دھمکی دی کہ نہ تو وہ اُسے ہاتھ لگائے گا اور نہ ہی اُسے طلاق دے گا۔ جب اُس سے اس کی وضاحت کرنے کو کہا گیا تو اُس نے بیوی کو بتایا کہ وہ اُسے طلاق دے گا اور وقتِ مخصوص گزرنے سے پہلے وہ اس سے دوبارہ شادی کر لے گا۔ بیچاری عورت پریشان ہو کر بارگاہِ نبوی میں پہنچی اور سارا معاملہ آپ ﷺ کو بتایا تو اس پر یہ حکم نازل ہوا:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاكٌ "بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌ" بِاِحۡسَانٍ (البقرة: ۲۲۹)

''طلاق تو دو ہی بار کی ہے' اس کے بعد (یا تو) قاعدہ کے مطابق رکھ لینا ہے یا
پھر خوش عنوانی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔'' (۲ : ۲۲۹)

طلاق سے یہاں مراد طلاقِ رجعی ہے۔ دو بار تک الفاظ طلاق ادا کرنے پر رجوع کر لینے کی گنجائش باقی رہتی ہے۔ اس حکم نے مرد کے طلاق دینے کے اختیار کو صرف تین طلاقوں تک محدود کر کے عورتوں کے مصائب و آلام کا خاتمہ کر دیا۔ وہ دو بار طلاق دینے میں ہر دفعہ رجوع کا حق رکھتا ہے لیکن تیسری طلاق دینے پر اُس کا بیوی سے ہر قسم کا تعلق ختم ہو جاتا ہے کہ اُسے اپنے جنسی جذبات کی تسکین کے لئے عورت کو کھلونا بنانے کی اجازت نہیں دی گئی۔''

<u>اسلام کا قانونِ طلاق بمقابلہ دوسرے مذاہب:</u> اگر ہم اسلامی قانونِ طلاق کا مقابلہ دوسرے مذاہب اور ضوابط سے کریں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ عورت کو ازدواجی بندھن میں ہمیشہ کے لئے باندھ کے رکھنا چاہتے ہیں چاہے عورت کیسے ہی حالات سے دوچار ہو۔ بیچاری عورت کو اپنے خاوند سے چھٹکارا یا نجات پانے کا کوئی راستہ نہیں ملتا۔ مثلاً:

(۱) عورت کے خلاف منو کے کلمات ''جہنم کا دروازہ'' اور ''گناہ کا مجسمہ'' ہیں۔ (تفسیر ماجدی)

(۲) عیسائیت کی ابتدائی چند صدیوں میں مغربی دنیا عورت کے متعلق غیر معمولی خیالات میں غرق تھی جو اُن

تک مثبت کی پہاڑیوں سے پہنچے تھے۔عورتوں کوایک مقدس ہستی کے باوزن کلام کے ساتھ یہ بتایا گیا تھا کہ انہیں محض یہ خیال کر کے ہی شرم آنی چاہیے کہ وہ عورتیں ہیں اور اُنہیں اُن لعنتوں کی وجہ سے مستقل عذاب میں رہنا چاہیے جو اُن کی جنس دنیا میں لائی ہے۔'' (ایضاً)

(۳) Canon کے قانون نے اعلان کیا کہ صرف مرد ہی اللہ تعالیٰ کی شکل پر پیدا ہوا ہے نہ کہ عورت۔ لہٰذا عورت مرد کی خادمہ بن کر رہے گی۔ (ایضاً صفحہ 36-B نوٹ 513)

(۴) چھٹی صدی عیسوی میں میکن (Macon) کی صوبائی مجلس نے سنجیدگی سے اس سوال پر بحث کی کہ آیا عورت میں روح نامی بھی کوئی چیز ہے۔ ("Psychopathia Sexualis"...Krafft)

(۵) توریت کے مطابق ''مرد کی تمام تر تنزلی کی ذمہ دار عورت ہے اور یہ بات عیسائی تعلیمات کا سنگِ بنیاد بن گئی۔ یہ ایک قابلِ ذکر حقیقت ہے کہ انجیل میں کوئی بھی لفظ عورت کی تعریف میں نہیں کہا گیا۔'' (تفسیر ماجدی)

(۶) بائبل کے مطابق: حضرت حوا کے گناہ کی سزا کے طور پر بیوی کو اپنے خاوند کی محکومی میں دیا گیا ہے کہ وہ اُس پر حکومت کرتا رہے۔ (ایضاً)

(۷) یہودی پادریوں اور عیسائی پاپاؤں کی تعلیمات کا اثر یہ ہوا کہ تاریخ کے دھارے میں عورت کو دوزخ کا دروازہ اور اُم الامراض (تمام بیماریوں کی جڑ) کے طور پر پیش کیا گیا اور یہ کہ اُسے محض یہ خیال کر کے ہی شرم آنی چاہیے کہ وہ عورت ہے۔ ("The History of European Morals" --- Lecky, Vol.2)

(۸) سینٹ جیروم کی تعلیم ہی یہی ہے کہ عورت شیطان کا دروازہ' بدی کی شاہراہ اور بچھو کا ڈنک ہے۔''

(۹) چرچ کے پاپا اور مبلغین عورت کے خلاف گونجتی گرجتی آواز نکالنے سے باز نہیں آئے' اُس کی تحقیر و مذمت کرتے ہوئے' اُسے کوسنے دیتے ہوئے اور اُسے شیطانی صفت پلید مخلوق کے القاب دیتے ہوئے
("Evolution of Marriage"... Letourneau, p, 205, quoted in Majidi p. 29-B, n: 235)

اس کے بالکل برعکس قرآن کا پُر زور موقف یہ ہے کہ روزمرہ کے معمولات میں عورتوں کے بھی اُسی طرح کے حقوق ہیں جس طرح مردوں کے ہیں۔ صدیوں پیشتر جبکہ مل نے ''عورتوں کی ماتحتی'' پر کچھ لکھنے کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا' اِس بیباک' نڈر اور دوٹوک اعلان کی دوسرے آسمانی صحیفوں میں کہیں کوئی مثال نہیں ملتی۔ سورۃ

البقرۃ کی آیت ۲۲۹ میں خاوند کو نصیحت کی گئی کہ ازدواجی بندھن کے موقع پر اُس نے جو کچھ بھی بیوی کو تحفہ یا جائداد وغیرہ دی' اُس میں سے کچھ بھی واپس نہ لے بلکہ اُسے یہ ہدایت کی گئی کہ جدائی کے اس غم آمیز موقع پر وہ مطلقہ بیوی کو کچھ اور دے کر اُس کی تلافی کر دے۔''

اُس زوردار تاکید پر ذرا غور کیجئے کہ کس طرح قرآن مجید بیکس اور بے نواؤں کا نمائندہ بن کر مطلقہ عورتوں کے حقوق کا دفاع کرتا ہے جب وہ کہتا ہے:

وَلاَ تُمۡسِکُوۡهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعۡتَدُوۡا (البقرۃ: ۲۳۱)

''اُنہیں تکلیف پہنچانے کی غرض سے نہ روکے رہو''

''یقیناً یہ قرآن نہیں بلکہ بائبل ہے جو مرد کو عورت کا مالک ہونے کی تعلیم دیتی ہے اور عورت کو اُس کا اثاثہ اور مملوک ہونے کا درس دیتی ہے۔'' (Cheyne and Black's Encyclopaedia Biblica)

طلاق کی اَقسام

طلاق کی اقسام: طلاق کی متعدد اقسام میں سے چند اہم اَقسام کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:۔

(۱) طلاقِ رجعی (Revocable Divorce): اِس میں خاوند کو رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے' چاہے بیوی راضی نہ بھی ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَبُعُوۡلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ اِنۡ اَرَادُوۡۤا اِصۡلاَحًا (البقرۃ: ۲۲۸)

''اور اُن کے خاوند اگر اصلاح کا ارادہ کریں تو وہ اُنہیں واپس لانے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو طلاق کے بعد رجوع کا حکم دیا تھا۔ (صحیح مسلم)

رجعی طلاق ''مدخولہ عورت'' (جس سے خاوند جماع کر چکا ہو) کو تین سے کم طلاقوں کی صورت میں ہوتی ہے۔ رجعی طلاق والی عورت کے لئے عدت کے دوران نفقہ اور رہائش کا بندوبست مرد کے ذمہ ہے۔ عدت گزرنے کے بعد وہ مرد سے جدا قرار دی جاتی ہے۔ اگر مرد رجوع کرنا چاہتا ہے تو بلا تاخیر کہہ دے: ''میں تجھے واپس لیتا ہوں' یا رجوع کرتا ہوں'' اور رجوع پر دو عادل گواہ بنانا مسنون ہے جیسا کہ سورۃ الطّلاق میں حکم ہوا:

وَاَشۡهِدُوۡا ذَوَیۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ وَ اَقِیۡمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ (الطّلاق: ۲)

''اور اپنے میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ ٹھہرالو اور گواہی ٹھیک اللہ کے واسطے دو۔'' (۲ : ۶۵)

(۱) دو عادل گواہوں کا یہ حکم رجوع و جدائی دونوں صورتوں کے لئے وجوب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ (۲) گواہوں

کو عادل یعنی سچا نہ صرف اس معاملہ میں بلکہ ہر معاملہ میں ہونا چاہئے۔ (۴) شہادت بالکل سچی اور محض حق تعالیٰ کی رضا مندی کے لئے ہو۔ کسی کی رُورعایت' کسی کی دوستی اور دشمنی کو اُس میں دخل نہ ہو۔

رجعی طلاق والی عورت کے لئے بہتر ہے کہ وہ اپنے آپ کو بنا سنوار کر اور پُرکشش بنا کر رکھے تا کہ اُس کے (طلاق دینے والے) خاوند کو اُس کی طرف میلان اور کشش ہو اور وہ اُس کی طرف رجوع کر کے (دوبارہ) گھر بسا لے۔

(۲) طلاقِ بائن (Conditioned Revocable Divorce) : یہ وہ طلاق ہے جس میں طلاق دینے والے کو رجوع کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ البتہ نئے ''مہر'' اور ''شرائط'' کے تحت وہ عقدِ جدید کر سکتا ہے۔ عورت کی مرضی ہے چاہے تو اُسے قبول کرے یا رڈ کر دے۔ عدت گزرنے کے بعد بھی خاوند اُسے عقدِ جدید کے ساتھ اپنی زوجیت میں لے سکتا ہے کیونکہ تین طلاقیں دینے کے بعد ہی وہ اُس پر حرام ہوگی جیسا کہ اَلْهِدایہ میں بیان ہوا :

وَاِذَا كَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا دُوْنَ الثَّلَاثِ فَلَه' أَنْ يَّتَزَوَّجَهَا فِي الْعِدَّةِ وَبَعْدَ اِنْقِضَاءِ هَا لِأَنَّ حَلَّ الْمَحَلِّيَّةِ بَاقٍ لِأَنَّ زَوَالَه' مُعَلَّقَة'' بِالطَّلْقَةِ الثَّالِثَةِ فَيَنْعَدِمَ قَبْلَه' (اَلْهِدایہ' ص ۳۹۹' لشیخ الاسلام بُرہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ)

''جب تیسری طلاق سے پہلے طلاقِ بائن ہو تو خاوند کو عدت کے اندر اور اس کے بعد اُس مطلقہ کو اپنی زوجیت میں لینے کا حق ہوتا ہے کیونکہ عورت کا اُس طلاق دینے والے خاوند کے لئے حلال ہونا ابھی باقی ہے اور اُس حِلّت (حلال ہونے) کا ختم ہونا تیسری طلاق پر ہوگا۔''

''درج ذیل پانچ صورتوں میں طلاقِ بائن واقع ہو جاتی ہے:۔

(i) مرد نے طلاقِ رجعی دی اور عدت کے اندر رجوع نہیں کیا تو عدت گزرنے کے بعد طلاقِ بائن ہو جاتی ہے۔

(ii) مرد نے عورت سے مال وصول کر کے ''خلع'' کی صورت میں (یعنی عورت کے مطالبے پر) طلاق دی ہے۔

(iii) اگر اُن کے مابین دونوں میاں بیوی کے منصفوں نے طلاق دی ہے جبکہ وہ محسوس کرتے ہوں کہ طلاق' نکاح کے باقی رہنے سے زیادہ بہتر ہے۔

(iv) رخصتی کے بعد اور جماع سے پہلے طلاق واقع ہو جائے' اس لئے کہ جماع سے پہلے مطلقہ پر عدت نہیں ہے۔ محض ''وقوعِ طلاق'' سے وہ بائن (جدا) ہو جائے گی۔

(v) ایک ہی کلمہ میں تین طلاقیں دے دے' یا مختلف نشستوں میں تین طلاقیں دے دے' یا پہلے سے واقع شدہ دو طلاقوں کے بعد تیسری طلاق دے دے تو اُن کے مابین بینونتِ کبریٰ (بڑی جدائی) واقع ہو جاتی ہے اور یہ عورت اُس مرد کے لئے حلال نہیں جب تک وہ دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح نہ کر لے۔'' (''منہاج المسلم'' (اردو ترجمہ) ---ابوبکر جابر الجزائری' صفحہ ۶۴۱)

(۳) طلاقِ مغلّظہ یا طلاقِ حرام (Irrevocable Divorce): یہ وہ طلاق ہے جو تین کی تعداد میں دی جائے خواہ ایک ہی نشست میں یا مختلف اوقات میں ہو۔اس تیسری طلاق کے دینے سے دونوں کے درمیان نکاح ختم ہو جاتا ہے اور بیوی خاوند پر حرام ہو جاتی ہے اور اُس وقت تک اُس کے لئے حلال نہیں ہوتی جب تک وہ ''حلالہ'' نہ کرالے (جس کا بیان آگے آ رہا ہے)۔لیکن بہ یک وقت تین طلاقیں دینا گناہِ کبیرہ ہے کیونکہ یہ وقتی غصہ اور ہیجانی جذبات کا نتیجہ ہوتا ہے اور اس صورت میں خاوند کو سوچ بچار کرنے کا موقع نہیں ملتا کہ آیا اُس نے رشتۂ ازدواج کو باقی رکھنا ہے یا نہیں۔سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تو اُس شخص کو دِرّے لگواتے تھے جو اپنی بیوی کو بہ یک وقت تین طلاقیں دیتا تھا۔آنحضور ﷺ کو جب یہ اطلاع ملتی تھی کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو بہ یک وقت تین طلاقیں دی ہیں تو آپ غصہ میں آجاتے تھے اور فرماتے تھے:

أَيُلْعَبُ بِكِتٰبِ اللهِ وَ أَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ (سنن نسائی' ابن کثیر)

''کیا اللہ کی کتاب سے کھیلا جارہا ہے؟ جبکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔''

طلاق دینے کا طریقہ: طلاق دینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو ''حالتِ طُہر'' میں ایک طلاق دے (حالتِ طُہر دو ماہواریوں کا درمیانی عرصہ ہے جس میں عورت پاک وصاف ہوتی ہے اور نماز پڑھ سکتی ہے) اور بیوی کے اگلے ماہواری ایام (Menstrual Period) کا انتظار کرے۔اس دوران خاوند کو سوچنے اور یہ فیصلہ کرنے کا اچھا خاصا وقت مل جائے گا کہ آیا اُس نے رشتۂ ازدواج کو باقی رکھنا ہے یا نہیں۔اگر اُس نے طلاق دینے کا تہیہ کر ہی لیا ہے تو اگلے طُہر میں وہ اُسے دوسری طلاق دے (جو طلاقِ بائن ہوگی)۔اور اس سے اگلی حالتِ طُہر میں تیسری طلاق دینے پر طلاقِ مغلّظہ واقع ہو جائے گی اور اُن کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔

حالتِ حیض میں طلاق کا شرعی حکم: حالتِ حیض میں عورت کو طلاق دینے کی ممانعت ہے اور حنفی مسلک میں اس حالت میں دی ہوئی طلاق کو طلاقِ بدعی میں شمار کیا جاتا ہے۔اس میں حکمت یہ ہے کہ ان ایام میں عورت کے جسمانی نظام میں ایک ایسا تغیر رونما ہوتا ہے جس کی وجہ سے بسا اوقات اُس سے ایسی باتیں سرزد ہوتی ہیں جنہیں وہ خود عام حالت میں پسند نہیں کرتی۔عورت کا مزاج عموماً چڑچڑا سا ہو جاتا ہے۔نیز ان ایام میں قدرتی طور پر زوجین میں باہمی جنسی دلچسپی نہیں رہتی اور اسی لئے تو ربِّ ذوالجلال والاکرام نے اس حالت میں عورت کے ساتھ قربت کرنے کی ممانعت فرمائی ہے (البقرۃ : ۲۲۲)۔اِن وجوہ کی بنا پر حالتِ حیض میں زوجین کے درمیان ناخوشگوار تعلقات کا پیدا ہو جانا بعید از قیاس نہیں اور اس حالت کے بعد توقع کی جاسکتی ہے کہ دونوں باہم شیر و شکر ہو جائیں اور دلوں کا غبار ڈھل جائے۔

اَحناف کے نزدیک حالتِ حیض میں دی گئی طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ طلاق دینے والا بالاجماع گنہگار ہوگا۔

خُلع: عورت کا کسی وجہ سے اپنے خاوند کو پسند نہ کرنا اور اُس کا مال (حق مہر وغیرہ) واپس کر کے اُس سے

اُسے برداشت کرلے اس خیال سے کہ اُس کی عقل ثابت اور قوی ہے اور اُسے یہ خوف بھی لگا ہوگا کہ جو کچھ اُس نے عورت پر خرچ کیا ہے، کہیں ضائع اور برباد نہ ہو جائے۔ لہٰذا اسی وجہ سے اُسے طلاق دینے اور اس سے جدائی اختیار کرنے سے حتی المقدور باز رہے گا۔'' (''اسلام اور سائنس'' اردو ترجمہ)

''عورت چونکہ ان دونوں باتوں (یعنی قوتِ عقل اور خوفِ ہلاکِ نفقہ) سے خالی ہے۔ قوی امکان ہے کہ جب ذرا بھی کوئی نفرت کی بات ہوگی تو وہ بلا تامّل طلاق دینے اور خاوند سے جدائی اختیار کر لینے پر آمادہ ہو جائے گی۔ پس اسی لئے الٰہی حکمت کا یہ تقاضا ہوا کہ طلاق مرد ہی کے ہاتھ میں رہے نہ کہ عورت کے قبضہ میں اور یہی عین حکمت ہے۔ پس سمجھدار سوائے اُس حالت کے کہ وہ بالکل مجبور ہو جائے، طلاق دینے پر کبھی پیش قدمی نہ کرے گا۔ رہا بعض بے وقوفوں کا ذرا ذرا سی بات میں طلاق دینے پر پیش قدمی کرنا، تو یہ بات حکمِ شرعی اور نظامِ عقلی کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں جیسا کہ ائمہ نے اس کی وضاحت کی ہے۔'' (''سائنس اور اسلام'' (اردو ترجمہ)۔۔۔علامہ حسین آفندی، ص ص ۵۶۰ تا ۵۶۳)۔

(۹) نیند : نیند قدرتِ خداوندی کی سب سے بڑی ایجاد اور زندگی کے لئے عظیم ترین عطیہ الٰہی ہے۔ اُن آیاتِ الٰہیہ میں جہاں رات کا ذکر آیا ہے وہاں آرام کا ذکر بھی ضرور آیا ہے۔ تمام جانداروں بشمول انسان، حیوانات، چرند و پرند سب کو نیند کی ضرورت ہوتی ہے۔ ذیل میں وہ آیات دی جارہی ہیں جن میں رات کے ساتھ آرام کا بھی ذکر ہے۔ ارشاد ہوا :

(i) هُوَالَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا (یونس : ۶۷)
''وہ وہی تو ہے جس نے رات کو تمہارے لئے سامانِ راحت بنایا اور دن کو روشن (وسرگرم) بنایا تاکہ اس میں فرائضِ حیات انجام دے سکو۔'' (۱۰:۶۷)

(ii وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًاo (الفرقان:۴۷)
''اور اللہ کی ذات تو وہ ہے جس نے رات کو تمہارے لئے لباس (پوشش، پردہ) بنایا، نیند کو موجب راحت اور دن کو وقتِ برخاست (اُٹھ کھڑا ہونے کا وقت) بنایا۔'' (۴۷ : ۲۵)

''نیند کے فوائد : نیند جسمانی ریشوں (tissues) اور بالخصوص دماغ کے ریشوں کو بحال کرتی ہے۔ نیند نشوونما کے طریقِ کار میں بھی اپنا کردار ادا کرتی ہے اور ایسا کرنے کے لئے غدہ نخامیہ (Pituitary Gland) گہری نیند کے دوران ایک بڑھوتری ہارمون چھوڑتا ہے۔ نیند کے دوران جسم کے تمام افعال و وظائف صحت کے لئے لازمی طور پر درکار سطح پر خود بخود جاری رہتے ہیں۔ حرارت بنیادی سطح سے دس تا پندرہ فی صد کم پیدا ہوتی ہے۔ جسمانی ٹمپریچر کو ریگولیٹ (باقاعدہ) کرنے کا میکانزم جاگنے کے لمحات کے مقابلے میں دورانِ نیند 0.5 تا 1.0 ڈگری فارن ہائٹ کم رہتا ہے۔ دل کی دھڑکن کی شرح دس تا تیس بار تک فی منٹ ہو جاتی ہے۔ بلڈ پریشر تقریباً 20 ایم۔ ایم کم ہو

خلاصی حاصل کر لینا ''خُلع'' کہلاتا ہے۔

''خُلع کا جواز: سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲۹ سے خلع کا جواز ملتا ہے جس میں فرمایا گیا:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ

''سو اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم اللہ کے ضابطوں کو قائم نہ رکھ سکو گے تو دونوں پر اُس (مال) کے بارہ میں کوئی گناہ نہ ہو گا جو عورت معاوضہ میں دے دے۔'' (۲ : ۲۲۹)

خُلع کے جائز صورتِ طلاق ہونے اور اُس کے طلاقِ بائن کے درجہ پر رکھنے پر حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے صحابیوں اور حسنؒ، ابو سلمہؒ، قاضی شُریحؒ، ابراہیمؒ، شعبیؒ اور مکحول رضی اللہ عنہم جیسے تابعین تک کا اتفاق جصاص نے نقل کیا ہے اور اسے فقہاء کا متفقہ قول بھی قرار دیا ہے۔ (ماجدی، اردو، ص ۹۲)

اگر درج ذیل شرائط پوری کر لی جائیں تو خلع جائز ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ثابت قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی جو اپنے خاوند کے بارے میں کہہ رہی تھی: ''مجھے اُس کی عادات اور دین پر کوئی اعتراض نہیں ہے، میں اسلام میں (خاوند کی) نافرمانی کو درست نہیں سمجھتی۔'' کے جواب میں اُس سے پوچھا: ''تو اُس کا باغ واپس کر دے گی؟'' اُس نے ''ہاں'' میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا: ''ثابت! باغ لے لو اور اُسے ایک طلاق دے دو۔''
(صحیح بخاری و سنن نسائی)

خُلع کے جواز کی شرائط: (۱) ناپسندیدگی کا اظہار عورت کی طرف سے ہو۔ اگر مرد ناپسند کرتا ہے تو اُس کے لئے طلاق کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہے۔ بلکہ اُسے صبر کرنا چاہئے اور اگر برداشت سے باہر ہے تو طلاق دے دے۔

(۲) عورت اُس وقت تک خُلع کا مطالبہ نہ کرے جب تک اُس کی ناپسندیدگی اس حد تک نہ پہنچ جائے کہ حقوقِ زوجیت میں اللہ کی حدود کی پابندی کرنا اُس کے لئے مشکل ہو جائے۔

(۳) اگر مرد جان بوجھ کر عورت کو تنگ کر رہا ہے کہ وہ خُلع پر مجبور ہو جائے تو ایسی صورت میں اُس کے لئے عورت سے معاوضہ لینا حرام ہے اور وہ اللہ کی نافرمانی کا مرتکب ہے۔ نیز خلع سے ایک ''طلاقِ بائن'' نافذ ہوتی ہے اور ''عقدِ جدید'' کے بغیر وہ رجوع نہیں کر سکتا۔

خلع والی عورت کے دوبارہ نکاح کے لئے عدت کا عرصہ تین حالتِ طُہر ہے۔

مندرجہ ذیل حدیثِ مبارکہ اُن عورتوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے جو اپنے خاوند سے بغیر کسی جائز وجہ کے خلع کا مطالبہ کرتی ہیں۔ آپ نے فرمایا:

أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا الطَّلَاقَ فِيْ غَيْرِ مَا بَأْسٍ فَحَرَام" عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ
(سنن ترمذی' سنن ابن ماجہ' سنن ابی داؤد)
''جو عورت اپنے خاوند سے بغیر کسی جائز وجہ کے خلع کا مطالبہ کرتی ہے تو اُس پر جنت کی خوشبو تک حرام ہے۔''

حلالہ (Superseding Marriage): جیسا کہ بیان ہوا اگر عورت کو تین طلاقیں ہو جائیں تو وہ اپنے خاوند کے لئے حرام ہو جاتی ہے جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوا :
فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ' مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَه' (البقرۃ : ۲۳۰)
''(اگر تیسری بار طلاق ہو جائے تو) وہ اُس مرد کے لئے حلال نہیں جب تک وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرلے۔'' *

اگر کسی شخص نے اِس ارادہ سے نکاح کیا ہے کہ اس عورت کو پہلے خاوند کے لئے حلال بنائے تو یہ نکاح باطل ہے۔ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ' (ترمذی)
''رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جارہا ہے' دونوں پر لعنت کی ہے۔''

''اس کا حکم یہ ہے کہ یہ نکاح باطل ہونے کی بناء پر فسخ ہے' اس طرح عورت پہلے خاوند کے لئے جس نے اُسے تین طلاقیں دی تھیں حلال نہیں ہوتی۔ اگر حلالہ کرنے والے نے مجامعت کرلی ہے تو عورت کو مہر دے کر اُن کے درمیان تفریق کردی جائے۔'' (منھاج المسلم' ص ص ۶۳۰' ۶۳۱)

دوسری شرائط کے ساتھ ساتھ حلالہ کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ دوسرے خاوند نے اِس عورت سے مجامعت بھی کی ہو' وگرنہ اُس کا پہلے خاوند کے ساتھ دوبارہ اِزدواجی تعلق قائم کرنا بروئے حدیث ذیل جائز نہیں ہوگا اگرچہ غیر طے شدہ (Unplanned) پروگرام کے تحت ہو :
لَا تَحِلُّ لِلْأَوَّلِ حَتّٰى تَذُوْقَ عُسَيْلَةَ الْاٰخِرِ
''جب تک وہ عورت دوسرے شوہر کا مزہ چکھ نہ لے' تو وہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی۔''

* ''اس سے وہ نکاح مراد ہے جو شرعاً صحیح ہے جس میں مرد ہمیشہ کے لئے بیوی کے ساتھ آباد ہونے کے لئے نکاح کرتا ہے۔ پھر اگر اتفاق سے اُن میں بھی نباہ نہ ہو سکے اور طلاق ہو جائے تو عورت عدت گزار کر پہلے خاوند کے ساتھ نئے نکاح میں آسکتی ہے لیکن اس ارادے میں عارضی نکاح کرنا کہ طلاق دلوا کر عورت کو پہلے خاوند کے لئے حلال کیا جائے تو یہ نکاح باطل ہے اور اس طرح عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوگی۔ لہٰذا حلالہ کے بعد پہلے خاوند کے ساتھ نیا نکاح کرنے والی عورت کے دونوں نکاح باطل ہوں گے۔'' (منھاج المسلم ۔۔ جابر الجزائری' ص ۶۳۰)

ایلاء: مرد کا اللہ کی قسم اُٹھا کر کہنا کہ میں اپنی عورت کے ساتھ اتنی مدت جماع نہیں کروں گا جبکہ وہ مدت چار ماہ سے زائد ہو' قرآنی اصطلاح میں ''اِیلاء'' کہلاتا ہے۔

ایلاء کا جواز: بروئے ارشادِ ربانی چار ماہ سے کم کا ایلاء عورت کی سرزنش کے طور پر جائز ہے :۔

لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَآءِ هِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَآءُوا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (البقرة: ۲۲۶)

''اُن لوگوں کے لئے جو اپنی بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں' چار ماہ کا انتظار ہے' پھر اگر (اس دوران) وہ رجوع کر لیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔'' (۲۲۶ : ۲)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں سے ایک ماہ مکمل ایلاء کیا تھا۔ اگر ایلاء میں تادیب (ادب سکھلانا) مطلوب نہیں بلکہ عورت کو محض ایذا دینا مقصود ہے تو یہ حرام ہے اس لئے کہ رسولِ معظم کا ارشادِ گرامی ہے:

لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَار (ابن ماجه)

'' کسی کو نقصان پہنچانا اور خود نقصان اُٹھانا جائز نہیں ہے۔''

ایلاء کے احکام: (۱) ایلاء کی مدّت کو اگر چار ماہ گزر جائیں اور اس دوران مرد نے جماع نہیں گیا اور عورت حاکم کے پاس جا کر مطالبہ کرتی ہے تو پھر یا تو خاوند ایلاء سے رجوع کرے گا یا طلاق دے گا۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سورۃ البقرۃ کی آیات ۲۲۶' ۲۲۷ میں ارشاد فرماتا ہے:۔

فَإِنْ فَآءُوا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ (البقرة)

''اگر وہ رجوع کر لیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر طلاق کا عزم کر لیں تو اللہ سننے والا' جاننے والا ہے۔'' (۲۲۶' ۲۲۷ : ۲)

اور ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

إِذَا مَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ يُوقَفُ حَتّٰى يُطَلِّقَ (صحيح بخارى)

''جب چار ماہ گزر جائیں تو مرد کو پابندِ سَلاسل (قید) کیا جائے یہاں تک کہ وہ طلاق دے۔''

(۲) چار ماہ گزرنے پر پابند کرنے کے باوجود اگر مرد طلاق نہیں دیتا تو حاکمِ وقت عورت کے ضرر کو دُور کرنے کے لئے طلاق کی ڈگری جاری کرے اور اس کے بعد عورت جس سے چاہے نکاح کر لے۔

(۳) یہ بات مرد کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ رجعی طلاق دے یا بائن طلاق دے۔ طلاق بائن کی صورت میں نئے نکاح کے بغیر اُسے رجوع کا حق نہیں ہوگا۔

(۴) ایلاء کے نتیجہ میں مطلقہ عورت پر طلاق کی عدت ہے (یعنی تین حیض)۔ برأتِ رحم'' کے لئے ایک ماہواری کا انتظار کافی نہیں ہے' کیونکہ یہ مدت صرف ''برأتِ رحم'' کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کا حکم طلاق والا ہے۔

(۵) اگر قسم کے بغیر مرد نے عورت کے ساتھ چار ماہ سے زائد عرصہ سے مجامعت ترک کر رکھی ہے تو عورت کے مطالبہ کی صورت میں اُسے عدالت میں لایا جائے' پھر یا تو وہ یہ روش ترک کرے یا طلاق دے دے۔

(۶) قسم کی مدت ختم ہونے سے پہلے اگر مرد نے ایلاء سے رجوع کرلیا ہے تو یہ درست ہے مگر اس پر قسم کا کفارہ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے (بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم) :

إِذَا حَلَفْتَ عَلَى يَمِيْنٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا فَأْتِ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ" وَكَفِّرْ عَنْ يَمِيْنِكَ

''جب تو کسی بات پر قسم اُٹھالے اور اُس کے برعکس کام کو اس سے بہتر جانے تو جو اچھا کام ہے' وہی کر اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔''

(۷) قسم کا کفارہ ساٹھ مسکینوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے یا دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا ہے۔

(۸) اگر چار ماہ گزرنے کے بعد عورت اُسی خاوند سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتی ہے تو ''حلالہ'' کا اطلاق نہیں ہوگا لیکن خاوند کو کفارہ دینے کی سزا بھگتنا ہوگی۔

ظِہار : مرد کا اپنی بیوی کو کہنا کہ تو میری ماں کی پشت کی طرح ہے' ظہار کہلاتا ہے۔ ظہار کرنا حرام ہے اس لئے کہ اسے سورۃ المُجادلہ کی آیت دوم میں غلط بات اور جھوٹ کہا گیا ہے۔

ظہار کے احکام و مسائل : (۱) جمہور علماء کے نزدیک ''ظہار'' بیوی کو صرف ماں کے ساتھ تشبیہ دینے پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ کسی بھی دائمی محرمہ عورت کے ساتھ بیوی کو تشبیہ دینا ظہار ہے مثلاً بیٹی' دادی' بہن' پھوپھی اور خالہ' اس لئے کہ حرمت میں یہ سب ماں کی طرح ہیں۔

(۲) ظہار کرنے والا مرد اگر بیوی سے رجوع کرنا چاہتا ہے تو بروئے حکمِ الٰہی اُس پر ظہار کا کفارہ دینا لازم ہے: وَالَّذِيْنَ يُظَاهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآءِ هِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّتَمَاسَّا

''جو لوگ اپنی عورتوں کے ساتھ ظہار کرتے ہیں اور پھر اپنی بات سے رجوع کرتے ہیں تو باہم ملنے (جماع وغیرہ) سے پہلے ایک گردن (غلام) آزاد کریں۔'' (۳ : ۵۸)

(۳) آیت مذکورہ کی رُو سے جماع اور اُس کے مبادیات (Preliminaries) سے قبل کفارہ کی ادائیگی لازم ہے۔

(۴) اگر کفارہ کی ادائیگی سے قبل عورت کو ہاتھ لگایا تو گنہگار ہے۔ لہٰذا ندامت و استغفار کے ساتھ اللہ سے لو لگائے۔ البتہ کفارہ کے علاوہ اور کوئی چیز اس پر نہیں پڑتی۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: ''یا رسول اللہ! میں نے ظہار کیا تھا مگر کفارہ کی ادائیگی سے پہلے ہی جماع کر بیٹھا ہوں' تو آپ نے فرمایا:

مَا حَمَلَكَ عَلٰى ذٰلِكَ ؟ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَلاَ تَقْرَبْهَا حَتّٰى تَفْعَلَ مَا أَمَرَكَ اللّٰهُ (سنن ترمذی)

''اللہ تجھ پر رحم کرے تو نے ایسا کام کیوں کیا؟ اللہ کے حکم کی تعمیل سے پہلے اُس کے قریب نہ جانا۔''

(۵) کفارہ درج ذیل تین اُمور میں سے بالترتیب ایک ہے:

مؤمن غلام آزاد کرنا' یا دو ماہ لگاتار روزے رکھنا' یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

ظہار کے کفارہ کے بارہ میں سورۃ المُجادلہ کی آیات ۳' ۴ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۞ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّتَمَآسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا

''سو ایک دوسرے کو چھونے سے پہلے غلام آزاد کرنا ہے' تمہیں اس کی نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ جسے غلام نہ ملے تو وہ (عورت کو) ہاتھ لگانے سے پہلے لگاتار دو ماہ روزے رکھے اور جسے اس کی طاقت نہیں تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔'' (۳' ۴ : ۵۸)

(۶) وقفہ کے بغیر روزے لگاتار رکھنے ضروری ہیں۔ چاند کے حساب سے دو ماہ پورے کئے جائیں یا ساٹھ دن شمار کر لئے جائیں۔ اگر شرعی عذر (بیماری وغیرہ) کے بغیر درمیان میں روزے نہیں رکھے تو پہلے رکھے ہوئے روزے باطل ہو جائیں گے اور دوبارہ دو ماہ کے روزوں کی گنتی پوری کرنی ہوگی' اس لئے کہ آیت مذکورہ میں لگاتار روزے رکھنے کی شرط لگائی گئی ہے۔

(۷) کھانا ایک مُد گندم' یا دو مُد کھجور' یا جَو فی مسکین کے حساب سے ادا کرنا ہوگی۔ اگر ساٹھ سے کم مساکین کو پوری مقدار میں کھانا دے دیا تو درست نہیں ہوگا۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر ایک ہی مسکین کو ساٹھ دن تک کھلاتے رہیں' تو بھی درست ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مالی بوجھ کو بھی اصلاحِ نفس میں بڑا دخل ہے (ماجدی' حصّہ اردو ص ۱۰۸۴)

(۳۲) خواب اَور نیند (DREAMS & SLEEP)

قرآن مجید میں خوابوں کے لئے چار مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو درج ذیل ہیں :۔

(۱) لفظ ''رُءیا'' قرآن مجید میں چھ بار آیا ہے: (سورہ یوسف: ۵، ۴۳، ۱۰۰؛ الاسراء : ۶۰؛ الصافات : ۱۰۵؛ الفتح : ۲۷)

(۲) لفظ ''مَنام'' قرآن مجید میں چار جگہ آیا ہے:
دو دفعہ ''نیند'' کے معنوں میں (سورۃ الرّوم: ۲۳ ؛ سورۃ الزُّمر: ۴۲) اور
دو دفعہ ''خواب'' کے معنوں میں (سورۃ الانفال : ۴۳ ؛ سورۃ الصافات: ۱۰۲)

(۳) لفظ ''بُشریٰ'' ایک مرتبہ ''خواب'' کے معنی میں سورہ ھُود کی آیت ۶۷ میں آیا ہے۔

مندرجہ بالا تینوں الفاظ اچھے خوابوں کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔

(۴) بُرے خوابوں کے لئے قرآن مجید نے ''حُلم'' کا لفظ استعمال کیا ہے جو قرآن مجید میں دو مرتبہ آیا ہے اور دونوں ہی جگہ اَضغَاثُ اَحلَام (پریشان خوابیاں) کے معنوں میں استعمال ہوا ہے (یعنی سورہ یوسف: ۴۴ سورۃ الانبیاء : ۵)

خوابوں کی بابت قرآنی آیات پیغمبروں اور اُن کے اقوال سے متعلق ہیں جس سے خوابوں کے مستند اور معتبر ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ اُن کے اسی معتبر ہونے کی بنا پر خوابوں سے متعلق لٹریچر معرضِ وجود میں آیا جس میں مختلف ناموں سے باب باندھے گئے :بابُ الرّءِ یا ؛ باب رُءیا الصالحین اور ابوالقاسم قُشیری کا ''رسالہ'' جس کا حوالہ ''انسائیکلو پیڈیا آف دی قرآن'' (مطبوعہ یو ایس اے) کی جلد اوّل میں بھی دیا گیا ہے۔

کچھ مفسرین کے نزدیک قرآن میں بیان کردہ خوابوں کی گروہ بندی اُن کی تکمیل اور وضاحت کے مطابق ہوتی ہے۔فخرالدین رازی (م ۶۰۶/۱۲۱۰ھ) نے اپنی تفسیر میں خوابوں کی مندرجہ ذیل تین قسموں کو بیان کیا ہے:

(الف) وہ خواب جن میں کوئی پیغام یا بیان حقیقت بن گیا مثلاً نبی اکرم ﷺ کا مقامِ حدیبیہ میں خواب جس میں فتحِ مکّہ کی پیشگوئی کی گئی ہے (سورۃ الفتح :۲۷)

(ب) وہ خواب جس میں پیغام کی تکمیل متضاد طور پر ہوئی مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب (بحوالہ

سورۃ الصافات: ۱۰۲ تا ۱۰۵) جس میں حکم بیٹے کو قربان کرنے کا ہوا تھا لیکن حقیقت ایک مینڈھے کی قربانی کی شکل میں ظاہر ہوئی۔

(ج) وہ خواب جو تعبیر طلب ہیں مثلاً وہ چار خواب جن کا ذکر سورہ یوسف کی آیات ۴، ۳۶، ۳۶ اور ۴۶ میں ہوا۔

(1) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب : جس کا ذکر سورۃ الصّٰفّٰت (۱۰۲-۱۰۶) میں ہوا:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝

''سو جب وہ (لڑکا) اُن کے ساتھ دوڑنے دھوپنے کے قابل ہو گیا تو اُنہوں نے کہا: بیٹا! میں نے خواب دیکھا ہے میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں، سو تم بھی سوچ لو تمہاری کیا رائے ہے۔ وہ بولے: اے ابا جان! جو کچھ آپ کو حکم ملا ہے، اُسے کر ڈالئے، آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ پھر جب دونوں نے حکم کو تسلیم کر لیا اور (باپ نے بیٹے کو) کروٹ پر لِٹا دیا اور ہم نے اُنہیں آواز دی کہ اے ابراہیم! تم نے خواب کو خوب سچ کر دکھایا، ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں، بے شک یہ تھا بھی کھلا ہوا اِمتحان۔'' (۳۷ : ۱۰۲ تا ۱۰۶)

فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى (اب تم بیٹا، تمہاری کیا رائے ہے؟) آپ ان الفاظ سے حضرت اسماعیل کا مشورہ نہیں پوچھ رہے تاکہ اگر اُس کی مرضی نہ ہو تو تعمیلِ حکم سے معذرت کر دی جائے بلکہ اس پوچھنے میں بچے کا امتحان مقصود تھا کہ جس بچے نے خلیل کی گود میں پرورش پائی ہے اور ہاجرہ کا دودھ پیا ہے اور جسے روزِ اوّل ہی سے یہ درس دیا جاتا رہا کہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے اگر جان بھی دینی پڑے تو اس میں قطعاً تامّل نہ کرنا۔ اب یہ بچہ تیرہ چودہ سال کی عمر کو پہنچ گیا ہے۔ ذرا دیکھیں اس شبانہ روز تربیت کا اس پر کیا اثر ہوا ہے۔ نیز آپ اس ثواب بلکہ امتحان میں اپنے فرزند کو بھی برابر کا شریک کرنا چاہتے تھے تاکہ کامیابی کی صورت میں رضائے الٰہی کا تاج صرف باپ کے سر پر ہی نہ جگمگائے بلکہ باپ بیٹا دونوں اس عزت و شرف سے سعادت اندوز ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے جب یہ خواب بیان کیا تو اُس پیکرِ تسلیم و رضا نے اپنے خوش آئند جواب میں اِنْ شَآءَ اللّٰهُ کے کلماتِ طیّبات کا اضافہ کر کے اپنے مقامِ عبدیت و نیاز کو چار چاند لگا دئے۔ میں صبر کروں گا لیکن تب جب میرے رب کو منظور ہوا۔ یعنی اگر میں نے مقامِ رضا میں کامیابی حاصل کر لی اور اس نازک امتحان میں سُرخرو ہوا تو اس میں میرا کوئی کمال نہ ہوگا، محض میرے رب کا احسان اور کرم ہوگا کہ مجھے صابر بننے کی توفیق عطا فرمائی۔ جس اسلام کی دعوت جنابِ ابراہیم دیا کرتے تھے، اُس کا عملی مظاہرہ حضرت اسماعیل کی اس ادا سے زیادہ حسین اور دلکش کیونکر پیش کیا جاسکتا ہے!

ایک اعتراض اور اس کا جواب: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نبی کا خواب تو حجت اور سچا ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب تب سچا ہوتا جب آپ اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر دیتے۔ اسماعیل علیہ السلام تو فی الواقع ذبح نہیں ہوئے تو وہ خواب سچا کیسے ثابت ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خواب میں اُنہوں نے یہ نہیں دیکھا تھا کہ اُنہوں نے حضرت اسماعیل کو ذبح کر دیا ہے' بلکہ اتنا دیکھا تھا کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری پھیر رہے ہیں۔ سو اُنہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری پھیر دی۔ اب اگر چھری نے گلا نہیں کاٹا اور خون نہیں بہا تو اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فعلِ ذبح میں کوئی کوتاہی نہیں ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اسی طرح تھی کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل پھیلے۔

ابراہیم علیہ السلام کے کون سے بیٹے ذبیح تھے؟ حضرت اسماعیل یا حضرت اسحاق علیہما السلام؟

جواب ملاحظہ ہو اِسی ''قرآنک انسائیکلوپیڈیا'' (حصہ انگریزی) کی جلد۲' صفحات ۱۵۰۴' ۱۵۰۵۔ یہاں اتنا سمجھ لیجئے کہ (۱) اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کا ثبوت تورات میں بھی موجود ہے جس کا ذکر علامہ غلام رسول سعیدی نے ''تبیان القرآن'' کی جلد نہم کے صفحہ ۹۲۲ پر کیا ہے۔ (۲) حضرت اسحاق علیہ السلام تو مکہ میں کبھی تشریف نہیں لائے جبکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے پدرِ محترم کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ (۳) قرآن نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو صـــابـر کہا ہے (سورۃ الانبیاء: ۸۵) نہ کہ اسحاق علیہ السلام کو' اور اس صابر کہنے میں اسماعیل علیہ السلام کے بوقتِ ذبح اِس قول کی تصدیق و توثیق ہے کہ آپ مجھے انشاء اللہ صابرین میں سے پائیں گے۔

(2) حضرت یوسف علیہ السلام سے متعلق خواب: سورہ یوسف میں چار خوابوں کا ذکر ہے جو علامتی اور رمزی ہیں اور تعبیر طلب ہیں اور اس لحاظ سے وہ اوپر بیان شدہ تیسری قسم (ج) کے زمرہ میں آتے ہیں۔

''(۱) سورہ کی آیت چہارم میں جناب یوسف اپنے والدِ محترم کو بتاتے ہیں کہ اُنہوں نے خواب میں سات ستاروں' سورج اور چاند سب کو اُن کے آگے سجدہ کرتے دیکھا ہے۔ یوسف علیہ السلام کے جس خواب کا ذکر شروع سورہ میں ہوا' اُس کی تعبیر سورہ کے آخر (آیت ۱۰۰) میں اُن کے رشتہ داروں کے مصر میں آنے میں ہوئی۔''

''(۲) اسی سورہ کی آیت ۳۶ میں ہم یوسف علیہ السلام کے دو قیدی ساتھیوں کے خواب کے متعلق پڑھتے ہیں۔ اُن میں سے ایک قیدی نے خواب میں اپنے آپ کو انگور نچوڑتے دیکھا جبکہ دوسرے نے اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے دیکھا جنہیں پرندے نوچ رہے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے ان خوابوں کی تعبیر یہ بیان کی کہ پہلا شخص شاہِ وقت کے لئے شراب نچوڑے گا جبکہ دوسرے کو پھانسی دی جائے گی۔'' (۱۲ : ۴۱)

''(۳) اِسی سورہ کی آیت ۴۳ میں بادشاہ کے خواب کا ذکر ہے جس میں اُس نے سات موٹی گائیں دیکھیں

جو سات دُبلی پتلی گایوں کو کھا گئیں اور اُس نے غلّہ کی سات سر سبز اور سات مرجھائی ہوئی بالیاں دیکھیں۔ بادشاہ کے درباری اس کی تعبیر نہ بتا سکے اور اسے ''پریشان خواب'' کہنے لگے (۱۲:۴۴)۔ یوسف علیہ السلام نے اِن علامات کو سات خوشحالی کے سالوں سے تعبیر کیا جنہیں قحط اور خشک سالی کے سات بُرے سال ہڑپ کر جائیں گے (۴۷ تا ۴۹ : ۱۲)۔''

''اُس آیت کے حوالے سے جس میں یعقوب علیہ السلام' یوسف علیہ السلام کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اپنا خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتائیں (۵ :۱۲)' جمہور مفسرین پیشین گوئی اور خواب کے مابین تعلق کی وضاحت کرتے ہیں۔ مثلاً الواحدی (م ۴۶۸ھ/۱۰۷۶ء) نے اپنی کتاب ''الوسیط'' میں واضح کیا کہ یوسف علیہ السلام پیغمبر تھے اور پیغمبر کا خواب وحیِ الٰہی اور حجت ہوتا ہے۔ یعقوب علیہ السلام بخوبی جانتے تھے کہ اُن کے بیٹے۔۔ یعنی یوسف علیہ السلام کے بھائی۔۔ خواب کا مطلب سمجھ جائیں گے اور یوسف کو ختم کرنے کی ٹوہ میں لگے رہیں گے۔ اسی لئے اُنہوں نے یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے آگے خواب کے افشاء نہ کرنے کی نصیحت کی تھی۔''

''اسی آیت کے حوالے سے علامہ قرطبی (م ۶۷۱ھ/۱۲۷۲ء) نے کچھ احادیثِ نبوی کا ذکر کیا ہے جو خوابوں کے قابلِ وثوق ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور جن میں (سچے) خواب کو نبوّت کا چھبیسواں' چالیسواں' چھیالیسواں' اُنچاسواں اور پچاسواں حصّہ بتایا گیا ہے۔ مزید برآں علامہ قرطبی خوابوں کی صفات کا جائزہ بطور پیش گوئیاں لیتے ہیں اور خوابوں کی مختلف قسموں اور خواب دیکھنے کے مختلف اوقات کا مقابلہ کرتے ہیں۔ وہ اپنے تبصرے کو یوسف علیہ السلام ''بہ حیثیت ایک پیغمبر'' اور روئے زمین پر ''بہ حیثیت خوابوں کے ایک بہترین معبّر'' کے بیان پر ختم کرتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کا اپنے دو قیدی ساتھیوں کے خوابوں کی تعبیر سے متعلق آیات ۳۶ تا ۴۱ کی تفسیر میں علامہ قرطبی ایک لطیف نکتہ اٹھاتے ہیں کہ جب خواب دیکھنے والے نے سچی بات بتا دی تو اُس کے خواب کی تعبیر اُس کی صداقت کے مطابق ہوئی لیکن جب خواب دیکھنے والے نے جھوٹ بولا تب تو صرف پیغمبر کی تعبیر ہی کے مطابق واقعہ ہونا تھا۔ یوسف علیہ السلام کے بیان قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ (۱۲:۴۱) (''وہ امر اسی طرح مقدر ہو چکا ہے جس کی بابت تم دونوں مجھ سے پوچھ رہے ہو'') کا جزم و وثوق صاف بتا رہا ہے کہ آپ کی تعبیر وحیِ الٰہی کے ماتحت تھی۔ قرطبی فرماتے ہیں کہ جب یوسف علیہ السلام نے اُس بدنصیب آدمی کے خواب کی تعبیر بیان کی تو وہ آدمی اُس خواب کے دیکھنے ہی سے مکر گیا۔ یوسف علیہ السلام کے جواب کا مفہوم یہی تھا کہ خواہ تم نے خواب دیکھا ہے یا نہیں' اُس معاملے کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے جس کی بابت تم مجھ سے سوال کر رہے تھے۔''

''تعبیر کی کتابوں میں یوسف علیہ السلام معبّر کی حیثیت سے اور وضاحتی طریقوں کے متعارف کرانے والے کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں ("Muhammedan Science" ... Bland, p. 125)۔ اس لئے خوابوں کی تعبیر بتانے والے ہر مسلمان کی بنیادی ضرورت یہ ہے کہ اُسے قرآنی تفسیر کی روایت کا مکمل علم ہو جس سے تعبیر کے کئی طریقے نکلتے ہیں (ایضاً ص ۱۳۲)۔ قرآن مجید کے کچھ حصّے بُرے خوابوں کے مقابل محافظ سمجھے جاتے ہیں (ایضاً ص ص ۱۲۹' ۱۳۰) اُن آیات کی تعبیر جو خوابوں کے دوران پڑھی یا سنی جاتی ہیں' اُس سورت کی نوعیت کے مطابق ہوگی جس میں وہ آیات واقع ہو رہی ہیں (ایضاً ۱۴۳)۔ ("Interpretation"...Kister, p. 143)

اَضـغَـاثُ اَحلَام (پریشان خوابیاں): یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں شاہِ مصر کے درباریوں کو بادشاہ کے خواب کی تعبیر کا کوئی علم نہیں تھا۔ اُنہوں نے کہا یہ کوئی باقاعدہ مربوط تعبیر طلب خواب تھوڑا ہی ہے' یہ تو پریشان خیالیوں کی طرح پریشان خوابیاں ہیں' اس لئے اُنہوں نے اسے اَضـغَـاثُ اَحلَام کا نام دے دیا۔ سورۃ الانبیاء کی آیت پنجم میں یہ الفاظ قرآن مجید کے لئے آئے ہیں اور اُن لوگوں نے انہیں استعمال کیا جنہیں قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے میں شک تھا۔ اَضغَاثُ اَحلَام اور رُءْ یَا/مَنَام کے مابین فرق کو اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ مؤخر الذکر یعنی رُءْ یَا/مَنَام الٰہی پیشین گوئی کا حصّہ ہوتے ہیں جو مستقبل کے بارے میں بتاتے ہیں۔ وہ صداقت کے حامل ہوتے ہیں اور لوگوں کی اس بارے میں رہنمائی کرتے ہیں کہ اُن کا عمل کیسا ہونا چاہیے۔

اس کے برعکس اَضـغَـاثُ اَحلَام گمراہ کن جھوٹ کے نمائندے ہوتے ہیں اور جنوں' بھوتوں کی طرف سے گھڑی ہوئی کہانیاں ہوتی ہیں جس کی وجہ سے وہ غیر معتبر ہوتی ہیں۔ اَضغَاثُ اَحلَام کے منفی پہلوؤں کے تقابل سے رُءْ یَـــا/مَنَـــام کی قدر اور وزن نمایاں ہو جاتے ہیں۔ یہ فرق اور تفاوت حدیث لٹریچر میں بھی آیا ہے جیسا کہ اس مشہور حدیث میں بیان ہوا: ''رُءْ یَا اللہ کی طرف سے اور حُلُم شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔''

''خوابوں سے متعلق کچھ قرآنی حوالہ جات نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیّبہ میں واقع ہونے والے مسائل سے متعلق ہیں اور اُن کا اسلامی عقیدے کے بنیادی عناصر قائم کرنے میں بڑا دخل ہے۔ اس کی مثالیں نبی اکرم ﷺ کے جنگِ بدر' فتحِ مکّہ اور سفرِ معراج کے متعلق خواب ہیں جن میں سے ہر ایک کو ذیل کی سطور میں واضح کیا گیا ہے:

''جنگِ بدر: سورۃ الانفال کی آیت ۴۳ اِس طرح ہے:

اِذۡ یُرِیۡکَهُمُ اللّٰهُ فِیۡ مَنَامِكَ قَلِیۡلاً وَلَوۡ اَرٰکَهُمۡ کَثِیۡرًا لَّفَشِلۡتُمۡ وَلَتَنَازَعۡتُمۡ فِی الۡاَمۡرِ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ اِنَّهٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِo (الانفال: ۴۳)

''(وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جب اللہ نے آپ کو آپ کے خواب میں وہ لوگ کم دکھلائے اور اگر وہ اُنہیں آپ کو زیادہ دکھا دیتا تو تم لوگ یقیناً ہمت ہار جاتے اور اس بارہ میں آپس میں جھگڑنے لگتے لیکن اللہ نے تمہیں بچا لیا' بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔'' (۸: ۴۳)

مندرجہ بالا آیت کی وضاحت یوں ہے کہ روایات کے مطابق آنحضور ﷺ نے جنگِ بدر سے پہلے خواب دیکھا جس میں آپ نے دشمن کو کم تعداد میں دیکھا۔ اس خواب کے سننے پر آپ کے صحابہ کے حوصلے اپنے پیغمبر کے خواب کی صداقت کی بنیاد پر بلند ہو گئے۔ اپنے پیغمبر کے خواب کو سچا ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے میدانِ جنگ میں مسلمانوں کی نظر میں دشمن کو کم کر کے دکھایا جیسا کہ اوپر کی آیت بتا رہی ہے۔ اس آیت کو اگر سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۳ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے جو اس طرح ہے:

جاتا ہے۔ پیشاب کے حجم میں کمی آجاتی ہے لیکن اس میں ٹھوس مادوں کا ارتکاز بڑھ جاتا ہے۔ تشکیلی عضلات کی طبعی سختی میں نرمی آجاتی ہے۔ نیند تھکے جسم و جان کے لئے ایک سہارا ہے۔ دن بھر کی کھوئی ہوئی توانائی واپس آجاتی ہے۔ نیند جسم کی ٹوٹ پھوٹ کی مرمت کر دیتی ہے۔ مختلف عمروں کے افراد کے لئے نیند کا دورانیہ یہ ہونا چاہئے: نومولود 18 سے 20 گھنٹے' بچے 10 سے 12 گھنٹے' بالغ افراد 6 سے 9 گھنٹے' معمر لوگ 5 سے 7 گھنٹے مگر یہ کوئی مستقل دورانیے نہیں ہیں۔ نیند کا ایسا دورانیہ جس کے بعد اٹھ کر لوگ خود کو مطمئن اور خوش باش پائیں' اوسطاً ساڑھے سات گھنٹے ہے۔ کسی شخص کے لئے نیند کا مطلوبہ دورانیہ وہی ہے جسے وہ خود محسوس کرے کہ ''بس میری ضرورت اتنی ہے''۔

''ہم کیوں سوتے ہیں؟ سائنس کے پاس بہت کم جوابات ہیں: علم الابدان' حیاتیات' نفسیات اور انسانی جسم کا مطالعہ کرنے والے دیگر عوامل بھی ابھی تک اس سوال کا کوئی واضح اور ٹھوس جواب تلاش نہیں کر سکے کہ ہم سوتے کیوں ہیں؟ آخر مسلسل جاگتے رہنا ہمارے لئے کیوں ممکن نہیں؟۔ نیند کے ذریعے آخر ہمارے جسم میں کون سی تبدیلی آجاتی ہے کہ ہم راحت محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اس کا جزوی جواب تو راقم الحروف نے لکھ دیا ہے لیکن حتمی جواب شاید اس صدی میں ڈھونڈ لیا جائے۔ سائنسدان پچھلی دو صدیوں سے خوابوں اور یادداشت کے باہمی تعلق پر تحقیق کر رہے ہیں اور اب اس خیال کے حامی ہیں کہ جب انسان نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے اور خواب دیکھتا ہے تو دن بھر کے تجربات اُس کی یادداشت میں محفوظ ہو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ گہری نیند اور کچی نیند دونوں ہمارے ذہن میں معلومات اکٹھی کرنے اور تجربات کی یادداشت کا حصہ بننے اور کچھ سیکھنے کی صلاحیت کے لئے کلیدی حیثیت رکھتی ہیں۔ کچھ ایسی باتیں ہیں جو بغیر سوئے سیکھی نہیں جاسکتیں۔ تجربات سے یہ بھی واضح ہوا ہے کہ اکثر انسانی دماغ نیند کے دوران پرانی سیکھی ہوئی باتوں کو نئی حاصل کی گئی معلومات سے جوڑ دیتا ہے اور کوئی حل تلاش کرنے یا نیا ہنر سیکھنے میں یادداشت کے ذخیرے سے کام لیتا ہے۔'' (''قرآن کے جدید سائنسی انکشافات''۔۔ پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم)

''جدید سائنسی تجربات: انسان جب سو رہا ہوتا ہے تو اُس کے دماغ سے لہریں نکل رہی ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایسے آلات ایجاد ہو گئے ہیں جو اِن لہروں کو ریکارڈ کرتے ہیں اور ساتھ ہی سونے والے کے عضلات کی حرکات کو بھی ریکارڈ کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ نیند کا مشاہدہ کرنے والے ماہرین نے سوئے ہوئے آدمی کا مشاہدہ کرنے اور ایک وقفے کے بعد اٹھانے سے ایسی باتیں دریافت کی ہیں جن کا ہزاروں سال پہلے قطعاً علم نہ تھا۔'' (ایضاً ص ۱۹۸' ۱۹۹)

خواب: ''الہام' کشف اور وجدان کی تینوں صورتیں عام بیداری میں نظر آتی ہیں جبکہ خواب کی کیفیت صرف نیند کی حالت میں طاری ہوتی ہے۔ انسان کے خوابوں کو سمجھنے کی خواہش ہزاروں سال پرانی ہے۔ خواب دیکھنا ایک قدرتی امر ہے اور ہر انسان خواب دیکھتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں پیغمبروں کے خوابوں کا بھی ذکر ہے جو رؤیائے صادقہ (سچے خواب) ہوتے ہیں اور وہ اللہ کی طرف سے اُن پر وحی کی صورت میں ہوتے ہیں۔''

''خوابوں کی تعبیر کے حوالے سے بہت سے اولیاء اللہ اور علمائے کرام کے نام آتے ہیں جنہیں اس علم پر دسترس رہی ہے مثلاً حضرت دانیال' حضرت امام جعفر صادق' حضرت امام محمد بن سیرین' حضرت امام جابر مغربی' حضرت ابراہیم

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ o (آلِ عمران : ۱۳)

''بے شک اُن دو گروہوں میں تمہارے لئے ایک نشانی ہے جو باہم مقابل ہوئے' ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا کافر تھا جو مسلمانوں کو کھلی آنکھوں سے اپنے سے دُگنا دیکھ رہے تھے اور اللہ اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے مدد کر دیتا ہے' بے شک اس واقعہ میں اہلِ بصیرت کے لئے بڑا سبق ہے۔'' (۳:۱۳)

تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر آیت ۴۳ : ۸ اِبتدائی حالت میں خواب نبی سے متعلق ہے تو آیت ۱۳ : ۳ اللہ کی نشانی کی مظہر ہے جو بدر کے میدانِ کارزار میں اُس خواب کو سچا ثابت کرنے کے لئے نازل ہوئی۔''

''فتحِ مکہ : سورۃ الفتح کی آیت ۲۷ اِس طرح ہے :

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُولَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللّٰهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِن دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا o

''بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو واقعہ کے مطابق سچا خواب دکھایا' تم لوگ مسجدِ حرام میں انشاء اللہ ضرور بالضرور امن وامان کے ساتھ داخل ہو گے' سر منڈاتے ہوئے اور بال کتراتے ہوئے اور تمہیں کسی کا بھی اندیشہ نہ ہوگا' سو اللہ کو وہ سب کچھ معلوم ہے جو تمہیں معلوم نہیں' پھر اُس نے اس سے پہلے ہی لگتے ہاتھ فتح دے دی۔'' (۴۸ : ۲۷)

فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا اس یک سالہ مُدّت کی تاخیر میں جو جو حکمتیں اور مصلحتیں تھیں' اُن کا بندوں کو کیا علم! فَتْحًا قَرِيبًا سے مراد فتحِ خیبر ہے جو اُس خواب کی تعبیر فوراً پوری نہ ہونے کی تلافی کے طور پر تھی۔ (ماجدی' ص ۱۰۲۸)

یہ آیت آغاز میں بیان شدہ تین قسموں میں سے پہلی قسم ہے جس میں یہ سارا بیان حقیقت کو شامل ہے۔

مستند روایات کے مطابق یہ آیت اُس خواب سے متعلق ہے جو نبیِ اکرم ﷺ نے حُدیبیہ کو روانگی سے پہلے دیکھا تھا۔ خواب میں آپ نے مسلمانوں کو مکہ کی مسجد الحرام میں داخل ہوتے دیکھا۔ صحابہ اس خواب کو سن کر قدرتی طور پر خوش ہوئے اور اُنہیں یقین ہوگیا کہ وہ اُس سال مکہ میں داخل ہوں گے۔ لیکن جب ایسا نہ ہوسکا تو مدینہ کے منافقوں کو اسلام کے تبلیغی مشن کو بدنام کرنے کا موقع ہاتھ آگیا۔ چنانچہ سورۃ الفتح کی آیت ۲۷ مسلمانوں کی حوصلہ افزائی' پیغمبرِ برحق کے خواب کی صداقت کہ یہ داخلہ اگلے سال ہوگا اور مخالفین کو خاموش کرنے کے لئے نازل ہوئی۔ (تفسیر شوکانی' ج ۵' ص ۵۵ ؛ تفسیر مقاتل' ج ۴' ص ۷۶ ؛ تفسیر کبیر لفخر الدین رازی ؛ تفسیر طبراسی' ج ۴' ص ۷۸ ؛ صحیح بخاری : باب التعبیر' باب الصالحین)

نبی اکرم ﷺ کا سفر معراج : سورہ بنی اسرائیل (الاسراء) کی آیت ۶۰ یوں ہے :

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْ أَرَيْنٰكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْآنِ

''اور ہم نے جو منظر آپ کو دکھایا تھا' اُسے ہم نے لوگوں کی آزمائش کا سبب بنا دیا اور اُس درخت کو بھی جس پر قرآن میں لعنت آئی ہے۔'' (۶۰ : ۱۷)

اِس آیت کی مختلف تاویلات کی گئی ہیں۔ اُن میں سے ایک تاویل واقعہِ معراج کی ہے جس کا ذکر سورۃ الاسراء کی ابتدائی آیت میں ہوا ہے۔ اس صورت میں اَلرُّءْيَا کا لفظ خواب کے معنی میں مستعمل نہیں بلکہ اس سے مراد رُؤیت العین یعنی عالمِ بیداری میں انہی ظاہری آنکھوں کے ساتھ دیکھنا ہے۔ اَلشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ سے مراد زَقُّوم کا درخت ہے جو دوزخیوں کی کھاج ہوگا۔ (تفسیر طبرانی : الدُّرُّ الثمین لجلال الدین السیوطی' ج ۴' ص ۲۱۰؛ تفسیر شوکانی ج ۳' ص ۲۴۰) فِتْنَةً لِّلنَّاس (لوگوں کی آزمائش) سے مراد یہ کہ کسی نے اس کی تصدیق کی اور کسی نے تکذیب کی۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ معراج خواب کا تھا تو پھر کسی کو اس کے انکار کرنے کی کیا ضرورت تھی اور یہ واقعہ لوگوں کی آزمائش کس طرح ہوتا؟ (تفسیر کبیر' ج ۷' ص ۳۱۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵)

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا کہ یہ رُءْیَا آنکھ سے تھا۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو آنکھ سے دکھایا تھا' یہ خواب کا واقعہ نہیں ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۹۱۷ ؛ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۳۴)

زَقُّوم تھوہر کا درخت ہے جس کا کھانا دوزخیوں کے لئے سخت ناگوار ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر دوزخ کے زَقُّوم کا ایک قطرہ بھی اہلِ زمین پر نازل کر دیا جائے تو اُن کی زندگیاں خراب اور فاسد ہو جائیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۴۱۳۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۶ھ)

آیت میں فرمایا کہ اس درخت پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے حالانکہ قرآن میں اس پر لعنت کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس سے مراد ہے دوزخ میں اس درخت کو کھاتے وقت کفار اس پر لعنت کریں گے۔

(۲) ہر وہ طعام جس کا ذائقہ مکروہ اور نقصان دہ ہو' اُسے عرب ملعون کہتے ہیں اور سورۃ الدُّخان اور الصّٰفّٰت میں اس کا بد ذائقہ اور مکروہ ہونا بیان ہوا ہے۔

(۳) ملعون کا معنی ہے دُور کیا ہوا اور قرآن مجید میں اس درخت کا اس طرح ذکر ہے کہ یہ تمام اچھی صفات سے دور کیا ہوا ہے۔

(۴) ملعون کا معنی ہے مذمّت کیا ہوا اور قرآن مجید میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔

(۵) ملعون سے مراد ہے اس کے کھانے والے ملعون ہیں۔ (زاد المسیر ج ۵' ص ۵۵' تفسیر کبیر ج ۷)

خواب کے جواز اور معقولیت سے متعلق احادیث: جیسا کہ بیان ہوا کہ احادیث نبوی خوابوں کے جواز اور معقولیت کو ثابت کرتی ہیں۔ ان احادیث میں سے چند ایک کو یہاں ضبط تحریر میں لایا جاتا ہے:۔

(۱) حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰہِ بْنُ مَسْلَمَۃَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ اِسْحٰقَ ابْنِ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ اَبِیْ طَلْحَۃَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: اَلرُّؤْیَاالْحَسَنَۃُ مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّۃٍ وَّاَرْبَعِیْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّۃِ (صحیح بخاری: کتاب التعبیر، باب رؤیا الصالحین ۶۹۸۳)

(۲) حَدَّثَنَا یَحْیٰی ھُوَابْنُ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا سَلَمَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: سَمِعْتُ اَبَاقَتَادَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اَلرُّؤْیَا الصَّادِقَۃُ مِنَ اللّٰہِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّیْطٰنِ (ایضاً: باب الرؤیا من اللہ ۶۹۸۴)

(۳) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ سَمِعَ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ: اِذَا رَاٰی اَحَدُکُمْ رُؤْیَا یُحِبُّھَافَاِنَّمَا ھِیَ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی فَلْیَحْمَدِاللّٰہَ عَلَیْھَا وَلْیُحَدِّثْ بِھَا وَاِذَارَاٰی غَیْرَذٰلِكَ مِمَّا یَکْرَہُ فَاِنَّمَا ھِیَ مِنَ الشَّیْطٰنِ فَلْیَسْتَعِذْ مِنْ شَرِّھَا وَلَایَذْکُرْھَا لِاَحَدٍ فَاِنَّھَا لَاتَضُرُّہٗ (ایضاً: ۶۹۸۵)

(۴) عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اَلرُّؤْیَا الصَّالِحَۃُ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّیْطٰنِ فَاِذَا حلم اَحَدُکُمْ فَلْیَتَعَوَّذْ مِنْہُ وَلْیَبْصُقْ عَنْ شِمَالِہٖ فَاِنَّھَا لَا تَضُرُّہٗ (بخاری: باب الرؤیا الصالحۃ جزء من ستۃ و اربعین جزءًا من النبوۃ: ۶۹۸۶)

(۵) قَالَ اَبُوْھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشِّرَات قَالُوْا: مَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ: اَلرُّؤْیَا الصَّالِحَۃُ (بخاری: کتاب التعبیر باب المبشرات: ۶۹۹۰)

(۶) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ: مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَۃِ وَلَا یَتَمَثَّلُ الشَّیْطٰنُ بِیْ (ایضاً: ۶۹۹۳)

(۷) عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ (ایضاً: باب من رأی النبی ﷺ فی المنام ۶۹۹۴)

(۸) عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اَلرُّؤْیَا الصَّالِحَۃُ مِنَ اللّٰہِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّیْطٰنِ فَمَنْ رَاٰی شَیْئًا یَکْرَھُہٗ فَلْیَنْفِثْ عَنْ شِمَالِہٖ ثَلَاثًا وَلْیَتَعَوَّذْ مِنَ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّھَالَاتَضُرُّہٗ وَاِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَتَرَاءٰی بِیْ (ایضاً: ۶۹۹۵)

(۹) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سَمِعَ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ: مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاٰی الْحَقَّ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَتَکَوَّنُنِیْ (ایضاً: ۶۹۹۷)

(۱) حضرت اَنَس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نیک آدمی کا اچھا خواب نبوّت کا چھیالیسواں حصّہ* ہوتا ہے۔'' (صحیح بخاری: کتاب التعبیر' باب: رُءیا الصالحین)

(۲) ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سچے خواب اللہ کی طرف سے اور حُلم (شہوانی اور جماعی) خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔(ایضاً)

(۳) ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: جب تم میں سے کوئی پسندیدہ خواب دیکھے تو دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے' پس اُسے اُس پر اللہ کا شکرادا کرنا چاہئے اور اُسے لوگوں سے بیان بھی کرنا چاہئے اور اگر وہ کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو دراصل وہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے' پس اُسے اُس کے شر سے پناہ مانگنی چاہئے اور اُس کا ذکر کسی سے نہ کرے تو وہ خواب اُسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔(ایضاً)

(۴) ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اچھے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور شہوانی خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔ جب تم میں سے کوئی شخص شہوانی خواب دیکھے تو وہ شیطان سے پناہ مانگے اور اپنے بائیں جانب تھوک دے' تو وہ خواب اُسے کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچائے گا۔(ایضاً)

(۵) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے سنا: نبوّت میں سے سوائے مُبشرات کے کچھ بھی باقی نہیں بچا۔ صحابہ نے پوچھا: مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا: اچھے خواب۔(ایضاً)

(۶) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے سنا: جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو وہ عنقریب مجھے حالتِ بیداری میں بھی دیکھ لے گا** اس لئے کہ شیطان کو میری شکل دھارنے کا اختیار نہیں دیا گیا۔

(۷) حضرت اَنَس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اُس نے (دراصل) مجھے ہی دیکھا' کیونکہ شیطان کو میری شکل اختیار کرنے کی قدرت نہیں دی گئی۔(ایضاً' باب: مَنْ رَأَی النَّبِیَّ ﷺ فِی الْمَنَام)

(۸) ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اچھے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور شہوانی خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں' تو جو کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اُسے اپنے بائیں جانب تین دفعہ تھوک دینا چاہئے اور شیطان سے (اللہ کی) پناہ مانگنی چاہئے تو وہ خواب اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا اور شیطان میری موجودگی میں نظر نہیں آتا۔

---

*اس کی حکمت یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کے تبلیغی مشن کا کل عرصہ 23 سال ہے۔ اپنی نبوّت کے اعلان سے چھ ماہ پہلے آپ کو سچے خواب آنے شروع ہو گئے تھے۔ اگر ان چھ ماہ کو ایک اکائی فرض کر لیا جائے تو ایک سال میں دو اکائیاں ہوئیں۔ اس لحاظ سے 23x2=46 صحیح حساب ہے۔

** محدّثین اِس حدیث کی تاویل دو طرح کرتے ہیں: ایک یہ کہ خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت کرنے والے کو بوقتِ نزاع عالمِ بیداری میں بھی آپ کی زیارت نصیب ہوگی۔ دوم یہ کہ ایسے شخص کو اِس زندگی میں چلنے پھرنے کے دوران بھی روزمرہ معمولات کے دوران زیارت نصیب ہوگی۔

(۹) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: جس شخص نے مجھے (خواب میں) دیکھا تو فی الحقیقت اُس نے صرف اور صرف مجھے ہی دیکھا' اس لئے کہ شیطان میری شکل نہیں دھار سکتا۔''* (ایضاً)

ماخذ: (Encyclopaedia of the Quran, Vol. 1, pp. 546-552)

نیند (SLEEP)

''نیند قدرت کی عظیم ترین ایجاد اور زندگی کے لئے انمول عطیہ الٰہی ہے۔ جن آیاتِ قرآنی میں رات کا ذکر آیا ہے وہاں ''آرام'' کا لفظ بھی ضرور آیا ہے۔ تمام جانداروں بہ شمول انسان' حیوانات' چرند و پرند سب کو نیند کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیند ہمارے جسم کے لاکھوں خلیوں کی ٹوٹ پھوٹ کی مرمت کا موقع فراہم کرتی ہے۔ نیند تھکے جسم و جان کے لئے ایک سہارا ہے۔ دن بھر کی کھوئی ہوئی توانائی واپس آجاتی ہے۔ جسمانی ٹمپریچر کو ریگولیٹ کرنے کا میکانزم جاگنے کے لمحات کے مقابلے میں دورانِ نیند 0.5 تا 1.0 ڈگری فارن ہائٹ کم رہتا ہے۔ دل کی دھڑکن کی شرح دس تا تیس بار تک فی منٹ ہو جاتی ہے۔ بلڈ پریشر تقریباً 20 ایم ایم کم ہو جاتا ہے۔ پیشاب کے حجم میں کمی آ جاتی ہے لیکن اس میں ٹھوس مادوں کا ارتکاز (Concentration of Solids) بڑھ جاتا ہے۔ تشکیلی عضلات کی طبعی سختی میں نرمی آ جاتی ہے۔ آنکھوں کی معمول کی گردش کا رُخ اوپر کی جانب ہو جاتا ہے اور ان کی پتلیاں سکڑ جاتی ہیں۔'' (''قرآن کے جدید سائنسی انکشافات'' ۔۔۔ پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم' ص ص ۱۹۸'۱۹۹)

معروف انگریز ڈرامہ نگار شیکسپیئر نے اپنے ہیرو (Macbeth) کی زبانی کس خوبصورتی سے نیند کی ستائش کی ہے!**

یوں لگتا ہے کہ شیکسپیئر کی طرف سے بولنے والے ہیرو (Mouthpiece) کو مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنی نے اکسایا ہے کہ وہ ایسی عظیم بات کہہ گیا ہے:۔

(۱) هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ○ (یُونُس: ٦٧)

''اللہ تعالیٰ کی ذات تو وہ (بلند و برتر) ذات ہے جس نے رات کو تمہارے لئے سامانِ راحت بنایا اور دن کو (کاروبار کے لئے) روشن کیا' ہوش و گوش رکھنے والوں کے لئے ان میں نشانیاں ہیں۔'' (۱۰:۶۷)

(۲) هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ○ (الفرقان: ۴۷)

* کچھ محدثین کے نزدیک حدیث مذکورہ میں لفظ حق سے مراد اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام حق بھی ہے۔

** اس کا ترجمہ اسی انسائیکلوپیڈیا (حصہ اردو) کے صفحہ ۳۳۳ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

''وہ وہی تو ہے جس نے رات کو تمہارے لئے لباس (پردہ) بنایا اور نیند کو موجب راحت اور دن کو وقتِ برخاست (اُٹھ کھڑا ہونے کا وقت) بنایا۔'' (۴۷ : ۲۵)

(۳) قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيكُم بِضِيَاءٍ أَفَلَا تَسْمَعُونَo قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيكُم بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ أَفَلَا تُبْصِرُونَo وَمِنْ رَّحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَo (القصص:۷۱تا۷۳)

''(اے رسول!) فرما دیجئے کہ دیکھو تو اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے روزِ قیامت تک طویل ترشب تار طاری کردے تو اللہ کے سوا وہ کون معبود ہے جو تمہیں روشنی مہیا کردے؟ کیا تم (حقائقِ حیات کی تفسیر) سنتے نہیں ہو؟ فرما دیجئے دیکھو تو اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے روزِ قیامت تک رہنے والا دن برپا کردے تو اللہ کے سوا وہ کون معبود ہے جو تمہارے لئے ''رات'' لانے پر قدرت رکھتا ہو تاکہ تم اُس میں سکون وآرام پاؤ کیا تم (چشمِ بصیرت سے) دیکھتے نہیں ہو؟ اور اُس کی رحمت کے کتنے نمایاں آثار ہیں کہ اُس مدبّرِ لیل ونہار نے تمہارے لئے رات اور دن بنائے تاکہ تم رات میں آرام پاؤ اور دن میں اپنے اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو (تدبیرِ معیشت کرو) تاکہ تم شکرانِ نعمت کرو۔'' (۷۱ تا ۷۳ : ۲۸)

نیند کی قدر وقیمت اُس شخص سے پوچھئے جو بے خوابی کے مرض (insomnia) کا شکار ہے۔ بے خوابی ایسا مرض ہے جو اپنے دامن میں ناگفتہ بہ مصیبتوں اور بیماریوں کا طوفان لاتا ہے۔

نیند جیسی نعمتِ عظمیٰ کے شکرانے میں ہمیں اپنے ہی مفاد کی خاطر اُن حیاتیاتی اصولوں کی پابندی کرنی چاہئے جن کی اللہ کے آخری رسول ﷺ نے تعلیم دی ہے:۔

نیند سے متعلق سنتِ نبوی کے آداب

نبی اکرم ﷺ کے کسی صحابی کے متعلق نہیں سنا گیا کہ وہ بے خوابی کے مرض میں مبتلا تھے۔ اُن پر اس طبی نعمت کے عطا کئے جانے کی وجہ صرف یہی تھی کہ وہ نیند کے اُن آداب وضوابط پر سختی سے کاربند تھے جو نبی ﷺ نے اُنہیں بتائے تھے۔ جدید طبی سائنس نے نبی اکرم ﷺ کے سونے کے طریقے کے حیاتیاتی فوائد کی تائید کی ہے جس کا مختصر اور جامع بیان ذیل میں دیا جاتا ہے:۔

(۱) نماز عشاء کے بعد سونے میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے : سوائے شدید ضرورت کے (جیسے مذہبی علمی

گفتگو اور مباحثہ' مہمان کی خاطرداری اور اہلِ خانہ سے ہنسی مذاق کی باتیں) سونے میں تاخیر مناسب نہیں ہوتی۔ ابو برزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضورﷺ نمازِ عشاء سے پہلے سو جانے اور عشاء کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔

(۲) باوضو سونا چاہیے: نبی اکرم ﷺ کی یہ مستقل عادتِ کریمہ تھی کہ آپ سونے سے پہلے وضو فرما لیا کرتے تھے اور اس ضمن آپ نے یہ حکم دیا:

إِذَا أَتَيْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وَضُوْءَكَ لِلصَّلٰوةِ (صحیح بخاری' صحیح مسلم)

''اپنی خوابگاہ میں آنے سے پہلے اس طرح وضو کر لیا کرو جس طرح نماز کے لئے وضو کرتے ہو۔''

(۳) دائیں کروٹ اور قبلہ رُخ سونا چاہیے: نبی اکرم ﷺ دائیں کروٹ اور قبلہ رُخ ہو کر سوتے تھے۔ اس ضمن آپ کا فرمان یوں ہے:

(i) إِذَا أَتَيْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وَضُوْءَكَ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلٰى شِقِّكَ الْاَيْمَنِ

''اپنی خوابگاہ میں آنے سے پہلے اس طرح وضو کر لیا کرو جس طرح نماز کے لئے وضو کرتے ہو' پھر اپنی دائیں کروٹ لیٹ جاؤ۔'' (صحیح بخاری' صحیح مسلم)

(ii) إِذَا آوَيْتَ إِلٰى فِرَاشِكَ وَ أَنْتَ طَاهِرٌ" فَتَوَسَّدْ يَمِيْنَكَ

''جب تم اپنے بستر کی طرف باوضو آؤ تو اپنی بائیں کروٹ کو تکیہ بناؤ۔''

طبِّ جدید نے دائیں کروٹ سونے کی حکمت یہ معلوم کی ہے کہ دل انسان کے بائیں طرف ہے اور بائیں کروٹ سونا دل اور معدہ کے امراض کے خطرے کا موجب بن سکتا ہے۔ بائیں کروٹ سونے میں معدہ اور انتڑیاں بُری طرح دل پر بوجھ ڈالتے ہیں جس کے نتیجہ میں دورانِ خون اور دل کی دھڑکن میں رکاوٹ پڑتی ہے۔

بمبئی (انڈیا) ہسپتال کے ڈاکٹر کرشن لال شرما نے جو تجربات کئے ہیں وہ بتاتے ہیں کہ بے خوابی کے وہ مریض جنہیں مسلسل دائیں کروٹ لٹایا گیا' جلد صحت یاب ہو گئے اور وہ مریض جنہیں بائیں کروٹ لیٹے رہنے دیا گیا' تمام وقت بے آرام رہے۔ لہٰذا جدید تحقیق یہ بتاتی ہے کہ دائیں کروٹ سونے میں دل اور معدہ کی بیماریوں سے تحفظ ملتا ہے اور اِس میں سکتہ (Coma) کا بھی علاج ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ ''دل بائیں طرف واقع ہے اور اُس کروٹ سونا اِس قدر گہری نیند کا موجب ہوتا ہے کہ سونے والا آدمی خود فراموشی کا شکار ہو جاتا ہے اور تھوڑی سی آہٹ بھی اُسے نہیں جگا سکتی۔ اسلام میں ایسی نیند قابلِ ستائش نہیں ہے۔ اس کے برعکس دائیں کروٹ سونے سے گہری نیند آتی ہی نہیں اور معمولی سی آواز ہی سے انسان جاگ جاتا ہے۔ اس طرح انسان اپنے آپ کو اور اپنے اہلِ خانہ کو تکلیف دہ لمحہ سے بچا سکتا ہے۔ دائیں کروٹ

سونے سے انسان فجر کی نماز کے لئے بروقت جاگ جاتا ہے۔'' (''مدارج النبوۃ'' بحوالہ ''سنتِ نبوی اور جدید سائنس'' از حکیم محمد طارق محمود چغتائی' جلد اوّل' صفحات ۱۳۵' ۱۳۶)

(۴) ''منڈیر (حفاظتی روک) بغیر کی چھت پر سونے کی ممانعت: کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ نیند سے جاگنے پر انسان کو اپنے آس پاس کا مکمل شعور نہیں ہوتا۔ لہٰذا منڈیر بغیر کی چھت پر سونے میں آدمی کے نیچے گرنے کے بہت زیادہ مواقع ہیں۔ اس خطرے کو بھانپتے ہوئے آج کے انسان نے چھت کے اردگرد جنگلہ لگوانے کا انتظام کرلیا ہے جبکہ اسلام نے متوقع خطرہ سے صدیوں پہلے آگاہ کردیا تھا۔''

(۵) پیٹ کے بل سونے کی ممانعت: پیٹ کے بل سونے سے تمام اعضائے انہضام اور اعضائے رئیسہ غیر متوازن ہو جاتے ہیں اور صحیح کارکردگی سے سست پڑ جاتے ہیں۔ اس طریقے سے سونے کا براہِ راست اثر پہلے دماغ اور اعصابی تحرک پر پڑتا ہے جو اپنی صحیح جگہ سے ہٹ کر منفی سمت کو ہو جاتے ہیں۔ اس طریق پر سونے والوں کو ڈراؤنے خواب آنے کی یہی وجہ ہوتی ہے۔ ماہرینِ نفسیات کا کہنا ہے کہ ایسا شخص معمول کی کیفیت سے ہٹ کر غیر فطری کیفیت میں ہو جاتا ہے اور کج خیالی کا شکار ہو جاتا ہے۔ امام غزالی کہتے ہیں کہ پیٹ کے بل سونا احمقوں کا طریقہ ہے۔'' (حکیم محمد طارق محمود چغتائی' ج ۱' ص ص ۱۳۶' ۱۳۸۷)

پیٹ کے بل سونے کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا:

(i) اِنَّهَا ضِجْعَةُ أَهْلِ النَّارِ

''اِس طرح سونا دوزخیوں کا طریقہ ہے۔''

(ii) اِنَّهَا ضِجْعَة'' لَا يُحِبُّهَا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ

''اِس طرح سونا اللہ تبارک وتعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔''

(۶) حد سے زیادہ سونے کی ممانعت: نبی معظم ﷺ نے درج ذیل وجوہ کی بناء پر حد سے زیادہ سونے کی ممانعت کی ہے اور اِن وجوہ کی تحقیقِ جدید نے بھی تائید کی ہے:۔

(i) بہت زیادہ سونے سے جسم میں سستی اور کسلمندی پیدا ہوتی ہے۔ دنیاوی معاملات میں نقصان اُٹھانے کے ساتھ ساتھ مذہبی فرائض کی تکمیل بھی پوری طرح نہیں ہو پاتی۔

(ii) مرگی' شدید جذباتی ہیجان (Hysteria) اور بے خوابی کے اَمراض بڑھ جاتے ہیں۔

(iii) امراضِ چشم بالخصوص پپوٹوں کی جراثیم زدگی (Infection) کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔

(iv) ڈراؤنے خوابوں کا مرض بھی بہت زیادہ سونے کا نتیجہ ہوتا ہے جو ایسے مریضوں کے لئے زہر آلود آلہ ہے۔

''جاپانی قوم بہت کم سوتی ہے اور اسی وجہ سے اُن کا شمار دنیا کی ترقی یافتہ اقوام میں ہوتا ہے۔'' (ایضاً ص ۱۳۷)

(۷) چمڑے اور کھجور کی چھال کا بستر: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بستر مبارک چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوتی تھی (مدارج النبوۃ)۔ کھجور کی چھال فوم(Foam) کی طرح نرم ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود وہ فوم کی طرح نقصان دہ نہیں ہوتی بلکہ صحت کے لئے مفید ہوتی ہے۔'' (حکیم محمد طارق محمود چغتائی' جلد اوّل' صفحہ ۱۳۸) امریکی کونسل برائے صحت نے اِس موضوع پر اپنی حالیہ رپورٹ میں اعلان کیا ہے کہ چمڑے کا بستر بواسیر' کمر کے درد' اعصابی بے کیفی (Nerve Depression) اور اعصابی کمزوری کے امراض کے لئے واحد معالجاتی ذریعہ ہے۔''

(۸) ''نمازِ عشاء سے پہلے سونے کی ممانعت: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نمازِ عشاء سے پہلے سونے سے منع فرمایا ہے (زاد المعاد)۔ اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ غروبِ آفتاب سے کچھ پہلے (وقتِ عصر) زمین کی محوری گردش سست پڑ جاتی ہے۔ اُس وقت زمین سے ایک خاص قسم کی گیس خارج ہوتی ہے جو انسانی دل و دماغ پر بُرا اثر چھوڑتی ہے۔ لہٰذا انسان اگر عصر یا مغرب کی نماز کے بعد سو جائے تو وہ اُس نقصان کا مقابلہ نہیں کرسکتا جو اُس خارج شدہ گیس سے ہوتا ہے۔ اس طرح وہ لاتعداد بیماریوں کا بہ آسانی شکار ہو جاتا ہے۔'' (ایضاً ص ۱۳۹)

(۹) سونے سے پہلے لباس کی تبدیلی: سونے کے دوران ڈھیلے ڈھالے' ہلکے پھلکے اور نرم و ملائم لباس کا ہونا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنتِ مبارکہ ہے۔

''حفظانِ صحت کے اصولوں کی رُو سے اِس لباس میں سونا مناسب نہیں ہے جسے آپ دن بھر کی دوڑ دھوپ میں پہنے رہتے ہیں بلکہ اُسے ڈھیلے ڈھالے' ہلکے پھلکے اور نرم و ملائم لباس سے بدل لینا بہتر ہے کیونکہ گہری اور پُر سکون نیند تنگ اور کھردے لباس میں نہیں آ سکتی۔''

''نیند کا لباس یورپی اقوام کی اختراع ہے جسے وہ حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق قرار دیتے ہوئے بڑے فخر سے پہنتے ہیں جبکہ اسلام نے ہم مسلمانوں کے لئے ہلکا پھلکا' ڈھیلا ڈھالا اور نرم و ملائم لباس تجویز کیا ہے۔'' (ایضاً ص ص ۱۳۹' ۱۴۰)

(۱۰) ''سونے سے پہلے بستر کو جھاڑ لینا: کسی کیڑے پتنگے کے کاٹنے سے بچنے کے لئے جو شاید بستر میں چھپا ہوا ہو' نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سونے سے پہلے بستر کو جھاڑ لینے کی ہدایت کی ہے۔'' (ایضاً ص ۱۴۰)

(۱۱) سونے سے پہلے بتی کا بجھا دینا: یہ حفاظتی تدبیر اِس خطرے سے بچنے کے لئے ہے کہ سونے کے دوران کہیں کسی چیز کو آگ نہ لگ جائے۔ یہ تدبیر اُس کاربن گیس کی وجہ سے دَم گھٹ کر مرنے کے خطرے سے بچنے کے لئے بھی ضروری ہے' جو خوابگاہ میں اکٹھی ہو جاتی ہے۔ آج کے دَور میں برقی بلب کا بجھانا بھی ضروری ہے کیونکہ اس کے بجھانے کی

صورت ہی میں گہری' آرام دہ نیند آئے گی اور اس طرح آنکھیں بھی بلب کی شعاعوں کے مضر اثرات سے بچی رہیں گی۔ علاوہ ازیں بجلی کی تاروں میں برقی رَو (Electric Current) کے رواں دواں ہونے کی وجہ سے بالخصوص رات کو نیند کے اوقات میں آگ کا لگ جانا آئے دن کے معمول بن گئے ہیں۔'' (ایضاً صفحات ۱۴۲' ۱۴۳) اور پیغمبر علیہ السلام کی ہدایت میں یہی حکمت کارفرما ہے۔

(۱۲) سونے سے پہلے نبی اکرم ﷺ سُبْحَانَ اللهِ ۳۳ بار' اَلْحَمْدُ لله ۳۳ بار اور اَللهُ اَکْبَر ۳۴ بار پڑھتے تھے۔

(۱۳) سوتے میں اگر آنکھ کھل جائے تو سونے والے آدمی کو یہ کلمات پڑھنے چاہئیں:۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ' لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ

روایات میں آیا کہ مندرجہ بالا کلمات ادا کرنے پر اللہ تعالیٰ سے جو کچھ بھی مانگا جائے' وہ ضرور عطا فرماتا ہے۔ [''منہاج المسلم''۔۔۔ابوبکر جابر الجزائری (ترجمہ اردو) صفحہ ۲۳۴]

(۱۴) نیند سے بیدار ہونے پر یہ کلماتِ تشکر پڑھنے چاہئیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ (صحیح بخاری' صحیح مسلم)

''تمام تعریف اُس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں (عارضی) موت کے بعد (دوبارہ) زندہ کیا اور اُسی کے پاس جمع ہونا ہے۔''

(۱۵) بستر پر سے اٹھنے کے فوراً بعد ہاتھ دھو لینے چاہئیں: سونے والے آدمی کو معلوم نہیں ہوتا کہ نیند کے دوران اُس کے ہاتھ کہاں کہاں رہے ہیں اور یہ کہ کتنے جراثیم ہاتھوں سے چمٹ گئے ہیں۔اس لئے یہ حکم دیا گیا۔

(۱۶) نمازِ تہجد شروع کرنے سے پہلے تہجد گزار کو آسمان کی طرف دیکھ کر سورہ آلِ عمران کی آخری دس آیات (۱۹۱ تا ۲۰۰) تلاوت کرنی چاہئیں اور پھر وضو کرنے کے بعد نمازِ تہجد ادا کرلینی چاہئے۔

(۱۷) نیند کی بابت کچھ اور احادیثِ مبارکہ

(i) دن میں کچھ دیر سو لینے سے رات کو نماز تہجد کی ادائیگی میں آسانی ہوگی۔

(ii) سورج نکلنے تک سوئے رہنا رزق میں کمی کا موجب ہے۔

(iii) بوقتِ عصر سونے والے کی عقل میں فتور آجائے گا جس کا الزام اسے خود کو دینا چاہئے۔

کرمانی، حضرت امام اسمٰعیل بن اشعث اور شیخ عبدالغنی نابلسی کے اقوال بطورِ سند پیش کیے جاتے ہیں اور علمِ تعبیر کے فن پر بیس کے قریب کتابیں زیادہ مقبول اور مستند ہیں لیکن اُن میں سے حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ (۳۶ تا ۱۲۳ھ) کی کتاب مُنتخب الکلام فی تفسیر الاحلام اور شیخ عبدالغنی نابلسی کی کتاب تعطیر الانام فی تعبیر المَنام کو خاص شہرت حاصل ہے۔

نیک لوگوں کے خواب سچے اور الہامی ہوتے ہیں۔ ان معنوں میں خوابوں کو ''مستقبل کا پیغامبر'' کہا جا سکتا ہے۔ یہ حقیقت نبیِ اکرم ﷺ نے بھی ارشاد فرمائی کہ ''رؤیائے صادقہ (سچے خواب) ایک قسم کا الہام ہے۔ آئندہ پیش آنے والے واقعات جاننے کا طریقہ مُبشّرات کے سوا کچھ نہ ہوگا۔'' صحابہ کرام نے دریافت فرمایا: ''یا رسول اللہ! مُبشّرات کیا ہیں؟ فرمایا: ''وہ سچے خواب ہیں۔''

خوابوں کی سائنسی حقیقت: ''لاشعور کبھی نہیں سوتا۔ خواب لاشعور کے کرشمات ہیں۔ ایک ہی وقت میں انسان دو دُنیاؤں میں رہتا ہے: ایک اُس کے اندر کی دُنیا اور دوسری اُس کے باہر کی دُنیا۔ جب انسان سو جاتا ہے تو خارجی دُنیا سے علیحدہ ہو کر اپنے اندر کی دُنیا میں چلا جاتا ہے جو خوابوں اور خیالوں کی دُنیا ہے۔ اس میں عجیب و غریب اشیاء موجود ہیں۔ ہزاروں صدیاں گزرنے کے باوجود بھی اس کے اَسرار معلوم نہیں ہو سکے۔ زندگی میں ہمیں جس شے کی کمی اور خواہش ہوتی ہے، خواب میں ہمیں اُس کا بدل مل جاتا ہے۔ خواب اُن الجھنوں کا سبب نظر آتے ہیں جنہیں انسان بیداری میں حل نہیں کر پاتا۔ خواب انسان کے وجود کا ایک اہم عنصر ہیں اور بسا اوقات انسان کی زندگی میں انقلابی تبدیلی پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ انسانی زندگی کے اندر موجود کشاکش کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔'' (پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم، ص ص ۲۱۱، ۲۲۱)

قارئینِ کرام! راقم الحروف نے تعلیقاتِ مفیدہ کے علاوہ الٰہی بحرِ موّاج میں سے چند قطرے اِس ابدی حقیقت کے مصداق آپ کے حضور پیش کر دیے ہیں کہ اَلْاِسْلَامُ ھُوَالْفِطْرَۃُ وَالْفِطْرَۃُ ھِیَ الْاِسْلَام (اسلام فطرت ہے اور فطرت ہی عین اسلام ہے) جس کی صدائے بازگشت پورے انسائیکلوپیڈیا میں سنائی دے گی۔

آخر میں اُس ذاتِ کردگار کے حضور کروڑہا سجدہ ہائے شکر ادا کرنے کے ساتھ دلی دعا ہے کہ وہ بندۂ پُرخطا کی اِس خدمتِ قرآن کو اپنی بارگاہِ عالیہ میں شرفِ قبول بخشے، اسے میری اور میرے والدین کریمین اور اساتذہ کے لئے ذریعہ مغفرت بنائے۔ قارئینِ کرام سے درخواست ہے کہ وہ بھی ربِّ ذوالجلال والاکرام سے اِس بندۂ بے مایہ کے حق میں دعائے خیر فرمایا کریں اور زیرِ نظر کام میں اگر میری کوئی خطا پائیں تو درگزر فرمائیں۔ اس کے مطالعہ کے بعد اپنے مفید اور قیمتی مشوروں سے مستفید فرمائیں تاکہ اُنہیں آئندہ ایڈیشن میں شامل کر لیا جائے۔ علامہ اقبال کی اس دعا کے ساتھ تعارف کا اختتامیہ ہوتا ہے:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان — اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار — آمین!

خاکپائے صالحین
اشفاق

9 مارچ 2012ء

(۳۴) لباس (DRESSING)

اسلام میں لباس کا مقصد: مندرجہ ذیل آیت میں قرآن مجید نے واضح طور پر انسانی لباس کا مقصد بیان کردیا ہے:۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ'' (الاعراف:۲۶)

''اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لئے لباس اتارا ہے (جو) تمہارے پردہ والے بدن کو چھپاتا ہے اور (موجب) زینت بھی ہے اور تقویٰ کا لباس اس سے بڑھ کر ہے۔'' (۷ : ۲۶)

آیت سے یہ حقیقت ظاہر ہورہی ہے کہ لباس وحجاب مقاصدِ شرعی میں سے ہیں اور برہنگی (ننگا پن) ونیم برہنگی کا فلسفہ خواہ اُس کی تبلیغ یورپ اور امریکہ سے ہورہی ہو یا اُس کی ترویج وحشی وغیر مہذب قوموں میں ہو، بہر حال ایک شیطانی فلسفہ ہے۔ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا میں اَنْزَلْنَا کے لفظی معنی اُتارنے کے ہیں اور اَنْزَلَ کے لفظ میں اُس کی برکتوں کی طرف اشارہ ہے کہ گویا وہ آسمان سے اُترا ہوا ہے۔ غور کیا جائے تو ہر لباس اپنی تیاری کے لئے اسبابِ آسمانی ہی کا محتاج نظر آئے گا۔ ریشم، اُون، سُوت، سب کی پیداوار کے آخری، ظاہری اسباب جاکر بارش ہی پر ٹھہرتے ہیں۔

آیت کے الفاظ يُوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ اور رِيْشًا میں لباس کے مقاصد آگئے ہیں۔ رِیْش کا لفظی معنی پرندے کے پَر کے ہیں (مفردات امام راغب)۔ پرندے کے پَر پرندے کی خوبصورتی اور دلآویزی کا موجب ہوتے ہیں۔ يُوَارِيْ کا معنی ''چھپانا'' اور سَوْءَة (جس کی جمع سَوْاٰت ہے) کا معنی ''جسم کے ننگے اعضاء'' ہے۔ اِن الفاظ کے معانی کو مدّنظر رکھتے ہوئے قرآن کا مقصدِ لباس دُہرا ہے: (۱) یہ کہ لباس جسم کے اُن اعضاء کو مکمل طور پر چھپائے جنہیں انسان دوسروں کے آگے ظاہر کرنے سے قدرتی طور پر شرماتا ہے (۲) حُسن و جمال کے معاملہ میں لباس لوگوں کی ضروریات اور جمالیات کی حِس کی تسکین کرے۔

اِس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص اِن دو مقاصدِ لباس یعنی ننگے پن کو چھپانا اور زیب وزینت میں سے کسی ایک مقصد سے رُوگردانی کرتا ہے، اُس کا الٰہی حکم پر کوئی ایمان نہیں، وہ شیطانی راستے پر چل رہا ہے اور قرآن مجید کے دکھائے ہوئے راستے سے رُوگرداں ہے۔ لِبَاسُ التَّقْوٰى (تقویٰ کا لباس) شرم وحیا، خوفِ خدا اور احساسِ عبدیت سب کو شامل ہے۔ جب تقویٰ کا زیور کسی پر نچھاور کیا جاتا ہے تو اُس کی عزت وآبرو اور حُسن و جمال قابلِ دید ہوتے ہیں۔ انسانی شکل میں وہ دراصل فرشتہ ہوتا ہے اور فرشتے خود اس پر رشک کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے لباسِ تقویٰ کو تمام لباسوں سے بہتر بتایا گیا ہے۔ (''تدبر القرآن''۔ امین احسن اصلاحی، جلد دوم، صفحہ ۶۲۱)

مندرجہ ذیل آیات میں قرآن مجید لوگوں کو برہنگی اور اچھی شکل وشباہت بنانے سے غفلت کے خلاف تنبیہ کرتا ہے کیونکہ یہ دھوکے کے شیطانی جال ہیں:۔

(i) يَبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا (الاعراف : ۲۷)

''اے اولادِ آدم! شیطان تمہیں ہرگز کسی دھوکہ میں نہ ڈال دے جیسا کہ اُس نے تمہارے والدین کو جنّت سے نکلوا دیا کہ دونوں سے اُن کا لباس بھی اُتروا دیا تھا۔'' (۷: ۲۷)

(ii) يَبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف : ۳۱)

''اے اولادِ آدم! ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔'' (۷ : ۳۱)

پس اولادِ آدم کو لباس عطا کر کے اسلام نے اُنہیں ننگے جانوروں سے متمیز کر دیا ہے۔ دراصل اسلام اس معاملہ میں اتنا سخت ہے کہ جسم کے ان اعضاء کو مکمل تنہائی میں بھی ننگا کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ مندرجہ ذیل حدیث اس حقیقت کی تائید کرتی ہے:۔

''ابن حکیم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ! ہمیں اپنے جسم کے اعضاء میں سے کون سے اعضاء چھپانے اور کون سے ظاہر کرنے چاہئیں؟ آپ نے جواب دیا: اُنہیں تمہاری بیوی یا لونڈی کے سوا کوئی نہ دیکھے۔ میں نے پھر پوچھا: اس صورت میں کیا ہوگا اگر کچھ لوگ اکٹھے رہ رہے ہوں (مثلاً سفر یا کسی جگہ خیمہ زن ہونے کی صورت میں) تو اس پر آپ نے یہ جواب دیا: کوشش کرو کہ لوگ اُنہیں دیکھنے نہ پائیں۔ میں نے پھر پوچھا: اگر کوئی شخص بالکل تنہائی میں ہے تو کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ تمہاری شرم وحیا کا زیادہ مستحق ہے۔'' (ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' احمد)

سادہ لباس بھی برہنگی کو ڈھانپتا ہے لیکن رحیم وکریم خالق نے اپنے نائب پر اپنے انعامات کی تکمیل میں بڑے فیاضانہ طور پر اس کے لباس کا انتظام کیا ہے جو نہ صرف اُس کے جسم کو ڈھانپتا ہے بلکہ سردی گرمی سے بھی اُسے بچاتا ہے پھر اس کے ساتھ ساتھ وہ اس کی شخصیت کی عکس افگنی کرتا ہے اور اس کے حسن و جمال' دلآویزی اور آن بان میں بھی اضافہ کرتا ہے۔

مندرجہ بالا بیان سے یہ نتیجہ ہرگز نہ نکالا جائے کہ بیش قیمت اور بھڑکیلا لباس ہی خوبصورتی اور جمالیات پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اپنی ذات کی مسرتوں اور رضائے الٰہی کے درمیان منصفانہ توازن قائم کرنا ہی زندگی تک صحیح رسائی کا نام ہے۔ یعنی زندگی کی مسرّتوں سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ پارسائی اور اپنے ابنائے جنس (یعنی انسان) کے لئے خیر و بہبود کے کاموں میں بھی شریک ہونا۔ لباس کو ذرائع آمدنی کے مطابق ہونا چاہئے تاکہ خوشحال ہونے کے باوجود مفلس ومحتاج اور بے کیف نہ نظر آئے اور نہ ہی امیر ہونے کی وجہ سے متکبرانہ رویے کا اظہار کرے یا اپنی اُمارت کا غیر شائستہ طور پر اظہار کرے۔

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے دل میں ذرہ بھر بھی غرور ہوا' وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ ایک آدمی نے کہا: ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کا لباس اور جوتے اچھے ہوں (تو کیا یہ بھی غرور میں شمار ہوگا؟) اِس پر آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خود دلآویز ہے اور لطافت اور خوش وضعی کو وہ پسند فرماتا ہے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ نفیس ولطیف لباس پہننے کا نام تکبر اور غرور نہیں ہے۔ تکبّر تو اپنے ابنائے جنس کے حقوق کے غصب کرنے اور اُنہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھنے کا نام ہے۔ اسی طرح ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا:

(۱) ''جو شخص وسائل اور قدرت رکھنے کے باوجود انکساری اور اللہ کے حضور عجز و نیاز کے طور پر لباس میں سادگی کو اپناتا ہے' اللہ اُسے عزت اور شرافت کا لباس پہنائے گا۔'' (ابوداؤد)

(۲) ''لباس میں سادگی ایمان کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔'' (ایضاً)

(۳) ''فضول خرچی کے بغیر کھاؤ' پیو' پہنو اور اپنے مال و زر کو خیرات میں دو۔'' (صحیح بخاری)

صفائی اور تزیین (Beautification) اسلام کی خصوصیات ہیں : سورۃ الاعراف کی مندرجہ بالا آیت ۲۶ سے یہ بات بالکل واضح اور عیاں ہوجاتی ہے کہ اپنے آپ کو بنانا سنوارنا اور دوسروں کی نظروں میں اچھا نظر آنا اسلامی لباس کے مقاصد میں سے ایک مقصد ہے۔ صفائی اچھا نظر آنے کی اصل اور ہر تزئین کا حُسن ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے صفائی کے معاملہ پر بہت زور دیا ہے۔ مثلاً آپ نے فرمایا:

(i) ''اپنے آپ کو پاک وصاف رکھو کیونکہ اسلام صفائی کا مذہب ہے۔'' (ابن حبّان)

(ii) ''صفائی ایمان کی راہ دکھاتی ہے اور ایمان صاحبِ ایمان کو جنت کی طرف لے جاتا ہے۔'' (طبرانی)

نبی اکرم ﷺ نے جسم' لباس' مکانوں اور گلیوں کو صاف رکھنے پر بہت زور دیا ہے اور دانتوں' ہاتھوں اور بالوں کو صاف رکھنے پر بالخصوص زور دیا ہے۔ صفائی پر اس قدر زور ایسے مذہب میں تعجب کی بات نہیں ہے جو صفائی کو عبادت کی عظیم شکل یعنی ''نماز'' کی کلید (کنجی) بتاتا ہے کیونکہ مسلمان کی نماز اُس وقت تک قابلِ قبول نہیں ہے جب تک اُس کا بدن' لباس اور وہ جگہ جہاں وہ نماز کی ادائیگی کرتا ہے' سب پاک وصاف نہ ہوں۔ اس ضرورت کے علاوہ صفائی کی کچھ واجب قسمیں بھی ہیں جن میں پورے بدن کا مکمل غسل ہے یا جسم کے اُن اعضاء کا وضو کی شکل میں دھونا ہے جن پر میل مٹی لگ چکی ہوتی ہے۔''

''ملکِ عرب کا صحرائی ماحول اور وہاں کے لوگوں کی بدویانہ زندگی صفائی اور نفاست و لطافت کے حسبِ حال نہیں تھے اور اُن میں سے بہت سے لوگ اِن پہلوؤں کا خیال نہیں رکھتے تھے۔ نبی معظم ﷺ نے اپنی حیات بخش

ہدایات اور برمحل تنبیہ کے ذریعے اُنہیں رفتہ رفتہ اُن کی ناشائستہ' اُجڈ عادات سے نکالا اور اُنہیں نفاست اور شائستہ طور واُطوار سکھائے۔ایک مرتبہ ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کے پاس داڑھی اور سر کے پریشان' بے ہنگم بالوں کے ساتھ حاضر ہوا۔نبی اکرم ﷺ نے کچھ ایسے اشاروں سے اُس آدمی کو بتایا کہ وہ اپنے بالوں کا کنگھا کر کے آئے۔ وہ آدمی گیا اور بالوں کا کنگھا کر کے آیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''کیا تمہاری یہ حالت اُس حالت سے بہتر نہیں کہ جس میں تم پریشان' بے ہنگم بالوں کے ساتھ آئے تھے کہ دیکھنے میں جن بھوت لگ رہے تھے؟'' (مؤطا امام مالک)

ایک اور موقع پر نبی اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو بے ترتیب بالوں میں دیکھا تو آپ نے فرمایا:
''کیا اُس کے پاس اتنا بھی نہیں کہ جس سے وہ اپنے بالوں کا کنگھا کر سکے؟'' (ابوداؤد)

ایک اور آدمی کو گندے لباس میں دیکھ کر آپ نے فرمایا:
''کیا اُسے اتنا بھی میسر نہیں کہ جس سے وہ اپنے لباس کو دھو سکے؟''

ایک شخص بارگاہِ نبوی میں معمولی (گھٹیا) لباس میں آیا تو نبی ﷺ نے اُس سے پوچھا کہ کیا تمہاری کوئی جائداد ہے؟ اُس نے کہا: ''جی ہاں''۔ پوچھا: ''کس قسم کی جائداد ہے؟'' اُس نے کہا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر قسم کے مال وزر سے نوازا ہے۔'' اِس پر آپ نے فرمایا:
''چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دولت عطا کی ہے'اس لئے اُسے اپنی عنایت واحسان کے اثرات تم پر نظر آنے چاہئیں۔''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِس بات پر زور دیا کہ لوگ جمعہ اور عیدین جیسے اجتماعات میں عمدہ لباس پہن کر اور بال سنوار کر آیا کریں اور فرمایا:
''اگر تم میں استطاعت ہے تو تمہارے لئے نمازِ جمعہ میں اُن کپڑوں کے علاوہ جو تم کام کے دوران پہنتے ہو'اور کپڑے پہن کر آنا مناسب ہے۔'' (ابوداؤد: بحوالہ ''الحلال والحرام فی الاسلام'' یوسف القرضاوی ص ص ۸۰۔۸۲)

''<u>سونا اور خالص ریشم مردوں کے لئے حرام ہیں</u>'' : اسلام میں تزئین اور پُرآسائش طرزِ زندگی کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ اُس کی ضرورت بھی ہے۔ بالعموم اسلام ہر اُس کوشش کو رد کرتا ہے جو اِن جائز چیزوں سے منع کرے۔ چنانچہ سورۃ الاعراف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (الاعراف: ۳۲)
''(اے پیغمبر!) فرما دیجئے اللہ کی زینت کو جو اُس نے اپنے بندوں کے لئے بنائی ہے اور کھانے کی پاکیزہ چیزوں کو کس نے حرام کر دیا ہے؟'' (۷ : ۳۲)

تاہم اسلام نے مَردوں کو دوقسم کی تزئین سے روکا ہے جبکہ وہ دوقسمیں عورتوں کے لئے جائز ہیں اور وہ طلائی زیورات اور خالص ریشم کا لباس ہیں۔ جناب علی کرّم اللہ وجہہ' فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے کچھ ریشم اپنے دائیں ہاتھ میں اور کچھ سونا اپنے بائیں ہاتھ میں لے کر فرمایا:

اِنَّ هٰذَيْنِ حَرَامٌ عَلٰى ذُكُوْرِ أُمَّتِىْ (سنن ابی داوٗد' سنن نسائی' ترمذی)

''یہ دونوں چیزیں میری اُمت کے مَردوں پر حرام ہیں۔''

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا:

(۱) لَا تَلْبَسُوا الْحَرِيْرَفَاِنَّه' مَنْ لَبِسه' فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْاٰخِرَةِ (صحیح بخاری' صحیح مسلم)

''ریشمی لباس نہ پہنا کرو اس لئے کہ جو شخص اُسے دنیا میں پہنے گا' آخرت میں اُسے نہیں پہنے گا۔''

(۲) حُرِّمَ لِبَاسُ الْحَرِيْرِ وَالذَّهَبِ عَلٰى ذُكُوْرِ أُمَّتِىْ وَأُحِلَّ لِنِسَائِهِمْ (ترمذی' نسائی' ابن ماجہ)

''میری اُمت کے مَردوں پر ریشم اور سونا حرام کئے گئے جبکہ اُن کی عورتوں کے لئے وہ حلال ہیں۔''

ایک اور موقع پر آپ نے ریشمی لباس کے متعلق فرمایا: ''یہ بے کردار شخص کا لباس ہے۔'' (بخاری' مسلم)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ ایک آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی۔ آپ نے وہ فوراً اُس سے لے کر اُسے نیچے گرادیا اور فرمایا:

''کیا ایک آدمی دہکتے ہوئے انگارے کو اٹھا کر اپنے ہاتھ میں لیتا بھی ہے؟ جب نبی علیہ السلام اُس جگہ سے چلے گئے تو کسی نے اُس آدمی سے پوچھا: تم نے اُسے اٹھا کر اس سے فائدہ کیوں نہ لیا؟ تو اُس نے جواب دیا: نہیں' اللہ کی قسم! اللہ کے رسول ﷺ کے اُسے پھینک دینے کے بعد میں اُسے نہیں اُٹھاؤں گا۔''

جس طرح سونے کی انگوٹھی کی ممانعت ہوئی' اُسی طرح کی ممانعت کا اِطلاق دوسری چیزوں پر بھی ہوتا ہے جیسے طلائی قلم' طلائی گھڑی' سگریٹ کی طلائی ڈبیہ اور طلائی دانت وغیرہ۔

تاہم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مَردوں کو چاندی کی انگوٹھی پہننے کی اجازت دی ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ چاندی کی انگوٹھی پہنتے تھے۔ آپ کے بعد حضرات ابوبکر' عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم بھی اُسے پہنا کرتے تھے' حتیٰ کہ نبی ﷺ کی انگوٹھی اُریس کے کنویں میں گر گئی۔'' (بخاری: باب اللباس)

جہاں تک لوہے جیسی دوسری دھاتوں کا تعلق ہے تو اُن کی ممانعت کے متعلق کوئی ٹھوس روایات نہیں ملیں۔اس کے برعکس صحیح بخاری میں ہمیں ایک حدیث ملتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے آدمی کو نصیحت فرمائی جو ایک عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا۔اور مندرجہ ذیل حدیث کی بنیاد پر امام بخاری نے لوہے کی انگوٹھیوں کے جواز کا نتیجہ نکالا ہے:

''اُس عورت کو کچھ تحفہ پیش کرو چاہے وہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طبی وجوہ کی بناء پر ریشمی لباس پہننے میں رعایت عطا فرمائی۔ مثلاً آپ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما کو جو خارش کے مرض (Scabies) میں مبتلا تھے' ریشمی لباس کی اجازت مرحمت فرمائی۔(صحیح بخاری بحوالہ ''الحلال والحرام فی الاسلام'' یوسف القرضاوی ص ص۸۲'۸۳)

''مَردوں کے لئے اِن دونوں چیزوں کی ممانعت میں حکمت: مَردوں کے لئے اِن دونوں چیزوں (یعنی ریشم اور سونا) کی ممانعت میں اسلام کا مقصد چند شریفانہ تعلیمی اور اخلاقی مقاصد کا حاصل کرنا ہے۔''

''چونکہ اسلام جدّ وجُہد اور مسلسل کوشش کا مذہب ہے' اس لئے وہ مَردوں میں کسی قسم کی کمزوری' ست مندی یا کسلمندی کے اظہار سے اُنہیں بچاتا ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے مَرد کے جسم کو عورت کے جسم سے یکسر مختلف بنایا ہے اور یہ بات مرد کے لئے مناسب نہیں کہ وہ عمدہ ونفیس مادے سے تیار شدہ لباس پہنے یا اپنے جسم کی قیمتی زیورات سے تزیین کرے۔''

''تاہم اِن ممانعتوں کے پس پردہ ایک سماجی مقصد ہے۔مَردوں کے لئے سونے اور ریشم کی ممانعت پُرعیش زندگی کا مقابلہ کرنے کے وسیع اسلامی پروگرام کا ایک جزء ہے۔قرآنی نقطۂ نگاہ سے پُرعیش زندگی قوموں میں کمزوری پیدا کر کے نتیجتاً اُن کے زوال کا باعث بنتی ہے۔عیاشی کا وجود سماجی بے انصافی کا مظہر بھی ہے کیونکہ چند لوگ ہی پُرعیش اشیاء کی استطاعت رکھتے ہیں اور وہ بھی محروم القسمت لوگوں کی جیب پر بوجھ بنتے ہوئے۔''

''علاوہ ازیں عیاشی کی زندگی حق وصداقت' انصاف اور سماجی اصلاح کی طرف ہر بلاوے کی دشمن ہے۔ قرآن نے فرمایا:

(۱) وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا۝

''اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں تو اُس (بستی) کے عیش پرستوں کو احکام بھیجتے ہیں سو وہ اُن احکام کی نافرمانی کرتے ہیں تو وہ عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں' پھر ہم اُس (بستی) کو تباہ وغارت کر ڈالتے ہیں۔'' (۱۶ : ۱۷)

یعنی جب کسی قوم کی شدّتِ کفر وبغاوت کی وجہ سے حکمتِ الٰہی کو اُس کا فنا کر دینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے تو

پہلے کسی رسول کے ذریعہ سے اُسے ایمان واطاعتِ احکام کا حکم پہنچایا جاتا ہے اور جب وہ برابر حکم عدولی کرتے رہتے ہیں تو اُن پر حجت تمام ہوجاتی ہے اور بستی تہس نہس کردی جاتی ہے۔ وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً یہ ارادہِ الٰہی ہمیشہ آئینِ حکمت کے ماتحت ہوتا ہے اور ہلاک کرنے کے ارادے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں یہ علم تھا کہ فلاں بستی کے لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور وہ اپنے مال ودولت کی وجہ سے غرور وتکبر کی انتہا کو پہنچ جائیں گے' تو اللہ تعالیٰ محض اپنے علم کی وجہ سے اُنہیں عذاب نہیں دیتا' بلکہ اُن کے سرداروں کو ایمان وعملِ صالح کی ترغیب دی جاتی ہے اور جب وہ فسق وفجور میں بڑھتے چلے جاتے ہیں اور کسی طور راہِ ہدایت پر نہیں آتے تو رب تعالیٰ کا قانونِ مکافات حرکت میں آتا ہے اور اُنہیں صفحۂ ہستی سے نابود کردیا جاتا ہے۔ أَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا اطاعتِ احکامِ الٰہی کا یہ حکم رسول کے ذریعہ سے ملتا تو اُمت کے عوام وخواص سب ہی کو ہے لیکن خواص کی حیثیت لیڈر اور پیشوا کی ہوتی ہے اور اُن پر اللہ تعالیٰ کی زیادہ نعمتیں ہوتی ہیں اس لئے اُن کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا۔

''اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ وہ اپنے بندوں پر عذاب نازل کرنے کے لئے بہانے ڈھونڈے' وہ تو اُن پر رحم کرنا چاہتا ہے اور جس طرح اُنہیں دنیا میں نعمتیں دی ہیں' آخرت میں بھی اُن نعمتوں سے نوازنا چاہتا ہے۔ اُس کے ہاں اس اندھیر کا امکان ہی نہیں کہ کسی کو بلاقصور سزا مل جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کئے ہیں۔ اُن میں سے اُس نے ننانوے حصے اپنے پاس رکھ لئے اور زمین پر رحمت کا ایک حصہ نازل کیا اور رحمت کے اس (ایک) حصہ سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے حتیٰ کہ گھوڑی اپنے بچہ کے اوپر سے اپنا پیر اُٹھالیتی ہے کہ کہیں اُس کے پیر کے نیچے اُس کا بچہ کچلا نہ جائے۔'' (صحیح بخاری رقم الحدیث:۶۰۰۰ ؛ صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۷۵۲ ؛ سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۵۴۱ ؛ مسند احمد رقم الحدیث:۸۳۹۶ بحوالہ ''تبیان القرآن''۔ مولانا غلام رسول سعیدی' جلد ۶' ص ۶۷۵)

(۲) وَمَا أَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○ (سبا:۳۴)

''اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے عیاش لوگوں نے یہی کہا کہ ہم تو اس (دین) کے منکر ہیں جسے دے کر (تمہارے زُعم میں) تمہیں بھیجا گیا ہے۔'' (۳۴ : ۳۴)

پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے نہ صرف مَردوں کو سونے اور ریشم کے استعمال سے منع فرمایا بلکہ مَردوں اور عورتوں دونوں کو سونے اور چاندی کے برتنوں کے استعمال سے بھی منع فرمایا۔

اور آخر میں اس ممانعت میں کچھ اقتصادی ملحوظات بھی وزن رکھتی ہیں۔ چونکہ سونا زرِ مبادلہ کا ہمہ گیر اور آفاقی ذریعہ ہے' اس لئے اُسے گھریلو برتنوں کے استعمال میں لانا یا مَردوں کے لئے اس سے بنے ہوئے زیورات کے استعمال میں کوئی معقولیت کی بات نہیں ہے۔'' (الحلال والحرام فی الاسلام' صفحات ۸۳'۸۴)

سونا اور ریشم عورتوں کے لئے کیوں جائز ہیں؟ نسوانی فطرت کا لحاظ کرتے ہوئے عورت اس ممانعت سے مستثنیٰ ہے کیونکہ جواہرات وزیورات سے اُنس ومحبت اُس کی فطرت میں داخل ہے۔تاہم اُسے ان زیورات کے ذریعے غیر مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے اور اُن کے شہوانی جذبات ابھارنے کی اجازت نہیں ہے۔ایک حدیث کے مطابق:

''جب ایک عورت اپنے کو خوشبو لگا کر باہر لوگوں میں (اس نیت سے) جاتی ہے کہ اُس کی خوشبو اُن تک پہنچے تو (ایسا کرنے میں) وہ زانیہ ہے اور ہروہ آنکھ جو اُس کی طرف مائل ہوتی ہے' زانی کی ہے۔'' (نسائی' ابنِ حبان' ابن خزیمہ)

اور اللہ تبارک وتعالیٰ عورتوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ (اَلنُّور: ۳۱)
''اور عورتیں اپنے پیر زور سے نہ رکھیں کہ اُن کا مخفی زیور معلوم ہو جائے۔'' (۲۴ : ۳۱)

یعنی اُن زیورات کا پہننا فی نفسہٖ درست ہے لیکن فتنہ کے اندیشہ سے اُن کی آواز یا جھنکار درست نہیں۔وہ زیور جن میں از خود آواز پیدا ہوتی ہو مثلاً گھنگرو' اُن کا پہننا ہی سرے سے ناجائز ہے۔ایک حدیثِ پاک میں جرس سے ممانعت وارد ہوئی ہے۔زیورات کی آواز چھپانے سے کچھ نتائج نکلتے ہیں کہ (۱) جب زیور کی آواز کے چھپانے کا اس قدر اہتمام ہے تو صاحبِ زیور کی آواز کا چھپانا کیوں نہ قابلِ اہتمام ہوگا جس سے اکثر فتنہ وشیطنت کی راہیں کھلتی ہیں۔(۲) جب آواز چھپانے کی چیز ہے تو صورت کیوں نہ چھپانے کے قابلِ اہتمام ہوگی۔اللہ اللہ! عفت وطہارت کا کس درجہ اہتمام ہماری پاک شریعت میں ہے اور فتنہ کے کیسے کیسے دروازوں اور چھپے ہوئے سوراخوں کو ہماری شریعت نے بند کیا ہے!! (ماجدی' صفحہ ۷۱۸)

''مسلمان عورت کا لباس: اسلام نے عورت کے لئے ایسا لباس پہننا حرام کیا ہے جس سے بدن جھلکے اور وہ چست لباس بھی جس سے بدن کی بناوٹ نظر آئے بالخصوص وہ اعضاء جن میں جنسی جاذبیت ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

''میں دو قسم کے لوگوں کے حق میں گواہ نہیں بنوں گا جن کا دوزخی ہونا مقدر ہو چکا ہے: ایک تو ظالم وجابر حکمران جو گایوں کی دُموں کی طرح کے چابک ہاتھ میں لئے اپنی رعایا کو اُن کے کچوکے لگاتے رہتے ہیں اور دوسرے وہ عورتیں جو کپڑے پہن کر بھی ننگی ہوتی ہیں' دوسروں کو رجھاتی ہیں اور خود دوسروں پر ریجھتی ہیں' اُن کے سر نازسے بختی اونٹوں کے کوہانوں کی طرح ٹیڑھے ہیں۔یہ دو قسم کے لوگ جنت کی خوشبو تک سے محروم رہیں گے جبکہ جنت کی خوشبو بہت دُور سے آتی ہے۔'' (صحیح مسلم)

نبی اکرم ﷺ نے حدیثِ بالا میں عورتوں کے جس قسم کے لباس کی نقشہ کشی کی ہے، وہی لباس تو ہمارے اس زمانے کی عورتوں کا ہے اور آپ نے اُن کے بالوں کے سٹائیل (طرز) کو ایک خاص قسم کے (بختی) اونٹ کی کوہان کے مشابہ قرار دیا جس کی کوہان خاصی بڑی ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنے بالوں کو اپنے سر کے درمیان سے شہد کے چھتے کی طرح بناتی ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ نبی معظم ﷺ صدیوں کے اُس پار سے دَورِ جدید کا ملاحظہ فرمارہے تھے جب عورتوں کے بالوں کا سنوارنا اور اُنہیں مختلف سٹائیل دینا ایک پیشہ بن چکا ہے۔ طرفہ تماشہ یہ کہ یہ کام مَردوں کے ہاتھ میں آچکا ہے جو اپنے ''ہنر'' کے منہ مانگے اونچے دام وصول کرتے ہیں۔ اسی پر بس نہیں، بہت سی عورتیں بالوں کی اس قدرتی خدائی دین پر مطمئن نہیں ہوتیں اور اپنے حسن و جمال اور چمک دمک میں اضافہ کرنے کے لئے مصنوعی بالوں کی وِگیں خریدتی ہیں اور یہ سمجھتی ہیں کہ یہ بات اُنہیں زیادہ جاذبِ نظر اور جنسی لحاظ سے زیادہ پُرکشش بناتی ہے۔''

''اس حدیث کا حیران کُن پہلو یہ ہے کہ سیاسی تشدد کو اخلاقی بے احتیاطی سے جوڑا گیا ہے۔ یہ جوڑ حقائق سے ثابت ہے کیونکہ حکمرانوں کا عام طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عوام کو اپنی ذاتی خواہشات اور مرغوبات میں اُلجھائے رکھیں تاکہ اُن کے پاس اتنا وقت نہ ہو کہ وہ حکومتی مسائل و معاملات کی طرف توجہ دے سکیں۔'' (ایضاً، صفحات ۸۳ تا ۸۶)

''لباس میں مرد و زن ایک دوسرے کا رنگ ڈھنگ نہ اپنائیں: نبی اکرم ﷺ نے ہدایت کی کہ عورت مرد کا اور مرد عورت کا لباس نہ پہنے۔ آپ نے اُن مَردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں کی نقالی کرتے ہیں اور اُن عورتوں پر بھی جو مَردوں کی نقالی کرتی ہیں (صحیح بخاری: کتاب اللباس)۔ اس نقالی کے پہلوؤں میں طرزِ گفتگو، چال ڈھال، لباس اور حرکات و سکنات سب شامل ہیں۔''

خواتین دوپٹہ اوڑھے رہنے کا اہتمام کریں اور اس سے اپنے سر اور سینے کو چھپائے رکھیں۔ دوپٹہ ایسا باریک نہ اوڑھیں جس سے سر کے بال نظر آئیں۔ دوپٹے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس سے زینت کو چھپایا جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ (اَلنُّور: ۳۱) یعنی ''اپنے سینوں پر اپنے دوپٹوں کے آنچل ڈالے رہیں۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس حکم کے نزول پر عورتوں نے باریک کپڑے چھوڑ کر موٹے کپڑوں کے دوپٹے بنائے۔ (ابوداؤد: باب فی قول اللہ تعالیٰ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ: ۴۱۰۲)

''نمود و نمائش اور تکبّر کی خاطر لباس پہننے کی ممانعت: طعام و شراب (پینے کی اشیاء) اور لباس جیسی اچھی اور عمدہ چیزوں سے لطف اندوز ہونے کا عمومی اصول یہ ہے کہ اُن کا استعمال حدِّ اعتدال کے اندر ہو اور تکبّر کے بغیر ہو۔''

''حدِّ اعتدال سے گزرنا اُن حدود کو پھاندنا ہے جو کسی ''حلال'' چیز کے استعمال میں فائدہ مند ہوسکتی ہیں، جبکہ غرور و نخوت کا تعلق ظاہر کی نسبت سے زیادہ ارادے اور دل کے ساتھ ہوتا ہے۔ غرور اُس ارادے کا نام ہے جس کے تحت انسان اپنے آپ کو دوسروں سے برتر سمجھتا ہے اور قرآنِ حکیم نے اس ضمن میں فرمایا:

وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍo (اَلْحَدِیْد : ۲۳)
''اور اللہ کسی اِترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔'' (۵۷ : ۲۳)

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
اَلْاِسْبَالُ فِی الْاِزَارِ وَالْقَمِیْصِ وَالْعَمَامَةِ مَنْ جَرَّ شَیْئًا خُیَلَاءَ لَمْ یَنْظُرِ اللّٰہُ اِلَیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ
''قیامت کے دن اللہ اُس شخص پر نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا جو اپنے لباد ے کو ازراہِ تکبر گھسیٹ کر چلتا ہے۔''
(ابوداؤد' کتاب اللباس' باب فی قدر موضع الازار)

فخر و غرور کے شائبہ تک سے بچنے کے لئے نبی اکرم ﷺ نے اُس لباس سے بھی منع فرمایا جو دوسروں کو متاثر کرنے کے لئے پہنا جائے اور جو مال و زر میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے (Competition) کا سبب بنے۔ ایک حدیثِ مبارکہ کے مطابق: ''قیامت کے روز اللہ تبارک و تعالیٰ اُس شخص کو ذلت کا لباس پہنائے گا جو ناموری اور شہرت حاصل کرنے کا لباس پہنتا ہے۔'' (الطبرانی)

''ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ میں کس قسم کا لباس پہنوں؟ اُنہوں نے جواب دیا: ایسا لباس پہنو جو اپنے سستے پن اور بدنما لگنے کی وجہ سے کم فہم لوگوں کے نزدیک نفرت کا موجب نہ ہو اور نہ ہی ایسا لباس پہنو جو بہت زیادہ مہنگا ہونے کی وجہ سے فہمیدہ لوگوں کے نزدیک عار (الزام) کا موجب ہو۔
(''الحلال و الحرام فی الاسلام'' (انگریزی ترجمہ)۔۔یوسف القرضاوی' صفحات ۸۶' ۸۷)

<u>سفید لباس کو ترجیح دی جائے</u> : انواع و اَقسام اور مختلف رنگوں کے لباسوں میں سے سفید رنگ کے لباس کا انتخاب بہتر ہے اس لئے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے:
اِلْبَسُوا الْبَیَاضَ فَاِنَّهَا اَطْهَرُ وَ اَطْیَبُ وَ كَفِّنُوْا فِیْهَا مَوْتَاكُمْ (ابن ماجہ' باب البیاض من الثیاب)
''سفید لباس پہنا کرو کہ وہ زیادہ صاف ستھرا رہتا ہے اور اِسی میں اپنے مُردوں کو کفنایا کرو۔''

<u>سفید لباس میں حکمت</u>: (۱) سفید لباس درجہ حرارت کی شدت کا مقابلہ کرنے کا اہل ہوتا ہے۔ یہ جُھلسا دینے والے موسمِ گرما میں گرم نہیں ہوتا کیونکہ سفید لباس حرارت کو جذب نہیں کرتا اور موسمِ سرما میں یہ ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ (۲) رنگوں اور روشنی کے ماہرین نے معلوم کیا ہے کہ سفید رنگ سرطان کے مرض کے لئے بہترین تریاق ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ سفید لباس پہننے کا عادی شخص شحمی (چربیلی) غدودوں کے پھولنے' پسینہ کے مساموں کے بند ہونے اور پھپھوندی کی چھوت (Fungal Infections) جیسی خطرناک بیماریوں سے محفوظ رہے گا۔ (۳) اونچے درجے کے افشارِ خون (High blood pressure) کے مریضوں اور جلدی خارش کے مریضوں کے لئے ماہرینِ طب

(۱۶) علمِ حیاتیات ونباتات (BIOLOGY)

بیالوجی سے مراد زندگی کا سائنسی مطالعہ ہے۔ عرصہ دراز سے اس علم کی دو قسمیں مانی جاتی رہی ہیں: پہلی قسم نباتات اور پودوں سے متعلق ہے جسے باٹنی کہا جاتا ہے۔ (Botane بمعنی پودا) جبکہ دوسری قسم حیوانات سے متعلق ہے جسے زوالوجی کہا جاتا ہے (Zoo بمعنی جانور)۔ اِن دونوں شاخوں میں انسانی علم کی ترقی نے دونوں قسموں کو بائیولوجی کے ایک ہی نام کے تحت اکٹھا کر دیا ہے۔ حاصل شدہ علم اتنا وسیع ہے کہ نباتات اور حیوانات کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ باٹنی اور زوالوجی کے علیحدہ علیحدہ عنوانات کے تحت کیا جاتا ہے۔

''ہسٹالوجی: جانداروں کے ٹشوز (Tissues) کا مائیکروسکوپ کی مدد سے مطالعہ کرنا ہسٹالوجی کہلاتا ہے۔ بعض اوقات ''ہسٹالوجی'' اور ''مائیکروسکوپک اناٹومی'' کی اصطلاحات ایک دوسرے کی جگہ استعمال کی جاتی ہیں لیکن دونوں کے مطالعہ کے درمیان ایک نفیس فرق ضرور قائم رکھنا چاہیے۔ ہسٹالوجی کا بنیادی مقصد یہ بتانا ہوتا ہے کہ ٹشوز کو تمام ساختی سطح پر کیسے منظم کیا گیا ہے جبکہ اس کے برعکس مائیکروسکوپک اناٹومی صرف ٹشوز سے بحث کرتی ہے کہ اُنہیں ایک طویل سلسلے میں کیسے ترتیب دیا گیا ہے جیسے اعضاء اور نظامِ اعضاء۔ اس لحاظ سے مائیکروسکوپک اناٹومی کو ORGANOLOGY یعنی علم الاعضاء کے مطالعہ کے قریب قریب سمجھنا چاہیے۔'' (Micropaedia Britannica, Vol. V, p. 948) USA 1986.

جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ بیالوجی زندگی کے مطالعہ کا نام ہے اور زندگی کو بیان کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جانداروں کے خصائص کا بے جان چیزوں کے خصائص سے مقابلہ کیا جائے۔ وہ مواد جس سے جاندار چیزیں تخلیق کی گئی ہیں تخز مایہ (Protoplasm) کہلاتی ہیں اور یہی وہ تخز مایہ ہے جس پر زندگی کی تمام عملیات و تحریکات کا انحصار ہے۔ اِن تحریکات میں سب سے اہم کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:۔

(۱) تخرّب (Catabolism) اور تجمّع (Anabolism): تجمّع (Anabolism) اور تخرّب (Catabolism) کے اجتماعی عمل کو تحوّل (Metabolism) کہا جاتا ہے۔ تجمّع (Anabolism) تعمیراتی عمل ہے جبکہ تخرّب (Catabolism) تخریبی عمل ہے۔ تمام جاندار بنیادی طور پر کیمیائی اجزاء سے بنائے گئے ہیں اور اُن میں کیمیائی ردِّعمل مسلسل واقع ہوتے رہتے ہیں۔ جسم میں کئی مرکبات ترکیب پاتے رہتے ہیں اور ان میں توڑ پھوڑ بھی ہوتی رہتی ہے اور یہ عمل تحوّل (Metabolism) کہلاتا ہے۔ تحوّل (Metabolism) کے اہم نتائج میں سے ایک اہم نتیجہ کام کرنے کے لئے توانائی اور قوّت کا پیدا ہونا ہے۔ قرآنِ حکیم تجمّع اور تخرّب دونوں (یعنی تحوّل Metabolism) کا ذکر سورۃ الرّوم کی آیت ۵۴ میں یوں کرتا ہے:۔

سفید لباس تجویز کرتے ہیں۔(۴) علمِ طب کی شاخ کروموپیتھی (Chromopathy) ہمیں بتاتی ہے کہ سفید رنگ کا لباس دل ودِماغ اور جلد کا محافظ ہے۔'' (''سُنّتِ نبوی اور جدید سائنس'' از حکیم محمد طارق محمود چغتائی' جلد اوّل' صفحہ ۱۴۵ بحوالہ ''اصولِ کروموپیتھی'' صفحہ ۴۳) (۵) مشہور سیّاح ابنِ بطوطہ نے جب ہندوستان آکر وہاں کے لوگوں کو سفید لباس میں ملبوس دیکھا تو وہ اِس لباس کے تسکین بخش اثرات سے بہت متاثر ہوا۔ (''سفرنامہ ابنِ بطوطہ'' بحوالہ حکیم محمد طارق محمود چغتائی' صفحہ ۱۴۶) (۶) جرمنی کے ایک مشہور معالج' علاج بالماء (پانی کے ذریعے علاج Hydrotherapy) کے ماہر ڈاکٹر لوہی کوہنی (Dr. Lohi Kohni) کا کہنا ہے کہ حفظانِ صحت کے اصولوں کی رُو سے افادیت کے لحاظ سے سفید لباس باقی تمام رنگوں کے لباسوں پر فوقیت رکھتا ہے۔'' (ایضاً ص ۱۴۶)

<u>سُوتی لباس (Cotton Dress)</u> : نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ سوتی لباس استعمال کیا۔ بالخصوص دَورِ جدید کے مصنوعی لباس میں اَن گنت حیاتیاتی خطرات پنہاں ہیں۔ اس کے مقابل سوتی لباس کے فوائد ملاحظہ ہوں:

(۱) سوتی لباس پہننے والے شخص کو اگر خدانخواستہ آگ لگ جاتی ہے تو وہ جسم کے بہت زیادہ نقصان کے خطرے سے بچ جاتا ہے۔

(۲) سوتی لباس موسم کی حرارت کو جذب کر لیتا ہے۔ گرم آب و ہوا کے علاقوں میں موسم کی شدّت کا مقابلہ کرنے کے لئے سوتی لباس سے بہتر اور کوئی لباس نہیں ہے۔

(۳) سوتی لباس جسم کو جلدی اَمراض سے بہت حد تک محفوظ رکھتا ہے۔ پولی اَیسٹر اور نائیلون کے مصنوعی دھاگے سے تیار کردہ لباس جسم کی رگڑ اور اس کی حرارت سے بہت گرم ہو جاتا ہے اور وہ جسم کی حرارت سے مل کر جلدی اَمراض کا موجب بنتا ہے جبکہ سوتی لباس میں اس قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔

(۴) سوتی لباس جسم کی حرارت کو متوازن رکھتا ہے جس کا نتیجہ جلدی اور نفسیاتی اَمراض سے تحفظ ہے۔

(۵) دو خطرناک بیماریاں پولی اَیسٹر سے بنے ہوئے لباس پہننے کا نتیجہ ہوتی ہیں: عورتوں میں لیکوریا کا مرض اور مَردوں میں جنسی اَمراض۔'' (''سُنّتِ نبوی اور جدید سائنس'' جلد اوّل' صفحہ ۱۴۷)

<u>موٹا لباس (Thick Dress)</u> : نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام موٹے کپڑے سے بنا ہوا موٹا لباس استعمال فرماتے تھے اور آپ کی پیروی میں ایسا لباس آپ کے تمام صحابہ کرام اور زمانہ ماضی کے صالحین اور بزرگوں کے معمول میں رہا ہے۔

سرطان کے ماہر اور جرمنی کے مشہور ومعروف ڈاکٹر لوتھر (Dr. Luther) کا کہنا ہے کہ جب سے انسان نے موٹے کپڑے کا لباس پہننا ترک کیا ہے' وہ اِن بیماریوں کا شکار ہو کر رہ گیا ہے:

(۱) جلد کا سرطان (۲) جلدی غدودوں کا سرطان (۳) نسوانی چھاتی کا سرطان

(۴) پٹھوں کے ریشوں (Tissues) کا سرطان۔
(۵) ہارمون (Hormone) یعنی اعتدال پیدا کرنے والے مادّہ کا سرطان۔
(۶) چنبل کا مرض Eczema (جس میں جلد پر آبلوں میں سوزش اور کھجلی ہوتی ہے اور رطوبت رہتی ہے)
(۷) چڑ چڑے پن کا مرض۔

''واقعہ یوں ہوا کہ میرے ایک دوست نے جو ملتان کی ایک کاٹن فیکٹری میں اچھی خاصی معقول تنخواہ پر ملازم تھا' اپنی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ میں نے اُس سے اس کی وجہ پوچھی تو اُس نے کہا: کارخانے کی انتظامیہ نے وقت کی ضرورت کے مدّ نظر عورتوں مردوں دونوں کے لئے ہلکا باریک سوتی کپڑا بنانے کا فیصلہ کیا ہے جبکہ اس کا استعمال سُنّتِ نبوی کے خلاف ہے اور میں سُنّتِ نبوی کے خلاف ایسے کام میں حصّہ دار نہیں بننا چاہتا اور میرے استعفیٰ دینے کی یہی وجہ ہے۔''

''کچھ عرصہ بعد جبکہ میں کراچی کی ایک سڑک پر سے گزر رہا تھا' ایک بڑی کار میرے قریب آ کر رکی جس میں سے میرا وہی دوست باہر نکلا' مجھے تپاک سے ملا اور مجھے یہ خوشخبری سنائی کہ ملتان کے کارخانے کی ملازمت سے مستعفی ہونے کے بعد اللہ رحیم و کریم نے اُسے اُس سے کہیں بہتر ملازمت سے نوازا ہے جس کا وہ تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے مزید بتایا کہ یہ گاڑی دیگر مراعات کے علاوہ اُسے ملی ہے اور یہ کہ یہ واقعہ میرے اور آپ سب کے لئے سبق آموز ہے۔'' (حکیم محمد طارق محمود چغتائی' صفحات ۱۴۸'۱۴۹)

پگڑی کا استعمال : نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تین رنگ کی پگڑی اپنے استعمال میں رکھتے تھے: سفید' سبز اور سیاہ۔ سُنّتِ نبوی ہونے کے لحاظ سے پگڑی کے استعمال کے لاتعداد فوائد ہیں جن میں سے کچھ کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے :۔

(۱) پگڑی کا استعمال آدمی کو لُو لگنے (Sunstroke) سے بچاتا ہے۔
(۲) پگڑی کا استعمال آدمی کو دائمی نزلہ زکام سے بچاؤ کا ایک اور انمول فائدہ دیتا ہے۔ اگر پگڑی کا استعمال کرنے والا کبھی نزلہ زکام کا شکار ہو بھی جائے تو اُس کے اثرات عارضی اور نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔
(۳) پگڑی کا استعمال سر درد کے لئے مفید ہے۔ اس کے استعمال سے سر درد کا خطرہ کم سے کم رہ جاتا ہے۔
(۴) پگڑی کا شملہ فقاری (ریڑھ کی ہڈی Vertebral Column) سوجن کے مرض سے بچاتا ہے۔
(۵) پگڑی کا شملہ جسم کے نچلے حصّے کو فالج کے حملہ سے محفوظ رکھتا ہے کیونکہ شملہ' نخاع (ریڑھ کی ہڈی کے اندر واقع ڈھانچہ Spinal Cord) کو گرمی' سردی اور آب و ہوا کی تبدیلی کے اثر سے بچاتا ہے۔ اس لئے پگڑی استعمال کرنے والے کے لئے گردن توڑ بخار (Meningitis) کے خطرات کم سے کم رہ جاتے ہیں۔
(۶) علم الابدان میں تحقیق نے بتایا کہ جب نخاع (Spinal Cord) اس طرح محفوظ ہو جاتا ہے تو جسم کے اعصابی اور خلیاتی دونوں نظام خوش آئند طریق سے منظم ہو جاتے ہیں اور یہ پگڑی کے استعمال ہی سے ممکن ہے۔

(۷) پگڑی کا استعمال قوتِ برداشت پیدا کرتا ہے' وقت کے نشیب و فراز سے نبرد آزما ہونا سکھاتا ہے اور کئی نفسیاتی اُمراض سے محفوظ رکھتا ہے۔

(۸) پگڑی استعمال کرنے والا شخص بڑا ہی معزز اور با اثر ہستی معلوم ہوتا ہے۔'' (''سُنّتِ نبوی اور جدید سائنس''۔۔۔حکیم محمد طارق محمود چغتائی' صفحات ۱۵۰' ۱۵۱)

''سبز لباس : اگرچہ سفید لباس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پسندیدہ لباس تھا لیکن آپ کو سبز لباس بھی پسند تھا۔'' (''زادالمعاد'' لابن القیم)

''رنگوں کے ماہرین بخوبی جانتے ہیں کہ ہر رنگ سے نظر نہ آنے والی (غیر مرئی) شعاعیں نکلتی ہیں جو جسم اور جسم کی تمام حالتوں پر گہرا اثر ڈالتی ہیں۔ جیسا کہ سبزے' باغیچوں' باغوں اور پھولوں کو دیکھنا آنکھوں کو طراوت دیتا ہے' اسی طرح سبز لباس کا بھی جسم کو اطمینان و آرام دینے کا اثر ہوتا ہے۔ جدید طبی تحقیق کے مطابق سبز لباس مندرجہ ذیل بیماریوں کے خلاف تحفظ کا کام دیتا ہے:

(۱) معدے کے ناسور (Ulcer) کے لئے
(۲) معدے کی قدیمی تیزابیت کے لئے
(۳) اعصابی اور دماغی تناؤ (Muscular and Mental Strain) کے لئے
(۴) دل کے اُمراض بالخصوص اونچے درجے کے فشارِ خون (High Blood Pressure) کے لئے۔
(۵) جلدی اُمراض کے لئے۔

''سرخ لباس اور جدید سائنس : نبی اکرم ﷺ نے مَردوں کے لئے سرخ لباس کو ناپسند فرمایا ہے اور علمائے اسلام نے اس ضمن میں کئی احادیثِ نبوی کا حوالہ دیا ہے۔

سرخ رنگ کا مَردوں کے اعتدال پیدا کرنے والے نظام (Hormone System) کے لئے مضر ہونا ثابت ہے۔ سرخ رنگ جسم میں اعتدال پیدا کرنے والے نظام پر منفی اثر ڈالتا ہے جس کے نتیجہ میں ایک خاص قسم کا مادہ اُن ہارمونز سے خارج ہوتا ہے اور خون کے ساتھ مل جاتا ہے۔ نفسیات اور کروموپیتھی کے ماہرین کے نزدیک یہ خارج شدہ مادّہ ذیل کے اُمراض پیدا کرتا ہے:۔

(۱) اونچے درجے کا فشارِ خون (High Blood Pressure) (۲) حد سے بڑھی ہوئی جنسی انگیخت
(۳) جلدی اُمراض (۴) غدودوں کی سوزش (۵) غدہ درقیہ (Thyroid Gland) کا ٹیڑھا ہونا
(غدہ درقیہ گردن کے اگلے حصہ پر ایک عضو ہے جو جسم کی نشوونما کو کنٹرول کرنے کا مادہ پیدا کرتا ہے۔)
(۶) کمر درد

ناداروں کو لباس پہنانا : اللہ تعالیٰ کی اس نعمتِ لباس کا شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اُن ناداروں کو بھی لباس پہنائیے جن کے پاس تن ڈھانکنے کو کچھ نہ ہو۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے :

(۱) ''جو شخص کسی مسلمان کو کپڑے پہنا کر اُس کی تن پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت کا سبز لباس پہنا کر اُس کی تن پوشی فرمائے گا۔'' (ترمذی ' کتاب: صفة القیامة ۲۴۴۹)

(۲) ''کسی مسلمان نے اپنے مسلمان بھائی کو کپڑے پہنائے تو جب تک وہ کپڑے' پہننے والے کے بدن پر رہیں گے' پہنانے والے کو اللہ تعالیٰ اپنی نگرانی اور حفاظت میں رکھے گا۔'' (ترمذی' کتاب صفة القیامة' باب: ما جاء فیُ ثوابِ مَن کَسَا مُسلِمًا ۲۴۸۴)

مَردوں کا لباس کو ٹخنوں سے اوپر رکھنا : نبی اکرم ﷺ نے اس بات پر زور دیا کہ پائجامہ' شلوار یا لنگی وغیرہ کو ٹخنوں سے اوپر رکھا جائے یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ ٹخنے ڈھکے ہوئے چاہئیں۔ ٹخنوں سے جتنا بھی لباس نیچے ہوگا اُس حصۂ جسم کو جہنم کی آگ میں جلنا ہوگا۔ جو لوگ غرور و تکبر میں اپنا پائجامہ' لنگی وغیرہ لٹکاتے ہیں' رسول اللہ ﷺ کی نظر میں وہ ناکام اور نامراد لوگ ہیں اور سخت عذاب کے مستحق ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

''تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ تو اُن سے بات کرے گا اور نہ اُن کی طرف نظرِ رحمت فرمائے گا اور نہ اُنہیں پاک وصاف کر کے جنت میں داخل کرے گا بلکہ اُنہیں انتہائی دردناک عذاب دے گا: ایک وہ جو غرور و تکبر میں اپنا تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے' دوسرا وہ جو احسان جتاتا ہے اور تیسرا وہ شخص جو جھوٹی قسموں کے سہارے اپنی تجارت کو چمکانا چاہتا ہے۔'' (مسلم: کتاب الایمان)

لباس کو ٹخنوں سے اوپر رکھنے میں حکمت : طاہر منیر صاحب اچھے خاصے تعلیم یافتہ انسان ہیں اور فوم کا کاروبار کرتے ہیں۔ ایک دفعہ اُنہوں نے کہا کہ امریکہ میں قیام کے دوران میں نے وہاں ایک مرکزِ صحت دیکھا۔ میرا ایک دوست مجھے ایک چوراہے (پلازہ) میں کچھ نادر اور عجیب و غریب چیزیں دکھانے کے لئے لے گیا۔ ہم مختلف شعبہ جات کے پلازہ میں پہنچے۔ مختلف شعبہ جات میں گھومنے پھرنے کے بعد ہم بالآخر ملبوسات کے شعبہ میں پہنچے جس کی ایک جگہ پر یہ لکھا تھا: ''اپنے لباس کو اپنے ٹخنوں سے اوپر رکھئے۔ اس سے آپ ٹخنوں کی سوجن سے' جگر کے اندرونی طور پر پھولنے سے اور پاگل پن سے محفوظ رہیں گے۔''

''میں اس عبارت سے چونک سا گیا اور پوچھا کہ کیا یہ پلازہ مسلمانوں کا ہے۔ جواب نفی میں تھا اور بتایا گیا تھا کہ پلازہ عیسائی تحقیقی ادارے کا ہے جہاں حفظانِ صحت کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق کا کام جاری ہے اور تحقیق کے دوران کچھ اسلامی مسائل بھی زیرِ بحث لائے جاتے تھے۔''

''اگر لباس کو ٹخنوں سے نیچے تک لٹکایا جائے تو ٹخنے سے نیچے کی کچھ اہم شریانیں اور رگیں جنہیں تازہ ہوا اور تازہ پانی کی ضرورت ہوتی ہے' کھلی اور فراخ جگہ نہ ملنے کی وجہ سے سکڑ جاتی ہیں۔'' (حکیم چغتائی' صفحات ۱۵۲ تا ۱۵۴)

خواتین کے لئے ٹخنوں سے نیچے لباس : نبی اکرم ﷺ نے عورتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے ٹخنوں کو اُن کی پچھلی جانب کے نچلے حصّہ تک کپڑے سے چھپالیں (مدارج النبوۃ)۔

''طاہر منیر کا کہنا ہے کہ وہ پلازہ کے متعلقہ آدمیوں سے ملے اور اُن سے عورتوں کی اُس ہدایت کی مصلحت کے بارے میں پوچھا جو نبی علیہ السلام نے اُن کے لباس کے ٹخنوں سے نیچے ہونے کے متعلق دی ہے تو اُنہوں نے اس ہدایتِ نبوی کے متعلق بہت ہی حیران کن طبی نکات کو بے نقاب کیا اور بتایا کہ اگر عورتیں اپنے ٹخنوں کو ننگا رکھیں تو اُن کے ہارمونز یا تو کم ہو جائیں گے یا بڑھ جائیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ غلفی (اندامِ نہانی کی) سوجن (Vaginal Inflammation)' کمر درد' اعصابی کمزوری اور اعصابی تناؤ جیسی بیماریوں کی مستقل طور پر شکار ہو کے رہ جائیں گی۔ طاہر منیر کا کہنا ہے کہ اُن عورتوں کی صحت جو سنّتِ نبوی کو نہیں اپناتیں' اسی طرح ہوتی ہے جیسی کہ اوپر بیان ہوئی۔

''کالر' نیکٹائی اور جدید سائنس : کالر اور نیکٹائی اسلامی لباس کا حصّہ نہیں ہیں اور اسی لئے اُنہیں پسند نہیں کیا جاتا۔ مسلمانوں کی ثقافت میں غیر معقول اور ناجائز فیشن داخل ہو چکے ہیں۔ حالات کی ستم ظریفی یہ ہے کہ ان فیشنوں کے حامی کج (ٹیڑھی) اور دُور از فہم دلیلیں دیتے ہیں اور اُنہیں نہیں معلوم کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُن لوگوں کے لئے کتنا بڑا انعام مقرر رکھا ہے جو سنّتِ نبوی کی پابندی کرتے ہیں۔ کالر اور نیکٹائی کے استعمال کے کچھ طبی نقصانات یہ ہیں:۔

(۱) دل کی طرف سے خون شریانوں کے ذریعے فراہم کیا جاتا ہے اور وہ شریانیں تنگ کالر اور نیکٹائی کے دباؤ کی وجہ سے خون کی فراہمی میں سست پڑ جاتی ہیں جس کا نتیجہ دماغی اور بصری (دیکھنے کی) کمزوری' بے خوابی' بالوں کے گرنے اور گنجے پن میں ہوتا ہے۔

(۲) ہمارے پھیپھڑے جسم سے کاربن ڈائی آکسائڈ کو باہر نکالنے اور جسم میں آکسیجن لے جانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ تنگ کالر اور نیکٹائی کا استعمال سانس لینے میں رکاوٹ کا سبب بنتے ہیں جس کا نتیجہ گردن کے عقبی (پیچھے کا) حصّہ کے اعصاب کا تناؤ اور ذہنی بے آرامی میں ہوتا ہے۔ (حکیم چغتائی' صفحات ۱۵۷' ۱۵۸)

''اللہ کی بنائی ہوئی چیز کی زینت و آرائش میں حد سے تجاوز کرنا : اسلام اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں کی حد درجہ تزئین و آرائش کو مسترد کرتا ہے جس سے اُس چیز کی شکل اور ہیئت ہی بدل جائے۔ قرآن مجید ایسی تبدیلیوں کو شیطان کا واہمہ اور اُسی کا بتایا ہوا عمل قرار دیتا ہے جو اپنے پرستاروں کو اُس چیز کی شکل بدلنے کا حکم دیتا ہے جو اللہ نے بنائی ہے جیسا

کہ سورۃ النساء کی آیت ۱۱۹ میں آیا: وَلَاٰمُرَنَّھُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰہِ (شیطان نے کہا کہ میں اُنہیں ضرور بالضرور حکم دوں گا تو وہ اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی کر کے رہیں گے)۔

''تغییرِ خَلق سے مراد کسی جانور کے کان کاٹ دینا' کسی مرد کو خصّی کر دینا' عورتوں کا سر کے بال کٹا کر مردانہ وضع ولباس اختیار کر کے زیادہ سے زیادہ حد تک مرد بن جانا' مَردوں کا داڑھی منڈانا' ایسے آپریشن کرانا جن سے جنس تبدیل ہو جائے یعنی عورت مرد بن جائے اور مرد عورت بن جائے' پلاسٹک سرجری کے ذریعے جوان نظر آنا وغیرہ سب تغییرِ خَلق میں شامل ہیں اور شیطانی طریقے ہونے کی وجہ سے ناپسندیدہ ہیں۔'' (ضیاء القرآن' ماجدی)

<u>جلد کو گودنے' دانتوں کو تراش خراش کے ذریعے چھوٹا کرنے اور آرائش کی خاطر سرجری کرانے کی ممانعت</u>: ایسے ہی تجاوزات میں جلد کو گودنا اور دانتوں کو چھوٹا کرنا شامل ہیں۔ یہ عمل قبل از اسلام کے عربوں کے تھے کہ وہ زیب وزینت کے لئے ایسا کرتے تھے جبکہ اسلام ایسے اعمال وافعال کے خلاف ہے:

''نبی ﷺ نے جسم کو گودنے والے اور جسم کو گدوانے والے پر لعنت فرمائی ہے اور اسی طرح دانتوں کو چھوٹا کرنے والے اور چھوٹا کرانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔'' (صحیح مسلم)

گدوانے کا عمل چہرے اور دوسرے جسمانی اعضاء کو مستقل طور پر بدنما بنا دیتا ہے اور پیچھے مکروہ اور نفرت انگیز نشان چھوڑ جاتا ہے۔ اہلِ عرب بالخصوص اُن کی عورتیں اپنے جسموں کے بیشتر حصّوں کو گدواتی تھیں۔ ان قبیح' گندے کاموں میں سوئیوں کے چبھونے کی وجہ سے درد اور تکلیف کا اضافہ ہوتا ہے اور اسی لئے جسم کے گودنے والے اور گدوانے والے دونوں پر لعنت کی گئی ہے۔

''جہاں نبی اکرم ﷺ نے دانتوں کو تراش خراش کے ذریعے چھوٹا کرنے سے منع فرمایا ہے' وہاں آپ نے اُن کے درمیان خلا رکھنے سے بھی منع فرمایا اور اُن عورتوں پر لعنت فرمائی جو زیب وزینت کی خاطر اپنے یا دوسروں کے دانتوں کے درمیان خلا پیدا کرتی ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی بناوٹ میں تبدیلی کرتی ہیں۔''

''<u>پلاسٹک سرجری</u>: مندرجہ بالا احادیث کے مدِّنظر چونکہ پلاسٹک سرجری بھی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ بناوٹ میں مداخلت اور تبدیلی ہے' اس لئے اسے بھی ناجائز قرار دیا گیا۔ زیب وزینت کی خاطر پلاسٹک سرجری کا فیشن آجکل عام ہو چکا ہے جس کی وجہ مغربی تہذیب کی مادیّت کا نظریہ ہے جو جسم اور اس کی خواہشات کی تکمیل پر زور دیتا ہے۔ مرد اور عورتیں سینکڑوں ہزاروں ڈالر اپنی ناک اور چھاتیوں وغیرہ کی ازسرِنو تشکیل پر خرچ کرتے ہیں۔ یہ رویّہ یقیناً حد درجہ تزئین وآرائش کے زمرہ میں آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ بناوٹ میں غیر ضروری طور

پر تبدیلی کرنا ہے اور اللہ اور اُس کے رسول کی جانب سے لعنت کیا گیا ہے۔ محض شکل و شباہت کو اچھا بنانے کے لئے پیسہ کے ضیاع کے علاوہ اس میں اذیت اور تکلیف کو بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔''

''ابروؤں (بھوؤں) کا اُکھاڑنا (اَلنَّمَس): بھوؤں کو پتلا کرنے اور اُنہیں نئی شکل دینے کے لئے اُنہیں اُکھاڑا جاتا ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اُنہیں اکھاڑنے والیوں اور اُکھڑوانے والی دونوں پر لعنت کی ہے (ابوداؤد)۔ اس فعل پر بالخصوص ناراضگی کا اظہار کیا گیا ہے کہ یہ کسبی عورتوں (طوائفوں) کا کام ہے۔''

''حنبلی علماء کے نزدیک اگر خاوند اجازت دے تو چہرے کے بال (بھوؤں کے علاوہ) دُور کرنے' پاؤڈر' کریم اور دیگر اشیائے زیب و زینت کا استعمال عورت کے لئے جائز ہے کیونکہ یہ چیزیں نسوانی زینت کا حصّہ ہیں۔ امام نووی اس معاملے میں کچھ سخت ہیں اور چہرے کے بالوں کو دُور کرنے سے منع کرتے ہیں۔''

''علامہ طبری ابو اسحاق کی بیوی سے متعلق بیان کرتے ہیں جنہیں اپنے آپ کو بنا سنوار کر رکھنا بہت پسند تھا۔ ایک مرتبہ اُنہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: اگر کوئی عورت اپنے خاوند کو خوش کرنے کے لئے اپنی پیشانی پر کے بال دُور کردے تو شریعت کی نظر میں یہ کیسا ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا: جو چیز تمہیں نقصان دے' اُسے ممکنہ حد تک دُور کردو۔'' (''فتح الباری'' فی شرح البخاری بحوالہ یوسف القرضاوی صفحہ ۹۰)

''مصنوعی بال (Wig) اور گندھے ہوئے مصنوعی بال (Hairpieces): نسوانی زیب و زینت کے لئے اپنے ذاتی بالوں میں دیگر بالوں کے اضافہ کی بھی ممانعت ہے خواہ وہ حقیقی ہوں یا مصنوعی۔

صحیح بخاری میں سیدہ عائشہ' اُن کی ہمشیرہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا' ابن مسعود' ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ایک حدیث ملتی ہے جس کے مطابق:

''نبی اکرم ﷺ نے اَلواصِلة اور اَلمُستَوصِلة پر لعنت فرمائی ہے۔''

اَلواصِلة وہ عورت ہے جو پیشہ کے لحاظ سے مصنوعی بال (Wig) اور (Hairpieces) بنائے۔ اور المُستَوصِلة وہ ہے جو اُنہیں استعمال کرے۔

نبی علیہ الصلوۃ والسلام ایسی فریب کاریوں کا مقابلہ کرنے میں بہت سخت تھے یہاں تک کہ اگر کسی عورت کے بال کسی بیماری کی وجہ سے جھڑ جاتے تھے تو آپ اُسے دوسرے بالوں کے لگانے کی اجازت نہیں دیتے تھے اگرچہ اُس کی عنقریب شادی ہونے والی ہو۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (صحیح بخاری کی کتاب اللباس میں) سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

سے مروی ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ انصار کی ایک لڑکی اپنی شادی کے بعد بیمار پڑ گئی اور اُس کے بال جھڑ گئے۔ کچھ لوگوں نے دوسرے بالوں کا اُس کے بالوں میں اضافہ کرنا چاہا اور جب نبی ﷺ سے اس بارے میں معلوم کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اَلواصِلة اور اَلمُستَوصِلة پر لعنت فرمائی ہے۔''

پیغمبر ﷺ نے اپنے بالوں میں دوسرے بالوں کے اضافہ کو جعل سازی (Forgery) قرار دیا اور فرمایا:
''بنی اسرائیل اس وجہ سے تباہ ہوئے کہ اُن کی عورتوں نے مصنوعی بال (وِگیں) استعمال کرنے شروع کر دئے تھے۔''

اس عمل کے جعلی ہونے کی وجہ سے اس سے ممانعت کی گئی ہے۔ اور یہ جعلسازی اس وجہ سے ہے کہ یہ در حقیقت دھوکا، جھوٹ اور فریب کاری ہے اور اسلام فریب کاری کی مذمّت کرتا ہے اور اپنے آپ کو فریب کاروں سے جدا ہونے کا اعلان کرتا ہے۔

''بالوں کا خضاب کرنا: زیب و زینت کا ایک اور پہلو سر یا داڑھی کے سفید بالوں کا رنگنا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہودی اور عیسائی بالوں کے خضاب کرنے سے پرہیز کرتے تھے۔ وہ ایسی زیب و زینت کو راہبوں، پادریوں اور تارک الدنیا لوگوں کے شایانِ شان نہیں سمجھتے تھے اور پارسائی اور دینداری کے بھی خلاف سمجھتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایسے لوگوں کی نقالی سے منع فرمایا تاکہ مسلمان شکل وصورت اور رویّوں میں اپنی امتیازی اور خودمختار خصوصیات کی نشوونما اور ترویج کرسکیں۔''

امام بخاری نے صحیح بخاری، کتاب اللباس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''یہودی اور عیسائی اپنے بالوں کو خضاب نہیں لگاتے۔ لہٰذا اُن کی مخالفت میں تم خضاب لگایا کرو۔''*

''تاہم نبی علیہ السلام کا یہ فرمان وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے جیسا کہ صحابہ کرام کے عمل سے ثابت ہے کہ حضرات ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما خضاب لگایا کرتے تھے جبکہ جناب علی، اُبی بن کعب اور انس رضی اللہ عنہم ایسا نہیں کرتے تھے۔''

اب رہا یہ سوال کہ خضاب کس قسم کا استعمال کرنا چاہیئے؟ کیا وہ سیاہ رنگ کا ہو یا کسی بھی رنگ کا ہو؟ اگر کوئی آدمی

* یہ حدیثِ مبارکہ مغربی فیشن کے دلدادہ لوگوں کی آنکھیں کھول دینے اور اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ اسلام غیر مسلموں کی نقالی کرنے کے کس قدر خلاف ہے۔ اسلامی تہذیب و ثقافت اپنی خصوصیت میں نمایاں اوصاف کے حامل ہیں اور انہیں کسی بھی طرح کسی دوسری تہذیب و ثقافت سے گڈمڈ نہیں کیا جاسکتا۔

بڑھاپے کی آخری حد کو چھو چکا ہے اور اُس کے سر اور داڑھی کے بال سفید ہو چکے ہیں تو اُس کے لئے سیاہ رنگ کا خضاب تو مناسب نہیں رہے گا۔ فتح مکّہ کے دن ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ اپنے بوڑھے والد ابو قحافہ کو اُٹھائے ہوئے آئے اور اُنہیں نبی اکرم ﷺ کے سامنے بٹھا دیا۔ ابو قحافہ کے برف کی طرح سفید بالوں کو دیکھ کر آپ نے فرمایا:
''ان بالوں کا (سفید) رنگ بدل دو لیکن سیاہ رنگ سے پرہیز کرو۔'' (فتح الباری)

''تاہم اگر آدمی اس قدر بوڑھا نہیں ہوا یا ابو قحافہ کی طرح کمزور نہیں ہے تو اُسے سیاہ خضاب کے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس سلسلہ میں الزہری نے کہا کہ ''جب چہرہ جوان لگتا تھا تو ہم اپنے بالوں کو سیاہ خضاب لگاتے تھے لیکن جب چہرے پر جھریاں پڑ گئیں اور دانت جواب دے گئے تو ہم نے سیاہ خضاب لگانا چھوڑ دیا۔''

''ابتدائی دَور کے کچھ مسلمانوں نے بشمول کچھ صحابہ کے (مثلاً سعد بن ابی وقاص، عقبہ بن عامر، حسن، حسین، جریر وغیرہ) سیاہ خضاب کے استعمال کی اجازت دی ہے۔ جبکہ کچھ علماء نے جنگ کے دنوں کے علاوہ سیاہ خضاب کے استعمال کو جائز نہیں سمجھا تاکہ دشمن اس بات سے مرعوب ہو جائے کہ مسلمان فوج کے سپاہی جوان نظر آتے ہیں۔''

ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی:
''سفید بالوں کو مہندی اور خطم کا خضاب لگانا بہترین ہے۔''

''مہندی بالوں کو سرخ کرتی ہے جبکہ ''خطم'' (جو ملکِ یمن کا ایک پودا ہے) اُنہیں سیاہ سرخی مائل کرتا ہے۔ حضرت اَنس فرماتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے بالوں کو مہندی اور خطم سے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے بالوں کو صرف مہندی سے رنگتے تھے۔'' (''الحلال و الحرام فی الاسلام'' (انگریزی ترجمہ)۔۔ یوسف القرضاوی ص ص ۹۲، ۹۳)

''داڑھی کو بڑھنے دینا: داڑھی کا بڑھانا بھی ہمارے اسی موضوع میں شامل ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللِّحٰی (صحیح بخاری، صحیح مسلم)
''مشرکوں کی مخالفت کرو، مونچھوں کو ترشواؤ اور داڑھی کو بڑھاؤ۔''

حکمِ رسول کا مقصد یہی ہے کہ مسلمان کافروں سے ممتاز نظر آئیں تاکہ مسلمانوں کو خود مختار شخصیت کی نشو و نما کا موقع ملے اور وہ اپنی اندرونی حقیقت اور بیرونی شکل و صورت میں نمایاں نظر آئیں۔ داڑھی منڈوانا مردانگی کی فطرت کی توہین ہے کیونکہ داڑھی منڈوانا عورتوں کی طرح لگنے کی کوشش ہے جبکہ داڑھی مردانگی کا جزوِ لاینفک اور مردانہ جنس کا امتیازی پہلو ہے۔

''تاہم داڑھی بڑھانے کا یہ مطلب نہیں کہ اُسے بے ہنگم طور پر اس قدر بڑھایا جائے کہ وہ تکلیف کا باعث بن جائے۔ اسے لمبائی اور چوڑائی میں ترشوانا چاہیئے۔ اس کی تائید ترمذی کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے اور شروع زمانہ کے مسلمان ایسا ہی کرتے تھے۔ حضرت عیاض نے کہا کہ داڑھی کا منڈوانا یا اُسے کٹوانا یا چھوٹا کرانا مکروہ ہے لیکن اس کے بڑا ہونے کی صورت میں اس کے طول وعرض میں سے کچھ بال کم کردینا مستحب فعل ہے۔''

''میرے خیال میں یہ افسوسناک بات ہے کہ موجودہ دَور میں اکثر مسلمان اُن غیرملکی عناصر کی نقالی میں اپنی داڑھیاں منڈواتے ہیں جو اُن کے ملک پر قابض ہیں۔ یہ بدنصیبی کی بات ہے کہ مفتوح قومیں ہمیشہ اپنے فاتحین کی نقالی کرتی ہیں۔ آج کے مسلمان نے پیغمبر علیہ السلام کے اس فرمان کو نظرانداز کر دیا ہے کہ مسلمان غیر مسلمین سے مختلف ہیں لہٰذا اُنہیں اُن کی نقالی سے بچنا چاہیئے۔ اسی حقیقت کو ذہن نشین کراتے ہوئے زبانِ رسالت نے فرمایا: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ یعنی ''جس کسی نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو اُس کا شمار اُنہی میں سے ہوگا۔'' (ابوداؤد بروایت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما)

''نبی اکرم ﷺ کے اسی فرمان کی بنیاد پر فقہاء کی اکثریت نے داڑھی منڈوانے کو حرام کہا ہے۔ داڑھی بڑھانے کا یہ حکم اسے واجب کا درجہ دیتا ہے بالخصوص جبکہ داڑھی میں غیر مسلمین سے مختلف ہونے کا مقصد کارفرما ہے۔ یہ اطلاع کبھی نہیں ملی کہ ابتدائی زمانہ کے کسی مسلمان نے داڑھی رکھنے کے اس فرض سے کوتاہی برتی ہو۔ تاہم کچھ جدید علماء نے یہ دلیل دیتے ہوئے داڑھی منڈانے کی اجازت دی ہے کہ داڑھی کا بڑھانا پیغمبر علیہ السلام کی ذاتی ترجیح تھی جس کا مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا' لہٰذا اس حکم کی پیروی کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ لیکن حقیقتِ معاملہ یہ ہے کہ داڑھی بڑھانے کا حکم صرف مسلمان کو غیر مسلم سے متمیّز کرنا تھا۔ علامہ ابن تیمیہ نے یہ دلائل ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں کو غیر مسلمین سے مختلف اور متمیز کرنا قانون عطا کرنے والی ہستی کا مقصد تھا کیونکہ شکل وصورت میں مشابہت محبت' دوستی اور احساسات کا قرب بخشتی ہے جیسا کہ دلی محبت ظاہری شکل وصورت میں مشابہت پیدا کرتی ہے۔ یہ نفسیاتی حقیقت تجربے اور مشاہدے سے ثابت ہے۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں:

''قرآن' سنتِ نبوی اور مسلم علماء کا اجماع سب کے سب مسلمانوں کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ وہ غیر مسلمین سے مختلف اور متمیز نظر آئیں اور بالعموم اُن کی مشابہت سے بچیں۔ ہر اُس چیز کی جو مخفی اور علانیہ طور پر اخلاقی بگاڑ کا موجب ہو' ممانعت ہے۔ غیر مسلمین کی شکل وشباہت میں نقالی اُن کے غیر اخلاقی رویّہ اور بدخصلتوں کی نقالی کی طرف اور کوئی بعید نہیں اُن کے عقائد کے اپنانے کی طرف لے جائے گی۔ ایسے اثرات پر نہ تو قابو پایا جاسکتا ہے اور نہ ہی اُنہیں بہ آسانی بھانپا جاسکتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُنہیں بیخ وبُن سے اُکھیڑنا مشکل بلکہ ناممکن ہوجاتا ہے۔ چنانچہ جو بھی چیز اخلاقی بگاڑ کا سبب ہے' اسے قانون عطا کرنے والے نے ممنوع قرار دیا ہے۔'' (کتاب اِقتضاءُ الصراط المستقیم)

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ ضُعۡفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ ضُعۡفٍ قُوَّۃً ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّۃٍ ضُعۡفًا وَّ شَیۡبَۃً یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ (الرّوم : ۵۴)

"اللہ تو وہی ذات ہے جس نے تمہیں (تمہاری) ناتوانی کی حالت میں پیدا کیا پھر ناتوانی کے بعد توانائی عطا کی، پھر توانائی کے بعد ناتوانی اور ضعیفی دی، وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے۔"

اوّل الذکر ضُــعف سے مراد قبل از پیدائش نطفہ کی بے حقیقتی اور کمزوری ہے۔ ثانی الذّکر ضُــعف سے مراد بچپن کی ناطاقتی اور بے بسی ہے۔ قُــوَّۃ سے مراد جوانی اور قُوٰی کے بلوغ اور پختگی کا زمانہ ہے۔ مؤخر الذکر ضُعف سے مراد بڑھاپے کی کمزوری ہے۔ حیاتِ انسانی میں واقع ہونے والے شکست وریخت اور تجمّع کے سارے عمل کو قرآنِ حکیم نے ایک ہی جگہ بیان کر دیا ہے۔

(۲) افزائش (Growth): تحوّل (میٹابولزم) کے دوران ایک نیا نخزمایہ (Protoplasm) پیدا ہوتا ہے جس سے خلیوں کی تعداد اور سائز میں اضافہ ہوتا ہے جس کے نتیجے میں نامی وجودوں کا سائز بڑھ جاتا ہے۔ اِس ''افزائش'' نامی عمل کا ذکر قرآنِ حکیم میں اس طرح آیا ہے:۔

مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِیۡ کُلِّ سُنۡۢبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ (البقرۃ : ۲۶۱)

"جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اُن کے مال کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ ہے کہ اُس سے سات بالیاں اُگیں، ہر ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں اور اللہ جسے چاہے افزونی دیتا رہتا ہے۔"

(۳) تولید (Reproduction): جاندار چیزوں کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ وہ اپنے وجود کو نسل درنسل عملِ تولید کے ذریعے قائم رکھتی ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنۡہَا زَوۡجَہَا وَبَثَّ مِنۡہُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّنِسَآءً (اَلنِّسَآء : ۱)

"لوگو! اپنے رب کا خوف کرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا پھر اُس سے اُس کا جوڑا پیدا کیا اور اُن دونوں سے بکثرت مرد اور عورتیں پھیلا دیئے۔"

(۴) حرکت (Movement): ساری جاندار چیزیں از خود حرکت کر سکتی ہیں۔ ایک مقام سے دوسرے مقام تک حرکت کرنے کا عمل جانوروں میں زیادہ ظاہر ہوتا ہے۔ پودوں میں عملِ حرکیت کم نمایاں ہوتا ہے اور نہ ہی وہ

''اس طرح داڑھی منڈوانے سے متعلق تین آراء ہیں: (۱) یہ کہ اس کا منڈوانا حرام ہے۔ یہ ابن تیمیہ وغیرہ کی رائے ہے۔(۲) اس کا منڈوانا مکروہ ہے۔ یہ صرف عیاض کی رائے ہے جیسا کہ ''فتح الباری'' میں بیان ہوا۔ (۳) اس کے منڈوانے کی اجازت ہے جو چند علمائے جدید کی رائے ہے۔''

''شاید دوسری رائے کہ اس کا منڈوانا یا مونڈنا مکروہ ہے' صداقت کے زیادہ قریب اور مبنی بر اعتدال ہے۔ جیسا کہ داڑھی بڑھانے کی غرض و غایت مسلمان کا غیر مسلم سے مختلف نظر آنا ہے' داڑھی کو خضاب لگانا بھی اسی طرح ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں سے مسلمان مختلف اور متمیز نظر آئیں۔ یہ بھی معلوم ہے کہ کچھ صحابہ کرام اپنے سفید بالوں کو خضاب نہیں لگاتے تھے' یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ مستحب فعل ہے نہ کہ وجوبی اور اسی لئے اس کا منڈوانا ''مکروہ'' کے زمرے میں ہوگا نہ کہ حرام کے زمرہ میں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی صحابی کی طرف سے داڑھی منڈوانے کی اطلاع نہیں ملی۔'' (''الحلال والحرام فی الاسلام'' (انگریزی ترجمہ) ---یوسف القرضاوی' صفحات ۹۴ تا ۹۶)

جزوی سر کے منڈوانے (حَلْق) اور کتروانے (قَصْر) کی ممانعت : حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سر کے کچھ حصہ کے منڈوانے یا کتروانے سے منع کیا ہے (بخاری' مسلم)۔

جس شخص کو بال بڑھانا مقصود ہوں' اُس کے لئے مستحب ہے کہ اُن کے باقاعدہ کنگھا کرنے اور تیل لگانے کے ذریعے اُن کی خوبصورتی کو قائم رکھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ كَانَ لَهُ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمْهُ (ابو داؤد) یعنی ''جس شخص کے بال ہوں' اُسے اُن کی نگہداشت کرنی چاہیے۔''

ناخن پالش: ''یہ فرعونی زمانے کی یادگار ہے جب مصری خواتین اپنے ناخنوں کو رنگ اور پالش سے رنگتی تھیں۔ اِن دنوں استعمال ہونے والی ناخنوں کی وارنش ناخنوں کی صحت کے لئے خطرناک ہے جو اپنی چمک دمک اور حسن کھو دیتے ہیں۔ ایک اطلاع کے مطابق ناخنوں کو بڑھانا نہیں چاہیے کیونکہ اس سے اُن کی چمک ماند پڑ جاتی ہے۔'' (''سنتِ نبوی اور جدید سائنس'' ---حکیم چغتائی جلد ۲' ص ۳۷۹)

یہ بات ذہن نشین رہے کہ نیل پالش کی تہ وضو کے پانی کو ناخنوں کی (بصورتِ دیگر) ننگی سطح تک نہیں پہنچنے دیتی اور اسی وجہ سے نیل پالش کے اوپر سے وضو کرنا وضو ہوتا ہی نہیں اگرچہ یہ سمجھا جائے کہ میں نے وضو کرلیا ہے۔

ناخن تراشنا : سنت یہی ہے کہ دونوں ہاتھوں کے ناخنوں کو تر کرنے کے بعد چھوٹی انگلی سے شروع کر کے

شہادت کی انگلی تک پہلے دائیں ہاتھ کے ناخن تراشیں اور پھر اُسی ترتیب سے بائیں ہاتھ کے ناخن تراشیں۔ اس طرح دونوں انگوٹھوں کے ناخن آخر میں کٹیں گے۔ پاؤں کے ناخن بھی اسی ترتیب سے تراشے جائیں گے۔ ناخنوں کے بڑھانے کی مذمت کی گئی ہے اور یہ خون کی بیماریاں پیدا کرتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا جو اُمتی میری سُنّت کے مطابق نمازِ جمعہ سے پہلے ناخن تراشے گا' وہ موت کے علاوہ (اگر وہ مقدر رہوئی) ہر ناگہانی آفت اور مصیبت سے اگلے جمعہ تک محفوظ رہے گا۔

''جدید طبّی تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ معدہ کے حشرات (Silkworms) کے انڈے بڑے ہی پُر اَسرار طور پر ناخنوں میں چُھپے ہوتے ہیں۔ آدمی کے کھانا کھانے کے وقت یہ حشرات خوراک کے ذریعے معدہ تک پہنچنے کا راستہ بناتے ہیں جہاں اُن کی نشو ونما ہوتی رہتی ہے۔'' (''سُنّتِ نبوی اور جدید سائنس''۔۔۔ حکیم محمد طارق محمود چغتائی' جلد اوّل' صفحہ ۴۵۰)

(BIBLIOGRAPHY) مراجع ومصادر

1. Ali Asghar Chishti — Islam and Women .. Lahore, 2003.
2. Anwar Iqbal Qureshi — Islam and Theory of Interest .. Lahore, 1991.
3. Armstrong, Karen — Muhammad – A Biography of the Prophet .. Harper San Francisco, 1992.
4. Arnold, T. W. — The Preaching of Islam.. London, 1896.
5. Arnold, T. W. — Islamic Faith.
6. Asad, Leopold — Islam on the Crossroads.
7. Austin, John — Lectures on Jurisprudence.
8. Bartee, Thomas, C. — Digital Computer Fundamentals.
9. Bashir, Mahmood Sultan — Cosmology and Human Destiny .. Islamabad, 2006
10. Bashir, Mahmood Sultan — Doomsday and Life after Death.
11. Becker, C. H. — Christianity and Islam.
12. Bland — Muhammedan Science.
13. Bucaille, Maurice, Dr. — The Bible, the Qur'an and Science .. Lahore.
14. Chapra, Umar, M. — The Economic System of Islam.
15. Cobbold, Lady — Pilgrimage to Mecca.
16. Coulson, C. A. — Science and Christian Belief.
17. Cranston, Ruth — World Faiths.
18. Daniel, Norman — Islam, Europe and the Empire.
19. Davenport, John — The Message of the Qur'an
20. Draper — History of the Conflict between Religion and Science
21. Fatehullah Khan, Engineer — God, Universe and Man, the Holy Qur'an and the Hereafter.
22. Gardner, Soul — Strange Things Animals Do.. New York, 1970.
23. Gatje — The Qur'an.
24. Gibbon, Edward — The Decline and Fall of the Roman Empire.
25. Gilluly, James — Principles of Geology.
26. Greenstein, George — The Symbiotic Universe.
27. Gunther, John — Inside Latin America.
28. Hammerton — Universal History of the World.. New York.
29. Haroon, Yahya — The Creation of the Universe ... Canada, 1999.
30. Haroon, Yahya — The Miracle in the Ant .. New Delhi, 2002.
31. Haroon, Yahya — The Miracle in the Spider .. New Delhi 2001.
32. Haroon, Yahya — The Miracle of Creation in DNA ...New Delhi, 2003.
33. Haroon, Yahya — The Miracle of Creation in Plants ...New Delhi 2003
34. Higgins, Godfrey — Apology for Mohammad.
35. Hirschfeld, Hartwig — New Researches into the Composition and Exegesis of the Qur'an.
36. Hitti, Philip, K. — History of the Arabs.
37. Hoyle, Fred — The Intelligent Universe.
38. Iqbal, Muhammad, Dr. — Reconstruction of Religious Thought in Islam ... Lahore, 1958.
39. Jeans, James, Sir — The Mysterious Universe.
40. Keith Moore and Persuad — The Developing Human.

41. Kister — Interpretation.
42. Krafft, Ebing — Psychopathia Sexualis.
43. Lecky — The History of European Morals
44. Letourneau, M. — Evolution of Marriage.
45. Lipson, H. P. — A Physicist looks at Evolution.
46. Lowsin — Textbook of Botany .. London, 1922.
47. Mannan, M. A. — Islamic Economics : Theory & Practice .. Lhr. 1984
48. Masudul Hasan, Prof. — Reconstruction of Political Thought in Islam .. Lahore, 1988.
49. Maudoodi, Sayyid — Economic System of Islam .. Lahore, 1997.
50. McCarthy, Jerome, E. — Basic Marketing ... 4th Edition, 1971.
51. Moin Qureshi, S. M. — Islam and Material Progress .. Islamabad, 2004.
52. Mosley, L. — The Last Days of the British Raj.
53. Mukerjee, H. M. — Introduction to Socialism.
54. Munawar Iqbal — Inflation, Indexation and Role of Money.
55. Muslehud Din, Dr. — Economics and Islam.
56. Nurbaki, Haluk, Dr. — Verses from the Holy Koran and the Facts of Science .. Karachi, 2nd Edition, 1997.
57. Parker Haswell, W.A. — Textbook of Zoology.
58. Rashid A. Seyal, Dr. — Divine Philosophy and Modern Day Science ... Indiana (USA), 2004.
59. Rashid, Khalifa — Computer Speaks.
60. Rawlinson — Moses : His Life and Times.
61. Roberts — Social Laws of the Qoran.
62. Ross, Hugh — The Creator and the Cosmos.
63. Samuelson, Paul A. — Economics.
64. Sarton, Geoge — Introduction to the History of Science .. Washington, 1950.
65. Saud, Muhammad — Islam & Evolution of Science .. Islamabad, 2000.
66. Scott, G. R. — History of Prostitution.
67. Scott, G. R. — Sex-life of Man and Woman.
68. Stobart, R. W. — Islam and its Founder .. 1876.
69. Tahir Muhammad Mansuri, Dr. — Islamic Law of Contracts and Business Transactions ... Lahore, 2001.
70. Tahir-ul-Qadri, Prof. Dr. — The Creation and Evolution of the Universe .. Lahore, 2002.
71. Taqi Usmani, Justice — Our Socio-Economic Order.
72. Watt, Montgomery — Muhammad at Mecca.
73. Yusuf, Mirza Muhammad — A-One Comprehensive General Knowledge.

Encyclopaedias

1. Academic American Encyclopedia : USA, 1981.
2. Cheyne and Black's Encyclopaedia Biblica.. London.
3. Encyclopedia Americana : USA, 1982.
4. Encyclopaedia Britannica : New York, 15th edn., 1994.
5. Encyclopaedia of the Qur'an .. Leiden 2003, 2004, 2005.

6. Funk & Wagnalls New Encyclopedia of Science.
7. Grolier Encyclopedia of Knowledge .. New York, 1993.
8. Hastings' Encyclopaedia of Religion and Ethics.. London.
9. McGraw-Hill Encyclopedia of Science and Technology : Phillipines, 1978.
10. McGraw-Hill Encyclopedia of Chemistry, USA 1983.
11. McGraw-Hill Encyclopedia of Science.
12. The New Encyclopaedia Britannica.
13. اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ (انسائیکلو پیڈیا) پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

Dictionaries

1. Edward Lane's Arabic-English Lexicon (8 parts).
2. Oxford Advanced Learner's Dictionary : New International Students' 5th Edn., 1996.
3 Oxford Urdu English Dictionary .. Shanul Haq Haqqee .. Karachi, 2009.
4. The Penguin Dictionary of Politics.... David Robertson.

(۵) المفردات : حسین بن محمد راغب اصفہانی (م ۵۰۲ ھ)' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸
(۶) لسان العرب : جمال الدین ابن منظور افریقی (م ۷۱۱ ھ)' مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ' قم ایران۔
(۷) القاموس المحیط : مجد الدین فیروز آبادی (م ۸۱۷ ھ) مطبعہ دار المامون مصر ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء۔
(۸) تاج العروس : الزجاج

Essays, Journals, The Dailies, Weeklies, Monthlies

1. A Scientist's Interpretation of References to Embryology .. Keith Moore.
2. Islamic Quarterly, June 1964.
3. Islam – the Misunderstood Religion : James A. Michener.
4. Islam – the Religion of All Prophets : Karachi.
5. Nation Geographic Magazine.
6. Readers' Digest, May 1955.
7. Sunday Express, 28th April, 1935.
8. "Design and the Anthropic Principle".

(۹) ''انقلاب'' ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۹ء
(۱۰) روزنامہ 'جنگ' کراچی' ۷ جولائی ۲۰۰۱ء۔
(۱۱) روزنامہ 'جنگ' کراچی' ۱۰ اگست ۲۰۰۱ء۔
(۱۲) رسالہ قُشیریہ : ابوالقاسم قُشیری

Tafsir Literature

1. Abdul Majid Daryabadi, Maulana (Eng., Urdu) Taj Company Ltd., Lahore, 1941.
2. Abdullah Yusuf Ali : Translation and Commentary on the Qur'an : Maryland, 1983.

(۳) جامع البیان : امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری (م ۳۱۱ھ)' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ۔
(۴) احکام القرآن : امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی' (م ۳۷۰ھ)' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ
(۵) الجامع لاحکام القرآن : علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی (م ۶۶۸ھ)' مطبوعہ بیروت ۱۴۱۵ھ
(۶) الکشاف : علامہ محمود بن عمر زمخشری' متوفی ۵۳۸ھ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ۔
(۷) زاد المسیر فی علم التفسیر : علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی' متوفی ۵۹۷ھ' بیروت۔
(۸) تفسیر کبیر : امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین رازی' متوفی ۶۰۶ھ' مطبوعہ بیروت ۱۴۱۵ھ۔
(۹) انوار التنزیل: قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی' متوفی ۶۸۵ھ' مطبوعہ مصر۔
(۱۰) مدارک التنزیل : علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی' متوفی ۷۱۰ھ' مطبوعہ دارالکتب العربیہ' پشاور۔
(۱۱) لباب التاویل : علامہ علی بن محمد خازن شافعی' (م ۷۴۱ھ)' مطبوعہ دارالکتب العربیہ پشاور۔
(۱۲) البحر المحیط : علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی (م ۷۵۴ھ)' مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۲ھ۔
(۱۳) تفسیر القرآن : حافظ عمادالدین بن اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی (م ۷۷۴ھ)' مطبوعہ بیروت ۱۳۸۵ھ
(۱۴) اَلدُّرُّ المنثور: حافظ جلال الدین السیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران' ۱۴۲۱ھ۔
(۱۵) التفسیرات الاحمدیہ : علامہ احمد جیون جونپوری' (م ۱۱۳۰ھ)' مطبع کریمی بمبئی۔
(۱۶) رُوح البیان : علامہ اسماعیل حقی حنفی' متوفی ۱۱۳۷ھ' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ' ۱۴۲۱ھ۔
(۱۷) تفسیر مظہری : قاضی ثناء اللہ پانی پتی' متوفی ۱۲۲۵ھ' مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو' کوئٹہ۔
(۱۸) فتح القدیر: شیخ محمد بن علی شوکانی' متوفی ۱۲۵۰ھ' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت ۱۴۱۸ھ۔
(۱۹) رُوح المعانی : علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی' متوفی ۱۲۷۰ھ' مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۷ھ۔
(۲۰) نورالعرفان: مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ گجرات۔
(۲۱) تفہیم القرآن : سید ابوالاعلیٰ مودودی' متوفی ۱۳۹۹ھ' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور۔
(۲۲) التبیان : علامہ سید احمد سعید کاظمی' متوفی ۱۴۰۶ھ' مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز' ملتان۔
(۲۳) ضیاء القرآن: جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور۔
(۲۴) تفسیر منیر : ڈاکٹر وھبہ زحیلی' مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۲ھ۔
(۲۵) تبیان القرآن : علامہ غلام رسول سعیدی' رومی پبلی کیشنز اینڈ پرنٹرز' لاہور ۱۴۳۰ھ۔
(۲۶) تفسیر ماجدی (اُردو) : عبدالماجد دریابادی' تاج کمپنی لمیٹڈ

کتب احادیث

(۱) مؤطا امام مالک : امام مالک بن انس اصبحی، متوفی ۱۷۹ھ، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۹ھ۔
(۲) المصنف عبدالرزاق: امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی، متوفی ۲۱۱ھ، مکتبہ اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ۔
(۳) المصنف ابن ابی شیبہ : امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ، م ۲۳۵ھ، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی۔
(۴) صحیح بخاری : امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ۔
(۵) صحیح مسلم : امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری، متوفی ۲۶۱ھ، مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ۔
(۶) سنن ابن ماجہ : امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، متوفی ۲۷۳ھ، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ۔
(۷) سنن ابوداؤد : امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی ۲۷۵ھ، مطبوعہ بیروت ۱۴۱۴ھ۔
(۸) سنن ترمذی :امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، متوفی ۲۷۹ھ، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ۔
(۹) سنن دارقطنی : امام علی بن عمر دارقطنی (م ۲۸۵ھ)، مطبوعہ دار النشر ملتان۔
(۱۰) سنن نسائی : امام ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی، متوفی ۳۰۳ھ، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۱۲ھ۔
(۱۱) مسند ابویعلی :امام احمد بن علی المثنی التمیمی، متوفی ۳۰۷ھ، مطبوعہ دار المامون التراث بیروت ۱۴۰۴ھ۔
(۱۲) شرح معانی الآثار :امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی، م ۳۲۱ھ، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت۔
(۱۳) المعجم الاوسط :امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، م ۳۶۰ھ، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ ۱۳۸۸ھ
(۱۴) المستدرک :امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری، متوفی ۴۰۵ھ، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ
(۱۵) شعب الایمان :امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۱ھ۔
(۱۶) مشکوۃ : امام ولی الدین تبریزی، متوفی ۷۴۲ھ، مطبوعہ اصح المطابع دہلی۔
(۱۷) مجمع الزوائد : حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی، م ۸۰۷ھ، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت۔
(۱۸) الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر : حافظ جلال الدین السیوطی، م ۹۱۱ھ، مطبوعہ دار الفکر بیروت۔
(۱۹) کنز العمال : علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری، متوفی ۹۷۵ھ، بیروت۔
(۲۰) الاسرار المعروفۃ فی الاخبار الموضوعۃ :نورالدین مُلا علی قاری
(۲۱) مرقاۃ شرح مشکوۃ :محدث مبارکپوری۔

کتب شروح حدیث

(۱) فتح الباری: حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور۔
(۲) عمدۃ القاری: حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی (م ۸۵۵ھ)، مطبوعہ مصر ۱۳۴۸ھ۔
(۳) ارشاد الساری: علامہ احمد قسطلانی (م ۹۱۱ھ)، مطبوعہ میمنہ مصر ۱۳۰۶ھ۔

کتب فقہ

(۱) المبسوط: شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی' متوفی ۴۸۳ھ' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۸ھ۔
(۲) بدائع الصنائع: علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی (م ۵۸۷ھ) 'مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی۔
(۳) فتاویٰ قاضی خاں: علامہ حسین بن منصور اوزجندی' متوفی ۵۹۲ھ' مطبوعہ مطبعہ کبریٰ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ۔
(۴) ھدایہ اولین و آخرین: علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی' متوفی ۵۹۳ھ' مطبوعہ شرکتِ علمیہ ملتان۔
(۵) الحاوی للفتاویٰ: علامہ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' فیصل آباد۔
(۶) المغنی: علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ' متوفی ۶۲۰ھ' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ۔
(۷) الدُّرُّ المختار: علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی' متوفی ۱۰۸۸ھ' مطبوعہ بیروت۔
(۸) فتاویٰ عالمگیری: مُلّا نظام الدین' متوفی ۱۱۶۱ھ' مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ۔
(۹) ردُّ المختار: علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی' متوفی ۱۲۵۲ھ' مطبوعہ بیروت ۱۴۱۹ھ۔
(۱۰) کتاب الفقہ علیٰ مذاہب الاربعۃ: عبدالرحمن الجزیری
(۱۱) المدخل الفقہ العام: مصطفیٰ احمد زرقا۔
(۱۲) الشرکۃ فی الفقہ الاسلامی: علی الخفیف

کتب عقائد و علم الکلام

(۱) المنقذ من الضلال: امام محمد بن محمد غزالی (م ۵۰۵ھ) مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۵ھ۔
(۲) شرح عقائد نسفی: علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی (م ۷۹۱ھ) 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی۔

کتب تاریخ' سیرت و فضائل

(۱) کتاب السیر والمغازی: امام محمد بن اسحاق (م ۱۵۱ھ) 'مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ۔
(۲) السیرۃ النبویۃ: امام عبدالملک بن ہشام (م ۲۱۳ھ) 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ۔
(۳) الطبقات الکبریٰ: امام محمد بن سعد (م ۲۳۰ھ) مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ۔
(۴) الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی (م ۵۴۴ھ) 'مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان
(۵) منتخب التواریخ: مُلّا عبدالقادر بدایونی

کتب متفرقہ

(۱) احیاء علوم الدین: امام محمد بن محمد غزالی' متوفی ۵۰۵ھ' مطبوعہ دار الخیر بیروت ۱۴۱۳ھ۔
(۲) کشف الظنون: علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ' مطبوعہ تہران' ۱۳۷۸ھ۔

(۳) معجم البلدان : یاقوت حموی
(۴) الفہرست : ابن ندیم
(۵) فتوحُ البُلدان : بلاذری
(۶) اَلصّارِمُ الْمَسلُول علیٰ شاتِمِ الرسول :امام ابن تیمیہ
(۷) اِقتضاءُ الصّراطِ المُستقیم :امام ابن تیمیہ
(۸) الوسیط : الواحدی (م ۴۶۸ھ/۱۰۷۶ء)
(۹) مقدّ مہ ابن خلدون (انگریزی ترجمہ : روزنتھال)
(۱۰) اَلحلال والحرام فی الاسلام (انگریزی ترجمہ) : یوسف القرضاوی
(۱۱) فوائد البنوك هي الربو المحرم : یوسف القرضاوی
(۱۲) حجۃ اللہ البالغۃ : شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی۔
(۱۳) حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ :ابو محمد زہرہ (ترجمہ: رئیس احمد جعفری)
(۱۴) الشہاب الثاقب :شبیر احمد عثمانی
(۱۵) قرآن اور جدید سائنس :ڈاکٹر محمد عبدالکریم ذاکر نائیک
(۱۶) قرآن کے جدید سائنسی انکشافات :پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم
(۱۷) ناموسِ رسول ﷺ اور قانونِ توہینِ رسالت :محمد اسمٰعیل قریشی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ۔
(۱۸) گستاخِ رسول کی سزا قتل : علامہ سیّد احمد سعید کاظمی
(۱۹) الوثائق السیاسیۃ :حمید اللہ
(۲۰) نظریہ ارتقاء ۔۔ ایک فریب :ہارون یحییٰ
(۲۱) سائنس اور اسلام (اردو ترجمہ) :علامہ حسین آفندی
(۲۲) منھاج المسلم (اردو ترجمہ) :ابوبکر جابر الجزائری
(۲۳) قرآن پاک ایک چیلنج ایک سائنسی معجزہ :میجر (ر) امیر افضل خان
(۲۴) سنت نبوی اور جدید سائنس :حکیم محمد طارق محمود چغتائی
(۲۵) سفرنامہ ابن بطوطہ
(۲۶) تذکرہ موت :سید محمد اکرم گیلانی
(۲۷) اَلدّین فی مواجهة العلم : مولانا وحید الدین خان

اشاریہ (عمومی) جلد دوم INDEX (General)

(قوسین کے اندر کے اعداد صفحہ نمبر کو ظاہر کرتے ہیں)

طبع اوّل : مئی 2012ء

ملنے کے پتے :

اندرونِ ملک :

(۱) پروفیسر اشفاق احمد خان ۔ ۵ شالیمار کالونی، عقب ٹویوٹا شوروم ۔ بوسن روڈ ملتان
فون : 061-6523251 موبائل : 0331-2220692
0301-7422684

(۲) ملتان کتاب گھر ۔ بالمقابل گورنمنٹ کالج، بوسن روڈ ملتان
فون : 061- 6750226

(۳) مکتبہ قاسمیہ ۔ کچہری روڈ، نزد چوک گھنٹہ گھر ۔ ملتان
موبائل : 0300-7300097

بیرونِ ملک : پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد سلیم
drhafizsaleem@yahoo.com.uk.
Landline Tel: 0044-1628-823632

قیمت : ایک ہزار روپے (Rs. 1000/-)

ایک مقام سے دوسرے مقام کو حرکت کرتے ہیں۔ صرف اُن کے اجزاء (جڑ، تنہ، پتے) حرکت کو ظاہر کرتے ہیں۔ پودوں کی حرکت کی عام مثال اُن کا اوپر کو بڑھنا، اور پھولوں کے پتوں اور پنکھڑیوں کا کھلنا اور بند ہونا ہے۔ نباتات اور حیوانات میں حرکت کی بالترتیب مثالیں ذیل کی آیات میں دیکھی جاسکتی ہیں:۔

(i) وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنبَتَتْ مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ○ (الانبیاء : ۵)

"اور (اے مخاطب!) تم زمین کو خشک دیکھتے ہو پھر جب ہم اُس پر پانی برساتے ہیں تو وہ اُبھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اُگاتی ہے۔"

اِس خوش نما نباتات کے نسیمِ سحر کے لطیف جھونکوں سے لہلہانے میں حرکت کا تصوّر موجود ہے۔

(ii) فَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلَىٰ بَطْنِهِ وَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلَىٰ رِجْلَيْنِ وَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلَىٰ أَرْبَعٍ (اَلنّور : ۴۵)

"(اُس کی تخلیقات میں سے) کچھ جانور ایسے ہیں جو اپنے پیٹ کے بَل چلتے ہیں، اُن میں کچھ ایسے ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں اور اُن میں کچھ ایسے ہیں جو چار پیروں پر چلتے ہیں۔"

(۵) عملِ اِخراج (Excretion): عملِ تحول (Metabolic Process) کے دوران جسم میں کئی فضول مادّے بن جاتے ہیں جن کا جسم میں اکٹھا ہونا بقائے حیات کے لئے خطرناک ہوتا ہے۔ یہ مادّے ٹٹی، پیشاب کی شکل میں عملِ اخراج کے ذریعے جسم سے خارج ہوتے ہیں۔ قرآنِ حکیم میں تین مقامات پر عملِ اِخراج کو انتہائی مہذّب اور سلجھے ہوئے انداز میں بیان کیا گیا ہے، ایسی تہذیب اور انداز جو انسانی زبان کی پہنچ سے دُور ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

(i) وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ۔۔ (النساء:۴۳، المائدۃ:۶)

"اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کرکے آئے۔۔۔"

ہر پست زمین کو غَآئِط کہتے ہیں جہاں بیٹھنے سے انسان لوگوں کی نگاہ سے چُھپ جاتا ہے۔ جَاءَ مِنَ الْغَائِطِ کے کلمات کتنے لطیف اور سلجھے ہوئے ہیں کہ نازک سے نازک طبیعت پر بھی گراں نہیں گزرتے۔ یہی حُسنِ تعبیر تو اِس کلامِ خداوندی کا اعجاز ہے جس نے زبان دانی کے شہسواروں اور فصاحت و بلاغت کے سورماؤں کے گھٹنے لگوا دیئے تھے۔

(ii) نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشَّارِبِينَ ○ (اَلنّحل:۶۶)

اشاریہ (قرآنی) جلد دوم INDEX (QUR'ANIC-- II)

(قوسین کے اندر کے اعداد سورۃ نمبر/صفحہ نمبر کو ظاہر کرتے ہیں)

"اُن (جانوروں) کے پیٹ میں جو کچھ ہوتا ہے گوبر اور خون (کے قسم سے) اُس کے درمیان سے صاف اور پینے والوں کے لئے خوشگوار دودھ ہم تمہیں پینے کو دیتے ہیں۔"

مادہ جسم میں دودھ بذاتِ خود دوسرے اِخراجی مادوں کی طرح اِخراج کی چیز۔ اگرچہ یہ پاک وصاف اور اپنی سفیدی کی وجہ سے ایک مخصوص علامت کی چیز ہے۔

فضول مواد کے اخراج کے لئے پودوں میں کوئی مخصوص اعضاء نہیں ہیں۔ تاہم ناموافق اور غیر مطلوبہ مواد سے نجات پانے کے لئے قدرت نے اُنہیں کچھ طریقے دیئے ہیں۔ روشنی کی موجودگی میں کاربوہائیڈریٹس پانی اور کاربن ڈائی آکسائڈ سے ضیائی تالیف (Photosynthesis) کے ذریعے باہم مربوط ہوتے ہیں۔ (ضیائی تالیف کی تعریف وتعارف آنے والے صفحات پر ہے)

(۶) <u>غذائیت</u> (Nutrition): تمام جاندار نامی اشیاء کے لئے غذا ایک بنیادی ضرورت ہے۔ یہ اُن کی توانائی اور قوت کا سرچشمہ ہے۔ غذا اور خوراک کو اُن کی افزائش اور نشوونما کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جاندار اشیاء یا تو اپنی خوراک خود بناتے ہیں جیسے پودے' یا وہ تیار شدہ خوراک کی شکل میں اپنے ماحول سے اُسے حاصل کرتے ہیں جیسے حیوانات۔ حیوانات خوراک کو ہضم کرنے کے بعد اُس ہضم شدہ خوراک کو اپنے ریشے (Tissues) بنانے یا توانائی پیدا کرنے میں استعمال کرتے ہیں جبکہ پودے پہلے اُس خوراک کو بناتے ہیں جس کی اُنہیں ضرورت ہوتی ہے' پھر اُس کے بعد اُسے توانائی اور اپنی نشوونما کے لئے کام میں لاتے ہیں۔ غذا اور تغذیہ کے بارے میں قرآنِ حکیم نے سورہ عَبَس کی آیات ۲۴ تا ۳۲ میں فرمایا:۔

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ o أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا o ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا o فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا o وَعِنَبًا وَقَضْبًا o وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا o وَحَدَائِقَ غُلْبًا o وَفَاكِهَةً وَأَبًّا o مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ o

"سو انسان ذرا دیکھے تو اپنے کھانے کی طرف' ہم نے خوب پانی برسایا' پھر ہم نے زمین کو خوب پھاڑا' پھر ہم نے اُس میں غلّہ اُگایا' اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارے تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدہ کے لئے۔"

یعنی اے حضرتِ انسان! تیری غذا کی تیاری کے لئے ہم نے کیسے کیسے انتظامات کئے ہیں اور فطرت کی بڑی بڑی قوّتوں کو تیری اور تیرے مویشیوں کے سامانِ زیست کے لئے کس طرح کام میں لگا رکھا ہے! ربوبیت اور رزّاقیت کی اتنی زبردست مشینری کے مشاہدہ کے بعد بھی اِعراض (منہ موڑنا) اور ادائے شکر سے انکار کیسی شدید ناشکری ہے!

(۷) عملِ تنفس (سانس لینے کا عمل Respiration): سانس لینا بھی زندگی کی اہم خصوصیت ہے۔ سانس لینے کے دوران خوراک توانائی کے حصول کے لئے تحول کے عمل سے گزرتی ہے۔ سطح سمندر سے کافی بلندی پر انسان کو سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے' قرآنِ حکیم اُس کے بارے میں فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّرِدْ أَنْ يُّضِلَّه' يَجْعَلْ صَدْرَه' ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ (الانعام: ۱۲۵)

''اور جسے وہ گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے' اُس کے سینہ کو وہ تنگ اور بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے اُس شخص کو آسمان میں چڑھنا پڑ رہا ہو۔''*

(۸) کسی جسمانی محرک کا سرگرمی سے جواب دینا (Irritability): ماحولیاتی تبدیلیوں میں عمل اور ردِّ عمل نخز مایہ (Protoplasm) کی بنیادی خصوصیات میں سے ہیں۔ عمل اور ردِّ عمل دونوں کی مثال ملکہ سبا (بلقیس نامی) کے اُس واقعہ میں ملتی ہے جس کا ذکر سورۃ النّمل کی آیت ۴۳ میں ہوا کہ ملکہ کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کرنا اُس کا فرانہ ماحول کے ردِّ عمل کا نتیجہ تھی جسے اُس نے اپنے آبائی ورثے میں پایا تھا۔

اِس تمہید کے بعد اب ہم علمِ نباتات اور علمِ حیوانات کو قرآنِ حکیم کی روشنی میں علیحدہ علیحدہ زیرِ بحث لاتے ہیں:

(الف) علمِ نباتات ...BOTANY

(یہ پودوں اور اُن کی ساخت کے متعلق سائنسی مطالعہ کا نام ہے)

قرآنِ حکیم علمِ نباتات کے متعلق فرماتا ہے:

وَهُوَالَّذِيْ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَ مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَّ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ أُنْظُرُوْا إِلٰى ثَمَرِهٖ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ إِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ٥ (الانعام: ۹۹)

''اور وہ وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اُس کے ذریعے سے ہر قسم کی روئیدگی نکالی' پھر ہم نے اُس سے سبز شاخ نکالی کہ ہم اُس سے تہہ بہ تہہ دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے درختوں سے یعنی

* اُس اُجڈ اور جاہل معاشرے میں کسی کو کیا معلوم تھا کہ اتنی بلندی پر آکسیجن کی کمی سے سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے اور صاحب قرآن ﷺ تو اُمّی (Unlettered) ہونے کے لحاظ سے اتنی بڑی سائنسی حقیقت سے خود کیسے واقف ہو گئے؟ معلوم ہوا کہ آپ کو اس حقیقت سے آگاہ اُس ذات نے کیا جو آسمان کی بے پایاں بلندیوں اور آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کی خالق ہے۔ چنانچہ یہ آیت بھی آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔

اُن کے گچھوں سے نیچے کو لٹکے ہوئے خوشے (نکلتے ہیں) اور ہم نے انگور' زیتون اور انار کے باغ پیدا کئے باہم مُشابہ اور غیر مُشابہ۔ اُس کے پھل کو دیکھو جب وہ پھلتا ہے اور اُس کے پکنے کو (دیکھو)۔ بے شک اِن سب میں اُن لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو ایمان کی طلب رکھتے ہیں۔''

ھُوَ ذات کو بتا رہا ہے اور الَّذِی رُب کی شان کو یعنی وہ اللہ' وہ شان والا' وہ قدرت و رحمت والا۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ لغت میں سَماء ہر اونچی چیز کو کہتے ہیں چنانچہ گھر کی چھت کو سَمَاءُ البَیْت اسی وجہ سے کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ معنیٰ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم نے اوپر سے بارش برسائی تاکہ درختوں کو غسل بھی ہو جائے۔ اگر زمین سے پانی پھوٹ جایا کرتا تو جڑیں تو تر ضرور ہوتیں' غسل نہ ہوا کرتا۔ یہاں کلام کی روِش بدلی ہوئی ہے کہ پہلے غائب کے صیغے ھُوَ اور اَنْزَلَ لائے گئے' پھر اَنْـزَلْنَا جمع متکلم کا صیغہ لایا گیا۔ صیغہ غائب سے متکلم' متکلم سے غائب' غائب سے حاضر اور حاضر سے غائبؔ میں تبدیلی کو اصطلاحِ بلاغت میں ''صنعتِ التفات'' کہتے ہیں جس کی مثالیں قرآن مجید میں جا بجا ملتی ہیں کہ اس سے کلام کا لطف بڑھ جاتا ہے اور مضمون کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ کے لئے نَـا آیا ہے وہاں نَا جمعیت کے لئے نہیں بلکہ تعظیم کے لئے آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد حقیقی ہے' وہاں جمعیت کیسی! (روح البیان)

نَـخْـل (بمعنیٰ کھجور کا درخت) واحد بھی آتا ہے اور جمع بھی۔ چونکہ تمام میووں میں کھجور افضل ہے کہ اس میں لذت بھی ہے' غذائیت بھی۔ اِس درخت کو تین نبیوں سے نسبت ہے: حضرت مریم نے جناب عیسٰی علیہ السلام کی ولادت کے وقت کھجوریں ہی کھائی تھیں اور بروئے حدیث کھجور کا درخت حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی کی کھرچن سے بنا۔ نیز ہمارے نبی مکرّم ﷺ کا شہر کھجوروں سے آباد ہے۔ یہ درخت خدمت نہیں لیتا' کھاد اور پانی کا محتاج نہیں ہوتا' اور اُس کی عمر بہت زیادہ ہوتی ہے [چنانچہ مؤلف نے ۱۹۷۵ء میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے باغ میں حضور علیہ السلام کے دستِ مبارک سے لگائے ہوئے کھجور کے درخت دیکھے] یہ درخت ہر بلا اور آفت کو جھیل جاتا ہے' خزاں وغیرہ کا اثر نہیں لیتا۔ اِن وجوہ سے کھجور کا ذکر پہلے فرمایا۔ کھجور کی گٹھلی میں بے پناہ فوائد ہیں: یہ قوّتِ باہ کو زیادہ کرتی ہے' اس کا آٹا بنا کر معجون تیار کرتے ہیں' بکریوں کو کتر کر کھلائیں تو مکھن بہت زیادہ ہوتا ہے۔ (تفسیر نعیمی' جزء ۷' ص ص ۶۱۴' ۶۱۵' ۶۱۷) کھجور کا مزاج گرم خشک ہے' اس کی اصلاح انار اور سکنجبین سے ہو جاتی ہے۔ اس میں وٹامنز (حیاتین) اور تمام اہم معدنی نمکیات پائے جاتے ہیں، اس کے استعمال سے خون کے سرخ ذرّات میں اضافہ ہوتا ہے' یہ کولیسٹرال (چربی اور چکنائی) کو متوازن رکھتی ہے' مدینہ منوّرہ کی کھجور عجوہ بالخصوص دل کے لئے مفید ہے' یہ پیٹ کے کیڑے مارتی ہے اور پیشاب کھول کر لاتی ہے۔ سو گرام کھجور میں ۲۱۴ حرارے' ۲ گرام پروٹین' ۷۳ گرام نشاستہ' ایک گرام چکنائی' ۵. ۵ ملی گرام کیلشیم' ۹. ۲ گرام سوڈیم' ۰. ۷۹ ملی گرام پوٹاشیم' ۲۷ ملی گرام فاسفورس' ۵. ۳ ملی گرام فولاد اور ۷ ملی گرام پھوک ہوتا ہے۔'' (تبیان القرآن' ج ۳' ص ۶۰۷)

چونکہ کھجور کا ایک درخت بھی فائدہ دیتا ہے مگر انگور کے ایک دو درخت فائدہ نہیں دیتے بلکہ اُس کا تو باغ ہی فائدہ مند ہوتا ہے' اس لئے کھجور کے لئے باغات کا ذکر نہ فرمایا اور انگور کے لئے باغات کا ذکر ہوا۔

''کھجور کے بعد انگور کا ذکر فرمایا۔ یہ پھل بھی اول سے آخر تک فائدہ مند ہے۔ اس سے سرکہ اور نبیذ بھی بنتے ہیں۔ انگور دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک انگور چھوٹا ہوتا ہے' یہ جب خشک ہو جائے تو اُسے کشمش کہتے ہیں اور بڑا انگور جب خشک ہو جائے تو منقّی کہلاتا ہے۔ انگور کا مزاج گرم تر ہے' یہ زود ہضم اور کثیر الغذا ہے' خون صالح بکثرت پیدا کرتا ہے اور جسم کو فربہ کرتا ہے۔ سو گرام انگور میں ۶۹ حرارے' ایک گرام پروٹین' ۱۶ گرام نشاستہ' ایک گرام چکنائی' ۱۷ ملی گرام کیلشیم' ۲۱ ملی گرام فاسفورس' ۰.۶ ملی گرام فولاد' ۱۰۰ ملی گرام وٹامن اے' ۰.۰۷ ملی گرام وٹامن بی اور ۲۲ ملی گرام وٹامن سی ہوتا ہے۔'' (تبیان القرآن ---علامہ غلام رسول سعیدی' ج ۳' ص ص ۶۰۷' ۶۰۸)

''زیتون کے درخت اور پھل کو زیتون اور اُس کے تیل کو زیت کہتے ہیں۔ زیتون کا پھل سبز اور سیاہ دو رنگ کا ہوتا ہے۔ اس کا تیل بہت مفید ہے۔ سردی کے دردوں میں اس سے بدن پر مالش کی جاتی ہے' یہ بدن کو غذائیت بخشتا ہے' اعصاب کو تقویت دیتا ہے' بڑھاپے کے تمام عوارض میں مفید ہے۔ جدید سائنسی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ روغنِ زیتون کولیسٹرول کو حل کر لیتا ہے۔'' (ایضاً' ص ۶۰۸)

''انار دو قسم کا ہوتا ہے: سرخ دانوں والا اور سفید دانوں والا۔ سرخ دانوں والے کا ذائقہ کھٹا میٹھا ہوتا ہے اور سفید دانوں والا شیریں ہوتا ہے۔ اس کا مزاج سرد تر ہے۔ اس میں غذائیت کم ہوتی ہے' خون صالح پیدا کرتا ہے۔ اس میں جراثیم کش خصوصیات بھی ہیں۔ ۱۰۰ گرام انار میں ۴۳ ملی گرام کیلشیم اور ۲۵ ملی گرام فاسفورس' ۲.۳ ملی گرام فولاد' ۴۲۰ ملی گرام وٹامن اے' ۱۰۸ ملی گرام وٹامن بی اور ۳۸ ملی گرام وٹامن سی ہوتا ہے۔'' (ایضاً)

پھلوں کی ابتدائی حالت اور اُن کے پکنے سے وجودِ باری تعالیٰ پر استدلال: اس آیت کے آخر میں فرمایا ''جب درخت پھل لائیں تو اُن کے پھل اور اُس کے پکنے کی طرف دیکھو۔ بے شک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔'' اس آیت کا یہی حصہ موضع استدلال ہے اور یہی اِس آیت سے مقصود ہے (اُنظُرُوا سے مرادنظرِ عبرت ہے) کیونکہ پھل کے پکنے کے بعد اور اس کی ابتداء کی حالتیں' شکل وصورت' رنگ' ذائقہ اور مزاج کے اعتبار سے بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ بعض پھلوں کا رنگ ابتداء میں سبز ہوتا ہے اور پکنے کے بعد سرخ یا زرد ہو جاتا ہے اور ابتداء میں اُن کا ذائقہ ترش ہوتا ہے اور بعد میں شیریں ہو جاتا ہے۔ ابتداء میں اُن کی تاثیر سرد ہوتی ہے اور پکنے کے بعد گرم ہو جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ پھلوں کی نشو ونما میں ایسی تبدیلی کا موجد اور خالق کون ہے؟ موسم' ستارے

اور افلاک تو اُن کے موجد ہو نہیں سکتے۔ کیونکہ یہ سب ایک لگے بندھے نظام کے تابع ہیں اور جو خود کسی کے تابع ہو تو اُس سے یہ اثرات صادر نہیں ہو سکتے۔ معلوم ہوا کہ ان مختلف اور متضاد اثرات کا خالق وہی قادر و قیوم اور مدبرِ عالم ہے جو اپنی رحمت، مصلحت، حکمت، علم اور قدرت سے اس ساری کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔" (ایضاً)

آیت سے یہ نکتہ بھی سامنے آیا کہ بارش کا پانی مردہ زمین میں زندگی بخش سکتا ہے تو صُور کی آواز مُردہ جسموں میں جان بھی ڈال سکتی ہے اور یہ بھی کہ کائنات کی ہر چیز معرفتِ الٰہی کا دفتر ہے جس سے فائدہ صرف ایمان کے طلبگار ہی اٹھاتے ہیں۔

پودوں میں نر اور مادہ کی تخلیق : "مشہور برٹش سائنسدان ڈیراق (Deraq) نے ۱۹۳۳ء میں دریافت کیا کہ کائنات میں مادہ منفی اور مثبت جوڑوں (Particles & Antiparticles) پر مشتمل ہے جو آغازِ کائنات میں برابر برابر ظہور میں آیا۔ ڈیراق نے مادہ کے منفی اور مثبت جوڑوں کی دریافت پر نوبل انعام حاصل کیا۔

ڈیراق کی اس دریافت کے بعد معلوم ہوا کہ جوڑوں (Pairs) کا یہ قانون ہر مقام پر کام کر رہا ہے۔ اگر ایکشن ہے تو ری ایکشن بھی ساتھ ساتھ ہوگا، منفی کے ساتھ مثبت لازمی ہے۔ اگر ایک ستارہ دریافت ہوتا ہے تو اُس کا جڑواں بھائی بھی کہیں ہونا چاہئے۔ ایٹم کے اندر الیکٹران کے ساتھ پروٹون بھی ہوگا، انسان کے خون میں سرخ اور سفید خلیات (Cells)، x اور y کروموسومز، نباتات میں نر اور مادہ کے جوڑے بھی ساتھ ساتھ پائے جاتے ہیں۔"

"یوں سائنس جوڑوں میں تخلیق کا نظام ہر جگہ دیکھ رہی ہے۔ لیکن سائنسدانوں کے لئے یہ بات قابلِ غور ہونی چاہئے کہ جوڑوں (نر اور مادے) کی تخلیق کی بات ڈیراق سے چودہ صدیاں قبل قرآنِ حکیم نے ہی بتا دی تھی۔ فرمایا:

(i) وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ (الرّعد : ۳)

"اور اُس نے ہر قسم کے پھل کے دو دو جوڑے بنائے۔"

(ii) وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ○ (طٰهٰ : ۵۳)

"اور اُس نے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر ہم نے اس سے نباتات کے مختلف جوڑے نکالے۔"

(iii) سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ○

"پاک ہے وہ ذات جس نے تمام جوڑے بنائے اُن چیزوں میں جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود اُن کی ذات میں اور اُن چیزوں میں جنہیں وہ جانتے بھی نہیں۔"

(iv) وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ (الذّٰریٰت: ۴۹)

(قرآن پاک ایک چیلنج ایک سائنسی معجزہ ۔۔۔ میجر (ر) میر افضل خان، ص ص ۱۴۴، ۱۴۵)

درج بالا آیت ۴۹ کُلِّ شَیْءٍ ''ہر چیز'' پر زور دے رہی ہے یعنی انسان کے ساتھ ساتھ جانور، پودے اور پھل۔ اس کا اشارہ بجلی کی طرف بھی ہو سکتا ہے جس میں ایٹم منفی اور مثبت الیکٹران اور پروٹان پر مشتمل ہے اور اس کے علاوہ اور بہت سی اشیاء جوڑوں کی صورت میں ہو سکتی ہیں۔

ایک سوال اور اُس کا جواب: امریکہ کے ایک سکالر جوکن کاز (Jochen Katz) نامی نے محولہ بالا آیت ۴۱ کے الفاظ کُلِّ شَیْءٍ کو نشانہِ تنقید بناتے ہوئے لکھا ہے کہ کُل کا لفظ ہر ہر شے کا احاطہ کرتا ہے اور قرآن کہتا ہے کہ ہر ہر چیز جوڑوں (Pairs) میں بنائی گئی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا کوئی دوسرا جوڑی دار (Counterpart) نہیں ہے اور کئی انواع (Species) ایسی ہیں جو ایک ہی جنس میں ہیں۔ محبت کے ساتھ نفرت، رحم کے ساتھ انصاف، جفاکشی کے ساتھ آرام اور بجلی کے ساتھ مثبت اور منفی چارج کو بطور جوڑی دار (Counterpart) تسلیم کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ کششِ ثقل (Gravitation Force) کا جوڑی دار کہاں ہے؟ کششِ ثقل چیزوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے تو دھکیلنے والی قوت کہاں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ کُل اور زوج (جمع اَزواج) کو اُن کے صحیح تناظر میں سمجھا ہی نہیں گیا، اس لئے یہ اعتراض ہُوا۔ ابنِ منظور افریقی لفظ کُل کے بارے میں ''لسان العرب'' میں لکھتے ہیں:۔

اَلْکُلُّ : اِسْم'' یَجْمَعُ الْاَجْزَاءَ قَالَ اَبُوْبَکْرِ بْنُ السَّیْرَافِیُّ اِنَّمَاالْکُلُّ عِبَارَۃٌ'' عَنْ اَجْزَاءِ الشَّیْءِ فَکَاَنَّمَا جَازَ اَنْ یُّضَافَ الْجُزْءُ اِلَی الْجُمْلَۃِ وَجَازَاَنْ یُّضَافَ الْاَجْزَاءُ کُلُّھَا اِلَیْھَا قَالَ الْجَوْھَرِیُّ : کُلّ'' لَفْظَۃٌ''وَّاحِدَۃٌ'' وَمَعْنَاہُ جَمْع'' فَعَلٰی ھٰذَا تَقُوْلُ : کُلّ'' حَضَرَ وَکُلّ'' حَضَرُوْاعَلَی اللَّفْظِ مَرَّۃً وَعَلَی الْمَعْنٰی اُخْرٰی (لسان العرب، ج ۱۱، ص ۵۹۰، ۵۹۱ قُم ایران ۱۴۰۵ھ)

یعنی ''عربی لفظ ''کُل'' ایسا اسم ہے جو جمع کو بھی شامل ہے۔ ابوبکر السیرافی نے کہا کہ لفظ ''کُل'' کسی چیز کے تمام تر مجموعہ کا نام ہے۔ جیسا کہ کسی چیز کے کسی ایک جزء کو اس کے کُل کی طرف منسوب کرنا درست اور جائز ہے، اسی طرح کسی چیز کے تمام اجزاء کو اس کے کل کی طرف منسوب کرنا بھی جائز اور درست ہے۔ الجوہری نے کہا کہ لفظ ''کُل'' اگرچہ لفظاً واحد ہے لیکن معناً جمع ہے۔ الجوہری کہتے ہیں کہ اسی لئے کُلّ'' حَضَرَ (بہ صورت واحد) اور کُلّ'' حَضَرُوْا (بہ صورت جمع) دونوں طرح کہنا درست ہے۔
اِس موقف کی تائید میں سورۃ البقرۃ کی مندرجہ ذیل آیت ۲۶۰ پیش کی جاتی ہے جو مسئلے کو سمجھنے میں مدد دے گی اور جس میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا:۔

فَخُذْ اَرْبَعَۃً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْھُنَّ اِلَیْکَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْھُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُھُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا

''چار پرندے لے لیجئے پھر اُنہیں اپنے سے ہلا لیجئے' پھر اُن میں کا ایک ایک حصّہ پہاڑ پر رکھ دیجئے' پھر اُنہیں اپنی طرف بلائیے' تو وہ دَوڑتے ہوئے آپ کے پاس چلے آئیں گے۔''

مرکّب لفظ مِنْهُنَّ (مِنْ + هُنَّ) اپنے سے ماقبل حصّہ کُلِّ جَبَلٍ کی وضاحت میں ہے۔ مِنْ بمعنی ''میں سے'' اور هُنَّ بمعنی وہ (مِنْهُنَّ کا معنیٰ ہوا اُن میں سے)۔ لہٰذا لفظ مِنْ بعض ہونے کے لحاظ سے اُس کے کچھ حصّے کا مفہوم بتا رہا ہے۔ کُلِّ جَبَلٍ کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ ذبح شدہ پرندوں کو تمام پہاڑوں پر رکھ دیا جائے۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ لفظِ کُلْ بظاہر واحد ہے لیکن بہ لحاظ معنیٰ جمع ہے جیسا کہ لفظ عَضُد (بمعنیٰ بازو) سورۃ الکَھف: ۵۱ میں بطور جمع آیا ہے: وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا (اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست وبازو بنانے والا ہی نہ تھا) جبکہ یہی لفظ سورۃ القصص: ۳۵ میں بطور واحد آیا ہے: قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيْكَ (اللہ نے فرمایا: اے موسیٰ! ہم آپ کے بھائی کو ابھی آپ کی قوتِ بازو بنا دیتے ہیں)۔

لفظِ کُلْ کی دیگر قرآنی مثالیں جن میں یہ لفظ واحد اور جمع دونوں طرح آیا ہے' درج ذیل ہیں:۔

(۱) اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًاo (مریم: ۹۳)
''جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے' ہر ایک خدائے رحمٰن کے روبرو بندے کی حیثیت سے آئے گا۔''

(۲) وَكُلٌّ اَتَوْهُ دَاخِرِيْنَo (النَّمل: ۸۷) ''سب اُس کے آگے دبے جھکے حاضر ہوں گے۔''

اوپر آیت اوّل میں لفظِ کُلْ کا فعل آتِي واحد جبکہ آیت دوم میں کُلْ کا فعل اَتَوْا جمع آیا ہے۔

لفظ زَوج کی بابت ہم ایک بار پھر عربی کی مشہور لغت ''لسان العرب'' کی طرف رجوع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ابنِ منظور افریقی اس کا کیا مفہوم بتاتے ہیں:۔

قَالَ اَبُوْبَكْر: اَلْعَامَّةُ تُخْطِئُ أَنَّ الزَّوْجَ اِثْنَانِ وَلَيْسَ ذٰلِكَ مِنْ مَذَاهِبِ الْعَرَبِ اِذْ كَانُوْا لَا يَتَكَلَّمُوْنَ بِالزَّوْجِ مُوَحَّدًا فِيْ مِثْلِ قَوْلِهِمْ زَوْجُ حَمَامٍ وَلٰكِنَّهُمْ يَثْنُوْنَه' فَيَقُوْلُوْنَ: عِنْدِيْ زَوْجَانِ مِنَ الْحَمَامِ يَعْنُوْنَ ذَكَرًا اَوْاُنْثٰى ـــــ وَكَانَ الْحَسَنُ يَقُوْلُ فِيْ قَوْلِهٖ عَزَّوَجَلَّ: وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ قَالَ: اَلسَّمَاءُ زَوْج'' وَالْاَرْضُ زَوْج'' وَالشِّتَاءُ زَوْج'' وَالصَّيْفُ زَوْج'' وَاللَّيْلُ زَوْج'' وَالنَّهَارُ زَوْج'' وَيُجْمَعُ الزَّوْجُ أَزْوَاجًا وَّ أَزَاوِيْج ـــ قَوْلُه' تعَالٰى: ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ أَرَادَ ثَمَانِيَةَ أَفْرَادٍ دَلَّ عَلٰى ذٰلِكَ وَلَاتَقُوْلُ لِلْوَاحِدِ (لسان العرب: ج۲' ص ۱۲۹۲ قُم ایران ۱۴۰۵ھ)

''ابوبکر کا کہنا ہے کہ لوگ یہ کہنے میں غلطی پر ہیں کہ لفظِ ''زَوج'' کا اِطلاق جوڑے پر ہوتا ہے۔عربوں کے ہاں یہ مروّج نہیں ہے کیونکہ وہ اِس لفظ کو بطورِ واحد استعمال نہیں کرتے۔مثلاً وہ یہ نہیں کہتے زَوجُ حَمام (فاختاؤں کے جوڑے کے معنیٰ میں) بلکہ وہ اسے تثنیہ (دو) بناتے ہوئے کہتے ہیں: زَوجَینِ مِنَ الْحَمام (فاختاؤں کے دو جوڑے)۔ اس سے وہ مذکر یا مؤنث مراد لیتے ہیں۔۔۔۔۔قرآنِ حکیم کے فرمودہ وَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ (الذّاریٰت : ۴۹) کے بارے میں جناب حسن کہا کرتے تھے کہ آسمان بھی زَوج ہے' زمین بھی زَوج ہے' سرما بھی زَوج ہے' گرما بھی زَوج ہے' رات بھی زَوج ہے' اور دن بھی زَوج ہے۔زَوج کی جمع اَزواج اور جمع الجمع اَزاویج ہے۔سورۃ الانعام کی آیت ۱۴۳ میں ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ میں بھی اَزواج سے مراد اَفراد ہیں یعنی آٹھ افراد (تفسیر قرطبی)

ہارون نحوی کا کہنا ہے کہ قرآنِ حکیم میں صرف اُن چیزوں کو اَزواج کہا گیا ہے جو جنسی عمل کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہیں اور جن چیزوں کی تخلیق جنسی طور پر نہیں ہوئی' وہ اَزواج نہیں ہیں۔

معترض کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ کششِ ثقل کے مقابلے میں دھکیلنے کی قوت نہیں ہے۔یہ نظریہ اس بیان سے مسترد قرار پاتا ہے کہ ''ایٹموں کے درمیان کھینچنے اور دھکیلنے کی قوت موجود ہے۔'' (آکسفورڈ ایڈوانسڈ لرنرز ڈکشنری' ص ۹۹۵)

قرآنی لفظ اَزواج جمع ہے زَوج کی بمعنیٰ جوڑا (Pair)۔ سورہ یٰسٓ کی ذیل کی آیت کی رُو سے تخلیقاتِ الٰہیہ میں تین قسم کے جوڑے پائے جاتے ہیں:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ

''پاک ہے وہ ذات جس نے تمام جوڑے بنائے اُن چیزوں میں جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود اُن کی ذات میں اور اُن چیزوں میں جنہیں وہ جانتے بھی نہیں۔''

یعنی (۱) وہ جوڑے جو زمین سے بطورِ نباتات اُگتے ہیں۔اِس سے مراد پودے ہیں جو مختلف الانواع اور مختلف الاجناس ہیں (۲) انسانی جوڑے (مرد اور عورت) اِن جوڑوں میں کچھ انسانی خصوصیات بھی جوڑوں جوڑوں کی شکل میں شامل ہیں مثلاً دلیری اور بزدلی' محبت اور نفرت' سخاوت اور کنجوسی وغیرہ۔(۳) وہ جوڑے جنہیں انسان قرآنِ حکیم کے نزول کے وقت نہیں جانتا تھا۔

مندرجہ ذیل آیات میں جہاں ہواؤں کو بارش کی شکل میں خوشی و مسرّت کا پیغام لانے والا کہا گیا ہے' وہاں بارانِ رحمت کو ماحولیات کو مختلف آلودگیوں سے پاک وصاف کرنے والا بھی بتایا گیا ہے کیونکہ بارش فضا کو آلودگیوں سے پاک وصاف کرتی ہے :

وَهُوَ الَّذِیٓ أَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ٥ لِّنُحْیِیَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّنُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ أَنْعَامًا وَّ أَنَاسِیَّ كَثِیْرًا ٥ (اَلْفُرقان : ۴۸' ۴۹)

"اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت (بارش) سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لئے بھیجتا ہے اور ہم آسمان سے پاکیزہ پانی اتارتے ہیں تا کہ اُس کے ذریعے ہم کسی غیر آباد شہر کو زندہ کریں اور اپنی مخلوق میں سے کثیر التعداد مویشیوں اور انسانوں کو یہ پانی پلائیں۔"

"اس میں کوئی شک نہیں کہ ماحولیات کے کاربن نائٹروجن چکر میں سب سے اہم معاون نباتاتی زندگی ہے۔ ہوا میں موجود نائٹروجن کو انسان اور حیوان براہِ راست نہیں لے سکتے۔ جب نائٹروجن زمین کے بالائی پرت (Soil) سے گزرتی ہے تو خارج شدہ امونیا گیس' زمین کے بالائی پرت کے جرثوموں سے مل کر عملِ تکسید کے ذریعے نائٹریٹس میں بدل جاتی ہے اور پودے کی جڑوں میں جذب ہو جاتی ہے۔ اس طرح انسان اور حیوان اپنی نائٹروجنی ضرورت کو سبزیاں اور پھل کھا کر پورا کرتے ہیں۔" ("The Miracle of Creation in Plants" -- Harun Yahya, p. 90)

درجِ بالا حقیقت سے قرآنِ حکیم نے اس طرح پردہ اُٹھایا ہے:

وَآیَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ الْمَیْتَةُ أَحْیَیْنٰهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَأْكُلُوْنَ ٥ وَجَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ أَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِیْهَا مِنَ الْعُیُوْنِ ٥ لِیَأْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ وَمَا عَمِلَتْهُ أَیْدِیْهِمْ أَفَلَا یَشْكُرُوْنَ ٥ (یٰسٓ : ۳۳-۳۵)

"اور ان لوگوں کے لئے ایک نشانی مُردہ زمین ہے۔ ہم نے اُسے زندہ کیا اور اس میں سے غلّے نکالے سو اُن میں سے لوگ کھاتے ہیں۔ اور ہم نے اُس (زمین) میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگائے اور اس میں چشمے جاری کر دیئے تا کہ لوگ اُس (باغ) کے پھلوں سے کھائیں اور اِس (سارے) انتظام کو اُن کے ہاتھوں نے نہیں بنایا۔ تو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے؟"

صحت مند نباتاتی زندگی کے لئے پودے کو جن بنیادی عناصر کی ضرورت ہوتی ہے وہ نائٹروجن' فاسفورس' پوٹاشیم کیلشیم' میگنیشیم اور سلفر کا ملنا ہے۔ اگر پودے کو یہ عناصر بہت زیادہ یا بہت کم مقدار میں ملیں تو پودے میں بہت سی خامیاں اور نقائص پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً فاسفورس کی کمی افزائش میں کمی کا موجب بنتی ہے' کچھ پودوں کے پتوں کو بھورا یا ارغوانی رنگ کا بنا چھوڑتی ہے اور کلیوں اور غنچوں کی کم افزائش کا سبب بنتی ہے کیونکہ فاسفورس نوخیز پودوں کی نشوونما اور بیج کی خاطر خواہ پیداوار میں بہت ہی اہم عنصر ہے۔ مختصر یہ کہ اِن عناصر کا وجود اور اُن کا پودوں کو مطلوبہ مقدار میں ملنا پودے کی صحت مند افزائش کے لئے بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ (ایضاً ص ۹۱-۸۹)

اللّٰهُمَّ صَلِّ علٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعلٰی آلِ
سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی لَهُمْ

DEDICATED TO THE HOLY PROPHET

To whom a Non-Muslim pays his Glowing Tributes as under :-

" **Muhammad** really was a great leader of mankind. He preached UNITY among Arabs who were, till then, torn asunder due to internecine depth of degradation and taught them the way in which they should live as Human beings. His followers conquered half of the world in a short time and the discipline which they maintained under his leadership was simply marvelous, and so was their bravery, courage and devotion to the Cause which they loved and cherished. This made them great soldiers and fighters like of whom history rarely produces. I simply marvel at the achievements of this Son of the Desert within a period of 15 years only - a thing which Moses and Christ could not do in fifteen hundred years. I salute this great man ; I salute his qualities of head and heart." **(Napolean Bonaparte, quoted in "Freedom" Oct. 1975, 1976).**

انتساب

اُس عظیم المرتبت ہستی کے نام جو وجہِ ظہورِ بزمِ کائنات ہے اور جنہیں ایک غیر مسلم بہ ایں الفاظ خراجِ تحسین پیش کرتا ہے :-

" محمد ﷺ فی الحقیقت بنی نوعِ انسان کے عظیم قائد ہیں۔ آپ نے اُن عربوں کو اتحاد اور وحدت کا درس دیا جو اُس وقت باہم قبائلی بغض و تنافر کے ہاتھوں پارہ پارہ ہو چکے تھے۔ آپ نے اُنہیں احترامِ آدمیت اور انسان دوستی کا سبق از بر کرایا۔ آپ کے صحابہ نے مختصر سے عرصہ میں نصف دنیا اپنے زیرِ نگیں کر لی تھی اور اُنہوں نے اپنے قائد کے زیرِ نگرانی جس نظم و ضبط کو اُجاگر کیا، نہایت ہی تعجّب خیز اور معجزانہ کیفیت کا حامل ہے۔ ایسے ہی اُن کی بہادری، جرأت اور اُس مقصد سے اُن کی والہانہ وابستگی ہے جو اُنہیں حد درجہ عزیز تھا۔ اس چیز نے اُنہیں ایسا عظیم سپاہی اور قائد بنا دیا جو تاریخ شاذ و نادر ہی پیدا کیا کرتی ہے۔ پندرہ سال کے مختصر عرصہ میں اس صحرائی شاہزادے کی فتح و کامرانیوں پر میں حیران ہوں جو ایک ایسی حقیقت ہے جسے موسیٰ و عیسیٰ علیہما السّلام پندرہ صدیوں میں حاصل نہ کر سکے۔ میں اس عظیم انسان اور اس کے دل و دماغ کی صلاحیتوں کو ہدیہ سلام پیش کرتا ہوں۔" (نپولین بونا پارٹ: اقتباس از "فریڈم" اکتوبر ۱۹۷۵)

''دنیا کے ماحولیاتی توازن کو قائم رکھنے میں درختوں کا بہت ہی اہم کردار ہے۔ اس حقیقت کو ہم یوں بھی دیکھ سکتے ہیں کہ تمام زندہ چیزیں آکسیجن کو (بطور سانس) لیتی ہیں اور کاربن آکسائڈ اور حرارت خارج کرتی ہیں۔ اس کے برعکس پودے فضا سے حرارت اور کار... ائی آکسائڈ حاصل کرتے ہیں اور حاصل کردہ ان دونوں چیزوں کو وہ ضیائی تالیف کے عمل میں استعمال میں لاتے ہیں اور فضا کو مسلسل آکسیجن بہم کرتے رہتے ہیں۔ پودوں کے مذکورہ بالا ایسے مکمل و اکمل عمل میں سے اگر کوئی ایک کڑی بھی رہ جائے تو سارا نظام کام کرنے سے رک جائے گا۔ چنانچہ یہ دعوٰی کرنا کہ ایسا حساس متوازن نظام کسی اتفاقی حادثے کا نتیجہ ہے' بالکل غیر معقول اور غیر سائنسی ہے۔'' (ایضاً ص ۱۱۷)

''ضیائی تالیف (Photosynthesis): کائنات کو انسانوں کے رہنے کے قابل بنانے میں پودوں کا اہم کردار ہے۔ پودے زمین کی ہوا کو صاف کرتے ہیں' اُس کے درجہ حرارت کو مستقل رکھتے ہیں اور اُس کی فضا میں موجود مختلف گیسوں میں تناسب برقرار رکھتے ہیں' ہمارے سانس کے عمل میں استعمال ہونے والی آکسیجن پودے ہی تیار کرتے ہیں' ہماری خوراک کا بڑا حصہ پودے ہی تیار کرتے ہیں۔ پودوں کی غذائی اہمیت کا بڑا سبب اُن کے خلیات کی خصوصی بناوٹ ہے۔''

''انسانوں اور جانوروں کے برعکس پودوں کے خلیات شمسی توانائی کو براہِ راست استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ شمسی توانائی کو کیمیائی توانائی میں بدل کر اپنے مختلف غذائی اجزاء میں جمع کر لیتے ہیں۔ اِس عمل کو ضیائی تالیف کہتے ہیں۔ یہ عمل پودوں میں موجود چھوٹے اجزاء کلوروپلاسٹ کی وجہ سے انجام پاتا ہے جو اُن کے سبز رنگ کا باعث بھی ہیں۔ یہ چھوٹے جیسے صرف خوردبین سے ہی نظر آتے ہیں اور زمین پر موجود واحد لیبارٹری ہیں جو حیاتیاتی طریقے سے شمسی توانائی کو محفوظ کرتے ہیں۔''

''پودے اِس مواد کو سالانہ 200 بلین ٹن تک تیار کرتے ہیں جس پر زمین کے دوسرے جانداروں کی زندگی کا انحصار ہے۔ کلوروپلاسٹ کی تیاری ایک بہت ہی پیچیدہ کیمیائی عمل سے ہوتی ہے۔ کلوروپلاسٹ میں موجود کلوروفل کے رنگ کے ہزاروں اجزاء ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے سے بھی کم وقت میں سورج کی روشنی کی موجودگی میں رُوبہ عمل ہو جاتے ہیں۔ شمسی توانائی کو کیمیائی یا برقی توانائی میں بدلنا دورِ حاضر کی ایک اہم پیش رفت ہے۔ اس مقصد کے لئے بہت ہی اعلیٰ سطح کی ٹیکنالوجی استعمال کی جا رہی ہے۔'' (نوٹ: کلوروفل وہ سبز رنگ ہے جو اکثر نباتات میں پایا جاتا ہے اور روشنی کو جذب کرنے نیز ضیائی تالیف میں مدد دیتا ہے)

''یہ مکمل نظام ایک بار پھر ہمیں حقیقتِ تخلیق کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ ضیائی تالیف کا پیچیدہ نظام اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت ہی وجود میں آ سکتا ہے۔ ایک بے مثل اور عظیم فیکٹری کو پتوں کے خوردبینی خلیوں تک سُکیڑ دیا گیا ہے۔ یہ بے عیب اور ماوراء النقص و بے فتور نظامِ تخلیق خداوند قدوس' جو تمام جہانوں کا خالق اور پالنہار ہے' کے وجود کی ناقابلِ تردید شہادت ہے۔''

(''نظریہ ارتقاء ـــ ایک فریب'' (اردو) ہارون یحیٰی ص ۲۱۵) چنانچہ وہ سورۃ الحشر کی آیت (۲۴) میں فرماتا ہے :۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

''وہی اللہ ہی تو پیدا کرنے والا ہے' ٹھیک ٹھاک بنانے والا' صورت گری کرنے والا ہے۔ اُسی کے اچھے اچھے نام ہیں' آسمانوں اور زمین میں جو چیزیں بھی ہیں' سب اُسی کی تسبیح کرتی ہیں اور وہی زبردست ہے' حکمت والا ہے۔''

ضیائی تالیف کے نتائج : ہوا اور ہوائی درجہ حرارت میں کاربن ڈائی آکسائڈ کے مسلسل اضافے کا سبب جاندار چیزیں ہیں ـ انسانوں اور جانوروں وغیرہ کے سانس لینے کے نتیجہ میں ہر سال تقریباً 92 بلین ٹن کاربن ڈائی آکسائڈ فضا میں داخل ہوتی ہے اور پودوں کے سانس لینے کے عمل کے نتیجہ میں 37 بلین ٹن کا اس میں مزید اضافہ ہوتا ہے ـ علاوہ ازیں کارخانوں، گھروں اور وسائل حمل ونقل میں استعمال ہونے والے ایندھن سے اُس میں کم ازکم 18 بلین ٹن کا مزید اضافہ ہوجاتا ہے ـ اس طرح تقریباً 147 بلین ٹن کاربن ڈائی آکسائڈ فضا میں داخل ہوتی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا میں کاربن ڈائی آکسائڈ کی سطح مسلسل بڑھ رہی ہے ـ"

"فضا میں آکسیجن کی مقدار اگر کم ہوجائے اور درجہ حرارت بڑھ جائے جس کے نتیجہ میں گلیشیئر پگھلنا شروع ہوجائیں تو کچھ علاقے تو پانی سے پُر ہوجائیں گے جبکہ کچھ صحراؤں میں بدل جائیں گے ـ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا جس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ضیائی تالیف کے عمل کے ذریعے پودے مسلسل آکسیجن بناتے رہتے ہیں اور توازن کو قائم رکھتے ہیں ـ اسی ضیائی تالیف کی وجہ سے پودے فضا میں موجود کاربن ڈائی آکسائڈ کو غذائیت میں بدلنے کے لئے جذب کرلیتے ہیں جس کے نتیجہ میں زمین پر قدرتی توازن جیسا اہم نظام کبھی بھی درہم برہم نہیں ہوتا ـ ضیائی تالیف کے علاوہ کوئی اور ایسا قدرتی ذریعہ نہیں جو فضا میں آکسیجن کی کمی کو پورا کرسکے ـ اسی وجہ سے تمام زندہ چیزوں میں نظم وضبط کی برقراری کے لئے پودوں کا وجود ناگزیر ہے ـ" (ایضاً ص ۱۱۶)

"روشن اور تاریک ردِّ عمل : اس نظریہ کی رُو سے ضیائی تالیف کا عمل دو طرح سے عمل میں آتا ہے ـ پہلے مرحلے میں روشنی کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ دوسرا مرحلہ روشنی کے بغیر مکمل ہوجاتا ہے ـ تاریک وقت کے دوران درجہ حرارت میں اضافہ ضیائی تالیف کی شرح میں بھی اضافہ کردیتا ہے ـ اس سے یہ واضح ہوگیا کہ ضیائی تالیف کے پہلے مرحلے میں روشنی کا ہونا ضروری ہے جبکہ دوسرا مرحلہ درجہ حرارت سے متاثر ہوتا ہے ـ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ سبزیوں اور پودوں کی متوازن نشوونما کے لئے درجہ حرارت، روشنی اور تاریکی ناگزیر ضرورتیں ہیں جس میں بنی نوعِ انسان کی فلاح وبہبود مضمر ہے ـ قرآن حکیم اسی حقیقت کی طرف یوں اشارہ کررہا ہے :ـ

(۱) أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا ○ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ○ (الفرقان : ۴۵، ۴۶)

(۲) قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِن جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُم بِضِيَاءٍ أَفَلَا تَسْمَعُونَ ○ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِن جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُم بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ○ (القصص : ۷۱، ۷۲)

(۱) "کیا آپ نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا کہ وہ کیسے سایہ کو پھیلادیتا ہے اور اگر وہ چاہتا تو وہ اُسے ٹھہرا ہوا بنادیتا ـ پھر ہم نے آفتاب کو اُس پر دلیل بنادیا ـ پھر ہم سایہ کو اپنی طرف کیسے آہستہ آہستہ سمیٹتے جاتے ہیں ـ"

(۲) "فرمادیجئے بھلا اتنا تو سوچو اگر اللہ تم پر رات روزِ قیامت تک ہمیشہ کے لئے بنادے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون خدا ہے جو تمہیں روشنی لا دے؟ کیا تم سن نہیں رہے ہو؟ فرمادیجئے بھلا اتنا تو سوچو اگر اللہ تم پر دن روزِ قیامت تک ہمیشہ کے لئے بنادے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون خدا ہے جو تمہیں رات لادے جس میں تم آرام کرسکو؟ کیا تمہیں (کچھ) نظر نہیں آتا؟"

سورۃ الفرقان کی مذکورہ بالا آیات ۴۵'۴۶ میں اشارۃً یہ بتایا جا رہا ہے کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ہر چیز کا سایہ پھیلا ہوا ہوتا ہے اور سورج جیسے جیسے بلند ہوتا جاتا ہے وہ سایہ بھی سمٹنے لگتا ہے۔ خوب غور کرو کہ جس طرح یہ سایہ فانی ہے' اُسی طرح تمہاری زندگی اور اُس کا یہ جاہ وجلال بھی فانی ہے۔ اسی سے یہ بھی مستفاد ہوا کہ مانا کہ کفر وشرک کا سایہ بہت پھیلا ہوا ہے اور باطل کی تاریکیوں نے ہر جگہ اپنے جھنڈے گاڑ دیے ہیں لیکن اب آفتابِ ہدایت طلوع ہو چکا۔ تھوڑی دیر انتظار کرو پھر دیکھو گے کہ نورِ ہدایت کیسے پھیلتا ہے۔ اگلی آیت ۴۶ میں ظ۔ل "(سایہ) سے مراد زمانہ فترت (حضرت عیسٰی علیہ السلام اور حضور علیہ السلام کا درمیانی زمانہ) ہے۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ آفتابِ محمدی اُبھرا اور ظلمت کدہ عالم کو بقعہ نور بنا دیا۔ اگر یہ سورج طلوع نہ ہوتا تو ساری مخلوق غفلت کی تاریکی میں عمریں گزار دیتی اور نورِ حق کی کوئی تجلی اُنہیں فیض یاب نہ کرتی۔ یہ آفتابِ نبوت کی فیاضیاں ہیں جن کے باعث دل کی آنکھوں کو نورِ توحید دیکھنا نصیب ہوا ہے۔

<u>عملِ زیرگی (عملِ تلقیح Pollination)</u>: انسانوں کی طرح نباتاتی دنیا میں بھی جنسی تولید نر اور مادہ کے باہمی اختلاط سے عمل میں آتی ہے۔ ماضی میں انسان پودوں میں نر اور مادہ کی جنسی تفریق سے ناواقف تھا لیکن جدید علم نباتات ہمیں پودے میں نر اور مادہ اصناف کی موجودگی کی خبر دیتا ہے حتی کہ یک جنسی (Unisexual) پودوں کے اجزاء میں بھی نر اور مادہ کی انفرادیت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے:

وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجْنَا بِهٖ أَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى (طٰہٰ: ۵۳)

"اور اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس سے نباتات کے مختلف جوڑے نکالے۔"

پودوں میں تولیدی عمل کی میکانیات کو قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بایں صورت بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو نر اور مادہ دو جنسوں میں پیدا کیا ہے کہ ہوائیں نر پودے کے زرگل (Pollen) کو لے کر مادہ پودے تک منتقل کر دیتی ہیں جس سے پودا بار آور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسی عمل کا نام عملِ زیرگی ہے جس کی بابت قرآن فرماتا ہے:۔

(۱) وَأَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَسْقَيْنٰكُمُوْهُ (اَلْحِجر: ۲۲)

"اور ہم ہی پانی سے لدی ہوئی ہواؤں کو بھیجتے ہیں پھر ہم ہی آسمان سے پانی برساتے ہیں پھر وہی پانی ہم تمہیں پلاتے ہیں۔"

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ بارش بننے کا پہلا مرحلہ "ہوا" ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز تک بارش اور ہوا کے درمیان صرف یہ تعلق معلوم ہو سکا تھا کہ ہوا بادلوں کو دھکیلتی ہے تاہم ہوا کے "بار آوری کے کردار" کا جدید موسمیاتی تحقیق سے پتہ چلا ہے جو بارش برسانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ ("قرآن رہنمائے سائنس"۔ ہارون یحییٰ ص ۱۳۱)

(۲) وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَآ أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ٥ (اَلْحَجّ: ۵)

"اور تو زمین کو دیکھتا ہے کہ خشک ہے پھر ہم جب اُس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اگاتی ہے۔"

سمندروں اور دریاؤں کی سطح پر پانی کی جھاگ سازی کے عمل کی وجہ سے بے شمار ہوائی بلبلے بنتے ہیں۔ جونہی یہ بلبلے پھٹتے ہیں'

ہزاروں چھوٹے چھوٹے ذرّات جن کے قطر ایک ملی میٹر کا بمشکل 100 واں حصّہ ہوتا ہے 'اچھل کر ہوا میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ ذرّات جنہیں ''ایروسول'' (AEROSOLS) کہا جاتا ہے' ہوا میں شامل مٹی سمیت فضا کی بالائی تہوں تک جا پہنچتے ہیں۔ ہوائیں اِن ذرّات کو مزید اوپر لے جا کر وہاں آبی بخارات میں ملا دیتی ہیں۔ بخارات اِن ذرّات کو اپنی لپیٹ میں لے کر بستہ کرتے ہیں اور پانی کے چھوٹے چھوٹے قطروں کی شکل دیتے ہیں۔ یہ قطرے آپس میں مل کر بادل بنتے ہیں اور پھر بارش بن کر برس جاتے ہیں۔ ہوائیں فضا میں تیرنے والے آبی بخارات کو سمندر اور دریاؤں سے آنے والے ذرّات سے ملا کر ''باراں آور'' (FECUNDATE) کر دیتی ہیں جو بالآخر بارش کے حامل بادل بن جاتے ہیں۔ اگر ہواؤں میں یہ خصوصیت نہ ہوتی تو بالائی فضا میں پانی کے ننھے قطرات کبھی نہ بنتے اور بارش کی نوبت کبھی نہ آتی۔'' (''قرآن رہنمائے سائنس'' ص ۱۳۲)

یہ بات اہم ہے کہ کسی پودے کا زرگل (Pollen) صرف اُسی پودے ہی کے لئے کارآمد ہوگا۔ اگر ایک پودے کا زرگل کسی اور نوع یا کسی اور پودے کے تخم دان (Stigma) میں داخل ہو تو وہ پودا اُس زرگل کو قبول ہی نہ کرے گا اور وہ اُس کی مبیض (Ovary) تک نہیں پہنچ سکے گا۔ مثلاً اگر گندم کے پودے کا زرگل سیب کے درخت کی طرف لایا جائے تو وہ درخت سیب نہیں اُگائے گا کیونکہ پودے کو اپنی نوع کے زرگل کا پتہ ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ پودے کو یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ لایا جانے والا زرگل چونکہ اس کا اپنا ہم جنس نہیں ہے' لہٰذا اُس نے اپنی میکانیت کو اُس کے خلاف روک دیا!!''

("The Miracle of Creation in Plants" --- Harun Yahya, page : 60)

<u>نباتاتی حیات کی حفاظت اور افزائش:</u> اس کی بابت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں قرآن یوں فرماتا ہے:

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ○ (یوسف:۴۷)

''یوسف علیہ السلام نے کہا تم سات سال متواتر کاشتکاری کئے جاؤ' پھر جو فصل کاٹو اُسے اُس کی بالی ہی میں لگا رہنے دو بجز تھوڑی مقدار کے کہ اُسی کو کھاؤ۔''

یوسف علیہ السلام نے صرف یہی نہیں کہا کہ آئندہ سالوں میں کیا ہونے والا ہے بلکہ آنے والے قحط کے سالوں میں حفاظتی تدابیر بھی اُنہیں بتائیں کہ اُس زمانہ میں غلّہ کو برقرار کیسے رکھا جائے۔ چنانچہ فرمایا کہ سات سالوں میں پیداوار خوب ہوگی' زمین بہت پھل اُگائے گی اور لوگ پھلوں سے رس نچوڑیں گے۔ اُس کثیر فصل میں سے اُنہیں بقدرِ ضرورت لے لینا چاہئے اور باقی ماندہ کو بالیوں میں ذخیرہ کر لینا چاہئے تاکہ اُنہیں کیڑا وغیرہ نہ لگنے پائے۔ (عبداللہ یوسف علی' نوٹ:۱۷۰۴)

<u>پودے میں کونپل نکالنے کا عمل (Germination)</u> : اِس کی بابت قرآن حکیم فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى (الانعام : ۹۵)

''بے شک اللہ ہی دانہ اور گٹھلیوں کو پھاڑنے والا ہے۔''

<u>درخت میں شاخیں نکالنے کا عمل (Ramification):</u> اِس عمل کو قرآنِ حکیم نے یوں بیان کیا ہے:۔

وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ○ (اَلْحَجّ : ۵)

''اور تو زمین کو دیکھتا ہے کہ خشک ہے پھر ہم جب اُس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اگاتی ہے۔''

''منطقہ حارّہ میں گھنے بارانی جنگلات میں درختوں کے پتے لمبے اُگتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں سورج کی روشنی کا پتوں کے تمام حصوں میں پہنچنا مشکل ہوتا ہے درختوں کے گھنے ہونے اور ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی سے جُڑے ہوئے ہونے کی وجہ سے۔ وہاں بارش بھی اکثر اور موسلا دھار ہوتی رہتی ہے۔ وہ علاقے جہاں سورج کی روشنی مشکل سے پہنچتی ہے' ضروری تھا کہ پتوں کی سطح بڑی ہونی چاہئے تا کہ وہ غذائیت حاصل کرسکیں۔ اس وجہ سے الٰہی حکمت کے تحت منطقہ حارّہ کے درختوں کے پتوں کے بڑا ہونے کی وجہ سے سورج کی روشنی بہ آسانی اُن تک پہنچ سکتی ہے۔''

''اس کے برعکس خشک اور تند موسم کے علاقوں میں اگنے والے درختوں کے پتے چھوٹے ہوتے ہیں کیونکہ ایسے موسمیاتی ماحول میں پتوں کا چھوٹا ہونا ہی بہتر ہے۔ اسی وجہ سے اِن علاقوں میں پتے کی سطح جو سورج کی روشنی کو پکڑتی ہے' کو بڑی دانشمندانہ حکمتِ عملی کے تحت منظم کیا گیا ہے۔'' (ایضاً ص ۹۶)

<u>پودوں کی درجہ بندی</u>: پودوں کے ساختیاتی اوصاف کے لحاظ سے ان کی دو اقسام قابلِ ذکر ہیں: جمنو سپرم (Gymnosperm) اور انجیو سپرم (Angiosperm)۔ اول الذکر یعنی جمنو سپرم عام پھول والے پودوں کی طرح بیج پیدا کرتے ہیں۔ اُن کے بیج پھول والے پودوں کی طرح پھل میں چھپے ہوئے نہیں ہوتے جبکہ انجیو سپرم کے بیج پھلوں میں چھپے ہوتے ہیں۔ جمنو سپرم کے برعکس اُن کے پھول بطور تولیدی اعضاء کے ہوتے ہیں۔ انجیو سپرم مختلف الانواع اور بکثرت اُگنے والے پودے ہیں۔ پھول والے تمام پودے (مثلاً درخت' جھاڑیاں اور فصلیں)' سبزیات اور وہ جڑی بوٹیاں جو ہم اپنے آس پاس دیکھتے ہیں' سب انجیو سپرم ہیں۔ ان کے پتے عموماً کھلے اور چپٹے ہوتے ہیں۔ اُن کے پھول یک جنسی یا دو جنسی ہوتے ہیں۔ جمنو سپرم پودوں میں عملِ زیرگی ہوا کے ذریعے ہوتا ہے جبکہ انجیو سپرم پودوں میں عملِ زیرگی ہوا اور کیڑے مکوڑوں دونوں سے ہوتا ہے۔ اس طرح انجیو سپرم پودوں میں عملِ زیرگی کے مواقع جمنو سپرم پودوں کی نسبت بہتر ہوتے ہیں اور اُن کے بکثرت ہونے کی وجہ بھی یہی ہے۔ سورۃ لقمان کی آیت ۱۰ میں بیان کردہ الفاظ زَوْجٍ کَرِیْمٍ سے مراد وہ پودے اور درخت ہیں جو بنی نوع انسان کے لئے بہت مفید ہیں۔

''<u>درختوں کے فوائد</u>: درخت بارش لانے کا موجب بنتے ہیں اور اُن کا گرانا بارش کو کم کرتا ہے۔ جنگلات کو ختم کرنا زمین کی نفوذ پذیری اور اس میں پانی کو قائم رکھنے کی صلاحیت کو کم کرتا ہے۔ درخت اپنے پتوں کی وجہ سے پانی کو بخارات کی شکل میں اُڑ جانے سے روکتے ہیں مثلاً ایک سڑک جس پر بہت زیادہ درخت ہوں' موسلا دھار بارش برسنے کے بعد بہت دیر بعد خشک ہوگی بہ نسبت اُس سڑک کے جس پر کوئی درخت نہ ہو' جلد خشک ہو جائے گی۔''

''درختوں کو ختم کرنے کا نتیجہ خشک سالی ہے۔ تجربہ بتاتا ہے کہ کچھ علاقوں میں درختوں کے کٹنے سے بارش میں کمی واقع ہوگئی اور جب درخت دوبارہ لگائے گئے تو بارش بہ کثرت ہوئی۔ کئی ہفتے موسم خشک رہنے کے بعد گھاس' جڑی بوٹیاں

اور درخت سوختنی (جل اُٹھنے والی) چیز بن جاتے ہیں اور معمولی سی چنگاری تباہ کن آگ بھڑکا سکتی ہے۔ بعض اوقات تو دو ٹہنیوں کے باہم رگڑ کھانے سے آگ بھڑک اُٹھتی ہے جو کئی کلومیٹر کے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔''

''اولے اور برف: ان کی بابت سورۃ النُّور میں یوں بیان ہوا ہے:۔
وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ (اَلنُّور: ۴۳)
''اور وہ آسمان سے اولے گراتا ہے جو (اپنی کثرت میں) پہاڑوں کی طرح ہوتے ہیں۔ پھر اُنہیں جس پر چاہتا ہے' گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے' ہٹا دیتا ہے۔''

فروٹ (پھل): تولیدی عمل میں پھل عمدہ قسم کے درختوں کا آخری پیداواری نتیجہ ہوتا ہے۔ پھل کے ظہور سے پہلا مرحلہ پھول کا ہوتا ہے جس میں نر (زردان) اور مادہ (بیضک) اعضاء ہوتے ہیں۔ مؤخر الذکر یعنی مادہ میں جونہی زرگل (Pollen) پہنچتا ہے تو وہ پھل سے بارآور ہو جاتی ہے۔ قرآنِ حکیم میں بیان کردہ پھلوں کے دو جنسوں یعنی نر اور مادہ میں پیدا کئے جانے کا یہی مقصد ہے۔'' ("The Bible, the Koran and Science" -- Dr. Maurice Bucaille, p. 189)

نباتات میں فائدے کے بات پھلوں میں ملتی ہے۔ پھل کے لئے قرآن مجید میں ثَمَر کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کی جمع ثَمَرات ہے اور ثَمَرات میں تمام قسم کے پھل آ جاتے ہیں جیسا کہ سورۃ النحل کی آیت ۶۷ میں بیان ہوا: وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ (یعنی کھجوروں اور انگوروں کے پھل)۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں پھلوں اور فصلوں میں کمی مصریوں پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی ایک صورت تھی (سورۃ الاعراف: ۱۳۰)۔ پھل کے لئے ایک جامع لفظ فَاكِهَة کا ہے جس سے مراد وہ پھل ہے جس سے خوب لطف اندوز ہوا جائے کیونکہ فَاكِهَة کا مصدر ف۔ ک۔ ہ ہے جو خوشی و مسرّت کے جذبات کو ظاہر کرتا ہے۔

پھل کے بعد پودوں کے حصوں میں بیج نمایاں اہمیت کے حامل ہیں۔ بیجوں کے پھوٹنے کو قرآنِ حکیم نے اللہ تعالیٰ کی صناعی (کاریگری) بتایا ہے: اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى (الانعام: ۹۵)۔ حَبّ اور حَبَّة دانے کی کم ترین مقدار کو ظاہر کرتے ہیں اور اس حقیر مقدار کا ذکر کرنے سے بھی اللہ تعالیٰ نے تغافل نہیں برتا۔ چنانچہ سورۃ الانعام کی آیت ۵۹ میں ارشاد فرمایا:
وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○
''اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر یہ کہ وہ اُسے جانتا ہے اور دانے کی (کوئی بھی) حقیر مقدار زمین کی تاریکیوں میں نہیں پڑتی اور نہ کوئی تر اور خشک چیز مگر (یہ کہ یہ سب) روشن کتاب میں (موجود) ہیں۔''

درخت کے لئے عربی میں شَجَر کا لفظ ہے جبکہ شَجَرَة کا لفظ جھاڑیوں اور جڑی بوٹیوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ سورہ یٰسٓ کی آیت ۳۶ اور سورۃ الواقعہ کی آیت ۷۱ میں شَجَر سے آگ جلانے کو نعمتِ الٰہی قرار دیا گیا ہے۔

انگور کی بیلوں (عِنَب اور اَعناب) کا ذکر قرآن مجید میں گیارہ مرتبہ ہوا اور سات مرتبہ اُن کا ذکر کھجور کے ذکر کے ساتھ ہوا

شاید اس وجہ سے کہ انگور اور کھجور کی اکٹھی کاشت کی جاتی ہے (سورۃ الکھف:۳۲)۔ جنت کے تذکرے میں انگور کی بیلوں کا بھی ذکر ہوا (سورۃ النبا: ۳۲)۔ کھجوروں اور انگوروں کے علاوہ زیتون کے درخت کا تذکرہ پانچ جگہ ملتا ہے جن میں سے دو کا ذکر کوہِ سینا کے حوالے سے ہوا (المؤمنون: ۲۰؛ سورۃ التّین: ۱) (انسائیکلوپیڈیا آف قرآن' ج ۱)

ان کے علاوہ جن دیگر پودوں کا ذکر قرآنِ حکیم میں ہوا' وہ بَصَل (پیاز)' عَدَس (دال مسور)' فُوم (لہسن) ہیں جن سب کا ذکر سورۃ البقرۃ کی آیت ۶۱ میں ہوا۔ اسی طرح رُمّان (انار ۱۴۱' ۶:۹۹؛ ۵۵:۶۸)' خَردَل (رائی ۲۱:۴۷؛ ۳۱:۱۶)' أثل (جھاؤ ۳۴:۱۶)' سِدر (بیری ۳۴:۱۶؛ ۵۳:۱۴'۱۶؛ ۵۶:۲۸)' یقطِین (کدو ۳۷:۱۴۶)' رَیحَان (۵۵:۱۲؛ ۵۶:۸۹)' زَنجَبِیل (۷۶:۱۷) اور تِین (انجیر یا انجیر کے درخت ۹۵:۱) ہیں۔ (انسائیکلوپیڈیا آف قرآن)

قرآنِ حکیم میں کچھ عمومی نام بھی استعمال ہوئے ہیں مثلاً خَمط (بدبودار ۳۴:۱۶)' قَضب (ترکاری ۸۰:۲۸) اور ضَرِیع (خاردار درخت ۸۸:۶)۔ قرآن حکیم نے واضح طور پر درختوں اور پودوں کو انسانوں پر نعمتِ الٰہی کہا ہے:

(۱) وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَخرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزقًا لَّكُم (ابراھیم: ۳۲)

''اللہ نے آسمان سے پانی اتارا' پھر اُس (پانی) سے (مختلف) پھل تمہارے لئے بہ طور رزق پیدا کئے۔''

(۲) أَلَم تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَخرَجنَا بِهِ ثَمَرٰتٍ مُّختَلِفًا أَلوَانُهَا (فاطر: ۲۷)

''(اے مخاطب!) کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا' پھر ہم نے اس کے ذریعے سے مختلف رنگوں کے پھل نکالے۔''

<u>انجیر اور زیتون</u>: ان کی بابت قرآن حکیم یوں فرماتا ہے:

(۱) وَالتِّينِ وَالزَّيتُونِ ٥ وَطُورِ سِينِينَ ٥ وَهٰذَا البَلَدِ الأَمِينِ ٥ لَقَد خَلَقنَا الإِنسَانَ فِي أَحسَنِ تَقوِيمٍ ٥ (التّین)

''قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور طورِ سینا کی اور اِس امن والے شہر کی کہ ہم نے انسان کو بہترین انداز کے ساتھ پیدا کیا''

انجیر کی قسم کھانے کی وجہ یہ ہے کہ اِس درخت کے پتوں سے حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کی بیوی جنابِ حوّا نے اپنے بدن کو ڈھانپا تھا (الاعراف: ۲۲ بحوالہ ''تبیان القرآن'' از علامہ غلام رسول سعیدی' ج ۱۲' ص ۸۷۱)

''انجیر عمدہ اور لذیذ پھل ہے۔ اس میں فضلہ اور فالتو مادہ نہیں ہوتا۔ لطیف غذائیت کا حامل ہے' زود ہضم ہے' نفع آور دوا ہے' طبیعت کو نرم کرتا ہے' بلغم کو تحلیل کرتا ہے' گردوں کو صاف کرتا ہے' مثانہ کی پتھری کو توڑتا ہے' جگر اور تلی کے سُدّوں کو کھولتا ہے اور بدن کو فربہ کرتا ہے۔ اس کے کھانے سے پیشاب کھل کر آتا ہے' پیشاب آور ہونے کی وجہ سے گردہ اور مثانہ کی پتھری بھی نکالتا ہے۔ پسینہ آور ہے' اس سے تلی کا ورم اور جگر کی سختی دور ہو جاتی ہے۔

حضور علیہ السلام نے ایک موقع پر فرمایا کہ اگر میں یہ کہوں کہ یہ پھل جنت سے آیا ہے تو کہہ سکتا ہوں کیونکہ جنت کے

پھل بغیر گٹھلی کے ہوتے ہیں۔ اسے کھاؤ کیونکہ یہ بواسیر کو قطع کرتا ہے اور گنٹھیا کے درد میں مفید ہے۔ (''تبیان القرآن'')

''زیتون کے درخت کی قسم اس لئے کھائی ہے کہ بقول مفسرین سورۃ النور کی آیت ۳۵ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اِس درخت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ (''تبیان القرآن'' ج ۵' ص ۸۷۱)

زیتون مشہور پھل ہے جو قدرے کسیلا ہوتا ہے۔ اس سے تیل نکالا جاتا ہے جسے روغنِ زیتون کہتے ہیں۔ روغنِ زیتون جوڑوں کے درد میں مفید ہے۔ اس میں کولیسٹرول نہیں ہوتا۔ اس سے پیٹ کے کیڑے اور پتے کی پتھری خارج ہوتی ہے۔ حضرت عمر ابن الخطاب بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ زیتون کھاؤ اور اس کا تیل استعمال کرو کیونکہ وہ مبارک درخت سے ہے۔ (سنن ترمذی۔ رقم الحدیث ۱۸۵۱؛ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث : ۳۳۲۰ بحوالہ تبیان القرآن' ج ۵)
حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ زیتون کی مسواک بھی کیا خوب ہے! وہ مبارک درخت کی ہے' بدبو کو زائل کرتی ہے اور منہ کو خوشبودار کرتی ہے۔ یہ میری مسواک ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مسواک ہے۔ (''المعجم الاوسط'' رقم الحدیث : ۶۸۲)

''طُــور سیــنـیــن'' میں طور سے مراد وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا کی تھی۔ مقاتل اور کلبی نے کہا کہ ہر اُس پہاڑ کو کہتے ہیں جس میں پھل دار درخت ہوں۔ طور کی قسم اس لئے کھائی کہ یہ پہاڑ شام میں اور ارضِ مقدسہ میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کو برکت دی ہے (بنی اسرائیل : ۱)

''اَلبلد الامین'' سے مراد شہرِ مکہ ہے۔ اسے امین اس لئے فرمایا گیا کیونکہ جو جانور مکہ یا انسان مکہ میں داخل ہو وہ امن والا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شہرِ مکہ کی قسم اُٹھائی کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نشانی ہے اور مہبطِ وحی ہے۔

اَحْسَـن تـقـویـم سے مراد یہ ہے کہ انسان کو معتدل اور سیدھی قامت میں پیدا کیا کیونکہ دوسرے حیوان جھکے ہوئے ہوتے ہیں اور اُن کا چہرہ بھی جھکا ہوا ہوتا ہے جبکہ انسان کی قامت سیدھی ہوتی ہے۔ ہر جانور اپنی خوراک حاصل کرنے کے لئے اپنا سر زمین پر جھکاتا ہے لیکن انسان کو اس کے لئے سر جھکانا نہیں پڑتا بلکہ اُس کے ہاتھ لقمہ اٹھا کر منہ میں ڈال لیتے ہیں۔

اگر انسان کو بہ نظرِ غائر دیکھا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ صوری اور معنوی حُسن وکمال میں کوئی چیز بھی انسان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ گراں قیمت حیوان' زور آور جانور' درندے' پرندے' ہوائی اور آبی مخلوقات سب کی سب انسان کے سامنے سرافگندہ ہے اور اس کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتی۔ گرانڈیل ہاتھی سے ایک فیل بان جس طرح چاہتا ہے' کام لیتا ہے۔ چھ سات سال کا بچہ اونٹوں کی ایک قطار کو جدھر چاہتا ہے لے کر چلا جاتا ہے۔ شوخ وشنگ برق رفتار گھوڑے پر جب انسان سوار ہوتا ہے تو وہ اس کی مرضی کے مطابق عمل کرتا ہے۔ نوامیسِ فطرت کو وہ اپنی علمی قوت سے مسخر کر کے اُن سے اپنی چاکری لے رہا ہے۔ عقل' فکر ونظر' قیاس واستنباط کی جو بے نظیر قوتیں اُسے بخشی گئی ہیں' کائنات کی کوئی چیز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس کے علم وعرفان کی رفعتوں کا تو یہ حال ہے کہ نوری فرشتے بھی اُسے سجدہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

قاضی ابوبکر ابن العربی نے کہا: اللہ تعالیٰ کی کوئی مخلوق انسان سے زیادہ حسین نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں علم، قدرت، ارادہ کرنے، باتیں کرنے، سننے، دیکھنے، تدبیر کرنے اور حکمت کی صلاحیتیں رکھیں اور یہ تمام رب تعالیٰ کی صفات ہیں۔ گویا انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ

''بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔'' (بخاری: رقم الحدیث ۶۲۲۷؛ مسلم رقم الحدیث ۲۸۴۱)

(۲) وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝ (اَلمؤمنون : ۲۰)

''اور وہ درخت جو طورِ سیناء پہاڑ سے نکلتا ہے، جو تیل نکالتا ہے اور کھانے والوں کے لئے سالن ہے۔''

طورِ سیناء کے مضافات میں بہترین قسم کا زیتون پیدا ہوتا ہے۔ زیتون کا تیل سالن کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ سالن پر صِبغ کا اطلاق فرمایا ہے بمعنی رنگ، اور روٹی سالن میں ڈبونے سے رنگین ہو جاتی ہے۔

<u>پودے ٹھنڈے کیوں ہوتے ہیں؟</u> ایک ہی جگہ پر واقع پودا اور پتھر کا ایک ٹکڑا ایک ہی درجہ حرارت پر گرم نہیں ہوتے اگرچہ دونوں کو ایک ہی مقدار میں شمسی حرارت ملتی ہے۔ ہر جاندار چیز اگر کھلی دھوپ میں رہے تو منفی اثرات قبول کرے گی، تو پھر کیا وجہ ہے کہ پودے خاصی گرمی سے کم سے کم متاثر ہوتے ہیں؟ اس حقیقت کے مدِ نظر کہ پودے مسلسل دھوپ میں ہوتے ہیں، قدرتی طور پر انہیں دوسری جاندار چیزوں کی نسبت زیادہ پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اپنے پتوں پر پانی خارج ہونے کی وجہ سے پودوں کا پانی کم ہوتا رہتا ہے۔ پانی کے ایسے ضیاع سے روکنے کے لئے پتے جن کا رخ ہمیشہ سورج کی طرف ہوتا ہے، عموماً نم روک (Waterproof) جھلی نما حفاظتی موم سے ڈھکے ہوتے ہیں جسے (Cuticle) کہتے ہیں۔ اس طرح پتوں کی بالائی سطح پر پانی کا ضیاع رک جاتا ہے اور وہ ٹھنڈے رہتے ہیں۔ ("The Miracle of Creation in Plants"--- Harun Yahya, pp. 120-121)

(ب) علمِ حیوانیات ــ ZOOLOGY

''جانوروں سے متعلق قرآن مجید میں ہمیں دو سو سے زائد حوالہ جات ملتے ہیں اور چھ قرآنی سورتیں جانوروں کے نام پر ہیں یعنی اَلْبَقَرۃ (گائے)، اَلانعام (چوپائے)، اَلنَّحل (شہد کی مکھی)، اَلنَّمل (چیونٹی)، اَلعَنکَبوت (مکڑی)، اَلفِیل (ہاتھی)۔ چونکہ حیوانات بنی نوعِ انسان کو فائدہ پہنچانے اور اُن کی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے، لہٰذا حیاتِ حیوانات قرآن مجید کا موضوعِ خاص نہیں ہے۔''

''جانوروں کے لئے عموماً اور خشکی کے جانوروں کے لئے خصوصاً قرآنی لفظ دَابَّۃ (جمع دَوَآب) ہے جو قرآن میں ۱۸ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ حیوانی نام جو بہت زیادہ قرآن میں استعمال ہوا ہے، وہ اَلانعام ہے جو ۳۲ مرتبہ استعمال ہوا ہے اور اس

کے مترادف کے طور پر بَہِیمَۃُ الْاَنعام کی ترکیب اُن کے علاوہ ہے جو تین مرتبہ استعمال ہوا ہے اور جس میں لائیو سٹاک اور بڑے پالتو جانور شامل ہیں۔'' (انسائیکلو پیڈیا آف دی قرآن' ج اوّل)

نباتاتی اور حیوانی حیات بحوالہ قرآن حکیم: اِس موضوع سے متعلق قرآنِ حکیم میں ہمیں خاصی معلومات ملتی ہیں:

(۱) وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ (الانبیاء : ۳۰)
''اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی کے توسط سے بنایا''

(۲) وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ مِنْ مَّآءٍ (اَلنُّور: ۴۵)
''اور اللہ نے ہر چلنے والے جانور کو پانی کے توسط سے پیدا کیا''

اس اِشکال کا جواب کہ بعض چیزوں کو پانی سے نہیں بنایا گیا: آیاتِ مذکورہ بالا سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے مختلف اشیاء کو مختلف چیزوں سے پیدا کرنے کے متعلق فرمایا ہے۔ مثلاً:

(۱) تمام چلنے پھرنے والوں کو اللہ نے پانی سے پیدا کیا۔(اَلنُّور: ۴۵)
(۲) ''اور اس سے پہلے ہم نے جنّات کو بغیر دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا۔'' (اَلْحِجر: ۲۷)
(۳) آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا (آلِ عمران: ۵۹)
(۴) ''وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی سے اُس کی بیوی کو پیدا کیا۔'' (الاعراف: ۱۸۹)
(۵) جناب عیسٰی علیہ السلام کو پھونک (نفخ جبریل) سے پیدا کیا۔(الانبیاء: ۹۱)
(۶) حضرت عیسٰی علیہ السلام خود بھی اللہ جل جلالہٗ کے حکم سے پھونک مار کر پرندے پیدا کرتے تھے (المائدۃ: ۱۱۰)
(۷) اَحادیث میں ہے کہ فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے۔

جبکہ اوپر کی آیات ۳۰ اور ۴۵ سے معلوم ہوا کہ تمام جانداروں کو مخصوص پانی (یعنی نطفہ) سے پیدا کیا گیا ہے' تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس میں تغلیباً اکثر جانوروں پر تمام جانوروں کا حکم لگا دیا گیا ہے کیونکہ بعض حیوانات نطفہ سے پیدا نہیں ہوتے۔ دوسرا جواب یہ کہ آیت ۳۰ میں سیاق کی رُو سے خلقتِ اوّل کا ذکر ہے کہ ہر چیز زمین' آسمان' ملائکہ' جنّات پانی سے بنے' اس طرح کہ پانی کے جھاگ سے زمین' اُس کے بخارات سے آسمان' پانی سے نطفہ اور نطفے سے تمام حشرات وحیوانات' پانی سے شجرات' شجرات سے نار اور نار سے جنّات' پانی سے ہوا اور ہوا سے نور اور نور سے ملائکہ وغیرہ (تفسیر روح البیان' تفسیر نعیمی ج ۱۷) پانی سے سفید پاؤڈر اور پاؤڈر سے پتھر' کنکر اور پتھروں سے ریت جو عام مشاہدہ بھی ہے اور تجربہ بھی۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ خطاب کفار سے ہے۔ اس لئے حَیٌّ سے وہی اشیاء مراد ہیں جنہیں یہ لوگ دیکھ سکتے ہیں۔ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ (ہر جاندار شے) سے وہ چیزیں مراد نہیں جنہیں یہ لوگ دیکھ نہیں سکتے۔ اس لئے آدم وحوّا اور ملائکہ وغیرہ مراد نہیں۔ (تفسیر نعیمی' ج ۱۷' ص ۱۳۹)

''پانی سے ہر چیز کی حیات کے متعلق سائنس کا نظریہ: زندگی اور قوت میں باریک سا فرق ہے۔ زندگی ایک طرح سے عضویاتی ڈھانچہ ہوتا ہے جبکہ قوتِ حیات (Vitality) کو اُس ڈھانچے کا مقرر کردہ کام سرانجام دینا ہوتا ہے۔ یہ نظریہ جو کسی حد تک بمشکل سمجھ میں آتا ہے' ایک مثال کے ذریعے بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

''زمین میں کچھ وائرس اور کچھ بیکٹیریا اپنے ماحول کی وجہ سے اپنی کارگزاری ظاہر نہیں کر سکتے یعنی نہ ہی وہ حرکت کر سکتے ہیں اور نہ ہی مزید تخلیق کر سکتے ہیں یعنی اُن کی زندگی جامد ہوتی ہے۔مخصوص حالات میں یہ حرکت کی صلاحیت حاصل کر لیتے ہیں اور تخلیقی عمل بھی شروع کر دیتے ہیں۔ یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ زندگی عبارت ہے وائرس اور بیکٹیریا کی ساکت اور متحرک حالت سے جبکہ قوتِ حیات (Vitality) کا مطلب صرف اُن کی محرک حالت ہی ہے۔''

''آیت کریمہ میں حَیّ کا لفظ قوتِ حیات (Vitality) کے ہم معنی ہے۔آیت سے ماخوذ چند اہم نکات یہ ہیں:۔

''(۱) آیت (۳۰) انتہائی وضاحت کے ساتھ جانوروں اور نباتات سے ماورا نظریہ پیش کرتی ہے۔''تمام چیزوں'' کی تعریف میں ''چیز'' کے نظریہ سے قوتِ حیات (Vitality) بہت سی نوع کی چیزوں کا احاطہ کرتی ہے اور قرآن کے اس ایک بیان سے قوتِ حیات کے نظریہ کو اتنی وسعت مل جاتی ہے کہ یہ وائرس اور (DNA) مالیکیول وغیرہ کا مکمل احاطہ کر لیتی ہے۔اس طرح ایک سائنسی حقیقت کو قرآنِ حکیم نے چودہ صدیاں قبل ہی انسانیت کو بطور پیشگی بتا دیا۔''

''(۲) قوتِ حیات (Vitality) پانی ہی سے نکلتی ہے اور پانی ہی سے توانائی حاصل کرتی ہے۔آیتِ مبارکہ تخلیق (خَلَقْنَا) نہیں کہتی بلکہ جَعَلْنَا (قوت دی) کہتی ہے۔''

''(۳) اس کے بعد آیت اس اعلان پر ختم ہوتی ہے أَفَلَا يُؤْمِنُونَ (پھر وہ کیوں نہیں مانتے؟) اس کا اشارہ کفار کی طرف ہے۔یہ بات بطورِ خاص ہمارے موجودہ دَور کے کفار کے لئے بھی ہے۔اس لئے کہ ابھی صرف تیس سال قبل ہی تو قوتِ حیات (Vitality) کے لئے پانی کے ناگزیر ہونے کی حقیقت کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔'' (''تبیان القرآن'' ۔۔علامہ غلام رسول سعیدی، جلد ۷، ص ص ۵۴۷، ۵۴۸ مطبوعہ فروری ۲۰۰۳ء)

ایک انگریز مفکر لکھتا ہے:

''زمین کی تخلیق اور اُس پر زندگی کے وجود تک کا عرصہ دو مرحلوں میں ہوا (۴۱:۹)۔یہ عرصہ پانی اور پہاڑوں کی تخلیق کا تھا۔چٹانیں اور پہاڑ زمین کی تخلیق کے بعد پیدا کئے گئے اور کائنات کی مختلف حصوں میں تقسیم سے قبل ہی یہاں پانی موجود تھا۔اپنے ابتدائی مراحل میں زندگی کے آثار پانی (سمندروں) میں ظاہر ہوئے تھے نہ کہ خشکی میں۔لہٰذا وہ حقیقت جسے اوپر کی دو آیات میں بیان کیا گیا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہر چیز کو پانی کے توسط سے پیدا کیا' سائنسی لحاظ سے بالکل صحیح ہے۔''

''نخز مایہ (خلیے کا ذی حیات حصہ Protoplasm) کو تمام جاندار چیزوں کی حیات کی اساس مانا جاتا ہے اور نخز مایہ کی قوتِ حیات (Vitality) کا انحصار پانی کی مسلسل موجودگی پر ہے۔'' (Text-book of Botany -- Lowson, p. 23)

''ذی حیات نخز مایہ میں ہر وقت پانی کی خاصی مقدار ہوتی ہے۔'' (Text-book of Zoology -- Parker & Haswell, p. 15)

۵۵۸ (علم حیاتیات ونباتات --- (BIOLOGY

<u>جانوروں کے فوائد</u> : حیاتیاتی تحقیق میں جانوروں کے فوائد نے متعدد دریافتوں میں رہنمائی کی ہے۔ مثلاً جینیات (Genetics) کو سمجھنے میں پھل کی مکھیوں پر تجربات نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ حال ہی میں اس نے اہم پیشرفت کے دروازے کھولے ہیں مثلاً ''ٹیسٹ ٹیوب'' بچے کی پیدائش میں۔ جانوروں کے فوائد کے بارے میں قرآن فرماتا ہے:

(۱) وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ ''وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ٥ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ'' حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ٥ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍلَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْف'' رَّحِيْم'' ٥ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَالاَ تَعْلَمُوْنَ٥ (اَلنَّحل : ۸۔۵)

''اور چوپائے بھی اُسی نے بنائے' اُن میں تمہارے لئے گرم لباس بھی ہے اور (اور بھی) فائدے ہیں اور اُن میں سے تم کھاتے بھی ہو۔ اور اُن کی وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے جبکہ اُنہیں شام کے وقت (گھر) لاتے ہو اور جبکہ صبح کے وقت اُنہیں (چرنے) چھوڑ دیتے ہو۔ اور وہ تمہارے بوجھ بھی ایسے شہر کو لے جاتے ہیں جہاں تم نفس کی سخت مشقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے' بے شک تمہارا پروردگار بڑی ہی شفقت والا' بڑی ہی رحمت والا ہے۔ اور (اُسی نے پیدا کئے) گھوڑے' خچر اور گدھے تاکہ تم اُن پر سوار ہو اور زینت کے لئے بھی اور وہ ایسی چیزیں پیدا کرتا رہتا ہے جن کی تمہیں خبر نہیں۔''

مویشیوں کا جمال یہ ہے کہ اُن کی جسمانی بناوٹ اور شکل وصورت دیکھنے میں اچھی لگتی ہو۔ مویشیوں کی تعداد کا زیادہ ہونا بھی اُن کے جمال میں داخل ہے کیونکہ جب مویشی زیادہ تعداد میں اکٹھے ہو کر چلتے ہیں تو بھلے لگتے ہیں۔

(۲) وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ٥ (النحل : ۶۶)

''بے شک تمہارے لئے مویشیوں میں بھی بڑا سبق ہے' اُن کے پیٹ میں گوبر اور خون (کی قسم سے) جو کچھ ہوتا ہے' اُس کے درمیان سے صاف اور پینے والوں کے لئے خوشگوار دودھ ہم تمہیں پینے کو دیتے ہیں۔''

نوٹ : تشریح کے لئے ملاحظہ ہوں صفحات ۳۲۷' ۳۲۸

(۳) وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَا اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ٥ (اَلنَّحل : ۸۰)

''اور اُس نے تمہارے لئے جانوروں کی کھال کے گھر بنائے جنہیں تم اپنے کوچ کے دن اور اپنے قیام کے دن ہلکا پاتے ہو اور اُن کی اون اور اُن کی روئیں اور اُن کے بالوں سے (تمہارے) گھر کا سامان اور ایک مدت تک چلنے والی فائدے کی چیزیں بنائیں۔''

(۴) وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ٥ وَ عَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ٥ (اَلْمُؤْمِنُوْن : ۲۱' ۲۲)

''اور تمہارے لئے غور کا موقع مویشیوں میں ہے' ہم تمہیں اُن کے جوف میں کی چیز کو پینے کو دیتے ہیں اور تمہارے لئے اُن میں بہت سے فائدے ہیں اور اُن پر اور کشتی پر سوار پھرتے ہو۔''

انسان کے لئے دودھ بہترین غذا ہے۔ اس میں گوشت' ہڈی اور خون پیدا کرنے کے تمام ضروری اجزاء موجود ہیں۔ بکری کے دودھ میں چکنائی (Cholestrol) کم ہوتی ہے' بھینس کے دودھ میں زیادہ چکنائی ہوتی ہے اور گائے کے

دودھ میں متوازن چکنائی ہوتی ہے۔ خشکی کی سواریاں پیدا کرنے کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے دریاؤں اور سمندروں میں سفر کرنے کے لئے الگ سواریاں بنائیں۔ کیا ان تمام نعمتوں سے فائدے حاصل کرنے کے باوجود اب بھی انسانی دل میں اُس مشفق و رحیم منعم پر ایمان لانے اور اس کا شکر ادا کرنے کی تحریک پیدا نہیں ہوتی!

(۵) وَفِیْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ آيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ (اَلْجَاثِيَة : ۴)

''اور خود تمہاری اور اُن حیوانات کی آفرینش میں جنہیں اُس نے پھیلا رکھا ہے یقین رکھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔'' (۴۵:۴)

مندرجہ بالا آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں کی تخلیق انسانوں کی خدمت کے لئے ہوئی ہے بالخصوص پالتو، رچرنے والے جانور۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی انسان پر رحمت و شفقت کا ثبوت ہیں۔ سورۃ النحل کی آیات ۵ تا ۸ میں جانوروں کے تین فائدے بیان ہوئے ہیں: بار اٹھانا، اُن کی کھال سے گرمی حاصل کرنا اور اُن کا گوشت کھانا۔ سورۃ الانعام کی آیت ۱۴۲، سورۃ الحج کی آیت ۲۷، سورہ یٰس کی آیت ۷۲، اور سورہ المؤمن (غافر) کی آیات ۷۹، ۸۰ بتاتی ہیں کہ گھوڑے، خچر، گدھے اور اونٹ سفر میں سواری کے لئے ہیں۔ انسانوں کے لئے گھوڑے انتہائی محبوب مال ہیں لیکن وہ اِس چندروزہ عارضی زندگی میں ایک معمولی اور حقیر دولت ہیں اور اُن کی محبت میں پڑ کر انسان کو یادِ الٰہی سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔

سورۃ النحل کی آیت ۶۶، سورۃ المؤمنون کی آیات ۲۱، ۲۲، اور سورہ یٰس کی آیت ۷۳ جانوروں سے حاصل شدہ دودھ جیسی خالص اور لذیذ پیداوار کو بتاتی ہیں جبکہ سورۃ النحل کی آیات ۵، ۸۰ میں جانوروں کے گوشت اور اُن کی کھالوں سے حاصل شدہ فائدوں کا ذکر ہے۔ شہد کے شِفا ہونے کی قوّت کا ذکر سورۃ النحل کی آیت ۶۹ میں ہے۔ جانور بطور زینت کا ذکر اِسی سورہ کی آیت ۸ میں ہے۔ سورہ فاطر کی آیت ۱۲ میں آبی جانوروں (مچھلی) کے لذیذ گوشت کی فراہمی کا ذکر ہے۔ سورۃ النحل کی آیت ۶ بتاتی ہے کہ انسان کس طرح اپنے اُن جانوروں سے حظ اور خوشی حاصل کرتا ہے جنہیں اُن کے باڑے سے نکال کر چرنے کے لئے چراگاہ کی طرف لایا جاتا ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں کے پیدا کرنے میں انسان کی جمالیاتی تسکین کا سامان بھی ہے جس کے پیچھے حکیمِ مطلق کا (غیر مرئی) ہاتھ کارفرما ہے۔ قرآن حکیم نے بالکل سچ فرمایا:

مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا (هُود : ۵۶)

''جتنے بھی جاندار ہیں، اللہ نے اُن سب کو اُن کی پیشانی کے بالوں سے پکڑا ہوا ہے۔'' (۱۱:۵۶)

<u>جانور بطور: اللہ کی قدرتِ مطلقہ کی نشانی اور اُس کے عذاب کی تنبیہ</u>: جانوروں کی تخلیق ایک طرف تو ربّ ذوالجلال والاکرام کی انسان پر عظیم احسان کو ظاہر کرتی ہے، تو دوسری طرف وہ اُس کی قدرتِ مطلقہ اور حکمتِ بالغہ کا بھی ثبوت ہیں۔ قرآنِ حکیم نے کچھ مقامات پر ہماری توجہ اُن پرندوں کی قابلِ تحسین اُڑان کی طرف مبذول کرائی ہے جنہیں اللہ سبحانہ' وتعالیٰ فضا میں اڑاتا ہے۔ سورۃ النحل کی آیت ۷۹ اور سورۃ الملک کی آیت ۱۹ ملاحظہ ہوں:*

(۱) اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

<u>''کیا ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کی فضا میں (قدرتِ الٰہی کے) مسخر ہیں۔ اُنہیں سوائے اللہ کے کسی اور نے نہیں تھام رکھا،</u>

* انہی آیات میں کششِ ثقل کا قانون (Law of Gravitational Force) موجود ہے جسے کئی صدیوں بعد نیوٹن نے معلوم کیا۔

بے شک اس میں ایمان والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔"

(۲) أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمٰنُ إِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ٥ (الْمُلك)

"کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر پرندوں پر نظر نہیں کی کہ پَر پھیلائے ہوئے ہیں اور سمیٹ بھی لیتے ہیں' انہیں سوائے خدائے رحمٰن کے اور کوئی تھامنے والا نہیں' بے شک وہی ہر چیز کو خوب دیکھے بھالے ہوئے ہے۔"

"پرندوں کی قوتِ پرواز' اُن کا ہوائی موجوں کو چیرتے ہوئے جانا' اُن کا اتنی بلندی پر اپنے جسم کا توازن رکھنا' یہ سب انسان کے لئے کیسے حیرت انگیز مشاہدات ہیں اور اُن سے حق تعالیٰ کی صنّاعی کا کیسا سبق ملتا ہے کہ وہ اپنی قدرتِ کاملہ میں جو تصرّف چاہے اپنی مرضی و مشیت کے مطابق کرتا رہتا ہے۔" (تفسیر ماجدی اردو' حاشیہ صفحہ ۱۱۲۸)

"قرآن حکیم میں گزشتہ اقوام کی حکایات اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے ہر چیز پر غالب ہونے اور اُس کی قدرتِ کاملہ کو ظاہر کرتی ہیں جن میں پرندوں کو بطور تمثیل و مجاز پیش کیا گیا ہے۔ منّ و سلویٰ بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت کے طور پر اتارے گئے (سورۃ البقرۃ: ۵۷؛ سورۃ الاعراف: ۱۶۰؛ سورۃ طٰہٰ: ۸۰)۔ اصحابِ کہف کے کتّے کا ذکر سورۃ الکھف کی آیت ۱۸ میں ہوا اگرچہ اُس کا نام کہیں بھی نہیں بتایا گیا* سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۹ میں عُزیر علیہ السلام (پیغمبر) ایک صدی کے بعد دوبارہ زندہ کئے گئے اور اُنہیں کہا گیا کہ وہ اپنے کھانے' پینے کی چیزوں اور اپنے گدھے کی طرف دیکھیں تاکہ وہ وقت کے تھم جانے کے حوالے سے اپنے خالق کی قدرتِ کاملہ کے قائل ہو جائیں۔

"حضرتِ انسان کو اللہ کے غضب اور اُس کے عذاب سے ڈرانے میں جانوروں کا بالخصوص ذکر کیا گیا۔ مثلاً:

(۱) وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ (النَّحل: ۶۲)

"اگر اللہ تعالیٰ لوگوں سے (اُن کے گناہوں کے سبب فوراً) مؤاخذہ کرتا تو زمین پر کوئی حرکت کرنے والا جانور نہ چھوڑتا۔"

(۲) وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ (فاطر: ۴۵)

"اگر اللہ تعالیٰ لوگوں سے (اُن کے اعمال کے سبب فوراً) مؤاخذہ کرتا تو پشتِ زمین پر ایک بھی چلنے پھرنے والا نہ چھوڑتا۔"

"جانور اپنے خالق کی قدرتِ کاملہ کا ٹھوس اور پکا ثبوت اس طرح بھی ہیں کہ اُنہیں مشرکین کو صراطِ مستقیم پر لانے کا ذریعہ بنایا گیا کہ وہ اللہ کی تخلیقات اور اُن فوائد پر غور کریں جو وہ (جانور) بہ حکمِ الٰہی انسان کو پہنچاتے ہیں۔ مثال اونٹ کی ہے جس کی جسمانی ساخت اور خصوصیات اپنے خالق کی عظمت کا مظہر ہیں (سورۃ الغاشیۃ: ۱۷)۔ اس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

"سورۃ الاعراف کی آیت ۴۰ میں کافروں کو تنبیہ ہے کہ انہیں جنت میں اُس وقت تک داخل نہیں کیا جائے گا جب تک اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گزر نہ جائے یعنی اُن کا جنت میں داخلہ اسی طرح ناممکن ہے جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکے میں

* کچھ روایات میں اُس کا نام قطمیر بتایا گیا ہے۔

** فزکس کے عنوان کے تحت نظریہ اضافیت (زمان کے تھم جانے اور مکان کے سکڑ جانے) کے ضمن میں اس کا ذکر انشاء اللہ کیا جائے گا۔

سے گزرنا ناممکن ہوتا ہے۔'' (سورۃ الاعراف:۴۰)

''جہاں تک تنبیہات اور وعیدات کا تعلق ہے' تو قرآن حکیم گزشتہ قوموں کی تاریخ سے روشن شہادتیں پیش کرتا ہے جن میں جانور اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ قومِ ثمود کو صفحۂ ہستی سے نابود کیا گیا کیونکہ اُنہوں نے اُس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالی تھیں جو اُن کے پیغمبر صالح علیہ السلام' اللہ کی قدرتِ کاملہ کو ظاہر کرتے ہوئے معجزۂ الٰہی کے طور پر لائے تھے (سورۃ الشعراء:۱۵۷)

''اللہ سبحانہ' وتعالیٰ نے مختلف مواقع پر انسان کو اُس کے تغافل' اُس کی خود فراموشی' اور خدا فراموشی سے جگانے کے لئے جانوروں کو بطور ذریعہ استعمال کیا ہے۔ مثلاً (۱) مصر کے سرکش' فرعونی باغیوں کو جو خود پسندی اور ہم شما دیگرے نیست کی گہری دلدل میں پھنسے ہوئے تھے' سزا دینے کے لئے اُس نے ٹڈیوں' جوؤں' مینڈکوں اور خون کی بلائیں نازل کیں۔ (سورۃ الاعراف:۱۳۳) (۲) اللہ نے (آدم علیہ السلام کے بیٹے) قابیل کے لئے ایک کوّا بھیجا کہ وہ اُسے اپنے اُس بھائی ہابیل کی لاش کو دفن کرنے کا طریقہ بتائے جسے اُس نے قتل کیا تھا (المائدۃ:۳۱) (۳) اللہ تعالیٰ نے کچھ یہودیوں کی شکلوں کو اُن کی سرکشی' بغاوت اور سنیچر (سَبْت) کے دن کی بے حرمتی کے سبب خنزیروں اور ذلیل بندروں کی شکلوں میں بدل دیا (البقرۃ:۶۵؛ الاعراف:۱۶۶) (۴) سورۃ الفیل حبشہ کے حکمران ابرہہ اشرم کے کم از کم ایک ہاتھی کے ساتھ مکّہ میں واقع کعبہ پر فوجی مہم کو بیان کرتی ہے۔ پرندوں کے جُھنڈوں (ابابیل) نے اصحاب الفیل کی فوج پر حملہ کر کے اُنہیں تباہ و برباد کر دیا (سورۃ الفیل:۱ تا۴) (۵) سورۃ الحشر میں اوّل ایمان لانے والوں کی کامیابیوں اور کامرانیوں کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اُن کامیابیوں کے حصول کے لئے نہ تم نے گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ بلکہ یہ کامیابیاں صرف اور صرف اللہ نے تمہیں دیں۔ (سورۃ الحشر:٦) (٦) شیطان اپنے گھوڑسواروں کے ذریعے (بدطینت) انسانوں سے ساجھا کرتا ہے (سورہ بنی اسرائیل:٦۴) (۷) اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو وحی کی کہ وہ اپنی کشتی میں ہر جانور کے جوڑے (نر اور مادہ) لے لیں تاکہ آنے والے وقتوں میں اُن کی نسل باقی رہے (سورہ ھُود:۴۰ ؛ سورۃ المؤمنون:۲۷) (۸) موسیٰ علیہ السلام کا عصا آیتِ الٰہی کے طور پر اژدہا میں بدل دیا گیا (سورۃ الاعراف:۱۰۷ ؛ سورہ طٰہٰ:۲۰ ؛ سورۃ الشعراء:۳۲)۔

قصص القرآن میں جو قصے جانوروں سے متعلق ہیں اُن کا ذکر بھی قرآن میں موجود ہے۔ مثلاً (۱) اُس گائے کا ذکر جسے بنی اسرائیل کو اللہ کے حکم کے تحت ذبح کرنے کا حکم دیا گیا' سورۃ البقرۃ کی آیات ٦۷ تا ۷۱ میں ہے۔ (۲) اپنے ساتھی یوشع بن نون کے ہمراہ مجمع البحرین (دو سمندروں کا سنگم) کو سفر کرنے کے دوران موسیٰ علیہ السلام کا ناشتہ مچھلی تھا (سورۃ الکھف:٦۰ تا ٦۴)۔ (۳) ہدہد پرندے کی حکایت کے ضمن میں سلیمان علیہ السلام کا انسانوں اور جنّات کے علاوہ جُھنڈ کے جھنڈ پرندوں کو اکٹھا کرنا (۴) یوسف علیہ السلام کا اُس خواب کی تعبیر بیان کرنا جس میں اُن کے جیل کے ایک ساتھی نے خواب میں پرندے دیکھے تھے (سورہ یوسف:۴۱)۔ (۵) اصحابِ کہف (غار میں سونے والوں) کے کتے کا ذکر چار مرتبہ سورۃ الکھف میں آیا ہے (سورۃ الکھف کی ۱۸ویں آیت میں ایک بار اور ۲۲ویں آیت میں تین بار)۔ (٦) پیغمبر داؤد اور سلیمان علیہما السلام ایک مقدمہ میں اپنا فیصلہ سناتے ہیں جس میں ایک فریق کی بکریاں دوسرے فریق کی چراگاہ کو چر گئی تھیں (سورۃ الانبیاء:۷۸'۷۹)۔ (۷) داؤد علیہ السلام نے دو متحارب فریقوں کے درمیان جھگڑے کو چکایا تھا جس میں ہر فریق

ایک بھیڑ پر اپنی ملکیت جتلاتا تھا (سورہ صٓ: ۲۳، ۲۴)۔ (۸) برادرانِ یوسف اپنے والد کے اس خوف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہ یوسف کو کہیں کوئی بھیڑیا نہ مار کھائے، اپنے والد (یعقوب علیہ السلام) کے آگے جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کو ایک بھیڑیا مار گیا ہے (سورہ یوسف: ۱۳، ۱۴، ۱۷)۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عظمت وجلالت کی تسبیح تمام جانور اور پرندے کرتے ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں ہر چیز اللہ کی فرمانبردار ہے اور اُس کی تسبیح بیان کرتی ہے (آلِ عمران: ۸۳؛ الاسراء: ۴۴؛ النور: ۴۱؛ الحدید: ۱، ۲۴؛ الصف: ۱؛ الجمعہ: ۱؛ التغابن: ۱)۔ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہوئے ہر چلنے والا جانور اللہ کی عبادت کرتا ہے (سورۃ النحل: ۴۹؛ سورۃ الحج: ۱۸)۔ پرندے اپنی پرواز کے دوران ایسا کرتے ہیں (سورہ النور: ۴۱)۔ پرندے اور پہاڑ اُس کی جلالتِ شان کے گن گاتے ہیں (سورہ سبا: ۱۰: سورہ صٓ: ۱۸، ۱۹)

جانور بہ طور تمثیلی استدلال: قرآنِ حکیم میں کچھ مقامات پر جانور بطور تمثیلی استدلال بیان ہوئے ہیں۔ مثلاً:
(۱) اللہ تعالیٰ مچھر کی یا اس سے بھی بڑھ کر (کسی اور چیز کی) مثال دینے سے ذرا نہیں شرماتا (سورۃ البقرۃ: ۲۶)۔ (۲) اللہ اپنی کسی مخلوق پر ذرّہ بھر بھی ظلم نہیں ڈھاتا (سورۃ النساء: ۴۰) ذرّہ بمعنی ایٹم ـــ چیونٹی جیسی ادنیٰ مخلوق۔ (۳) چیونٹی جیسی ادنیٰ مخلوق بھی اُس کی توجہ سے باہر نہیں ہے (سورہ یونس: ۶۱)۔ (۴) بُت جنہیں لوگ پوجتے ہیں ایک مکھی تک پیدا نہیں کرسکتے (سورۃ الحج: ۷۳) (۵) جہنم کے شعلے محلات کی طرح بلند و بالا چنگاریاں پھینکتے ہیں، ایسے جیسے زرد زرد اونٹ ہوں (المرسلات: ۳۲، ۳۳) (۶) جس کسی نے نیکی یا بدی کا کوئی بھی عمل کیا خواہ وہ چیونٹی کے سے وزن کا ہو، روزِ قیامت اُسے دیکھ لے گا (سورۃ الزلزال: ۷، ۸)

جانور بہ طور تقابلی مخلوق: جہاں تک انسانوں اور جانوروں کے مابین تقابل یا قرآن حکیم میں جانوروں کو تمثیلی استدلال کے طور پر بیان کا تعلق ہے، اُس بیان میں منقبت اور مذمّت کے عنصر غالب ہیں۔ معصیت پیشہ (عادی گنہگاروں) اور کافروں کا بطورِ خاص، جانوروں کے ساتھ تقابل کیا گیا ہے۔ آیات ملاحظہ ہوں:۔

(۱) وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ
''کافروں کا حال تو اُس شخص جیسا ہے جو ایسے (جانور) کے پیچھے چلا رہا ہے جو بلانے اور پکارنے کے سوا کچھ سنتا ہی نہیں۔ (یہ) لوگ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں۔ سو (کچھ بھی) عقل نہیں رکھتے۔'' (البقرۃ: ۱۷۱)

(۲) فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ (الاعراف: ۱۷۶)
''کافر کی مثال تو اُس کتے کی سی ہے کہ اگر تو اُس پر حملہ کرے (جب بھی) ہانپے یا اُسے چھوڑ دے (جب بھی) ہانپے۔''
یہ تشبیہ پریشانی اور دل کے عدمِ اطمینان کے لحاظ سے ہے یعنی ایسے شخص کو راحت کسی حال میں بھی نہیں بلکہ پریشانی اور ذلت اُس کے مقدّر میں دائمی طور پر آگئے۔

(۳) اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (الاعراف: ۱۷۹) (یہ لوگ چوپایوں جیسے ہیں بلکہ اُن سے بھی بڑھ کر بدراہ ہیں)

(۴) إِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (الانفال: ۲۲)

"اللہ کے نزدیک بدترین حیوانات وہ بہرے گونگے ہیں جو عقل سے (ذرا) کام نہیں لیتے۔"

(۵) وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ (الحجّ: ۳۱)

"اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے' تو جیسے وہ آسمان سے گر پڑا' پھر پرندوں نے اُسے نوچ ڈالا یا اُسے ہوا نے کسی دور دراز جگہ جا پھینکا"

(۶) مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللهِ أَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ (اَلْعَنْكَبُوْت: ۴۱)

"جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز تجویز کر رکھے ہیں' اُن کی مثال مکڑی کی سی مثال ہے' اُس نے ایک گھر بنایا اور مکڑی کا گھر سب گھروں سے زیادہ بودا ہوتا ہے۔"

(۷) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَأْكُلُوْنَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ (مُحَمَّد: ۱۲)

"اور جو کافر ہیں' وہ عیش کر رہے ہیں اور کھا (پی) رہے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے (پیتے) ہیں۔"

(۸) فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ۝ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ۝ (اَلْوَاقِعَة: ۵۵)

"جہنم میں کافروں کو کھولتا ہوا پانی پینا ہوگا اور پینا بھی پیاس کے مارے ہوئے اونٹ کا سا ہوگا۔"

(۹) مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا (الْجُمُعَة: ۵)

'جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تھا پھر انہوں نے اُس پر عمل نہ کیا' اُن کی مثال اُس گدھے کی سی ہے جو کتابیں لادے ہو'

(۱۰) كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۝ (اَلْقِيٰمَة: ۵۰' ۵۱)

"قیامت کے دن کافر' وحشی گدھوں کی طرح ہوں گے جو شیر سے بھاگے جا رہے ہیں۔"

جانوروں کا طرزِ عمل (Behaviour) قرآنِ حکیم کی روشنی میں: قرآن مجید چونکہ بنیادی طور پر رشد و ہدایت کی کتاب ہے' اس لئے وہ حقیقی مشاہدہ کی بنیاد پر حیواناتی حقائق کو گہرائی سے پیش نہیں کرتا اور چند ایک آیات جانوروں کے طور طریق کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی حیواناتی طرزِ عمل کا ذکر ہے' وہ زیادہ تر کیڑوں مکوڑوں سے متعلق ہے۔ مثلاً:

(۱) مکڑی کمزور ترین گھر بناتی ہے [دیکھئے اوپر سورۃ اَلْعَنْكَبُوْت کی آیت ۴۱' نمبر (۶) کے تحت]

(۲) جناب سلیمان علیہ السلام کے عصا کو دیمک (دَابَّةُ الارض) کا چاٹ جانا (سورہ سبا: ۱۴) ہمیں اس کیڑے کے کھانے کی عادت کی معلومات دیتا ہے۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖ إِلَّا دَآبَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهٗ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝ (سورہ سبا: ۱۴)

"پھر جب ہم نے اُن (سلیمان علیہ السلام) پر موت کا حکم جاری کر دیا تو کسی چیز نے اُن کی وفات کا پتہ نہ بتایا سوائے ایک زمینی کیڑے کے کہ وہ سلیمان کے عصا کو کھاتا تھا۔ سو جب سلیمان گر پڑے تو جنات پر حقیقت ظاہر ہوئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے۔" $

$ آیت صاف طور پر یہ بتا رہی ہے کہ پیغمبروں کے اجسامِ قدسیہ اُن کی وفات کے بعد بھی محفوظ رہتے ہیں۔ نہ تو اُنہیں قبر کی مٹی کھاتی ہے اور نہ ہی کوئی کیڑا یعنی "شکست و ریخت" کا قدرتی قانون اُن پر لاگو نہیں ہوتا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیثِ مبارکہ اسی حقیقت کو بیان کرتی ہے جس میں: إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ (صحیح بخاری) کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا۔

(۳) بروئے سورۃُ النّحل اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کے دل میں اِلقاء کیا کہ:

* اِتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ (اَلنّحل: ۶۸، ۶۹)

''تو پہاڑوں میں، درختوں میں اور لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں اُن میں بھی گھر بنالے۔ پھر ہر قسم کے پھلوں سے رس چوستی پھر''

قرآنِ حکیم میں بیان شدہ دو جانوروں نے سلیمان علیہ السلام سے کلام کیا ہے جو اُن کی زبان کو سمجھتے تھے: (۱) سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی اُس تنبیہ کو سن اور سمجھ لیا جو اُس نے اپنی ساتھی چیونٹیوں کو دی تھی کہ کہیں سلیمان اور اُن کا لشکر اُنہیں روند نہ ڈالے (اَلنَّمل: ۱۸)۔ (۲) ہدہد پرندے نے سلیمان علیہ السلام کو ملکہ سبا، اُس کے عظیم الشان تخت اور اُس کے مشرکانہ طریقوں کی خبر دی (اَلنَّمل: ۲۳، ۲۴)۔ پرندہ پھر سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ملکہ کی طرف ایک نامہ بھی لے گیا (اَلنَّمل: ۲۸)

تیسرا جانور جو بول سکتا ہے لیکن ابھی تک بولا نہیں وہ دَآبَّۃُ الْاَرْض (اَلنَّمل: ۸۲) یعنی زمین سے نکلنے والا جانور ہے لیکن بالآخر وہ بولے گا۔ قرآنِ حکیم میں یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ جانور کس قسم کا ہوگا اور اس کا کیا کام ہوگا۔ تاہم بعد کے مفسرین نے احادیثِ نبویہ کو بنیاد بناتے ہوئے اس پر خاصی تفصیلی بات کی ہے۔ $

<u>ہدہد (پرندہ Hoopoe) : جیسا کہ اس پرندے کی آوارہ گردی کی عادت سے ثابت ہوا ہے کہ یہ بہت اونچی اُڑان اُڑتا ہے اور اس حقیقت سے بھی پتہ چلا ہے کہ جب بھی شکرا اس پر حملہ آور ہوتا ہے تو وہ تیزی سے انتہائی بلندی پر چلا جاتا ہے</u>

$ علامہ آلوسی (م ۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں کہ دَآبَّۃُ الْاَرْض کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ چار پاؤں والا بہت عجیب وغریب جانور ہے۔ یہ نوعِ انسان میں سے اصلاً نہیں ہے، اللہ تعالیٰ آخر زمانہ میں اُسے زمین سے نکالے گا اور زمین سے نکالنے میں یہ اشارہ ہے کہ وہ طریقہ توالد سے نہیں نکلے گا بلکہ اس طرح نکلے گا جیسے زمین سے حشرات الارض نکلتے ہیں اور یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے (روح المعانی، جزء۲۰، ص ۳۶) اس کے بعد فرمایا: ''جو اُن سے کلام کرے گا، بے شک لوگ ہماری نشانیوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔'' اس آیت کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ دَآبَّۃُ الْاَرْض لوگوں سے کہے گا کہ لوگ ہماری نشانیوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو ہماری نشانیاں اِس لحاظ سے کہے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نمائندگی کررہا ہے۔ یا اس کا یہ معنی ہے کہ وہ لوگوں سے کلام کرے گا جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ وہ کہے گا سنو یہ مؤمن ہے، سنو یہ کافر ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ بے شک لوگ ہماری نشانیوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ یہ ابتداءً اللہ کا کلام ہے یعنی چونکہ لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے تھے اس لئے اللہ قربِ قیامت میں زمین سے ایک عجیب وغریب جانور نکالے گا جو لوگوں سے باتیں کرے گا۔ یہ ایک واضح اور کھلی ہوئی نشانی ہوگی لیکن قربِ قیامت میں اس نشانی کو دیکھ کر ایمان لانا مفید نہیں ہوگا۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ دَآبَّۃُ الْاَرْض کی صورت کے متعلق کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ جس نے دَآبَّۃُ الْاَرْض کو انسان کہا ہے، اُس کا قول قرآن مجید کے اِن الفاظ کے قریب ہے ''وہ باتیں کرے گا'' لیکن اس بناء پر اُس میں کوئی خارق (خلافِ عادت) چیز نہیں ہوگی اور نہ وہ اُن دس نشانیوں میں سے ہوگا جن کا حدیث میں ذکر ہے کیونکہ کفار اور اہلِ بدعت سے مناظرہ کرنے والے اور اُنہیں ساکت کرنے والے انسان تو بہت ہیں، سو وہ کوئی خاص چیز نہیں ہوگا۔ پھر ایسے فاضل، کامل اور مناظر انسان کو دَآبَّۃُ الْاَرْض کہنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہوگی اور ایسے فاضل مناظر کو دَآبَّۃُ الْاَرْض (زمین کا جانور) کہنا فصحاء کی عادت کے خلاف ہے اور تعظیمِ علماء اور دستورِ عقلاء کے منافی ہے (المفہم، ج ۷، ص ۲۴۲ بحوالہ ''تبیان القرآن'' ازمولانا غلام رسول سعیدی، ج ۸، ص ص ۲۴۴، ۲۴۵)

اور اس طرح وہ اپنے دشمن سے بچ جاتا ہے۔'' (انسائیکلو پیڈیا بری ٹینیکا' ج ۱۲، ص ٦٧٦) طبع یازدہم

''عرب لوگ اس کی فرحان وخنداں چہچہاہٹ کی وجہ سے اسے ہد ہد کہتے ہیں اور پانی کی جگہ معلوم کرنے اور راز ہائے بستہ کے اِفشا کرنے کی طرف اسے منسوب کرتے ہیں۔ سلیمان علیہ السلام سے متعلق یہودی قصوں میں ہد ہد نے ملکہ سبا کے ضمن میں خاصا کردار ادا کیا ہے۔'' (Encyclopaedia Biblica --- Chene & Black) London

<u>جانوروں کی اقسام از روئے قرآنِ حکیم</u>: یہ اَقسام سورۃ النور میں بایں الفاظ بیان ہوئی ہیں:۔

(۱) وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى أَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ (اَلنور : ۴۵)

''اور اللہ نے ہی ہر چلنے والے کو پانی سے پیدا کیا ہے' سو اُن میں وہ بھی ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں' اور اُن میں وہ بھی ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں' اور اُن میں وہ بھی ہیں جو چار پیروں پر چلتے ہیں' اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔''

(۲) وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا (اَلنحل : ۱۴)

''وہی اللہ ہی تو ہے جس نے سمندر کو (خدمت کے لئے) تابع کر رکھا ہے تا کہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ۔''

(۳) پرندوں کا ذکر سورۃُ النّحل کی آیت ۷۹' اور سورۃُ المُلک کی آیت ۱۹ میں ہوا ہے جن کا حوالہ صفحات ۴۹۹' ۵۰۰ پر دیا گیا ہے۔

(۱) <u>رینگنے والے جانور (Reptiles)</u> : (جو پیٹ کے بل چلتے ہیں جیسے مچھلی' سانپ' چھپکلی وغیرہ) اِن کا ذکر سورہ مذکورہ کے ابتدائی حصے کے فوراً بعد ہے۔ اگرچہ عربی زبان میں رینگنے والے اور اُڑنے والے جانوروں کے لئے مختلف الانواع الفاظ موجود ہیں' لیکن قرآن مجید نے اُن الفاظ میں سے چند ایک کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔ مثلاً: بَعُوضَة (مچھر: البقرۃ:۲٦)؛ ثُعْبَان (اژدہا۔ الاعراف:۱۰۷؛ الشعراء:۳۲)؛ حَيَّة (سانپ۔ طٰہٰ:۲۰)؛ نَمل/نَمْلَة (چیونٹی۔ النمل:۱۸)؛ جَرَاد (ٹڈیاں۔ الاعراف:۱۳۳)؛ قُمَّل (جوئیں۔ الاعراف:۱۳۳) اَلضَّفَادِع (مینڈک۔ الاعراف:۱۳۳)؛ نَحل (شہد کی مکھی۔ اَلنّحل:٦٨)، اَلْعَنْكَبُوت (مکڑی۔ اَلعنکبوت:۴۱)؛ دَآبَّةُ الارض (زمینی کیڑا یعنی دیمک۔ سبا:۱۴)؛ دَآبَّة مِنَ الاَرض (اَلنّمل:۸۲) اِس آخری لفظ میں قرآنی پیشگوئی ہے جس کا پورا ہونا یقینی ہے۔

علم الحشرات (Entomology) سے متعلق چیونٹی کے حوالے سے جسٹس کرم شاہ الازہری یوں لکھتے ہیں:۔

''چیونٹیاں جب گندم وغیرہ کے دانے اپنے گوداموں میں ذخیرہ کرتی ہیں' تو اُنہیں کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیتی ہیں تا کہ اگر اُنہیں نمی پہنچے تو وہ اُگ نہ پڑیں لیکن جب وہ مسور اور دھنیا کا ذخیرہ کرتی ہیں تو اُن کے چار چار ٹکڑے کرتی ہیں کیونکہ اُن کا نصف حصہ بھی اُگ جاتا ہے۔'' (ضیاء القرآن' ج ۳' ص ۴۳۷)

(۲) <u>دوپایہ جانور (Biped)</u> : جیسے پرندے اور انسان۔ ان کا ذکر سورۃ النور کی آیت ۴۵ میں دوسرے نمبر پر آیا ہے۔

(۳) <u>چوپائے (Quadruped)</u> : جیسے مویشی اور درندے۔ ان کا ذکر اسی سورۃ کی آیت ۴۵ میں تیسرے نمبر پر ہے

''وہ جانور جو گلوں کی شکل میں رہتے ہیں' اُن میں پالتو جانور اور چرنے والے جانور شامل ہیں جو انسانی دولت کے نمائندہ ہیں (سورۃ النحل: ۸)۔ چرنے والے جانوروں میں چار قسم کے جانور یعنی بھیڑ' بکری' اونٹ اور گائے بیل شامل ہیں (بروئے آیات ۱۴۳' ۱۴۴ سورۃ الانعام)۔ گلوں میں رہنے والے جانور جو انسان سے زیادہ مانوس ہیں' خصوصی طور پر بیان ہوئے ہیں (سورۃ النحل: ۵: سورہ یٰسٓ: ۷۱)۔ اونٹ کے لئے عمومی لفظ اِبِل (کل دو مرتبہ مستعمل ہوا: ایک مرتبہ سورۃ الانعام کی آیت ۱۴۴ میں اور ایک مرتبہ سورۃ الغاشیۃ کی آیت ۱۹ میں)۔ جَمَل (ایک مرتبہ سورۃ الاعراف کی آیت ۴۰ میں) جِمَالَۃ'' (ایک مرتبہ سورۃ المرسلات کی آیت ۳۳ میں)' نَاقَۃ (سات مرتبہ استعمال ہوا: سورۃ الاعراف کی آیات ۷۳' ۷۷ میں؛ سورہ ھُود کی آیت ۶۴ میں؛ سورۃ الاسراء کی آیت ۵۹ میں ؛ سورۃ الشعراء کی آیت ۱۵۵ میں ؛ سورۃ القمر کی آیت ۲۷ میں اور سورۃ الشمس کی آیت ۱۳ میں)۔ لفظ عِشار (اونٹنی۔ سورۃ التکویر کی آیت ۴ میں)' ضَامِر (دبلی اونٹنی۔ سورۃ الحج کی آیت ۲۷ میں) رِکاب (سورۃ الحشر کی آیت ۶ میں)' بُدنۃ (قربانی کے جانور۔ سورۃ الحج کی آیت ۳۶ میں)' ھِیم (پیاس کے مارے ہوئے اونٹ۔ سورۃ الواقعۃ کی آیت ۵۵ میں)' حَمُولۃ (پختہ عمر کے اونٹ جو بوجھ اٹھانے کے قابل ہوں۔ سورۃ الانعام کی آیت ۱۴۲ میں)' اور لفظ فَرش (کم سن اونٹ۔ سورۃ الانعام کی آیت ۱۴۲ میں ایک مرتبہ استعمال ہوا)۔ بقرۃ' بقرات اور عِجل ۱۹ مرتبہ استعمال ہوئے۔ مَعْز (بکری۔ ایک مرتبہ سورۃ الانعام کی آیت ۱۴۳ میں)' لفظ ضَان (بھیڑ) کل آٹھ مرتبہ استعمال ہوا۔ لفظ غَنَم (بکری۔ سورۃ الانعام کی آیت ۱۴۶ میں آیا)' نَعجۃ/نِعاج (مادہ بھیڑ۔ سورہ صٓ کی آیت ۲۴ میں استعمال ہوا)۔ گھوڑوں کے لئے لفظ خَیل قرآنِ حکیم میں پانچ مرتبہ آیا۔ الفاظ حِمار' حَمِیر اور حُمُر (بمعنی گدھے) کل چار مرتبہ استعمال ہوئے۔ اسی طرح لفظ بغال (بمعنی خچر) صرف ایک مرتبہ سورۃ النحل کی آیت ۸ میں استعمال ہوا۔ قربانی کے جانور جنہیں ھَدْی'' کہا گیا اور جن کا ذکر سورۃ المائدۃ کی آیات ۲ اور ۹۷ میں ہوا' غالباً اُن سے مراد بھیڑ اور اونٹ ہیں۔ لفظ خِنزیر (جمع خنازیر) اور کَلب (بمعنی کتا) میں سے ہر ایک کا قرآن مجید میں استعمال پانچ پانچ مرتبہ ہوا اور مُکَلِّبِین کا لفظ جو سورۃ المائدۃ کی آیت ۴ میں آیا' اُس پانچ مرتبہ میں شامل ہے۔''

''قرآن مجید میں وحشی جانوروں کا ذکر بھی ہے۔ مثلاً:

(i) شکار کئے ہوئے جانور (صَیْد) کا ذکر چار مرتبہ ہوا (سورۃ المائدۃ کی آیات ۹۴' ۹۵ میں ایک ایک مرتبہ اور آیت ۹۶ میں دو مرتبہ) اور ذِئب (بھیڑیئے) کا ذکر تین مرتبہ ہوا (سورہ یوسف کی آیات ۱۳' ۱۴ میں ایک ایک بار اور آیت ۱۷ میں ایک بار)۔

(ii) سَبُع (شکاری جانور۔ سورۃ المائدۃ کی آیت ۳ میں)' قَسْوَرَۃ (شیر۔ سورۃ المدثر کی آیت ۵۱ میں)' اَلْفِیل (بمعنی ہاتھی' سورۃ الفیل کی اوّل آیت میں) ایک ایک مرتبہ استعمال ہوئے جبکہ لفظ قِرَدَۃ (بمعنی بندر) قرآنِ حکیم میں تین مرتبہ استعمال ہوا ہے (سورۃ البقرۃ: ۶۵؛ سورۃ المائدۃ: ۶۰؛ سورۃ الاعراف: ۱۶۶ ہر ایک میں ایک ایک بار)
(انسائیکلوپیڈیا آف دی قرآن' جلد اوّل)

(۴) آبی جانور (Aquatic): جو پانی میں یا پانی کے قریب رہتے ہیں جیسے کچھوا' مچھلی وغیرہ۔ ان کا ذکر اوپر سورۃ النحل کی آیت ۱۴ میں ہو چکا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

محتویات (CONTENTS)

عمومی طور پر مچھلی کے لئے لفظ حُــوت (جو سورۃ الکھف کی آیت ۶۱ میں اور سورۃ الصّٰفّٰت کی آیت ۱۴۲ میں استعمال ہوا) اور حِیتـــــان ہیں (جو سورۃ الاعراف کی آیت ۱۶۳ میں استعمال ہوا)۔ ایک خاص قسم کی وہیل مچھلی "نـــون" کے نام سے سورۃ الانبیاء کی آیت ۸۷ میں بیان ہوئی ہے جس نے یونس علیہ السلام کو نگل لیا تھا' اگرچہ سورۃ الصّٰفّٰت کی آیت ۱۴۲ میں حُوت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

(۵) پرندے (Birds): جیسے چیل' عقاب' طوطا' چڑیا' گِدھ' ہُد ہُد' ٹڈی وغیرہ۔ ان کا ذکر سورۃ النّحل کی آیت ۷۹' اور سورۃ المُلک کی آیت ۱۹ میں ہوا۔

علم الطّیور (Ornithology) کے حوالے سے قرآنِ حکیم میں پرندوں کا ذکر بکثرت آیا ہے۔ مثلاً سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۶۰ میں' سورہ آلِ عمران کی آیت ۴۹ میں' سورۃ الانعام کی آیت ۳۸ میں' سورۃ النّحل کی آیت ۷۹ میں' سورۃ الاسراء کی آیت ۱۳ میں' سورۃ الحج کی آیت ۳۱ میں' سورۃ النّمل کی آیت ۲۰ میں اور سورۃ الملک کی آیت ۱۹ میں۔ حضرات ابراہیم' یوسف' داؤد اور سلیمان علیہم السلام کی حکایات میں پرندوں کا ذکر ملتا ہے۔ لفظ طیر اور طائر کے ساتھ پرندوں کا ذکر قرآن میں چوبیس مرتبہ ہوا ہے۔ سورۃ الاسراء کی آیت ۱۳ میں لفظ طیر شگون کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

پرندوں کی خاص الخاص اقسام کے حوالہ جات بھی قرآن مجید میں ملتے ہیں۔ مثلاً سَلویٰ (بٹیر کی ایک قسم) کا ذکر سورۃ البقرۃ کی آیت ۵۷ میں اور سورۃ الاعراف کی آیت ۱۶۰ میں' ہُد ہُد کا ذکر سورۃ النّمل کی آیت ۲۰ میں صرف ایک ایک مرتبہ ہوا ہے۔ لفظ غُـراب (بمعنی کوّا) دو جگہ آیا: ایک سورۃ المائدۃ کی آیت ۳۱ میں اور دوسرا سورہ فاطر کی آیت ۲۷ میں (یہ لفظ غَرابیب: جو غُراب کی جمع ہے)۔ اَبَـابیل (بمعنی پرندوں کے غول) کا ذکر سورۃ الفیل کی اوّل آیت میں آیا ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا آف دی قرآن' ج ۱' ص ص ۹۳ تا ۱۰۱) مطبوعہ ۲۰۰۲' مضمون نگار: Herbert Eisentein

<u>ایک اہم سوال اور اُس کا جواب</u>: اس کی کیا وجہ کہ صرف پانچ قسم کے جانوروں کا ذکر کیا گیا حالانکہ بہت سے حشرات اور کیڑے مکوڑے چار سے زیادہ پیر والے ہیں تو اُن کا ذکر کیوں نہ فرمایا؟

اِس سوال کے چار جواب ہیں: (۱) حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آیت میں اَربَع کا معنی اَکـثـر ہے۔ اَربَع اسم تفضیل ہے رُبَع "کا برائے مبالغہ اور آیت کا ترجمہ ہوا: کچھ جانور پیٹ کے بل چلتے ہیں' کچھ دو پیروں پر اور کچھ زیادہ پر' چار ہوں یا اس سے زیادہ۔ اس لئے صرف اَربَع فرمایا گیا نہ کہ اَربَع رِجَـال (تفسیر قرطبی بحوالہ تفسیر نعیمی' ج ۱۷' ص ۶۵۷) (۲) چار سے زیادہ حیوانات کا ذکر یَـخلُقُ اللّٰہُ مَـا یَشـاءُ (النّور: ۴۵) میں ہی آ گیا اور بتایا گیا کہ اِن مذکورہ جانوروں کے علاوہ بھی وہ پیدا فرماتا ہے جتنے پاؤں والے وہ چاہے۔ رب تعالیٰ نے کچھ ایسے کیڑے بھی پیدا فرمائے ہیں جنھیں تین پَیر اور دو آریں دی گئی ہیں۔ وہ بہت تیز چلتے بھی ہیں اور اپنی آریوں سے پتے اور پھل کاٹتے بھی ہیں۔ (۳) آیت مذکورہ میں صرف تین قسموں کا ذکر بہ لحاظ ظاہریت اور اکثریتِ تعداد کیا گیا کہ جنھیں انسان ہر وقت بہ کثرت دیکھتا اور

جاتا ہے وہ صرف تین قسم کے ہیں۔(۴) چلنے کے پاؤں صرف دو یا چار ہی ہوتے ہیں: دو آگے اور دو پیچھے۔ باقی پَر صرف سہارا اور دیگر ضروریات کے لئے ہیں مثلاً آری‘ کلہاڑی وغیرہ کی جگہ۔ ان تین قسموں کی ہر جگہ کثرت ہے اور سب انسان ان سے واقف ہیں۔ دیگر زائد پاؤں والے نہ ہر جگہ موجود اور نہ کثیر اور نہ ہی انسان اُن سے واقف‘ اس لئے اُن کے ذکر کی ضرورت نہ تھی۔ (تفسیر نعیمی‘ ج ۱۷‘ ص ۶۵۷)

’’دنیا میں پرندوں کی تقریباً نو ہزار اَقسام ہیں۔‘‘ (Funk & Wagnalls New Encyclopedia of Science, Vol. 3, p. 179)

<u>پرندوں کی اَقسام از روئے علم الطیور</u>: مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) <u>پانی اور خشکی دونوں پر رہنے والے پرندے (Amphibians)</u>: جیسے مینڈک‘ آبی چھپکلی‘ آبی مینڈک‘ سانپ‘ کچھوا اور سنگ پشت۔ مینڈک کا اشارہ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۳۳ میں اور سانپ اور اژدہے کا اشارہ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۰۷ میں‘ سورۃ الشعراء کی آیت ۳۲ میں اور سورۃ النمل کی آیت ۱۰ میں ہوا۔

(۲) <u>رینگنے والے پرندے (Reptilia)</u>: جن کی عام مثالیں چھپکلی‘ کچھوا‘ مگرمچھ اور سانپ ہیں۔ رینگنے والے تمام جانوروں کو ارضی مخلوق بھی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے انڈے زمین پر دیتے ہیں۔

(۳) <u>سرد خون کے پرندے: (Cold-blooded Animals</u> تمام (Amphibians) اور مچھلیاں سرد خون کے جانور ہیں۔

(۴) <u>گرم خون کے پرندے (Aves)</u>: پرندوں کا ایک امتیازی پہلو اُن کے پروں کا ہونا ہے۔ اُن کے اگلے اعضاء کو پَروں میں بدل دیا گیا اور وہ دو پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہیں۔ دانتوں بغیر اُن کی چونچ ہوتی ہے۔ پرندے اپنی جسمانی حرارت مسلسل قائم رکھتے ہیں اور اسی لئے اُنہیں گرم خون کے جانور کہا جاتا ہے۔ وہ انڈے دیتے ہیں جن کی زردی خاصی ہوتی ہیں۔ پرندوں کو دو بڑے گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: (الف) <u>تیز دوڑنے والے پرندے</u>: ان کی ٹانگیں بڑی مضبوط ہوتی ہیں اور وہ بہت ہی تیز بھاگتے ہیں۔ وہ اُڑ سکنے کے قابل نہیں ہوتے کیونکہ اُن کے پَر بہت کمزور ہوتے ہیں۔ اس گروہ میں شترمرغ اور کیوی (Kiwi) جانی پہچانی مثالیں ہیں۔ شترمرغ تقریباً دو میٹر لمبے قد کا ہوتا ہے اور اس کی مادہ بڑے جسیم انڈے دیتی ہے۔ یہ جانور افریقہ میں پایا جاتا ہے۔ کیوی (Kiwi) نیوزی لینڈ میں پایا جاتا ہے۔ اس کی چونچ لمبی اور پَر بالوں کی طرح ہوتے ہیں۔ (ب) <u>اُڑنے والے پرندے</u>: پرندوں کا یہ گروہ سب سے زیادہ کثیر التعداد ہے۔ اُڑنے کے لئے اُن کے پَروں پر باریک ریشے ہوتے ہیں اور اُن کی پرواز کے اعصاب مضبوط ہوتے ہیں۔ اُن کی ہڈیاں خالی خولی ہوتی ہیں جو اُنہیں اُڑنے میں مدد دیتی ہیں۔ اُن کا نظامِ تنفس (سانس لینے کا عمل) اور دورانِ خون کا نظام خاصا ترقی یافتہ ہوتا ہے۔ کچھ پرندے پانی میں بھی رہ سکتے ہیں اور ایسے پرندوں کے پنجے جھلی دار ہوتے ہیں۔

(۵) ممالیہ پرندے (Mammals): یہ پستانی طبقے کے پرندے بھی کہلاتے ہیں۔ اُن کے جسموں پر بال ہوتے ہیں اور اُن کی مادہ اپنے بچوں کو (اپنی چھاتی سے) دودھ پلاتی ہے۔ ممالیہ پرندے اپنی جسمانی حرارت کو قائم رکھتے ہیں اور اسی لئے وہ گرم خون کے ہوتے ہیں۔ اُنہیں تین بڑے ذیلی گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: (i) انڈے دینے والے ممالئے جیسے (Duckbill) اور چیونٹیوں کا کھانے والا خاردار پرندہ۔ (ii) کیسہ بردار ممالیے Pouched Mammals: یہ پرندے ناپختہ بچوں کو جنم دیتے ہیں۔ چونکہ وہ بچے جسمانی طور پر کمزور ہوتے ہیں' اس لئے ان کی ماں اُنہیں اپنے پیٹ پر لگے ہوئے کیسے میں رکھتی ہے جب تک کہ وہ پوری طرح نشوونما پا نہیں جاتے اور مضبوط نہیں ہو جاتے۔ کنگرو' Opossum جس کی دُم گرفت دار ہوتی ہے اور ہاتھوں کی ساخت ایسی کہ انگوٹھا اپنے ساتھ کی انگلیوں کو چھو سکتا ہے (Oxford English Urdu Dictionary by Shan-ul-Haq Haqqi, p. 1137) اور آسٹریلیا کا کوالہ ریچھ کیسہ بردار (جس کی پوستین بھوری ہوتی ہے اور وہ یوکلپٹس کے پتوں پر گزارہ کرتا ہے) ممالیہ کی مثالیں ہیں۔ (iii) مدوی ممالیے (Placental Mammals): اِن ممالیہ جانوروں میں اُن کا بچہ اپنی ماں کے جسم ہی میں مکمل نشوونما پاتا ہے۔ پیدائش کے بعد بچہ ماں کے دودھ پر پل کر بڑا ہوتا ہے۔ مدوی ممالیوں کو کئی گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مثلاً کیڑے مکوڑے کھانے والے ممالیے' پوپلے (Edentate) ممالیے جن کے دانت نہیں ہوتے یا کم ہوتے ہیں' جیسے چوہا اور گلہری۔ (iv) موش کی نسل کے ممالیے (Rodent Mammals) جو مضبوط نکیلے کیلوں والے مگر کچلیوں کے بغیر ہوتے ہیں' (v) اُڑنے والے ممالیے جیسے چمگادڑ' (vi) اعلیٰ ترقی یافتہ دماغ والے ممالیے جیسے بندر' گوریلا (جو عظیم الجثہ انسان نما بوزنہ ہوتا ہے۔ اس کا سر بڑا' گردن چھوٹی اور دہانہ چوڑا ہوتا ہے۔ وسطی افریقہ میں پایا جاتا ہے)۔ (vii) سم دار (Hoofed) ممالیے: جو سبزی خور ہوتے ہیں اور اُن میں سے کچھ تو انسانوں کے بڑے کام آتے ہیں۔ ان کی عام مثالیں گائے' بھینس' بکری' گھوڑا' زرافہ اور گینڈا ہیں۔ وہ اپنی خوراک اپنے پیٹ میں ذخیرہ کرتے ہیں۔ (viii) دوسرے جانوروں پر پلنے والے ممالیے (Carnivores Mammals): یعنی دوسرے جانوروں کا شکار کر کے وہ اپنا گزارہ کرتے ہیں۔ مثالیں کتا' بلی' دریائی بچھڑا (بحر الکاہل میں پایا جانے والا)' سگ ماہی (Seals) جس کے پاؤں جھلی دار ہوتے ہیں۔ (ix) سونڈ والے ممالیے جیسے ہاتھی (x) مچھلی نما ممالیے جیسے ڈالفن اور وہیل۔ ڈالفن مچھلی بڑی ذہین ہوتی ہے اور انسان سے مانوس ہو جاتی ہے۔

جانوروں کی اقسام بہ لحاظ اُن کی غذائیت: مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) سبزی خور جانور (Herbivores): اُن کی زندگی کا انحصار درختوں کے پتوں پر ہوتا ہے جو وہ بطور خوراک لیتے ہیں۔ بھیڑ بکریاں' گھوڑے اور ہرن جیسے مویشی گھاس کھاتے ہیں اور ایسی خوراک کے پیسنے کے لئے اُن کے دانت ہوتے ہیں۔ کئی پرندے بیج کھاتے ہیں جیسے کبوتر اور چڑیا۔ طوطا جیسے پھل کھانے والے پرندے بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔

(۲) ہر طرح کی غذا کھانے والے جانور (Omnivores): جانوروں کا یہ گروہ مختلف قسم کے پھل اور سبزیاں کھاتا ہے۔ انسان بھی اسی قسم سے ہے کہ وہ مختلف قسم کے گوشت' سبزیاں اور پھل کھاتا ہے۔

(۳) دوسرے جانوروں پر پلنے والے جانور (Carnivores): جیسے کتا اور شیر۔ وہ اپنے شکار کو اپنے تیز اور نوکیلے دانتوں کی مدد سے جنہیں (Canines) کہا جاتا ہے' پھاڑ ڈالتے ہیں۔ مینڈک کی گزر بسر کیڑوں مکوڑوں پر ہوتی ہے اس لئے وہ بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔

(۴) طفیلی جانور (Parasites): وہ جانور جن کی گزر بسر دوسرے جانداروں کے گوشت پوست پر ہوتی ہے' طفیلی جانور کہلاتے ہیں۔ کچھ طفیلی جانوروں کی گزر بسر شکار کے خارجی حصے پر جبکہ کچھ طفیلی جانوروں کی گزر بسر شکار کے اندرونی حصوں (جیسے آنتیں' خون) پر ہوتی ہے۔ جونک اور مچھر اول الذکر زمرے میں' جبکہ ملیریائی مچھر' کیچوا (Tape Worm) اور کرم جگر (Liver-fluke) مؤخر الذکر زمرے میں یعنی اندرونی طفیلیے ہیں۔ اکثر طفیلی جانور اپنے شکار کے لئے مہلک نہیں ہوتے اگرچہ شکار خاصا کمزور ہو جاتا ہے۔

(۵) ہم باش جانور (Symbionts) (کسی دوسرے کے ساتھ مل کر رہنے والا): یہ جانور بھی اپنی غذا دوسرے جانوروں سے حاصل کرتے ہیں۔ طفیلیوں اور ان میں اتنا فرق ہے کہ یہ ہم باش جہاں اپنے شکار سے غذا لیتے ہیں تو وہاں اپنے شکار کو کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور دیتے ہیں۔

جانوروں میں تولید کا عمل (Reproduction): قرآن مجید نے اس موضوع کو خلاصۃً یوں بیان کیا ہے:

خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى ٥ مِنْ نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنٰى ٥ (اَلنَّجم: ۴۵' ۴۶)

''اسی نے نر اور مادہ دونوں جنسوں کو نطفہ سے پیدا کیا جب وہ ٹپکایا جاتا ہے۔''

آیت ایک حیاتیاتی حقیقت کو بیان کر رہی ہے کہ تولید کے لئے پانی (نطفہ) کی ایک معمولی بوند ہی کافی ہے۔

''تمام فقاریہ (ریڑھ کی ہڈی رکھنے والے جانور) اور غیر فقاریہ جانوروں میں تولید (جننے جنانے) کا عمل جنسی ہوتا ہے۔ اکثر غیر فقاری جانوروں' مچھلی' پانی اور خشکی دونوں پر رہنے والے جانوروں میں تولیدی عمل مادہ کے جسم سے باہر ہوتا ہے جسے خارجی تولیدی عمل کہتے ہیں۔ اکثر حالات میں مادہ انڈے دیتی ہے اور نر ان انڈوں کے نزدیک یا انڈوں کی بالائی سطح پر تخم (نطفہ) چھوڑتا ہے۔ خارجی تولیدی عمل میں کچھ بالغ تولیدی خلیے (Gametes) تولیدی عمل سے پہلے ہی مر جاتے ہیں بلکہ اکثر اوقات ان بالغ تولیدی خلیوں کو دوسرے جانور کھا جاتے ہیں۔ انہی وجوہ کی بنا پر خارجی عملِ تولید کرنے والے جانور داخلی عملِ تولید کرنے والے جانوروں کی نسبت زیادہ انڈے دیتے ہیں کیونکہ زیادہ تعداد میں انڈے اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ کم از کم ان میں سے کچھ میں تو تولیدی عمل ضرور ہوگا۔ اصولی طور پر خارجی عملِ تولید کرنے والے جانور اپنے بچوں کی طرف اول تو توجہ دیتے نہیں' یا اگر دیتے ہیں تو بہت ہی کم۔''

''عمدہ قسم کے جانوروں میں سے اکثر میں عملِ تولید' مادہ (مؤنث) کے جسم کے اندر ہوتا ہے جسے داخلی عملِ تولید

کہتے ہیں۔ تقریباً تمام رینگنے والے جانوروں، پرندوں اور جانوروں میں عملِ تولید داخلی ہوتا ہے۔ اکثر اوقات نر کا آلہِ تناسل باہر نکلا ہوتا ہے جو مادہ (مؤنث) کے جسم کے اندر ڈالا جا سکتا ہے۔ نطفہ آلہِ تناسل کے ذریعے سفر کرتا ہے اور مادہ کے جسم کے اندر ایک سوراخ میں ٹپکتا ہے جو اُس نطفے کو تولیدی اعضاء کی طرف لے جاتا ہے۔''

''اکثر پرندوں میں اگرچہ وہ داخلی عملِ تولید کرتے ہیں، آلہِ تناسل نہیں ہوتا۔ اس کی بجائے نر اور مادہ دونوں میں کلوکا (Cloaca) نامی ایک جنسی سوراخ ہوتا ہے۔ یہ جنسی سوراخ بالغ تولیدی خلیوں اور فضلات کو وصول کرتا ہے۔ جب پرندے جفتی کرتے ہیں تو وہ اپنے سوراخ ایک ساتھ اکٹھے کر لیتے ہیں۔ نطفہ نر کے سوراخ سے چل کر مادہ کے سوراخ تک پہنچتا ہے۔ مادہ کے سوراخ کے اندر نطفہ ٹھہر جاتا ہے اور انڈوں کو بار آور کر دیتا ہے۔ جب پرندہ انڈے دیتا ہے تو عموماً وہ انڈے پہلے ہی سے بار آور ہو چکے ہوتے ہیں۔'' (Funk & Wagnalls New Encyclopedia, Vol. 17, p. 1432)

<u>جانوروں کے طبقات اور گروہ (Communities)</u>: ان کی بابت قرآن مجید یوں فرماتا ہے:۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طَآئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ (الانعام: ۳۸)

''اور جو بھی پرندا اپنے دونوں بازوؤں سے اُڑنے والا ہے، وہ سب تمہاری ہی طرح کے گروہ ہیں۔''

چرندوں، پرندوں اور انسانوں کے مابین مماثلت میں چند قول ہیں (۱) زندگی، موت، غذا اور جسمانی اعضاء میں۔ (۲) ضروریاتِ زندگی کے محتاج ہونے میں (۳) سمجھ و شعور رکھنے میں [تفصیل ملاحظہ ہو تفسیر نعیمی ج ۷، ص ۳۲۱] (۴) رب تعالیٰ کی معرفت میں (۵) رب تعالیٰ کے زیرِ فرمان ہونے میں (۶) اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سے حصہ پانے میں (۷) رب تعالیٰ کی حمد، تسبیح و تہلیل اور عبادت کرنے میں (۸) روزِ قیامت اٹھنے، حساب لئے جانے اور سزا پانے میں (۹) حضور ﷺ کی رحمت میں سے حصہ پانے میں (۱۰) حضور ﷺ کی امت ہونے میں۔ خیال رہے کہ جن و انس کے سوا کسی مخلوق میں کافر، مشرک حضور ﷺ کے دشمن نہیں۔ ان دو جماعتوں کے سوا تمام مخلوق موحّد اور حضور ﷺ کی فرمانبردار اور رب تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرنے والی ہے جس پر قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ شاہد ہیں۔ پرندوں، پتھروں اور لکڑیوں سے حضور ﷺ کا کلمہ شریف سنا گیا ہے۔
(تفسیر نعیمی، ج ۷، ص ۳۱۶)

<u>نوٹ ضروری</u>: (۱) جب سارے جانور ہم جیسے ہیں تو پھر انسان اشرف الخلق کیسے ہوا کہ رب نے فرمایا کہ ہم نے بنی آدم کو فضیلت بخشی (سورۃ الاسراء: ۷۰) جواباً تحریر ہے کہ اس اشرفیت کی بہت وجوہ ہیں: رب تعالیٰ کی امانت کا حامل ہونا (سورۃ الاحزاب: ۷۲)، شرعی احکام پر عامل ہونا، عشقِ الٰہی کا مرکز ہونا اور سب سے بڑھ کر عالیشان بات یہ کہ انبیائے کرام خصوصاً محمد رسول اللہ ﷺ کا نوعِ بشریت میں جلوہ گر ہونا۔ (تفسیر نعیمی ص ۳۲۳) (۲) سورۃ الاسراء کی آیت ۱۳ میں طائر کا لفظ انسان کے اعمال یا اعمال کے بدلے کے معنی میں آیا، اس لئے یہاں طائر کے ساتھ یَطِیْرُ فرمایا گیا تا کہ معلوم ہو کہ یہاں طائر سے مراد پرندہ ہے (روح المعانی، تفسیر کبیر) (۳) چمگادڑ کے سوا تمام پرندے دو پروں ہی سے اُڑتے ہیں، اس لئے یہاں پروں سے اُڑنے کا ذکر ہوا۔ لہٰذا اس سے چمگادڑ خارج نہیں۔ آیت میں محسوس مخلوقات کا ذکر ہوا، غیر محسوس (جنات، فرشتوں) کا نہیں اگرچہ بن دیکھے اُن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ چونکہ یہ محسوس پرندے دو پروں ہی سے اُڑتے ہیں، زیادہ یا

کم سے نہیں اس لئے جَنَاحَینِ تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوا۔ فرشتوں کے پر دو سے بھی زیادہ ہیں (سورۃ فاطر:۱)

جانوروں کا سدھانا (Taming): سُورۃُ البَقَرۃ کی آیت ۲۶۰ اور سُورۃُ النَّمل کی آیت ۱۷ سے ثابت ہے۔

اونٹ کی تخلیق میں رازہائے سربستہ: سورۃُ الغَاشِیَۃ کی آیت ۱۷ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ٥ (۸۸:۱۷)

''یہ لوگ کیا اونٹ پر نظر نہیں کرتے کہ وہ کیسی (عجیب) طرح پیدا کیا گیا ہے۔''

سورۃُ الغاشِیۃ کی ابتدائی ۱۶ آیات بروزِ قیامت کافروں اور ملحدوں کی ذلت و نکبت اور مومنین پر عنایاتِ الٰہیہ کو بیان کرتی ہیں۔ اسی سورۃ کی آیات ۱۷ تا ۲۰ میں اِلٰہی نظام اور خالقِ کائنات کی حیران کن تخلیقات کی مثال ہے۔ اِن میں پہلی مثال اونٹ کی دی گئی ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ الٰہیاتی عقلِ کل کے کچھ رازہائے سربستہ اونٹ کی تکوین میں بھی موجود ہیں۔

یہاں ایک اہم سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور توحید کے منوانے میں اونٹ کے ذکر کو کیوں منتخب فرمایا اور یہ کہ اس کی تخلیق میں وہ کون سے راز ہیں جن کی طرف انسانی توجہ مبذول کرائی گئی۔ مندرجہ ذیل تفصیل اس کی وضاحت کرے گی:

سورۃ النحل کی آیات ۵ تا ۸ میں اور سورہ یٰسٓ کی آیات ۷۱ تا ۷۳ میں مویشیوں کو پیدا کرنے کے یہ فوائد بیان فرمائے کہ تم اُن پر سواری کرتے ہو' اُن کا گوشت کھاتے ہو' اُن کی اون اور بالوں سے لباس اور ٹوپیاں بناتے ہو' اُن کا حسن و جمال دیکھ کر تمہیں خوشی ہوتی ہے اور وہ تمہارے باربرداری کے کام آتے ہیں۔ ان میں سے بعض کا تم دودھ پیتے ہو اور یہ تمام فوائد اونٹ کے اندر باقی تمام جانوروں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہیں کیونکہ اگر حلال جانوروں کے گوشت کھانے کا فائدہ دیکھا جائے تو اونٹ کا گوشت سب سے زیادہ ہوتا ہے اور اگر دودھ پینے کا فائدہ دیکھا جائے تو اونٹنی کا دودھ سب سے زیادہ ہوتا ہے اور اگر جانوروں پر سوار ہو کر قطعِ مسافت کو دیکھا جائے تو ریگستانی علاقوں میں اونٹ سب سے زیادہ مسافت طے کرتا ہے بلکہ اُن علاقوں میں صرف اونٹ ہی کے ذریعے سفر کیا جاتا ہے۔ باربرداری کے لحاظ سے اونٹ تمام جانوروں سے زیادہ بوجھ اٹھاتا ہے اور عربوں کے ہاں تمام جانوروں سے زیادہ اونٹ کی وقعت اور اہمیت ہے۔ اسی وجہ سے اُنہوں نے کسی انسان کو خطاً قتل کرنے کی دیت سو اونٹ مقرر کی ہے۔ نیز اونٹ دوسرے جانوروں کی نسبت کئی کئی دن کی خوراک کو اپنے اندر ذخیرہ کر لیتا ہے اور بغیر کھائے پیئے لمبے عرصہ تک سفر کرتا رہتا ہے' اسی لئے اُسے ''صحرائی جہاز'' (Ship of the Desert) کہا جاتا ہے۔ نیز یہ بہت آسانی سے سدھایا جاتا ہے اور بہت اطاعت گزار ہے' اس کی نکیل کی رسی کو پکڑ کر ایک بچہ بھی اُسے جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے۔ اُس کی ایک اور خصوصیت یہ بھی ہے کہ سواری کے دوسرے جانوروں پر جب کوئی سوار ہوتا ہے تو وہ بیٹھتے نہیں بلکہ کھڑے رہتے ہیں اور یہ سواری کے وقت بیٹھ جاتا ہے۔ اس کی گردن لمبی' اُس کے پاؤں نرم گدیلے' اس کے سینہ کے نیچے ایک چکی سی بنی ہوتی ہے۔ وہ جڑی بوٹیاں جو دوسرے جانور نہیں کھاتے' اُنہیں کھا کر یہ اپنا پیٹ بھر لیتا ہے۔ الغرض اس کی جس چیز میں آپ غور کریں گے' آپ کو اپنے رب کی حکمتوں کے اَن گنت جلوے نظر آئیں گے۔

اونٹ کی منفرد امتیازی خصوصیات مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر نظریہ ارتقاء (Theory of Evolution) کی تردید کرتی ہیں:۔

(۱) اونٹ ایک عظیم الجثہ سبزی خور جانور ہے۔ اگر اونٹ ممالیہ جانوروں میں سے ہوتا جیسا کہ نظریہ ارتقاء کے حامیوں کا کہنا ہے، تو اُسے جنگلوں میں رہنا چاہئے تھا۔ اور اگر غلطی سے وہ صحراؤں میں رہ بھی جاتا تو اُسے ناپید جسیم ہاتھیوں اور معدوم شدہ جانوروں کی طرح صفحۂ ہستی سے ناپید ہو جانا چاہئے تھا۔ کیونکہ نظریہ ارتقاء کے حامیوں کے مطابق جنگلات کا ختم ہونا مؤخر الذکر کے معدوم ہونے کا سبب بن گیا۔ اونٹ کا وجود بڑے سبزی خور جانوروں کے لئے ''قدرتی انتخاب'' کے نظریہ کی تردید کرتا ہے۔''

(۲) ''نظریہ ارتقاء کے حامیوں کے مطابق وہ جانور جنہیں تحفظ حاصل نہیں، ''تنازع للبقاء'' میں صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جاتے ہیں۔ اونٹ کو بھی کوئی قدرتی تحفظ حاصل نہیں، اس کے باوجود وہ شیروں کے رہنے کی طرح ہزارہا سالوں سے صحراؤں اور جنگلات میں رہتا چلا آرہا ہے۔''

(۳) ''اپنے وجود کے ہر لمحہ میں اونٹ اپنی بڑی صاف و شفاف آنکھیں ارتقائیوں پر کھول کر اُن کا مذاق اُڑاتا ہے۔''

اونٹ کی کچھ منفرد اور عجیب حیاتیاتی خصوصیات

(۱) بالخصوص جانور حیاتین (Vitamins) پودوں سے حاصل کرتے ہیں جبکہ اونٹ حیاتین خود بناتا ہے۔

(۲) تمام جانوروں کے جسموں میں پانی کے ذرّات (Molecules) سات سے چودہ دن تک رہتے ہیں اور اگر وہ تازہ ذرّات سے بدلے نہیں جا سکتے تو جسم لازمی طور پر مر جاتا ہے۔ جبکہ اونٹ میں پانی کے ذرّات اپنی پُراسرار خصوصیت پچاس دن تک محفوظ رکھتے ہیں۔

(۳) عظیم الجثہ اور قد آور جانور ہونے کے باوجود اونٹ غیر معمولی طور پر حساس اور تابع فرمان ہوتا ہے۔ شکرے اور شیر کی طرح صحرا اور جنگل میں رہنے والے جانور کو تندخو ہونا چاہئے اور تمام جذبات سے عاری ہونا چاہئے۔ اونٹ نے ہر زمانے میں اِس خصوصیت کو ملحدون اور ارتقائیوں کے منہ پر دے مارا ہے۔

دوسرے اوصاف کے علاوہ اونٹ میں تین نمایاں اوصاف اہم ہیں:

(۱) صبر و استقلال صرف اونٹ میں پایا جاتا ہے۔ جنت کی نعمتوں کے ذکر کے فوراً بعد سورۃ الغاشیۃ کی آیت مذکورہ (۱۷) میں اونٹ کی مثال پیش کرنے کی واحد وجہ صبر کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے۔

(۲) اونٹ کی دوسری خصوصیت اُس کی موسیقائی جمالیات (Musical Aesthetics) ہے۔ اپنے ماحول سے آنے والی دل آویز آوازوں یا انسانوں کی بھلی آوازوں سے وہ خوش ہوتا ہے۔

(۳) دوسرے جانوروں کے برعکس اُسے ذخیرۂ یادداشت کا نظام حاصل ہے۔ اُسے دیکھی ہوئی چیز کبھی نہیں بھولتی۔ خالقِ کائنات نے اُسے یہ خصوصیت اس لئے عطا کی ہے کہ وہ انسان کی بہتر سے بہتر خدمت کر سکے۔

''<u>شہد کی مکھیوں کے چھتے میں فنِ تعمیر کے عجائبات</u> : شہد کی مکھیاں اپنی ضروریات سے زائد شہد تیار کر کے اپنے چھتے میں جمع کر لیتی ہیں۔ اُن کے چھتے کی مسدّسی ساخت سے ہر ایک آگاہ ہے' مگر قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ شہد کی مکھیاں اپنے چھتے کے لئے مسدّسی (hexagonal) طرز ہی کیوں اختیار کرتی ہیں' مثمنی (octagonal) یا مخمسی (pentagonal) طرز کیوں نہیں؟''

''ماہرینِ ریاضیات اِس سوال پر غور کرتے ہوئے دلچسپ نتائج تک پہنچے ہیں۔ اُن کے مطابق مسدّس وہ واحد شکل ہے جس کے ذریعے زیادہ سے زیادہ جگہ کا احاطہ کیا جا سکتا ہے۔ اِس تعمیر کے لئے بھی کم سے کم موم کی ضرورت پڑتی ہے جبکہ اس میں شہد کی زیادہ سے زیادہ مقدار کو ذخیرہ کیا جا سکتا ہے۔ چھتے کی تعمیر میں مکھیاں جو طریقہ استعمال کرتی ہیں' وہ بھی حیرت انگیز ہے۔ مکھیاں بہ یک وقت دو تین اطراف سے تعمیر شروع کر دیتی ہیں اور دو تین حصوں میں اُسے مکمل کرتی ہیں۔ اگرچہ چھتے کی تعمیر مختلف اطراف سے شروع کی جاتی ہے' دو مختلف مکھیاں ہوتے ہوئے بھی اس کے خانوں کا حجم ایک سا ہوتا ہے اور درمیان میں آ کر سب مکھیاں چھتے کو ملا دیتی ہیں۔ مسدّسی چھتے کے درمیانی مقام کا ملاپ اتنی مہارت سے کیا جاتا ہے کہ اِس بات کا کوئی نشان نظر نہیں آتا کہ چھتے کو یہاں آخر میں ملا دیا گیا ہے۔''

''اس غیر معمولی انجام دہی سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ کوئی ایسی طاقت ہے جو مکھیوں کو تعمیر میں ترتیب و نظم قائم رکھنے کے لئے رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ ماہرینِ ارتقاء شاید اسے جبلّت (Instinct) کا شاخسانہ قرار دیں اور اسے مکھیوں کی عام خصوصیت قرار دے ڈالیں' مگر پھر بھی اگر جبلّت کے تحت ہی مکھیاں کام کریں تو بھی ایک دوسرے سے مطلع ہوئے بغیر ایک نظم کے تحت اُن کا کام کرنا ہمیں ایک ایسی حکمت و ہدایت کی طرف متوجہ کرتا ہے جو اس حقیر مخلوق کو رہنمائی فراہم کر رہی ہے۔ چودہ سو سال قبل قرآنِ حکیم نے اس حقیقت کو یوں بیان کر دیا تھا:۔

وَأَوْحٰى رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ٥ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ٥ (اَلنَّحل : ۶۸' ۶۹)

''اور آپ کے ربّ* نے شہد کی مکھی کو اِلقا کیا کہ پہاڑوں پر' درختوں پر اور ان کی اونچی عمارتوں پر جو لوگ بناتے ہیں' گھر بنا۔ پھر ہر قسم کے پھل میں سے کھا اور اپنے پالنہار کے صاف راستوں پر چلی چل۔ اُس کے بطن سے وہ پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے رنگ مختلف ہیں جس میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔ بے شک اس میں غور کرنے والوں کے لئے بڑی نشانی ہے۔''

*اصحابِ معرفت ہی اس نکتے سے بخوبی حظ اٹھا سکتے ہیں کہ رَبُّكَ کے لفظ میں ربّ ذوالجلال والاکرام کس شان سے اپنی ربوبیت کو اپنے محبوب علیہ السلام کی طرف نسبت دے رہا ہے۔ مؤلف نے پورے قرآن حکیم میں ۲۰۹ مقامات پر رَبُّكَ کے لفظ کا استخراج کیا ہے (ملاحظہ ہوں صفحات ۳۵۰۸ تا ۳۵۱۴ : جلد چہارم (حصہ انگریزی)

مندرجہ بالا آیات ۶۸ '۶۹ میں غور طلب نکتہ یہ ہے کہ اُن میں کل پانچ مقامات پر مؤنث کے صیغے استعمال ہوئے ہیں: تین تو فعل امر کے صیغوں میں (اِتَّخِذِیْ ؛ کُلِیْ ' اور اُسْلُکِیْ ') اور دو اسمائے اشارہ میں (رَبُّكِ میں كِ اور بُطُوْنِهَا میں هَا) سوال یہ ہے کہ اِن آیات میں مادہ جنس کو مخاطبِ سخن کیوں بنایا گیا ہے اور مذکر یعنی مکھی کے نر کو خطاب کیوں نہیں کیا گیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ از روئے تحقیق پھولوں سے رس چوسنے کے عمل سے لے کر چھتہ بنانے اور شہد تیار کرنے کے عمل تک نر مکھی کا ذرہ برابر بھی حصہ نہیں ہے اور یہ سارا کام مادہ مکھیاں ہی انجام دیتی ہیں' اس لئے مؤنث کے صیغے استعمال ہوئے۔

Von-Frisch نے ۱۹۷۳ء میں شہد کی مکھیوں کے انداز و اطوار اور خبر رسانی کے طریقوں پر تحقیق کر کے نوبل پرائز حاصل کیا۔ جب شہد کی مکھی کوئی نیا باغ یا پودا دریافت کرتی ہے تو واپس جا کر وہ اپنی ساتھی مکھیوں کو درست سمت اور پہنچنے کا راستہ بتاتی ہے۔ اس عمل کو ''مکھی کا رقص'' (Bee Dance) کہا جاتا ہے۔'' (قرآن اور جدید سائنس -- ڈاکٹر محمد ذاکر عبدالکریم نائیک' ص ۱۱۵)

''اپنے پالنہار کے صاف راستوں پر چلی چل'' سے مراد یہ ہے کہ ہر قسم کے پھولوں سے غذا کھانے کے بعد واپس اپنے گھر کو عاجزی اور انکساری کے ساتھ اور بغیر کسی کو ڈنک مارے اُڑتی چلی آ۔ اسی عاجزی اور تکبرانہ غصہ نہ ہونے کی وجہ سے تمام راستوں کو اس کے لئے مسخر کر دیا گیا۔ یاد رہے کہ نحل مکھی صرف پھولوں' پتوں کو چوستی ہے' پھلوں کو نہیں چوس سکتی کہ اُس کا چھلکا سخت ہوتا ہے اور چونکہ پھول سے ہی آخر میں پھل بن جاتا ہے اس لئے پھولوں کو ثمرات کہا گیا۔ پھول چوسنے کے لئے وہ تین تین میل دُور نکل جاتی ہے مگر راستہ نہیں بھولتی۔ شہد خانہ ایسا مضبوط اور محفوظ ہوتا ہے کہ آندھی' طوفان' بارش' دھول' مٹی اور اولے اندر نہیں جا سکتے۔ (تفسیر نعیمی' ج ۱۴' ص ۳۷۸)

''تمام مکھیاں گیارہ حصوں میں تقسیم ہوتی ہیں: (۱) چھتہ بنانے والا گروہ (۲) مزدور پارٹی (۳) چوکیدار گروہ (۴) ملکہ کا حفاظتی گروہ (۵) انڈوں کی حفاظتی جماعت (۶) تمام چھتہ کی صفائی کرنے والا گروہ (۷) مجرم مکھی کو گرفتار اور سزا دینے والا گروہ۔ مجرم مکھی وہ ہے جو وقتِ مقررہ سے دیر سے آئے یا کسی اور کے چھتے میں غلطی سے چلی جائے۔ وہاں سے اگر جان بچا سکے اور اپنے گھر میں آئے تو یہاں بھی جان کی خیر نہیں ہوتی۔ (۸) ذخیرۂ شہد کی حفاظتی جماعت (۹) ان گروہوں کی خوراک لانے والا گروہ (۱۰) صحافی گروہ یعنی نزدیکی پھولوں کی خبریں لانے والا گروہ (۱۱) رس چوسنے والا گروہ جو سب سے بڑا ہوتا ہے۔'' (ایضاً ص ص ۳۷۷' ۳۷۸)

''شہد کی مکھی چار قسم کی ہوتی ہے: (۱) چھوٹی مکھی (۲) بڑی مکھی (۳) پہاڑی اور جنگلی مکھی (۴) آبادی والی مکھی۔ ہر قسم اپنے ہی علاقے میں چھتہ بناتی ہے' اسی لئے آیتِ مبارکہ میں چھتہ بنانے کے لئے چار جگہوں کا ذکر ہوا: پہاڑ' درخت' بیلیں اور انسانی گھر۔'' (ایضاً)

<u>شہد کی مکھیوں کے طریقِ عمل کے مختلف پہلو</u> : شہد کی مکھیوں کی زندگی اعلیٰ طور پر منظم ہوتی ہے کہ ہر مکھی کو اپنا اپنا مجوزہ کام کرنا ہوتا ہے یوں کہ وہ ایک دوسرے کے بغیر زندہ رہ ہی نہیں سکتیں۔

''شہد کی مکھیوں میں ایک مکھی ملکہ ہوتی ہے جس کا جسم دوسری مکھیوں سے بڑا ہوتا ہے۔ باقی مکھیوں پر اُس کی حکومت ہوتی ہے اور تمام مکھیاں اس کی اطاعت کرتی ہیں۔ جب وہ سب مل کر اُڑتی ہیں تو سب اُسے اپنے اوپر اُٹھا لیتی ہیں۔ جب شہد کی مکھیاں اپنے چھتے سے روانہ ہوتی ہیں تو موسیقی سے مشابہ آوازیں نکالتی ہوئی روانہ ہوتی ہیں اور اِنہی آوازوں کے واسطے سے دوبارہ اپنے چھتے کی طرف لوٹ آتی ہیں۔'' (تبیان القرآن ۔علامہ غلام رسول سعیدی' ج ۶' ص ۴۹۴)

''مزدور مکھیاں موم خارج کرتی ہیں، شہد کا چھتہ بناتی ہیں' پھولوں کا رَس اور زرگل اکٹھا کرتی ہیں' شہد بناتی ہیں اور بوقتِ ضرورت چھتے کا دفاع کرتی ہیں۔ چھتے کا درجہ حرارت 33.9 ڈگری سی تک برقرار رکھنا بھی اُن کی ذمہ داری ہے جو کہ انڈے سینے اور بچوں کو پالنے کے لئے زیادہ سے زیادہ درجہ حرارت ہے۔ جب چھتہ بہت زیادہ گرم ہو جاتا ہے تو مکھیاں اکٹھی ہو کر اپنے پروں کے ذریعے ہوا دے کر اُسے ہوادار کر دیتی ہیں۔ سرد موسم میں وہ کمسن بچوں کی پرورش کا خیال رکھتے ہوئے یکجا ہو کر حرارت پیدا کرتی ہیں۔ سکاؤٹ نامی مزدور مکھی شہد کے چھتے پر 8 کے عدد کی شکل کا رقص کرتی ہے اور کچھ فاصلے پر واقع پھولوں کے رس کی نشان دہی کرتی ہے۔''

''مادہ مکھیاں زندگی کا آغاز ملکہ مکھی کے لئے صفائی اور اُن خلیوں کی صفائی سے کرتی ہیں جن سے وہ ابھی نکلی ہیں۔ بالغ زندگی کے پہلے تین دن مزدور مکھی چھتے کو صاف کرتی ہے۔ اس سے اگلے کئی دن وہ دوسرے پرورش پانے والے بچوں کو خوراک دینے میں گزارتی ہے۔ پھر یہ مزدور مکھی موم پیدا کرنا اور چھتوں کے خلیوں کو بنانا شروع کرتی ہے۔ چھتے بنا چکنے کے بعد یہ مزدور مکھی چھتے کے دہانے پر کھڑی ہو جاتی ہے اور دوسری مکھیوں سے جمع شدہ شہد وصول کرتی ہے۔''

''زندگی کے بیسویں دن مزدور مکھی کو نگرانی کی ڈیوٹی پر متعین کر دیا جاتا ہے اور اُن کا یہ منصب چھتے کے تخریب کاروں کو باہر نکالنا اور مُردہ مکھیوں سے چھتے کو صاف کرنا ہوتا ہے۔ بالآخر جب مزدور مکھی تین ہفتے کی ہو جاتی ہے تو وہ اپنی زندگی کے آخری چھ ہفتوں کے لئے پھولوں کا رَس تلاش کرنے والی مکھیوں کے گروہ میں شامل ہو جاتی ہے۔ رس تلاش کرنے اور اُسے جمع کرنے میں وہ اپنی باقی زندگی گزار دیتی ہے۔ موسمِ گرما کے مصروف مہینوں میں مزدور مکھی تقریباً چھ ہفتے زندہ رہتی ہے۔ موسمِ خزاں اور سرما میں جن میں اتنا کام نہیں ہوتا' وہ چھ ماہ تک زندہ رہ سکتی ہے۔''

''اِبلاغ کا مکمل ترین نظام شہد کی مکھیوں میں موجود ہوتا ہے۔ پھولوں کے رس کا نیا منبع معلوم کرنے کے بعد وہ اپنے کیسۂ شہد کو رس سے بھر لیتی ہے' رقص کرتے ہوئے چھتے کو واپس ہوتی ہے۔ اگر رَس کا منبع ایک سو میٹر کے فاصلے پر ہے' تو وہ دائرہ نما رقص کرتی ہے جس کا رخ ایک ہی طرف کو ہوتا ہے۔ چھتے میں دوسری مکھیاں اس رقص میں شامل ہو جاتی ہیں۔ اس تقریب کے دوران دوسری کام کرنے والی مکھیاں اُن پھولوں کی خوشبو سے چھتے کو مہکا دیتی ہیں جن سے رَس آیا تھا۔ پھر یہ جانتے ہوئے کہ رَس چھتے سے زیادہ دُور نہیں دوسری مکھیاں چھتے کو چھوڑ کر دائروی شکل میں اُڑتی ہیں یہاں تک کہ وہ رس کے منبع تک پہنچ جاتی ہیں۔''

شہد کی بناوٹ اور اس کی خصوصیات: جس حکمت وخوبی سے پھولوں سے چوسے ہوئے اس

راز ۔اونٹ کی کچھ منفرد اور عجیب حیاتیاتی خصوصیات ۔شہد کی مکھیوں میں فنِ تعمیر کے عجائبات ۔شہد کی مکھیوں کے طریقِ عمل کے مختلف پہلو ۔شہد کی بناوٹ اور اُس کی خصوصیات ۔مکڑی ۔جانوروں کا ذہانتی منصوبہ: بھیس بدلنا(Camouflage)۔مکڑی کا دھاگا اور حفاظتی صنعت ۔مکڑی کے دھاگے کا لوگوں کی زندگی میں مقام ۔چیونٹیاں اور اُن کا نظامِ اِبلاغ ۔

علمِ حیاتیات کے مختلف پہلو : تولیدِ حیات از غیرِ حیات(Abiogenesis)۔ حیوی ارتقاء(Bio-genesis)۔جنینی مراحل ۔خَلْقًا آخَر اور اَحْسَنُ الخَالِقِین ۔ڈی این اے ۔انسانی خلیوں میں معلومات کا ایک دفتر ۔خلیے :انسان کے تعمیراتی بلاک ۔ڈی این اے اور قرآنِ حکیم ۔بیالوجی کی اہمیت ۔پاکستان کی نباتات اور حیوانات(Fauna and Flora)۔

مذہب میں تکذیب اور افترا توہین کے مترادف ۔دعائے قنوت میں اللہ کے باغیوں سے ترکِ تعلق کا سبق ۔توہینِ رسالت کا قانون اور اُس کی سزا قرآنِ حکیم کی روشنی میں ۔ابولہب بطور گستاخِ رسول ۔عُتبہ بن ابولہب کا انجامِ بد ۔یہود اور لفظ رَاعِنَا کا استعمال ۔پیغمبر علیہ السلام کی ہر بات کے آگے سرِ تسلیم خم کر دینا ہی عین ایمان ہے ۔ولید بن مغیرہ کو گستاخیِ رسول کی سزا ۔دربارِ رسول کے آداب منزّل من اللہ ہیں ۔گستاخِ رسول کے بارے میں دربارِ نبوت کے فیصلے ۔کعب بن اشرف کا قتل اور اُس کا جواز ۔خلفائے راشدین کا گستاخانِ رسول کے ساتھ رویّہ ۔خاندانِ نبوّت اور گستاخانِ رسول ۔دَورِ بنی اُمیّہ ۔عباسی دَورِ حکومت ۔گستاخِ رسول ائمہ فقہ کی نظر میں ۔گستاخِ رسول اور اُس کی توبہ ۔شاتمِ رسول کی سزائے قتل سے انکار کا فتنہ ۔کتاب ''شتمِ رسول کا مسئلہ'' ۔مصنف کا تنقیدی محاکمہ ۔فرزندِ اقبال کی مسندِ ارشاد ۔قانونِ توہینِ رسالت ۔عالمی اور ملکی تناظر میں ۔قانونِ توہینِ رسالت کے خلاف امریکن ہیومن رائٹس رپورٹ کا تنقیدی جائزہ ۔سلمان رُشدی کا فتنہ ۔برِّصغیر پاک و ہند کے شہیدانِ ناموسِ رسالت ۔

اسلامی تعلیمات مادّہ اور روح کا حسین امتزاج ۔اسلام اور رہبانیت ۔معاملات کی درستی کے لئے قرآنی قواعد وضوابط ۔اصولِ جواز ۔جوئے اور قسمت پر مبنی تمام کھیلوں کی مذمت ۔قرعہ اندازی اور قسمت پر مبنی کھیل ۔قرعہ اندازی کا جواز قرآنِ حکیم اور سنتِ مبارکہ میں ۔غیر قانونی کاروبار ۔بیع کی اَقسام ۔دھوکہ دہی پر مبنی کاروباری معاملات ۔دلالی اور کمیشن کا جواز ۔اجارہ داری کا کاروبار (احتکار) ۔ڈمپنگ ۔مالِ مسروق کی خرید ۔سودی کاروبار ۔ربٰو کی تعریف ۔سود کی ممانعت میں حکمت ۔سود بوجہ اضطراری ضرورت ۔اشاریہ سازی (انڈیکسیشن) اور اس کے

رس کو شہد بنانے کا عمل تکمیل پاتا ہے' وہ اتنا حیرت انگیز ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ انسان اتنے علمی کمال اور صنعتی ترقی کے باوجود کوئی ایسی مشینری تیار نہیں کر سکا جس کے ذریعے وہ پھولوں وغیرہ کے رس سے شہد جیسا جوہر کشید کر سکے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ اس ننھی سی مخلوق کو یہ مہارت اور کمال کس نے سکھایا۔ یہ باقاعدگی' نظم و نسق کی پابندی' اپنے فرائض کی ادائیگی' اپنے امیر کی اطاعت' یہ فنی نزاکتیں اور اس پیچیدہ کام کو انجام دینے میں اتنی نفاستیں اِس حیوان کو کس نے تعلیم کیں؟ قرآن حکیم بتاتا ہے کہ اے محبوبِ کائنات ﷺ! یہ آپ کے رب کی تعلیم ہے اور اُسی نے یہ سارے گر' یہ سارے قاعدے اور طریق کار مکھی کو سکھا دیئے ہیں اور اُس کی عطا کردہ سمجھ بوجھ ہی سے وہ شہد جیسی نعمت بنا کر انسان کی خدمت میں پیش کرتی ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ شہد کی مکھیاں اپنی ضرورت سے کئی سوگنا زائد شہد بناتی ہیں (جس کا مقصد انسانوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانا ہے)۔

"<u>شہد بنی نوعِ انسان کے لئے شِفاء</u> : شہد کی مکھی مختلف قسم کے پھولوں کا رس چوستی ہے اور اُس رس کو اپنے جسم میں شہد بنا کر موم کے چھتے کے خانوں میں ذخیرہ کرتی ہے۔ محض دو صدیاں قبل انسان کو معلوم ہوا کہ مکھی کے پیٹ سے شہد حاصل ہوتا ہے جبکہ یہ حقیقت چودہ صدیاں قبل قرآنِ پاک نے درج ذیل آیت میں بیان کردی تھی:۔

یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَاب" مُّخْتَلِف" اَلْوَانُه' فِيْهِ شِفَآء" لِّلنَّاس (اَلنَّحل : ٦٩)

"اُس کے پیٹ سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے (یعنی شہد) اُس کے رنگ مختلف ہیں' اس میں لوگوں کے لئے شِفاء ہے۔"

کوئی شک نہیں کہ "شہد میں شفائی خصوصیات ہیں اور یہ ایک معتدل دافع عفونت (Mild Antiseptic) بھی ہے۔ دوسری جنگِ عظیم میں روسی فوجی اپنے زخموں پر شہد لگایا کرتے تھے جس سے زخم میں نمی رہتی اور وہ تندرست ہونے کے بعد بہت کم نشان چھوڑتے۔ شہد کی کثافت کے باعث Fungus اور بیکٹیریا زخم میں پنپ نہیں سکتے۔ انگلینڈ کے شِفا خانوں میں سینے کے اَمراض اور Alzeheimers جیسی ناقابلِ علاج بیماریوں میں مبتلا ۲۲ مریضوں میں بڑی ڈرامائی بہتری نظر آئی جن کا علاج ایک عیسائی راہبہ Sister Carole نے Propolis نامی مادے سے کیا تھا جو ایک ایسا مادہ ہے جسے شہد کی مکھیاں چھتے کو بیکٹیریا سے بچانے کی خاطر لیپ کرنے کے لئے پیدا کرتی ہیں۔ کسی خاص درخت سے الرجی رکھنے والے شخص کو اُسی درخت کا شہد دیا جا سکتا ہے تاکہ وہ شخص اُس الرجی کے خلاف قوتِ مدافعت پیدا کر سکے۔ شہد میں Fructose اور Vitamin K بھی کافی مقدار میں ہوتے ہیں۔" (قرآن اور جدید سائنس ـــ ڈاکٹر محمد ذاکر عبدالکریم نائیک' ص ص ۱۲۰' ۱۲۱)

"آیت ۶۹ مذکورہ کے الفاظ شَرَاب" مُّخْتَلِف" اَلْوَانُه' (مختلف رنگوں کا مشروب) میں اس بات کا اشارہ ہے کہ شہد میں مختلف کیمیائی اجزاء ہوتے ہیں۔ اُن کیمیائی اجزاء میں ایک رائل جیلی بھی ہے جو سفید رنگ کی ہوتی ہے۔ نیز اُسی آیت ۶۹ کے الفاظ یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا (اُس کے پیٹ سے نکلتی ہے) اس حقیقت کو بے نقاب کر رہے ہیں کہ شہد کی مکھی ان اجزاء کو نکال باہر نہیں کرتی بلکہ جو کچھ اُس نے پھولوں سے اکٹھا کیا ہوتا ہے' اُسے کیمیائی عمل میں لاتی ہے۔"

<u>خلیوں کو حیاتِ نَو دینے میں شہد کا اثر</u> : شہد تمام پرانے اَمراض کے لئے مفید ہے' بالخصوص جوڑوں کے پرانے درد (وجع مفاصل) میں' قلت الدم (خون کی کمی یا کھٹس کی بیماری)' جسمانی وزن میں کمی' نظامِ ہضم اور اِثنا عشری آنت (جو

معدے کے نیچے ہوتی ہے) کے ناسور میں' کافی پرانی جلدی امراض میں اور بخار سے شفایابی کے بعد بحالیِ صحت کے دَور میں مفید ہے۔ شہد کا یہ اثر Ribose (ایک مخصوص شکر)' فاسفورس' فولک ایسڈ' تمام حل پذیر حیاتین اور اُن خامروں (Enzymes) کی وجہ سے ہوتا ہے جو اُس میں موجود ہوتے ہیں۔ رائل جیلی اِس اثر کو مزید تقویت دیتی ہے بشرطیکہ اُسے شہد کے ساتھ نوش کیا جائے۔''

''صنوبر کے جنگلات کے علاقوں میں شہد کی مکھی شہد میں بہت مقوی' مُسکن (تسکین بخش) اجزاء شامل کرتی ہے۔ دوسرے علاقوں میں وہ مقوی قلب اجزاء فراہم کرتی ہے۔ تاہم یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ گروپ B کے حیاتین اور وہ شکر جو بالعموم شہد میں موجود ہوتی ہے' دل کے اعصاب کے لئے حیات آفریں غذائی اجزاء ہیں۔ یہ بات بھی معلوم ہے کہ دل کا خصوصی اعصابی نظام گروپ B کے حیاتین اور فاسفورس سے بالخصوص فائدہ اٹھاتا ہے۔ مزید برآں فاسفورس' رائبوس' فولک ایسڈ اور گروپ B کے حیاتین جو شہد کی عمومی بناوٹ میں موجود ہوتے ہیں' دماغ کو اُمول غذا فراہم کرتے ہیں۔''

''آیتِ بالا ۶۸ میں ایک اہم نکتہ وِجدان اور الٰہی وحی کے درمیان فرق کا ہے۔ وِجدان' جاننے اور دریافت کرنے کی قوت کا نام ہے۔ وحی کا اطلاق الہام پر بھی کیا جاتا ہے۔ علامہ تفتازانی الہام کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
''دل میں بہ طریقِ فیضانِ خیر کسی بات کا ڈال دینا'' (شرح عقائد نسفی۔ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی)

شہد کی مکھی کے دل میں شہد بنانے کا خیال پیدا کرنے کو وحی کے لفظ سے ازروئے لغت تعبیر کیا گیا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو وحی کی گئی (یعنی اُن کے دل میں بات ڈالی گئی' سورۃ القصص:۷) حالانکہ وہ رسول یا نبی نہیں تھیں۔

''انجنیئروں کے لئے شہد کی مکھی وہبی تحریک کا ایک ذریعہ ہے۔ آیت ۶۸' اِلٰہی قدرتِ تامہ کو آشکار کررہی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ شہد کی مکھی تمام دہریوں' مادہ پرستوں اور کافروں کو اِنہی رازہائے سربستہ کے ڈنگ مار رہی ہے۔'' (The Holy Qur'an and the Facts of Science" --- Dr. Haluk Nurbaki, pp. 141-144)

''سقراط نے اپنی تمام تر توجہ صرف عالمِ انسانیت پر مرکوز رکھی اور اُس کے نزدیک انسان کو صحیح طور پر پڑھ لینا انسان ہی کا مطالعہ کر لینا ہے نہ کہ عالمِ نباتات' عالم الحشرات یا عالم النجوم کا۔ تو قرآنی مزاج یہاں منکسر المزاج شہد کی مکھی کے معاملے میں بخوبی نظر آتا ہے جو الٰہی وحی کو قبول کرتی ہے۔'' (ڈاکٹر محمد اقبال)

''(Pliny) اُن جسمانی بیماریوں کی ایک طول طویل فہرست دیتا ہے جن کے لئے شہد کو کارگر علاج ہونے کا یقین کیا جاتا ہے۔ یونان کے لوگ اُس غذا کو لمبی عمر پانے کا سبب سمجھتے تھے جس میں بالخصوص بیشتر شہد کی آمیزش ہوتی تھی۔'' (Hastings' Encyclopaedia of Religion and Ethics, Vol. VI, p. 770)

"ڈاکٹر N. Zaiss جو یہاں کی طبّی دنیا کا ایک نامور نام ہے' کہتے ہیں کہ شہد زخموں کے مندمل کرنے کے لئے بہترین دوا اور تمام مرہموں میں سے اعلیٰ ہے۔ اُنہوں نے کئی ہزار اَمراض کا علاج شہد سے کیا ہے اور کسی ایک میں بھی ناکام نہیں ہوئے۔ شہد درد کو تسکین دیتی ہے' اس سے صحت یابی جلد ہوتی ہے اور دافعِ عفونت (Antiseptic) ہے۔ آگ سے جھلسے ہوئے حصوں اور جلدی پھوڑوں (Carbuncles) کے لئے انتہائی مؤثر ہے۔" ("سنڈے ایکسپریس" ۲۸ اَپریل ۱۹۳۵) لندن

نوٹ: شہد سے متعلق مزید معلومات کے لئے جلد چہارم (حصہ انگریزی) کے عنوان Pharmacology کے تحت (صفحات 52-3843) کی طرف رجوع کیا جائے۔

"مکڑی (The Spiders): قرآنِ حکیم میں مکڑیوں کا ذکر اُن کے بودے گھروں کی گندگی پر زور دیتے ہوئے کیا گیا ہے۔ قرآنِ حکیم کے مطابق مکڑیوں کے گھر ایسے ہی کمزور اور بودے ہوتے ہیں جیسے اُن لوگوں کے گھر جنہوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا آقا بنا رکھا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ (اَلْعَنْكَبُوْت : ۴۱)

"جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز تجویز کر رکھے ہیں' اُن کی مثال مکڑی کی سی مثال ہے' اُس نے ایک گھر بنایا اور مکڑی کا گھر سب گھروں سے زیادہ بودا ہوتا ہے۔" (۲۹:۴۱)

Gardner Soul مکڑی کے شکار کرنے کی تکنیک کے بارے میں کہتے ہیں:

"مکڑی ایک ریشمی ڈوری بنتی ہے' وہ اُس کے ایک سرے پر درختوں کی چپچپاتی ریزش کا ایک بھاری ٹکڑے کا وزن رکھ دیتی ہے۔ پھر وہ ڈوری کو اپنی دو ٹانگوں میں لے لیتی ہے جو اَب بازوؤں کا کام دیتی ہیں۔ جب کوئی پتنگا قریب سے اُڑتا ہوا گزرتا ہے' تو وہ پھندے کو اُدھر پھینک دیتی ہے۔ لیسدار وزن کے نیچے رکھا ہوا ابرا اُڑتے ہوئے پتنگے سے ٹکراتا ہے اور اُس سے چپک جاتا ہے۔ اس طرح پتنگا ڈوری کے اندر آجاتا ہے اور مکڑی اُسے لپیٹ لیتی ہے۔ شکار کو تازہ رکھنے کے لئے وہ ایک خاص قسم کا دھاگا پیدا کرتی ہے۔" ("Strange Things Animals Do" p. 89) 1970 N. York.

ہارون یحییٰ اِس حقیر سے کیڑے کی ذہانت پر اپنے خاص انداز میں حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے اور اپنے قارئین کو یہ ترغیب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ اِس دل پذیر منصوبہ بندی کے منبع و ماخذ پر غور کریں۔ اُن کا کہنا ہے کہ منصوبہ بندی کرنا تو اُن مخلوقات کا کام ہے جو صاحبِ عقل ہیں یعنی حضرتِ انسان۔ جبکہ مکڑی کا ذہن یہ سب کچھ سوچنے والا نہیں ہے۔ تو ایسی صورتِ حال میں اُسے ایسی پُر اثر منصوبہ بندی سے شکار کرنے کی سمجھ کہاں سے آگئی؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب معلوم کرنے میں سائنسدان اب تک کوشاں ہیں۔" ("The Miracle in the Spider", pp. 23, 24)

بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے فاضل مصنّف ٹھوس دلائل کے ذریعے ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو یوں رد کرتے ہیں:

''نظریہ ارتقاء کے حامی کہتے ہیں کہ مکڑیوں کی خصوصیات اتفاقی حادثات کی رہینِ منت ہیں۔ (میں کہتا ہوں کہ) شکار کی طرف پھندا ڈالتے وقت مکڑی کو معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے پتنگے کو اپنی طرف کھینچ کے لانا ہے اور یہ کہ اُسے پھندے کے ذریعے شکار کو پھانسنے کی مہارت حاصل ہے تو کیا یہ سب کچھ اتفاقاً ہوتا ہے یا اس سارے شکار کے عمل میں تمام تر اتفاق کارفرما ہے۔نہیں، ہرگز نہیں اور اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اتفاقی حادثات پر اپنے دعووں کی بنیاد رکھنا محض واہمہ اور جاگتی آنکھوں کا خواب ہے جس کی کوئی سائنسی یا منطقی بنیاد نہیں ہے۔'' (ایضاً ص ۲۴)

''جانوروں کا ذہانتی منصوبہ: بھیس بدلنا (Camouflage): اپنی زندگی بچانے کے لئے جانوروں کی ایک اہم خصوصیت خود کو چھپا لینے کا فن ہے جسے ہم بھیس بدلنا یا (Camouflage) کہتے ہیں۔ جانور دو وجوہ سے اپنے آپ کو چھپاتے ہیں: شکار کرنے کے لئے یا شکار سے بچنے کے لئے۔ (Camouflage) بقیہ تمام طریقوں سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ اس میں جانور بہت زیادہ ذہانت استعمال کرتا ہے۔ اپنے آپ کو چھپا لینے کی یہ تدابیر حیران کن ہیں۔ کسی کیڑے کے درخت کے تنے یا پتے کے نیچے چھپے ہونے پر اُسے پہچاننا مشکل ہوتا ہے۔'' (نظریہ ارتقاء۔۔ ایک فریب: ہارون یحییٰ ص ۲۰۶)

''مکڑی کا دھاگا اور حفاظتی صنعت: اپنی مضبوطی اور لچک کے لحاظ سے مکڑی کا دھاگا دنیا میں ایک مکمل مواد ہے۔ اسی وجہ سے محققین نے بیسویں صدی کے آخری ربع سے مکڑی کے دھاگے سے متعلق اپنی تحقیق و مطالعہ بڑھا دیا ہے۔ اِن تحقیقات کے نتیجے میں وہ کیمیائی طریقوں سے مکڑی کے دھاگے سے ملتی جلتی کوئی چیز بنانے کے قابل ہوئے ہیں اور وہ بھی بہت ناقص ترین معیار کی۔ مختصر یہ کہ اپنے تمام تر وسائل اور تحقیق کے باوجود جدید ٹیکنالوجی اُس معیار اور خصوصیت کا دھاگا بنانے کے قابل نہیں ہو سکی جو مکڑی بناتی ہے۔''

''Kevlar نامی مادہ موٹر کاروں کی سیٹ بیلٹوں اور حفاظتی لباس کے مختلف آئیٹموں میں استعمال ہوتا ہے۔ ہوائی جہازوں کی صنعت اور بحری صنعت میں بھی بہت حد تک استعمال ہونے والا یہ خارجی مواد خاصی اہمیت کا حامل ہے۔ اسی طرح وہ ڈوری، برقی تاروں کی صنعت اور کھیلوں کے سامان کی صنعت میں بھی استعمال ہوتا ہے۔''

''ایک اہم میدان جس میں موجودہ صدی میں Kevlar استعمال ہوتا ہے، وہ حفاظتی صنعت ہے۔ گولی روک (Bulletproof) فتوحی (بنیان) جو قبل ازیں فولاد سے بنائے جاتے تھے، اب اُس نباتی ریشے (Fibre) سے بنائے جا رہے ہیں جو Kevlar نامی فائبر سے بُنے ہوتے ہیں اور جو عام کپڑے سے مختلف معلوم نہیں ہوتے۔ Kevlar اپنی گولی روک خصوصیت کی وجہ سے گولی کی قوتِ عمل کو کم کر دیتا ہے۔ تکنیکی نقطہ نظر سے یہ بہت اہم اور مفید دریافت ہے۔ لیکن ان عمدہ خصوصیات کے باوجود Kevlar فائبر کی گولی روک خصوصیات، مکڑی کے دھاگے کی خصوصیات کا صرف ایک تہائی ہیں۔ یہ موازنہ اِس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی ہے جس نے مخلوقات کو اپنی لاجواب تخلیقی قوت سے پیدا کیا۔'' (ایضاً ص ۸۶،۸۵)

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ (الشُّعراء: ۲۸)

''مشرق اور مغرب کا اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، اُن سب کا پروردگار ہے، اگر تم عقل سے کام لو۔''

''مکڑی کے دھاگے کا لوگوں کی زندگی میں مقام: مکڑی کے دھاگے کی کیمسٹری پر تحقیق کے دوران خاص مشینوں کے ذریعے مکڑیوں سے دھاگے حاصل کیے جاتے ہیں۔ اِس طرح ایک مکڑی سے روزانہ ۳۲۰ میٹر (تقریباً تین ملی گرام) دھاگا اُسے کوئی ضرر پہنچائے بغیر حاصل کرنا ممکن ہے۔''

''علمِ طب ایک اور میدان ہے جہاں اس طرح سے حاصل شدہ دھاگے استعمال ہوتے ہیں یا جہاں مکڑی انسان کی خدمت میں مصروف بہ عمل ہے۔ انسان نے لمبے فاصلوں کو طے کرنے میں مکڑی کی نقالی کی۔ میونخ کا اولمپک سٹیڈیم اور جدہ ایئر پورٹ ٹرمینل جنہیں جدید فنِ تعمیرات میں بطور مثال پیش کیا جاتا ہے' کی تعمیر میں مکڑی کے جال بنانے کے طریقے کو اپنایا گیا۔ ایسے نمونہ جات بنانے کے لئے انجنیئر نگ کا علم ہونا ضروری ہے لیکن مکڑی کو تو تعمیراتی انجنیئر نگ یا تعمیراتی منصوبہ بندی کا کچھ علم نہیں ہوتا اور نہ اُنہوں نے کوئی تربیت لی ہوتی ہے۔ دوسرے جانوروں کی طرح وہ بھی اُسی جبلّت کے تحت کام کرتے ہیں جو اُنہیں روزِ پیدائش سے اللہ کی طرف سے ودیعت کی گئی ہوتی ہے۔ قرآنِ حکیم ایک جگہ بیان کرتا ہے کہ تمام مخلوقات اللہ ہی کے قبضہ واختیار میں ہیں:۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ'' ۝ (الانعام:۶:۱۰۲)

''یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار' اُس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں' ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے' پس اُسی کی عبادت کرو اور وہی ہر چیز کا کارساز ہے۔'' ("The Miracle in the Spider" -- Harun Yahya, pp. 98-101)

چیونٹی (The Ant): پیغمبر سلیمان علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی نوازشات وعنایات کے ذکر کے ضمن میں قرآنِ پاک ہمیں بتاتا ہے کہ چیونٹیوں کے درمیان اِبلاغ کا ایک نادر اور حیران کن پھیلا ہوا جال ہوتا ہے۔ سورۃ النمل میں ارشاد ہوا:

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ (اَلنَّمل: ۱۸)

''یہاں تک کہ ایک مرتبہ جب وہ چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں جا گھسو' کہیں سلیمان اور اُن کا لشکر تمہیں روند نہ ڈالیں اور اُنہیں خبر بھی نہ ہو۔'' (۲۷:۱۸)

''ممکن ہے کہ ماضی میں بعض لوگوں نے قرآن کا مذاق اُڑایا ہو کہ یہ کہانیوں کی کتاب ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ چیونٹیاں ایک دوسرے سے باتیں کرتی ہیں۔ لیکن موجودہ زمانے میں جدید تحقیقات نے چیونٹیوں کی طرزِ زندگی کے متعلق چند انکشافات کئے ہیں جو انسان کو آج سے پہلے معلوم نہ تھے۔ تحقیقات نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ حشرات جن کے طرزِ حیات میں انسانی طرزِ حیات کی بہت زیادہ مشابہت ہے' وہ چیونٹیاں ہیں اور ذیل کی باتوں میں اُن میں اور انسانی طرزِ حیات میں مشابہت پائی جاتی ہے:

(۱) چیونٹیاں اُسی طرح اپنا مُردہ دفن کرتی ہیں جیسے کہ انسان۔ (۲) اُن میں مزدوروں کے دائرۂ کار کا منظم نظام ہے جہاں اُن میں منیجر' سپروائزر' فورمین اور مزدور وغیرہ ہوتے ہیں۔ (۳) جب وہ آپس میں کہیں ملتی ہیں تو بات چیت کرتی ہیں۔ (۴) اُن کی باقاعدہ مارکیٹیں ہوتی ہیں جہاں وہ اشیاء کا تبادلہ کرتی ہیں۔ (۵) اُن میں باہمی رابطے کا جدید نظام موجود ہے۔

''سردیوں میں وہ طویل مدت تک زیرِ زمین رہنے کے لئے اناج اکٹھا کرتی ہیں اور اگر اس میں سے دانہ پھوٹ جائے تو وہ جڑوں کو کاٹ دیتی ہیں جیسا کہ وہ جانتی ہوں کہ اگر اُنہوں نے اسے اگنے کے لئے چھوڑ دیا تو یہ گل سڑ جائے گا۔ اگر جمع شدہ اناج بارش سے گیلا پڑ جائے تو وہ اُسے دھوپ میں سکھانے کے لئے لے جاتی ہیں اور جب وہ سوکھ جاتا ہے تو وہ اسے اندر واپس لے جاتی ہیں جیسا کہ وہ جانتی ہوں کہ نمی جڑوں کی افزودگی کا باعث بنے گی جو کہ فرداً اناج کے سڑنے کا باعث ہوگا۔'' (''قرآن اور جدید سائنس'' ـــ ڈاکٹر محمد ذاکر عبدالکریم ص ص ۱۱۸' ۱۱۹)

''چیونٹی بظاہر بڑی حقیر اور بڑی غیر اہم معلوم ہوتی ہے لیکن محنت اور ذہانت کے لحاظ سے ایک ایسا نادر نمونہ ہے جس کی مثال ملنی دشوار ہے۔ یہ کبھی نہ نچلی بیٹھتی ہے نہ کبھی بے کار۔ ہر وقت معروف' ہر وقت مشغول' اُس کی زندگی کے مختلف ادوار اور اُس کے رہنے سہنے کے طریقوں کا حال سنایا جائے تو آپ ششدر رہ جائیں۔ تنظیم اور تقسیمِ کار کے لحاظ سے ہو یا ذہانت اور ذکاوت کی بناپر' چیونٹی کی زندگی ہر طرح مکمل اور مربوط ہوتی ہے۔''

''حقیقت افسانہ سے زیادہ تعجب خیز ہوتی ہے۔ چیونٹی کسی طرح اشرف المخلوقات حضرتِ انسان سے کمتر نہیں ہے۔ یہ جانور پالتی ہے' اُنہیں اپنے فائدے کے لئے استعمال کرتی ہے' فوج رکھتی ہے' دشمن پر حملہ کرتی ہے' اُسے کھیتی باڑی کا سلیقہ بھی آتا ہے!! ـــ کھیتوں میں ناگر چلاتی ہے' بیج بوتی ہے' کاشت تیار ہوتی ہے تو اُسے دُور کرتی اور احتیاط کے ساتھ تہ خانوں میں محفوظ اور منتقل کر دیتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ سائنس اور مذہب میں بڑا اختلاف ہے لیکن کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ سائنس نے دراصل اپنے ان تجربات اور معلومات سے ایک اَن دیکھے خدا کی عظمت اور قدرت کے تصوّر میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے۔'' (تفسیر ماجدی اردو' حاشیہ صفحات ۷۷۱' ۷۷۲)

چیونٹیوں کا نظامِ اِبلاغ: ''چیونٹی اپنے سر میں چھوٹے' بڑے متعدد حیاتی اعضاء اُٹھائے پھرتی ہے جن کے ذریعے وہ چیونٹیوں کی نو آبادیات میں رہنے والی مادہ ساتھیوں کو اشارات (Signals) کی مدد سے پیغامات پہنچاتی ہیں۔ چیونٹی کا دماغ پانچ لاکھ شاخچہ دار خلیوں (Nerve Cells) پر مشتمل ہوتا ہے' اُس کی آنکھیں کئی اجزاء پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اس کے سر پر لگے ہوئے محاسوں (Antenna) کی جوڑی جن میں چھونے اور چکھنے وغیرہ کی حِس ہوتی ہے' ناک اور اُنگلیوں کے پوروں کا کام دیتی ہے۔'' (اقتباس از آرٹیکل نیشنل جیوگرافک میگزین کی جلد ۱۶۵ نمبر ۶ کے صفحہ ۷۷ پر چھپا)

''چیونٹیوں کا اپنے حساس حیاتی اعضاء کے ذریعے ایک دوسرے کو پیغام کی ترسیل کا طریق کار مختلف ہے۔ وہ ان حیاتی اعضاء کو اپنی زندگی کے ہر ہر لمحہ میں ـــ اپنے شکار کی تلاش سے لے کر ایک دوسرے کا پیچھا کرنے تک اور اپنی مکین گاہوں کے بنانے سے لے کر ایک دوسرے سے لڑنے تک۔ بروئے کار لاتی رہتی ہیں۔ اُن کا نظامِ ابلاغ حضرتِ انسان کو دماغی صلاحیتیں رکھنے کے باوجود ششدر کر دیتا ہے کہ دو یا تین ملی میٹر کے ننھے سے جسم میں پانچ لاکھ خلیوں کو سکیڑ دیا گیا ہے۔'' (The Miracle in the Ant-- Harun Yahya, p. 30)

اب ہم حیاتیات (Biology) کے مختلف پہلوؤں کا مخصوص عنوانات کے تحت مطالعہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ قرآنِ حکیم اُن کی بابت کیا کہتا ہے :۔

(۱) تولیدِ حیات از غیر حیات (Abiogenesis) : یہ نظریہ کہ ذی حیات اشیاء غیر ذی حیات سے از خود پیدا ہو سکتی ہیں، حیاتیات کی اصطلاح میں (Abiogenesis) کہلاتا ہے۔

دہریوں کا دعویٰ ہے کہ ''حیات' حیات ہی سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔'' لیکن قرآنِ حکیم اس بارے میں کہتا ہے:
يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ (الانعام : ۹۵) یعنی وہ زندہ کو مُردہ میں سے نکالتا ہے۔

''یہ آیت دہریوں کے دعویٰ پر زبردست طمانچہ ہے۔ اس کی مزید مثالیں حسب ذیل ہیں:۔

''(۱) جنت میں قیام کے دوران آدم علیہ السلام پر عرصہ حیات کی قید نہیں لگائی گئی تھی۔ جنت سے زمین پر آنے کے بعد اُن کے اور اُن کی اولاد کے لئے عرصہ حیات مقرر کیا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسانی جسم فنا ہونے کی خصوصیت کا حامل ہے۔ لہٰذا فنا (یعنی موت) غیر فنائیت (یعنی حیات) سے ظہور پذیر ہوئی۔ مندرجہ بالا آیت اُن لوگوں کے لئے جو روزِ قیامت اور ابدی حیات پر ایمان نہیں رکھتے، ایک اہم بصیرت کا پیغام ہے۔''

''(۲) حضرت حوا علیہا السلام کا آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہونا (بروئے حدیث) ہمیں حیاتیات کے ایک گہرے راز کے متعلق بتاتا ہے جس کا اشارہ محولہ بالا آیت ۹۵ میں کیا گیا ہے۔ لہٰذا ''زندہ کو مُردہ میں سے نکالنے'' کا ایک راز آدم علیہ السلام کا مٹی سے پیدا کئے جانے اور حضرت حوا علیہا السلام کا اُن کی پسلی سے پیدا کئے جانے میں ہے۔''

''(۳) جان داری اور گرم خیزی (Vitality) میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی اِس صفت کا اظہار ہے کہ وہ زندگی عطا کرتا ہے اور اس میں موت کے رکھ دینے میں الٰہی قدرتِ تامہ و کاملہ کا ایک راز ہے۔ صحتمند انسانوں کا بلا وجہ مر جانا موت کے ناقابلِ توجیہ اور سمجھ سے باہر واقعات ہیں جبکہ بہت سے مریضوں کا زندہ رہنا جن میں شعلۂ حیات تقریباً ختم ہو چکا ہوتا ہے، محولہ بالا آیت کی صداقت کی ایک اور مثال ہیں۔''

''(۴) کاربن اور نائٹروجن کو جب منفی طور پر چارج کیا جائے تو وہ حیات کی اور جب اُنہیں مثبت طور پر چارج کیا جائے، تو وہ عدم (موت) کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس عمل کی تیاری سے متعلق ہمیں مُردہ زمین کے (بارش کے بعد) دوبارہ زندگی دئے جانے اور اس جیسی مثالوں کے ذریعے باخبر کیا جاتا ہے کہ حکمِ الٰہی کے تحت روزِ قیامت کا وقوع ہو کر رہے گا۔'' (The Holy Koran and the Facts of Science --- Dr. Haluk Nurbaki, pp. 281-283)

(۲) حیوی ارتقاء (Biogenesis) : یہ نظریہ کہ ایک نامی وجود دوسرے نامی وجود ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اس نظریئے کو بھی قرآنِ حکیم نے رد کیا ہے کیونکہ خالقِ حقیقی قادرِ مطلق ہے اور جو چاہے پیدا کر سکتا ہے، خواہ جاندار سے یا غیر جاندار سے۔

يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر ٥ (اَلنُّور : ۴۵)

جاندار کا جاندار سے پیدا ہونے کے متعلق قرآن یوں فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا (اَلنَّحل : ۷۸)

''اور اللہ ہی نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا' اس حال میں کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے۔''

مُردہ سے زندہ اور زندہ سے مُردہ نکالنے کی مثالیں سورہ آلِ عمران کی آیت ۲۷ اور سورہ یونس کی آیت ۳۱ ہیں۔

جنینی مراحل (Embryological Stages) : اِن مراحل کے متعلق قرآن میں وضاحت موجود ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ٥ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ٥ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ٥ (المؤمنون : ۱۲-۱۴)

''اور بالیقین ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا' پھر ہم نے اُسے ایک محفوظ مقام میں نطفہ بنایا۔ پھر ہم نے نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا' پھر ہم نے خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنا دیا' پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا' پھر ہم نے اُسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا دیا۔ اللہ تمام صناعوں سے بڑھ کر کیسی شان والا ہے!''

مذکورہ بالا آیات میں رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان کو سیال مادے (نطفہ) کی معمولی مقدار سے بنایا گیا ہے جسے امن کی جگہ پر رکھ کر مضبوطی سے جمایا جاتا ہے جس کے لئے قَرَارٍ مَّكِيْن کی ترکیب استعمال کی گئی ہے۔ ''امن کی جگہ'' کی وضاحت یوں ہے کہ رحمِ مادر پچھلی جانب سے ریڑھ کے مہروں کے ستون سے اچھی طرح محفوظ کیا جاتا ہے جسے کمر کے پٹھے مضبوطی سے سہارا دیتے ہیں۔ چنانچہ جنین ایک محفوظ ترین جگہ میں رہتا ہے۔''

''سیال کی اِس معمولی مقدار (نطفہ) کو عَلَقَہ میں بدل دیا جاتا ہے یعنی کوئی ایسی چیز جو چپک جاتی ہو۔ اس سے جونک سے مشابہ چیز بھی مراد ہو سکتی ہے۔ یہ دونوں تعریفیں سائنس کے لحاظ سے قابلِ قبول ہیں کیونکہ بالکل ابتدائی مراحل میں جنین رحمِ مادر کی دیوار سے چپک جاتا ہے اور صورت کے لحاظ سے جونک سے بھی مشابہت رکھتا ہے۔ یہ جونک جیسے طرزِ عمل کا حامل ہوتا ہے اور ماں سے اپنی خونی رسد بذریعہ ناف حاصل کرتا ہے۔''

''عَلَقَہ کا تیسرا معنی ہے جما ہوا خون۔ یہ مرحلہ حمل کے تیسرے اور چوتھے ہفتے پر محیط ہوتا ہے۔ اِس مرحلے کے دوران خون بند نالیوں میں جم جاتا ہے۔ چنانچہ جنین جونک کی شکل اختیار کرنے کے علاوہ ایک جمے ہوئے خون کی وضع بھی اختیار کر لیتا ہے۔ عَلَقَہ مُضْغَہ میں بدل جاتا ہے۔ یہی ایسی چیز ہے جو چبائی گئی ہو (جس پر دانتوں کے نشان ہوں) اور ایسی چیز بھی جو نرم چپکنے والی اور چھوٹی ہو اور جسے Gum کی طرح منہ میں رکھا جا سکے۔''

''سائنسی لحاظ سے مذکورہ بالا دونوں وضاحتیں درست ہیں۔ پروفیسر کیتھ مور نے پلاسٹر سیل کا ایک ٹکڑا لیا اور اُسے جنین کے ابتدائی مرحلے کی جسامت کی شکل دی' اُسے مُضغہ بنانے کے لئے دانتوں سے چبایا اور اُس کا موازنہ جنین کے ابتدائی مرحلے کی تصاویر سے کیا گیا۔ دانتوں کے نشان Somites سے ملتے جلتے تھے جو کہ ریڑھ کی ہڈی کی ابتدائی ساخت ہے۔ پھر یہ مُضغہ ہڈیوں میں بدل جاتا ہے۔ ہڈیاں سالم گوشت یا پٹھوں سے لپٹی ہوئی ہوتی ہیں۔ پھر اللہ جلّ جلالہٗ اُسے ایک اور تخلیق میں ڈھال دیتے ہیں۔'' (''قرآن اور جدید سائنس'' --- ڈاکٹر محمد ذاکر عبدالکریم نائیک' ص ص ۱۳۸۔۱۳۶)

یہ اور تخلیق (خَلۡقًا آخَر) کیا ہے؟ یہ حالاتِ سابق سے بالکل ممتاز بنا کر اور اشرف المخلوقات کا سہرا پہنا کر دنیا میں بھیجا جاتا ہے۔ یہ وہی چیز ہے جہاں تک بیچارے ڈارون اور اس کے حامیوں کی نظر نہ پہنچ سکی اور وہ انسان کو ایک ترقی یافتہ حیوان ہی سمجھتے رہے! یعنی اب تک انسان اور دیگر حیوانات کے جنین یکساں قسم کے تھے لیکن ایک منزل پر پہنچ کر مصوّرِ فطرت نے یکا یک اپنے موئے قلم سے کوئی ایسی رنگ آمیزی کر دی کہ اُسے دیگر جنینوں سے بالکل ممتاز کر کے رکھ دیا اور اُسے بالکل ایک نئی قسم کی مخلوق کا روپ بخش دیا۔ عقل وفہم کی قوّتیں' غور وفکر کی صلاحیتیں' تسخیرِ کائنات کے حوصلے اور حکمرانی کی اُمنگیں سب کچھ اِس عمدگی سے یہاں یکجا جمع کر دی گئی ہیں جسے دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے اور وہ یہ راز سمجھ نہیں سکتا کہ ابتدائی مرحلوں میں بالکل یکساں ہونے کے باوجود کس طرح ایک کا رخ ایک طرف اور دوسرے کا رخ ایک بالکل ہی نئی منزل کی طرف موڑ دیا گیا اور پھر اس منزل کو پا لینے کے لئے جن قابلیتوں' صلاحیتوں اور وسائل کی ضرورت تھی' وہ سب مہیا کر دیئے گئے ہیں تو زبان پر بے ساختہ آ کر رہتا ہے فَتَبَارَکَ اللّٰہُ أَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ۔

أَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡن کے ظاہر الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیدا کرنے والے تو بہت سے ہیں' البتہ سب سے بہتر پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ حالانکہ صرف وہی خالق ہے اور کسی کو تخلیقِ کائنات میں حصہ دار بنانا توحید کے قطعاً منافی ہے۔ علمائے کرام نے اس شُبہ کا ازالہ اس طرح فرمایا ہے کہ خَلۡق کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے: کسی چیز کو کسی موجود مادّے اور سابقہ مثال کے بغیر پیدا کرنا (مفردات امام راغب) اِس معنی کے لحاظ سے یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو کسی اور میں نہیں پائی جا سکتی۔ اس کا دوسرا معنی سابقہ مادّہ سے کسی چیز کو کسی موجودہ مثال کے مطابق بنا لینا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں میں بھی پایا جا سکتا ہے۔ اس آیت میں یہ لفظ اپنے دوسرے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔'' (ضیاء القرآن' ج ۳' ص ص ۲۴۷' ۲۴۸)

ڈاکٹر کیتھ مور لکھتے ہیں کہ خَلۡقًا آخَر کے الفاظ میں ہڈیاں اور اعصاب بننے کے بعد ایک اور تخلیق کی طرف اشارہ ہے۔ وہ بہر حال انسانی جنین ہے جو آٹھویں ہفتے کے آخر میں بنتا ہے۔ اس مرحلے میں اس میں انسانی اوصاف نمایاں طور پر موجود ہوتے ہیں اور وہ اُن تمام داخلی اور خارجی اعضاء وحصص کا حامل ہوتا ہے جو نشوونما کے ابتدائی درجے میں ہوتے ہیں۔ آٹھویں ہفتے کے بعد یہ انسانی جنین کچا بچہ (Fetus/Foetus) کہلاتا ہے اور یہی وہ نئی تخلیق ہے جس کا ذکر آیت مذکورہ میں کیا گیا ہے۔'' (ڈاکٹر کیتھ مور کا مضمون بہ عنوان A Scientist's Interpretation of References to Embryology in the Qur'an جو جرنل آف دی اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کی جلد ۱۸ کے صفحات ۱۵ تا ۱۸ پر جنوری۔۔جون ۱۹۸۶ میں چھپا)

نوٹ: مزید معلومات کے لئے رجوع کیا جائے صفحات ۲۸۱۱ تا ۲۸۲۰ (ج ۳ انگریزی) ''میڈیکل سائنس'' کے عنوان کے تحت۔

''ڈی این اے (DNA =Deoxyribonucleic Acid): زمین پر تمام زندگی کی بنیاد ایسے سالموں پر ہے جو کاربن کی زنجیروں (Chains) پر مشتمل ہیں۔ زمینی زندگی کو کنٹرول کرنے کے لئے جو معلومات ضروری ہیں یا بہ الفاظِ دیگر عضویہ کی کارکردگی کو برقرار رکھنے کے لئے ''لمبے کاربنی زنجیری سالمے'' ہیں جنہیں ڈی این اے کہا جاتا ہے۔ ڈی این اے خلیے میں اُس کے مرکزہ (Nucleus) کے اندر دھاگا نما لمبے سالمے' لونی (Chromosome) کی شکل میں ہوتے ہیں اور یہی ڈی این اے تخلیقی سرگرمیوں کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اگرچہ ایک جاندار چیز میں' جسمِ انسانی میں' حیوان میں یا کسی بھی عضویہ (Organism) میں ایک خلیہ بھی ہو سکتا ہے اور اربوں خلیے بھی ہو سکتے ہیں مگر ہر خلیے کا ایک مخصوص کام ہے۔ ہر جاندار میں خلیے کی ساخت' خوبیاں اور خواص ایک جیسی ہوتی ہیں۔''

''خلیے کے جسم کو مایہ خلیہ یا مایہ حیات (Cytoplasm) کہتے ہیں جس کے اندر مرکزہ ہوتا ہے۔ مرکزے کا کام یہ ہے کہ وہ مایہ حیات (سائٹوپلازم) کو بہت سے کام کرنے میں ہدایات جاری کرتا ہے مثلاً ایسی نامیاتی اشیاء بنانے میں جو ایک جاندار (عضویہ) کی نشوونما' بقا اور افزائشِ نسل کے لئے ضروری ہیں۔''

''ڈی این اے ایک pattern سیٹ تیار کرتا ہے کہ ہر خلیے نے کس قسم کی پروٹین بنائی ہے جس کی جاندار کو ضرورت ہے۔ اس میں وراثتی کوڈ بھی ہوتا ہے جو خلیے کی تقسیم کے ذریعے نسل در نسل منتقل ہوتا رہتا ہے' اسی لئے اُسے خلیے کا کنٹرول روم کہتے ہیں۔ پھر اُس کی یادداشت اور معلومات کو سٹور کرنے کا یونٹ بھی ہوتا ہے۔ انسان میں ڈی این اے کی مقدار چائے کے ایک چمچہ کے برابر ہوتی ہے۔ یہ ساری معلومات مثلاً کسی بچے کا رنگ کیسا ہوگا' بالوں کا رنگ کیسا ہوگا' آنکھوں کا رنگ کیسا ہوگا' دانت کیسے ہوں گے' جسمانی ساخت کیسی ہوگی؟ وغیرہ وغیرہ' ڈی این اے میں محفوظ ہوتی ہیں۔ یہاں تک بھی کہا جاتا ہے کہ انسان کی زندگی میں کس عمر میں کوئی حادثہ رونما ہوگا۔'' (''قرآن کے جدید سائنسی انکشافات'' ـــ پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم' ص ص ۱۱۱' ۱۱۳)

''انسانی خلیے میں معلومات کا ایک دفتر: ڈی این اے میں ذخیرہ شدہ معلومات کی قدر و قیمت کو کسی بھی طرح حقیر نہیں سمجھنا چاہئے۔ ایک انسانی خلیہ اپنے اندر اتنی معلومات رکھتا ہے کہ اس سے دس لاکھ صفحات کا انسائیکلوپیڈیا یا ایک ہزار کتابیں تیار کی جاسکتی ہیں۔ اگر ڈی این اے میں محفوظ معلومات کو صفحۂ قرطاس پر لایا جائے تو وہ کاغذ قطب شمالی سے لے کر خطِ استوا تک پھیلا ہوا ہوگا۔'' (The Miracle of Creation in DNA --- Harun Yahya, pp. 13, 14)

''خلیے ـــ انسان کے تعمیراتی بلاک: ایک بیضہ کا نطفہ سے بارآور ہونے کا مطلب ایک نئی انسانی زندگی کا آغاز ہے۔ بیضے کو بارآور کرنے کے لئے لاکھوں تخم مائل بہ عمل ہوتے ہیں لیکن اُن میں سے صرف ایک کامیاب ہوتا ہے۔ تاہم یہ مسابقت اتفاق یا کسی حادثے کی رہینِ منت نہیں کی گئی کیونکہ اس کا ہر پہلو ایک مقررہ نتیجے کے ساتھ خالقِ حقیقی کا پیدا کردہ ہے۔ اس حقیقت کو قرآن مجید نے مندرجہ ذیل آیات میں بیان فرمایا ہے:۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝ ءَ اَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ (الواقعة:۵۷-۵۹)

قرآنک انسائیکلوپیڈیا

اُردو ترجمہ

جلد دوم

مؤلف

پروفیسر اشفاق احمد خان